تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرَّضْوِیَّۃ

فتاوٰی رضویہ



جلد 13

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

تصنیفِ لطیف: اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمۃ

ALAHAZRAT NETWORK

اعلحضرت نیٹ ورک

www.alahazratnetwork.org

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۱۳ سیزدہم

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم شان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ——— ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ——— ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن ۰ جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون نمبر ۳۱۴، ۷۶۵

نام کتاب ——— فتاوٰی رضویہ جلد سیزدہم

تصنیف ——— شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ——— حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ——— " " " " " " " " "

ترتیب فہرست ——— " " " " " " " " "

تخریج وتصحیح ——— مولانا نذیر احمد سعیدی | مولانا محمد اکرام اللہ بٹ

باہتمام وسرپرستی ——— حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان

کتابت ——— محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ——— مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

صفحات ——— ۶۸۸

اشاعت ——— ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ / مارچ ۱۹۹۸ء

مطبع ———

ناشر ——— رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ———

ملنے کے پتے

○ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

○ مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

○ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

○ شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدُ للّٰہ اعلیٰ حضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائنِ علمیہ اور ذخائرِ فقہیہ کو جدید انداز میں عصرِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظرِ عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہُوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہُوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی ترجمہ و تخریج کے ساتھ عمدہ و خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ / مارچ ۱۹۹۰ء میں ہُوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہٗ وبعنایۃ رسولہ الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اب تک تقریباً آٹھ سال کے مختصر عرصہ میں کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان اور کتاب الحدود والتعزیر پر مشتمل تیرہ ۱۳ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیلِ سنین، مشمولات اور مجموعی صفحات کے اعتبار سے حسبِ ذیل ہے؛

جلد	عنوان	جوابات اسئلہ	تعداد رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
پہلی جلد	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ — مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
دوسری 〃	〃 〃	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ — نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
تیسری 〃	〃 〃	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ — فروری ۱۹۹۲ء	۷۵۶
چوتھی 〃	〃 〃	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ھ — جنوری ۱۹۹۳ء	۷۶۰
پانچویں 〃	کتاب الصلٰوۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاول ۱۴۱۴ھ — ستمبر ۱۹۹۳ء	۶۹۲
چھٹی 〃	〃 〃	۴۵۷	۴	〃 〃 ۱۴۱۵ھ — اگست ۱۹۹۴ء	۷۳۶
ساتویں 〃	〃 〃	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ھ — دسمبر ۱۹۹۴ء	۷۲۰
آٹھویں 〃	〃 〃	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ھ — جون ۱۹۹۵ء	۶۶۴
نویں 〃	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ — اپریل ۱۹۹۶ء	۹۴۶
دسویں 〃	〃 زکٰوۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاول ۱۴۱۷ھ — اگست ۱۹۹۶ء	۸۳۲
گیارھویں 〃	کتاب النکاح	۲۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ھ — مئی ۱۹۹۷ء	۷۳۶
بارھویں 〃	〃 نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ھ — نومبر ۱۹۹۷ء	۶۸۸
تیرھویں 〃	〃 طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ — مارچ ۱۹۹۸ء	۶۸۸

تیرھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ جلد پنجم کے باب تعلیق الطلاق سے جلد پنجم کے آخر تک ۲۹۳ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ بتوفیق اللہ تعالٰی وبفضلہ اس راقم پُرتقصیر عفی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس جلد کے مسائل و رسائل کی مکمل و مفصل فہرست نیز مسائل ضمنیہ کی فہرست راقم نے افادۂ قارئین کے لئے تیار کردی ہے۔ متعدد ضمنی مسائل و فوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل چودہ۱۴ عنوانات زیربحث لائے گئے ہیں:

(۱) باب تعلیق الطلاق　　(۲) باب الایلاء

(۳) باب الخلع　　(۴) باب الظہار

(۵) باب العدۃ　　(۶) باب الحداد (سوگ)

(۷) باب زوجۃ مفقود الخبر (۸) باب النسب
(۹) باب الحضانۃ (پرورش) (۱۰) باب النفقۃ
(۱۱) کتاب الایمان (۱۲) باب النذر
(۱۳) باب الکفارۃ (۱۴) کتاب الحدود والتعزیر

مندرجہ بالا عنوانات کے علاوہ انتہائی دقیق اور نادر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل دو رسائل بھی اس جلد میں شامل ہیں:

(۱) اکد التحقیق بباب التعلیق (۱۳۲۲ھ)

مسئلۂ تعلیق میں ایک دیوبندی مفتی کا رَدِّ بلیغ

(۲) الجوهر الثمین فی علل نازلۃ الیمین (۱۳۳۰ھ)

ایک نوع کی قسم کے بارے میں اجتہادی جزئیہ اور اس پر تفصیلی بحث

بنگالہ ضلع نواکھالی ڈاکخانہ بیگم گنج سے ۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ کو ارسال کردہ جناب مولنا عبد المجید شنوپوری کا استفتاء جو فتاوٰی رضویہ جلد پنجم قدیم کے صفحہ ۵۹۰ پر مذکور تھا چونکہ وہی رسالہ اکد التحقیق بباب التعلیق کے معرضِ تحریر میں آنے کا موجب بنا لہٰذا ترتیب سابق میں تبدیلی کرکے جلد ہذا میں اس استفتاء وجواب استفتاء کو رسالہ مذکورہ سے پہلے کر دیا گیا ہے تاکہ دونوں آپس میں مربوط ہوجائیں۔ ایک اور ترمیم یہ کی گئی ہے کہ کتاب المفقود جو کہ فتاوٰی رضویہ قدیم میں جلد سادس میں مندرج تھی اور ابوابِ فقہیہ کی ترتیب کے اعتبار سے اس کو وہاں پر ہی ہونا چاہئے تھا مگر اس کے تحت جو چند فتوے مذکور ہیں اتفاق سے وہ سب ہی زوجۂ مفقود الخبر سے متعلق ہیں لہٰذا مفتی کی سہولت کے پیش نظر مناسب سمجھا گیا کہ کتاب المفقود کو وہاں سے نکال کر باب زوجہ مفقود الخبر کے عنوان سے جلد ہذا میں شامل کر دیا جائے۔ علاوہ ازیں اعلٰیحضرت علیہ الرحمۃ کا ایک مفصل فتوٰی جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ تھا (جس میں متعدد وجوہ سے مولوی اشرف علی تھانوی کے جہالت پر مبنی ایک فتوے کا رَدِّ بلیغ کیا گیا اور بیسیوں جید علماء کرام نے اس کی تصدیق وتائید فرماتے ہوئے اس پر مہریں ثبت فرمائی ہیں) جلد ہذا میں شامل کر لیا گیا ہے جس کو آپ صفحہ ۱۱۷ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں نیز جلد ہذا کا مسئلہ نمبر ۲۴۹ دراصل فتاوٰی افریقہ کا مسئلہ نمبر ۶۰ ہے جس کو باب النذر کی مناسبت سے اس جلد میں شامل کیا گیا ہے۔

○

حافظ محمد عبد الستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
مارچ ۱۹۹۸ء

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

مفصل فہرست

باب الایلاء

باب الخلع

باب الظہار

باب الایلاء ۲۵۷

باب الحداد (سوگ) ۳۲۷

باب زوجۃ مفقود الخبر ۳۳۵

باب الحضانۃ (پرورش) ۳۸۳

نہ اُس کے پاس رہ سکتی ہے نہ اُس کے نکاح کی وِلایت اُس کو حاصل ہے، اس پر جو خرچ کیا تبرع ہُوا۔ ۴۱۲

بابُ النّفقۃ ۴۱۵

مطلقہ حاملہ ہو تو عدت وضع حمل ورنہ تین حیضوں کا آکر ختم ہو جانا ہے۔ ۴۱۵

مطلقہ کا نفقہ عدت کے بغیر شوہر پر واجب نہیں۔ ۴۱۵

نفقہ عدت کے تابع ہے۔ ۴۱۵

شوہر کو عورت کے اپنے پاس رکھنے کا حق شرعًا حاصل ہے، اس حق کو خود شوہر بھی کسی اقرارنامہ کے ذریعہ باطل نہیں کر سکتا۔ ۴۱۷

شوہر کو حقِ حبسِ زوجہ، مہر معجّل کی ادائیگی کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ ۴۱۷

مہر وطی معقود علیہ ہے۔ ۴۱۷

تسلیم لبعض موجب تسلیم باقی نہیں۔ ۴۱۷

مہر معجل نہ ادا ہو تو عورت شوہر کو استفاع اور رخصتی سے روک سکتی ہے اور اس صورت میں ناشزہ نہ ہوگی۔ ۴۱۸

استقاط کے لئے پہلے ثبوت درکار ہے جو شئی ہنوز ثابت ہی نہیں ساقط کیا ہوگی۔ ۴۱۸

جس استقاط کی قسم نہیں کھائی جا سکتی اس کی تعلیق صحیح نہیں۔ ۴۱۸

عورت آٹھویں دن اپنے والدین کے یہاں بے اذنِ زوج بھی جا سکتی ہے۔ ۴۱۹

والدین کے علاوہ دیگر محارم کی زیارت کو عورت سال میں ایک مرتبہ جا سکتی ہے چاہے شوہر اجازت دے یا نہ دے۔ ۴۲۰

ظالم شوہر کے ظلم سے بچنے کے لئے عورت کو انتقالِ سکونت کے مطالبہ کا حق ہے۔ ۴۲۰

ایامِ عدت کا نفقہ شوہر نے ادا نہ کیا اور عدت گزر گئی تو وُہ ساقط ہو گیا۔ ۴۲۱

زوجہ کو بلاوجہ تکلیف دینا ایک گناہ اور دُوسری زوجہ سے کم رکھنا دوسرا گناہِ شدید جس کی تحریم پر قرآن وحدیث ناطق ہیں۔ ۴۲۲

عورت نے اپنے نفقہ کے لئے باہمی تراضی یا قضاء قاضی کے بغیر جو قرض لیا اس کی ذمہ دار وُہ خود ہے اور تراضی یا تقرر قاضی کے بعد اگر اپنے مال سے بھی خرچ کرے تو اس کو شوہر سے وصول کر سکتی ہے۔ ۴۲۲

جہاں مہر میں تعجیل یا تاجیل کچھ مذکور نہ ہو تو وہاں حکم عرف رواج کے مطابق ہوگا۔ ۴۲۴

ہمارے بلاد میں عامۂ مہور یُوں بندھتے ہیں کہ ان میں تعجیل و تاجیل کچھ مشروط نہیں ہوتی تو بحکم عرف شائع و ذائع یہاں کی عورتیں جب تک مرگ یا طلاق سے افتراق نہ واقع ہو ہرگز مطالبۂ مہر کا استحقاق نہیں رکھتیں نہ قاضی کو اختیار کہ ایسی صورت میں پیش از افتراق ادائے مہر پر جبر کرے۔ ۴۲۴

عورت جب تک ناشزہ نہ ہو مستحقِ نفقہ ہے۔ ۴۲۴

اگر نفقہ قضاءً یا رضا سے مقرر ہو لیا ہے تو جتنے

دن بعد قرار دادہ نفقہ گزر گئے ہیں عورت ان کا مطالبہ بھی کرسکتی ہے اور آئندہ کے لئے بھی جو میعاد تکرارِ نفقہ کے لئے قرار پائی ہے اس کے شروع کے بعد اسی قدر کا مطالبہ کرسکتی ہے مثلاً نفقہ ماہ بماہ دینا قرار پایا ہے تو ہر مہینے کے شروع میں اُس مہینے کا اور اگر سال بسال مقرر ہُوا تو ہر سال کے آغاز پر اس سال کا نفقہ مانگ سکتی ہے۔ ۴۲۵

شوہر نفقہ مقرر کرنے پر راضی نہ ہو تو عورت قاضی کے وہاں دعوی کرکے نفقہ مقرر کرا سکتی ہے۔ ۴۲۶

نفقہ کے تقرر میں مرد و زن دونوں کی حیثیت کا کا لحاظ ہوگا۔ ۴۲۶

عورت شوہر کے پاس سے فرار ہوگئی تو ناشزہ ہے اتنی مدت کا نفقہ نہ پائے گی۔ ۴۲۸

جوان غیر اپاہج بیٹے کی عورت کا نفقہ باپ پر لازم نہیں۔ ۴۲۸

نابالغ بچہ کی پرورش کا خرچ اس کے باپ پر، اور پرورش کا حق سات سال کی عمر تک ماں کو ہے اگر آوارہ اور بدکار نہ ہو۔ ۴۲۹

عورت کو بلا وجہ شرعی نان و نفقہ نہ دینے والا شوہر ظالم و گنہ گار اور عورت کے حق میں گرفتار ہے ۴۳۰

عورت شوہر کے حکم سے کہیں گئی تو ناشزہ نہیں نفقہ پائے گی اور ناشزہ بھی جب شوہر کے پاس آجائے تو نفقہ پائے گی۔ ۴۳۰

نفقہ اگر قضاءِ قاضی یا تراضی طرفین سے مقرر نہ ہو تو جو وقت گزر گیا اُس کا نفقہ ساقط ہے۔ ۴۳۱

عورت اگر دعوی کرکے بحکم قاضی نفقہ کرا لے اور شوہر نہ دے تو جبراً بذریعہ نالش وصول کرسکتی ہے۔ ۴۳۱

بالغ لڑکا جب کسب پر قادر ہو اُس کا نفقہ باپ کے ذمہ نہیں۔ ۴۳۲

عورت اور نابالغ اولاد کا نفقہ شوہر پر لازم ہے جبکہ نابالغوں کے پاس ذاتی مال بقدرِ کفایت نہ ہو۔ ۴۳۳

شوہر نے عورت کو گھر سے نکال دیا، عورت جانے کو تیار مگر یہ بلاتا نہیں نفقہ واجب ہے۔ ۴۳۳

تہمت کی وجہ سے اگرچہ وُہ تہمت واقع میں صحیح بھی ہو عورت کا نکاح زائل نہیں ہوتا۔ ۴۳۴

فاجرہ عورت کو طلاق دینا شوہر پر واجب نہیں۔ ۴۳۴

جاہلوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ اگر عورت معاذ اللہ بدوضعی کرے تو نکاح جاتا رہتا ہے محض غلط ہے۔ ۴۳۵

شوہر پر فرض ہے کہ بیوی کے نان و نفقہ کی خبرگیری کرے یا طلاق دے دے۔ ۴۳۵

بیوی کو معلق رکھنے والا شوہر گنہگار اور صریح حکمِ قرآن کا خلاف کرنے والا ہے۔ ۴۳۵

شوہر کی اجازت کے بغیر جانے سے نفقہ ساقط ہوجاتا ہے لیکن نکاح باقی رہتا ہے۔ ۴۳۵

نفقہ زوجہ جزاءِ احتباس ہے۔ ۴۳۵

وعدہ پر جبر نہیں۔ ۴۳۵

شوہر کے بلانے پر بیوی شوہر کے گھر نہ آئی تو نفقہ ساقط ہوگیا۔ ۴۳۵

کتاب الایمان

باب الکفارۃ ٦٠٩

کتاب الحدود والتعزیر ٦١٢

فہرست ضمنی مسائل

تفسیر

فوائدِ حدیثیہ

حیض

اذان

نماز

امامت

مساجد

زکوٰۃ

نکاح

5/5

اپنے سامنے نکاح نہ ہونے کو نکاح نہ ہونا سمجھ لینا سخت سفاہت ہے۔ ۳۰۰

بے انقضائے عدت دوسرے سے نکاح حرام و ناجائز ہے، اور بعض علماء کے نزدیک اس عقد پر کوئی حکمِ نکاح اصلاً مرتب نہیں ہوتا۔ ۳۰۰

معتدۂ غیر سے دانستہ نکاح کرنا باطل محض ہے۔ ۳۰۰

جس عورت کو زنا کا حمل ہو غیر زانی کو بھی باوجود حمل اس سے نکاح جائز ہے مگر تا وضعِ حمل جماع جائز نہیں ۳۰۰

بہن کی موجودگی میں بہنوئی سے نکاح سخت حرام ہے۔ ۳۰۰

نکاح فاسد میں متارکہ ضروری جو میاں بیوی دونوں میں سے کوئی بھی کرسکتا ہے۔ ۳۰۱

عدت میں جانتے ہوئے نکاح کیا تو نکاح باطل اور جماع زنا ہے اور لاعلمی میں کیا تو نکاح فاسد ۳۰۲

منکوحہ نے اپنے شوہر سے ناراض ہو کر غیر سے نکاح کرلیا، کچھ عرصہ بعد دوبارہ شوہرِ اول سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اب شوہرِ اول سے عقدِ قدیم قائم ہے عقدِ جدید کی ضرورت نہیں۔ ۳۰۲

منکوحہ عورت کو خالی و حلال سمجھ کر نکاح میں لایا تو اس پر فرض قطعی ہے کہ عورت کو ترک کرے اگر مجامعت کرچکا ہے تو عورت وقتِ ترک سے تین حیض عدت کرے، اس کے بعد شوہرِ اول کے لئے بے تجدیدِ نکاح رہ سکتی ہے۔ ۳۰۳

رافضی کا نکاح سُنّیہ سے نہیں ہوتا اس لئے نہ طلاق کی ضرورت ہے نہ عدت کی۔ ۳۱۴

بے طلاق کسی کی عورت گھر میں رکھ لی اور میاں بیوی کی طرح رہنے لگے اس کے بعد شوہر مرگیا تو جب تک نکاحِ جدید نہ کرلیں میاں بیوی نہ ہوں گے۔ ۳۱٦

عدت کے اندر نکاح قطعی حرام ہے۔ ۳۱۹

دیدہ و دانستہ عدت کے اندر عورت کا نکاح کیا جائے تو وہ محض باطل ہے، اس کو نکاح ہی نہیں کہہ سکتے۔ ۳۲۲

عدت کے اندر نکاح مطلقاً ناجائز ہے۔ ۳۵۸

جب تک کسی عورت کا شوہر زندہ ہو اور طلاق بھی نہ دی ہو اس عورت کا دوسرا نکاح حرام حرام حرام زنا زنا زنا ہے۔ ۴۷۴

شوہر کی زندگی میں بلا طلاق عورت کے دوسرے شخص سے نکاح کی کوئی صورت نہیں۔ ۴۷٦

عورت کا زانیہ ہونا ثابت ہو جائے تب بھی نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا۔ ٦١٨

جمع بین الاختین کرنے والا حرام کار ہے اس کا مقاطعہ کرنا چاہئے۔ ٦۵۱

محرمات

جب کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرچکا تو اس عورت کی بیٹی اس شخص پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔ ۳٦۲

مرد پر اس کی مزنیہ اور ممسوسہ بہ شہوت کے اصول و فروع حرام ہیں۔ ۳٦۲

جس عورت کے فرج کے داخل کو مرد نے شہوت

کفارت

ولایت

مہر

جہیز

رضاعت

طلاق

کنایہ

عتاق

حِیَل

فوائد اصولیہ

فوائد فقہیہ

افتاء و رسم المفتی

6

اسماءُ الرّجال

تاریخ و تذکرہ

فضائل ومناقب

بیوع

اجارہ

یں صرف ماں کی پھوپھی موجود ہے تو بچہ اسی کی پرورش میں دیں گے، اُجرت لینی چاہے تو باپ سے دلا دیں گے۔ ۴۹۸

طاعت پر اجارہ باطل ہے۔ ۵۹۵

متاخرین نے امامت، اذان اور تعلیم قرآن پر اُجرت کو جائز قرار دیا ہے۔ ۵۹۵

کفالہ

کفالہ بشرط براءۃ اصیل حوالہ ہے۔ ۴۳۹

پدرِ زن وجوبِ نفقہ سے پہلے اس کو اپنے ذمہ بطور حوالہ بھی نہیں لے سکتا، ہاں بطور کفالہ ہو تو صحیح ہے۔ ۴۴۳

والد کا متکفل نفقہ پسر و زن پسر ہونا ہمارے بلاد میں معمول ہے۔ ۴۵۵

عورت نشوز چھوڑ دے تو اب کفیل سے مطالبہ کر سکتی ہے جبکہ کفالت موقت نہ ہو۔ ۴۶۰

حوالہ

حوالہ نقل دین ہے۔ ۴۳۹

جہاں دین معدوم ہو وہاں حوالہ متحقق نہیں ہو سکتا۔ ۴۴۰

جہالت مال کی صورت میں حوالہ صحیح نہیں ہوتا۔ ۴۴۰

قرض

عورت نے اپنے نفقہ کے لئے باہمی تراضی یا قضاء قاضی کے بغیر جو قرضہ لیا اس کی ذمہ دار وہ خود ہے اور تراضی یا تقرری قاضی کے بعد اگر اپنے مال سے بھی خرچ کرے تو اس کو شوہر سے وصول کر سکتی ہے۔ ۴۲۲

اسقاط دین پیش از وجوب معنی ندارد۔ ۴۳۹

حاکم نے قرض لے کر بچہ پر صرف کرنے کا حکم دیا ہو تو اس کا مطالبہ باپ پر ہے۔ ۴۶۲

ہبہ

ہبہ میں تعلیق باطل ہے۔ ۲۰۲

لڑکی کسی کو ہبہ کر دی شرعاً اس کی نہ ہوئی نہ اُس کے پاس رہ سکتی ہے نہ اس کے نکاح کی ولایت اس کو حاصل ہے اس پر جو خرچ کیا تبرع ہوا۔ ۴۱۲

رہنے کو مکان دینا مالک کر دینا نہیں جب تک ولایتِ تملیک ثابت نہ ہو اور اس کے ساتھ اپنے اسباب وغیرہا سے خالی کر کے قبضہ دلا دینا ضرور ہے۔ ۴۸۱

ضمان

عورت کی نافرمانی کی وجہ سے شوہر نے کام کے لئے نوکر رکھے اس کا تاوان عورت پر نہیں ہے۔ ۴۸۳

عورت نے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے اعزہ کی شادی وغیرہ میں جو خرچ کیا وہ شوہر وصول کر سکتا ہے۔ ۴۸۳

نماز نہ پڑھنے پر کسی کو مار پیٹ لی، اس کی گھڑی

اقرار

حجر

دعویٰ

شہادت

قضاء

عقائد و کلام

سِیَر

رَدِّ بد مذہباں

منطق

نحو

دُعا

توبہ و استغفار

ترغیب و ترہیب

حظر و اباحت

نفسیات

قصاص

سیاست

مصارف

حقوق العباد

فرائض

متفرقات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب تعلیق الطلاق

(تعلیقِ طلاق کا بیان)

مسئلہ ۱: از ضلع مظفر پور ڈاک خانہ رائے پور عقب ڈویژن سیتا مڈھی مقام گوری دروازہ سرفراز علیخاں مرسلہ ایوب علی خاں صاحب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

زوج زید نے عقب میں زوجہ ہندہ کے بمقابلہ بکر کے سوگند کھائی کہ ہم اپنے برادر خالد سے کارِ زمینداری نہ کرائیں گے اگر کرائیں تو اُس کی زوجہ کو طلاق ہے، بعد چند روز کے زید نے برادر موصوف سے کام مذکور کرایا اس صورت میں زوجہ ہندہ مطلقہ ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ہوگی تو کون سی دلیل مطلقہ ہونے کی ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ نے اپنے کلامِ مجید فرقانِ حمید میں کسی جگہ ذکر اس قسم کی سوگند کا نہیں کیا، اگر بمجرد سوگند ہندہ مطلقہ ہُوئی تو کون سی صورت نکاح قائم رہنے کی ہے اور اس سوگند میں کفارہ ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں زوجہ پر ایک طلاق پڑگئی، اس کی دلیل اجماعِ ائمہ دین ہے کہ جب طلاق کسی شرط پر مشروط کی جائے تو اُس شرط کے واقع ہوجانے سے واقع ہوجائے گی،

فی الهدایة اذا اضافه الی شرط وقع عقیب الشرط مثل ان یقول لامرأته ان دخلت الدار فانت طالق

ہدایہ میں ہے کہ اگر طلاق کو شرط کی طرف منسوب کیا ہو تو وُہ شرط کے پائے جانے کے بعد واقع ہوگی، مثلاً یُوں کہے "اگر تو گھر میں داخل ہُوئی تو تجھے طلاق ہے"

وھٰذا بالاتفاق[1]۔ یہ ضابطہ متفق علیہ ہے۔ (ت)

بلکہ وُہ آیۂ کریمہ الطلاق مرتٰن وغیرہ سے ثابت ہے،

فان الأیات ذکرت الطلاق بالاطلاق فشمل المنجز والمعلق۔ کیونکہ آیات میں مطلق طلاق کا ذکر ہے جو مشروط اور غیر مشروط دونوں طلاقوں کو شامل ہے (ت)

اسے سوگند یعنی یمین کہنا ایک اصطلاح علمی ہے جس کا پتا آیۂ کریمہ یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لك الٰی قولہ قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم[2] (اے نبی صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! اللہ تعالٰی نے آپ کےلئے جو حلال فرمایا اسے آپ کیوں حرام فرماتے ہیں تا اللہ تعالٰی کے ارشاد: بیشک اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے قسموں کو حلال فرمانا فرض فرمایا ہے۔ ت) سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہاں بھی تحریم حلال ہے اور آیت میں تحریم حلال ہی کو یمین فرمایا،

علٰی ما بینہ المحقق علی الاطلاق فی الفتح قبیل باب الیمین فی الدخول والسکنی **اقول** وللعبد الضعیف ھھنا کلام ذکرتہ علی ھامشہ۔ جیسا کہ محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں دخول وسکنی کے باب سے تھوڑا پہلے بیان فرمایا، **اقول** (میں کہتا ہوں) یہاں اس عبد ضعیف کو اعتراض ہے جس کو میں نے اس کے حاشیے پر ذکر کیا ہے۔ (ت)

بلکہ تعلیق طلاق پر حلف کا اطلاق حدیث میں بھی وارد ہے، ابن عساکر حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماحلف بالطلاق مومن ولا استحلف بہ الامنافق[3]۔ مومن طلاق کی قسم نہیں کھاتا اور طلاق کی قسم نہیں لیتا مگر منافق۔ (ت)

مگر اس سوگند میں کفارہ نہیں کفارہ اللہ عزوجل کی قسم میں ہے نہ بمجرد سوگند طلاق واقع ہوگی بلکہ بعد وقوع شرط واقع ہوگی۔ نکاح قائم رہنے کی صورت یہ ہے کہ شرط واقع نہ ہو یا اگر ایک یا دو طلاق رجعی کی سوگند ہے تو بعد وقوع شرط رجعت کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الہدایہ باب الایمان فی الطلاق المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۳۶۵

[2] القرآن الکریم ۶۶/ ۱

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن انس حدیث ۴۶۳۴۰ کتاب الیمین من قسم الاقوال موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۸۹

مسئلہ ۲ تا ۴ ازملک آسام ضلع جورہاٹ ڈاکخانہ کٹنگا بمقام سرائے مرسلہ سید صفاء الدین

۹ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِن مسائل میں :

سوال اول : زید نے اپنی پہلی زوجہ ہندہ کے نکاح کے قبل وعدہ کیا تھا کہ اگر بلا اجازت اس زوجہ مسمی بہ ہندہ کے نکاح ثانی کروں تو زوجہ ثانی کو تین طلاق ، اس صورت میں کیا حکم ہے ؟

سوال دوم : زید نے بروقتِ نکاح اپنی زوجہ ہندہ سے یہ شرط کی کہ اگر بلا اجازت تیرے نکاح ثانی کروں تو تجھ کو تین طلاق۔

سوال سوم : زید نے قبل نکاح کے یہ شرط کی کہ میں اگر بلا اجازت اس منکوحہ کے نکاح ثانی کروں تو میرا نکاح باطل ، اس صورت میں کس بی بی کو طلاق ہوگی ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جواب سوالِ اول : اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب (یا اللہ ! حق وصواب کے لئے رہنمائی فرما۔ت) صورتِ مستفسرہ میں تعلیق صحیح ہوگئی ،

لوجود الاضافۃ الی سبب الملك وھو النکاح ولا یضرکونہ قبل نکاح الاولی اذلیس المعلق طلاقھا حتی یحتاج الی ملکھا اوالاضافۃ الیہ او الی سببہ بل طلاق الاخری وقد اضافہ الی نکاحھا۔

ملکیت کے سبب (نکاح) کی طرف اضافت پائے جانے کی وجہ سے اور پہلی بیوی کے نکاح سے قبل اضافت کا ہونا مضر نہیں ہے کیونکہ اس نکاح والی کی طلاق کو معلق نہیں کیا گیا تاکہ اس کے لئے نکاح یا نکاح کی طرف اضافت یا ملکیت یعنی نکاح کے سبب کی طرف اضافت ضروری ہو بلکہ یہ دُوسری عورت کی طلاق کی تعلیق ہے جس کو اس کے نکاح کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے :

شرطہ الملك حقیقۃ کقنہ اوحکما کمنکوحتہ اومعتدتہ او الاضافۃ الی الملك کان ملکت عبدا او ملکتك او نکحتك[1] اھ ملخصًا۔

ثبوت تعلیق کی شرط حقیقی ملکیت جیسا کہ لونڈی یا حکمی ملکیت جیسا کہ منکوحہ بیوی یا عدت میں مصروف بیوی یا ملکیت کی طرف اضافت ہو، مثلاً یُوں کہے اگر میں عبد کا مالک بن جاؤں یا تیرا مالک بن جاؤں یا تجھ سے نکاح کروں اھ ملخصًا (ت)

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۰

ردالمحتار میں ہے :

الاضافة الیه بان یکون معلقا بالملك کما مثل وکقوله ان صرت زوجة لی اولبسبب الملك کالنکاح ای التزوج وکالشراء اھ[1]

ملکیت کی طرف اضافت جیسے ملکیت کے ساتھ معلق کرنا جیسا کہ مثال بیان ہوئی اور یہ کہ اگر تُو میری بیوی ہوجائے یا ملکیت کے سبب کی طرف اضافت ہو یعنی نکاح کی طرف نسبت ہو، مثلاً یُوں کہے "جب میں نکاح کروں، یا خریدوں" اھ (ت)

مگر قبل نکاحِ ہندہ اُس کے لئے کچھ اثر نہیں کہ شرط وُہ نکاح ہے جو نکاحِ ہندہ سے ثانی ہو پس اگر پیش از نکاحِ ہندہ کسی عورت سے بے اجازت ہندہ نکاح کرے گا اُسے طلاق نہ ہوگی نہ بعد موت ہندہ اس کا اثر باقی رہے گا کہ شرط اذن ہندہ ہے اورمیت صالح اذن نہیں تو بعد موت ہندہ جس سے نکاح کرے گا اس پر بھی طلاق نہ ہوگی کہ اب وُہ تعلیق ہی نہ رہی،

فان امکان البر شرط بقاء الیمین ایضا عند الطرفین کما ھو شرط انعقادھا عندھما رضی الله تعالٰی عنھما۔

کیونکہ قسم کے پُورا ہونے کا امکان قسم کے باقی رہنے کیلئے بھی امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اسی طرح شرط ہے جس طرح کہ ان کے ہاں یہ امکان قسم کے تحقق کے لئے شرط ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے :

اذا حلف لایعطیه حتی یاذن فلان فمات فلان ثم اعطاہ لم یحنث اھ[2] مثله فی ردالمحتار عن البحر۔

جب کسی نے یہ قسم اُٹھائی کہ میں فلاں کو یہ چیز دُوں گا جب تک دُوسرا فلاں اجازت نہ دے، اور دوسرے فلاں کے فوت ہوجانے کے بعد دے تو قسم ٹوٹے گی اھ اسی کی مثل ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے (ت)

ہاں بقاء میں نکاحِ ہندہ کچھ شرط نہیں یہاں تک کہ اگر ہندہ اس کے نکاح سے خارج ہوجائے اگرچہ طلاق مغلظ سے تاہم جب تک وُہ زندہ ہے اگر بے اُس کے اذن کے نکاح ثانی کرے گا زوجہ ثانیہ پر تین طلاقیں پڑجائیں گی،

فان المرأة لاحکم لھا علی بعل

عورت کا کوئی حکم خاوند پر لازم نہیں، خاوند کے لئے

---

[1] ردالمحتار باب التعلیق دار احیاء التراث العربی بیروت ۴۹۵/۲

[2] فتح القدیر

فحال الزوجیة وعدمها سواء بخلاف الرجل فانها تحتاج شرعا الی اذنه فی خروجها وغیرہ من امور کثیرۃ مادامت الوصلة باقیة فاذن الرجل فی مثل قوله لا تخرج الا باذنی ینصرف الی ذٰلك المعهود والثابت بالشرع اما هو فلم تحتج الی اذنها الا بالتعلیق ولم یفصل فیه فلینتظم اذنها مادامت حیة وان زال النکاح۔

زوجیت اور عدم زوجیت دونوں حال برابر ہیں، اس کے برخلاف بیوی کے لئے خاوند کا حکم لازم ہے کیونکہ بیوی باہر نکلنے اور دیگر امور میں خاوند کی اجازت کی شرعًا محتاج ہے جب تک زوجیت باقی ہے تو خاوند کا بیوی کو یہ کہنا کہ تُو میری اجازت کے بغیر باہر نہ نکل، اسی عرف اور شرعی ضابطہ کی طرف سے پابندی ہے، لیکن خاوند تعلیق کے ماسوا بیوی کی کسی اجازت کا محتاج نہیں ہے اور یہاں خاوند نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی، لہذا بیوی سے نکاح ختم ہوجانے کے بعد بھی خاوند بیوی کی زندگی بھر میں اجازت کے بغیر دوسری عورت سے نکاح کرے گا تو دوسری کو طلاق ہوجائیگی(ت)

ردالمحتار باب الیمین فی الضرب والقتل میں ہے،

لوقال لامرأته کل امرأة اتزوجها بغیر اذنك فطالق فطلق امرأته طلاقا بائنا او ثلثا ثم تزوج بغیر اذنها طلقت لانه لم یتقید یمینه ببقاء النکاح لانها انما تتقید به لوکانت المرأۃ تستفید ولایة الاذن والمنع بعقد النکاح اھ فتح ای بخلاف الزوج فانه یستفید ولایة الاذن بالعقد وکذا رب الدین کما فی الذخیرۃ۔[1]

اگر خاوند نے بیوی کو کہا میں جس عورت سے بھی تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو اس کو طلاق ہوگی، اب خاوند نے بیوی کو طلاق بائنہ یا تین طلاقیں دے دیں اس کے بعد اس نے کسی عورت سے پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو طلاق واقع ہوجائیگی کیونکہ اس نے قسم میں اجازت کو بیوی کے نکاح سے مقید نہ کیا تھا، اور یہ اجازت نکاح کے ساتھ مقید تب ہوتی جب عورت اپنے نکاح کی وجہ سے اذن یا منع کی ولایت حاصل کرتی اھ، فتح میں ہے، یعنی اس کے برخلاف خاوند کو نکاح کی وجہ ولایتِ اذن خودبخود حاصل ہوجاتی ہے، اور ایسے قرض دینے والے کو خودبخود قرض لینے والے پر ولایت حاصل ہوجاتی (کہ جب چاہے مطالبہ کرے) جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔(ت)

پس حاصل حکم یہ کہ اگر بعد نکاح ہندہ بحالت حیات ہندہ اگرچہ بعد طلاق ہندہ بے اذن ہندہ کسی

---

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الضرب والقتل داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۳۶

عورت سے نکاح کرے گا تو نکاح کرتے ہی فوراً وُہ زوجہ ثانیہ تین طلاقوں سے مطلقہ ہوجائے گی مگر اس کا اثر صرف ایک بار رہو کر ختم ہوجائے گا یعنی اُس کے بعد اگر پھر اور نکاح بے اذنِ ہندہ کرے گا اگرچہ بعد حلالہ اسی زوجہ ثانیہ سے، تو اب طلاق نہ ہوگی کہ تعلیق میں تعمیم نہ تھی کہ جتنے نکاح بے اذن کرے سب میں طلاق پڑے، لہذا صرف ایک بار پر انتہا ہوکر آئندہ کچھ اثر نہ ڈالے گی،

فی التنویر تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرة الا فی کلما[1]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

تنویر میں ہے کہ قسم ایک دفعہ شرط کے پائے جانے سے ختم ہوجاتی ہے الّا یہ کہ اس نے قسم میں "کُلّما" (جب بھی) کا لفظ استعمال کیا ہو تو قسم ختم نہ ہوگی۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

جوابِ سوالِ دوم: اگر یہ شرط ایجاب وقبول سے پہلے کی اگرچہ اُس کے متصل بلافصل ہی ایجاب وقبول واقع ہوئے جب تو محض باطل وبے اثر ہے لعدم الملك والاضافة جمیعا (ملکیت اور اس کی طرف اضافت بھی نہ ہونے کی وجہ سے۔ ت) پس اگر سَو نکاح بے اجازتِ ہندہ کرے گا ہندہ پر طلاق نہ ہوگی اور اگر بعد ایجاب وقبول کی اگرچہ فوراً بلاتاخیر تو یقیناً صحیح ہوگئی لوقوعه فی الملك (ملکیت میں وقوع کی وجہ سے۔ ت) اب جب تک ہندہ اس کے نکاح یا عدت طلاق غیر مغلظ میں ہے اجازتِ ہندہ نکاحِ ثانی کرے گا ہندہ پر تین طلاقیں ہوجائیں گی۔

فی الدرالمختار الصریح یلحق الصریح و البائن بشرط العدة والصریح مالا یحتاج الٰی نیة، بائنا کان الواقع به اورجعیا، فتح فمنه الطلاق الثلاث فیلحقهما[2] اھ ملخصاً۔

درمختار میں ہے: صریح طلاق، صریح اور بائنہ کو لاحق ہوسکتی ہے بشرطیکہ وُہ پہلی بائنہ کی عدت میں واقع ہو۔ صریح وُہ ہوتی ہے جس میں نیت کی ضرورت نہ ہو خواہ اس سے رجعی طلاق پڑے یا بائنہ پڑے، فتح، تو اسی قبیل سے مغلظ طلاق ہے تو یہ رجعی اور بائنہ دونوں کو لاحق ہوسکتی ہے، اھ، ملخصاً (ت)

ہاں اگر اس نکاحِ ثانی سے پہلے ہندہ کو طلاقیں ایک یا دو دیں اور عدت گزر گئی اور اسی حالت میں کہ وُہ اس کے نکاح سے باہر ہے بے اُس کی اجازت کے نکاحِ ثانی کیا تو ہندہ پر طلاق نہ ہوگی کہ اس حالت میں وُہ طلاق کی محل ہی نہیں اور اس نکاحِ ثانی سے وہ تعلیق ختم ہوجائے گی یہاں تک کہ اب اگر ہندہ سے پھر نکاح کرے اور اس کے بعد کتنے ہی نکاح بے اجازتِ ہندہ کرے تو ہندہ پر طلاق نہ ہوگی، یُونہی

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ١/٢٣١

[2] درمختار باب الکنایات " " " ١/٢٢٥

اگر ہندہ کو قبل از نکاح ثانی تین طلاقیں دے دیں تو اب کسی صورت میں نکاحِ ثانی بے اجازت ہندہ سے ہندہ پر طلاق نہ پڑے گی اگرچہ یہ نکاح اُس وقت کرے جبکہ ہندہ بعد حلالہ اس کے نکاح میں آچکی ہو لانتہاء التعلیق بتنجیز الثلاث (تین غیر معلق طلاقوں کے باعث تعلیق ختم ہونے کی وجہ سے)

ہدایہ میں ہے:

زوال الملك بعد الیمین لا یبطلها لبقاء محله فیبقی الیمین ثم ان وجد الشرط فی ملکه انحلت الیمین ووقع الطلاق وان وجد فی غیر الملك انحلت الیمین لوجود الشرط ولم یقع شیئ لانعدام المحلیة اھ ملخصاً[1]

تعلیق اور یمین کے بعد ملکیت کا ختم ہونا یمین کو باطل نہیں کرتا کیونکہ یمین کا محل ابھی باقی ہے، پھر اگر شرط ملکیت کے دوران پائی جائے تو یمین وقسم ختم ہوجاتی ہے اور طلاق واقع ہوجاتی ہے اور اگر ملکیت کے بغیر شرط پائی جائے تو شرط کی وجہ سے قسم ختم ہوجائیگی جبکہ طلاق نہ ہوگی کیونکہ طلاق کا محل یعنی نکاح ختم ہوچکا ہے اھ ملخصا (ت)

فتح میں ہے:

لوطلقها فانقضت عدتها بعد التعلیق بدخول الدار ثم تزوجها فدخلت طلقت ولابد من تقیید عدم البطلان بما زوال الملك بما دون الثلاث اما اذا طلقها ثلثا فتزوجت بغیرہ ثم عادت فدخلت لا تطلق علی ما سیأتی اھ[2] مختصرا قلت والاتی هو قول الھدایة ان قال لها ان دخلت الدار فانت طالق ثلثا ثم قال لها انت طالق ثلثا فتزوجت غیرہ ودخل بها ثم رجعت الی الاول فدخلت الدار لم یقع شیئ[3]

اگر خاوند نے دخول دار سے طلاق کو معلق کرنے کے بعد بیوی کو طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی، اور اس کے بعد دوبارہ اس سے نکاح کیا اور اب وُہ گھر میں داخل ہُوئی تو اب شرط پائے جانے کی وجہ سے طلاق واقع ہوگی، اور زوالِ ملکیت سے قسم ویمین کے عدمِ بطلان کو تین سے کم طلاقوں سے مقید کرنا ضروری ہے اس لئے کہ اگر تین طلاقیں دیں اور حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کیا تو اب گھر میں داخل ہُوئی تو طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ عنقریب آئے گا اھ مختصراً، میں کہتا ہوں عنقریب آنے والی عبارت ہدایہ کی ہے جو یہ ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا اگر تو گھر میں داخل ہُوئی تو تجھے تین طلاق،

---

[1] الہدایۃ — باب الایمان فی الطلاق — المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۳۶۶

[2] فتح القدیر — " " " — نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۵۰

[3] الہدایۃ — " " " — المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۳۶۹

اس کے بعد خاوند نے بیوی کو بغیر تعلیق تین طلاقیں دے دیں اور کہا تجھے تین طلاق۔ اس کے بعد مطلقہ نے حلالہ شرعیہ کے بعد دوبارہ پہلے سے نکاح کیا اور اب گھر میں داخل ہوئی تو کوئی طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

اور اگر زید نے یہ شرط نفسِ ایجاب و قبول میں کی تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر پہلے زید نے کہا کہ میں تجھے اپنے نکاح میں لایا اس شرط پر کہ اگر تیری بے اجازت کے نکاح ثانی کروں تو تجھ پر تین طلاق، ہندہ نے کہا میں نے قبول کیا، تو اس کا حکم مثل صورتِ اولٰی ہے یعنی شرط محض باطل و بے اثر ہے کہ جب تک ہندہ نے قبول نہ کیا تھا وہ اس کی زوجہ نہ ہوئی تھی تو اُس کی تعلیق پر بے حصول ملک یا اضافہ بہ ملک اسے کچھ اختیار نہ تھا۔ اور اگر پہلے ہندہ نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا، زید نے کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ اگر بے تیری اجازت الٰی آخرہ تو شرط صحیح ہوگئی اور وقوعِ طلاق کے وہی احکام ہوں گے جو اوپر گزرے کہ جب کلام اوّل جانبِ ہندہ سے تھا تو یہ تعلیق بعد تحقق ایجاب و قبول و ثبوتِ زوجیت متحقق ہوئی اور اس وقت اُسے اختیار کامل تھا، خانیہ و بزازیہ و عمادیہ و بحر و نہر وغیرہا میں ہے:

واللفظ للامام الاجل فقیہ النفس رجل تزوج امرأۃ علی انہا طالق او علی ان امرہا فی الطلاق بیدہا ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الجامع انہ یجوز النکاح و الطلاق باطل ولایکون الامر بیدہا، قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی ھذا اذا بدأ الزوج فقال تزوجتك علی انك طالق وان ابتدأت المرأۃ فقالت زوجت نفسی منك علی انی طالق فقال قبلت جاز النکاح ویقع الطلاق لان البدایۃ اذا کانت من الزوج کان الطلاق و التفویض قبل النکاح فلا یصح

الفاظ امام فقیہ النفس کے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت کو کہا میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تُو طلاق والی ہے' یا اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے'۔ اس کے متعلق امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے جامع میں ذکر فرمایا کہ یہ نکاح صحیح ہے اور طلاق کی شرط باطل ہے اور بیوی کو طلاق کا اختیار بھی نہ ہوگا۔ اس پر فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اگر خاوند نے ابتداء کرتے ہوئے کہا "میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تجھے طلاق ہے" تو پھر مذکور حکم یعنی نکاح صحیح اور طلاق باطل ہے اور اگر عورت ابتداء کرتے ہوئے کہے میں نے اپنے آپ کو تجھ سے نکاح دیا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہو تو خاوند نے جواب میں کہا میں نے قبول کیا، تو نکاح صحیح ہو کر طلاق ہوجائے گی کیونکہ خاوند کی طرف سے ابتداء کرنے میں طلاق اور تفویض، نکاح سے قبل

اما اذا كانت البداية من قبل المرأة يصير التفويض بعد النكاح لان الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت والجواب يتضمن اعادة ما فی السؤال صار كانه قال قبلت على انك طالق او على ان يكون الامر بيدك فيصير مفوضا بعد النكاح[1] اه باختصار **اقول** انت تعلم ان كلام المرأة لاعبرة بها فی هذا الباب انما جاء الصحة من قبل تقديره فی قبول الزوج لاجل ان السؤال معاد فی الجواب فاذا وقع فيه تحقيقا كان اولى بالصحة كما يرشدك اليه قوله رحمه الله تعالٰی قال قبلت على انك طالق الخ وبما افاد فی الخانية ظهر الفرق بين البدايتين كما اوضحناه فيما علقناه على رد المحتار وان كان خفی على العلامة الشامی رحمه الله تعالٰی۔

ہُوئی تو طلاق کی شرط صحیح نہ ہُوئی، لیکن عورت کی طرف سے ابتداء ہُوئی تو پھر طلاق کی تفویض نکاح کے بعد ہُوئی کیونکہ جب زوج نے عورت کی کلام کے بعد جواب میں "میں نے قبول کیا" کہا، تو چونکہ جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہوتا ہے تو گویا خاوند نے یُوں کہا کہ "میں نے نکاح قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہو یا طلاق کا معاملہ تیرے اختیار میں ہو" تو یُوں نکاح پہلے ہوگیا اور تفویض طلاق بعد ہوئی اھ، اختصارًا۔ **اقول** (میں کہتا ہُوں) آپ کو معلوم ہے کہ طلاق کے معاملہ میں عورت کی بات کا اعتبار نہیں ہوتا لیکن یہ طلاق خاوند کے نکاح کو قبول کرنے پر خاوند کی طرف سے مقدر ہُوئی کیونکہ خاوند کے جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہے، تو جب سوال حقیقتًا ہو تو صحت نکاح پر طلاق کا مرتب ہونا بطریق اولٰی ہوگا جیسا کہ ابولیث رحمہ اللہ تعالٰی کا قول کہ خاوند کا "قبول ہے" کہہ کر کہنا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہے الخ، تیری رہنمائی کر رہا ہے، اور خانیہ کا یہ بیان دونوں ابتداؤں میں فرق کو واضح کر رہا ہے جیسا کہ ہم نے اس کو ردالمحتار کے حاشیے میں واضح کیا ہے، اگرچہ یہ فرق علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی پر مخفی رہا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لو قال لها تزوجتك على ان امرك بيدك فقبلت جاز النكاح ولغا الشرط لان الامر انما يصح

اگر مرد کسی عورت کو کہے کہ میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ طلاق کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، تو عورت نے قبول کرلیا، اس صورت میں نکاح صحیح اور شرط لغو ہوگی کیونکہ طلاق کا

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی النکاح علی الشرط نولکشور لکھنؤ ١/١٥٢

فی الملك او مضافا الیه ولو یوجد واحد منهما بخلاف ما مرفان الامرصار بیدھا مقارنا للصیرورتھا منکوحۃ اھ نھر، والحاصل ان الشرط صحیح اذا ابتدأت المرأۃ لا اذا ابتدأ الرجل ولکن الفرق خفی[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اختیار دینا نکاح میں یا نکاح کی طرف منسوب کرنے میں درست ہوسکتا ہے جب کہ یہاں دونوں باتوں میں کوئی بھی موجود نہیں ہے اس کے برخلاف جب عورت ابتدا کرے تو پھر اختیارِ طلاق عورت کو بیوی بننے سمیت ہُوا، اھ، نہر۔ حاصل یہ ہے کہ اگر عورت ابتدا کرے تو شرط صحیح ہوگی اور اگر مرد ابتدا کرے تو شرط صحیح نہ ہوگی، لیکن مخفی رہا، الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

جواب سوال سوم : دُوسری کو مگر انھیں شرائط سے جو جواب اوّل میں گزریں کہ پہلا وہ نکاح جو بعد نکاحِ ہندہ بحیاتِ ہندہ اگرچہ بعد افتراق ہندہ بے اجازت ہندہ کسی عورت سے کرے گا اس عورت کو طلاق ہوگی، اصل یہ ہے کہ یہ لفظ کہ "تو میرا نکاح باطل، مجل و محتمل تھا" کہ اس میں بیان نہ کیا کہ کون نکاح باطل، اگر بعد نکاحِ ہندہ یہ الفاظ کہتا یا قبل نکاح یُوں کہا ہوتا کہ اگر ہندہ سے نکاح کروں اور اس کے بعد کسی عورت سے بے اُس کی اجازت کے نکاحِ ثانی کروں تو میرا نکاح باطل، تو اُسے اختیار تھا کہ زوجہ اُولٰی یا ثانیہ جس کی طرف چاہے پھیر دے کہ دونوں اس تعلیق تطلیق کی صالح تھیں،

الاولی لتحقق الملك وفی الاخری کالاخری فیھما لحصول الاضافۃ۔

پہلی کو اس لئے کہ وُہ ملکیتِ نکاح میں ہے اور دوسری کے لئے اس کے لئے کہ یہ پہلی کے بعد دوسری ہے اور اضافتِ نکاح موجود ہے (ت)

فتح القدیر پھر ہندیہ میں ہے:

لوقال لامرأۃ ان تزوجت علیك ما عشت فالطلاق علی واجب ثم تزوج علیھا تقع تطلیقۃ علی واحدۃ منھما یصرفھا الی ایتھما شاء[2] اھ ملخصًا۔

اگر کسی عورت کو کہا "جب تک تُو زندہ ہے تجھ پر نکاح کروں تو مجھ پر طلاق واجب ہے" اس کے بعد خاوند نے اس پر دُوسرا نکاح کر لیا تو یہ طلاق ان بیویوں میں سے ایک پر پڑ جائے گی، دونوں میں سے جس کی طرف چاہے طلاق کو پھیر دے اھ ملخصًا (ت)

---

[1] ردالمحتار | باب الرجعۃ | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۵۴۰
[2] فتاوٰی ہندیہ | فصل الثالث فی تعلیق الطلاق الخ | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/ ۴۲۶
فتاوٰی قاضیخاں | باب التعلیق | نول کشور لکھنؤ | ۱/ ۲۳۷

یہاں کہ قبل نکاحِ ہندہ یہ لفظ کہا اور اس میں نکاحِ ہندہ کی طرف وُہ اضافت بھی نہیں جو یہاں کام دے یعنی صریح الفاظِ شرط کہ زنِ معینہ میں اسی کی حاجت ہے معنی شرط کافی نہیں،

كما فی الفتح وغیرہ قال فی الدر یکفی معنی الشرط الّا فی المعینۃ باسم او نسب او اشارۃ الخ[1]۔

جس طرح فتح وغیرہ میں ہے، دُر میں کہا کہ شرط کا معنی کافی ہے ماسوائے نام یا نسب یا اشارہ کے ساتھ معیّن کردہ عورت کے۔ (ت)

غرضکہ صرف نکاحِ ثانیہ کی طرف اضافت اور صحتِ تعلیق کے سے وجود ملک یا اضافت بملک لازم تو ہندہ اس تعلیق کی اصلاً محل نہیں، لاجرم زوجۂ ثانیہ متعین ہوگئی، بالجملہ ہندہ اس تعلیق میں اجنبیہ محض ہے بخلاف ثانیہ، تو اجنبیہ کی طرف پھیرنے کی کوئی راہ نہیں،

لما فیہ من اھمال الکلام ھو محترز عنہ مھما امکن اعمالہ۔

کیونکہ اس میں کلام کو مہمل بنانا لازم آتا ہے جبکہ اس سے حتی الامکان بچنا ہوتا ہے (ت)

یہ تو ایسا ہُوا جیسے اپنی عورت اور ایک اجنبیہ کو ملا کر کہا میں نے تم دونوں میں ایک کو طلاق دی خواہی نخواہی اس کی عورت ہی پر طلاق پڑے گی اجنبیہ کی طرف پھیرنے کا اختیار نہ دیا جائے گا کہ اُسے طلاق دینا اس کے قابُو میں نہ تھا،

فی الھندیۃ لوضم الی امرأتہ امرأۃ اجنبیۃ وقال احدٰکما طالق او قال ھذہ طالق او ھذہ لاتطلق امرأتہ الا بالنیۃ لان الاجنبیۃ محل لذٰلك خبرا وان لم تکن محلا لہ انشاءً وھذہ الصیغۃ بحقیقتھا اخبار ولو قال فی ھذہ الصورۃ طلقت احدٰکما طلقت امرأتہ من غیرنیۃ ذکرہ فی طلاق الاصل[2] اھ

ہندیہ میں ہے، اگر خاوند اپنی بیوی کے ساتھ اجنبی عورت کو ملا کر کہے تم دونوں میں سے ایک کو طلاق، یا یُوں کہا اِس کو یا اِس کو طلاق ہے، تو اس کی بیوی کو بغیر نیّت کے طلاق نہ ہوگی، کیونکہ اجنبی عورت اگرچہ انشاءِ طلاق کے لئے محل نہیں لیکن طلاق کی خبر وحکایت کا محل ہے جبکہ خاوند کا کلام حقیقۃً خبر ہے، ہاں اگر یُوں کہے میں نے تم دونوں میں سے ایک کو طلاق دی، تو بیوی کو نیّت کے بغیر طلاق ہوجائے گی، اس کو مبسوط کے طلاق میں ذکر

---

[1] درمختار | باب التعلیق | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۳۰

[2] فتاوٰی ہندیہ | الفصل الاوّل فی الطلاق الصریح | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/۳۶۳

وانت تعلم ان التعلیق انشاء التعلیق وان الاولی لیست محلا لہ لترك الاضافۃ فوجب الصرف الی المحل لابقاء العمل وھذا کلہ واضح جدا، واللہ تعالٰی اعلم۔

کیا ہے اھ، آپ کو معلوم ہے کہ معلق کرنا، تعلیق کا انشاء ہے، جبکہ اجنبیہ اس کا محل نہیں کیونکہ وہ نہ نکاح میں ہے اور نہ اس سے نکاح کی طرف نسبت ہے اس لئے محل کی طرف پھیرنا ضروری ہے تاکہ کلام بامقصد بن سکے' اور یہ تمام خوب واضح ہے' واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے بعوض ہزار روپیہ کے نکاح کیا اور قبل نکاح درمیان نکاح کے یہ شرط کی کہ نصف مہر یعنی پانسو روپیہ اگر عندالطلب زوجہ ادا نہ کروں تو ہندہ پر تین طلاقیں ہیں، پس نکاح کے بعد ہندہ مذکورہ نے روپیہ طلب کیا زید نے روپیہ مذکورہ اس وقت ادا نہ کیا اور شرط مذکورہ ایجاب میں ہُوا تھا اور ایجاب جانب عورت سے اور قبول جانب مرد سے' اب اس صورت میں ہندہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب

صُورتِ مستفسرہ میں ہندہ پر تین طلاقیں ہوگئیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

تزوج علٰی انہا طالق ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی انہ یجوز النکاح والطلاق باطل قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی ھذا اذا بدأ الزوج فقال تزوجتك علٰی انك طالق وان ابتدأت المرأۃ فقالت زوجت نفسی منك علٰی انی طالق فقال قبلت جاز النکاح ویقع الطلاق[1] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔

مرد نے کہا میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہُوں کہ تجھے طلاق ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا تو نکاح صحیح اور طلاق باطل ہوگی۔ فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ جب ہے کہ یہ بات خاوند پہلے کہے، اگر عورت نے ابتداء کرتے ہُوئے یُوں کہا "میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ مجھے طلاق ہو، تو خاوند کے قبول کرنے پر نکاح صحیح ہو کر طلاق ہوجائے گی الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶ از مدراس محلہ جمکنڈی مسیت مکہ مرسلہ مولوی عبدالرزاق صاحب ۷ محرم ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص حنفی نے یمین مضاف کی ہو اس طرح پر

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی النکاح علی الشرط نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۵۲

کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تو طلاق ہے وطلاق ہے وطلاق ہے، آیا اس کو تقلید مذہب شافعی کی جائز ہے تاکہ وطی اس عورت کی بلا تردد ہو جائے کیونکہ عند الشافعی یمین مضاف میں طلاق نہیں واقع ہوتی، کما فی الدر المختار فی المجتبٰی عن محمد، فی المضافۃ لایقع وبہ افتی ائمۃ خوارزم انتہی وھو قول الشافعی[1] یا نہیں۔

جیسا کہ درمختار میں ہے کہ مجتبٰی میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ جس عورت کے نکاح سے کوئی شرط منسوب کی جائے تو طلاق نہ ہوگی۔ اسی پر ائمہ خوارزم کا فتوٰی ہے اھ، یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے یا نہیں۔ (ت)

الجواب

ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ یمین مضاف منعقد ہے اور ایسی صورت میں نکاح کرتے ہی فوراً طلاق بائن ہو جائے گی، وہ روایت ضعیفہ کہ مجتبٰی میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے جس کا پانا بیان کیا قطع نظر اس سے کہ زاہدی چنداں موثوق فی النقل نہیں وہ خود بھی اس کے ضعف کا معترف ایسی روایات شاذہ ساقطہ پر فتوٰی دینا جائز نہیں ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ نہ مفتی کو اس روایت پر افتا کی مجال، نہ کسی کو اس پر عمل حلال۔ درمختار میں عبارت منقولہ سائل کے بعد ہے: ھذا یعلم ولا یفتی بہ[2] (اس کو معلوم کر لیا جائے لیکن اس پر فتوٰی نہ دیا جائے۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

فی البزازیۃ وعن الصدر اقول لایحل لاحد ان یفعل ذٰلک وقال الحلوانی یعلم ولا یفتی بہ لئلا یتطرق الجہال الی ھدم المذھب اھ بحر[3]۔

بزازیہ میں ہے اور صدر سے مروی ہے میں کہتا ہوں کہ کسی کو یہ کام حلال نہیں، اور حلوانی نے فرمایا معلوم کر لیا جائے لیکن اس پر فتوٰی نہ دیا جائے تاکہ جاہل لوگ مذہب کے خلاف نہ مصروف ہو جائیں اھ بحر۔ (ت)

اُسی میں ہے:

فلیس للمفتی الافتاء بالروایۃ الضعیفۃ وکونہا افتی بہا کثیر من ائمۃ خوارزم

مفتی کو ضعیف روایت اختیار نہیں کرنی چاہئے، اور ائمہ خوارزم کا اس پر فتوٰی اس کے ضعف کو

---

[1] درمختار | باب التعلیق | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۳۱
[2] ایضاً
[3] ردالمحتار | " | الطباعۃ المصریۃ بمصر | ۲/۴۹۶

لاینفی ضعفہا ولذا اتقد مرعن الصدر انہ لایحل لاحد ان یفعل ذٰلك وکذا ماتقدم عن الحلوانی من انہ یعلم ولایفتی بہ فلوتثبت ھذہ الروایۃ عن محمد وکانت صحیحۃ لبنوا الحکم علیہا ولم یحتاجوا الی بنائہ علی مذھب الشافعی فھذا یدل علی انہا روایۃ شاذۃ کمایشیر الیہ کلام المجتبٰی المار[1]۔

ختم نہیں کرسکتا، اسی لئے صدر سے منقول گزرا کہ کسی کو یہ کام حلال نہیں، اور یُوں ہی علامہ حلوانی سے منقول گزرا کہ اس کو جان لیا جائے مگر فتوٰی نہ دیا جائے، تو اگر یہ بات امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے صحیح ثابت ہو تو پھر چاہئے تھا کہ اس قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی کو مبنٰی حکم بناتے اور امام شافعی کے قول کے محتاج نہ ہوتے، اس سے معلوم ہُوا کہ یہ روایت شاذ ہے جیسا کہ اس پر گزشتہ مجتبٰی کا کلام اشارہ کر رہا ہے۔(ت)

پھر اگر مخلص چاہے تو کچھ تقلیدِ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حاجت نہیں، خود اپنے مذہب میں مخلص موجود ہے مثلاً صورتِ مستفسرہ میں اس عورت سے نکاح کرلے، نکاح کرتے ہی طلاق پڑجائے گی اور ازانجا کہ عورت غیر مدخولہ ہے اور اُس نے تین طلاقیں بتفریق ذکر کی ہیں کہ طلاق ہے و طلاق ہے و طلاق ہے لہٰذا ایک ہی واقع ہوگی

فی الدرالمختار وان فرق بوصف او خبر او جمل بعطف اوغیرہ بانت بالاولٰی لاالی عدۃ ولذا لم تقع الثانیۃ بخلاف الموطوءۃ حیث یقع الکل[2]۔

درمختار میں ہے: اگر طلاق کو متفرق وصف یا خبر یا حکم کے ساتھ متفرق کرے خواہ عطف کے ذریعہ یا بغیر عطف تو عورت پہلی طلاق سے ہی بائنہ ہوجائے گی اور عدت نہ ہوگی، اسی وجہ سے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی اس کے برخلاف اگر وطی شدہ بیوی کو ایسے کہا تو سب طلاقیں واقع ہوں گی۔(ت)

پس اُسی وقت پھر اُس سے نکاح کرلے اب طلاق نہ پڑے گی کہ یمین ایک بار سے کھل گئی،

فی التنویر الفاظ الشرط ان واذا واذا ما وکل وکلما ومتٰی ومتٰی ما

تنویر میں ہے: عربی شرط کے الفاظ یہ ہیں: ان، اذا، اذا ما، کل، کلما، متٰی، متٰی ما،

---

[1] ردالمحتار باب التعلیق الطباعۃ المصریۃ بمصر ۲/۴۹۷

[2] درمختار باب طلاق غیر المدخول بہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۳

تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرۃ الا فی کلما فانہ ینحل بعد الثلاث[1]

ان تمام الفاظ کی شرط جب پائی جائے تو قسم ختم ہوجائے گی ماسوائے لفظ "کلما" کیونکہ اس میں شرط تین طلاقوں کے بعد ختم ہوگی۔ (ت)

مگر اتنا ہوگا کہ عورت پر صرف دو طلاقوں کا مالک رہے گا کہ ایک تو نکاح پیشیں میں پڑ چکی اب اگر کبھی دو طلاقیں دے گا مغلظ ہوجائے گی۔ دُوسری صُورت یہ ہے کہ کسی ذی علم کے سامنے تذکرہ کیجئے کہ میں نے یُوں حلف کرلیا ہے مجھے نکاح فضولی کی حاجت ہے یا کیا اچھا ہوتا کہ کوئی شخص بے میری توکیل کے بطور خود میرا نکاح اُس سے کردے تا ذیعلم مذکور خود یا کسی اور سے کہہ کر عورت کا نکاح اس سے کردے جب اس شخص کو نکاح کی خبر پہنچے یہ زبان سے کچھ نہ کہے بلکہ کوئی فعل ایسا کرے جس سے اُس نکاح موقوف کی اجازت ہوجائے، مثلاً عورت کو مہر بھیج دے یا لوگوں کی مبارکباد قبول کرے کہ اس صُورت میں نکاح ہوجائے گا اور طلاق اصلاً واقع نہ ہوگی،

فی ردالمحتار عن البحر عن البزازیۃ ینبغی ان یجیئ الی عالم ویقول لہ ما حلف و احتیاجہ الی نکاح الفضولی فیزوجہ العالم امرأۃ و یجیز بالفعل فلا یحنث وکذا اذا قال لجماعۃ لی حاجۃ الی نکاح الفضولی فزوجہ واحد منھم اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا اھ[2]

ردالمحتار میں بحر سے منقول اور وہاں بزازیہ سے منقول ہے کہ مناسب ہے کہ کسی عالم کے پاس آکر جو اس نے قسم اٹھائی ہے اس کو بیان کرے اور کسی ایسے فضولی شخص (جو اس کی بیوی کو پہچانتا ہو) کی ضرورت کو بیان کرے تو وہ عالم اس کا کسی عورت سے نکاح کرے اور یہ اس عالم کی کاروائی کو کسی اپنے عمل سے جائز کرے تو حانث نہ ہوگا اور یونہی کسی ایسی جماعت کے سامنے اپنے لئے فضولی کے نکاح کی ضرورت کو پیش کرے تو اس جماعت میں کوئی شخص خود اس کا نکاح کردے البتہ خاص کسی شخص کو فضولی بننے کے لئے نہ کہے، کیونکہ کسی کو کہنا کہ تُو فضولی بن میرا نکاح کردے، تو یہ فضولی نہ ہوگا، بلکہ یہ تو اس کو وکیل بنانا ہُوا، اھ۔ (ت)

مسئلہ از سیتاپور ۶ رمضان المبارک ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ زن وشو میں باہم نزاع لفظی واقع ہُوا اُس پر شوہر نے کہا تُو میری چیز کھائے تو طلاق ہے، شوہر کی مراد اس سے نقصان نکاح کی ہرگز ہرگز نہیں ہے غصّہ میں

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۱

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۷

ایک مہمل لفظ زبان سے نکل گیا اب زوجہ شوہر کی دی ہُوئی کوئی چیز نہ لیتی ہے نہ کھاتی ہے نہ پہنتی ہے نہ قریب آتی ہے، اور کہتی ہے کہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ اگر میں کھاؤں گی تو مجھ پر شرعی نقصان پڑجائے گا، شوہر اس امر سے قطعی انکار کرتا ہے اُس کا بیان ہے کہ غصّہ میں میرے مُنہ سے نکل گیا ہے ہرگز میری یہ مراد نہ تھی بقسم شرعی کہتا ہے یوم عقد سے آج تک کوئی ایسا لفظ بد مُنہ سے نہیں نکالا ہے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

اگر الفاظ اسی قدر تھے جو مذکور ہُوئے جن میں کچھ ذکر نہیں کہ کون طلاق ہے کس پر طلاق ہے، اور ایسی حالت میں شوہر کا بقسم بیان کہ ان الفاظ سے میں نے طلاقِ زوجہ کی نیّت نہ کی، تو صورتِ مذکورہ میں بموجب روایاتِ کثیرہ فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی بزازیہ و فتاوٰی ہندیہ و فتاوٰی ذخیرہ و محیط امام برہان الدین و قنیہ و بحرالرائق و درمختار وغیرہا ان الفاظ سے نکاح پر کوئی اثر نہ اب ہے نہ آئندہ کسی چیز کے کھانے سے پیدا ہو اور بنظرِ دقیق احتیاط یہ ہے کہ اگر الفاظ یہی تھے کہ میری چیز کھائے الخ جب تو جو چیز کھانے سے پہلے زوجہ کو شوہر ہبہ کردے کہ اب میری چیز کھانا صادق نہیں، اور اگر لفظ وہ ہیں جو کرامت نامہ میں ارشاد ہُوئے کہ اب اگر میری لائی ہُوئی کھائے الخ تو علاج یہ ہے کہ خود کوئی چیز نہ لائی جائے نوکر یا عزیز یا غیر اوروں سے منگوا کر دی جائے، یہ احتیاط صرف کھانے میں ہے اس کے سوا پہننا بولنا قریب آنا جانا وغیرہا کسی فعل سے کوئی اثر ضرر نہیں اور ایک بار سہوًا خواہ قصدًا ایسا واقع ہوجائے کہ خلافِ شرط کھانا عمل میں آئے تو الفاظ مذکورہ سے بنظرِ احتیاط بھی صرف ایک طلاق رجعی کا حکم ہوگا کہ عدّت کے اندر فقط زبان سے اتنا کہہ دینا کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا کفایت کرے گا، اس کے بعد وُہ شرط باطل ہوجائے گی جو چاہے اور جتنی بار چاہے شوہر کی چیز اُس کی لائی ہُوئی کھائے ہرگز طلاق نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نوٹ

اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کا یہ وہ مفصل فتویٰ ہے جس کا ذکر پیش لفظ میں گزر چکا ہے، یہ فتویٰ فتاویٰ رضویہ قدیم میں شامل نہ تھا، اس مسئلہ کی اہمیت اور اس باب سے متعلقہ ہونے کے پیش نظر اس مقام پر جلد ہذا میں شامل کر لیا گیا ہے۔

مسئلہ از انبٹھہ ضلع سہارن پور مرسلہ فضل کریم انصاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّی فضل کریم نے اپنی زوجہ مسماۃ حسینہ بی کو بلایا، اس کی والدہ نے بھیجنے سے انکار کیا، فضل کریم اس کے پاس گیا اور سمجھایا، جب دیکھا کہ وہ راضی نہیں ہوتی تو اس سے کہا کہ "اگر آج آپ عصر تک اپنے گھر نہ آئیں تو میں آپ کو اپنے نکاح سے علیحدہ کردوں گا" اور اثنائے راستہ میں بہنگام واپسی مکانِ خسر خود صدیق احمد یا یا زوجہ خود کے مل جانے پر اُس سے بھی فضل کریم نے کہا کہ "ان کو سمجھا کر بھجوا دو میں کہہ آیا ہوں کہ عصر تک اپنے گھر نہ آئیں تو میں اپنے نکاح سے علیحدہ کردوں گا"۔ اس پر اہالی زوجہ نے اس کو روک رکھا اور لفظ یہ بتائے کہ فضل کریم یہ لفظ کہہ گیا تھا کہ "اگر آپ عصر تک اپنے مکان میں نہ آئیں تو میری طرف سے جواب ہے"۔ اور یہ الفاظ فضل کریم نے بحالتِ غیظ وغضب کہے تھے نیز یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ فضل کریم نے باہر از مکان خسرِ خود تایا زوجہ خود سے کہا تھا کہ "معافی نامہ مہر میرے پاس لکھا رکھا ہے اور میں کہہ آیا ہوں کہ" اگر عصر تک آپ اپنے گھر نہ آئیں تو میری طرف سے جواب ہے"۔ فضل کریم ان الفاظ سے منکر ہے نیز بحلفِ شرعی کہتا ہے کہ "بالفرض لفظ یوں ہوں یا کچھ ہوں جو کچھ بھی میں نے کہا تھا اس سے زوجہ مذکورہ کو طلاق دینے کی نیت میری نہ تھی" اس پر بعض صاحبانؑ نے بے تحکیم فضل کریم

؏ یعنی جناب مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی مصنف حفظ الایمان جن کی نسبت حسام الحرمین شریف میں علماء کرام حرمین شریفین کا حکم مشہور و معروف ہے ۱۲

(بوجہ مراسم تایا مسماۃ حسینہ بی تایا مذکور کے بلالانے پر) بطور خود حَکَم ہونے کا دعوٰی کیا اور یہ فیصلہ لکھ دیا کہ زوجۂ فضل کریم مسماۃ حسینہ بی پر ایک طلاق بائن ہوگئی اور اس صورت میں کہ فضل کریم نے لفظ "جواب ہے" کہا تھا نیتِ فضل کریم کی حاجت نہیں، اور زوجہ حسینہ بی اپنے معاملہ میں قاضی ہے، اور یہ بھی لکھا کہ فضل کریم شہادت پیش کرنے سے قاصر رہا حالانکہ منجانب حسینہ بی اُس کے رشتہ دار گواہ جو ثقہ اور عادل ہیں پیش ہوئے، اگرچہ فیصلۂ مذکور میں شہادت پیش کرنے سے قاصر رہا حالانکہ منجانب حسینہ بی اس کے رشتہ دار گواہ جو ثقہ اور عادل ہیں پیش ہوئے اگرچہ فیصلہ مذکور میں شہادت پیش شدہ غیر محدود صورت کے ساتھ ہے لیکن ایک اقربا حسینہ بی سے معلوم ہوا کہ تایا مذکور وچچی و تائی زوجہ مذکور نے اور اُن کی ایک ماما غیر پردہ نشین نے بیانِ مسماۃ حسینہ بی کی تائید کی ہے۔

قابلِ استفتاء یہ امور ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا اور صورتِ مذکورہ میں طلاق کا حکم دینا شرعاً حق ہے یا باطل، اور عورت کو اس موقعہ پر کیا سمجھنے کا حکم ہے وہ خود قاضی ہوسکتی ہے یا نہیں، اور جن لوگوں نے ایسا فیصلہ دیا اُن کی نسبت کیا حکم ہے، اور ان ہر دو اقوال میں فضل کریم شوہر کا قول معتبر ہے یا زوجہ حسینہ بی اور اس کے اقربا مذکورہ کا، اور ان ہر دو الفاظ سے شرعاً کسی قسم کی طلاق مذکورہ بالا صورت میں عائد ہوگی یا نہیں، مدلل مرقوم فرمائیں بیّنوا توجروا۔ احقر فضل کریم انصاری ساکن انبٹھہ ضلع سہارنپور

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

صورتِ مستفسرہ میں ہرگز حکمِ طلاق نہیں، یہاں شرعاً فضل کریم کا قول معتبر ہے کہ حسینہ طلاق کی مدعیہ ہے اور فضل کریم اُس سے منکر، اور قاعدۂ شرع ہے کہ القول للمنکر والبینۃ علی المدعی (منکر کی بات معتبر ہے اور گواہی مدعی کے ذمہ ہے۔ت) اگر اس نے یہی لفظ کہے تھے کہ "نکاح سے علیحدہ کردوں گا" جب تو ظاہر ہے کہ یہ نرا وعدہ ہے اور وعدے سے طلاق نہیں ہوتی۔ جواہر الاخلاطی میں ہے:

طلاق میکنم طلاق بخلاف قولہ کنم لانہ یتمحض الاستقبال[1]

طلاق میکنم، حال ہونے کی وجہ سے طلاق ہے اس کے برخلاف طلاق کنم کہا تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ محض استقبال ہے (ت)

اور اگر بالفرض اس نے وہی لفظ کہے ہوں جو اہالیِ زن بیان کرتے ہیں تو جبکہ وُہ عدمِ نیت طلاق پر حلف کرتا ہے حکمِ طلاق محض باطل وخطا ہے،

اوّلاً لفظِ جواب اگرچہ اُردو میں بمعنے ترکِ تعلق بھی آتا ہے جس کے سبب طلاق سے کنایہ ہوسکتا ہے

---

[1] جواہر الاخلاطی فصل فی طلاق الصریح قلمی نسخہ ص ۶۹

نوکر کو جواب دے دیا یعنی برخاست کردیا مگر وُہ اُردو ئے معلّٰی بلکہ فارسی میں بھی بمعنی رَدو انکار و عدمِ قبول شائع ذائع ہے گدارا جواب داد (فقیر کو جواب دے دیا۔ ت) یعنی اس کا سوال رَد کیا، دینے سے انکار کردیا، زید سے فلاں کام کو کہا اُس نے جواب دے دیا یعنی نہ مانا، قبول نہ کیا، عمرو سے کوئی درخواست کی اُس نے کہا میری طرف سے جواب ہے یعنی مجھے منظور نہیں۔ مخلص کاشی راست ؎

دریں زمانہ گدا رنگ می تواند بست　　اگر ز خواجہ ممسک جواب میگیرد

(اس زمانہ میں گداگر اپنے ڈھنگ کا بختہ ہے اگرچہ بخل والا جواب بھی دے دے۔ ت)

فصیح الملک ؎

نامہ بر کہتا ہے اب لاتا ہُوں دلبر کا جواب　　سُن چُکا میں چار دن پہلے مقدر کا جواب

اس قسم کے محاورات نظم و نثر میں بکثرت ہیں۔

تو کلمہ یقیناً صالح رد ہے، اور جو کلمہ صالح رَد ہو مطلقاً ہر حال میں محتاجِ نیت ہے اگرچہ حالتِ غضب ہو اگرچہ حالتِ مذاکرہ طلاق ہو۔ درمختار میں ہے:

الحالات ثلثۃ رضی و غضب و مذاکرۃ والکنایات ثلث مایحتمل الرد او مایصلح للسب او لا ولا ففی الرضی تتوقف الثلثۃ علی نیۃ للاحتمال وفی الغضب الاولان و فی مذاکرۃ الطلاق الاول فقط[1]۔

حالات تین ہیں: رضا، غصہ اور مذاکرہ طلاق، اور کنائے تین ہیں، رَد کا احتمال یا گالی کا احتمال رکھتا ہو یا ان دونوں کا احتمال نہ رکھتا ہو، تو رضا کی صورت میں تینوں احتمال ہوسکتے ہیں جس کی نیت کریگا وہی ہوگا اور غصہ کی صورت میں پہلے دونوں اور مذاکرہ کی صورت میں صرف پہلا احتمال یعنی رَد ہوسکتا ہے۔ (ت)

اور جب وُہ حلف کے ساتھ نیت کا انکار کرتا ہے تو یقیناً اس کا قول مانا جائے گا۔ نہ قاضی حکمِ طلاق دے سکتا ہے نہ عورت اپنے آپ کو مطلّقہ سمجھ سکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

والقول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ ویکفی تحلیفہا لہ فی منزلہ[2]۔

قسم کے ساتھ خاوند کی بات معتبر ہوگی اور بیوی کا گھر میں اس سے قسم لے لینا کافی ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار　باب الکنایات　مطبع مجتبائی دہلی　۱/۲۲۴

[2] 〃　〃　〃 〃 〃　〃

ردالمحتار میں ہے :

قولہ للاحتمال لما ذکرنا من ان کل واحد من الالفاظ یحتمل الطلاق وغیرہ والحال لاتدل علی احدھما فیسأل عن نیتہ ویصدق فی ذٰلک قضاء بدائع۔[1]

ماتن کے قول للاحتمال کی وجہ جو ہم نے ذکر کی کہ مذکور الفاظ میں سے ہر ایک طلاق وغیر طلاق کا احتمال رکھتا ہے جبکہ حال کی دلالت کسی ایک پر نہیں لہذا اس کی نیت پوچھی جائے گی اور قضاءً اس کے بیان کی تصدیق کی جائے گی، بدائع۔ (ت)

ثانیاً بالفرض لفظ "جواب" معنی رَدّ و انکار کا صالح نہ ہوتا بلکہ جانے دیجئے یوں فرض کیجئے کہ وہ سرے سے کنایہ ہی نہ ہوتا بلکہ خاص صریح ہوتا جب بھی صورت مستفسرہ میں بعد اس کے کہ فضل کریم نے حلفاً انکارِ نیت کیا، حکم طلاق زنہار ممکن نہ تھا کہ یہاں عورت کی طرف اضافت نہیں، صرف اتنا کہا ہے کہ "میری طرف سے جواب ہے" یہ کچھ نہ کہا کس کو جواب ہے، اور ترکِ اضافت ہمیشہ مانع حکم طلاق ہے جبکہ شوہر بحلف انکارِ نیت کرے۔ فتاوٰی خانیہ پھر فتاوٰی خلاصہ پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے :

واللفظ للاولی رجل قال لامرأتہ فی الغضب اگر توزنِ من ستہ طلاق وحذف الیاء لا تطلق لانہ ما اضاف الطلاق الیہا۔[2]

یعنی اگر کسی شخص نے اپنی عورت سے حالتِ غضب میں کہا "اگر تو میری عورت ہے تو تین طلاق"، اور یوں نہ کہا کہ "تو میری عورت ہے تو تجھے تین طلاق" طلاق نہ ہوگی کہ جب اُس نے "تجھے" کا لفظ نہ کہا تو طلاق کو عورت کی طرف اضافت نہ کیا۔

نیز فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے :

امرأۃ قالت لزوجہا طلقنی ثلثا فقال الزوج اینک ہزار طلاق لاتطلق امرأتہ لانہ کلام محتمل۔[3]

یعنی عورت نے شوہر سے کہا "مجھے تین طلاق دے دے" اس نے کہا "فی الحال ہزار طلاق" طلاق نہ ہوگی کہ اس میں اپنی عورت کو طلاق دینا صاف نہیں۔

فتاوٰی خلاصہ میں ہے :

قالت طلقنی فضربہا وقال اینک طلاق

یعنی عورت نے کہا "مجھے طلاق دے دے" اس پر

---

[1] ردالمحتار | باب الکنایات | احیاء التراث العربی بیروت | ۲/۴۶۵
[2] فتاوٰی قاضی خاں | فصل فی الکنایات والمدلولات | نولکشور لکھنؤ | ۲/۲۱۵
[3] " " " | کتاب الطلاق | " | "

لایقع ولو قال اینک طلاق یقع[1]۔

مرد نے اسے مارا اور کہا " فی الحال طلاق " طلاق نہ ہوگی اور اگر کہا " فی الحال تجھے طلاق " طلاق ہو جائیگی۔

فتاوٰی قاضی خاں میں ہے :

رجل قال " نان خوردیم ونبیذ خوریم زنان ما بسہ " ثم قال لہ رجل بعد ما سکت " بسہ طلاق " فقال الرجل " بسہ طلاق " لا تطلق امرأتہ لانہ لما فرغ عن الکلام وسکت ساعۃ کان ھذا ابتداء کلام لیس فیہ اضافۃ الی شیئ[2]۔

ایک شخص نے کہا " ہم نے روٹی کھائی اور نبیذ پی ہماری عورتوں کو تین " پھر جب چُپ رہا دوسرے نے اس سے کہا " تین طلاقیں " تو جواب میں اس نے کہا " تین طلاقیں " طلاق نہ ہوگی کہ جب وہ پہلی بات کہہ کر کچھ دیر چُپ رہا تو اب یہ ابتدائی کلام ہوا اور اس میں کسی طرف اضافت نہیں۔

محیط پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے :

سئل شیخ الاسلام الفقیہ ابو نصر عن سکران قال لامرأتہ اتریدون ان اطلقك قالت نعم فقال بالفارسیۃ اگر تو زن منی یک طلاق دو طلاق سہ طلاق قومی واخرجی من عندی وھو یزعم انہ لم یرد بہ الطلاق فالقول قولہ[3]۔

یعنی امام شیخ الاسلام فقیہ ابو نصر سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنی عورت سے نشہ میں کہا " کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں " اس نے کہا " ہاں "۔ مرد نے کہا " اگر تو میری جورو ہے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق ، اٹھ میرے پاس سے دُور ہو " اور اس کا بیان ہے کہ اس نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہ کی ، تو اس کا قول معتبر ہے۔

امام اجل قاضی خاں نے فرمایا : لانہ لم یضف الطلاق الیہا[4]

اس کا قول اس لئے معتبر ہوا کہ اُس نے ان لفظوں میں طلاق کو عورت کی طرف نسبت نہ کیا تھا یعنی یوں نہ کہا تھا کہ اگر تو میری عورت ہے تو تجھے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق۔

فتاوٰی ذخیرہ پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے :

سئل نجم الدین عمن قالت لہ امرأتہ مرا

امام نجم الدین رحمہ اللہ تعالٰی سے سوال ہوا ایک شخص

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی	کتاب الطلاق	مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ	۲/۷۶
[2] فتاوٰی قاضی خاں	"	نولکشور لکھنؤ	۲/۲۱۵
[3] فتاوٰی ہندیہ	الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ	نورانی کتب خانہ پشاور	۱/۳۸۳
[4] فتاوٰی قاضی خاں	باب التعلیق	نولکشور لکھنؤ	۲/۲۱۹

برگ با تو باشیدن نیست مرا طلاق دہ فقال الزوج چوں تو روی طلاق دادہ شد وقال لم انو الطلاق ھل یصدق قال نعم۔[1]

سے اس کی عورت نے کہا "تیرے ساتھ میرے رہنے کا فائدہ نہیں مجھے طلاق دے دے" شوہر نے کہا "تجھ جیسی کو طلاق دے دی گئی" اور کہتا ہے میری نیت طلاق کی نہ تھی کیا اس کا قول مانا جائیگا۔ فرمایا ہاں۔

فتاوٰی امام قاضی خاں پھر فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

قال لہا لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لایقع لعدم ذکرحلفہ بطلاقہا و یحتمل الحلف بطلاق غیرہا فالقول لہ۔[2]

یعنی عورت سے کہا "بے میری اجازت کے باہر نہ جانا کہ میں طلاق کا حلف کرچکا ہوں"۔ عورت بے اجازت چلی گئی، طلاق نہ ہوگی کہ اُس نے یہ نہ کہا کہ تیری طلاق کا حلف کرچکا ہوں ممکن ہے کہ اور کسی کی طلاق کا حلف کیا ہو تو جب وُہ اس عورت کو طلاق دینے کی نیت سے منکر ہے اس کا قول معتبر ہے۔

درمختار میں ہے:

لم یقع لترکہ اضافۃ الیہا۔[3]

اس صورت میں طلاق اس لئے نہ ہُوئی کہ عورت کی طرف طلاق کی اضافت نہ کی۔

کتب معتمدہ میں اس مسئلہ کی سندیں بہت بکثرت ہیں اور تمام تحقیق ہمارے رسالہ الکاس الدھاق باضافۃ الطلاق (۱۳۱۳ھ) میں ہے تو آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ جس شخص نے خود حکم بن کر یہاں حکمِ طلاق دیا اور حسینہ کے نکاح سے نکلنے کا فیصلہ کیا وُہ اس کا محض جہل وظلم و زعم باطل تھا۔ وُہ حکم جہالت اور وہ فیصلہ بطالت اور وُہ حَکَم بن بیٹھنا افتراء و ضلالت۔

اوّلاً اُس نے اپنی جہالت سے لفظ "جواب ہے" کو محتمل دشنام ٹھہرا کر اس بناء پر کہ یہ الفاظ فضل کریم نے بحالتِ غیظ وغضب میں کہے تھے قضاءً وقوعِ طلاق کا حکم دیا اور نہ جانا کہ وہ محتمل رَد ہے اور جو لفظ محتمل رَد ہو اس سے کسی حالت میں بے نیت طلاق نہیں ہوسکتی نہ دیانۃً نہ قضاءً۔ ہدایہ میں ہے:

فی حالۃ الغضب یصدق فی جمیع

غصہ کی حالت میں مذکورہ تمام صورتوں میں قائل کی تصدیق

---

[1] فتاوٰی ہندیہ — الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/ ۳۱۵

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ — کتاب الایمان — " " " — ۴/ ۲۷۰

[3] درمختار — کتاب الطلاق — باب الصریح — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۲۱۸

ذلک لاحتمال الرد[1]۔

کی جائے گی کیونکہ رَد کا احتمال ہے۔ (ت)

کافی میں ہے:

فی مذاکرۃ الطلاق یقع الطلاق فی سائر الاقسام قضاء الافیما یصلح جوابا وردا فانہ لایجعل طلاقا[2]۔

قضاءً مذاکرہ طلاق میں تمام صورتوں میں طلاق واقع ہوجائیگی لیکن جن صورتوں میں جواب اور رَد ہونے کا احتمال ہو ان صورتوں میں طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

ثانیًا اُسے نہ سُوجھا کہ لفظ اضافت سے خالی ہے تو بحال انکارِ نیت حکم طلاق نا ممکن ہے اگرچہ خود لفظ "طلاق" ہوتا جیسا کہ مسائل مذکورہ میں گزرا، نہ کہ لفظ "جواب" کہ کنایہ ہے اور وہ بھی محتمل رَد وانکار۔
محیط میں ہے:

لایقع فی جنس الاضافۃ اذالم ینولعدم الاضافۃ الیہا[3]۔

یعنی جنس اضافت میں جب طلاق کو عورت کی طرف اضافت نہ کرے طلاق نہ ہوگی جب تک شوہر نیت نہ کرے۔

ثالثًا اُس نے عورت کو خود اپنے معاملے میں قاضی بتایا اس کا اگر یہ مطلب کہ عورت خود حاکم ہے اور اُس کا حکم مثل حکم قاضی شرع نافذ و ناطق ہے جب تو صریح جہالت ہے، ہاں جہاں کے مرد خود حَکَم بن بیٹھتے ہوں وہاں کی عورتیں اگر خود قاضی بن بیٹھیں تو کیا عجب۔ اور اگر یہ مراد کہ الفاظ طلاق میں عورت کو وہی سمجھنا چاہیے جو عام لوگوں اور قاضی کو کہ دل کا حال اللہ جانتا ہے یہ سب ظاہر پر عمل کرنے والے ہیں تو ہم درمختار و ردالمحتار و فتاوٰی قاضیخاں و فتاوٰی عالمگیری و فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی ذخیرہ و فتاوٰی بزازیہ و فتاوٰی محیط و بحرالرائق و کافی شرح وافی و ہدایہ کے نصوص جلیلہ سُنا چکے کہ اس صورت میں جبکہ شوہر بحلف منکرِ نیت ہے، قاضی بھی طلاق نہیں ٹھہرا سکتا تو عورت کیا چیز ہے۔

رابعًا اُس کی جہالت کا صاف واضح نمونہ وُہ ہے کہ فضل کریم شہادت پیش کرنے میں قاصر رہا وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ یہاں فضل کریم مدعا علیہ ہے اور حسینہ مدعیہ ہے مدعا علیہ کو شہادت کی کیا حاجت جس کے

---

[1] الہدایۃ فصل فی الطلاق قبل الدخول مکتبۃ العربیۃ کراچی ۳۵۴/۲
[2] کافی
[3] محیط

پیش کرنے سے اسے قاصر کیا جائے۔

خامسًا حکم بننے میں اگر اس نے یہ زعم کیا کہ فضل کریم نے اُسے حکم کیا اور وُہ واقع میں ایسا نہ تھا تو اس نے ایک مسلمان پر افترا کیا اور شرع مطہر میں مفتری کی سزا سلطانِ اسلام کے یہاں اسّی کوڑے ہیں ـــــ ولعذاب الاٰخرۃ اکبر[1] (اور بیشک آخرت کا اور سخت تر) اور اگر یہ ٹھہرایا کہ گو فضل کریم نے مجھے حکم نہ کیا مگر شریعت نے بے رضا و تحکیم خود حکم بن بیٹھنا اور فیصلہ کر دینا جائز کیا ہے اور ایسا فیصلہ شرعًا صحیح و نافذ ہوتا ہے تو اس نے شریعتِ مطہرہ پر افترا کیا، اور شریعتِ مطہرہ پر افترا اللہ عزوجل پر افترا ہے اور اللہ عزوجل پر افترا بے ایمان ہی کرتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون[2] جھوٹے افترا وہی باندھتے ہیں جو مسلمان نہیں۔

سادسًا وُہ جانتا تھا کہ شرع مطہر سے اس صورت میں حکم طلاق نہیں ہوسکتا اور پھر دانستہ خلافِ حکمِ شرع حکم کیا جب تو ان آیاتِ کریمہ سے اپنا حکم معلوم کرے کہ:

من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الظلمون، جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وہ ظالم ہیں،

من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفسقون، جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وہ فاسق ہیں،

من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکٰفرون[3]۔ جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وُہ کافر ہیں۔

جب حکمِ شرع پر حکم نہ کرنے والوں کے لئے یہ احکام ہیں جو دانستہ حکمِ شرع کے خلاف کریں اور اُسے حکمِ شرع بتائیں اُن پر کس درجہ سخت تر ہوں گے، اور اگر نہ جانتا تھا اور بے علم فتوٰی دیا تو اپنا حکم اس حدیث سے لے:

افتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا[4]۔ رواہ الائمۃ احمد والبخاری و مسلم والترمذی وابن ماجۃ عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

بے علم فتوٰی دیا تو آپ بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کیا (اسے امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۲۶

[2] 〃 〃 ۱۶/ ۱۰۵

[3] 〃 〃 ۵/ ۴۴ تا ۴۷

[4] صحیح مسلم کتاب العلم باب رفع العلم وقبضہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۰

اور اس حدیث سے معلوم کرے،

من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض[1] رواہ ابن عساکر عن امیرالمؤمنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو بغیر علم کے فتوٰی دے اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ (اسے ابن عساکر نے امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

بلکہ نظر بواقع صورتِ حاضرہ میں دونوں شقیں موجود ہیں، یہ حَکَم بن بیٹھنے والا خلافِ شرع حکم دینے والا جاہل بھی ہے، اس کا جہل خود اُس کے اس حکم ہی سے ہم نے بوجوہ ظاہر کردیا، اور دیدہ و دانستہ خلاف ما انزل اللہ حکم کرنے والا بھی ہے کہ ابھی چند روز ہُوئے بمقدمہ حاجی بنیاد علی ہجوری اس نے یہی جہالت کی تھی اور اس پر دارالافتاء سے تنبیہ کی گئی حکم صحیح بتایا گیا پھر سائل کے مقرر سوال بغرض دفع اوہام جہال پر دوبارہ مفصل فتوٰی مرسل ہوا تو حکم شرع اگر جب نہ جانتا تھا اب معلوم تھا اور پھر قصداً اس کا خلاف کیا، والعیاذ باللہ تعالٰی۔

سابعًا اس نے یہ ما انزل اللہ کا خلاف اپنی کسی خانگی بات میں نہ کیا بلکہ ایک مسلمان کی زوجہ کو ناحق ناروا اس کے نکاح سے خارج ٹھہرایا اور شوہر سے برگشتہ بنایا اور یہ شیاطین کا کام ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر[2] الی قولہ تعالٰی فیتعلمون منھما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ[3]۔	شیاطین کافر ہیں لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں (الی قولہ تعالٰی) جس سے مرد اور اس کی عورت میں جُدائی ڈالتے ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من خبب امرأتہ علی زوجھا[4] رواہ ابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن	جو کسی مرد سے اس کی زوجہ کو برگشتہ کرے وہ ہمارے گروہ سے نہیں (اس کو ابوداؤد اور حاکم

---

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۹۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[3] ایضاً

[4] سُنن ابوداؤد کتاب الطلاق باب من خبب امرأۃ علی زوجہا آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶

ابی ھریرة والطبرانی فی الصغیر والاوسط بنحوہ عن ابن عمر وابو یعلی بسند صحیح والطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

نے ابوہریرہ سے اور طبرانی نے صغیر اور اوسط میں، اسی طرح ابن عمر سے ابو یعلی نے بسند صحیح اور طبرانی نے اوسط میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ ت)

اس حکم بننے والے کا جہل وظلم بہت وجوہ سے بیان ہوسکتا ہے، اور یہ سات بعد سبع سموات کیا کم ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔



کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا القادری عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم



ھذا ھو الحق
محمد مصطفٰی رضا خان القادری عفی عنہ



صح الجواب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب
کتبہ محمد المدعو بحامد رضا القادری البریلوی سقاہ ربہ من منہل کرمہ المروی۔



ذلک کذلک
الفقیر محمد رضا خان القادری عفی عنہ

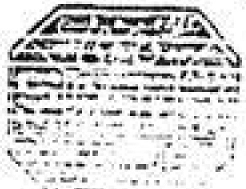


لقد اجاد فیما افاد واطاب فی ما اجاب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ امجد علی اعظمی رضوی



الجواب صحیح

عبید النبی نواب مرزا رضوی عفی عنہ



صح الجواب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

فقیر محمد حشمت علی عفی عنہ



تصدیقات عُلمائے بدایوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

حامدًا ومصلیًا ومسلما

اگر زوج نے فقط یہی لفظ کہے تھے کہ "اگر عصر تک نہ آئیں تو نکاح سے میں تم کو علیحدہ کردوں گا" تو یہ تو فقط وعدہ ہے طلاق سے تعلق ہی کیا۔ اور اگر یہ لفظ کہے تھے کہ "میری طرف سے جواب ہے" تو کنایہ طلاق میں داخل ہوسکتا ہے مگر جب شوہر بحلف کہتا ہے کہ میری نیت نہ تھی تو اُسی کا قول معتبر ہے جیسا کہ مجیب لبیب نے کتاب ردالمحتار وغیرہ سے ثابت کیا ہے، بہرحال صرف انھیں کلمات کی بناء پر باوجود حلف شوہر کے عدم نیت طلاق پر حکم طلاق بائن دے دینا از روئے کتب فقہ حنفی صریح غلطی ہے کما فصلہ المجیب المصیب، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ حررہ عبدالرسول محب احمد القادری عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح وصواب

محمد عبدالمقتدر القادری عفی عنہ مدرسہ قادریہ بدایوں

ھذا ھو التحقیق وبالاتباع حقیق



صح الجواب واللہ اعلم بالصواب

عبدالنبی محمد ابراہیم القادری عفی عنہ



الجواب صواب والمجیب شاب



تصدیقات علمائے شاہجہانپور

ما اجاب الفاضل المجیب فهو صحیح بالتحقیق
العبد الفقیر محمد ریاست علی عفی عنہ

هذا الجواب صحیح والمجیب نجیح
محمد سلیمان عفی عنہ

موافق روایات مذکورہ بالا طلاق واقع نہیں ہوئی۔
کتبہ عبدہ المسکین غلام محی الدین عفی عنہ

الجواب صحیح
العبد محمد فراست اللہ عفی عنہ

تصدیقات علمائے دہلی

صورتِ مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہونے کا فتویٰ باوجود انکار اور حلف فضل کریم کے بیشک غلط ہے،
صحیح یہی ہے جو مجیب صاحب نے تحریر فرمایا ہے، باقی رہی یہ بات کہ مفتی مخطی نے اگر عمداً یہ کارروائی کی
والعیاذ باللہ، تو بلاریب مستحقِ عذابِ الٰہی ہے، اور اگر سہواً اُن سے غلط فتویٰ سرزد ہوگیا ہے اور وہ صاحب عالم
ہیں اہلِ افتا ہیں تو اس صورت میں عفو کے مستحق ہیں۔

سیف الرحمٰن مدرس اول مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی

الجواب صحیح محمد پُردل مدرس مدرسہ نعمانیہ دہلی

الجواب صحیح محمد عمر عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ نعمانیہ دہلی
الجواب صحیح محمد نسیم احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم دہلی
للہ در المجیب اللبیب محمد کرامت اللہ عفا عنہ دہلوی
الجواب صحیح والمجیب مصیب حبیب المرسلین عفی عنہ سابق مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم دہلی
الجواب صحیح محمد نسیم احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم دہلی
اصاب من اجاب محمد میاں عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی
ذٰلک کذٰلک ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی عفا اللہ عنہ وعن والدیہ

تصدیقات علمائے میرٹھ

جواب مذکور الصدر درست ہے اور جواب میں جو عبارات بطور نقل تحریر فرمائی ہیں وُہ جواب کی صحت کو آفتاب کی طرح روشن کرتی ہیں، یہ عبارت کہ "اگر آپ عصر تک اپنے مکان پر نہ آئیں تو میری طرف سے جواب ہے" قابلِ غور ہے، واضح ہو کہ لفظ "جواب" اُردو زبان میں لفظ مشترک ہے اور لفظ مشترک بدون بیانِ احناف کے نزدیک قابلِ عمل نہیں، اگر کسی آدمی نے وصیت کی کہ ثلث مال میرے موالی کو دینا اور وصیت کنندہ کا آزاد کرنے والا ہے اور وُہ بھی ہے جس کو وصیت کنندہ نے آزاد کیا ہے تو احناف کے نزدیک وصیت باطل ہے اور وجہ بطلان کی بیان کرتے ہیں کہ لفظ مولیٰ مشترک ہے معلوم نہیں کہ حَکم کا ذہن اس کے ادراک سے کیوں بے نصیب رہا، اور باوجود انکار و عدم اضافتِ جواب طلاق بائنہ کا ہار فضل کریم کی گردن میں کیوں چسپاں کر دیا، آفریں باد بریں ہمت مردانہ او، پس فیصلہ حکم کا جہالت پر مبنی ہے اور طریقِ احناف سے خارج ہے میں فقہائے احناف کی عبارات نقل کر کے طول دینا نہیں چاہتا، جواب میں جو عبارات تحریر فرمائی ہیں وُہ کافی ہیں بلکہ عند الانصاف کفایت سے زائد ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

احمد علی عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ میرٹھ اندرکوٹ

عند ۱۳۱۳ احمد علی عفی

جواب صحیح ہے

عبد اللہ خاں مدرس مدرسہ اسلامی شہر میرٹھ

عبد اللہ خان

تصدیقات علمائے احمد آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الرؤف الرحیم

امّا بعد، بندہ نے اوّل سے آخر تک اس فتوے کو پڑھا، حضرت مولٰنا مولوی حامیٔ دین متین جناب احمد رضا خاں صاحب عم فیضہ الصوری والمعنوی نے اس میں دریائے تحقیق بہا دیا ہے، اب جس میں مادۂ ایمان ہے اس کے واسطے سوائے تسلیم کے اور اس کے حکم کو سر پر چڑھاتے کے چارہ نہیں، اور جو لوگ اس فتوے کے خلاف حکم کرتے ہیں ان کے حال کو خاکسار اپنے احباب کو سمجھاتا ہے اُن پر وحی شیطان کی نازل ہوتی ہے اس کی خبر رب العالمین اپنے کلام مجید میں دیتا ہے:

وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیٰطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا۔[1]

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن کئے ہیں آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ ان میں ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی بات دھوکے کو۔ (ت)

وقال اللہ تعالٰی،

ویحسبون انھم علٰی شیئ۔ الا انھم ھم الکذبون۔ استحوذ علیھم الشیطٰن فانسٰھم ذکر اللہ۔ اولٰئک حزب الشیطٰن۔ الا ان حزب الشیطٰن ھم الخٰسرون۔[2]

اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے کچھ کیا، سنتے ہو بیشک وہی جھوٹے ہیں، ان پر شیطان غالب آگیا تو انھیں اللہ کی یاد بھلادی، وہ شیطان کے گروہ ہیں، سنتا ہے بیشک شیطان ہی کا گروہ ہار میں ہے۔ (ت)

عزیزے شیطان لعین را دید کہ فارغ نشستہ است واز تضلیل واغوا خاطر جمع ساختہ آں عزیز سر آنرا پرسید لعین گفت کہ علمائے سوایں وقت دریں کار با من خود مدد عظیم کردند و مرا ازیں مہم فارغ ساختند والحق دریں زمان ہر سستی و مداہنتی کہ در امور شرعیہ واقع شدہ است وہر فتورے کہ در ترویج ملت ودین ظاہر گشتہ است ہمہ از شومی علمائے سوء ست وفساد نیات ایشاں۔[3]

ایک عزیز نے شیطان کو فارغ بیٹھا اور گمراہ کرنے اور حق سے ہٹانے کے کام سے مطمئن پایا تو عزیز نے اس سے وجہ پوچھی تو شیطان لعین نے کہا اس وقت کے علمائے سُو اس کام میں میرے بڑے مددگار رہیں اور مجھے اس کام سے انھوں نے فارغ کردیا اور حقیقت یہی ہے کہ اس زمانے میں دین وشریعت کے امور میں جو سستی اور مداہنت اور ہر کوتاہی جو دین وملت کی ترویج میں ظاہر ہورہی ہے یہ تمام علمائے سوء کی نحوست اور بدنیتی کی وجہ سے ہے۔ (ت)

یہ عبارت راقم نے مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ العزیز کی جلد اول کے صہ ۹۳ مکتوب ۳۳ سے نقل کی ہے، اب جو لوگ شیطان کی وحی پر چلنا چاہتے ہیں وہ اپنے نفس کی شامت سے حزب الشیطان ہوجائیں ان کے جلانے اور سزا دینے کے واسطے اللہ تعالٰی نے جہنم تیار کر رکھی ہے، اور جو شیطان سے

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۲

[2] " " ۵۸/ ۱۹-۱۸

[3] مکتوبات امام ربانی مکتوب سی وسوم نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۷

کفر کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اُن کی فہمائش کے لئے علمائے ربانیین نے حکم شریعت مدلّل لکھ دیا ہے فماذا بعد الحق الا الضلال[1] (پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی۔ ت) حضرت رب العزت تبارک و تعالیٰ اس تحریر پر تنویر کو سبب ہدایت اپنے بندوں کا کرے آمین ثم آمین ھذا ما عندی، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

حررہ المفتقر الی ربہ القدیم عبدالرحیم بن پیر بخش السنی الحنفی القادری النقشبندی الاحمد آبادی المدرس الاول فی المدرسۃ القادریۃ

(مہر) ۱۳۱۵ عبدالرحیم

صح الجواب

(مہر) محمد خلیل الرحمن سنی حنفی قادری

الجواب صحیح

(مہر) یا الٰہی کن کرم شیر محمد

نعم الجواب وجید التحقیق

(مہر) عبدالکریم

تصدیقات علمائے جبلپور

ان ھذا لھو الحق والحق للاتباع احق

کتبہ ادون عباد اللہ ذی الجلال والاکرام الراجی الی لطفہ محمد عبدالسلام السنی الحنفی القادری الرضوی الجبلفوری غفرلہ

(مہر)

ما اجاب مولانا امام المحققین لھو الحق المبین

کتبہ الفقیر عبدالباقی محمد برہان الحق الرضوی الجبلفوری کان اللہ تعالیٰ لہ

(مہر) محمد عبدالباقی برہان الحق

تصدیقات علمائے مراد آباد

نحمدہٗ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

بے شک فضل کریم کا قول معتبر ہے جس حالت میں کہ وہ حلف کر رہا ہے کیونکہ وہ مدعا علیہ ہے، اور اُس کے الفاظ طلاق نہیں ہیں۔ کما صرحہ العلامۃ المجیب دامت برکاتہم اور اگر اہالیِ زن کے بیان کردہ الفاظ بھی ثابت ہوجائیں تو بھی حکمِ طلاق جہلِ محض ہے، حضرت مجدد مائۃ حاضرہ متع اللّٰہ المسلمین ببرکات انفاسہ نے جو تحقیق فرمائی ہے بالکل حق وصواب ہے۔ جزاہ اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ وصلے اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

الجواب صحیح وصواب، العبد المسکین محمد عباد الدین عفی عنہ

محمد نعیم الدین عفی عنہ

واضح ہو کہ صورتِ مسئولہ میں جو فضل کریم نے اپنی زوجہ حسینی بی کے حق میں کہا کہ آپ آج اپنے گھر میں نہ آئیں تو میں آپ کو اپنے نکاح سے علیحدہ کردوں گا انتہی۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایقاعِ طلاق کا وعدہ ہے اس میں طلاق کا وعدہ ہے اس میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ پھر اگر وہ مسماۃ اپنے گھر میں نہ آئی جب بھی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ اس میں محض ایقاعِ طلاق کا وعدہ ہے اور بعد نہ آنے اس کے فضل کریم سے ایقاعِ طلاق کے کوئی کلام (الفاظ) وقوع میں بھی نہ آئے بلکہ پیرایہ وعدہ ہی میں رہے لہٰذا طلاق شرعاً اصلاً ثابت نہیں ہوئی اور نہ اُس عورت نے اپنے زوج فضل کریم سے سوال کیا تھا نہ اس کے متعلقین نے کہ تو اس کو طلاق دے دے تاکہ یہ صورت مذاکرہ طلاق کی ہوتی، اور لفظ "جواب" کو جو کلام دوسرے فضل کریم میں واقع ہوا یعنی اگر آپ عصر تک مکان پر نہ آئیں تو میرا جواب ہے لیکن یہ کلام دوسرا بعد دیر کے اس نے کہا اور فضل کریم زوج مسماۃ مذکورہ کا ان الفاظ سے انکار ہے اور نیز حلف شرعی سے کہتا ہے یوں ہی ہو یا جو کچھ ہو میں نے اُس سے زوجہ مذکور کو نیت طلاق کی نہیں کی تھی، بعض متعلقینِ مسماۃ مذکورہ نے بیچارے فضل کریم کے ذمہ زبردستی سے اس لفظ کو چپکا دیا اور کسی مُلّا نے ناسمجھی اپنی سے مفہوم طلاق بائن کا سمجھ کر حکم طلاق بائن کا دیا۔ اور بر تقدیر فرض اگر اس نے یہ لفظ کہا ہے جب بھی طلاق بائن نہیں ہوئی،

اوّلاً اس واسطے کہ یہ لفظ بعد دیر کے کہا پھر یہ کلام کلامِ جدید ہے اور اضافت اس میں

الی شیئ ناپدید ہے۔

قال قاضی خان فی فتاواہ رجل قال "نان خوردیم ونبیذ خوردیم زنان ما بسہ" ثم قال لہ رجل بعد ما سکت "بسہ طلاق" فقال الرجل "بسہ طلاق" لاتطلق امرأتہ لانہ لما فرغ عن الکلام وسکت ساعۃ کان ھذا ابتداء کلام لیس فیہ اضافۃ الی شیئ[1]

قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا ایک شخص نے کہا ہم نے روٹی کھائی اور نبیذ پیا ہماری عورتوں کو تین، پھر کچھ دیر بعد اس کو ایک شخص نے کہا "تین طلاقیں" تو اس نے کہا "تین طلاقیں" تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوئی کیونکہ جب خاموش ہو کر کچھ دیر کے بعد کہا تو یہ نیا کلام ہے اور اس میں اضافت کسی کی طرف نہ پائی گئی۔ (ت)

ثانیًا یہ کہ لفظ "جواب" موضوع واسطے طلاق کے نہیں ہے بلکہ یہ ایک ہندی کلمہ ہے کہیں بمعنی ترک و رُد کے آتا ہے، چنانچہ زید نے عمرو سے کچھ مانگا اس نے جواب دیا یعنی رُد کیا کچھ نہ دیا خالی ہاتھ چلا گیا، دوسرا یہ کہ خالد نے مثلاً بکر سے سوال کیا نماز میں کتنے فرض اور کتنے واجب ہیں؟ اس کا جواب دے دیا یعنی اس کے سوال کو تسلیم کرکے اس کا جواب دیا یعنی رُد نہ کیا بتلا دیا اتنے فرض ہیں اتنے واجب ہیں۔ اور کبھی ایک شیئ کے مقابلہ میں دوسری شیئ تیار کی جائے اس کو ہندی میں جواب کہتے ہیں، مثلاً ایک شخص نے مکان بنایا اور اس میں چار در اور چار طاق محاذی ایک دوسرے کے بنائے اس کو اردو میں ایک دوسرے کا جواب کہتے ہیں۔ اور یہ بھی مفہوم لفظ جواب کا ہوسکتا ہے کہ اگر تم اپنے گھر نہ آئیں تو ہمارا بھی جواب ہے یعنی ہم بھی تمہارے گھر نہ آئیں گے۔ اور یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ تم ہم سے اگر قرینہ نیک سے اور حسنِ معاشرت سے رہو گی تو ہم بھی اُسی قاعدہ سے رہیں گے اگر تم ہم سے سرکشی رکھو گی ہم بھی سرکشی رکھیں گے۔ اور یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ پہلے اُس سے اُس مخاطبہ نے اپنے زوج فضل کریم سے کوئی چیز مانگی ہو تو اس کے دینے میں سکوت کیا اور وہ رنجیدہ ہوکر اپنے گھر چلی گئی، جب اس نے اس مسماۃ سے جاکر کہا کہ تم اپنے گھر چلو اس نے نہ مانا تو اس کے مقابلہ میں زوج نے کہا کہ ہمارا بھی جواب ہے، تو اس طرح سے یہ لفظ جواب اردو میں چند معنی میں مستعمل ہوتا ہے تو پھر لفظ جواب سے خاص کر طلاق بائن کا مفہوم سمجھنا دلیل نافہمی کی ہے،

کما حققہ الفاضل المحقق الکامل جناب مولٰنا احمد رضا خان صاحب دام مجدھم بعد التی والقیا ماترک

جیسا کہ اس کی تحقیق فاضل محقق کامل جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب دام مجدہ نے فرمائی بہرصورت انھوں نے اس معاملہ میں تحقیق میں

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۵

المحقق المذکور من التحقیق فی ھذا الامر شیئًا لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ واللہ اعلم وعلمہ اکمل و اتم۔

کوئی کمی نہ چھوڑی، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی مزید سبیل پیدا فرمادے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اکمل واتم۔ (ت)

عبدالباری

قد ضل المجیب السابق فی فھمہ ضلالًا بعیدا وقد صار فی ردہ المحقق المذکور مولٰنا مصیبًا۔

پہلے مجیب اپنے فہم میں زیادہ بھٹک گئے اور ان کے جواب اور رد میں محقق مذکور نے درست فرمایا۔ (ت)

کتبہ المعتصم بحبل اللہ الاحد محمد ابوالفضل المدعو بفضل احمد

تصدیقات علمائے لاہور

الحق حق لاشک فیہ، محمد عبدالعزیز عفی عنہ مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور

ھذا الجواب صحیح والمجیب نجیح، محمد یار عفی عنہ امام مسجد طلائی لاہور بقلمہ

ھذا ھوالحق، فقیر محمد شفیق بگوی حنفی نقشبندی خطیب مسجد شاہی لاہور

ھذا ھوالحق المبین، الراجی الی اللہ العٰلمین، المسکین اللہ دین مدرس اول مدرسہ نعمانیہ لاہور

الجواب صحیح، محمد ذاکر بگوی عفی عنہ مدرس اول حمیدیہ

الحق لایتعداہ المومنون، عبیدہ اصغر علی المدارس العربیۃ

المجیب مصیب فیما اجاب فللہ درہ فیما اجتھد واصاب، کتبہ العبد الضعیف المسکین محمد اکرام الدین البخاری عفی عنہ الباری مشہور بواعظ الاسلام حال خطیب وامام فی مسجد نواب وزیرخان رحمہ اللہ الملک المنان لاہور۔

تصدیقات علمائے بمبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حامدًا ومصلیًا ومسلمًا، جو کچھ اعلحضرت عظیم البرکت امام اہلسنت

مدظلہم العالی نے صورتِ مسئولہ میں طلاق کے عدمِ وقوع کی نسبت ارشاد فرمایا ہے اور جابر حَکَم کے فیصلہ باطلہ کی نسبت فرمایا: " تو آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ جس شخص نے خود حَکَم بن کر یہاں حکمِ طلاق دیا اور حسینہ کے نکاح سے نکلنے کا فیصلہ دیا وہ اُس کا محض جہل وظلم وزعم باطل تھا وہ حکم جہالت اور وُہ فیصلہ بطالت ، وہ حکم بن بیٹھنا افتراء وضلالت " یہ سب صحیح ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے جاہل مضل سے دُور رہیں اور اس کے ایسے باطل فیصلہ پر ہرگز ہرگز عمل نہ کریں۔

حررہ العبد الفقیر محمد عمر الدین السنی الحنفی القادری الهزاروی عفا اللہ تعالیٰ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جو کچھ کہ اعلحضرت امام المسلمین مراد المومنین مولٰنا وسیدنا احمد رضا خان صاحب مدظلہم العالی نے عدمِ وقوع طلاق کے بارے میں تحریر فرمایا ہے" سب صحیح ہے اور اُس حکم جاہل کا فیصلہ بالکل لغو وقبیح ہے۔

حررہ الاحقر محمد عبد الرزاق السنی الحنفی القادری المقتدری عفا اللہ تعالےٰ عنہ

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا

اما بعد خاکسار امیدوار رحمتِ پروردگار نے یہ جواب کاشف حجاب عجیب العجاب من اولہ الی آخرہ بنظرِ غور دیکھا، الحمدللہ دربارہ عدم وقوع طلاق وضوح حق نے سرور دیا حق تعالےٰ جلشانہ اعلحضرت عظیم البرکۃ واقفِ حقیقت مروّج شریعت مجدد طریقت حکیم الامت علامہ زمان وفہامہ بیگان مولٰنا وبالفضل اولٰنا مولوی احمد رضا خاں صاحب مدظلہم العالی کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے اور جمیع اہلسنّت وجماعت کو اس پر عمل کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین!

حررہ حافظ عبد الحلیم السنی الحنفی القادری امام مسجد جامع محلہ بمبئی

ما اجاب المجیب اللبیب فہو فیہ مصیب۔ حررہ خادم الشرع القاضی اسمٰعیل الجلجائی الشافعی عفا اللہ تعالےٰ عنہ وعن والدیہ وعن استاذیہ وعن جمیع المومنین، آمین یارب العالمین!

تصدیقات علمائے پیلی بھیت

مجدد مائۃ حاضرہ صاحب حجت قاہرہ اعلحضرت مولٰنا وسیدنا مولوی محمد احمد رضا خان صاحب

امام اہلسنّت کا جواب بتوفیق رب الارباب عین صواب ہے فقط۔

فقیر قادری وصی احمد حنفی خادم حدیث در مدرسۃ الحدیث

حضرت امام المحققین و راس المدققین مولٰنا و بالفضل اولٰنا المولوی محمد احمد رضا خان صاحب
دام شمس فیوضہ مشرقۃ و مازال قمر افاداتہ مضیئا کا جواب عین صواب ہے۔

العبد ابوسراج عبد الحق عفی عنہ تلمیذ مولٰنا و بالفضل اولٰنا المولوی
محمد وصی احمد محدث سورتی عم فیضہ العلی

الجواب ھو الصواب

محمد فضل حق عفی عنہ خادم مدرسہ رحمانیہ پیلی بھیت

مسئلہ ۹ از بنگالہ ضلع نواکھالی ڈاک خانہ بیگم گنج مرسلہ مولوی عبد المجید صاحب شنوپوری
۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کو بعد نماز مغرب کے کہا کہ اگر تُو نماز نہ پڑھے گی تو دو طلاق ہے، بعدہٗ وُہ بی بی عشاء کی نماز نہیں پڑھی، فجر سے لے کر نماز شروع کی، اور وُہ شخص بعد فجر کے رجعت بھی کرلیا ہے، پھر چند برس کے بعد وُہ شخص اور دو طلاق بلا شرط دیا اب یہ شخص کا رجعت کرنا جائز ہے یا نہیں کیونکہ دو طلاق سابق اور یہ دو طلاق مجموعہ چار طلاق ہُوئی، اب سہ طلاق ہو کر محرمہ ابدی ہُوئی یا نہ، اور سابق دو طلاق کو جب نماز پر شرط کیا اور نماز بھی نہ پڑھی یعنی عشاء کی، تو طلاق ہوگی یا نہ، بیّنوا مع الدلیل (دلیل کے ساتھ بیان کیجئے۔ ت)۔ بعض عالم کہتے ہیں

اول جو طلاق نماز پر شرط کیا تھا نہیں واقع ہوگی کیونکہ قول زوج کا " اگر نماز نہ پڑھے گی " مستقبل کی طرف اشارہ ہے اور مستقبل تا حیات کے لئے ہوتا ہے ، اور ثانی جو دو طلاق بلا شرط ابھی دیا ہے اس کے لئے رجعت جائز ہے ، اور دُوسرے طرف کے علماء کہتے ہیں اب رجعت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سہ طلاق ہوکر مغلظ ہوگئی ہے اس وجہ سے کہ اول جو دو طلاق شرط نماز پر کیا تھا تا حیات پر موقوف نہیں ہے کیونکہ زوج کی مقصود اور نیت یہ ہے کہ زوجہ کبھی نماز نہ چھوڑے ، اور تاکید حکم شرع پر کرتا ہے اگر ایک وقت نماز چھوڑے گی تو امر صادق آوےگی ، اور رامپور کے بعض علماء کہتے ہیں اوّل دُو طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ طلاق رجعی کو جب شرط پر معلق کرتا ہے تو بائن ہوجاتا ہے اور بائن کے لئے در مدت نکاح جدید چاہئے جب نکاح جدید در مدت نہ کیا اور مدت گزر گیا اب بعد ہا طلاق دینا صحیح نہیں ہے فقط اول دونوں طلاق واقع ہوں گی اور بعد کے طلاق کی ملک نہیں ہے ۔

الجواب

اللّٰھم لک الحمد اسألک ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ ! تیرے لئے حمد ہے ، میں تجھ سے حق اور صواب کی رہنمائی طلب کرتا ہُوں ۔ ت) فقیر نے ہر سہ فریق علمائے بنگالہ و بعض علمائے رامپور کے اقوال مذکورہ اور دلائل مزبورہ مطالعہ کئے جہاں تک اپنی نظر قاصر کا مبلغ ہے بحکم خیر الامور اوسطہا (درمیانی چیز بہتر ہے ۔ ت) ان میں قول وسط عدل و وسط وصحیح و بے غلط ہے ، فریق سوم کا زعم تو محض باطل و بے اصل ہے تعلیق ربط مضمون جملہ بمضمون آخر ہے نہ کہ خبط مضمون بربط آخر ان دخلت الدار فانت طالق (اگر تُو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق ۔ ت) کہنے والے نے انت طالق کے مفاد شرعی کو دخولِ دار پر معلق کیا تو ہنگامِ دخول اسی مفاد کا نزول ہوگا نہ کہ مفاد سے عدول ، اور قطعاً معلوم کہ اس کا مفاد نہیں ، مگر طلاق رجعی یہاں تک کہ اگر انت طالق کہے تو طلاق بائن کی نیت کرے جب بھی رجعی ہوگی کہ وُہ تغییرِ حکمِ شرع پر قدرت نہیں رکھتا ۔ تنویر میں ہے :

صریحہ کطلقتک وانت طالق ومطلقۃ یقع بہا واحدۃ رجعیۃ وان نوی خلافہا[1]

صریح طلاق یہ ہے " میں نے تجھے طلاق دی ، تو طلاق والی ہے ، تُو مطلقہ ہے " جیسے الفاظ ہیں ، ان الفاظ سے ایک رجعی طلاق ہوگی اگرچہ نیت اس کے خلاف بھی کرے ۔ (ت)

ہدایہ میں ہے :

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۸

انت طالق ومطلقة وطلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعی ولا یفتقر الی النیة وکذا اذا نوی الابانة لانه قصد التنجیز ما علقه الشرع بانقضاء العدة فیرد علیه[1] (ملخصاً)

تجھے طلاق، تو مطلقہ ہے، میں نے تجھے طلاق دی، ان الفاظ سے رجعی طلاق ہوگی اور کسی نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ یونہی اگر ان الفاظ سے بائنہ طلاق کی نیت کرے تب بھی رجعی ہی ہوگی کیونکہ شریعت نے ان الفاظ سے طلاق بائنہ کو عدت ختم ہونے تک معلق رکھا ہے جبکہ طلاق دینے والے نے فی الحال نافذ ہونے کی نیت کی ہے اس لئے بائنہ نہ ہوگی (ملخصاً)۔ (ت)

ہمارے علماء کرام کے نزدیک وقتِ حلول شرط نزول جزا یُوں ہوتا ہے کہ گویا اس وقت تکلّم بالجزا منجز واقع ہُوا اور ظاہر ہے کہ انت طالق کا تکلم ہرگز مفید نہ ہوگا مگر طلاق رجعی کا۔ فتح القدیر میں ہے:

انه ینزل سببا عند الشرط کانه عند الشرط اوقع تنجیزا۔[2]

کیونکہ طلاق کا سبب، شرط پائے جانے پر وارد ہوتا ہے گویا کہ شرط پائے جانے پر وُہ طلاق بول کر نافذ کر رہا ہے۔ (ت)

ظاہراً ان بعض علماء کو ایک عبارتِ درمختار نے دھوکا دیا کہ اواخر باب طلاق بالصریح میں فرمایا:

لوقال انت طالق علی ان لارجعة لی علیك له الرجعة وقیل لا جوهرة ورجح فی البحر الثانی وخطأ من افتی بالرجعی فی التعالیق وقول الموثقین تکون طالقا طلقة تملك بها نفسها۔[3]

اگر کہا "تجھے اس شرط پر طلاق ہے کہ مجھے رجوع کا اختیار نہیں"، تو اس کو رجوع کا حق باقی ہوگا۔ بعض نے کہا اس کو رجوع کا حق نہیں ہے، جوہرہ۔ بحر میں دوسرے قول کو ترجیح دے کر کہا کہ جس نے معلق طلاق میں رجوع کا فتوٰی دیا اس نے خطا کی ہے، اور پختہ کار لوگ فرماتے ہیں کہ مذکورہ صُورت میں ایسی طلاق ہوگی جس میں اختیار بیوی کو ہوگا کہ وُہ نکاح دوبارہ کرے یا نہ کرے یعنی بائنہ طلاق ہوگی۔ (ت)

اس عبارت میں جملہ "وخطأ من افتی الخ" کے معنی سمجھ لئے کہ علامہ بحر صاحبِ بحر رحمہ اللہ تعالٰی نے مطلقاً تعلیقات میں طلاق رجعی ماننے کو خطا ٹھہرایا حالانکہ یہ محض سُوئے فہم یا قلتِ تدبّر سے ناشی ہے یہاں

---

[1] الهدایة | باب ایقاع الطلاق | المکتبة العربیة کراچی | ۱/۳۳۹
[2] فتح القدیر | باب الایمان فی الطلاق | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر | ۴/۴۴۵
[3] درمختار | باب الصریح | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۲۲

خاص صورت یہ زیرِ بحث ہے کہ جزائے معلق میں وصف مفید بینونت مذکور ہو، مثلاً:

ان دخلت الدار فانت طالق طلاقا لارجعة لی علیك فیه یا ان تفعل کذا تکن طالقا طلقة تملك بها نفسها۔

اگر تُو گھر میں داخل ہُوئی تو وُہ طلاق جس میں مجھے رجوع کا حق نہ ہو، یا یُوں کہا اگر تُو یہ کام کرے تو تجھے وہ طلاق ہے جس میں اختیار تیرے ہاتھ میں ہو۔ (ت)

عبارتِ در میں وقول الموثقین بالجر زیر فی داخل (قول الموثقین جر کے ساتھ التعالیق پر داخل "فی" کے تحت ہے۔ ت) اور التعالیق کا عطف تفسیری ہے، بحر۔ ردالمحتار میں ہے:

قوله وخطاء ای نسبه الی الخطاء، وقوله وقول الموثقین بالجر قال ح عطف تفسیر علی التعالیق، قلت واصل المسئلة التی ذکرها صاحب البحر، وقد الف فیها رسالة ایضا هی ان رجلا قال لزوجته متی ظهرلی امرأة غیرك فانت طالق واحدة تملکین بها نفسك ثم ظهرله امرأة غیرها فاجاب فیها بانه بائن ورد من افتی رجعی[1] (ملخصا)

اس کا قول کہ "خطاء" یعنی اس کو خطاء کی طرف منسوب کیا، اور اس کا قول "قول الموثقین" جر یعنی زیر کے ساتھ، تو اب اس کا تعالیق پر عطف تفسیری ہوگا۔ قلت اصل مسئلہ وہ ہے جس کو صاحبِ بحر نے ذکر کیا اور اس پر رسالہ بھی لکھا ہے کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا کہ اگر تیرے سوا کوئی میری بیوی معلوم ہوجائے تو تجھے ایک طلاق ہے جس میں تجھے اپنا اختیار ہوگا، اس کے بعد اس شخص کی دوسری بیوی معلوم ہُوئی تو بحر والے نے جواب دیا کہ یہ طلاق بائن ہوگی، اور انھوں نے اس شخص کا رَد بھی کیا جس نے اس کے رجعی ہونے کا فتوٰی دیا (ملخصاً)۔ (ت)

خود علامہ بحر کی عبارت سُنئے کہ در سے روشن تر ہے بحر میں فرماتے ہیں:

فی الجوهرة ان قال انت طالق علی انه لارجعة لی علیك یلغو ویملك الرجعة وقیل تقع واحدة بائنة اھ وظاهر ما فی الهدایة ان المذهب الشافعی فانه قال

جوہرہ میں ہے کہ اگر ایک شخص نے بیوی کو کہا کہ تجھے طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجوع اختیار نہ ہوگا، تو ایسی میں رجوع نہ ہونے کی شرط لغو ہوگی، اور اس طلاق پر خاوند کو رجوع کا اختیار باقی رہے گا، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک بائنہ طلاق ہوگی اھ

---

[1] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۵۰

واذا وصف الطلاق بضرب من الشدة و الزيادة كان بائنا وقال الشافعي يقع رجعيا اذا كان بعد الدخول، لانه وصفه بالبينونة خلاف المشروع فيلغو كما اذا قال انت طالق على ان لا رجعة لي عليك ولنا انه وصفه بما يحتمله ومسئلة الرجعة ممنوعة اھ، قال في العناية اي لا نسلم انه لا يقع بائنا بل تقع واحدة بائنة اھ وھکذا في فتح القدير وغاية البيان والتبيين فقد علمت ان المذهب وقوع البائن وقد تمسك به بعض من لا خبرة له ولا دراية بالمذهب على ان قول الموثقين في التعاليق تكون طالقا طلقة تملك بها نفسها لا يوجب البينونة مستدلا بانه لو قال انت طالق على ان لا رجعة كان رجعيا، وهو خطأ وقد اوسعت الكلام فيها في رسالة[1] اھ ملخصًا۔

جبکہ ہدایہ کی عبارت سے ظاہر یُوں ہے کہ دوسرا قول راجح ہے، کیونکہ اُنھوں نے یُوں فرمایا کہ جب طلاق کو ایسے وصف سے موصوف کیا جائے جو شدّت اور زیادتی پر دلالت کرے تو وہ طلاق بائنہ ہوتی ہے اور امام شافعی نے فرمایا کہ یہ طلاق رجعی ہوگی بشرطیکہ بیوی سے دخول کر چکا ہو کیونکہ اس نے صریح ایک طلاق کو بائن کے وصف سے موصوف کیا ہے جو کہ خلافِ مشروع ہے لہذا یہ وصف لغو ہوگا، جیسا کہ کوئی یُوں کہے کہ تجھے طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجوع کا اختیار نہ ہوگا تو رجوع کا حق باقی رہے گا اور طلاق رجعی ہوگی، امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے اس قول کے مقابلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ خاوند نے طلاق مذکورہ کو ایسے وصف سے موصوف کیا جس کا اس میں احتمال بن سکتا ہے اور جس مسئلہ پر آپ نے قیاس کیا یعنی رجوع نہ کرنے کی شرط، تو ہمارے لئے وہ ایسے نہیں ہے بلکہ وہ طلاق بائنہ ہے اھ عنایہ میں حنفی مسلک کی تائید میں فرمایا کہ مذکورہ صورت میں بائنہ طلاق نہ ہونا ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ ایک طلاق بائنہ ہوگی اھ عنایہ کے علاوہ فتح القدیر، غایۃ البیان اور تبیین میں ایسے ہی ہے، اور آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ حنفی مذہب میں طلاق بائنہ ہوگی، جن لوگوں کو مذہب کی خبر اور سمجھ نہیں اُنھوں نے یہاں استدلال کیا ہے کہ "قول الموثقین فی التعالیق" سے مراد یہ ہے کہ اگر خاوند بیوی کو کہے کہ "تجھے ایک طلاق جس میں تجھے اپنا اختیار حاصل ہے" تو اس میں طلاق بائنہ نہ ہوگی، اس پر انھوں نے دلیل یہ دی کہ اگر کوئی بیوی کو کہے کہ تجھے ایک طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجوع کا اختیار نہ ہوگا، تو یہ بھی رجعی طلاق ہوگی، حالانکہ ان لوگوں کا یہ بیان و استدلال خطا ہے، اور میں نے اس بات کو تفصیل سے رسالہ میں لکھا ہے اھ ملخصًا (ت)

---

[1] بحر الرائق فصل انت طالق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۹۱

نیز علامہ بحر کے اُس رسالہ میں جس کا حوالہ ردالمحتار اور خود بحرالرائق میں گزرا یہاں وقوع بائن کی علت زیادۃ لفظ تملك بها نفسها بیان فرمائی نہ یہ کہ نفس تعلیق موجب بینونت ہے رسالہ مذکورہ میں بعد بیان صورتِ واقعہ فرماتے ہیں :

وقع الطلاق بما ينبئ على الزيادة وهو قوله تملك بها نفسها فيكون بائنا وان كان صريحا في البدائع البائن ان يكون بحروف الابانة اوبحروف الطلاق لكن موصوفا بصفة تبنئ عن البينونة اھ ولا شك ان قوله تملك بها نفسها يكون بالبائن لا بالرجعي في فتح القدير ليس في الرجعي ملكها نفسها وفي البدائع لا تملك نفسها الا بالبائن[1] اھ مختصرًا۔

یہاں طلاق کا وقوع "زائد الفاظ یعنی "وہ اپنے نفس کی مالک ہوگی" کے ساتھ ہوگا، لہٰذا یہ طلاق بائن ہوگی، اگرچہ صریح طلاق مذکور ہے ، بدائع میں ہے کہ کسی جدائی والے لفظ یا لفظِ طلاق کو جدائی والے کسی لفظ سے موصوف کر دیا جائے، تو یہ بائن طلاق ہوگی اھ ، اور اس میں شک نہیں کہ عورت کو اپنے نفس کا اختیار بائن طلاق سے حاصل ہوتا ہے رجعی سے نہیں ہوتا۔ فتح القدیر میں ہے کہ رجعی طلاق میں عورت کو اپنے نفس کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، اور بدائع میں ہے کہ عورت اپنے نفس کی مالک صرف بائن طلاق سے بنتی ہے۔ اھ مختصرًا۔ (ت)

مطلقاً تعلیق سے بائن کا وقوع علاوہ اُن دلائل واضحہ کے کہ صدر کلام میں معروض ہولئے صد ہا فروع منصوصہ فی المذہب سے باطل ہے۔ اسی درمختار میں ہے ،

علق الثلث بالوطء حنث بالتقاء الختانين ولم يجب العقر باللبث بعد الايلاج ولم يصربه مراجعا في الطلاق الرجعي الا اذا اخرج ثم اولج فيصير مراجعا[2]۔

خاوند نے اگر طلاق مغلظ کو وطی سے معلق کیا تو وطی کے ابتدائی مرحلہ میں دونوں شرمگاہوں کے ملنے پر ہی طلاق ہوجائے گی اور دخول کے بعد وقفہ پر بیوی کے لئے جوڑا (عقر) لازم نہ ہوگا اور نہ ہی اس کو طلاق رجعی میں رجوع قرار دیا جائے گا، ہاں اگر دخول کے بعد شرمگاہوں کے جُدا ہونے کے بعد دوبارہ دخول کیا تو رجوع قرار پائے گا۔ (ت)

---

[1] الرسالۃ السابعۃ فی الطلاق المعلق علی الابراء ھل ھو رجعی او بائن مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۶

[2] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۲ و ۲۳۳

ردالمحتار میں ہے :

قولہ فی الطلاق الرجعی ای فیما اذا کان المعلق علی الوطئ طلاقا رجعیا[1]۔

ماتن کا قول کہ "رجعی طلاق میں" یہ وہ صورت ہے جس میں رجعی طلاق کو وطئ کے ساتھ معلق کیا ہو۔ (ت)

اسی طرح بحرالرائق وہدایہ وفتح القدیر وعامہ کتب مذہب میں ہے۔ خود رسالہ مذکورہ علامہ زین میں بعد بیان صورت واقعہ کہ زوج نے کہا تھا :

متی ابرأیتنی من مهرك فانت طالق الخ

جب تُو مجھے مہر سے بری کردے تو تجھے طلاق ہے الخ (ت)

اور اثبات بینونت بوجہ زیادت صفت متقدمہ بیان فرمایا :

فان قلت لم لم تجعله بائنا بسبب اشتراط الابراء من المهر فان الطلاق الموقع فی مقابلة الابراء یکون بائنا، وعلله فی التجنیس بانه یقع بعوض وهو لازم قلت فی مسئلتنا جعل الطلاق معلقا بالابراء شرطا له لا عوضا، فلذا لم نجعله بائنا الا ان یوجد نقل یدل علی ذلك[2] اھ ملتقطا۔

اگر تُو اعتراض کرے کہ مہر سے بری کرنے کی شرط پر طلاق کو تم نے بائنہ کیوں نہ بنایا، کیونکہ ابراء کے مقابلہ میں طلاق بائنہ ہوتی ہے نہ کہ شرط سے، تجنیس میں اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس صورت میں یہ طلاق ایسے عوض کے مقابلہ میں ہے جو خاوند کے حق میں لازم ہے، میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں طلاق کو ابراء سے معلق کیا گیا ہے جس میں ابراء کو شرط بنایا ہے عوض نہیں بنایا، اسی لئے تو ہم نے اس کو بائن نہیں بنایا الّا یہ کہ کوئی نقل اس پر مل جائے جو اس پر دلالت کرے اھ ملتقطا۔ (ت)

نیز فتح القدیر میں زیر مسئلہ آتیہ قریبا انت طالق ان لم اطلقك (اگر تجھے طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق ہے۔ ت) ارشاد فرمایا :

الطلاق یتحقق منه الیاس بموتها واذا حکمنا بوقوعه قبل موتها

کہ طلاق سے مایوسی عورت کی موت سے ہی ہوسکتی اور جب ہم بیوی کی موت سے قبل وقوع طلاق کا حکم

---

[1] ردالمحتار باب التعلیق دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۰۸
[2] الرسالۃ السابعہ فی الطلاق المعلق الخ مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۴۹

لایرث منہا الزوج لانہا بانت قبل الموت فلم یبق بینہما زوجیۃ حال الموت وانما حکمنا بالبینونۃ وان کان المعلق صریحا لانتفاء العدۃ کغیر المدخول بہا لان الفرض ان الوقوع فی اٰخر جزء لایتجزأ فلم یتلہ الا الموت وبہ تبیین[1]

دیں تو خاوند اس بیوی کا وارث نہ ہوگا، کیونکہ موت سے قبل طلاق بائنہ ہوئی ہے تو موت کے وقت زوجیت دونوں کی ختم ہوچکی ہوگی، اور بیشک ہم نے اس طلاق کو بائنہ قرار دیا ہے اگرچہ لفظوں میں یہ صریح طلاق ہے کیونکہ اس پر عدت نہیں ہوتی جیسا کہ قبل دخول طلاق کی صورت میں ہوتا ہے اس لئے کہ فرض یہ کیا ہوا ہے کہ موت سے قبل ایک ادنٰی جُز جس میں موت کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا تھا اس میں طلاق واقع ہوئی اسی سے وہ بائنہ بن گئی اھ۔(ت)

بالجملہ امر واضح اور بشدّت وضوح ایضاح سے مستغنی ہے۔ رہا **فریق اوّل** الفاظ کہ زبانِ زوج سے نکلے یعنی اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو دو طلاق ہے، اگر لغۃً ان کا مفاد دیکھا جائے تو واقعی اسی قدر ہے جو اس فریق نے سمجھا اس لئے کہ یہاں معلق بہ عدم یعنی نماز نہ پڑھنا ہے اور عدم متحقق نہ ہوگا مگر عورت کے آخر جزءِ حیات میں اگر آج سے عمر بھر کبھی کوئی نماز نہ پڑھتی تو عدم مذکور صادق آتا اور عورت کی پچھلی سانس پر طلاق نازل ہوتی یہاں تک کہ اس نے صبح کی نماز پڑھی عدم معدوم اور اس کا نقیض موجود ہُوا تو چاہیے تھا کہ یہ دو طلاقیں اصلاً نہ پڑتیں۔ ہدایہ فصل اضافۃ الطلاق الی الزمان میں ہے:

العدم لایتحقق الا بالیأس عن الحیاۃ وھو الشرط کما فی قولہ ان لم اٰت البصرۃ۔[2]

عدم طلاق کا تحقق صرف زندگی سے مایوس ہوجانے پر ہوسکتا ہے جبکہ طلاق نہ دینا شرط ہے، جیسا کہ کوئی یوں کہے "اگر میں بصرہ نہ آؤں" تو بصرہ میں آنا زندگی بھر میں متوقع رہتا ہے صرف موت سے ہی یہ توقع ختم ہوتی ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

ولوقال انت طالق ان لم اطلقک لم تطلق حتی یموت، باتفاق الفقہاء لان الشرط ان لا یطلقہا

اگر خاوند نے کہا "اگر تجھے طلاق نہ دُوں تو تجھے طلاق ہے" کی صورت میں موت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اس لئے کہ طلاق

---

[1] فتح القدیر فصل فی اضافۃ الطلاق الی الزمان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۳۷۳

[2] الہدایۃ 〃 〃 〃 المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۳۴۵

وذٰلك لایتحقق الا بالیأس عن الحیاۃ لانه متی طلقها فی عمرہ لم یصدق انه لم یطلقها بل صدق نقیضه وھو انه طلقها والیأس یکون فی اٰخر جزء من اجزاء حیاته[1]

نہ دینے کی شرط ہے، اور یہ شرط تاحیات متحقق نہ ہوگی صرف زندگی سے مایوسی پر ہی متحقق ہوگی، کیونکہ زندگی میں جب طلاق دے گا تو طلاق نہ دینا صادق نہ آئے گا بلکہ اس کی نقیض صادق آئے گی، اور وہ یہ کہ اس نے طلاق دی ہے، اس لئے طلاق نہ دینا عمر کے آخری ادنٰی جزء میں معلوم ہوسکے گا اور وہی زندگی سے مایوسی کا وقت ہے۔ (ت)

مگر یہاں ایک نکتہ بدیعہ ہے جس سے غفلت اس فریق کے لئے باعث غلط ہوئی۔ الفاظ کا مفاد لغوی ہمارے ائمہ کے نزدیک مبنائے یمین نہیں بلکہ معانی عرفیہ پر بنائے کار ہے۔ درمختار میں ہے:

الاصل ان الایمان مبنیة عند الشافعی رحمه اللّٰه تعالٰی علی الحقیقة اللغویة و عند مالك رحمه اللّٰه تعالٰی علی الاستعمال القراٰنی و عند احمد رحمه اللّٰه تعالٰی علی النیة و عندنا علی العرف ما لم ینو ما یحتمله اللفظ[2]

امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں قسم میں حقیقی لغوی معنی کا لحاظ کیا جاتا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں قسم میں قرآن پاک میں استعمال شدہ الفاظ و معانی کا لحاظ کیا جاتا ہے جبکہ امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں نیت کا لحاظ ہوتا ہے اور ہمارے احناف کے ہاں قسم میں عرفی معانی کا اعتبار ہوتا ہے بشرطیکہ قسم والے نے کسی احتمالی معنٰی کی نیت نہ کی ہو۔ (ت)

اور اغراض و مقاصد جس قدر مفاد لفظ سے زائد ہوں یعنی عموم و اطلاق بھی انھیں متناول نہ ہو ملحوظ نہیں ہوتے۔ الایمان مبنیة علی الالفاظ لا علی الاغراض[3] (قسموں میں الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے اغراض کا لحاظ نہیں ہوتا۔ ت) کہ تنویر وغیرہ عامہ کتب مذہب میں ارشاد ہے اُس سے یہی مراد ہے کہ لفظ کی تناول عرفی سے اجنبی خارج ویگانہ و زائدیات اگرچہ عرفاً مقصود حالف ہو منظور نہ ہوگی مگر اغراض مخصص ضرور ہوسکتی ہیں، دلالتِ لفظ کہ عموم پر تھی بنظر غرض خاص پر مقصور ہوجائے گی، یہ مدلول لفظ سے خروج نہیں بلکہ بعض مدلولات پر قصر ہے، یہ وہ تحقیق انیق ہے جس سے کلمات ائمہ مذہب میں توفیق ہے اور فروع متکاثرہ مذہب کی شہادت متواترہ سے اس کی توثیق ہے جس کا نفیس و روشن بیان علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے ردالمحتار میں افادہ فرمایا اور اس کے بیان میں ایک مستقل رسالہ رفع الانتقاض ودفع الاعتراض

---

[1] فتح القدیر فصل فی اضافۃ الطلاق الی الزمان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۷۳-۲۷۲

[2] درمختار باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار " " " " " " ۱/ ۲۹۶

علیٰ قولہم الایمان مبینۃ علی الالفاظ لاعلی الاغراض تالیف کیا۔ تلخیص الجامع الکبیر للامام ابی عبداللہ صدر الدین محمد بن عباد میں ہے :

وبالعرف یخص ولا یزاد حتی خص الرأس بما یکبس ولم یرد الملك فی تعلیق طلاق الاجنبیۃ بالدخول[1]

عرف سے تخصیص ہوسکے گی اور لفظ کے مفہوم پر زیادتی نہ ہوسکے گی چنانچہ سر بھُونے جانے والی سری سے مختص ہوگا اور اجنبی عورت کی طلاق کو گھر میں داخل ہونے کی تعلیق میں ملکیت مراد نہیں ہوسکتی۔ (ت)

علامہ علاء الدین ابوالحسن علی بن بلبان بن عبداللہ فارسی اس کی شرح تحفۃ الحریص فی شرح التلخیص میں فرماتے ہیں :

رجلان تساوما ثوبا فحلف المشتری انہ لایشتریہ بعشرۃ فاشتراہ باحد عشر حنث فی یمینہ ، ولوکان الحالف البائع لایبیعہ بعشرۃ فباعہ باحد عشر لم یحنث ، وھذا لان البیع بالعشرۃ نوعان بیع بعشرۃ مفردۃ وبیع بعشرۃ مقرونۃ بالزیادۃ ففی المشتری مطلق لادلالۃ فیہ علی تعیین احد النوعین فکان مرادہ العشرۃ المطلقۃ ، اما البائع فمرادہ البیع بعشرۃ مفردۃ بدلالۃ الحال اذ غرضہ ان یزیدہ المشتری علی العشرۃ ولم یوجد شرط حنثہ وھو

دو حضرات نے کپڑے کا ایک سودا کرتے ہوئے ، گفتگو میں خریدار نے قسم اٹھائی کہ میں اسے دس میں نہ خریدوں گا ، اس کے بعد اس نے گیارہ کا خرید لیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی ، اور اگر فروخت کرنے والا قسم اٹھائے کہ میں اسے دس میں فروخت نہ کروں گا ، اس کے بعد اس نے گیارہ کا فروخت کردیا تو بائع کی قسم نہ ٹوٹے گی ، یہ اس لئے کہ دس سے فروخت کرنے کے دو معنے ہیں ، ایک یہ کہ صرف دس سے فروخت کرنا اور دوسرا معنی یہ کہ اس دہائی کے ساتھ کوئی اکائی بھی ہو ، تو مشتری کے حلف میں مطلق دس ہے جس میں دونوں قسموں میں سے کسی ایک کے معیّن کرنے پر کوئی قرینہ نہیں ہے ، لہذا یہاں دس مطلق مراد ہوں گے یعنی صرف دس یا دس سے کچھ اکائی کے ساتھ زائد دونوں معنی میں سے کوئی بھی ہو لیکن فروخت کرنے والے کی قسم میں صرف

[1] رفع الانتقاض الخ رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین بحوالہ تلخیص الجامع الکبیر سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹۳

البیع بعشرة مفردة فلا یحنث، وھذا ھو المتعارف بین الناس فیحمل الیمین علی ما تعارفوه[1]، وقولہ فی المتن و بالعرف یخص ولا یزاد جواب عن سوال مقدر وھو ان یقال البائع بتسعة مفردة وجب ان یحنث لان المنع عن ازالة ملکہ بعشرة منع عن ازالتہ بتسعة عرفا، والجواب ان الحکم لا یثبت بمجرد الغرض وانما یثبت باللفظ والذی تلفظ بہ البائع، ھو العشرة واسم العشرة لا یحتمل التسعة لیتعین بغرضہ والزیادة علی اللفظ بالعرف لاتجوز بخلاف الشراء بتسعة لان العشرة فی جانب المشتری تحتمل عشرة مفردة وعشرة مقرونة فتعین احدھما بغرضہ اذ العام یجوز تخصیصہ وتقییدہ بالعرف[2] اھ ملتقطا۔

دس بغیر اکائی مراد ہیں جیسا کہ اس پر حال کی دلالت ہے کہ بائع کی غرض یہ ہے کہ مشتری اس سے زائد دے تو گیارہ میں فروخت کرنے پر شرط (یعنی صرف دس میں فروختگی) نہ پائی گئی لہذا قسم نہ ٹوٹی، لوگوں میں یہی متعارف ہے لہذا قسم کو لوگوں کے عرف پر محمول کیا جائیگا۔

اور متن میں یہ قول کہ "عرف سے تخصیص ہوتی ہے زیادتی نہیں ہوتی" یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ مقدر ہے کہ بائع اگر مذکورہ صورت میں نو سے فروخت کرے تو قسم کا ٹوٹنا ضروری ہوگا کیونکہ جب دس سے اپنی ملکیت نہیں چھوڑتا تو نو سے بطریقہ اولٰی نہ چھوڑتا ہوگا جیسا کہ عرف میں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو محض غرض ہے جبکہ محض غرض سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ اس لفظ کا بھی اعتبار ہوتا ہے جس سے تلفظ کیا ہے اور بائع نے جو لفظ بولا ہے وہ دس ہے، جبکہ اس کا اسم نو کا احتمال نہیں رکھتا جس کو غرض کے طور پر متعین کیا جا سکے۔ دس کا نام، نو پر مراد لینا یہ لفظی زیادتی ہے جو کہ عرف سے ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ عرف صرف تخصیص کرتا ہے زیادتی نہیں کر سکتا، اس کے برخلاف جب مشتری کپڑے کو دس کی بجائے نو سے خرید لے تو عرف یہاں کارآمد ہوگا کیونکہ مشتری کی قسم میں دس کی مذکورہ دونوں قسموں کا احتمال ہے صرف دس یا مع اکائی مراد ہو، تو یہاں جب دس کا لفظ عام ہے تو عرف اس کی ایک قسم کی تخصیص یا تقیید کر سکتا ہے اھ ملتقطاً۔ (ت)

رفع الانتقاض میں ہے،

---

[1] رفع الانتقاض الخ رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین بحوالہ شرح تلخیص الجامع الکبیر سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۹۴-۲۹۴

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/۹۸-۲۹۷

اعلم ان الغرض الذی یقصده المتکلم بکلامه قد یکون معنی اللفظ الذی تکلم به حقیقة او مجازا وقد یکون امرا أخر خارجا عن اللفظ ، فالاول کقوله لا اشتریه بعشرة فغرض المشتری منع نفسه من التزام العشرة فی ثمن ذٰلك المبیع سواء کانت عشرة مفردة او مقرونة بزیادة والعرف ارادة ذٰلك ایضا ، فهنا اجتمع الغرض والعرف فی لفظ الحالف فاذا اشتری باحد عشر حنث لانه اراد العشرة المطلقة وهی موجودة فی الاحد عشر، والثانی کقوله لا ابیعه بعشرة فباعه بتسعة لایحنث لان غرض البائع ان یبیعه باکثر من عشرة ، ولایرید بیعه بتسعة لکن التسعة لم تذکر فی کلامه لان العشرة لم توضع للتسعة لالغة ولاعرفا ، فغرضه الذی هو قصده من هذا الکلام خارج عن اللفظ، والعبرة فی الایمان للالفاظ لا لمجرد الاغراض لان الغرض یصلح مخصصا لامزیدا ، والتخصص من عوارض الالفاظ فاذا کان اللفظ عاما والغرض الخصوص اعتبر ما قصده

جاننا چاہیے کہ متکلم جب کوئی کلام کرتا ہے تو اس کی غرض اس کلام کا حقیقی معنی ہوتا ہے اور کبھی مجازی معنی ہوتا اور کبھی لفظ سے خارج کوئی اور معنی غرض بنتا ہے۔ اول کی مثال، جیسے مشتری کا کہنا کہ میں دس سے نہ خریدوں گا تو یہاں مشتری کی غرض یہ ہے کہ دس درہم دینے سے باز رہنا ہے یہ محض دس ہوں یا مع اکائی ہوں مبیع کے عوض نہ دے گا، اور عرف بھی یہی ہے تو یہاں حلف میں غرض اور عرف دونوں حقیقی معنیٰ میں مجتمع ہیں، لہذا یہاں اگر مشتری نے گیارہ میں خریدا تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ اس نے مطلق دس مراد لئے تھے جبکہ یہ دس، گیارہ میں بھی موجود ہے۔ دوسرے کی مثال، جیسے بائع کہے کہ میں دس درہم سے نہ فروخت کروں گا یہاں اگر اس نے نو میں فروخت کیا تو قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ اس کلام سے بائع کی غرض یہ ہے کہ دس سے زائد یعنی دس مع اکائی کے بدلے فروخت کرے گا، تو اس کی مراد میں نہیں ہے لیکن اس کی کلام میں نو مذکور نہیں ہے [illegible] لغت اور عرف میں نو کے لیے وضع نہیں ہے تو دس بول کر نو مراد لینا لفظ سے خارج کسی اور معنیٰ کو مراد لینا ہے جبکہ حلف میں محض غرض کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ لفظ کا اعتبار ضروری ہے، کیونکہ غرض مخصص تو بن سکتی ہے لیکن زیادتی پیدا نہیں کرسکتی جبکہ تخصیص لفظ کی صفت ہے لہٰذا لفظ کا اعتبار ضروری ہے محض غرض کافی نہیں ہے، تو جب لفظ عام ہو اور غرض خاص ہو تو پھر

كالرأس فی لا اکل رأسا، فان لفظه عام والغرض منه خاص کما مرو اعتبار هذا الغرض لایبطل اللفظ لانه بعض ماوضع له اللفظ[1] اھ مختصرا

خاص مقصد کا اعتبار ہوتا ہے جیسے کوئی کہے میں سر نہ کھاؤں گا، تو اس میں لفظِ سر عام ہے جو ماکول اور غیر ماکول دونوں کو شامل ہے جبکہ غرض خاص یعنی ماکول ہے جیسے گزرا تو یہ خاص غرض لفظ کے مدلول کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ لفظ کے معنیٰ کا ایک خاص حصہ ہے، اھ مختصراً۔ (ت)

وتمام فیہ یمین الفور جسے خاص فکر بلند ثریا پیوند امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے استنباط فرمایا اور دیگر ائمہ کرام قدست اسرارہم نے بحکم الفقهاء کلهم عیال علی ابی حنیفة (تمام فقہاء، ابوحنیفہ کی عیال ہیں، کے حکم سے۔ت) اس جناب کا اتباع کیا اس کے مسائل اسی اصل جلیل تخصیص بالغرض پر مبنی ہیں متون وشروح وفتاوائے مذہب میں صدہا فروع اس پر مبنی ہیں مثلاً:

(۱) عورت باہر جانے کو ہوئی، شوہر نے کہا باہر جائے تو تجھ پر طلاق، عورت بیٹھ گئی اور دوسرے وقت باہر گئی، طلاق نہ ہوگی۔ تنویر و در میں ہے:

شرط للحنث فی قوله ان خرجت مثلا فانت طالق او ان ضربت عبدك فعبدی حر لمرید الخروج والضرب فعله فورا لان قصده المنع عن ذلك الفعل عرفا، ومدار الایمان علیه وهذه تسمی یمین الفور تفرد ابوحنیفة رحمه الله تعالٰی باظهارها ولم یخالفه احد[2]۔

جب بیوی باہر نکلنے یا غلام کو مارنے کے لئے تیار ہو اس وقت خاوند اگر کہے کہ تُو نے مارا یا باہر نکلی تو تجھے طلاق ہے، تو مارنے اور باہر نکلنے سے وہی مراد ہے جس کے لئے وہ تیار کھڑی ہے صرف اسی مارنے پر یا اسی نکلنے پر طلاق ہوگی کیونکہ خاوند کا اس عمل سے روکنا مقصود ہے یہی عرف ہے جبکہ حلف کا مدار یہی عرف ہے، اس کا نام یمین فور ہے جس کے اظہار اور بیان میں امام ابوحنیفہ متفرد ہیں اور کسی نے ان کی مخالفت نہ کی۔(ت)

فتح القدیر وغنیہ ذوی الاحکام وردالمحتار میں ہے:

تهیأت للخروج فحلف لاتخرج فاذا

بیوی باہر نکلنے کو تیار تھی کہ خاوند نے حلف اٹھایا

---

[1] رفع الانتقاض الخ رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین — سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۰۰-۲۰۱
[2] درمختار باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۹۸

جلست ساعة ثم خرجت لا یحنث، لان قصدہ منعها من الخروج الذی تهیأت له، فکانه قال ان خرجت الساعة، وهذا اذا لم یکن له نیة فان نوی شیئاً عمل به۔[1]

کہ اگر تُو باہر نکلے تو تجھے طلاق ہے، تو بیوی بیٹھ گئی اور کچھ دیر بعد نکلی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ خاوند کا مقصد وہ نکلنا ہے جس کے لئے وُہ تیار تھی اور اس نکلنے سے منع کرنا مقصود تھا، پس گویا خاوند نے یُوں کہا کہ تو اب نکلی تو تجھے طلاق ہے۔ یہ حکم تب ہوگا جب خاوند نے کوئی نیت نہ کی ہو، اور اگر اس نے کوئی نیت کی ہو تو اس پر عمل ہوگا۔ (ت)

(۲) زید نے عمرو سے کہا "میرے ساتھ کھانا کھالو"۔ عمرو: "میں کھاؤں تو عورت مطلقہ ہو"۔ کل زید کے ساتھ کھانا کھایا طلاق نہ ہوگی۔ تنویر ودر؛

وکذا فی حلفه ان تغدیت فکذا بعد قول الطالب تعال تغد معی شرط للحنث تغدیه معه ذٰلك الطعام المدعو الیه۔[2]

یُوں ہی اگر کھانے پر دعوت دینے والے کے جواب میں کوئی کہے "اگر میں کھانا کھاؤں تو بیوی کو طلاق ہے" تو یہاں بھی طلاق ہونے کیلئے جس کھانے پر دعوت دی گئی اسی کو دعوت دینے والے کے ساتھ کھانا شرط ہے۔ (ت)

(۳) عورت کو جماع کے لئے بلایا اس نے انکار کیا، شوہر نے کہا "اگر میرے پاس اس کوٹھری میں نہ آئے تو تجھ پر طلاق"، عورت آئی مگر اس وقت مرد کی شہوت ساکن ہو چکی تھی، تو طلاق ہوگی، اشباہ ودر؛

إن للتراخی الا بقرینة الفور، ومنه طلب جماعها فابت فقال ان لم تدخلی معی البیت فانت طالق فدخلت بعد سکون شهوته حنث۔[3]

لفظ "اِنْ" تراخی کے لئے استعمال ہے مگر جہاں فور کا قرینہ پایا جائے تو تراخی مراد نہ ہوگی، اسی فور پر قرینہ کی مثال یہ ہے کہ خاوند نے بیوی کو جماع کیلئے طلب کیا تو بیوی کے انکار پر خاوند نے کہا اگر تُو میرے کمرے میں داخل نہ ہُوئی تو طلاق ہے۔ تو فوراً داخل نہ ہوئی بلکہ خاوند کی شہوت وخواہش ختم ہونے کے بعد داخل ہُوئی تو طلاق ہوجائے گی۔ (ت)

(۴) حاکم نے حلف کیا کہ اگر شہر میں کوئی بدمعاش آئے اور میں خبر نہ دُوں تو عورت طلاق ہے، بدمعاش آیا اور اس نے حاکم کو خبر نہ دی اس وقت کہا کہ وُہ معزول ہوگیا تھا طلاق ہوگئی۔ تنویر؛

---

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الدخول والخروج الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۸۴

[2] درمختار " " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۸

[3] " " " " " " ۱/ ۲۹۹

حلفه وال لیعلمنه بکل داعر دخل البلد تقید بقیام ولایته[1]

شہر کے حاکم نے ایک ملازم سے حلف لیا کہ شہر میں داخل ہونے والے ہر بدقماش کی مجھے اطلاع دے گا، تو یہ حلف اس حاکم کی ولایت قائم رہنے تک مقید ہے (ت)

درمختار میں ہے:

بیان لکون الیمین المطلقة تصیر مقیدة بدلالة الحال وینبغی تقییدیمینه بفور علمه[2]

اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہ یہ مطلق حلف کو حال کی دلالت کی وجہ سے مقید ہونے کی مثال ہے اس میں یہ بھی قید ہوگی کہ وُہ ملازم معلوم ہونے پر فوراً اطلاع دے گا۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

ثم ان الحالف لوعلم الداعر ولم یعلمه لم یحنث الا اذا مات هو اوالمستحلف او عزل[3]

اگر حلف اٹھانے والے کو بدمعاش کا علم ہو جائے اور وُہ حاکم کو مطلع نہ کرے تو قسم صرف حلف دینے یا حلف لینے والے کی موت یا حاکم کے معزول ہو جانے پر ٹوٹے گی (ت)

فتح القدیر میں ہے:

ولوحکم بانعقاد هذه للفور لم یکن بعید انظرا الی المقصود وهو المبادرة لزجره و دفع شره[4]

اگر اس حلف کو فوری ہونے کا حکم دیا جائے تو بعید نہ ہوگا کیونکہ حاکم کا مقصد بدقماش کو فوری سزا دینا اور اس کے شر کا دفاع کرنا ہے۔ (ت)

(۵) دائن نے مدیون سے حلف لیا کہ تیرے بے اذن باہر نہ جاؤں گا یہ حلف بقائے دین تک رہے گا بعد ادا یا ابرا اذن کی حاجت نہیں۔ تنویر و در میں ہے:

لوحلف رب الدین غریمه او الکفیل بامر المکفول عنه ان لا یخرج من البلد الا باذنه تقید بالخروج حال قیام الدین

قرض خواہ نے مقروض یا مقروض کے بنائے ہوئے ضامن سے حلف لیا کہ تُو میری اجازت کے بغیر شہر سے باہر نہ جائے گا، تو یہ حلف قرض اور ضمانت کی

---

[1] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۳

[2] ایضاً

[3] تبیین الحقائق " " " مطبعہ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۳/۱۶۱

[4] فتح القدیر کتاب الایمان مسائل متفرقہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۴۶۸

بالکفالۃ۔[1] | بقاء تک مقید قرار پائے گا، قرض یا ضمانت ختم ہوجانے کے بعد حالف کو اجازت کی ضرورت نہ رہے گی (ت)

(۶) قسم کھائی عورت بے میرے اذن کے باہر نہ جائے گی، یہ قیام زوجیت تک محدود ہے۔ تنویر و در میں ہے:

لوحلف لا تخرج امرأته الا باذنه تقید بحال قیام الزوجیۃ۔[2] | خاوند نے قسم اٹھائی کہ بیوی اجازت کے بغیر باہر نہ جائیگی، تو یہ حلف بھی زوجیت کے قیام تک محدود ہوگا۔ (ت)

(۷) وہی مسئلہ کہ دس کو نہ بیچوں گا اور گیارہ کو بیچا حانث نہ ہُوا اگرچہ گیارہ میں دس موجود ہیں کہ مراد خاص قسم کے دس یعنی تنہا بلا زیادت تھے۔ یہ سب تقییدیں اور عام کی تخصیص صرف بنظر اغراض متعارفہ ہوئی ہیں کہ یمین کی بنا ہی عُرف پر ہے ولہذا امام ہمام ابن الہمام نے عبارت مذکورہ ہدایہ کی شرح میں (جہاں ارشاد ہُوا تھا کہ عدم بے سلب کلی متحقق نہ ہوگا) فرمایا:

کما قوله فی ان لم اٰت البصرة اعطاء نظیر والمراد ان کل شرط بأن منفی حکمه کذٰلك، وهو ان لایقع الطلاق او العتاق اذا علق به الا بالموت لما ذکرنا، وزاد فیه حسا فی المبتغی بالغین المعجمة قال اذا قال لامرأته ان لم تخبرینی بکذا فانت طالق ثلاثا فهو علی الابد اذا لم یکن ثم ما یدل علی الفور انتهی، ومن ثمه قالوا لواراد ان یجامع امرأته فلم تطاوعه فقال ان لم تدخلی معی فانت طالق فدخلت بعد ما سکنت شهوته طلقت، لان مقصوده من الدخول کان قضاء الشهوة وقد فات۔[3] | اس کا قول، جیساکہ، اگر میں بصرہ میں نہ آؤں تو، یہ نظیر ہے، جس سے مراد یہ ہے جو شرط بھی لفظِ اِنْ کے ساتھ ذکر کی جائے تو اس کا حکم یُونہی منفی رہے گا یعنی اس کے ساتھ طلاق یا عتاق کو معلق کیا گیا ہو تو شرط کے منفی ہونے پر موت سے پہلے قسم نہ ٹوٹے گی جیساکہ ہم نے ذکر کیا ہے اور پھر اس پر ایک اچھی قید بڑھائی کہ مبتغی (غین کے ساتھ) میں کہا کہ خاوند نے بیوی سے کہا کہ تو اگر مجھے فلاں خبر نہ دے تو تجھے تین طلاقیں ہوں گی، تو اگر فور پر کوئی قرینہ نہ ہو تو یہ قسم ابدی ہوگی اھ، اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ خاوند نے بیوی کو جماع کے لئے طلب کیا تو بیوی نے اطاعت نہ کی تو کہا اگر تُو میرے پاس کمرے میں نہ آئی تو تجھے طلاق، اگر بیوی فوراً نہ آئے بلکہ خاوند کی شہوت اور

---

[1] و [2] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۱۲

[3] فتح القدیر فصل فی اضافۃ الطلاق الی الزمان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۳۷۳

خواہش ختم ہونے کے بعد آئی تو طلاق ہوجائے گی کیونکہ طلب کا مقصد اپنی شہوت کو پورا کرنا تھا جو اب ختم ہوگئی ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ ہمارے مسئلہ دائرہ میں بھی اس حلف سے شوہر کی یہ غرض نہیں کہ عورت اپنی مدۃ العمر میں کبھی کسی وقت کسی طرح دو سجدے کرلے اور بری ہوجائے بلکہ یقیناً بحکم عرف دلالت حال اس سے پابندی نماز مقصود ہے تو جس طرح عورت کا باہر جانا مطلق تھا لفظ شوہر میں کوئی قید نہ تھی کہ اس وقت ہو یا کب ہو مگر بدلالۃ حال خاص اس وقت کا خروج معتبر ہوا جس طرح کلام عمرو میں کھانا مطلق تھا کہ آج ہو یا کل یہ کھانا ہو یا اور مگر بحکم عرف خاص اس وقت یہ کھانا زید کے ساتھ کھانا ملحوظ رہا جس طرح عورت کا کوٹھری میں شوہر کے پاس آنا عام تھا کہ اس شہوت موجودہ کی بقا میں ہو یا عمر میں کبھی کسی حالت میں ہو اور عدم محقق نہ ہوگا مگر اخیر جزء حیات شوہر یا زن میں اور جبکہ کوٹھری میں شوہر کے پاس آئی اگرچہ زوال شہوت کے بعد تو عدم صادق نہ آیا اور بنظر مفاد لغوی لفظ لازم تھا کہ طلاق واقع نہ ہو لیکن بدلالت حال خاص وہ آنا مقصود رہا جو اس شہوت کی قضا کے لئے مطلوب تھا اور اسی کی انتفا پر شرط متحقق اور طلاق واقع مانی گئی وقس علی ھذا، اسی طرح یہاں بھی اگرچہ عشرہ مفردہ و مقرونہ کی مانند نماز پڑھنا بھی دو قسم ہے، ایک ملتزم کہ پابندی کے ساتھ ہو دوسرا اس کا غیر یا دو قسم ہے، ایک مبریٔ ذمہ جس میں فرض نماز کا مطالبہ ذمے پر نہ رہے، دوسرا اس کے خلاف اور فعل بعینہ ان لم تصلی (اگر تو میرے پاس نہ آئی۔ ت) مذکور کی طرح حکم نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوجاتا ہے اور عموم سلب بوجہ ایجاب جزئی کہ صبح کی نماز پڑھی صادق نہ رہا مگر بحالت دلالت حال واجب ہے کہ قسم اول یعنی صلاۃ ملتزمہ مبرئہ مراد ہو اور اس کا انتفا ایک وقت کی نماز فرض عمداً بلا عذر شرعی چھوڑنے سے صادق آجاتا ہے تو لازم ہوا کہ جب عورت نے اس حلف کے بعد نماز عشاء نہ پڑھی صبح صادق طالع ہوتے ہی اس پر دو طلاقیں پڑگئیں جیسے وہاں سکون شہوت ہوتے ہی عورت مطلقہ ہوگئی تھی بلکہ اگر شوہر نے یہ لفظ اس وقت کہے تھے کہ ہنوز وقت مغرب باقی تھا اور عورت ادا پر قادر تھی تو شفق ڈوبتے ہی دو طلاقیں ہوگئیں، ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر عورت سے کہا تو نماز ترک کرے تو تجھے طلاق، عورت نے ایک نماز قصداً قضاء کی طلاق ہوجائے گی اگرچہ اس قضا کو ادا بھی کرلے، درمختار میں ہے:

قال ان ترکت الصلوۃ فطالق فصلتہا قضاء طلقت علی الاظہر، ظہیریۃ۔[1]

بیوی کو کہا اگر تو نے نماز ترک کی تو تجھے طلاق ہے، اب اگر عورت نے نماز قضا کی تو زیادہ واضح قول یہی ہے کہ طلاق ہوجائیگی، ظہیریہ۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الیمین فی البیع والشراء الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱۰

یہ حکم اس لفظ میں ہے جہاں الصلٰوۃ معرف باللام ہے جس میں کلام ہوگا کہ عرفاً تارک الصلٰوۃ کسے کہتے ہیں اور ہمارا مسئلہ دائرہ تو بحکم تحقیق مذکور ان ترکت صلٰوۃ (اگر تُو نماز چھوڑے۔ ت) بلالام کے مثل ہے یعنی اگر تو ایک نماز چھوڑے تو طلاق ہے، یہاں قضا کرنے سے وقوعِ طلاق میں کیا شک ہوسکتا ہے صاف بتا دیا کہ اس کی مراد وہی صلاۃ خاصہ ملتزمہ تھی اس پر دلیل واضح اُس کا وقتِ صبح رجعت کرنا ہے اگر وہ معنٰی مراد ہوتے جو فریقِ اوّل نے زعم کئے تو پیش از وقوع رجعت کے کیا معنی تھے اور امثال مقام میں نیت شوہر اگرچہ دلالت حال کے خلاف بھی ہو وہی معتبر رہتی ہے۔ امام محقق علی الاطلاق وغیرہ علماء کا ارشاد گزرا کہ،

هذا اذا لم یکن له نیة فان نوی شیئا عمل به[1]۔

یہ جب ہے کہ اس نے نیت نہ کی ہو اگر اس نے کوئی نیت کی ہو تو اس پر عمل ہوگا۔ (ت)

تو جہاں دلالت حال و نیت دونوں متوافق ہیں نہ اُس دلالت کو مانیے نہ شوہر کی سُنیے اور اپنی طرف سے ایک معنی تراش کر اس پر عمل کیجئے کس قدر فقہ سے بعید بلکہ قابلیت التفات سے دُور ہے، اور اوپر واضح ہوچکا کہ یہ دونوں طلاقیں رجعی تھیں، لاجرم عورت بعد رجعت بدستور ملکِ نکاح میں باقی اور آئندہ طلاق کی محل رہی اب کہ شوہر نے چند سال بعد دو طلاقیں اور دیں ایک تو لغو ہوگئی کہ حدِ شرع سے متجاوز تھی اور ایک اُن پہلی دو کے ساتھ مل کر تین طلاقیں مغلظہ ہوگئیں جن سے عورت حرام ابدی تو نہیں ہوسکتی ہاں بے حلالہ اب اس شخص کے نکاح میں آنے کے قابل نہ رہی، هذا ما ظهرلی والعلم بالحق عند ربی (یہ وہ ہے جو مجھے معلوم ہُوا، حق تو میرے رب کے ہاں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الدخول والخروج الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۸۴

رسالہ

اَکَدُ التَّحقیق بِبَابِ التَّعلیق ۱۳۲۲ھ

(بابِ تعلیق کے متعلق تحقیقِ انیق)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ از بنگالہ موضع نواکھالی ڈاک خانہ بیگم گنج مرسلہ عبدالمجید صاحب از رامپور ۶ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

بگرامی خدمت فیضدرجت مجمع الفضائل منبع الفواضل، کاشف دقائق شرعیہ، واقف حقائق عقلیہ ونقلیہ، محی السنۃ النبویہ، مروج الاحادیث المصطفویہ، صاحب التحقیقات الرائقہ، زبدۃ السعادات الفائقہ، اعنی جنابنا مولانا المولوی شاہ احمد رضاخاں صاحب دام افضالہم۔ بعد ادائے تسلیمات فراواں وکورنشات بیکراں معرض آں خدمت یہ ہے جناب حضور نے جو فتوائے طلاق معلق بالصلوۃ کی تحریر فرماکر ارسال فرمائے تھے بندہ گم گشتہ نے ملک کو بھیج دیا اور سب علمائے موافقین ومخالفین نے دیکھ کر بہت خورسندیں حاصل کیں بلکہ سب علماء متفق ہوکر بسبب فرمان فتوائے موصوف کے زوج احمد سے زوجہ مغلظہ کو علیحدہ کیا تھا اور اس پر بہت دن گزر گئے مگر مولوی وجیہ اللہ جو دیوبند سے عنقریب تحصیل کرکے گھر کو گئے اُس نے زوج احمد کو کہا کہ تمھارا زوجہ مطلقہ مغلظہ نہیں ہُوئی تم ہماری رائے پر چلو تو ہم فتوائے ہند کو مردودہ کردیں گے، چنانچہ احمد علی بھی بوجہ نفع اپنے کے اور بوجہ تعلیم اپنے قول سے منکر ہوگئے یعنی جو پہلے تعمیم

کے منکر اور تخصیص کے راجح، اب بعد چندیں مدت اپنی نیت ظاہر کرتے ہیں کہ نیت ہمارا علی الابد کے لئے ہے اور مولوی وجیہ اللہ نے اس وقت کے نیت کے مطابق ایک فتوٰی بھی لکھا ہے وہی فتوٰی آپ کی خدمت عالی میں ارسال کرتا ہوں اور فتوٰی تحریر کرکے احمد علی کو مدعی بناکر کچہری میں مقدمہ دائر کئے ہیں بعدہٗ اس کے فتوٰی اور آنحضور کی تحریر مبارک دونوں کچہری میں پیش ہوا اور مولوی وجیہ اللہ کو اور اس طرف کے علماؤں کو حاکم نے طلب کیا اور دونوں فتوٰی کے مطلب حاکم کو سمجھادئے مگر مولوی وجیہ اللہ نے حضور کے فتوٰی پر اور مذہب کے قیل وقال ناشائستہ بیان کیا مگر حاکم کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں ہوا اور حاکم نے خود کہا کہ جناب مولٰینا شاہ احمد رضا خاں صاحب کو میں خوب جانتا ہوں اور ان کی حالت مجھے خوب معلوم ہے اور دیوبند کے علمائے لامذہب کو بھی معلوم ہے کہ میں ہند کی سیر کرنے والا ہوں۔ مولوی وجیہ اللہ نے کہا کہ صاحب زجرًا وتنبیہًا بغرض نصیحت طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی، اور دلالتِ حال ویمین الفور کا شرعًا کچھ اعتبار نہیں ہے، اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ طلاقیں مغلظ واقع ہوگئیں تاہم بوجہ رجعت کے اولین طلاق باطل بعد وجود طلاق بلا شرط دیا ہے اس کے لئے رجعت جائز ہے، اور دلیل بھی بیان کیا اس وجہ سے حاکم کے دل میں خدشہ پیدا ہوا حاکم نے اس طرف کے علماؤں کو فرمایا کہ آپ لوگ مولانا موصوف کے بیسؔ دن کے اندر مولوی وجیہ اللہ کا رد جواب منگوائیے ورنہ یہ شبہہ کس طرح دور ہوسکتا ہے اور حاکم نے بیسؔ روز مقدمہ کا حکم مؤخر کردیے، اکنوں دست بستہ ہوکر عرض کرتا ہوں کہ آپ از رُوئے مہربانی وشفقت گزاری کے پندرہ یا سولہ روز کے اندر جواب تحریر فرمادیجئے اور ہم لوگوں کو بحرِ غموم سے خلاص کرلیجئے ورنہ جمیع علماء کی بلکہ ملک ہند کی بھی بدنامی کی بات ہے، زیادہ کیا عرض کروں۔ عرض گزار خادم عبدالمجید عفا اللہ عنہ

نقل فتوٰی مولوی وجیہ اللہ دیوبندی باشندۂ بنگالہ

سوال: چہ مے فرمایند علمائے دین و رازدارانِ شرع متین کہ درحاضران مجلس بحضور علماء وغیرہم کہ احمد علی بزبان خود اقرار نمود کہ من دائمًا زوجہ ام برائے نماز خوانی تاکید وزجر می کردہ بودم و برائے نماز خوانی چند قواعد نماز تعلیم ہم کردم لیکن بعد روزے چند بوقت مغرب مرزوجہ ام را گفتم کہ تو نماز بخواں زن مذکورہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ورازدارانِ شرع متین کہ حاضرینِ مجلس علماء وغیرہم کی موجودگی میں احمد علی نے اپنی زبان سے اقرار کیا کہ میں ہمیشہ اپنی بیوی کو تاکید اور تنبیہ کرتا رہا ہوں اور نماز پڑھنے کا طریقہ سکھاتا رہا ہوں لیکن چند روز بعد مغرب کے وقت میں نے بیوی سے کہا کہ نماز پڑھو تو بیوی نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے فرصت نہیں ہے،

ابا و انکار کرد و گفت کہ مرا فرصتے نیست ازیں وجہ
گفتم کہ اگر تو نماز نگزاری بر تو دو طلاق معلق
دادم کہ بزبان بنگالہ (دیلام) و در لغت اردو
(دیا میں) استعمال کنند بعدہٗ زن مذکورہ نمازِ
عشا نخواند و قضا ہم نگزارد و نمازِ فجر بخواند بعد
فجر رجعت ہم کرد و بعد سالے بلا شرط دو طلاق
آں زوجہ مذکورہ را ایضاً ہم داد و احمد علی
بمحفل مذکور علماء وغیرہم نیت بوقت بیانِ تعمیم و
تخصیص ہر دو منکر بود بل قرینہ برائے تخصیص
راجح اما بعد شش ماہ بجہت تعلیم مخالفین و بوجہ
نفع خود بگوید کہ نیتم برائے دائم و علے الابد ست
اکنوں از روئے شرع شریف اقرارش صحیح بود یا
چہ و بگوید کہ زجراً و تنبیہاً برائے تعود للصلوٰۃ طلاق
واقع نمی شود بلکہ معنی آں وعدہ طلاق شود و وعدہ
طلاق طلاق واقع نمی شود بگوید کہ قول زوج بخواں
صیغۂ امر بر دلالت حال راجح لیکن فور ثابت
نمی شود بلکہ فور را ہیچ اعتبار نیست بر تقدیر
تسلیم کہ طلاقین اولین بوجہ رجعت باطل ست
کما ھو المعروف اکنوں بہر حال برائے زوج
احمد علی رجعت صحیح است آیا کشمکش فی
الواقع ہمیں ست یا زوجہ احمد علی بہ سہ
طلاق شدہ مغلظہ شد بینوا بالتفصیل؛
اندریں صورت کہ زوج احمد علی بزبان خود
اقرار مے کند کہ روزے بعد ادائے نماز
مغرب مرزوجہ خود را بسبب تارک الصلوٰۃ

اس پر میں نے اسے کہا "اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھ پر
دو طلاقیں معلق طور پر دیتا ہوں" یہ بات
بنگالی زبان میں (دیلام) جس کا اردو میں معنیٰ
(میں نے دیا) ہے، کہا، اس کے بعد بیوی نے
عشاء کی نماز ادا نہ کی اور نہ قضاء کی اور پھر فجر کی
نماز پڑھی، فجر کے بعد اس نے رجوع کرلیا، اور
اس کے ایک سال بعد خاوند نے اس بیوی کو
دو طلاقیں بغیر شرط پھر دے دیں، احمد علی مذکور نے
علماء کی مجلس مذکورہ میں بیان دیتے ہوئے بیوی
کو نہ نماز پڑھنے پر طلاق کو معلق کرنے میں تعمیم و تخصیص
کی نیت کا انکار کیا بلکہ تخصیص کا قرینہ راجح معلوم
تھا، لیکن اس کے چھ ماہ بعد ہمارے مخالفوں
کے سمجھانے اور اپنے فائدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے
اس نے کہا کہ میں نے تو دائمی و ابدی کوئی نماز
نہ پڑھنے کی نیت سے کہا تھا (یعنی کوئی خاص نماز
نہیں بلکہ زندگی میں نماز نہ پڑھنے کی نیت سے طلاق
دینے کی بات کی تھی) کیا اب اس کا یہ اقرار
درست ہے یا کیا ہے، اور اب کوئی کہتا ہے کہ
اس نے بیوی کو نماز کا عادی بنانے کے لئے یہ
بات بطور تنبیہ اور ڈانٹ کی تھی اور یہ طلاق نہیں ہے،
بلکہ طلاق کا وعدہ تھا جبکہ طلاق کا وعدہ طلاق
نہیں ہوتی، اور کوئی کہتا ہے کہ خاوند کا بیوی کو کہنا
کہ "نماز پڑھ" صیغۂ امر ہے جس کی حال پر دلالت
واضح ہے لیکن یہ یمینِ فور ثابت نہیں ہے بلکہ
فور کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے

زجر و توبیخ کرد کشاں کشاں تا آنکہ باعتدال طبع و
استقلال مزاج بطریق زجر و تنبیہ گفت کہ تو نماز نخوانی اگر نماز
نخوانی ترا دو طلاق و آں زن نیت نماز و سورہ
بخوبی ندانستی غرض آنکہ زن عشا نخواند بوقت
فجر وضو کردہ برائے گزاردن نماز فجر استاد شوہرش
نیت و سورۃ تعلیم کردہ وے نماز خواند بعد
دو سہ روز میانجی محلہ را طلبیدہ رجعت نمود
درصورت کذائیہ زوجہ اش برائے وے حلال
ماند یا چہ و بعد چند ماہ دو طلاق بلا شرط
ایضاً برآں زوجہ مذکورہ اش دادہ است
آیا کہ اگر تسلیم کردہ شود کہ اول طلاقین واقع شدند
بر تقدیرش بوجہ رجعت اول طلاقین باطل شد
یا چہ، واکنوں رجعت کردہ از زوجہ مذکورہ
استمتاع گرفتن روا است یا نہ؟ بیّنوا۔

کہ پہلی دو طلاقیں رجعی تھیں تو اس کے رجوع کرلینے
کے بعد وہ دونوں طلاقیں ختم اور باطل ہوگئیں
جیسا کہ مشہور ہے لہذا اب دوسری بار دو طلاقوں
کے بعد اب احمد علی خاوند کا دوبارہ رجوع کرنا
صحیح ہے۔ کیا یہ باتیں درست ہیں یا پہلی دونوں
طلاقوں کے بعد دو طلاقوں سے احمد علی کی بیوی
کو تین طلاقیں یعنی مغلظہ طلاق ہوگئی ہے، تفصیل
سے بیان کیجئے۔ خلاصہ اس سوال کا یہ ہے کہ احمد علی
خاوند نے خود اقرار کیا کہ ایک روز نماز مغرب
ادا کرنے کے بعد اس نے اپنی بیوی کو نماز کی تارک
ہونے پر ڈانٹ اور سختی سے سمجھایا اور پھر معتدل
مزاجی اور مستقل مزاجی سے ڈانٹ کے طور پر
کہا نماز پڑھ اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاق
ہیں، جبکہ وہ بیوی نماز کی نیت اور کوئی سورت
اچھی طرح نہیں جانتی غرضیکہ بیوی نے عشا کی نماز بھی نہ پڑھی پھر فجر کی نماز کے لئے اس نے وضو کیا تاکہ
نماز پڑھے، نماز کے لئے کھڑی ہوئی تو خاوند نے اس کو نماز کی نیت اور سورۃ سکھائی اور اس نے
نماز پڑھی، اس سے دو تین روز بعد محلہ کے مولوی صاحب کو طلب کرکے احمد علی نے بیوی سے رجوع
کیا، تو اس صورت میں رجوع کرنے پر احمد علی کے لئے اس کی بیوی حلال ہوئی یا نہیں، پھر اس کے
چند ماہ بعد مزید دو طلاقیں بلا شرط اس کو دیں کیا یہ تسلیم کرلینے پر کہ پہلی دو طلاقیں واقع ہوگئی تھیں تو ان
سے رجوع کرلینے پر کیا وہ پہلی طلاقیں کالعدم اور باطل ہوجائیں گی یا نہیں، اور دوسری طلاقوں کے
بعد اس کا بیوی سے رجوع کرنا اور ہمبستری کرنا جائز ہے یا نہیں، بیان کیجئے۔

الجواب: البتہ زوجہ اش برائے وے حلال
ماند چہ دریں صورت مطلق طلاق واقع نشد
نہ حاجت تجدید نکاح نہ رجعت ھم
واحتیاطا امرے دیگر قولہ

الجواب: یقیناً احمد علی کی بیوی اس پر حلال
رہی کیونکہ اس صورت میں مطلقاً کوئی طلاق نہ ہوئی
اور نہ ہی تجدید نکاح اور نہ ہی رجعت کی کوئی ضرورت
ہے، ہاں احتیاط کریں تو اور بات ہے، احمد علی کا

اگر نماز نخوانی ترا دو طلاق اولاً گویم کہ ایں قول تعلیق طلاق نیست بلکہ وعدۂ طلاق دادن ست زیرا کہ میان تو طلاق وطالق وترا طلاق فرق ست در اول وصف زن ست ومحمول بروے و در ثانی طلاق ایقاع زوج ست پس دریں قول فعل ایقاع زوج ضرور محذوف است در تنجیز معنی ترا طلاق ترا طلاق دادم ست و در صورت تعلیق یعنی اگر ایں کار کنی ترا طلاق معنی آں ترا طلاق خواہم داد ہست چہ در تعلیق شرط وجزا ہر دو خود ند وجزا ہمیشہ مستقبل مے شود ولو معنی پس دریں مقام مطلب اگر نماز نخوانی ترا دو طلاق خواھم داد ہست وخواھم در فعل ایقاع محذوف است وپیدا ست اگر نماز نخوانی ترا دو طلاق خواہم داد وعدۂ طلاق دادن ست نہ تعلیق طلاق واز وعدۂ طلاق طلاق واقع نشود وایں مطلب از خود نگرفتم بلکہ احمد علی خود میگوید کہ من بہ نیت طلاق دادن نگفتم بلکہ بطریق زجر وتہدید تنبیہاً بغرض تعود للصلاۃ گفتم وطلاق دادن در دلم مطلقاً محظور نشد وظاہر ست کہ وعدہ طلاق مفید ایں مدعا ست وباغراض متکلم خوب چسپاں ومقتضائے قرینہ ہم ہمچنیں ست۔

ثانیاً گویم قولہ تو نماز بخواں اگر

کہنا "اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاق"۔ اس کے متعلق میں کہتا ہوں: اولاً یہ تعلیقِ طلاق نہیں بلکہ وعدۂ طلاق ہے کیونکہ تو طلاق، تو طلاق والی، اور تجھ کو طلاق، ان تینوں میں فرق ہے۔ پہلی عورت کی صفت اور اسی پر محمول ہے۔ دوسری میں خاوند کا طلاق دینا ہے، لہٰذا اس میں خاوند کا طلاق دینا ضرور محذوف ہے جب شرط سے معلق نہ ہو یعنی اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تجھ کو میں نے طلاق دی ہے، اور اگر شرط سے معلق ہو مثلاً یہ کہ اگر تو یہ کام کرے تو تجھے طلاق ہے تو اس کا معنیٰ طلاق کا وعدہ ہے کہ تجھے طلاق دوں گا کیونکہ تعلیق میں شرط و جزا دونوں ہوتے ہیں اور جزا ہمیشہ مستقبل میں ہوتی ہے خواہ معنًا ہو اس متکلم میں مطلب یہ کہ اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے میں طلاق دوں گا کیونکہ "دوں گا" یہاں فعل میں محذوف ہوگا، تو ظاہر ہوا کہ یوں کہنا "اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاق دوں گا" تو یہ طلاق دینے کا وعدہ ہوا نہ کہ تعلیقِ طلاق ہوا، جبکہ طلاق کے وعدہ سے طلاق نہیں ہوتی، یہ مطلب میں نے خود نہیں نکالا، بلکہ احمد علی خود کہتا ہے کہ میں نے یہ بات طلاق دینے کے ارادے سے نہیں کہی بلکہ ڈانٹ اور زجر کے لئے کہی ہے تاکہ بیوی نماز کی عادی بن جائے اور طلاق دینے کا میرے دل میں خیال تک نہ تھا، تو ظاہر ہوا کہ یہ صرف طلاق دینے کا وعدہ تھا، یہی بات احمد علی کے قول سے حاصل ہوئی، اور متکلم کی غرض کے یہی مطابق ہے اور قرینہ بھی یہی بتاتا ہے۔

ثانیاً میں کہتا ہوں کہ احمد علی کا بیوی کو یہ

نماز نخوانی ترا دو طلاق تعلیق طلاق ست
اگرچہ از مطلب متکلم فرسنگہا دور ست معنی
آں ترا دو طلاق ہست، باید دانست کہ در تعلیق
طلاق معلق ہر سہ گونہ است و ہر یک دو گونہ است
جانبِ وجود و جانبِ عدم مجموعہ شش قسمت
ست فعل الزوجین وجودًا و عدمًا
وفعل الغیر وجودًا و عدمًا کما
لا یخفی من شرح الوقایۃ
دریں جا معلق بہ فعل عدمی زوجہ است
یعنی نماز نخواندن و معنی التعلیق
ربط حصول مضمون جملۃ ای
جزا بحصول مضمون جملۃ
أخری ای الشرط فاذا وجد
الشرط وجد المشروط وکذا اذا
فات الشرط فات المشروط وھذا
یعم الصورۃ الستۃ کلھا من
غیر فرق پس ہرگاہ ایں قول تعلیق
طلاق مسلم نشت حالانکہ ایں قول مطلق
ست مقید بوقت دون وقت نیست و
غرض متکلم نیز معتاد للصلوٰۃ شدن
زوجہ است دائما پس تخصیص نماز عشا نہ فجر
وغیرہ از کجا آمد و قرینہ یمین الفور ہم مفقود
بل اعتبار نیست چہ قائل باعتدال
مزاج و استقلال طبع بغیر غضب
بطریق نصیحت مے گفت

کہنا کہ "تُو نماز پڑھ، اگر تُو نماز نہ پڑھے تو تجھے
دو طلاق"، اس کو تعلیق قرار دیا جائے، اگرچہ یہ
احتمال متکلم کے مقصد سے کوسوں دُور ہے، تاہم
دو طلاق درست ہوں گی، لیکن معلوم ہونا چاہیے
کہ طلاق کو کسی شرط سے معلق کرنا تین طرح ہوتا
ہے پھر ہر ایک کی دو دو صورتیں ہوتی ہیں، شرط
کا وجود، دوسری شرط کا عدم ہے تو مجموعی چھ صورتیں
بنیں۔ وُہ شرط خاوند کا فعل یا بیوی کا فعل،
وجودًا یا عدمًا، اسی طرح اگر وہ شرط کسی غیر کا فعل
ہو تو وجودًا یا عدمًا ہوگا، جیسا کہ شرح وقایہ میں
واضح ہے۔ یہاں زیر بحث صورت میں شرط
بیوی کا فعل عدمًا ہے یعنی اس کا نماز نہ پڑھنا،
اور تعلیق کا معنی یہ ہے کہ ایک جملہ کے مضمون کو
دُوسرے جُملے کے مضمون یعنی جزاء کے جملہ کو شرط
کے مضمونِ جملہ سے معلق کرنا ہے، تو جب شرط
پائی جائے گی تو جزاء بھی پائی جائے گی، اور جب
شرط نہ پائی جائے تو جزاء بھی نہ پائی جائے گی۔
یہ بات سب صورتوں کو شامل ہے جن میں کوئی فرق
نہیں لہٰذا جب احمد علی کے قول کو تعلیق تسلیم کر لیں
حالانکہ یہ قول مطلق ہے اور کسی وقت کے ساتھ
مقید نہیں ہے، اور متکلم کی غرض صرف بیوی کو
نماز کا عادی بنانا ہے تو یہاں کسی نماز عشاء یا
فجر کی کوئی تخصیص نہ ہوگی کہ اس کی کوئی وجہ نہیں
اور نہ ہی یہ یمین فور بنتی ہے کیونکہ احمد علی نے
معتدل مزاجی غصہ کے بغیر مستقل مزاجی سے یہ بات کہی ہے

11

یمین الفور از کجا برخاست تا ایں قول را مخصوص باقرب الاوقات للصلوٰۃ گرداند بلکہ ایں تعلیق طلاق ست پس مطلق طلاق ماند چہ قاعدۂ اصول ست المطلق یجری علی اطلاقہ والمقید یجری علی تقییدہ و وجود صلاۃ مطلق صادق آید بسبب وجود صلاۃ ما یعنی یک صلاۃ بطریق فرد منتشر و عدم صلوٰۃ مطلق صادق آید بسبب عدم جمیع افراد صلاۃ در مدت العمر و وجود مطلق الصلوٰۃ متحقق شود بسبب تحقق وجود فرد ما و منتفی با نتفائے فرد ما هذا هو الفرق بین مطلق الشئ والشئ المطلق و ہمیں ست فرق میان موضوع مہملہ قدمائیہ و موضوع قضیہ طبعیہ و مطلق الشئ یعنی مطلق الصلاۃ موضوع مہملۂ قدما ست والشئ المطلق یعنی الصلاۃ المطلقہ موضوع قضیہ طبعیہ است پس دریں جا معلق بعدم الصلاۃ المطلقہ ست و آں بسبب عدم جمیع افراد نماز از زبان متکلم بالتعلیق تا قبیل موت متحقق شود و عدم صلاۃ مطلق منتفی زیرا کہ زوجۂ احمد علی صرف دراں روز نماز نخواند و نماز فجر خواند متعود بالصلوٰۃ گشت و ہویدا ست کہ انتفائے عدم صلاۃ مطلق عدم عدم صلاۃ مطلق ست و عدم عدم صلاۃ مطلق وجود صلاۃ مطلق ست پس وجودِ صلاۃ مطلق متحقق و عدم صلاۃ مطلق معدوم و فائت حالانکہ آں شرط و معلق بہ بود و فوت شد فاذا فات الشرط

اور نصیحت کے طور پر کہی ہے، تو یہ یمین فور کیسے ہو سکتی ہے تاکہ احمد علی کے اس قول کو قریب ترین وقت کی نماز سے مخصوص کیا جائے، اس لئے اس کو تعلیق طلاق ہی کہا جائے گا اور وہ بھی مطلق ہے اور قاعدہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر باقی رکھا جائے اور مقید کو قید سے پابند کیا جائے، لہٰذا کسی نماز سے بھی مطلق نماز کا وجود ہو سکتا ہے یعنی نماز کا فرد پایا جائے تو مطلق نماز کا تحقق ہو جائے گا، یونہی مطلق نماز کا عدم عمر بھر تمام نمازوں کے نہ پائے جانے پر متحقق ہو جائیگا، مطلق الصلوٰۃ کا وجود اور انتفاء ایک فرد کے وجود اور نفی سے ہوتا ہے یہی وہ فرق ہے جو مطلق حضرات مہملہ قدمائیہ اور قضیہ طبعیہ کے موضوع کے بارے میں بیان کرتے ہیں یعنی مطلق الشئ قضیہ مہملہ قدمائیہ کا موضوع اور الشئ المطلق قضیہ طبعیہ کا موضوع ہے، پس یہاں شرط میں نماز مطلقہ کا عدم ہے جس کی نفی اور عدم کیلئے متکلم کے تعلیق کے وقت سے لے کر موت سے تھوڑا قبل تک تمام نمازوں کے معدوم ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں نماز مطلقہ کا عدم نہیں پایا گیا کیونکہ احمد علی کی بیوی نے صرف ایک نماز نہیں پڑھی اس کے بعد اس نے فجر کی نماز اور باقی نمازیں پڑھیں اور نماز کی عادی ہو گئی، تو واضح ہوا کہ نماز مطلقہ کے عدم کا نہ ہونا نماز مطلقہ کے عدم کا عدم ہے، اور نماز مطلقہ کے عدم کا عدم نماز مطلق کا وجود ہے تو اس طرح نماز مطلق کا تحقق ہوا اور نماز مطلقہ کا عدم معدوم ہوا حالانکہ طلاق، عدم نماز مطلقہ سے معلق ہے جو منتفی ہے، اور جب شرط منتفی ہو جائے تو

فات المشروط وھوالمدعا، پس طلاق واقع نشد آنکہ درسلک تحریر کشیدہ شد صرف گفتگو در نفس عبارت اقرار بود حالا اثبات مطلوب بادلہ فقیہہ میگویند درعالمگیریہ جلد دوم ص ۵۹۹ آورد الاصل ان الیمین متی عقدت علی عدم الفعل فی محلین ینظر فیھما الی شرط البر وعند فوات شرط البر یتعین الحنث[1] ورماتحن شرط البر فائت نشد پس حنث متحقق نشود وایضاھناك مسطور لو قال ان لم تعطین ھذا الثوب و دخلت الدار لم یقع الطلاق حتی یجتمع امران دخول الدار وعدم الاعطاء وعدم الاعطاء انما یتحقق بموت احدھما او بھلاك الثوب[2] وھمچنیں عدم الصلاۃ المطلقۃ قبل موت زن مذکورہ متحقق تواں شد قبل آں نے و ایضا فیہ ص۵۹۵ رجل قال لامرأتہ ان لم تصل الیوم رکعتین فانت طالق فحاضت قبل ان تشرع فی الصلاۃ اوبعد ماصلت رکعۃ،

مشروط بھی منتفی ہوگا، یہی مطلوب ہے، پس طلاق نہ ہُوئی۔ یہ جو کچھ تحریر ہُوا صرف احمد علی کے اقرار میں گفتگو تھی، اور اب ہم مطلوب کو فقہی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ عالمگیریہ کی جلد دوم صفحہ ۵۹۹ میں ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی فعل کے عدم پر جو دو محل میں ہو تو دونوں میں سے جس محل میں قسم پورا ہونے کی شرط پائی جائے اس کو پیش نظر رکھا جائے گا اور جب شرط فوت ہو تو پھر قسم کا ٹوٹنا متعین ہوگا، اس قاعدہ کی رُو سے ہماری بحث میں قسم پورا ہونے والی موجود ہے وُہ فوت نہیں اس لئے حنث یعنی قسم نہ ٹوٹے گی، نیز اسی میں ہے اگر خاوند نے بیوی کو کہا "اگر تُو مجھے یہ کپڑا نہ دے اور تُو گھر میں داخل ہوجائے تو تجھے طلاق ہے" تو اس صورت میں اس وقت تک طلاق نہ ہوگی جب تک کپڑا نہ دینا اور گھر میں داخل ہونا نہ پایا جائے یعنی دونوں باتیں پائی جائیں تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں، جبکہ کپڑا نہ دینے والی بات خاوند یا بیوی میں سے کسی ایک کے مرنے یا اس کپڑے کے ختم ہوجانے تک باقی رہے گی اور قسم نہ ٹوٹے گی، اسی طرح یہاں بھی نمازِ مطلقہ کا عدم، عورت کے مرنے سے تھوڑا پہلے تک باقی رہے گا اور قسم نہ ٹوٹے گی بلکہ عورت کے مرنے سے ایک گھڑی پہلے جب یہ نمازِ مطلقہ کے عدم کا احتمال ختم ہوجائے گا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا وغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۲۹

[2] ایضاً

حکی ان الشیخ الامام شمس الائمۃ الحلوانی انہ کان یقول ان کان وقت الحلف الی وقت الحیض مقدارما یمکنھا ان تصلی رکعتین تنعقد الیمین عند الکل و تطلق[1] دریں عبارت قید الیوم و رکعتین موجودست ولھذا حکمش مغایر حکم مانحن فیہ شد فافترقتا ولا تشکوا و ایضا فیہ ص ۶۴۱ رجل ضرب رجلا ضربا وجیعا فقال المضروب اگرمن سزائے وے نکنم فامرأتہ کذا فمضی زمان ولم یجازہ قالوا ھذا لایقع علی المجازاۃ الشرعیۃ من القصاص او الارش او التعزیر اونحوہ وانما یقع علی الاساءۃ بای وجہ یکون، فان نوی الفور فھو علی الفور وان لم ینو یکون مطلقا کذا فی فتاوی قاضی خان[2] ایں صورت مطابق صورت مانحن فیہ ست فرق لفظی آنکہ سزائے

تب قسم ٹوٹے گی۔ نیز اسی کے صفحہ ۱۵۶ پر ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا "اگر تُو آج نماز دو رکعتیں نہ پڑھے تو تجھے طلاق ہے" تو اس عورت کو نماز شروع کرنے سے قبل حیض آجائے یا ایک رکعت پڑھنے کے بعد حیض آجائے تو شیخ شمس الائمہ حلوائی سے منقول ہے کہ اگر خاوند کی قسم اور حیض آنے کے درمیان اتنا وقت تھا کہ وہ نماز دو رکعتیں پڑھ سکتی تھی تو بالاتفاق یہ قسم صحیح ہوگی اور عورت کو طلاق ہوجائے گی، چونکہ اس مسئلہ میں "آج کے دن" اور "دو رکعتوں" کی قید ہے اس لئے یہ مسئلہ اور زیربحث مسئلہ مختلف ہوگئے جن کا حکم بھی مختلف ہوگا، لہٰذا اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ نیز اسی میں صفحہ ۶۴۱ پر ہے: ایک شخص نے دوسرے کو ضرب لگائی تو مضروب نے کہا اگر میں اس کو سزا نہ دوں تو بیوی کو فلاں طلاق، تو کچھ وقت گزرجانے کے باوجود اس نے سزا نہ دی (یعنی سزا سے مراد شرعی سزا قصاص یا تعزیر یا تاوان نہیں بلکہ کوئی تکلیف پہنچانا مراد ہے) تو اس قسم والے نے اگر یمین فور کی نیت کی تو فوراً اس ضرب کے وقت سزا مراد ہوگی اور اگر کوئی نیت نہ کی ہو تو پھر مطلق سزا مراد ہوگی یعنی کسی وقت بھی سزا دینا مراد ہوگی جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں میں مذکور ہے یہ مسئلہ ہمارے زیربحث مسئلہ کے موافق ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی التعلیق بکلمۃ ان واذا وغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۳۶

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/ ۴۴۶

وے نکم معلق بہ فعل عدمی زوج ست در
مانحن فیہ اگر نماز نخوانی معلق بہ فعل عدمی
زوجہ است حکم ہر دو یکے ست کما مر
ہمچنیں حکم اگر نماز نخوانی ترا دو طلاق ان
نوی الفور فھو علی الفور وان
لم ینو یکون مطلقا لیکن احمد علی
نیت فور نکردہ نہ قرینہ فور یافتہ شود
پس یمین مطلق باقی ماند فی شرح الوقایۃ
ص۴۸ انت کذا ان لم اطلقك
یقع فی اٰخر عمرہ[1] زیرا کہ
طلاق ندادن در آخر عمر صادق آید
ورنہ ہر وقت احتمال طلاق ہست ہمچنیں
نماز خواندن در آخر عمر صادق آید
ورنہ نماز خواندن ہر وقت در مدۃ العمر
محتمل ست وفی القھستانی ص۲۷۹
ویقع فی الاصح اٰخر
العمر او قبیل موتہ او موتھا
وفی النوادر لا یقع بموتھا
فی قولہ انت طالق وان
لم اطلقك[2] ہمچنیں آں اگر زن قبیل
موت نماز نخواند بروئے دو طلاق رجعی
واقع شود مانحن فیہ چناں نیست بلکہ

صرف لفظی فرق ہے کہ یہاں "سزا نہ دوں" جو کہ خاوند
کے فعل کا عدم ہے، کے ساتھ معلق کیا گیا ہے اور
ہمارے زیر بحث مسئلہ میں "نماز نہ پڑھنے" کو جو کہ
بیوی کے فعل کا عدم ہے کو معلق کیا گیا ہے۔ لہذا
دونوں مسئلوں کا حکم ایک ہے جیسے گزرا چنانچہ یہی حکم، بیوی کے
نماز نہ پڑھنے، پر ہوگا کہ اگر خاوند نے یمین فور کی نیت
کی، فوری مراد ہوگی۔ اور اگر یمین فور کی نیت نہ کی ہو
تو عام اور مطلق یعنی نماز کسی بھی وقت نہ پڑھنا مراد
ہوگا، لیکن احمد علی نے فوری یمین مراد نہیں لی اور
نہ ہی یمینِ فور کا یہاں کوئی قرینہ ہے، لہذا یہ قسم
مطلق مراد ہوگی اور بعد میں بھی باقی رہے گی۔
شرح وقایہ کے صفحہ ۴۸ پر ہے: خاوند نے بیوی کو

کہا "اگر میں تجھے طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق ہے"
تو یہ قسم عمر بھر کے لئے ہے، اگر عمر بھر طلاق نہ دی تو
موت کے قریب آخری گھڑی میں طلاق ہوگی کیونکہ
اس وقت معلوم ہوگا اس نے عمر بھر طلاق نہ دی
ورنہ زندگی میں ہر وقت طلاق کا احتمال تھا، تو
اسی طرح یہاں "نماز نہ پڑھنے کی شرط" کا وقوع عمر
کے آخر میں ہوگا ورنہ زندگی میں ہر وقت نماز پڑھنے
کا احتمال موجود ہے۔ قہستانی ص ۲۷۹ میں ہے
کہ اصح قول یہ ہے کہ عمر کے آخری حصہ میں خاوند یا
بیوی کی موت سے ایک گھڑی قبل شرط کا وقوع

---

[1] شرح الوقایہ بیان لغویۃ التعلیق قبل التزوج مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۷
[2] جامع الرموز (قہستانی) کتاب الطلاق مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۵۱۳

آں زن ازاں تاریخ تا ایں دم متعودہ گشت
فی قاضی خاں ص ۲۴۱ ولو
قال اذا طلقتك فانت طالق واذا
لم اطلقك فانت طالق فلم
یطلق حتی ماتت طلقت ثنتین
فی اٰخر جزء من اجزاء
حیاتہا[1] ایں ہمہ ثبوت مدعا ست
ایضاً فیہ ص۲۲۹ رجل قال
لامرأتہ ان لم اجامعك
علٰی راس ھذا الرمح
فانت طالق فما داما حیین
والرمح قائم لا یحنث و
قبل موت احدہما یا بعد ضیاع رمح
حانث شود ہکذا ما نحن فیہ واللہ تعالٰی
اعلم ، اگر تسلیم کردہ شود کہ طلاقین
اولین واقع شدند تاہم بوجہ رجعت باطل
چنانکہ بعد طلاق بائن اگر تجدید نکاح
کند بعدہٗ ایضاً طلاق دہد طلاقین
اولین باطل شوند و بعد تجدید نکاح اگر
طلاق دہد آں در حساب کردہ آید نہ طلاق
قبل تجدید نکاح ، ہمچنیں بعد رجعت
اوّل طلاق باطل است کما فی

معلوم ہوگا، اور نوادر میں ہے کہ اگر خاوند نے
بیوی کو کہا "تجھے طلاق اگرچہ میں طلاق نہ دوں"
تو بیوی کے مرنے پر طلاق نہ ہوگی، اسی طرح اس
مسئلہ میں بیوی مرنے سے قبل نماز نہ پڑھے گی تو اس
کو دو طلاقیں رجعی ہونگی جبکہ زیر بحث صورت میں بیوی
نے نماز نہ چھوڑی بلکہ اس وقت سے لے کر آج تک
وہ نماز کی عادی اور پابند ہے۔ قاضی خاں کے ص۲۴۱
میں ہے کہ اگر خاوند نے کہا "جب میں تجھے طلاق
دوں تو تجھے طلاق اور جب تجھے نہ دوں تو تجھے طلاق"
اس صورت میں عورت کے مرنے پر اس کو طلاق
ہوگی اور اس کی عمر کی آخری گھڑی میں دو طلاقیں ہونگی
یہ تمام بحث مدعٰی کے ثبوت کے لئے تائید ہے۔
اسی میں ص۲۲۹ پر ہے کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا کہ
اگر میں اس نیزے کے سر پر تجھ سے جماع نہ کروں
تو تجھے طلاق ہے" اس صورت میں جب تک خاوند
اور بیوی زندہ ہیں اور نیزہ بھی موجود ہے طلاق نہ ہوگی،
ہاں کسی کے مرنے یا نیزے کے ختم ہوجانے پر طلاق
ہوگی، تو زیر بحث مسئلہ بھی ایسا ہی ہے، واللہ
تعالٰی اعلم۔ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ احمد علی کی بیوی
کو پہلی دو طلاقیں ہوگئی ہیں تو تب بھی ان سے رجوع
کرلینے پر وہ کالعدم ہوگئیں جس طرح کہ بائنہ طلاق
کے بعد اگر تجدید نکاح کرلیں اور اس کے بعد طلاق

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۲۰
[2] " " " " " ۱/۲۲۸

الدر المختار لو طلقها رجعیا فجعلہ بائنا او ثلثاً[1] ردالمحتار قولہ قبل الرجعۃ لانہ بعدھا یبطل عمل الطلاق فیتعذر جعلھا بائنا او ثلثا ھکذا فی الطحطاوی[2] ازیں عبارت خوب واضح شد طلاقین اولین بوجہ رجعت باطل ست اکنوں برائے طلاق بلا شرط رجعت صحیح است وھو المدعی۔ و اللہ تعالٰی اعلم، المستخرج محمد وجیہ اللہ۔

دے دے تو بعد والی طلاق گنتی میں ہوگی اور پہلی گنتی میں نہ ہوگی کیونکہ پہلی تجدید نکاح سے کالعدم ہوگئی ہے۔ اسی طرح رجوع کرلینے کے بعد پہلی دی ہوئی طلاقیں کالعدم ہوجائیں گی، جیسا کہ درمختار میں ہے کہ اگر رجعی طلاق دی ہو تو اس کو بائنہ بنادے یا تین طلاق دے دے" اس پر ردالمحتار میں کہا کہ ماتن کا قول "رجعت سے پہلے" یہ اس لئے کہ اگر رجعت کے بعد ہو تو طلاق کا عمل باطل ہوجاتا ہے اس لئے اس کو بائن یا تین بنانا ممکن نہ رہے گا، طحطاوی میں یوں ہے: اس عبارت سے خوب واضح ہوگیا کہ احمد علی کی بیوی کی پہلی دونوں طلاقیں رجعت کی وجہ سے کالعدم ہوجائیں گی۔ اب اس کے بعد کسی شرط کے بغیر دی ہوئی طلاق پر رجوع کرنا صحیح ہوگا، یہی مطلوب ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ مسئلہ کا حل پیش کرنے والا محمد وجیہ اللہ۔

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب رب انی اعوذبک من ھمزٰت الشیطٰن واعوذبک رب ان یحضرون درصورت مستفسرہ زن احمد علی از حبالہ نکاحش بدر رفت، ونہ آنچناں کہ بمجرد تجدید نکاح باززن او تواں شد بلکہ تحلیل لازم ست وبے توسط شوھر دیگر حرمت جازم قال اللہ تعالٰی فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ[3] حالانکہ

(اے اللہ! حق اور درستگی کی رہنمائی فرما، اے رب! میں شیطان کے غرور سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور اے رب! شیطانوں کی موجودگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، مسئولہ صورت میں احمد علی کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہوگئی اور اب تجدید نکاح سے بھی حلال نہ ہوگی بلکہ حلالہ ضروری ہے اور دوسرے شخص سے نکاح کئے بغیر قطعی حرام رہے گی، اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: اگر تیسری طلاق دے دے تو اس کے بعد بیوی حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ دوسرے

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۸

[3] القرآن الکریم ۲/۲۳۰

احمد علی بتعلیم کسے ادعائے ارادۂ عموم میکند یعنی
آنکہ اگر تو در ہمہ عمر خودت ہیچگاہ پیرامون نماز
نکردی و در مدت حیات یک نماز ہم ادا نکنی بر تو
دو طلاق باشد حیلہ الیست کاسدہ و بہانۂ
الیست لبس فاسدہ کہ غیر طفلان بےخبر ہیچ
عاقلے بجوئے نخرد مقصود وعظ و زجر آں می باشد
کہ پابند نماز شود و ہمیں معنی در مستفاہم عرف کہ
مبنائے ایمان ست مفہوم شود نہ آنکہ در مدت العمر
یک سجدہ پسند ست اگر ترا ابلیم کہ مرے و از دنیا
رخت بردی و ہیچ گاہ یک سجدہ اللہ نکردی آنگاہ
بدم واپسیں کہ خود از نکاح من بروں مے روی
بر تو دو طلاق باشد ایں معنی کہ اضحوکۂ بیش
نیست زنہار نہ مراد قائلاں مے باشد
و نہ مفہوم اہل عرف و زبان و خود احمد علی
صباح آں شب بکارروائی عملی خود مراد
خودش کہ آشکارا بود آشکاراتر
نمود کہ چوں زن نماز عشاء نگزارد بامداد آں
رجعت نمود اگر قصد آں بودے کہ حالا
بآموزگاری دستاں سازاں وامے نماید
طلاق برکہ بود و رجعت از چہ فرمود ازیں
ہمہ واضحات گزشتن و گزاشتن و
بہر تحلیل فرج حرام نظر بر فریب و حیلہ
گماشتن کار مسلمانی نیست و ہم ازینجا
حیلۂ قصد وعدۂ از ہم پاشد بل ہر حیلۂ
کہ فسونسازے حالا تراشد عمل بامدادی

شخص سے نکاح نہ کرے ، اب احمد علی نے کسی کے
سکھانے پر جو حیلہ گھڑا اور کہا کہ عموم کا ارادہ کیا ہے
یعنی تمام عمر کبھی کہیں کوئی نماز بیوی نہ پڑھے اور تمام
عمر ایک نماز بھی نہ پڑھے تو تجھے دو طلاقیں ، یہ
حیلہ جھوٹ اور خالص فاسد بہانہ ہے جس کو بےخبر
بچوں کے علاوہ کوئی عقلمند تسلیم نہیں کرے گا جبکہ
مقصد یہ ہے کہ بیوی کو نماز کا پابند بنانے کے لئے
نصیحت اور ڈانٹ کے طور پر بات کی گئی ہے لوگوں
کے عرف میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ بیوی کو نماز کا پابند
بنانے کے لئے کوئی نماز ترک کرنے پر اس کو دو طلاقیں
ہوں گی ، نہ یہ کہ تیرا ایک سجدہ ہی پسند ہے اور
اور جب تو مرنے لگی اور دنیا سے رخصت ہوتی
دیکھوں کہ تو نے کوئی ایک سجدہ نہ کیا اور دنیا سے
واپس جاتے ہوئے جبکہ از خود نکاح ختم ہو رہا ہو
تو تجھے دو طلاقیں ہوں گی ، یہ معنی تو مذاق کے سوا
کچھ بھی نہیں اور نہ ہی ایسی بات کرنے والوں کا
ہرگز یہ مقصود ہوتا ہے اور نہ ہی اہل زبان اور
اہل عرف یہ معنی سمجھتے ہیں ۔ احمد علی نے رات کی
کارروائی جو کہ پہلے واضح تھی اس کو صبح مزید
واضح کرتے ہوئے بیوی کے عشاء کی نماز رات
کو نہ پڑھنے پر دو رجعی طلاقوں کے بعد صبح اس نے
رجوع کیا ، اگر اس کا مقصد وہی تھا جو حیلہ سازوں
نے اس کو سکھایا تو عشاء کی نماز نہ پڑھنے سے
طلاق نہ ہوئی تو رجوع کیسا اور کس سے رجوع
کیا ، اس تمام واضح چیز کو نظر انداز کرنا اور

احمد علی ہمہ را جان خراشد و قولِ ایں بیچارہ
بے علم چہ داند فقیر سخن ازاں در ردِ معلم
او می راند و ہمچناں ابطالِ طلاق بہ رجعت کہ ایں
کلمۂ ملعونہ از زبانش ہماں تعلیمِ ضلال برآمد
ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم
حکم مسئلہ در فتوائے جلیلہ سابقہ ہرچہ
تمامتر روشن شدہ است اینجا تسکیناً
للھواجس وتوھیناً للوساوس
والدسائس حرفے چند نافع و
سودمند در ردِ فتوائے دیوبندی بنگاریم
وامیدِ توفیق از حضرتِ عزت عزوعلا
داریم ، ایں طرفہ فتوی جامع الخطا والطغوی
کہ اثرِ دیوبندیش از ہر سطرش ہویدا وجانِ
جہانِ دیوبندیاں بر حرف حرفش شیدا
بملاحظہ آمد ، نوبادہ دیوبندیاں در تحلیل
حرام خدا بہ تسویل نفس پُر دغا ، چہ ستم
اعجوبہا بکار برد کہ کہن مشقان دیوبند را
نیز رونق بازار برد ، تفصیل مفضی تطویل ،
لہذا بر ما قل وکفی تعویل وحاشا روئے
سخن نہ بر ہیچو ناشناسانِ فن بلکہ مقصود نصح
عوامِ مومناں ست ، تا مبادا باغوائے کسے
حرام خدا را حلال پندارد ، وکلمات خطا
وضلال حق کہ تکذیب صریح کلام ذی الجلال
راسہل انگارند والعیاذ باللہ العزیز
الرحیم ، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ

فریب اور غلط حیلے سے حرام شرمگاہ کو حلال کرنا
مسلمانوں کا کام نہیں ہے ، نیز یہاں یہ حیلہ کرنا کہ
احمد علی نے وعدۂ طلاق کا قصد کیا ہے ، خود بخود
ختم ہو گیا بلکہ وہ تمام حیلے جو کارسازوں نے اسے
سکھائے ہیں ان سب کو خود احمد علی نے صبح
رجوع کی کارروائی سے باطل قرار دیا اور اس عجیب
بیچارے بے علم کو کیا معلوم ہے ، یہ فقیر اس کے
استاذ کے رد میں بیان کرتا ہے اور یونہی استاذ
کے سکھائے ہوئے اس کلام میں کہ رجوع کرنے
سے پہلی طلاقیں باطل ہو گئی ہیں جو کسی گمراہ کے
بہکانے پر اس کی زبان نے استعمال کی ہیں کا
رد کیا جائے گا ۔ ان گمراہ کلمات پر لاحول ولا قوۃ
الا باللہ العلی العظیم ہی پڑھی جا سکتی ہے ۔ مسئولہ
صورت کا جواب مذکورہ کلمات سے مکمل ہو گیا ہے
تاہم شکوک کو ختم کرنے اور وسوسوں کو مٹانے کیلئے
دیوبندی کے فتوٰی کے رد میں کچھ کلام کی جائے
تو مفید اور سودمند ہو گی جس کے لئے میں اللہ تعالٰی
سے توفیق کا خواستگار ہوں ۔ یہ ردی فتوٰی
جو گمراہی اور غلطیوں کا مجموعہ ہے اس کی ہر سطر
سے دیوبندیت اور جہالت نمایاں ہو رہی ہے اور
اس کے ہر حرف سے دیوبندیوں کا سرمایہ ملاحظہ
کیا جا سکتا ہے ، دیوبندیوں کا یہ نیا تماشہ جو
اللہ تعالٰی کی حرام کردہ کو حلال بنانے کے لئے
من گھڑت فریب سے پُر ہے ۔ ان عجوبوں پر ظلم یہ
کہ دیوبند کی کہنہ مشق شخصیات بھی بازار کی رونق

العلی العظیم۔ عزیزان ہلا ہشیار وے شتاب زدگی نباید شہسوار خامۂ برق بار را بجولانش آمدن دہید بحولہ تعالیٰ حالا حالی شود و بیان بعیان رسد کہ بیچارہ از اثر دیوبندی چساں تکذیب نص قطعی قرآن و خرق اجماع ائمہ مومناں علیہم الرضوان نمود و بطمع آنکہ مگر فرجے حرام را برائے دیگرے حلال نماید حیا در ملا برروئے خودش کشود و قد صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیما یرویہ عنہ ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند البیھقی فی شعب الایمان من اسوء الناس منزلۃ من اذھب اٰخرتہ بدنیا غیرہٖ[1]، والعیاذ باللہ رب العٰلمین ہمانا چیدہ چیدہ در تنبیہات عدیدہ مفیدہ برچند خطایائے ایں فتوی نوچاویدہ آگاہی دہیم تا عاقلاں پے برند و غافلاں خبردار شوند و خاطیاں اگر توفیق یابند دگر رہ بیچاں کور کورانہ نروند وباللہ التوفیق و وصول التحقیق۔

ثابت ہوئے، ضرورت سے زائد بات موجب تطویل ہوگی لہٰذا ہم قلیل اور کافی کو پیش کرنا مناسب ہے، ان جیسے ناسمجھ لوگوں سے ہرگز روئے سخن نہیں ہے بلکہ اہلِ ایمان کو نصیحت مقصود ہے تاکہ کہیں کسی کے بہکانے پر اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال نہ سمجھ لیں، اور غلط و گمراہی کی باتیں حتی کہ اللہ تعالیٰ کے صریح کلام کی تکذیب ہیں پر سہل انگاری سے کام نہ لیں، العیاذ باللہ العزیز الرحیم، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

عزیزان نہایت ہوشیار بے صبری نہیں چاہئے، تیز رفتار شہسوار قلم کو حرکت میں آنے دو اللہ تعالیٰ کے فضل سے میدان صاف اور بیان واضح ہوجائے گا کہ اس بیچارے نے دیوبندی اثر کی بنا پر قرآن پاک کی نصِ قطعی کی تکذیب اور مومنوں کے ائمہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اجماع کی خلاف ورزی کس طرح کی ہے اور وُہ بھی حرام شرمگاہ کو غیر کے لئے حلال کرنے کے لالچ میں جرأت کرکے شرمساری اپنے ذمّے لے لی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سچا ارشاد روایت فرمایا جس کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے کہ لوگوں میں سب سے بڑا بدبخت وہ شخص ہے جو غیر کی دنیا کے لئے اپنی آخرت خراب کرے والعیاذ باللہ رب العٰلمین، اب ہم چند تنبیہاتِ مفیدہ' اس عجیب فتوٰی کی چند غلطیوں پر آگاہی کے لئے ذکر کریں گے تاکہ بے پرعاقل اور غافل لوگ

---

[1] شعب الایمان باب فی اخلاص العمل للہ وترک الریاء حدیث ۶۹۳۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۵/۳۵۸

خبردار ہو جائیں اور خطِ کار اگر توفیق پائیں تو دوسروں کے کو رانہ راستے کو نہ اپنائیں، توفیق اور حق تک رسائی اللہ تعالیٰ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ (ت)

اول آنکہ خرق طلاق را تبدیل صورت سوال رفو خواست بسوال کہ ایں جب آمدہ بود لفظش آں بود کہ "ایک شخص نے اپنی بی بی کو بعد نماز مغرب کے کہا کہ اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو دو طلاق ہے"۔ و تعلیم سوال دیوبندی آنچناں ساخت کہ با عتدال طبع و استقلال مزاج بطریق زجر و تنبیہ گفت کہ نماز بخواں اگر نماز نخوانی ترا دو طلاق بجائے تو دو طلاقہ، ترا دو طلاق نمود تا بزعم باطل خودش ادا از تعلیق برآوردہ وعدۂ طلاق نماید و بدنداں طمع گرہ از کار احمد علی کشاید و پیدا ست کہ تبدیل صورت بعد اطلاع بر حکم شرعی نمی باشد مگر از راہ مکر و خدع، باز سائل ما کہ دوبارہ ایں سوال فرستاد نقاب از روئے دستاں ایں ہوا پرستاں کشادہ کہ لفظ خاص احمد علی بزبان بنگالہ " دیلام " کہ صراحۃً بمعنی دادم ست نوشت و بساط اختراع وعدہ یکسر در نوشت۔

اول یہ کہ، طلاق کے نشان کو سوال کی صورت میں تبدیلی کرکے مٹانا چاہا، یہاں جو سوال آیا اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو نمازِ مغرب کے بعد کہا "اگر تُو نماز نہ پڑھے گی تو دو طلاق ہے" اور دیوبندی کی تعلیم سے سوال یُوں بنادیا: ایک شخص نے اعتدالِ طبع اور مستقل مزاجی سے زجر اور تنبیہ کے طور بیوی کو کہا کہ تُو نماز پڑھ، اگر تُو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاق۔ یوں اس نے "تو دو طلاق" کی بجائے " تجھے دو طلاق " بنادیا، تاکہ اپنے باطل زعم میں وُہ تعلیقِ طلاق سے نکال کر وعدۂ طلاق بناسکے اور لالچ کے دانتوں سے احمد علی کی کارروائی کی گرہ کو کھولے، اور واضح بات ہے کسی شرعی حکم کے معلوم ہونے پر سوال کی صورت کو تبدیل کرنا صرف مکر و فریب ہی کہلا سکتا ہے۔ پھر جس نے ہمارے پاس دُوبارہ سوال بھیجا ہے اس نے ان نفسانی خواہشات پرستوں کی داستان سے پردہ ہٹادیا ہے کہ احمد علی نے جو لفظ خاص اس موقعہ پر بنگالی زبان میں استعمال کیا ہے وہ " دیلام " ہے جو کہ صراحۃً " میں نے دی " کے معنیٰ میں ہونا لکھا ہے اور وعدہ کی اختراعی صورت بالکل ختم کردی۔ (ت)

دوم فرقے کہ در تو طلاق و ترا طلاق از پیش خویش بر آورد محض ایجاد بندہ است بیچارہ در انشائے تعلیق و تعلیق انشا فرق نمی داند مقصود و مفاہم عرف اول ست نہ ثانی و معنی استقبال خود لازم ہر جزء است چنانکہ در قولش اگر چناں کنی تو طلاق معنی آنست کہ مطلقہ شوی ہم بایں انشا نہ با نشائے جدید کہ آں وقت وعدہ ایداعش میدہد ہمچناں در قولش اگر چناں کنی ترا طلاق معنی ہماں ست کہ ترا طلاق شود بہمیں انشا نہ با نشائے موعود و طلاق آنچناں کہ صدورش او صفت مرد ست کہ ازو بمصدر مبنی للفاعل اے مطلقیت بالکسر تعبیر کنند ہمچناں وقوعاً صفت زن کہ ازو بمصدر مبنی للمفعول اعنی مطلقیت بالفتح نشان دہد پس مقدر خواہد شد بود نہ کہ خواہم داد اگر مجرد ملاحظ آنکہ ایں صفت زن بے فعل شوے صورت نہ بندد مشعر فعل جدید موعود و مفید معنی وعدہ شود پس ایں خود در قول او اگر چناں شود تو طلاق نیز نقد وقت ست زیرا کہ از طلاق بمعنی رفع کہ فعل زوج ست او را نیز ناگزیر ست بلکہ ہیچ لفظے ازیں معنی بے نیاز نبود پس اگر ایں ملاحظہ موجب معنی وعدہ شدے ہمانا ہیچ تعلیق صورت نہ بستے مثلاً در تو طلاق نیز تواں گفت کہ معنی آنست کہ تو مطلقہ خواہی شد و مطلقہ نیست مگر آنکہ بروئے ایقاع طلاق نمودہ شود پس معنی آں شد کہ بر تو ایقاع طلاق کردہ خواہد شد و پیدا است کہ ایں وعدہ طلاق نیست بالجملہ ایں وسوسہ و تفرقہ جہالتے بیش نیست۔

دوم "تو طلاق اور تجھے طلاق" کا فرق خود اپنی طرف سے من گھڑت بنایا، اس بیچارے کو تعلیق کی انشاء اور انشاء کی تعلیق کا فرق معلوم نہ ہوسکا، جبکہ عرف میں پہلا یعنی تعلیق کی انشاء مقصود و متعارف ہے نہ کہ دوسرا، اور پھر ہر جزء کو استقبال خود لازم ہے مثلاً یہ کہنا کہ "تو اگر یُوں نہ کرے تو طلاق ہے" اس کا معنیٰ یہ ہے کہ "تو مطلقہ ہوجائے گی" اور انشاء بھی یہی ہوگا نہ کہ کوئی بعد میں جدید انشاء ہوگا، اور طلاق صادر ہونے کے اعتبار میں خاوند کی صفت ہوتی ہے جس کو طلاق دینے والا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یونہی وہ وقوع کے اعتبار سے بیوی کی صفت ہوتی ہے جس کو مطلقہ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی خاوند کے لئے طلاق مصدر مبنی للفاعل اور بیوی کے لئے وہی طلاق مصدر مبنی للمفعول بن جاتا ہے "تو یہاں" ہوجائے گی "کی تقدیر بنے گی نہ کہ "میں دُوں گا" کی تقدیر بنے گی۔ اور اگر صرف یہ لحاظ ہو کہ یہ بیوی کی صفت خاوند کے فعل کے بغیر بن گئی ہے تو بات نہ بنے گی اور اس سے خاوند کے جدید آئندہ فعل اور طلاق کا وعدہ نہ بن سکے گا، پس خاوند کا یہ کہنا کہ "اگر یہ ہوجائے تو طلاق" بھی بر وقت انشاء ہے کیونکہ طلاق جس کا معنی ہٹانا اور کھولنا ہے بھی خاوند کے فعل کا نام ہے جو کہ ضروری ہے، بلکہ کوئی لفظِ طلاق بھی خاوند کے فعل سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، پس اگر اس لحاظ سے اس کو وعدہ والا معنی قرار دیا جائے تو پھر تعلیق کے لئے کوئی صورت نہ بن سکے گی مثلاً کوئی یُوں کہے "تُو طلاق ہے" تو وُہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے تو مطلقہ ہوسکے گی اور ابھی

مطلقہ نہ ہُوئی۔ اور جس عورت کو کوئی طلاق دے تو معنٰی یہ ہوجائے گا کہ طلاق دُوں گا (حالانکہ وُہ طلاق واقع کر رہا ہے) اور طلاق کا وعدہ نہیں کر رہا، غرضیکہ یہ فرق کا وسوسہ جہالت ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

سوم جناب مجتہد العصر باجتہاد خودش ایں فرق بدیع ابداع نمود و ندید یا دید از چشم حق پوشید کہ در کتب مذہب تصریحا جا بجا لفظ "ترا طلاق" تعلیق قرار دادہ اند نہ وعدہ، در فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی عالمگیریہ فرمود اگر مرا نخواہی ترا طلاق فقالت می خواہم لا تطلق ھذا تعلیق بالارادۃ وانہا امر باطن لا یوقف علیہ فیتعلق بالاخبار[1] در فتاوٰی قاضی خاں و خزانۃ المفتین وغیرہما فرمودند اگر سہ ماہ را نیایم و دہ دینار نیارم ترا طلاق فجاء ولم یات بالدنانیر تطلق[2] در فتاوٰی ظہیریہ و خزانہ امام سمعانی فرمود قال لہا اگر تو حرام کنی ترا سہ طلاق فابانہا ثم جامعہا فی العدۃ یحنث وتطلق ثلثا[3] حالا مجتہد دیوبند بند از چشم کشادہ نظر فرماید کہ آں بالاخوانیہائے وعد و تقدیر خواہم داد کجا شد۔

سوم یہ عجیب فرق کرنے پر مجتہد العصر نے یہ بھی نہ دیکھا یا دیکھا اور حق نظر نہ آیا کہ مذہب کی تمام کتب میں جا بجا صراحۃً "تجھے طلاق ہے" کو تعلیق قرار دیا گیا ہے نہ کہ وعدہ طلاق قرار دیا گیا۔ فتاوٰی خلاصہ اور فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے اگر خاوند نے بیوی کو کہا کہ "اگر تُو مجھے نہیں چاہتی تو تجھے طلاق ہے" بیوی نے جواب میں کہا "میں چاہتی ہُوں" تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ بیوی کے ارادہ سے معلق ہے اور ارادہ باطنی چیز ہے اس پر واقفیت نہیں ہوسکتی لہذا بیوی کے اختیار پر فیصلہ ہوگا، اور فتاوٰی قاضی خاں اور خزانۃ المفتین وغیرہما میں فرمایا ہے کہ خاوند نے بیوی کو کہا اگر میں تین ماہ کو نہ آوں اور دس دینار نہ لاؤں تو تجھے طلاق ہے" تو تین ماہ کے بعد آیا اور دس دینار نہ لایا تو طلاق ہوجائے گی۔ فتاوٰی ظہیریہ اور خزانہ امام سمعانی میں فرمایا اگر بیوی کو کہا اگر تُو حرام کرے تو تجھے تین طلاق۔ اس کے بعد اس نے بیوی کو طلاقِ بائنہ دے کر اس سے عدت میں جماع کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی اور تین طلاقیں ہوجائیں گی دیوبندی مجتہد آنکھ کھول کر دیکھے کہ مذکورہ بالا عبارات میں وعدہ اور "طلاق دُوں گا" کہاں ہے۔

چہارم احمد علی را دریں داستاں استاد خود می گوید کہ ایں مطلب از خود نگرفتم بلکہ احمد علی میگوید حالانکہ معاملہ واژگونہ است بے چارہ

چہارم احمد علی کی اس داستان کا استاذ خود کہتا ہے کہ "یہ مطلب میں نے خود نہیں بنایا بلکہ احمد علی کہتا ہے" حالانکہ یہ اُلٹا معاملہ ہے اگر بے چارہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ١/ ٣٨٧
[2] خزانۃ المفتین فصل فی التعلیق قلمی نسخہ ١/ ١١٣
[3] " " " ١/ ١١٢

احمد علی اگراز یں کید عظیم آگہی داشتے صبحگاہ چرا تخم رجعت کاشتے۔

پنجم بازکہ باعتراف حق گرائید سخنے لغو و بے سود جا دیدن گرفت کہ معلق برسہ گونہ است و قسم را قسمت دانستہ میگوید مجموعہ شش قسمت است حالانکہ ایں تقسیم را در مسئلہ دائرہ دخلے نیست اینجا و فرق حکم میان قسمے و قسمے نیست خودش می سراید ہذا یعم الصورۃ الستۃ کلہا من غیر فرق ہوشمند را رسیدن ست کہ چوں اینجا ہر قسم را حکم یکے ست ذکر ایں تقسیم از چہ رو درمیان آمد جز اینکہ بینندہ داند کہ جناب اجتہاد مآب را نگاہے بر شرح وقایہ ہم نظر افتادہ است ولو مع عدم الفہم۔

ششم شان الٰہی نظارہ کردنی ست کہ خود در ضمن باطل ناد انستہ لب بحق می کشاید و باز از خطب بر جذب می گراید مرادش آں بود کہ ایں تعلیق را دائم نماز چسپاں نماید تا بوقوع صلوٰۃ ولو مرۃ زن را تحفظ از طلاق بدست آید از ہمیں رو منطق الطیر خود را خرج نمود و مطلب را کشاں کشاں برآں منزل آورد کہ اگر از زن احمد علی یک نماز ہم پیش از مرگ واقع شد او را طلاق نیست حالانکہ ایں جا خود می گوید حیث لا یشعر راہ حق می پوید کہ غرض متکلم نیز معتاد للصلوٰۃ شدن زوجہ ست دائما سبحان اللہ ایں شتر گربگی ہیں غرض متکلم آں بود کہ زوجہ دائما معتاد نماز شود یا آں شد کہ زن در مدۃ العمر یک سجدہ بجا آرد گو در سائر عمر خودش ہیچ روئے بقبلہ میار ہمیں تفاوت رہ از کجا ست

احمد علی اس عظیم مکر کو سمجھتا تو صبح کو رجوع کیوں کرتا۔

پنجم پھر حق کے اعتراف سے گریز کرتے ہوئے لغو اور بے سود معاملہ میں اُلجھ گیا کہ "معلق تین قسم پر ہے" اور قسم کو تقسیم سمجھ کر کہتا ہے "مجموعہ چھ قسم ہے" حالانکہ زیر بحث مسئلہ میں اس تقسیم کا کوئی دخل نہیں ہے اور یہاں اقسام میں کوئی فرق نہیں ہے اور خود کہتا ہے کہ یہ حکم تمام چھ اقسام کو شامل ہے، اس عقلمند سے کوئی پوچھے کہ جب سب کا حکم ایک ہے تو پھر اس تقسیم کو کس وجہ سے درمیان میں لایا گیا سوائے اس کے کہ دیکھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ جناب مجتہد صاحب کی نظر شرح وقایہ پر بھی پڑی ہے اگرچہ سمجھ نہیں آئی۔

ششم خدا کی شان دیکھئے کہ باطل کے ضمن میں غیر شعوری طور پر حق زبان سے نکل گیا اور پھر دوبارہ گڑھے میں گر گیا، اس کا مقصد تو یہ تھا کہ اس تعلیق کا تعلق دائمی ترکِ نماز سے بنائے تاکہ ایک نماز بھی پڑھ لینے پر بیوی کو طلاق سے تحفظ مل سکے اسی بنا پر اپنی منطق کو استعمال کرتے ہوئے مطلب کو کھینچ تان کر اس منزل پر لے آیا کہ "اگر احمد علی کی بیوی مرنے سے قبل ایک نماز بھی پڑھ لے تو طلاق نہ ہوگی" حالانکہ یہاں راہ حق کو غیر شعوری طور پر پاتے ہوئے کہتا ہے کہ متکلم کی غرض بھی یہی ہے کہ اس کی بیوی دائمی طور پر نماز کی عادی ہو جائے، سبحان اللہ! اس شتر کی چال دیکھئے کہ یا متکلم کی غرض بیوی کو دائمی نماز کا پابند بنانا ہے یا یہ غرض ہے کہ پوری عمر میں ایک سجدہ بجا لائے اگرچہ باقی عمر بھر قبلہ رو نہ ہو

تا بکجا۔

ہفتم خود معترف شدہ کہ غرض متکلم دائما خوگر بودن زن بہ نماز ست می گوید پس تخصیص نماز عشا و فجر وغیرہ از کجا آمد اجتہاد تا با ما نیز ہمیں می گویم کہ غرض تعود دائم ست تخصیص ہیچ نماز نیست، ہر نمازیکہ عمداً بلا عذر شرعی ترک دہد طلاق شود عشا باشد یا فجر چوں وقت عشا گزشت و زن نماز گزاشت و ادا نکرد طلاقہ شدہ۔

یہ تفاوت دیکھئے کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

ہفتم جب خود معترف ہے کہ متکلم کی غرض بیوی کو نماز کا دائمی پابند بنانا ہے۔ تو عشاء یا فجر کی نماز وغیرہ کی تخصیص کہاں سے آئی، تمہارا اور ہمارا اجتہاد بھی یہی کہتا ہے کہ غرض نماز کا دائمی عادی بنانا ہے جس میں کسی نماز کی تخصیص نہیں ہے جو نماز بھی شرعی عذر کے بغیر ترک کرے گی طلاق ہوجائے گی، وُہ نماز عشا ہو یا فجر، جب عشاء کی نماز کا وقت ختم ہوجائے اور بیوی نے نماز وقت میں ادا نہ کی تو اس کو طلاق ہوگئی۔

ہشتم با اعتراف آنکہ غرض متکلم تعود دائم ست ایں چانہ زنی کہ قرینۂ یمین الفور ہم مفقود مگر از باب اجتہاد دیوبند خواہد بود یا ہمانا معنی معتاد صلوٰۃ شدن زوجہ دائما آں باشد کہ در ہمہ عمر یکبار ہیچ نماز ادا نکند و لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ہشتم اس اعتراف کے باوجود کہ متکلم کی غرض دائمی نماز کا عادی بنانا ہے، یہ کہنا کہ "قرینۂ یمین خود بھی مفقود ہے" کیسے درست ہوسکتا ہے ـــــــ لیکن دیوبند کے اجتہاد میں ہوسکتا ہے کیونکہ بیوی کو ہمیشہ نماز کا عادی بنانے کا مطلب جن کے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ تمام عمر میں ایک نماز کے علاوہ کوئی نماز نہ پڑھے (ان کے ہاں یہ بھی ہوسکتا ہے) لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

نہم تخصیص یمین الفور بصورت غضب و بے اعتدالی طبع نیز از اجتہادات دیوبندیہ است کہ در کتب مذہب ازاں نشانے نیست در فتوائے جلیلہ سابقہ چند امثلہ اش از کتب معتمدہ مذکورہ است چشم مالیدہ آنجا بینند کہ غبار ایں تخصیص از دلش بنشیند در مثال چہارم فرمودہ اند حاکم حلف کرد اگر در شہر بدمعاشے آید و ترا جزانہ دہم زن طلاقہ باشد ایں نیز از باب یمین الفور ست اینجا کدام غضب و اشتعال طبع بود مگر جناب اجتہاد مآب از وجوہ تسمیہ یمین الفور یک وجہ

نہم یمین الفور کی تخصیص غصہ اور بے اعتدالی طبع سے کرنا بھی دیوبند کا اجتہاد ہے، جبکہ مذہب کی کسی کتاب میں اس تخصیص کا کوئی نشان نہیں ہے، گزشتہ چند معتمد علیہ کتب کے فتاوٰی جلیلہ کی کچھ مثالیں گزری ہیں ان کو آنکھیں صاف کرکے دیکھیں تاکہ ان کے دل سے تخصیص کی غبار نکل سکے، چوتھی مثال میں فرمایا گیا ہے کہ اگر حاکم نے قسم اٹھائی کہ "اگر کوئی بدمعاش شہر میں داخل ہوا تجھے سزا نہ دُوں تو بیوی کو طلاق ہے" یہ بھی یمین فور ہے حالانکہ یہاں غصہ اور اشتعالِ طبع

راملاحظہ فرمودہ گمان بردہ باشند کہ مشبّہ ومشبّہ بہ یکے ست ومناسبت تسمیہ لازم حقیقت شئ ست وایں خود از اثر تعلیم دیوبندی دور نیست۔

موجود نہیں ہے مگر اس مجتہد صاحب نے یمین فور کی وجہ تسمیہ کے وجوہ میں سے ایک وجہ کو دیکھ کر گمان کرلیا کہ مشبّہ اور مشبّہ بہ ایک ہی چیز ہیں اور وجہ تسمیہ کی مناسبت شئ کی حقیقت کو لازم ہوتی ہے، یہ بھی تو دیوبندی تعلیم کے اثر کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔

دہم ازیں جا تا قول وھکذا مانحن فیہ واللہ اعلم کہ دوثلث تحریر او می شود اگر فتوائے جلیلہ سابقہ را بچشم عقل وفہم دیدن توانستے ازنیہا یادہ طرتیہا معاف داشتے ایں معنی کہ ظاھر مفاد لغوی لفظ تعلیق طلاق بعدم دائم نماز ست در فتوائے جلیلہ بالفاظ جزیلہ قلیلہ ادا شدہ بود باز تخصیص بالفرض بروجے بسمت ایضاح تافت کہ آفتاب حق بے حجاب سحاب تافت وخود اینکس نادانستہ ایمان آورد کہ غرض متکلم نیز معتاد للصلوٰۃ شدن زوجہ است دائما پس حق روشن شد وپردہ از جہالت دیوبندیہ برافتاد ودریں دوثلث تحریر بے تحریر ہرچہ جا دیدہ ہمہ لغو وضائع رفت کہ حاجت التفات نماند کما لایخفی علی کل عاقل فضلا عن فاضل ایں الفاظ مختصرہ فتوائے جلیلہ سابقہ راکہ فعل حکم نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوجاتا ہے اور عموم سلب بوجہ ایجاب جزئی کہ صبح کی نماز پڑھی صادق نہ رہا با تقریر طویل پریشانی اینکس باید سنجید وباز تحقیق حق ناصح راکہ مگر تحکم دلالت حال واجب ست کہ خاص قسم اوّل یعنی صلوٰۃ ملتزمہ میرتہ مراد ہو اور اس کا انتفاء

دہم یہاں سے لے کر اس کے اس قول "ہمارے زیر بحث مسئلہ میں ایسے ہی ہے واللہ اعلم" تک جو کہ اس کی تحریر کا دو تہائی حصہ ہے کے متعلق اگر پہلے مذکور فتاوٰی جلیلہ کو عقل وفہم کی آنکھ سے دیکھ لے اس کی یہ تمام یاوہ گوئی ختم ہوجائے اور تعلیق طلاق کا لغوی معنی جس کا مفاد ظاہرًا دلالت کر رہا ہے کہ "اگر تو نماز نہ پڑھے گی" کا مطلب دوامِ نماز کا عدم ہے یعنی کوئی ایک نماز نہ پڑھے، مذکورہ فتاوٰی جلیلہ کے الفاظ نے بھرپور انداز میں اس کو بیان کردیا ہے پھر نماز فرض کی تخصیص واضح انداز میں بادل سے بے حجاب سورج کی طرح روشن ہوگئی ہے، اور خود اس شخص نے نادانستہ طور پر اعتراف کرلیا کہ "متکلم کا مقصد بیوی کو دائمی نماز کا پابند بنانا ہے" پس حق واضح ہوگیا اور دیوبندی کی جہالت سے پردہ اٹھ گیا، اور اس کی دوثلث تحریر بے تحقیق تمام یہاں لغو اور ضائع ہوگئی اور اس کی طرف التفات کی ضرورت نہیں جیسا کہ کسی بھی عقلمند پر مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل پر مخفی رہے گزشتہ فتاوٰی جلیلہ کے مختصر الفاظ "کہ فعل حکم نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوجاتا ہے اور عموم سلب بوجہ

عہ یہاں مسودہ میں بیاض ہے ۱۲

ایک وقت کی نماز فرض عمداً بلا عذر شرعی چھوڑنے سے صادق آجاتا ہے تو لازم ہوا کہ جب عورت نے اس حلف کے بعد عشاء نہ پڑھی صبح صادق طالع ہوتے ہی اس پر دو طلاقیں پڑگئیں با اعتراف اینکس کہ غرض متکلم نیز معتاد للصلوٰۃ شدن زوجہ است دائما باید دید تو و بخدائے تو ہیچ پردہ بر چہرۂ حق ماندہ است حاشا ثم حاشا بالشرط آنکہ تعلیم دیوبندی عقل ترا دیوبندی یعنی بندی دیو نکردہ باشد۔

ایجاب جزئی کہ صبح کی نماز نہ پڑھی، صادق نہ رہا" کو اپنی طویل پراگندہ تقریر کے مقابلہ میں اس شخص کو دیکھنا چاہیے اور پھر اس کے بعد واضح حق کو "کہ مگر بحکم دلالتِ حال واجب ہے کہ خاص قسم اول یعنی صلوٰۃ ملتزمہ مبرئیہ مراد ہو اور اس کا انتفاء ایک وقت کی نماز فرض عمداً بلا عذر شرعی چھوڑنے سے صادق آجاتا ہے اس حلف کے بعد عشاء نہ پڑھی، صبح صادق طالع ہوتے اس پر "دو طلاقیں پڑگئیں" کو یہ شخص اپنے اس اعتراف کے ساتھ" کہ متکلم کی غرض بھی بیوی کو دائمی طور پر نماز کی عادی بنانا ہے" ملا کر دیکھے تو بخدا بتائے کہ حق کے چہرہ پر کوئی پردہ باقی رہتا ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں رہتا، بشرطیکہ دیوبندی تعلیم نے اس کی عقل کو دیو بند یعنی شیطان کا غلام نہ بنایا ہو۔

یازدہم مسکین بیچارہ کہ در مدرسۂ دیوبند گاہے الفاظ میرزاہد بر ملا جلال را ترجمہ شنیدہ باشد بشامت بحث منطقہ منطق بر رخت فقاہت دیوبندی بست و مطلبے را کہ در فتوائے جلیلہ سابقہ باحسن طریقہ اصول ایضاح یافتہ بود باخس طرق معقول نامعقول خودش اثبات خواست و باآنکہ محققین ایں تدقیق ذائع عمدۃ المدققین سید زاہد مرحوم را بوجوہ کثیرہ رد فرمودہ اند بیچارہ دست نظر قاصر ازانہا کوتاہ داشتہ بر تقلید جامد سید زاہد بسند نمود و ندانشت کہ موضوع قضیہ طبعیہ معروض کلیت است وکلیت از معقولات ثانیہ پس قضیہ ذہنیہ باشد نہ خارجیہ و زنہار ایں مرتبہ از وجود خارجی بوئے نشود نہ بوجود فردے واحد نہ بوجود جمیع افراد فی الخارج بلکہ وجود فردے فی الخارج مستلزم وجود انتزاعی ایں مرتبہ ہم نتواں شد

یازدہم بیچارے مسکین نے کبھی دیوبند کے مدرسہ میں ملا جلال پر میر زاہد کے الفاظ کا ترجمہ سُن لیا ہوگا جس پر بدقسمتی سے منطق کی بات شروع کردی اور دیوبندی فقاہت بنادی اور مذکورہ فتاوٰی جلیلہ کا مطلب جو وضاحت کے اصول پر بہت اچھی طرح واضح ہوچکا تھا اس کو اپنی نامعقول منطق سے ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے اگرچہ محققین نے عمدۃ المدققین علامہ سید میر زاہد مرحوم کی بعض مشہور تدقیقات کا کثیر وجوہ سے رَد کیا ہے یہ بیچارہ اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے محققین کی بیان کردہ وجوہ سے محروم رہ کر سید زاہد کی تقلید جامد پر ہی انحصار کرسکا۔ اسے معلوم نہیں کہ قضیہ طبعیہ کا موضوع کلیت کا معروض ہوتا ہے اور کلیت معقولات ثانیہ میں سے ہے جس کا وجود صرف ذہنی ہوتا ہے، لہٰذا یہ طبعیہ صرف قضیہ ذہنیہ ہوتا ہے

12

فان المتنزع تابع للانتزاع فمالم ینتزع لم یوجد ولو وجد ما یصح الانتزاع منه آیا نہ بینی کہ ایں مرتبہ بے لحاظ ماہیت مع الاطلاق ای فی العنوان دون المعنون صورت نہ بندد پس بے لحاظ لاحظ بمجرد وجود فرد فی الخارج چساں وجود ذہنی پزیرد۔

خارجیہ نہیں ہوتا، اور یہ ہرگز وجود خارجی کا مرتبہ نہیں پا سکتا، یہ اپنے ایک فرد یا جمیع افراد کے خارجی وجود سے بھی خارج میں متحقق نہیں ہو سکتا بلکہ کسی فرد کے خارج میں پائے جانے سے اس مرتبہ کا وجود انتزاعی بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ انتزاع کی ہوئی چیز، انتزاع کے تابع ہوتی ہے تو جب تک انتزاع نہ کیا جائے اس کا وجود نہیں ہوتا اگرچہ وہ چیز موجود بھی جس سے انتزاع کیا جا سکتا ہو، کیا غور نہیں کرتے کہ یہ مرتبہ ماہیت کے ساتھ اطلاق کو ملحوظ رکھے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا یعنی اطلاق کا لحاظ صرف عنوان میں ہو معنون میں نہ ہو، تو کسی فرد کے محض خارج میں لحاظ کرنے والے کے لحاظ کے بغیر پائے جانے سے ذہنی وجود کس طرح پیدا ہو سکے گا۔

دوازدہم مراد از وجود طبیعت موضوع طبعیہ وجود خارجی است یا وجود ذہنی اول را خود او شایاں نیست و دوم در گرد وجود فرد نبود کہ با نتفائے افراد منتفی شود۔

دوازدہم قضیہ طبعیہ کے موضوع کے لئے طبیعت کے وجود سے مراد خارجی وجود یا ذہنی وجود ہے وجود خارجی تو خود طبیعت کے شایاں نہیں، اور ذہنی وجود مراد ہو تو وہ حاصل نہیں (کیونکہ یہ افراد سے متعلق نہیں) کہ وہ افراد کے انتفاء سے منتفی ہو جائے۔

سیزدہم الشیئ المطلق کہ ملحوظ بلحاظ عموم و کلیت و اطلاق است احکام افراد باو ساری نشود پس چرا بوجود فرد موجود یا با نتفائے افراد منتفی شود۔

سیزدہم الشیئ المطلق کے مرتبہ میں عموم، کلیت اور اطلاق ملحوظ ہوتا ہے، اس میں افراد کے احکام سرایت نہیں کرتے تو اس مرتبہ کے متعلق یہ کہنا کہ ایک فرد کے وجود سے موجود یا ایک فرد کے انتفاء سے منتفی ہو جانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

چہاردہم اگر بفرض باطل طبعیہ را خارجیہ گوییم پس وجود طبیعت بوجود ہریک از افراد متعاقبہ ہماں نحو وجود ست کہ بوجود فرد اول عارض شود یا غیر آں ولو بالاعتبار اول باطل ست کہ تحصیل حاصل ست وعلی الثانی چوں بوجود ہر فرد نحوے از وجود عارض شود با نتفائے آں فرد ہمانحو وجود منتفی شود پس

چہاردہم اگر بفرض باطل، ہم مان لیں کہ قضیہ طبعیہ کا وجود خارجی ہے تو طبیعت کا وجود اس کے افراد متعاقبہ میں سے ہر فرد کے وجود سے ہو گا تو کیا طبیعت کو وہی وجود حاصل ہو گا جو کہ اس کے فرد اول کا وجود ہے یا اس کا کوئی غیر وجود ہو گا اگرچہ یہ غیریت اعتباری ہی ہو، اول باطل ہے کیونکہ یہ

12
12

انتفا بانتفائے ہر فرد رونماید و تفرقہ ایں حکم میان مطلق الشئ والشئ المطلق ضائع برآید۔

تحصیل حاصل ہے اور دوسری شق پر جب ہر فرد کے وجود سے طبیعت کو ایک قسم کا وجود عارض ہُوا تو اس فرد کے انتفاء سے طبیعت کو حاصل شدہ وجود منتفی ہوگا، تو لازم آئے گا کہ ہر فرد کے انتفاء سے طبیعت کا انتفاء ہوجائے تو اس حکم میں مطلق الشئ اور الشئ المطلق کا فرق فضول ہوگا۔

پانزدہم ایرادات قاہرہ بریں تفرقہ بارہ در کلماتِ زائرہ ملک العلماء بحر العلوم قدس سرّہٗ مطالعہ کن غرض بالقدر ما یتعلق بالمقام این ست کہ احمد علی زنِ خود را گفت اگر نماز نخوانی ترا دو طلاق پس بالبداہۃ مقصود او نمازے ست کہ خواندن وگزاردن و ادا نمودن و در خارج برروئے کار آوردن را شایاں بود نہ نمازے کہ وجودش محض ذہنی و اعتباری باشد و قابلیت ایقاع و ادا اصلا ندارد پس محال ست آنچہ گفتہ کہ مراد دریں جا الصلوٰۃ مطلقہ یعنی موضوع قضیہ طبعیہ است و بہ بطلانش بطلان ہمہ آنچہ برو متفرع کردہ واضح شد فان فساد المبنٰی فساد البناء۔

پانزدہم اس فرق پر مضبوط اعتراضات کا مطالعہ ملک العلماء بحر العلوم کے کلام میں کرو۔ زیر بحث مقام سے متعلق غرض یہ ہے کہ احمد علی نے اپنی بیوی کو کہا کہ اگر تُو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاقیں، پس بالبداہت معلوم ہے کہ اس کا مقصود وُہ نماز ہے جو خارج میں پڑھی اور ادا کی جاسکے، نہ وُہ نماز جس کا وجود محض ذہنی اور اعتباری ہو اور خارج میں پڑھنے اور ادا کرنے کے قابل نہ ہو، تو یہ کہنا کہ یہاں صلوٰۃ مطلقہ مراد ہے جو قضیہ طبعیہ کا موضوع ہے، محال ہوگا، اس کے بطلان کے بعد وُہ تمام باتیں باطل ہوگئیں جو اس پر متفرع کی گئی ہیں، یہ واضح بات ہے، کیونکہ مبنٰی کے فساد سے بناء کا فساد ہوتا ہے۔

شانزدہم ہنگام تحقق شرط بر عدم حنث نہ خفائے داشت کہ محتاج بہ نقل بودے فاما مجتہد دیوبند کمال سلیقہ خود را در جلوہ دادن خواست و عبارت عالمگیری الاصل ان الیمین متی عقدت علی عدم الفعل فی محلین ینظر فیہما الی شرط البر[1] کہ ازیں محل بیعلاقہ بود بہ سند نمود مسکین اگر آں واضحہ را در محل لائق او نتوانستی دید کاش ہم ازینجا بر فقرہ

شانزدہم عدم فعل کی شرط کے پائے جانے پر حنث کا پایا جانا واضح بات ہے جس پر کسی نقل کی ضرورت نہ تھی، لیکن دیو بندی مجتہد بڑے سلیقہ سے اپنا جلوہ دکھانا چاہتا ہے اور اس کا یہاں عالمگیری کی عبارت " کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر قسم کا تعلق ایسے عدم فعل سے ہو جس کا تعلق دو محل سے ہو تو دونوں میں قسم پورا ہونے کی شرط کو دیکھا جائے گا " کو بطور سند پیش کرنا بے علاقہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۲۹

وعند فوات شرط البر يتعین الحنث کہ بہ تکلف متکلف بطور مفہوم مخالف با مقصود او موافق می تواں شد قناعت کردے تعلیق یمین بہ دو محل را دریں محل چہ مقام و محل۔

بات ہے اس غریب کو اس واضح بات پر کوئی مناسب دلیل نظر نہ آئی تھی تو یہاں اس فقرہ پر کہ "اور قسم پُورا ہونے کی شرط کے فوت ہوجانے پر حنث لازم اور متعین ہوگا" اکتفا کرلیتا کیونکہ یہ بطور مفہوم مخالف اس کے مقصد کے موافق تھی، تو اس مفہوم مخالف کا تکلف کرلیتا، جبکہ قسم کو دو محلوں سے معلق کرنے کا یہاں کیا مقام تھا۔

ہفدہم آنکہ از علمگیریہ مسئلہ ان لم تعطینی ھذا الثوب[1] باز مسئلہ ان لم اطأك مع ھذہ المقنعۃ[2] آوردو مسکین درمیان ایں دو مسئلہ مسئلہ کہ ہمیں علمگیری از محیط از فتاوٰی امام فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ آوردو از بے بصری نہ دید یا دید و از بے بصیرتی نہ فہمید یا فہمید واز راہ مغالطہ عوام قطع و برید گزید بہبیں کہ درہمیں سطور علمگیری چہ می فرماید فی فتاوٰی ابی اللیث رحمہ اللہ تعالٰی اذا اراد الرجل ان یجامع امرأتہ فقال لھا ان لم تدخلی معی فی البیت فانت طالق فدخلت بعد ما سکنت شھوتہ وقع الطلاق علیھا وان دخلت قبل ذٰلك لاتطلق کذا فی المحیط[3] اینجا چرا نہ گوید کہ محلوف علیہ عدم دخول مطلق ست و دخول

ہفدہم یہ کہ عالمگیریہ کا مسئلہ کہ بیوی کو کہا اگر تُو مجھے یہ کپڑا نہ دے تو طلاق۔ اور پھر دوسرا مسئلہ، اگر میں تجھ سے وطی نہ کروں اس اوڑھنی کے ساتھ، کو اس کفایت دینے والے مسئلہ کے ساتھ ذکر کیا اور اس غریب نے ان مذکورہ دونوں مسئلوں کے درمیان، عالمگیری کا محیط سے اور اس کا امام فقیہ ابواللیث سمرقندی سے منقولہ مسئلہ کو ذکر کیا اور بے بصری میں دیکھا نہیں یا دیکھا ہے تو بصیرت نہ ہونے کی وجہ سے سمجھا نہیں یا سمجھا ہے تو عوام کو مغالطہ دینے کے لئے قطع و برید کردی، دیکھئے عالمگیری کی انھی سطروں میں کیا بیان کیا ہے کہ فتاوٰی ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی میں ہے کہ خاوند نے بیوی سے مجامعت کا ارادہ کرتے ہُوئے بیوی کو کہا کہ اگر تُو میرے ساتھ اندر کمرے میں داخل نہ ہُوئی تو تجھے طلاق ہے، اس کے بعد عورت اس وقت داخل ہُوئی جب خاوند کی شہوت ختم ہوگئی تو بیوی کو طلاق ہوگی، اور اگر

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۲۹

[2] " " " " " " " " " " " ۱/۴۳۱

[3] " " " " " " " " " " " ۱/۴۳۰

مطلق موضوع قضیہ طبیعیہ ست واو منتفی نشود مگر بانتفائے جمیع افراد دخول وایں نبود مگر بعدم دخول اصلا تا حصول موت احدہما پس دخول گاہے متحقق شود اگرچہ بعد دہ سال عدم دخول مطلق منتفی گردد و شرط حنث صورت نہ بندد۔

شہوت ختم ہونے سے قبل داخل ہُوئی تو طلاق نہ ہوگی' جیسا کہ محیط میں ہے، یہاں اس عبارت پر اس نے اپنی مذکورہ تقریر کیوں نہ کی کہ عدم دخول پر قسم کھائی ہے اور عدمِ دخول مطلق ہے اور دخولِ مطلق قضیہ طبیعیہ کا موضوع ہے جو تمام افراد کے منتفی ہُوئے بغیر منتفی نہیں ہوگا اور تمام افراد دخول منتفی نہ ہوں گے مگر اس وقت جب کبھی دخول نہ پایا جائے اور یہ بات خاوند بیوی دونوں میں سے ایک کے مرنے پر معلوم ہو سکے گی تو جب دخول متحقق ہو خواہ دس سال بعد ہو اس وقت دخولِ مطلق کا عدم منتفی ہوجائے گا، اور قسم کے ٹوٹنے کی شرط کے پائے جانے کی صورت نہ بنے گی۔

ہیجدہم بازاز علمگیریہ مسئلہ ان لم تصل الیوم رکعتین فانت طالق فحاضت قبل ان تشرع فی الصلٰوۃ او بعد ما صلت رکعۃ[1] آوردکہ اگر از وقتِ یمین تا آغازِ حیض زمانے بود کہ دو رکعت را گنجائش دارد مطلقہ شود وایں مسئلہ را بظاہر منافی مسئلہ دائرہ انگاشتہ سنگ تطبیق و توفیق بر سرِ اجتہاد برمی دارد کہ دریں عبارت قیدِ الیوم و رکعتین موجود ست لہٰذا حکمش مغایر مانحن فیہ شد فافترقا ولا تشکوا و نمی داند کہ دریں جہت اصلاً نہ در مسائل افتراق نہ در حکم تغیر صلوٰۃ رکعتین فی الیوم نیز طبیعت کلیہ دارد و انتفائے شیئ بانتفائے جمیع افراد شود چوں روز گذشت و ہیچ فرد از افراد صلوٰۃ دو رکعت دراں متحقق نہ شد شرط بر منتفی گشت و حنث رو نمود و توہم آنکہ شوہر الیوم گفت و بجا آوریِ دو رکعت در مدۃ العمر

ہیجدہم پھر عالمگیری کا مسئلہ ذکر کیا کہ خاوند نے بیوی کو کہا اگر تُو آج دو رکعتیں نماز نہ پڑھے تو تجھے طلاق، اس کے بعد بیوی کو نماز شروع کرنے سے قبل حیض آگیا یا ایک رکعت پڑھنے کے بعد حیض آگیا'، تو بتایا کہ اگر قسم اور نماز شروع کرنے کے درمیان اتنا وقت تھا کہ دو رکعتیں نماز پڑھ سکے، تو بیوی کو طلاق ہوجائے گی، اس نے اس مسئلہ کو ظاہری طور پر زیربحث کے منافی بتایا اور تطبیق و توفیق کا پتھر اجتہاد کے سر پر اٹھا کر کہا اس مسئلہ کی عبارت میں "آج" اور "دو رکعتوں" کی قید ذکر کی گئی ہے لہٰذا اس مسئلے کا حکم ہمارے زیر بحث کے حکم سے مغایر ہے۔ لہٰذا دونوں مسئلے جُدا ہیں اور تمھارا اعتراض نہ ہو، اس کو معلوم نہ ہُوا کہ اس وجہ کی بنا پر مسائل میں اختلاف اور نہ ہی حکم متغیر ہوا "آج دو رکعتیں نماز" کی بھی طبیعت کلیہ ہے اور کسی چیز کا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی التعلیق بکلمۃ ان واذا وغیرھا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۳۶

ہیچ روزے از روزہائے عمر اینجا بسندہ کند و ہیئت که ہیچ غیر دیوبندی را عارض نتواں شد اگرچہ در غایت جہل و عنادت باشد حاجت رفعش مگر بقیاس عقول عالیہ دیوبندیہ افتاد باز رکعتین را موجب تفرقہ دانستن طرہ براں۔

انتفاء اس کے تمام افراد کے انتفاء سے ہوجاتا ہے تو جب دن بھر میں کوئی فرد نماز کا نہ پایا گیا اور اس دن میں دو رکعتوں کا وجود نہ پایا گیا تو دو رکعت نماز نہ پڑھنے کی شرط پائے جانے کی وجہ سے قسم ٹوٹ گئی تو طلاق ہوگئی ہے، اور اس کا یہ وہم کرنا کہ خاوند نے "آج" کا لفظ کہا ورنہ "دو رکعتیں پڑھنے" کا عمر بھر میں سے کوئی دن بھی ہو سکتا تھا تو یہ وہم دیوبندی کے علاوہ کسی کو خواہ کتنا ہی جاہل اور غبی ہو کو لاحق اور عارض نہیں ہو سکتا، لہٰذا صرف دیوبندی عقول عالیہ کو ہی اس وہم کو دفع کرنے کی حاجت محسوس ہوئی، پھر اس پر طرہ یہ کہ اس نے دو رکعتوں کو بھی وجہ فرق بتایا۔

نوزدہم باز بکمال ذیہوشی مسئلہ "اگر سزائے وے نکنم فامرأته کذا[1]" آورد اگر نیت فور کند بر فور باشد ورنہ مطلق و خودش گفت کہ ایں صورت مطابق ما نحن فیہ است و اعتراف کرد کہ ہمچنیں حکم اگر نماز نخوانی ترا دو طلاق ان نوی الفور فہو علی الفور تا ایں جا نادانستہ بحق رجوع آورد باز زخم نامندمل را چارۂ کار ہماں مکابرہ و انکار جست لیکن احمد علی نیت فور نکردہ نہ قرینۂ فور یافتہ شد سبحان اللہ قرینۂ فور از کلام خودت پرس کہ خواہر زادۂ خالۂ تو بالا چہ گفتہ است کہ غرض متکلم نیز معتاد للصلوٰۃ شدن زوجہ است دائما و نیت احمد علی ہم بامداد کار بامداد احمد علی دریاب کہ چوں زن نماز عشا نگزارد و صباح رجعت نمود اگر نیت فور نبودے رجعت از کدام راہ رو نمودے، الحمد للہ کہ حق واضح ست فاما مکابرہ را چہ علاج۔

نوزدہم پھر اپنی کمال عقلمندی دکھاتے ہوئے، یہ مسئلہ کہ اگر اس کو سزا نہ دوں تو بیوی کو طلاق، ذکر کرکے کہا کہ نیت فور کی کرے تو فور ہوگا ورنہ مطلق ہوگا، اور خود کہا کہ یہ مسئلہ ہمارے زیر بحث مسئلہ کے مطابق ہے اور اعتراف کیا کہ یوں ہی عورت کو کہنا اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاقیں، اس کا حکم بھی وہی ہوگا کہ اگر فور کی نیت کی تو فور ہوگا، یہ کہہ کر اس نے حق کی طرف رجوع نادانستہ طور پر کر لیا اور پھر اس مندمل نہ ہونے والے زخم کا علاج اس مکابرہ اور انکار سے کرتے ہوئے کہا، لیکن احمد علی نے فور کی نیت نہیں کی اور نہ ہی فور کا قرینہ پایا گیا، سبحان اللہ! فور کا قرینہ خود اپنے کلام سے پوچھ کہ تیری خالہ کے بھانجے نے (تو نے) اوپر کیا کہا ہے "کہ متکلم کی غرض بیوی کو ہمیشہ نماز کا عادی بنانا ہے" اور پھر احمد علی کی نیت معلوم کرنے کے لئے احمد علی سے پوچھ کہ اس کی بیوی کے رات کو عشاء کی نماز نہ پڑھنے پر طلاقوں سے صبح رجوع کر لیا، اگر فور کی نیت نہ ہوتی تو

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان و اذا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۴۶

رجوع کرنے کا کیا جواز تھا، الحمدللہ حق تو واضح ہے مگر مکابرہ کا کیا علاج ہے۔

بستم بازاز شرح وقایہ وقہستانی وقاضیخاں مسئلہ انت کذا ان لم اطلقک[1] ومسئلہ ان لم اجامعک علی راس ھذا الرمح[2] می آرد کہ تا آخر عمرو تا بقائے نیزہ مہلت دادہ اند وہماں مقدمۂ مسلمہ را کہ خود در فتوائے جلیلہ سابقہ باوضح وجوہ واحسن بیان باستناد عبارات ہدایہ وفتح القدیر رنگ ایضاح یافتہ بود بار بار ایضاح واضح می جوید وتحصیل حاصل می پوید وازنکتہ بدیعۂ رفیعہ کہ بحوالہائے تلخیص الجامع الکبیر وشرح التلخیص للعلامۃ الفاسی وانتقاض الاعتراض وتنویر الابصار ودرمختار وفتح القدیر وشرنبلالیہ ردالمحتار والاشباہ والنظائر وتبیین الحقائق وغیرہا افادہ شدہ بود چشم می پوشد وبباطل می کوشد یارب مگر ایں راچہ گفتہ آید مادیدہ را دیدہ کشودہ سہل ست آنکہ صدبار دیدہ دیدہ پوشیدہ و دیدہ را نادیدہ ساختہ اورا چارہ کدام، بارے مگر در شرح وقایہ بلکہ خود وقایہ ایں مسئلہ ندیدی کہ شرط للحنث فی ان خرجت وان ضربت (فانت طالق) لم یدۃ خروج اوضرب عبد فعلھما فورا[3] ودر قہستانی فیہ اشارۃ الی ما تفرد بہ ابوحنیفۃ رحمہ اللہ فی استنباطہ

بستم پھر قاضی خاں، قہستانی اور شرح وقایہ سے نقل کرتے ہوئے، مسئلہ "تجھے طلاق ہے اگر تجھے طلاق نہ دوں" اور مسئلہ "اگر اس نیزے کے سر پر تجھ سے جماع نہ کروں تو طلاق ہے" کو ذکر کرکے کہا کہ ان مسئلوں میں فقہاء نے آخر عمر اور نیزے کی بقاء تک مہلت دی ہے اور تمام وہ مقدمات مسلّمہ جن کو فقہائے کرام نے اپنے فتاوی جلیلہ میں بہت اچھے انداز سے واضح کرکے ہدایہ، فتح القدیر کی عبارات سے مستند کیا ہے ان کو بار بار یہ ذکر کرتا ہے اور واضح کو بے مقصد واضح اور تحصیل حاصل کرتا چلا جاتا ہے اور بلند پایہ نکتہ جس کو تلخیص الجامع الکبیر، شرح تلخیص علامہ فاسی، انتقاض الاعتراض، تنویر الابصار، درمختار، فتح القدیر، شرنبلالیہ، ردالمحتار، اشباہ ونظائر اور تبیین الحقائق وغیرہا کے حوالوں سے مستفاد کیا گیا ہے، کو مسلسل نظر انداز کر رہا ہے اور باطل کے درپے ہے، یارب! کیا کہا جائے، نہ دیکھی چیز کو دکھانا آسان ہے اور صدبار دیکھی چیز سے بند آنکھ اور دیدہ کو نادیدہ بنانے والے کیلئے کیا چارہ کیا جائے۔ کیا آپ نے شرح وقایہ بلکہ خود وقایہ میں یہ مسئلہ کبھی نہیں دیکھا کہ جب بیوی باہر

---

[1] شرح الوقایہ — بیان لغویۃ التعلیق قبل التزوج — مطبع مجتبائی دہلی — ٢/٧٧
[2] فتاوی قاضی خاں — باب التعلیق — نولکشور لکھنؤ — ١/٢٢٨
[3] مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایۃ — فصل حلف الفعل — نور محمد کتب خانہ تجارت کراچی — ص ٨٦

من اتمام اقسام الیمین فان سلفہ قسموھا الی المؤبدۃ لفظا ومعنی ، والمؤقتۃ کذٰلک مثل لاافعل کذا اولا افعلہ الیوم ثم زاد الامام اتماما ماسمی بیمین الفور او یمین الحال مما ھی المؤبدۃ لفظا والموقتۃ معنی کمامر[1] (ملخصا)" و در قاضی خان "سکران ضرب امرأتہ فخرجت من دارہ فقال ان لم تعودی الی فانت طالق وکان ذٰلک عند العصر فعادت الیہ عند العشاء قالوا یحنث فی یمینہ لان یمینہ تقع علی الفور وان قال لم انو الفور لا یصدق قضاء ، وفی المرأۃ اذا قامت لتخرج فقال الزوج ان خرجت فانت طالق وجلست ثم خرجت بعد ذٰلک بساعۃ لا یحنث فی یمینہ[2]" مگر ایں بیچارگاں چہ کنند کہ تعلیم تجدیت در قرآن وحدیث نیز بمصداق افتؤمنون ببعض الکتٰب و تکفرون ببعض[3] کارمیکنند ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جانے کو یا غلام کو مارنے کے لئے تیار ہو تو اس وقت اس کو کہنا کہ تُو باہر نکلی یا تُو نے مارا تو تجھے طلاق ہے تو یہ دونوں یمین فور ہیں۔ امام قہستانی نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں اشارہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قسموں کے اقسام مکمل فرمانے میں اپنے استنباط میں تفرد فرمایا ہے کیونکہ آپ سے قبل اسلاف نے یمین کو صرف لفظاً ومعنیً مؤبدہ اور مؤقتہ پر تقسیم فرمایا تھا مثلاً میں یہ نہ کروں گا، اور میں آج یہ نہ کروں گا۔ پھر امام صاحب نے لفظاً و معناً مؤبدہ اور مؤقتہ پر ایک قسم زائد بیان کی جس کو یمین فور یا یمین حال کہا جاتا ہے یہ قسم لفظاً مؤبد ہے اور معناً مؤقت ہے جیسا کہ پہلے گزرا، قاضیخاں میں ہے کہ ایک نشے والے نے اپنی بیوی کو کوٹا تو وہ باہر نکل گئی تو اس نے کہا اگر تُو واپس میرے پاس نہ آئی تو تجھے طلاق ہے، یہ واقعہ عصر کے وقت ہُوا تو بیوی اس کے پاس عشاء کے وقت لوٹ آئی، اس پر فقہاء نے فرمایا قسم ٹوٹ گئی، کیونکہ یہ اس کی قسم یمین فور تھی اگر وہ کہے کہ میں نے فور کی نیت نہیں کی تھی تو قاضی اس کی تصدیق نہ کریگا، اور اس مسئلہ میں کہ بیوی باہر نکلنے لگی تو خاوند نے کہہ دیا کہ اگر تُو نکلی تو تجھے طلاق ہے، اس پر بیوی واپس بیٹھ گئی اور تھوڑی دیر بعد نکلی تو قسم نہ ٹوٹے گی، یہ بیچارے کیا جانیں ان کو تو قرآن وحدیث کی تجدی تعلیم

---

[1] جامع الرموز فصل حلف الفعل مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۶۶۵
[2] قاضی خان باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۳۵
[3] القرآن الکریم ۲/ ۸۵

ہے، اور پھر بعض کتاب مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو" کے مصداق عمل کرتے ہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بست ویکم تا اینجا جہالات دیوبندیہ بود حالا ضلالات دیوبندیہ جوش زد و بیباک بے اوراک کلمہ گفت کہ بدریاہا نتواں شست کہ "اگر تسلیم کردہ شود کہ طلاقین اولیں واقع شدند تاہم بوجہ رجعت باطل الی قولہ اکنوں برائے طلاق بلاشرط رجعت صحیح ست" انا للہ وانا الیہ راجعون ؏

آدمیاں گم شدند ملک گرفت اجتہاد

تعلیم دیوبندی دریں[عہ] قرآن عظیم وحدیث کریم واجماع ائمہ حدیث وقدیم ہمہ را یکسر پس پشت انداخت و بزور زبان و زور بہتان بمصداق ارشاد حضور سید الانبیاء علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام الی یوم القیام کہ یستحلون الحر شرمگاہ زناں را حلال خواہند گرفت فرج حرام را حلال ساخت قال اللہ تعالٰی عزوجل الطلاق مرتٰن فامساك بمعروف اوتسریح باحسان الی قولہ تبارك وتعالٰی فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجا غیرہ[1] یعنی طلاق کہ بعد وے اختیار رجعت است ہمیں تا دو بارست کہ شوی را در ماندن زن بخوبی یا آزاد کردن بنیکوئی اختیارست پس اگر بعد اینہا طلاق دگر دہد

بست ویکم یہاں تک دیوبندی جہالتیں تھیں اب دیوبندی گمراہی نے جوش مارا اور بے سوچے سمجھے بے دریغ ایسا کلمہ کہہ دیا کہ تمام دریا بھی اس کو صاف نہ کرسکیں، اور کہا کہ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ پہلی دو طلاقیں واقع ہوگئی ہیں تب بھی احمد علی کے رجوع کرلینے پر وہ باطل ہوگئی ہیں، اور آخر میں کہا کہ اب غیر مشروط طلاق کے بعد اس کا رجوع صحیح ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آدمی ختم ہوگئے اب فرشتہ اجتہاد شروع کررہا ہے۔

دیوبندی تعلیم نے یہاں پر قرآن وحدیث اور ائمہ قدیم وجدید کے اجماع[عہ] کو یکسر نظر انداز کردیا ہے، اور زبان و بہتان کے زور پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد "عورتوں کی حرام شرمگاہوں کو حلال کریں گے" کے مصداق اس کا ارتکاب کیا، حالانکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا "دو طلاقیں ہوں تو پھر خوبصورتی سے رجوع کرکے روک لو یا نیکی کے طور پر آزاد کردو۔ اور اس کے بعد اللہ تعالٰی کے قول "پس اگر تیسری طلاق دے دی ہو تو بیوی اس کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے" تک۔ یعنی جس

عہ و عہ یہاں مسودہ میں بیاض ہے ۱۲

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹-۲۲۸

زن مراد او احلال نبود تا با شوئے دگر بخوابہ نشود ائمہ
تفسیر وحدیث سبب نزول کریمہ چناں آوردہ اند کہ پیش
ازیں طلاق را عددے وحدے محدود نبود ہر
قدر بار شوئے خواستے طلاقہا دادے ورجعت ہا
کردے و آنکہ اضرار زن خواستے طلاقش دادے
تا آنکہ چوں عدتش برسر گزشتن آمدن رجعت کرئے
باز طلاق دادے باز در قرب انقضائے عدت
رجعت نمودے وہمچناں کرئے تا آنگاہ کہ دلش خواستے
بیچارہ زن بایں کار معلقہ باندے نہ راہے رفتن
نہ روئے ماندن، زن ازیں معنی بحضور بارگاہِ رسالت
فریاد آورد آنگاہ آیہ کریمہ نزول فرمود وبعد سہ طلاق
اختیار رجعت نماند وکار زن بدست زن شد امام
بغوی در تفسیر معالم التنزیل فرمود قولہ تعالٰی
الطلاق مرتٰن روی عن عروۃ بن الزبیر
رضی اللہ تعالٰی عنہما قال کان الناس فی
الابتداء یطلقون من غیر حصر ولا عدد
وکان الرجل یطلق امرأتہ فاذا قاربت
انقضاء عدتہا راجعہا ثم طلقہا کذٰلک
ثم راجعہا یقصد مضارتہا فنزلت ہذہ
الاٰیۃ الطلاق مرتٰن یعنی الطلاق
الذی یملک الرجعۃ عقیبہ مرتان
فاذا طلق ثلثا فلا تحل لہ الا بعد
نکاح زوج اٰخر[1]، امام رازی در تفسیر کبیر

طلاق کے بعد رجوع ہوسکتا ہے وُہ دو بار طلاق ہے
کہ جس میں خاوند کو اختیار ہے کہ بیوی کو روک رکھے یا
نیکی کے ساتھ آزاد کرتے ہُوئے طلاق دے دے، اس
کے بعد اگر طلاق دے گا تو بیوی اس کے لئے حلال
نہ ہوگی تاوقتیکہ وُہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح
نہ کرلے۔ ائمہ تفسیر وحدیث نے اس آیہ کریمہ کا شانِ
نزول یُوں بیان فرمایا کہ اسلام سے قبل طلاق کی کوئی تعداد
یا حد مقرر نہ تھی بلکہ خاوند جتنی بار بھی طلاق دے کر رجوع
کرنا چاہتا کرلیتا، اور جب بیوی کو تنگ کرنا مقصود ہوتا
تو طلاق دے کر عدت ختم ہونے کے قریب وہ رجوع
کرلیتا اور رجوع کے بعد پھر طلاق دیتا اور عدت کے
خاتمہ کے قریب رجوع کرلیتا اور جتنی بار دل چاہتا کرتا،
بیوی بیچاری لٹک کر رہ جاتی اس کے لئے آزادی یا
آبادی کا کوئی طریقہ نہ رہتا، اسی پریشانی میں ایک
عورت دربارِ رسالت میں حاضر ہُوئی اور فریاد کی تو
اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہُوئی، اور تین طلاقوں کے
بعد رجوع کا اختیار ختم ہوگیا اور بیوی خود مختار ہوگئی۔
امام بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں فرمایا کہ اللہ تعالٰی
کا ارشاد "الطلاق مرتٰن الخ" الآیۃ کا شانِ نزول
یہ ہے جس کو حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ
نے بیان فرمایا کہ لوگ ابتداء میں بے شمار اور لاتعداد
طلاقیں دیتے تھے، اور کوئی بھی شخص بیوی کو طلاق دے کر
عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کرلیتا اور پھر طلاق

---

[1] معالم التنزیل علٰی حاشیۃ تفسیر الخازن تفسیر آیۃ الطلاق مرتٰن الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲۷

فرمود المسئلة الاولى كان الرجل في الجاهلية يطلق امرأته ثم يراجعها قبل ان تنقضي عدتها ولو طلقها الف مرة كانت القدرة على المراجعة ثابتة له فجاءت امرأة الى عائشة رضي الله تعالٰى عنها فشكت ان زوجها يطلقها ويراجعها يضارها بذلك فذكرت عائشة رضي الله تعالٰى عنها ذٰلك لرسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم فنزل قوله تعالٰى الطلاق مرتٰن،

در تفسيرات احمديه ست لما كان عدد الطلاق في الجاهلية غير مقرر على وتيرة واحدة حتى انه لو طلقها عشرة يمكنه رجعتها وكان يراجعها وقت انقضاء العدة ثم يطلقها ويراجعها حتى ان جاءت امرأة الى عائشة رضي الله تعالٰى عنها تشكو من مراجعة زوجها ثم تطليقها ثم وثم هكذا فعرضت الى

دے دیتا اور یُوں بار بار کرتا رہتا جس کا مقصد بیوی کو تنگ کرنا تھا تو یہ آیۂ کریمہ نازل ہُوئی، یعنی وہ طلاق جس کے بعد خاوند رجوع کرسکتا ہے وُہ دو بار ہے اور جب تین طلاقیں پُوری کردے تو اس کے لئے بیوی حلال نہ ہوگی مگر بیوی دوسرے شخص سے نکاح کرے تو اس کے بعد حلال ہوسکے گی۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا: مسئلہ اولٰی، یہ کہ، جاہلیت میں مرد بیوی کو طلاق دے کر پھر عدت کے خاتمہ کے قریب رجوع کرلیتا اور اس طرح ہزار طلاق بھی ہوتی تب بھی خاوند کو رجوع کا اختیار رہتا، تو ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئی اور اس نے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ وُہ طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے قبل رجوع کرلیتا ہے اور تنگ کر رہا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے یہ واقعہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بیان کیا تو اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہُوئی الطلاق مرتان، الآیۃ۔ تفسیراتِ احمدیہ میں ہے کہ چونکہ جاہلیت میں طلاق کا کوئی قانون تھا حتی کہ کوئی بھی شخص دس طلاقیں دے کر بھی پھر رجوع کرلیتا اور عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کرکے پھر طلاق دے دیتا، حتی کہ ایک عورت نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس آکر اپنے خاوند کی شکایت کرتے ہُوئے کہا کہ وُہ بار بار طلاق دیتا اور رجوع کرلیتا ہے، تو حضرت

لے تفسیر کبیر زیر آیۃ الطلاق مرتان الخ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ بمصر ۶/۱۰۲

رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فنزل قوله تعالیٰ الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسریح باحسان یعنی ان الطلاق الرجعی الذی یتعلق به الرجعة مرتان ای اثنتان لا ثلاثتان فبعد ذٰلك امساکها بمعروف او تسریحها کذٰلك وهذا امر بصیغة الخبر کانه قیل طلقوا الرجعی مرتین وهذا التوجیه المذکور فی الحسینی والزاهدی والبیضاوی والتلویح وهو الموافق لمذهب الشافعی و ابی حنیفة جمیعا، ترمذی و ابن مردویه و حاکم بافادۂ تصحیح و بیهقی در سنن از ام المومنین عائشه صدیقه رضی الله تعالیٰ عنها روایت کنند قالت کان الناس والرجل یطلق امرأته ما شاء ان یطلقها و هی امرأته اذا ارتجعها وهی فی العدة و ان طلقها مائة مرة او اکثر حتی قال رجل لامرأته والله لا اطلقك فتبینین منی ولا أوویك ابدا قالت وکیف ذٰلك قال اطلقك فکلما همت عدتك ان تنقضی راجعتك فذهبت المرأة حتی دخلت علی عائشة فاخبرتها فسکتت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها حتی

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام سے عرض کی، تو اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الطلاق مرتان الآیۃ، یعنی وہ طلاق جس کے بعد رجوع کرنا جائز ہے وہ دو بار طلاق ہے اس سے زائد نہیں، اس کے بعد بھلائی سے بیوی کو پاس رکھنا ہوگا یا نیکی کے ساتھ آزاد کرتے ہوئے آخری طلاق دینا ہوگی۔ اور تفسیر حسینی، زاہدی، بیضاوی اور تلویح نے یہی تفسیر بیان کی جو امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں کے مذہب کے موافق ہے۔ ترمذی، ابن مردویہ، حاکم بافادہ تصحیح اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا، انھوں نے فرمایا کہ لوگ اپنی بیوی کو جتنی چاہتے طلاقیں دیتے اس کے باوجود وہ بیوی رہتی جبکہ وہ عدت کے دوران رجوع لیتا، اگرچہ سو مرتبہ یا اس سے بھی زائد طلاقیں دے چکا ہوتا، حتی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ خدا کی قسم میں تجھے طلاق نہ دوں کہ تو جدا ہوجائے اور نہ ہی تجھے پاس رکھوں تو ہمیشہ ایسے ہی رہے گی، بیوی نے پوچھا وہ کیسے؟ تو اس نے کہا میں تجھے طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے قبل جب عدت ختم ہونے والی ہوگی تو رجوع کرلوں گا، تو اس عورت نے جاکر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ شکایت کی، یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاموش ہوگئیں حتی کہ

؎ تفسیرات احمدیہ زیر آیت الطلاق مرتان الخ مکتبہ کریمی واقع بمبئی ص ۱۲۳

جاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاخبرتہ فسکت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی نزل القراٰن الطلاق مرّتٰن فامساك بمعروف اوتسریح باحسان[1]، نیز ابن مردویہ وبیہقی از اُمّ المؤمنین روایت آرند، قالت لم یکن للطلاق وقت یطلق امرأتہ ثم یراجعہا مالم تنقض العدۃ وکان بین رجل وبین اھلہ بعض مایکون بین الناس فقال واللہ لاترکنک لا ایما ولاذات زوج فجعل یطلقہا حتی اذا کادت العدۃ ان تنقضی راجعہا ففعل ذلك مرارا فانزل اللہ فیہ الطلاق مرتٰن فامساك بمعروف اوتسریح باحسان فوقت لہم الطلاق ثلثا یراجعہا فی الواحدۃ وفی الثنتین ولیس فی الثالثۃ رجعۃ حتی تنکح زوجا غیرہ[2]، ابوداؤد ونسائی وبیہقی از عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت دارند ان الرجل کان اذا طلق امرأتہ فھو احق برجعتہا وان طلقہا ثلاثا فنسخ ذلك فقال الطلاق مرتٰن فامساك بمعروف

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات پر مطلع کیا جس پر آپ نے سکوت فرمایا حتی کہ یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی الطلاق مرّتٰن الخ ، نیز ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی ، آپ نے بیان کیا کہ بیوی کو طلاق دینے اور پھر رجوع کرنے کا کوئی ضابطہ نہ تھا ، کوئی بھی بیوی کو طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے قبل رجوع کرلیتا اور خاوند بیوی میں کوئی خانگی جھگڑا جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے ہوتا تو خاوند کہتا خدا کی قسم میں تجھے نہ خاوند والی اور نہ غیر خاوند والی بنادوں گا ، اس کے لئے وہ بیوی کو طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرلیتا اور بار بار ایسے کرتا ، اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی الطلاق مرّتٰن الآیۃ ، جس میں تین طلاقیں مقرر کردی گئی ہیں ، جس میں سے ایک اور دو کے بعد رجوع کا حق دیا گیا ہے اور تیسری کے بعد رجوع نہیں ہوگا تاوقتیکہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے ۔ ابوداؤد ، نسائی اور بیہقی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابتداء میں مرد کو طلاق دینے کے بعد حق باقی تھا اگرچہ تین یا تین سے زائد طلاقیں دے دیتا تو اس کو منسوخ کرکے اللہ تعالٰی نے فرمایا الطلاق

---

[1] جامع الترمذی — ابواب الطلاق الثلاث — امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۴۳
السنن الکبرٰی للبیہقی — باب ماجاء فی امضاء الطلاق — دار صادر بیروت ۷/۳۳۳

[2] تفسیر درمنثور بحوالہ ابن مردویہ والبیہقی تحت آیۃ الطلاق مرتان — مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی قم ، ایران ۱/۲۷۷

او تسریح باحسان[1]، اجلۂ ائمہ مالک و شافعی و
عبد بن حمید و ترمذی و ابن جریر و ابن ابی حاتم و بیہقی از
عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما آرند قال کان الرجل
اذا طلق امرأته ثم ارتجعها قبل ان
تنقضی عدتها کان ذٰلك له وان طلقها
الف مرة فعمد رجل الی امرأته
فطلقها حتی اذا ما جاء وقت انقضاء عدتها
ارتجعها ثم طلقها ثم قال واللّٰه
لا اٰویك الی ولا تحلین لی ابدا فانزل
اللّٰه تعالٰی الطلاق مرّتٰن فامساك
بمعروف او تسریح باحسان[2]
مسلمان دمے انصاف دہید تعلیم دیوبندی
چساں مقصود شریعت و حکم آیت را برہم
میزند و ظلم و ستم جاہلیت را از سر نو
تازہ می کند اگر طلاق پیشین برجعت باطل شود
و بعد او شوئے را از سر اختیار سہ طلاق
بدست ماند چنانکہ ایں کس زعم نمود پس
لاجرم ہماں آتش جاہلیت بکار اندرست
و انسداد ظلمے کہ خدائے خواست معاذ اللّٰہ
باطل و بے اثر، ہر کہ خواہد ہزار بار
طلاق دہد و ہر بار رجعت کند طلاق ہائے
دادہ نادادہ شود و اختیارات نامتناہیہ بدست

مرّتٰن فامساك بمعروف او تسریح باحسان،
امام مالک، امام شافعی، عبد بن حمید، ترمذی، ابن جریر،
ابن ابی حاتم اور بیہقی ان اجلہ ائمہ کرام نے حضرت عروہ
بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ ابتداء میں
مرد کو اختیار تھا کہ وہ طلاق کی عدت ختم ہونے سے قبل
رجوع کرلے اگرچہ وہ ہزار طلاقیں بھی دے دے، تو
ایک مرد نے بیوی کو طلاق دے کر عدت ختم ہونے
کے قریب رجوع کرلیا اور پھر طلاق دے دی پھر کہا کہ
خدا کی قسم میں تجھے نہ رکھوں گا نہ دوسرے کے لئے بھی
حلال ہوسکے گی، تو اللہ تعالٰی نے یہ آیۃ کریمہ نازل فرمائی
الطلاق مرّتٰن فامساك بمعروف او تسریح
باحسان، اب مسلمانوں کو انصاف سے غور کرنا چاہئے
کہ دیوبندی کس طرح شریعت کے مقصد اور آیہ کریمہ کے
حکم کو پامال کرتے ہیں اور جاہلیت کے ظلم و ستم کو
دوبارہ تازہ کررہے ہیں، اگر پہلی طلاقیں رجوع کرنے
سے باطل ہوجائیں اور خاوند کو نئے سرے سے دوبارہ
تین طلاقوں کا اختیار مل جائے جیسا کہ یہ شخص کہہ رہا ہے
تو لازمی طور پر جاہلیت کی آگ محفوظ رہے گی اور اللہ تعالٰی
نے جس ظلم کو ختم کرنا چاہا ہے وہ سب باطل اور
بے اثر ہوکر رہ جائے گا اور جاہلیت دوبارہ عود
کر آئے گی اور جو شخص بھی ہزار بار طلاق دے کر رجوع
کرتا رہے تو رجوع سے پہلی طلاق کا ہونا نہ ہونا برابر

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب من جعل الثلاث واحدۃ وما ورد فی خلاف ذٰلک دار صادر بیروت ۷/ ۳۳۷
[2] مؤطا امام مالک جامع الطلاق میر محمد کتب خانہ مرکز علم کراچی ص ۵۲۹

شوہر بود ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اینست مخالفت تعلیم دیوبندی با قرآن عظیم۔

بست و دوم خاص جزئیہ مسئلہ کہ طلاق بعد رجعت باطل نہ شد و محسوب ماند در صحیحین بخاری و مسلم وعامہ کتب اسلام مصرح ست عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما زوجۂ خود را بحالت حیض طلاق داد سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امر مراجعت فرمودہ باوصف رجعت آں طلاق را محسوب داشت، فی صحیح البخاری عن انس بن سیرین قال سمعت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال طلق ابن عمر امرأتہ وھی حائض فذکر عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال لیراجعھا قلت تحتسب قال فمہ[1]، وعن قتادۃ عن یونس بن جبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال مرہ فلیراجعھا قلت تحتسب، قال ارأیتہ ان عجز واستحمق[2]، وعن سعید بن جبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال حسبت علی بتطلیقۃ[3] وفی صحیح مسلم

ہوجائے گا اور خاوند کو نہ ختم ہونے والا اختیار حاصل ہوجائے گا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ دیوبندی کی یہ تعلیم قرآن کے مخالف ہے۔

بست و دوم خاص یہ جزئیہ کہ رجوع کے بعد طلاق کالعدم نہیں ہوتی، تو بخاری و مسلم اور عام اسلامی کتب میں تصریح ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طلاق سے رجوع کا حکم دیا اور رجوع کے باوجود حیض میں دی ہوئی طلاق شمار ہوئی۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سنا انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) نے اپنی بیوی کو حیض میں طلاق دی تو عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ اطلاع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ رجوع کرے، تو میں نے عرض کی کہ کیا وہ حیض میں دی ہوئی طلاق شمار ہوگی؟ تو عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اور کیا۔ اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے یونس بن جبیر سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عبداللہ سے کہو کہ وہ رجوع کرے تو میں نے پوچھا کہ کیا پہلی طلاق شمار ہوگی، تو جواب

---

[1] صحیح البخاری کتاب الطلاق باب اذا طلقت الحائض الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۹۰

[2] " " " " " " " " " " " "

[3] " " " " " " " " " " " "

عن عبید اللّٰہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما نحوہ وقال فی اٰخرہ قال عبید اللّٰہ قلت لنافع ما صنعت التطلیقۃ قال واحدۃ اعتد بہا[2]، وعن سالم بن عبد اللّٰہ عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہم عن ابیہ وفیہ کان عبد اللّٰہ طلقہا تطلیقۃ فحسبت من طلاقہا وراجعہا عبد اللّٰہ کما امرہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم[3]، وفی لفظ اٰخر قال قال ابن عمر فراجعتہا وحسبت لہا التطلیقۃ التی طلقتہا[4]، وعن ابن سیرین عن یونس بن جبیر عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہم انہ امران یراجعہا قال قلت افتحسبت علیہ، قال فمہ او ان عجز واستحمق[4]، وعن انس بن سیرین قال قلت فاعتددت بتلک التطلیقۃ التی طلقت وھی حائض، قال مالی لا اعتد بہا وان کنت عجزت واستحمقت[5] بلکہ عبد الحق اشبیلی در احکام، وبیہقی در سنن از عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما روایت کردند ان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم قال ھی واحدۃ[6] ایں ست مخالفت تعلیم دیوبندی با حدیث کریم۔

میں فرمایا تو بتا اگر وہ رجوع کئے بغیر عاجز ہو جائے یا حماقت کرے یعنی رجوع نہ کرے تو کیا طلاق نہ ہوگی' اور سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ عبد اللہ بن عمر سے راوی ہیں کہ میں نے اسے ایک طلاق شمار کیا۔ اور صحیح مسلم میں عبید اللہ نافع سے' اور وہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسی کی مثل روایت کی اور اس کے آخر میں ہے کہ عبید اللہ نے کہا کہ میں نے نافع کو کہا کہ تو نے اس طلاق کو کیا خیال کیا' تو انہوں نے کہا میں نے اسے ایک شمار کیا۔ اور سالم عبد اللہ سے انہوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے اور اس روایت میں ہے کہ عبد اللہ نے بیوی کو ایک طلاق دی تو میں نے اس کو طلاق شمار کیا اور اس نے رجوع کر لیا جیسا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اسے فرمایا۔ اور دوسرے الفاظ میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ میں نے بیوی سے رجوع کر لیا اور میں نے جو طلاق دی اس کو میں نے ایک طلاق شمار کیا، اور ابن سیرین، یونس بن جبیر سے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ فرمایا کہ رجوع کرنے کا حکم فرمایا، میں نے پوچھا کہ یہ طلاق شمار ہوگی؟ تو فرمایا اور کیا۔ رجوع سے عاجز ہو جائے یا حماقت کرتے ہوئے رجوع نہ کرے تو کیا طلاق نہ ہوگی'

---

[1] و [2] و [3] صحیح مسلم باب تحریم طلاق الحائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۶

[4] صحیح مسلم " " " " " " ۱/۴۷۷

[5] " " " " " " " "

[6] السنن الکبرٰی باب ما جاء فی طلاق السنۃ وطلاق البدعۃ دار صادر بیروت ۷/۳۲۴

انس بن سیرین سے مروی ہے انھوں نے کہا کیا آپ نے وہ طلاق شمار کی جو حالتِ حیض میں آپ نے دی ہے تو انھوں نے مجھے فرمایا شمار نہ کرنے کی وجہ کیا ہوسکتی اگر میں عاجز ہوجاؤں یا حماقت کروں تو کیا نہ ہوگی، جبکہ عبدالحق اشبیلی نے احکام میں اور بیہقی نے سنن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود فرمایا یہ ایک طلاق ہے، یہ ہے دیوبندی تعلیم کی حدیث کی مخالفت۔

بست وسوم قال اللہ تعالٰی فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ[1]۔ در تفسیر جلالین ست فان طلقھا الزوج بعد الثنتین[2] در جمل فرمود ای سواء کان قد راجعھا ام لا[3] ایں حکم کہ اطلاق آیت مراد ومتناول ست ہیچکس از علمائے اُمت را در وخلاف نیست کتبِ فقہ بلاخلاف مطلق ثلاث را مثبت حرمت غلیظہ گویند و زنہار در ہیچ کتابے بوئے ازیں وسوسہ نجسہ نیست کہ بعد رجعت طلاق اول در حساب نمی ماند وشوھر از سر سہ طلاق را مالک می شود عباراتِ ھزار در ہزار بر بطلان ایں ضلالت شاہد ست تنبیہ غافل وتعلیم جاہل را ہمیں مسئلہ دوارہ در کتب بسند ست کہ در کنز الدقائق و بحرالرائق فرمودند (کلما ولدت فانت طالق فولدت ثلثۃ فی بطون

بست وسوم اللہ تعالٰی نے فرمایا اگر خاوند تیسری طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کرلے۔ تفسیر جلالین میں ہے اگر خاوند دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق دے۔ اور تفسیر جمل میں مزید ہے کہ رجوع کرچکا ہو یا نہ۔ مطلب یہ ہے کہ تیسری طلاق کا یہ حکم مطلق ہے ہر صورت کو شامل ہے۔ اس میں علمائے اُمت میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا کتبِ فقہ بھی بلا اختلاف تین طلاقوں کو مطلقاً حرمتِ غلیظہ کے لئے مثبت بیان کرتی ہیں، اور ہرگز کسی کتاب میں بھی اس پلید وسوسہ کی بُو تک نہیں ہے کہ رجوع کے بعد پہلے دی ہوئی طلاق کالعدم ہوجاتی ہے اور خاوند نئے سرے سے پوری تین طلاقوں کا مالک ہوجاتا ہے' اور ہزارہا عبارات اس گمراہی کے بطلان پر شاہد ہیں، غافل کی تنبیہ اور جاہل کی تعلیم کے لئے اس مسئلہ کا تمام کُتب میں دائر ہونا کافی سند ہے۔ کنز الدقائق اور بحرالرائق میں فرماتے ہیں کہ "خاوند نے کہا جب بھی

---

[1] القرآن ۲/۲۳۰

[2] تفسیر جلالین تحت الطلاق مرتان ملک سراج دین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور ص ۳۵

[3] تفسیر جمل (الفتوحات الالٰہیہ) تحت الطلاق مرتٰن مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۵

فالولد الثانی والثالث رجعة) لوقوع الطلاق بالاول وتثبت الرجعة بالثانی والثالث ویقع بکل طلقة اخری فتحرم حرمة غلیظة[1]، درتبیین الحقائق فرمود لانها بولادة الاول وقع علیها الطلاق ثم اذا جاءت بولد اٰخر من بطن اٰخر علم انه من علوق حادث فتثبت به الرجعة وتقع طلقة اخری بولادته ثم اذا جاءت بالثالث تبین انه کان راجعها بوقوع الثانیة لما قلنا وتقع طلقة ثالثة بولادته فتحرم علیه حرمة غلیظة[2] اھ مختصرا، درشرح مسکین فرمود (فالولد الثانی) یصیر به مراجعا فی الطلاق الاول (والثالث) یصیر فی الطلاق الثانی (رجعة) ویقع الطلاق الثالث بولادة الولد الثالث ولاسبیل الی الرجعة[3]، درتنویر الابصار و درمختار فرمود فی کلما ولدت فانت طالق فولدت ثلث بطون

تُو بچہ جنے تو تجھے طلاق ہے، اس کے بعد بیوی نے نئے نئے حمل پر تین بچے جنے، تو دوسرا بچہ اور تیسرا بچہ پہلی اور دُوسری طلاق سے رجوع قرار پائے گا، اس لئے کہ پہلے بچہ سے جو طلاق ہوئی اس سے دوسرے بچے کی وجہ سے رجوع ہُوا، اور یونہی دوسرے بچے سے جو طلاق ہوئی اس سے تیسرے بچے کی وجہ سے رجوع ثابت ہُوا جبکہ تیسرے سے جو طلاق ہُوئی وہ تیسری طلاق ہے جس سے حُرمتِ غلیظہ ہوگئی، تبیین الحقائق میں فرمایا: یہ اس لئے کہ جب پہلے بچے کی وجہ سے طلاق ہُوئی پھر جب اس کے بعد نئے حمل سے دوسرا بچہ پیدا ہُوا تو معلوم ہُوا کہ یہ نئے نطفہ سے پیدا ہوا ہے جس سے رجوع ثابت ہُوا اور دُوسری طلاق ہوگئی، پھر جب تیسرا بچہ پیدا ہُوا تو اس بیان مذکور سے دوسری طلاق سے بھی رجوع ثابت ہُوا اور تیسری طلاق ہوگئی اور بیوی حرمتِ غلیظہ کے طور پر حرام ہوگئی اھ اور شرح مُلّا مسکین میں فرمایا کہ دوسرے بچے کی پیدائش سے پہلی طلاق سے اور تیسرے بچے کی پیدائش سے دوسری طلاق سے رجوع ہُوا اور تیسری طلاق ہوگئی جس کے بعد رجوع کیلئے چارہ نہ رہا۔ تنویر الابصار اور درمختار میں ہے کہ خاوند نے بیوی کو کہا کہ تُو جب بھی بچہ جنے تو تجھے طلاق ہے، تو اس نے تین حمل کے ساتھ تین بچے جنے تو تین طلاق

---

[1] بحرالرائق باب الرجعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۵۵
[2] تبیین الحقائق المکتبة الامیریہ بولاق مصر ۲/ ۲۵۶
[3] شرح کنز لملا مسکین علی حاشیة فتح المعین باب الرجعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۹

تقع الثلاث والولد الثانی رجعة فی الطلاق الاول، وتطلق به ثانیا کالولد الثالث، فانه رجعة فی الثانی وتطلق به ثلثا عملا بکلما[1]، درغرر[7] ودرر[8] فرمود لوقال (کلما ولدت فانت طالق فولدت ثلثة ببطون یقع) طلقات (ثلاث و) الولد (الثانی والثالث رجعة)[2] درملتقی الابحر[9] ومجمع الانہر[10] فرمودند (کلما ولدت فانت طالق فولدت ثلثة فی بطون) فالثانی والثالث رجعة و (تتم) الطلقات (الثلث بولادة الثالث) فتحتاج الی زوج اٰخر[3]، دروقایہ[11] وشرحش[12] فرمودند فی کلما ولدت فولدت ثلثة ببطون تقع الثلث والولد الثانی رجعة کالثالث[4]، ودرغایۃ البیان[13] وذخیرۃ العقبٰی[14] فرمودند اعلم انہا تطلق ثلثا ویثبت نسب الاولاد من الزوج وعلیها العدة بثلث حیض بعد ولادة الولد الثالث[5]، دراصلاح[15] وایضاح[16]

ہوجائیں گی۔ یُوں کہ دوسرا بچہ پہلی طلاق سے اور تیسرا بچہ دُوسری طلاق سے رجوع قرار پائے گا اور تین طلاقیں کلما کہنے کی وجہ سے ہوجائیں گی۔ غرر[7] اور درر[8] میں فرمایا کہ جب بیوی کو کہا کہ تُو جب بھی بچہ جنے تجھے طلاق ہے، تو اس نے ہر بار نئے حمل سے تین بچے جنے تو تین طلاقیں ہوجائیں گی، اور دوسرا اور تیسرا بچہ رجوع ثابت کرے گا۔ ملتقی الابحر[9] اور مجمع الانہر[10] میں فرمایا، بیوی کو کہا، جب بھی تُو بچہ جنے تو تجھے طلاق ہے تو اس نے مختلف حملوں میں تین بچے جنے تو دُوسرا اور تیسرا بچہ رجعت ثابت کریں گے اور تین طلاقیں مکمل ہوجائیں گی، تیسرے بچے کے بعد دُوسرے شخص سے نکاح کی ضرورت ہوگی۔ وقایہ[11] اور اس کی شرح[12] میں ہے، جب بھی بچہ جنے کہنے پر تین مختلف حملوں میں تین بچے جننے پر بیوی کو تین طلاقیں ہوجائیں گی اور دوسرا بچہ پہلی طلاق سے جیسا کہ تیسرا دوسری طلاق سے رجوع ثابت ہوگا۔ غایۃ البیان[13] اور ذخیرۃ العقبٰی[14] میں فرمایا کہ یاد رکھو مذکورہ صورت میں تین طلاقیں ہوجائیں گی اور تینوں بچوں کے نسب اس خاوند سے ثابت ہوں گے اور بیوی پر تیسرے بچے کی ولادت کے بعد عدّت تین حیض ہوگی۔

۱؎ درمختار	باب الرجعة	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۲۳۹
۲؎ الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام	باب الرجعة	مطبع احمد کامل الکائنہ دار سعادت بیروت	۱/۳۸۶
۳؎ ملتقی الابحر و مجمع الانہر	"	دار احیاء التراث العربی بیروت	۱/۴۳۷
۴؎ شرح الوقایہ	"	مطبع مجتبائی دہلی	۲/۱۱۶
۵؎ ذخیرۃ العقبٰی	"	مطبع نولکشور کانپور	۲/۲۱۳

فرمودند فی کلما ولدت فولدت ثلثۃ ببطون یقع ثلث والولد الثانی رجعۃ کالثالث[1] امام اجل صدر شہید در شرح جامع صغیر[2] امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ فرمود لما ولدت الولد الثالث صار مراجعا ایضا بالوطی بعد الطلاق ووقع اٰخر بالولادۃ ولا رجعۃ بعد ذٰلک لانہ تم الثلاث[2] در خزانۃ المفتین[3] برمز اختیار شرح مختار فرمود یقع ثلاث والولد الثانی رجعۃ کالثالث[3] اینست مخالفت تعلیم دیوبندی با ائمۂ اُمت ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اصلاح وایضاح میں فرمایا کہ جب بھی تو بچہ جنے تو تجھے طلاق، کہنے پر جب تین بچے یکے بعد دیگرے حمل سے پیدا ہوجائیں تو تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی اور دوسرا بچہ رجوع ثابت ہوگا جیسا کہ تیسرا بچہ دوسری طلاق سے رجوع ثابت ہوگا۔ امام اجل صدر شہید نے امام محمد کی جامع صغیر کی شرح میں فرمایا کہ مذکورہ صورت میں جب تیسرا بچہ جنا تو دوسرے بچے کی طرح یہ بھی طلاق سے وطی کے بعد رجوع ثابت ہوگا، اور تیسرے بچے کی ولادت سے آخری طلاق ہوجائیگی جس کے بعد رجوع نہ ہوسکے گا کیونکہ تین طلاقیں مکمل ہوگئیں۔ خزانۃ المفتین میں اختیار شرح مختار کی علامت سے بیان فرمایا کہ مذکورہ صورت میں تین طلاقیں ہوجائیں گی اور دوسرا بچہ پہلی طلاق سے جس طرح تیسرا دوسری طلاق سے رجعت ثابت ہوگا۔ یہ ہے دیوبندی تعلیم ائمۂ اُمت کے مخالف۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بست وچہارم از غایت غباوت وغوایت اوست قول او چنانکہ بعد طلاق بائن اگر تجدید نکاح کند بعدہ ایضا طلاق دہد طلاقین اولین باطل شوند و بعد تجدید نکاح اگر طلاق دہد آں در حساب کردہ آید نہ طلاق قبل تجدید نکاح ہمچنیں بعد رجعت اول طلاق باطل است آفریں باوچہ خوش اصوات خارجہ از سوراخ فم اوست کہ دہن از آواز پُر وذہن از معنی

بست وچہارم اس کی انتہائی غباوت اور گمراہی اس کا یہ کہنا ہے کہ "جس طرح طلاقِ بائنہ کے بعد دوبارہ نکاح کرے تو اس کے بعد بھی طلاق دے دے تو پہلی دو طلاقیں کالعدم ہوجاتی ہیں اور دوبارہ نکاح کے بعد اگر طلاق دے تو وہ حساب میں آئے گی اور دوبارہ نکاح سے پہلے دی ہوئی شمار نہ ہوگی اسی طرح رجوع کے بعد پہلی طلاق کالعدم ہوجاتی ہے"

---

[1] اصلاح وایضاح

[2] حاشیہ علی الجامع الصغیر بحوالہ الصدر الشہید باب الرجعۃ مکتبۃ الیوسفی لکھنؤ ص ۵۹

[3] خزانۃ المفتین فصل فی الرجعۃ قلمی نسخہ ۱/۱۳۶

تھی، و بیچارہ چہ کند کہ ہنوز ازیں تو عروساں منصّۂ دیوبندیت را با مطلب و معنی جفت نکردہ اند، کدام دو طلاق پیشین ست کہ بطلاق بائن بعد تجدید نکاح باطل می شود و چوں طلاق قبل تجدید نکاح نزد تو خود در حساب نیست ابطالش بر طلاق بائن بعد تجدید چہ موقوف باشد و اگر از کسے شنیدہ است کہ بائن بہ بائن لاحق نشود ایں خود عام نیست باز عدم لحوق بطلان اول را چرا موجب شود باز مبنائش حمل بر اخبار ست در رجعی بعد رجعت او را چہ کار است باز اگر باشد بطلان یکے باشد نہ ہر دو و بقطع نظر از جملہ وجوہ امر جامع میان رجعت بعد رجعی و طلاق بائن بعد تجدید نکاح بعد بائن چیست مگر آنکہ بدعقلی و کج فہمی لائق نجدیت و تعلیم دیوبندی است۔

اس پر آفرین کہ منہ کے سوراخ سے کیا اچھی آواز نکال رہا ہے، اس کا منہ آواز سے پُر اور ذہن فہم سے خالی ہے، یہ بیچارہ کیا کرے کہ ابھی دیوبندیت کی نئی نویلی دلہن سے مطلب و معنیٰ میں جفتی نہیں ہے، کون سی دو طلاقیں پہلے ہیں جو طلاق بائنہ کے بعد دوبارہ نکاح سے کالعدم ہوجاتی ہیں۔ جب تیرے ہاں دوبارہ نکاح سے قبل والی طلاق کالعدم ہوجاتی ہے، تو اس کا کالعدم ہونا دوبارہ نکاح سے طلاق بائنہ پر کیونکر موقوف ہوگا، اگر کسی سے یہ سن لیا ہے کہ بائنہ کے بعد بائنہ لاحق نہیں ہوسکتی تو یہ عام قاعدہ نہیں ہے، تو پھر پہلی طلاق کو بطلان کے لاحق ہونے کی وجہ کیسے ہوا، پھر اس کا مبنیٰ اخبار پر ہے تو رجعی طلاق کے بعد رجوع سے کیا تعلق ہے، پھر اگر ہو بھی تو ایک کا بطلان ہونا چاہئے نہ کہ دو کا، اور ان تمام وجوہ سے قطع نظر، رجعی کے بعد اور بائنہ طلاق کے بعد دوبارہ رجوع کے بعد بائنہ میں کون سا جامع امر ہے، اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ نجدیت کی بدعقلی اور کج فہمی اور دیوبندی تعلیم ہے۔

بست و پنجم از استنادش بمسئلہ درمختار طلقها رجعیا فجعله بائنا او ثلاثا[1] مع عبارت رد المحتار و طحطاوی لانه بعدها یبطل عمل الطلاق[2] چہ جائے شکوے کہ ہچو مدہوشاں و بیہوشاں در بطلان طلاق و بطلان عمل اگر فرق نکنند سزائے ایشاں فاما ہر مسلم عاقل را مسلّم و معقول ست کہ برجعت عمل طلاق مرتفع می شود نہ آنکہ طلاق کردہ ناکردہ گردد و از

بست و پنجم درمختار کے مسئلہ، کہ رجعی طلاق دے کر اس کو بائنہ یا تین کرنا، اس کے ساتھ ردالمحتار اور طحطاوی کی عبارت کہ اس لئے کہ اس کے بعد طلاق کا عمل باطل ہوجاتا ہے، کو دلیل بنانا، ان مدہوش اور بیہوش لوگوں کا جو بطلانِ طلاق اور بطلانِ عمل میں فرق نہ کرسکیں، کیا شکوہ کیا جائے، یہ انہی کو لائق ہے، لیکن ہر عاقل مسلمان جانتا ہے کہ رجوع سے طلاق کا

---

[1] درمختار — باب الکنایات — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۲۲۵

[2] ردالمحتار — ″ — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۲/۴۶۸

صفحہ واقع ارتفاع پزیرد، مسئلہ را بنہایت ایضاح
اتضاح دادہ ایم بیش ازیں اطالت درکار نیست ۔

بالجملہ حکم ہمان ست کہ زن احمد علی
سہ طلاقہ شد و بے تحلیل بہ تحلیل مجتہدانِ دیوبندی حلال
نشود بلکہ ایناں کہ بدعت زائفہ بطلان طلاقہائے پیشین
برجعت پس در شرع و دین نہادند الحق کہ بتحلیل
حرام قطعی لب کشادند اوبرحکم فقہی کفرے ست حتمی ۔
زنِ احمد علی بتحلیل ایناں حلال نشد مگر ترسند کہ ہما
زناں ایناں بحکم فقہ برایناں حرام شدند ہچو کساں را
باید کہ تجدیدِ اسلام و نکاح پردازند و حرام
خدا را برائے حطامِ دُنیا حلال نسازند وباللہ التوفیق
واللہ تعالٰی اعلم۔

عمل ختم ہوجاتا ہے نہ کہ طلاق ختم ہوجاتی ہے اور کالعدم
ہوجاتی ہے۔ ہم نے مسئلہ کو مفصل طور پر واضح کردیا ہے
اس سے زائد طوالت کی ضرورت نہیں ہے۔

بالجملہ حاصل کلام یہ ہے کہ زیربحث مسئلہ
کا حکم یہ ہے کہ احمد علی کی بیوی کو تین طلاقیں
ہوچکی ہیں، دیوبندی مجتہدین کے حلال کرنیکے باوجود بغیر حلالہ کے
حلال نہ ہوگی، بلکہ یہ کہ "بعد والی رجعت سے پہلی
طلاقیں کالعدم ہوجاتی ہیں" یہ ان کی دین اور شریعت
میں نئی بدعت ہے، حق یہ ہے کہ حرام قطعی کو انھوں نے
حلال کہہ دیا ہے جو کہ فقہی حکم کے مطابق قطعی کفر ہے،
احمد علی کی بیوی ان کے حلال کرنے سے حلال نہ ہوگی مگر
ان کو یہ فکر کرنی چاہیے کہ فقہی حکم کے مطابق ان کی بیویاں
ان پر حرام ہوچکی ہیں، ان سب کو چاہیے کہ وہ خود تجدیدِ
اسلام اور تجدیدِ نکاح کریں، اور اللہ تعالٰی کے حرام کردہ کو دنیاوی ایندھن کی خاطر حلال نہ کریں، وباللہ التوفیق
واللہ تعالٰی اعلم ۔ (ت) (رسالہ ختم ہُوا)

مسئلہ ١١ از جام جودھ ملک کاٹھیاوار جماعت اہلسنت وجماعت مرسلہ آدم بن احمد صاحب ١١ شعبان ١٣٢١ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک چھوٹی سی بستی میں ایک عالم
مدت دس پندرہ سال سے وعظ بیان کرتا تھا ہمیشہ چند لوگ اس عالم کی گلہ وغیبت کیا کرتے تھے اتفاقاً ایک روز
ناٹک والے لوگوں کی فاسق کمپنی آئی اور چند مسلمان اس چھوٹی بستی کے اس تماشے میں داخل ہُوئے اور اس اثناء
میں ایک سید کے مکان پر وعظ کی محفل منعقد ہُوئی چند لوگ ناٹک کے تماشاگر بھی اس محفل میں شریک تھے،
واعظ صاحب کی نظر جب اُن فاسقوں پر پڑی تو وعظ میں بہت لعن طعن کیے، فجر کو فاسقوں منافقوں نے غل مچایا،
فساد و دنگا کرنے کی باتیں کیں، ایک شخص نے ان لوگوں کی طرف سے اُن کو کہا کہ تم نے رات کو جو وعظ کیا سو چند
آدمی آپ سے البتہ فساد کریں گے اور آپ کو فقط نماز روزہ کا وعظ کرنا چاہیے ورنہ ہمیشہ فساد ہُوا کرے گا
کبھی دنگا اس کام سے نہ مٹے گا، پس واعظ کو غصہ آیا تو یہ لفظ عین غضب میں مُنہ سے نکالا کہ جو کوئی اس بستی میں

وعظ کرے اس کی جورو پر طلاق ہے جو کوئی اس بستی میں وعظ کرے گا خود کی نیت کی تھی لیکن تین یا دو کا لفظ مُنہ سے نہ نکلا اور تین کی نیت نہ تھی، اور وُہ مسلمان لوگ سب مل کر واعظ کے پاس عاجزی سے کہتے ہیں کہ تم وعظ کرو، پس واعظ کہتا ہے کہ اگر میں وعظ کروں تو میری زوجہ مطلقہ ہوتی ہے میں ہرگز وعظ نہ کروں گا، پس ان الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں، اور کون سی طلاق بائن یا کیا، اور وعظ وہ کرے یا نہیں، اور جب وعظ کرے تو بائن واقع ہونے سے کیا کرے، اور اگر اور قسم کی طلاقیں واقع ہوتی ہیں تو ان کا بھی خلاصہ لکھئے، کل مسلمان اہلسنت وجماعت آپ کے جواب کے منتظر ہیں ان الفاظ میں اگر نیت ثلاثہ کی کی ہو تو کیا ثلاثہ واقع ہوں گی یا نہیں، والسلام۔

الجواب

واعظ کو نہ چاہیے کہ طلاق کی قسم کھاتا کہ شرعًا ناپسندیدہ ہے یہاں تک کہ حدیث میں آیا:

ماحلف بالطلاق مومن وما استحلف بہ الا منافق[1]۔ رواہ ابن عساکر عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

مومن طلاق کی قسم نہیں کھاتا اور طلاق کی قسم نہیں لیتا مگر منافق۔ اس کو ابن عساکر نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اب کہ کہہ چکا ضرور وہاں وعظ کہنے سے عورت پر ایک طلاق رجعی ہوگی کہ عدت کے اندر رجعت کرلینے سے بدستور وہ اس کی زوجہ رہے گی۔ درمختار میں ہے:

جماعۃ یتحدثون فی مجلس فقال رجل منہم من تکلم بعد ھذا فامرأتہ طالق ثم تکلم الحالف طلقت امرأتہ لان کلمۃ من للتعمیم والحالف لایخرج نفسہ عن الیمین فیحنث[2]۔

ایک جماعت مجلس میں باتیں کر رہی تھی کہ ان میں سے ایک نے کہا کہ اس کے بعد جو بھی بات کرے اس کی بیوی کو طلاق، پھر خود قسم کھانے والے نے بات کرلی، تو اس کی بیوی کو طلاق ہوگئی، کیونکہ "جو بھی" کا لفظ عام ہے تو حلف اٹھانے والے کو بھی شامل ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو خارج نہیں کیا اس لئے اس کی قسم ٹوٹ گئی۔ (ت)

ہاں اگر اس قول میں تین طلاقوں کی نیت کی تھی تو تین پڑیں گی اور عورت بے حلالہ نکاح میں نہ آسکے گی۔ درمختار میں ہے:

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن انس حدیث ۴۶۳۳۰ کتاب الیمین من قسم الاقوال موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۸۹

[2] درمختار باب طلاق غیر المدخول بہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

فی انت الطلاق یقع واحدۃ رجعیۃ ان لم ینوشیئا اونوی واحدۃ او اثنین لانہ صریح مصدر لایحتمل العدد فان نوی ثلثا فثلث لانہ فرد حکمی[1]، ملخصًا۔

"تُوطلاق ہے" کے لفظ سے ایک طلاق رجعی ہوگی، ایک کی یا دو طلاقوں کی یا کوئی نیت نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے کیونکہ طلاق مصدر صریح ہے اس میں عدد کی گنجائش نہیں، اور اگر کہنے والے نے اس لفظ سے تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو تین ہوں گی کیونکہ طلاق میں تین کل جنس ہونے کی وجہ سے حکمی فرد بن گیا، ملخصًا (ت)

رہا یہ کہ اب وہاں وعظ کرے یا نہیں، اگر وہ وعظ اللہ عزوجل کے لئے کرتا ہے اور طلبِ مال یا اپنی شہرت و ریاست مقصود نہیں اور اس کا وعظ مطابقِ شرع ہے، اتنا علمِ دین کافی و وافی رکھتا ہے جس سے اُسے وعظ کی اجازت ہو، جب تو ظاہر ہے کہ ایسے بندۂ خدا ہادیِ راہِ ہدیٰ کا وعظ کہنا ہی اس کے اور اُن مسلمانوں کے سب کے حق میں بہتر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرا منھا فلیات الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینہ[2]۔ رواہ الائمۃ احمد ومسلم والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ

جو کسی بات پر قسم کھالے پھر دیکھے کہ اُس قسم کا خلاف بہتر ہے تو وہی بہتر کام کرے اور قسم کا کفارہ دے لے (اس کو امام احمد، مسلم اور ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور اگر ان باتوں میں سے کوئی بات کم ہے مثلاً علمِ دین کافی نہیں یا کسی غرضِ فاسد یا عقیدۂ فاسدہ کے باعث وعظ خلافِ شرع کہے جب تو ظاہر کہ اس کا وعظ اُس کے اور مسلمانوں سب کے حق میں بُرا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قال فی القراٰن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار[3]۔ رواہ الترمذی وصححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

جس نے بغیر علم قرآن کا مطلب بیان کیا وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنائے۔ اس کو ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ (ت)

اور اگر مال یا شہرت مقصود ہے تو اگرچہ مسلمانوں کے لئے اُس کا وعظ مفید ہو خود اس کے حق میں سخت

---

[1] درمختار | باب الصریح | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۱۹

[2] مسند احمد بن حنبل | دارالمعرفۃ بیروت | ۲/۲۵۸

[3] جامع ترمذی | باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ | امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی | ۲/۱۱۹

مضر ہے، علماء فرماتے ہیں ایسی اغراض کے لئے وعظ ضلالت اور یہود ونصارٰی کی سنّت ہے۔ درمختار میں ہے،

التذکیر علی المنابر للوعظ والاتعاظ سنۃ الانبیاء والمرسلین ولریاسۃ ومال وقبول عامۃ من ضلالۃ الیھود والنصارٰی[1]

منبر پر وعظ ونصیحت کرنا انبیاء اور مرسلین علیہم الصلٰوۃ والسلام کی سنّت ہے۔ اپنی بڑائی، مال یا اپنی مقبولیت کے لئے وعظ کہنا یہود ونصارٰی کی گمراہی جیسے ہے۔ (ت)

صورتِ ثانیہ میں اسے وعظ کی اجازت ہی نہیں، نہ کہ ایسی حالت میں کہ اُس کے سبب عورت پر طلاق ہوگی اور طلاق اللہ عزّوجل کو بلاوجہ شرعی سخت ناپسند ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق[2]۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ والحاکم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وفی لفظ للحاکم بسند صحیح عنہ موصولا ولابی داؤد عن محارب بن دثار مرسلا ما احل اللہ شیئا ابغض الیہ من الطلاق[3]۔

اللہ تعالٰی کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ حلال طلاق ہے۔ اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ اور حاکم نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور دوسرے الفاظ میں عبداللہ بن عمر ہی سے حاکم نے صحیح سند کے ساتھ موصولاً روایت کیا، ابوداؤد نے محارب بن دثار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرسلاً یوں روایت کی ہے: اللہ تعالٰی کی حلال کردہ چیزوں میں سے طلاق اللہ تعالٰی کے ہاں زیادہ ناپسند ہے۔ (ت)

اور اگر صورت صورتِ اولٰی ہے جس میں وعظ کہنا اُس کے حق میں بہتر ہے تو وعظ کہے اور عورت کو رجعت کرلے، اور اگر تین طلاق کی نیت کی تھی تو اگر چاہے تو یہ حیلہ ممکن ہے کہ عورت کو ایک طلاق دے جب عدّت گزر جائے اور عورت نکاح سے نکل جائے اس وقت وعظ کہے پھر عورت سے نکاح کرلے اور وعظ کہتا رہے طلاق نہ پڑے گی،

لانہ لما ابانہا وانقضت العدۃ لم تبق محلا للطلاق فاذا حنث بعدہ

کیونکہ جب بیوی کو بائنہ کر دیا اور عدت گزر گئی تو اب وہ طلاق کا محل نہ رہی، اب اس کے بعد قسم ٹوٹنے

---

[1] درمختار | فصل فی البیع | کتاب الحظر والاباحۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۲۵۳

[2] سُنن ابوداؤد | باب فی کراہیۃ الطلاق | آفتاب عالم پریس لاہور | ۱/۲۹۶

[3] " " " " " " " "

نزل الجزاء المعلق ولم یصادف محلا فمضی هملا وقد انتهی الیمین لعدم ما یدل علی التکرار فاذا تزوجھا بعد وعظ لم یحنث۔

کی وجہ سے معلق شدہ جزاء وارد ہوگی تو اس وقت محل نہ ہونے کی وجہ سے مہمل ہوجائے گی اور قسم ختم ہوجائے گی کیونکہ اس میں تکرار والی کوئی بات نہیں، اور اب وعظ کرلے اور اس کے بعد دوبارہ نکاح کرلے تو حنث نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا لکن ان وجد فی الملك طلقت والالا فحیلۃ من علق الثلاث بدخول الدار ان یطلقھا واحدۃ ثم بعد العدۃ تدخلھا فتنحل الیمین فینکحھا[1]۔

مطلقاً شرط پائے جانے کے بعد قسم ٹوٹ جاتی ہے لیکن وُہ شرط اگر ملکیتِ نکاح میں پائی جائے تو طلاق ہوجائیگی ورنہ نہیں، تو جس نے تین طلاقوں کو دخولِ دار کی شرط سے معلق کیا ہو اس کے لئے حیلہ یہ ہے کہ بیوی کو ایک طلاق دے دے جب اس کی عدت ختم ہوجائے تو عدت کے بعد عورت دخولِ دار کرلے اب قسم ٹوٹ کر ختم ہوجائے گی پھر وہ عورت سے نکاح کرلے۔ (ت)

مگر یہ صورت وقت سے خالی نہیں بعد انقضاءِ عدت عورت خود مختار ہوجائے گی اور اگر وُہ اس سے نکاح نہ کرے تو اسے اس پر جبر کا کوئی اختیار نہیں۔ یونہی یہ سب صورتیں اس تقدیر پر ہیں کہ اس سے پہلے کبھی اس عورت کو دو طلاقیں مجموع خواہ متفرق نہ دے چکا ہو ورنہ وعظ کہتے ہی یا قبل وعظ ایک طلاق دیتے ہی فوراً تین طلاقیں ہوجائیں گی اور اب سوا حلالہ کے کوئی علاج نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲ از ریاست رامپور محلہ باجوری ٹولہ متصل زیارت حافظ جمال اللہ صاحب مرسلہ محمد ضمیر خاں صاحب ۵ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو سے اس کی بیوی نے طلاق طلب کی۔ عمرو نے یہ کہا کہ تُو مہر بخش دے تو تین طلاق دُوں گا۔ عورت نے یہ کہا اگر تم مجھے طلاق دے دو تو میں نے مہر بخش دیا۔ عورت نے تین مرتبہ یہ کہا کہ اگر میرا شوہر مجھے طلاق دے تو میں نے مہر بخش دیا۔ پھر عمرو نے دو مرتبہ یہ کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ اس واقعہ کو قریب ایک ہفتہ کے ہُوا اور یہ واقعہ درمیان شوہر اور بیوی کے غصّہ کی حالت میں ہُوا، آیا طلاق ہُوئی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۲۳۱/۱

الجواب

اگر عورت مدخولہ ہے دو طلاقیں ہوگئیں مگر جب تک عدت نہ گزرے رجعت کرسکتا ہے، مثلاً زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا وہ بدستور اس کی زوجہ رہے گی اگر اس سے پہلے کبھی کوئی طلاق نہ دے چکا ہو۔ اور اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق بائن پڑی اور عورت نکاح سے نکل گئی، مگر اُس کی رضا کے ساتھ عدت میں خواہ عدت کے بعد اُس سے نکاح کرسکتا ہے۔ رہا مہر وہ کسی حالت میں ساقط نہ ہوا بدستور باقی ہے۔ بزازیہ کتاب البیوع میں ہے:

تعلیق الھبة بکلمة ان باطل[1]

ہبہ کو کسی شرط سے معلق کرنا باطل ہے (ت)

اشباہ میں ہے:

تعلیق التملیکات بالشرط باطل کالبیع و الشراء والھبة والابراء[2] (ملخصاً) واللہ تعالٰی اعلم۔

بیع وشراء، ہبہ اور حق کی وصولی سے کسی کو بری کرنا جیسی چیزوں کی تملیک کو کسی شرط سے معلق کرنا باطل ہے (ملخصاً) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴: از ریاست رامپور سررشتہ پولیس مرسلہ سید جعفر حسین صاحب محرر سررشتہ ۲۰ محرم ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اس شرط پر نکاح کیا نصف مہر یعنی پانسو روپے اگر بوقت طلب زوجہ ہندہ ادا نہ کروں تو ہندہ پر سہ طلاق ہیں اب بعد نکاح کے ہندہ نے زید سے نصف مہر طلب کیا زید نے اس وقت روپیہ مذکور ادا نہ کیا اس صورت میں ہندہ پر سہ طلاق ہوئیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر عقد نکاح میں ایجاب یعنی ابتدائے کلام بشرط مذکور جانب زید سے ہو مثلاً زید نے ہندہ سے کہا میں تجھے بعوض ہزار روپے مہر کے اپنے نکاح میں لایا اس شرط پر کہ اگر نصف مہر تیری طلب کے وقت ادا نہ کروں تو تجھ پر تین طلاق، ہندہ نے کہا میں نے قبول کیا، تو صورت مستفسرہ میں اگر زید نے ہنگامِ طلب نصف مہر ادا نہ کیا ہندہ پر اصلاً طلاق نہ ہوئی، اور اگر ابتدائے عقد جانب ہندہ سے تھی خواہ شرط کلام ہندہ میں مذکور ہو، مثلاً ہندہ نے کہا میں نے اپنے نفس کو اس شرط پر تیرے نکاح میں دیا اگر تُو نصف مہر الخ، زید نے کہا میں نے

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علٰی حاشیۃ فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۵

[2] الاشباہ والنظائر القول فی الشرط والتعلیق ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲۵،۲۲۶

قبول کیا یا کلام زید میں ہو مثلاً ہندہ نے کہا میں نے اپنی جان تیری زوجیت میں دی، زید نے کہا میں نے قبول کی اس شرط پر کہ اگر نصف مہر الخ یا ابتدائے ایجاب تو جانب زید سے تھی مگر شرط ہندہ نے قبول میں ذکر کی اور زید نے منظور کر لی، مثلاً زید نے کہا میں نے تجھے اپنی زوجیت میں لیا، ہندہ نے کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ اگر تو نصف مہر الخ، زید نے کہا مجھے منظور ہے، تو ان صورتوں میں جب نصف مہر عند الطلب ادا نہ کیا ہندہ پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں والفرق نفیس حسن بیناہ فی فتاوٰنا (اور یہ فرق نفیس خوب ہے، اس کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ ت) یہ مسئلہ خانیہ وخلاصہ وبزازیہ وبحرالرائق وہندیہ وردالمحتار وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴: از بنگالہ ضلع پاپنا ڈاکخانہ سراج گنج موضع قاضی پور مرسلہ اُمید علی صاحب ۱۲ صفر ۱۳۱۸ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی ھذہ المسئلۃ (اے علمائے کرام! اللہ تعالٰی آپ پر رحمت فرمائے، آپ کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے۔ ت) کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ سے کہا کلما دخلت الدار فانت طالق (جب بھی تُو گھر میں داخل ہوگی تجھے طلاق ہے۔ ت) بعد اس کے اس نے ایک طلاق دی بعد عدت عورت نے دوسرے سے نکاح کر لیا بعدہٗ دوسرے نے بھی طلاق دے دی، بعد چند روز اوّل سے نکاح کر لیا پھر دخول دار پایا گیا اب طلاق پڑے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر تین بار دخول دار سے انحلال یمین یا تین طلاق تنجیزی خواہ تعلیقی خواہ مختلط سے زوال حل نہ ہو لیا تھا تو یمین ضرور باقی ہے وقوع شرط سے طلاق واقع ہوگی والتفصیل یستدعی التطویل (اس کی تفصیل کے لئے تطویل کی ضرورت ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

اعلم ان التعلیق یبطل بزوال الحل لابزوال الملك فلوعلق الثلث او مادونھا بدخول الدار ثم نجز الثلاث ثم نکحھا بعد التحلیل بطل التعلیق فلایقع بدخولھا شیئ ولو کان نجز مادونھا لم یبطل فیقع المعلق کلہ واوقع محمد بقیۃ الاوّل وھی

معلوم ہونا چاہئے کہ یہ تعلیق حلت ختم ہونے پر باطل ہوگی محض ملکیت ختم ہونے پر تعلیق ختم نہ ہوگی اگر خاوند نے تین طلاق، یا ایک دو کو دخولِ دار سے معلق کیا ہو اور پھر اس کے بعد اس نے اس بیوی کو غیر مشروط طور پر تین طلاقیں دے دیں جس پر بیوی مذکورہ نے حلالہ شرعیہ کے بعد دوبارہ اس پہلے خاوند سے نکاح کیا تو اس دوسرے نکاح کے بعد بیوی کے گھر میں داخل ہونے پر کوئی طلاق نہ ہوگی اور تعلیق ختم ہے

مسألة الهدم[1] الخ۔ اور اگر مذکورہ صورت میں خاوند نے تعلیق کے بعد تین سے کم طلاقیں دی ہوں تو اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرلینے کے بعد بھی تعلیق ختم نہ ہوگی لہٰذا دوبارہ پہلے خاوند سے نکاح کرنے پر دخولِ دار ہُوا تو تمام معلق طلاقیں واقع ہوجائیں گی، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی پہلی دی ہُوئی طلاق سے بقیہ طلاقوں کو واقع مانتے ہیں ان کا یہ قول، دوسرے خاوند سے نکاح کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کرنے پر پہلی طلاقوں کے ساقط ہوجانے کے اختلافی مسئلہ پر ان کے موقف پر مبنی ہے الخ (ت)

اسی میں ہے:

تبطل الیمین ببطلان التعلیق اذا وجد الشرط مرۃ الا فی کلما فانہ ینحل بعد الثلاث لاقتضائھا عموم الافعال کاقتضاء کل عموم الاسماء فلا یقع ان نکحھا بعد زوج اٰخر[2] الخ۔

تعلیق سے متعلق یمین، تعلیق کے باطل ہوجانے پر ختم ہوجائے گی جب ایک دفعہ شرط پائی گئی ہو، مگر لفظ "کلما" کے ساتھ کسی شرط سے تعلیق کی گئی ہو تو وُہ یمین تین طلاقوں کے بعد ختم ہوگی، کیونکہ "کلما" افعال کے عموم کو چاہتا ہے جیسا کہ "کل" عموم اسماء پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا اس صورت میں تین طلاقوں کے بعد حلالہ کرنے پر پہلے خاوند سے نکاح کرے تو اب دخولِ دار سے طلاق نہ ہوگی الخ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فلا یقع تفریع علٰی قولہ فانہ ینحل بعد الثلاث وانما لم یقع لان المحلوف علیہ طلقات ھذا الملک وھو متناھیۃ کما مر اما لوکان الزوج الاٰخر قبل الثلاث فانہ یقع مابقی[3]۔

ماتن کا قول "فلا یقع" اسکے اپنے قول "تین طلاقوں کے بعد یمین ختم ہوجائے گی" پر تفریع ہے، یہ اس لئے کہ حلف کا تعلق موجودہ ملکیت کی پوری طلاقوں سے ہوتا ہے اور وہ محدود ہیں اس لئے تین طلاقوں پر یمین ختم ہوجائے گی، جیسا کہ گزرا ہے، اور اگر تین طلاقوں سے کم پر دوسرے خاوند کے بعد پہلے سے نکاح کرے تو اب شرط پائے جانے پر باقی ماندہ طلاقیں واقع ہوں گی۔ (ت)

اُسی میں قبیل باب التعلیق ہے:

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱

[2] " " " " " "

[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۰۰

اذا قال کلما دخلت الدار فانت طالق فدخلتها مرتین ووقع علیها الطلاق وانقضت عدتها ثم عادت الیه بعد زوج اٰخر فعندھما تطلق کلما دخلت الدار الی ان تبین بثلاث طلقات خلافا لمحمد کما ذکرہ الزیلعی[1] الخ وانظر ما علقنا علی قوله السابق۔

اگر تعلیق میں "کلما" کے ساتھ شرط بیان کرتے ہوئے کہا جب بھی تُو گھر میں داخل ہو تجھے طلاق ہے، تو اگر دو مرتبہ گھر میں دخول پایا گیا اور اس پر دو طلاقیں ہونے اور عدت گزرنے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کیا تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک تین مرتبہ داخلہ کے ساتھ تین طلاقیں ہوجائیں گی، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اب صرف ایک مرتبہ گھر میں داخلہ کے ساتھ ایک ہی باقیماندہ طلاق ہوگی، جیسا کہ اس کو امام زیلعی نے ذکر فرمایا الخ۔ ردالمحتار کے پہلے قول پر ہمارا حاشیہ ملاحظہ کیا جائے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا لکن ان وجد فی الملك طلقت والا لا[2]۔

مطلقاً شرط پائے جانے پر یمین ختم ہوجاتی ہے اگر وہ شرط ملکیت یعنی نکاح کے دوران پائی جائے تو طلاق ہوجائے گی ورنہ نہیں۔ (ت)

اس پر ردالمحتار میں ہے:

المحقق فی الفتح افاد فی باب التعلیق ان قولهم المعلق طلقات ھذا الملك الثلاث مقید بما دام مالکا لها فاذا زال ملکه لبعضها صار المعلق ثلثه[3] اھ وانظر ما کتبت علی ھامش الفتح من ھذا القول واذا جمعت ھذہ کلها عرفت بعون اللہ تعالٰی تفاصیل صور المسئلة، واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

فتح القدیر کے باب التعلیق میں محقق صاحب نے افادہ فرمایا کہ موجودہ ملکیت کی تین طلاقیں معلق ہوتی ہیں، اس عبارت سے انھوں نے یہ قید بیان فرمائی کہ موجودہ ملکیت جب تک باقی ہے یمین وتعلیق باقی ہے اور اگر تین میں سے بعض طلاقوں کی ملکیت ختم ہوجائے تو تین تک تعلیق رہے گی اھ، فتح القدیر کے اس قول پر میرے حاشیہ کو دیکھو، تو جب یہ تمام عبارات ملاحظہ میں آئیں تو اس مسئلہ کی تمام صورتوں کی تفصیل بعون اللہ آپ کو معلوم ہوگئی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار — فصل فی المشیئة — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۲/ ۴۹۰

[2] درمختار — باب التعلیق — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۲۳۱

[3] ردالمحتار — فصل فی المشیئة — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۲/ ۴۹۰

مسئلہ ۱۵ از ہردوار مسئولہ فضل حسین

ایک شخص نے بحالتِ غصہ اپنی عورت سے یہ کہا کہ اگر تُو میرے گھر آئی تو تجھ کو طلاق ہے اور اگر میں تیرے ساتھ کوئی بات کروں (یعنی صحبت کروں) تو حرام کروں۔ ان الفاظ سے طلاق ثابت ہوتی ہے یا نہیں اور اس عورت کا نکاح دُوسرے شخص کے ساتھ کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب

اس کہنے کے وقت اگر عورت شوہر کے گھر کے علاوہ اور جگہ تھی تو جب شوہر کے گھر آئے گی ایک طلاق رجعی پڑے گی اور اگر اس وقت شوہر ہی کے گھر میں تھی تو جب تک یہاں رہے گی طلاق نہ ہوگی جب کہیں اور جاکر وہاں سے شوہر کے یہاں آئے گی اُس وقت طلاق پڑے گی، اور بہرحال طلاق رجعی ہوگی، عدت کے اندر اگر شوہر اتنا کہہ دے کہ میں نے اُسے اپنے نکاح میں پھیر لیا تو وہ بدستور اُس کی زوجہ رہے گی اور اُس کا نکاح دُوسرے سے نہ ہوسکے گا، ہاں اگر طلاق پڑے اور شوہر اُسے اپنے نکاح میں واپس نہ لے یہاں تک کہ طلاق ہونے کے بعد سے تین حیض شروع ہوکر ختم ہوجائیں تو اُس وقت عورت نکاح سے نکل جائے گی اور دوسرے سے نکاح جائز ہوگا۔ واللہ تعالٰے اعلم

مسئلہ ۱۶ از کلکتہ مسئولہ ابوالقاسم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے قسمیہ اپنی منکوحہ عورت سے کہہ دیا کہ اگر بغیر عذر شرعی کے تم نے کبھی نماز نہ پڑھی تو تجھ کو میری طرف سے تین طلاقیں ہوں گی، کیا ایک جگہ ایک وقت ایک ہی دفعہ ایک لفظ سے تین طلاقیں واقع ہوں گی چونکہ اس قسم کا سلسلہ دراز ہے جب تک زوج اور زوجہ زندہ ہیں مدام اندیشہ میں ہیں اور اس زمانہ کے لوگ سست ہیں دین کے کاموں میں بے پروا ہوگئے ہیں، ممکن ہے کہ کسی وقت عورت سے غفلت ہوجائے تو اُس کو طلاق پڑجائے گی۔ کیا کوئی ایسی صورت ہوسکتی ہے کہ طلاق کے واقع ہونے سے قبل کوئی ایسا حیلہ کیا جائے کہ عورت پر طلاق نہ پڑے۔

الجواب

چاروں اماموں چاروں مذہب کا اجماع ہے کہ تین طلاقیں ایک جگہ ایک وقت ایک ہی دفعہ ایک ہی لفظ میں واقع ہوجاتی ہیں۔

قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بانت امرأتك وعصیت ربك ان لم تتق اللہ فلم یجعل لك

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما نے فرمایا تیری بیوی بائنہ طلاق والی ہوگئی ہے اور تو نے اللہ تعالٰے کی نافرمانی کی ہے اگر تو اللہ تعالٰی کے عذاب سے

مخرجا[1]۔ خوف نہ کرے گا تو پھر تیرے لئے اللہ تعالٰی کوئی سبیل نہ فرمائے گا۔ (ت)

وہابی گمراہ بددین اس میں خلاف کرتے اور حرام کو حلال ٹھہراتے ہیں، زید نے جبکہ ایک وقت کی نماز نہ پڑھنے پر حکم طلاق مغلظ معلق کیا جیسا کہ تقریر سوال سے ظاہر ہے تو عورت جب کبھی بے عذر شرعی ایک وقت کی نماز بھی چھوڑے گی فوراً اس پر تین طلاقیں ہوجائیں گی اور بے حلالہ اس کے نکاح میں نہ آسکے گی فان الجزاء ینزل عند نزول الشرط کما فی الھدایۃ وغیرھا (شرط پائے جانے پر جزاء پائی جاتی ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ ت) اور اس کا حیلہ ارتکاب کبیرہ بالعمد پر مشتمل ہے اور اس کا بتانا بھی حرام ہے یہ اس معنی پر ہے جس پر سوال مبنی اور اگر مراد زید اور ہے تو اس کا اسی سے استفسار ہو،

فان للکلام محملین اٰخرین لا نذکرھما کیلا یکون تعلیما والمفتی منھی عنہ بل یسأل فھو اعلم بمرادہ۔

اس کلام کے دو محمل اور ہیں جن کو ہم ذکر نہیں کرتے تاکہ تعلیم نہ قرار پائے مفتی کو اس سے باز رہنے کا حکم ہے بلکہ وہ صرف سوال کرے کیونکہ مبتلا شخص اپنی مراد کو بہتر جانتا ہے۔ (ت)

اُس وقت اُس کا جواب دیا جائے، وجیز کردری و عقود الدریہ میں ہے:

احب المفتی ان لایقول یصدق دیانۃ لانہ تعلیم بل ادبہ ان یقول لایصدق[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

مفتی کے آداب میں سے ہے کہ وہ کسی بات پر دیانت کی تصدیق نہ کرے کیونکہ یہ مبتلا کو تعلیم قرار پاتی ہے بلکہ ادب المفتی یہ ہے کہ وہ کہے کہ تصدیق نہیں ہوسکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷: از پیلی بھیت محلہ منیر خاں مرسلہ مولانا عبدالاحد صاحب ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کے پدر سے کسی تذکرہ میں کہا تھا کہ اگر میری بیوی فلاں مکان میں جائے گی تو میری بیوی ہی نہ رہے گی پھر اس کے چند روز بعد دوسرے جلسے میں زید نے پدر ہندہ سے الفاظ مذکورہ دوبارہ پھر ادا کئے کہ ہندہ اگر فلاں مکان میں جائے گی تو میری بی بی ہی نہ رہیگی، بعد تھوڑے عرصہ کے ہندہ بلا رضامندی اپنے شوہر کے اُس مکان میں چلی گئی جس کی بابت زید دو مرتبہ دو جلسوں میں پدر ہندہ سے عدم رضامندی اپنی ظاہر کرچکا تھا اور اب عرصہ پانچ ماہ سے ہندہ اُسی مکان میں مقیم ہے،

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۹
[2] عقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ فوائد تتعلق بآداب المفتی حاجی عبدالغفار و پسران تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳

پس اس صورت میں نکاح زید سے قائم رہا یا نہیں؟ اور معاذاللہ اگر نکاح ہندہ زید سے نہیں قائم رہا تو کون سی طلاق ہندہ پر پڑسکتی ہے؟ اور کیا صورت رجعت کی از روئے شرع شریف ہوسکتی ہے؟

الجواب

اگر زید نے وہ الفاظ دونوں بار خواہ ایک بار بہ نیت ایقاعِ طلاق کے کہے تھے یعنی یہ مطلب تھا کہ اگر وہ وہاں جائے تو اس پر طلاق ہے تو وہاں جانے سے عورت پر ایک طلاق بائن ہوگی نکاح سے نکل گئی رجعت نہیں کرسکتا، ہاں عورت کی رضا سے دوبارہ اُس سے نکاح کرسکتا ہے عدت میں خواہ عدت کے بعد، بہرحال حلالہ کی حاجت نہیں اگرچہ لفظ مذکور تین بار کہا ہو اور اگر کسی بار اُس سے نیت طلاق یعنی مذکور نہ تھی تو عورت کا وہاں جانے سے کچھ نہ ہُوا اور وہ بدستور اس کی زوجہ ہے، رہا یہ کہ نیت تھی یا نہ تھی یہ بیان زید پر ہے اگر وہ بحلف کہہ دے کہ میرا وہ مطلب اُن لفظوں سے کسی بار میں بھی نہ تھا تو طلاق اصلاً نہ مانیں گے اگر زید جھوٹا حلف کرلے گا وبال اُس پر ہے گا، درمختار میں ہے،

القول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها فی منزلها۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نیت نہ ہونے کے متعلق خاوند کی بات حلف کے ساتھ تسلیم کرلی جائے گی اور بیوی کا گھر میں ہی اس سے قسم لے لینا کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از ملک بنگال ضلع نواکھالی مقام ہتھیا مرسلہ مولوی عباس علی عرف مولوی عبدالسلام صاحب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں فضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے یوں کہہ کر نکاح کیا کہ میں تمہاری بلا اجازت دوسرا نکاح نہیں کروں گا اگر کروں تو طلاق مغلظہ ہوگی، اب اس صورت میں شرط فوت ہوجائے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر ہو تو کے طلاق ہوں گی؟ بیّنوا توجروا مع الدلیل۔

الجواب

اگر زید نے یہ الفاظ عقد نکاح سے پہلے کہے تھے یا خود نفس عقد میں یہ شرط کی مگر ایجاب یعنی ابتدائے الفاظ عقد جانب زید سے تھی، مثلاً اس نے کہا میں نے تجھے اپنے نکاح میں لیا اس شرط پر کہ بے تیری اجازت کے نکاح ثانی نہ کروں گا اگر کروں تو طلاق مغلظہ ہو، ہندہ نے کہا میں نے قبول کیا جب تو بحال وقوع شرط زوجہ ثانیہ پر طلاق نہ ہوگی اور اگر بعد نکاح الفاظ مذکورہ کہے یا نفس عقد اس شرط پر ہُوا اور زید کی جانب سے قبول تھا مثلاً ہندہ نے کہا میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا زید نے کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر الخ یا ہندہ نے کہا میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا اس شرط پر کہ تُو بے میری اجازت کے نکاح ثانی نہ کرے اگر کرے تو طلاق مغلظہ ہو، زید نے کہا میں نے قبول کیا، تو درصورت وقوع شرط دونوں عورتوں میں سے ایک

مطلقہ ہوگی زید کو اختیار ہوگا کہ اُن میں سے جس کی طرف چاہے طلاق کو پھیر دے خواہ ہندہ کی طرف خواہ منکوحۂ ثانیہ کی جانب،

14

فی الھندیۃ عن الفتح، لو قال لامرأتہ ان تزوجت علیك ماعشت فالطلاق علی واجب ثم تزوج علیھا یقع تطلیقۃ علی واحدۃ منھما یصرفھا الی ایتھما شاء[1] اھ ملخصا قلت ففی الفصل الثانی لما وقع التکلم بالشرط بعد ثبوت النکاح لانہ یتم باللفظین فقد کانت ھندۃ محلا للتطلیق لثبوت ملکہ علیھا، فقولہ یکن طلاق مغلظ یحتملھما فیصرفہ الی ایتھما احب، اما فی فصل الاول لما کان التکلم بہ قبل حصول النکاح حیث لاتمام لہ بمجرد الایجاب لم تکن ھندۃ محلا لہ لعدم الملك والاضافۃ الی نکاح ھندۃ فتعینت الاخری اعمالا للکلام کما لو قال لامرأتہ و اجنبیۃ طلقت احدٰکما تطلق امرأتہ من غیر نیۃ

ہندیہ میں فتح سے منقول ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: "اگر تیری زندگی میں تجھ پر کسی دوسری عورت سے نکاح کروں تو مجھ پر طلاق واجب ہے" اس کے بعد اس نے اس بیوی پر دوسرا نکاح کرلیا تو پہلی اور دُوسری دونوں بیویوں میں سے ایک کو طلاق ہوجائیگی خاوند اس طلاق کو جس پر چاہے نافذ کردے اھ (ملخصًا)۔ قلت (میں کہتا ہُوں کہ) دوسری صورت یعنی نکاح کے بعد یا بیوی کی طرف سے ایجاب میں یہ الفاظ کہے ہوں، تو چونکہ شرط والے الفاظ کا تکلم ثبوتِ نکاح کے بعد ہُوا کیونکہ نکاح ایجاب وقبول کے دُو لفظوں سے تام ہوتا ہے لہذا مسئولہ صورت میں ہندہ طلاق کا محل بن گئی کیونکہ نکاح کے تام ہونے پر ملکیتِ نکاح مکمل ہوگئی ہے، چونکہ زید نے اس موقعہ پر طلاق مغلظہ واقع ہونے کی بات کی ہے لہذا دُوسرا نکاح کرنے پر مغلظہ طلاق کا احتمال دونوں بیویوں میں سے ہر ایک کے لئے ہے لہذا زید اس طلاق کو دونوں میں سے جس پر چاہے نافذ کردے لیکن پہلی صورت یعنی جب نکاح تام ہونے سے قبل شرط کا تکلم ہُوا کیونکہ صرف ایجاب سے نکاح تام نہیں ہوتا اس لئے اس صورت میں ہندہ طلاق کا محل نہ بن سکے گی کیونکہ ابھی نکاح نہ ہوا اور نہ ہی نکاح کی طرف طلاق کو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا وغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۲۶

لتعينها الانشاء[1] کما فی الهندیة عن المحیط عن المبسوط، و فی الدر المختار من باب الرجعة لو خافت ان لا یطلقها تقول زوجتك نفسی علی ان امری بیدی[2] زیلعی وتمامه فی العمادیة اھ، فی رد المحتار حیث قال ولو قال لها تزوجتك علی ان امرك فقبلت جاز النکاح ولغا الشرط لان الامر انما یصح فی الملك او مضافا الیه ولم یوجد واحد منهما بخلاف ما مر فان الامر صار بیدها مقارنا لصیرورتها منکوحة اھ نهر، والحاصل ان الشرط صحیح اذا ابتدأت المرأة لا اذا ابتدأ الرجل ولکن الفرق خفی[3] اھ کلام الشامی باختصار ورأیتنی کتبت علیه ما نصه اقول بل هو ظاهر والحمد لله فان الزوج اذا ابتدأ فقال

منسوب کیا گیا، لہذا یہ طلاق لازماً دوسری بیوی کو ہوگی اور وہی طلاق کے لئے متعین قرار پائیگی تاکہ زید کا کلام لغو نہ ہو، جیسا کہ کوئی شخص اپنی بیوی اور اجنبی عورت کو خطاب کرکے کہے میں نے تم دونوں میں سے ایک کو طلاق دی ہے، تو اس کی بیوی کو ہی بغیر نیت طلاق ہوگی کیونکہ وہی انشاء طلاق کا محل ہونے کی وجہ سے متعین ہوگی، اس کو ہندیہ میں محیط کے حوالے سے مبسوط سے نقل کیا ہے۔ درمختار کے باب الرجعۃ میں ہے کہ اگر بیوی کو ڈر ہو کہ کہیں خاوند طلاق نہ دے دے تو نکاح کے وقت بیوی یوں کہے کہ میں تجھ سے اپنا نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ میری طلاق کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا اس کو امام زیلعی نے بیان کیا یہ مکمل بحث عمادیہ میں ہے اھ، ردالمحتار میں ہے کہ اگر خاوند نے ایجاب کرتے ہوئے یوں کہا میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ طلاق کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے تو عورت نے قبول کیا، اس صورت میں نکاح جائز ہوگا اور شرط کا ذکر لغو ہوگا، کیونکہ تفویض طلاق کیلئے جواز تب پیدا ہوتا ہے جب نکاح موجود ہو یا طلاق کو نکاح کے ساتھ معلق کیا ہو، جبکہ اس صورت میں دونوں باتوں میں سے کوئی بھی نہ پائی گئی بخلاف پہلے مذکور مسئلہ کے کہ وہاں عورت کی طرف سے ایجاب میں شرط کو خاوند نے قبول کیا تو نکاح اور طلاق کی شرط دونوں اکٹھے پائے گئے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی ایقاع الطلاق نورانی کتب خانہ پشاور ١/٣٦٣

[2] درمختار باب الرجعۃ مطبع مجتبائی دہلی ١/٢٢١

[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ٢/٥٤٠

تزوجتك على انك طالق فقالت
قبلت كان التعليق قبل حصول
الملك، اذ لا ملك الا بعد تمام
الركنين، ولا تعليق على سبب
الملك، فان المعينة يجب فيها
حقيقة الشرط لا معناه كما تقدم
فكان باطلا كما نقله عن
النهر، اما اذا كانت هي المبتدأة
في زوجتك نفسي على انى
طالق فقال قبلت كان
السؤال معادا في الجواب،
فكانه قال بعد ايجابها
قبلت على انك طالق، فوقع
بعد تمام الركنين، افاده في
الخانية حيث قال لان
البداءة اذا كانت من الزوج
كان الطلاق والتفويض
قبل النكاح فلا يصح اما اذا
كانت البداءة من قبل
المرأة يصير التفويض بعد
النكاح لان الزوج لما قال
بعد كلام المرأة قبلت و
الجواب يتضمن اعادة ما
في السؤال صار كانه قال
قبلت على انك طالق او على

اس لئے طلاق کا اختیار عورت کو حاصل ہوگا اھ نہر،
حاصل یہ کہ شرط عورت کے پہل کرنے پر صحیح ہوگی، مرد کے
پہل کرنے پر درست نہ ہوگی، لیکن یہ فرق مخفی رہا،
اختصاراً، علامہ شامی کا کلام ختم ہُوا۔ مجھے یاد ہے کہ
میں نے علامہ شامی کے اس کلام پر حاشیہ لکھا جس کی
عبارت یہ ہے **اقول** (میں کہتا ہوں کہ) فرق مخفی نہیں
بلکہ ظاہر ہے، الحمدللہ، کیونکہ خاوند کے پہل کرنے اور
یہ کہنے پر کہ میں تجھ سے نکاح اس شرط پر کرتا ہُوں کہ تجھے
طلاق ہے تو عورت نے قبول کرلیا تو یہ تعلیق ملکیت نکاح کے دونوں
رکن (ایجاب قبول) سے پہلے ہوئی ہے لہذا ملکیت حاصل نہ ہُوئی
اور ملکیت کے سبب پر بھی تعلیق نہیں کیونکہ معینہ عورت کیلئے
حقیقۃً شرط کا پایا جانا ضروری ہے محض شرط کا معنیٰ کافی
نہیں، جیسا کہ پہلے گزرا ہے، تو یہ تعلیق بالطلاق باطل ہوگی

جس طرح اُنھوں نے اس کو نہر سے نقل کیا ہے، لیکن اگر
عورت پہل کرکے ایجاب میں کہے میں نے تجھے اپنا نفس
نکاح کرکے دیا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہے تو خاوند
نے قبول کرتے ہوئے کہا میں نے قبول کیا، چونکہ جواب میں
سوال کا اعادہ ہوتا ہے اس لئے گویا خاوند نے یُوں کہا
"میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہے" تو یہ
تعلیق نکاح کے دونوں رکن (ایجاب وقبول) پائے جانے
کے بعد پائی گئی اس کا خانیہ نے افادہ فرمایا جہاں انھوں
نے فرمایا کہ جب ابتداء زوج کرے تو طلاق اور تفویض
دونوں نکاح سے قبل پائی گئیں لہذا صحیح نہ ہوں گی لیکن
جب عورت ابتداء کرے تو تفویض نکاح کے بعد
پائی گئی کیونکہ جب خاوند نے جواب میں کہا" میں نے

ان یکون الامر بیدك فیصیر مفوضا بعد النکاح اھ قلت وبه تبین حکم ما اذا ابتدأت المرأة من دون شرط وقبل الزوج بشرط حیث یصح الطلاق والتفویض لان کلام المرأة لاعبرة بها فی هذا الباب، انما کانت الصحة فیما مر لوقوعه فی قبول الزوج تقدیرا لتضمن الجواب ما فی السؤال، فاذا وقع فیه تحقیقا کان اولی بالصحة[1] اھ ماکتبت علیه وبه یظهر لك کل ماذکرنا ههنا۔

قبول کیا" چونکہ جواب میں سوال کا اعادہ مراد ہوتا ہے تو گویا یُوں کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہے، یا تفویض کی صورت میں یُوں کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے تو تفویض نکاح کے بعد ہُوئی اھ، قلت (میں کہتا ہوں) اس سے اس صورت کا حکم معلوم ہوگیا جس میں بغیر شرط عورت ایجاب میں پہل کرے اور خاوند قبول کرتے ہوئے شرط ذکر کرے تو طلاق اور تفویض صحیح ہوں گی، کیونکہ طلاق کے متعلق عورت کا کلام بے معنٰی ہے اس کی صحت کا دارومدار خاوند کے قبول کرنے پر ہے جو کہ قبول کرنے میں مقدر طور پر مذکور ہے کیونکہ خاوند کا جواب عورت کے ایجاب یعنی سوال کو متضمن ہے تو جب خاوند کے قبول کرنے میں صراحۃً شرط مذکور ہو تو بطریق اولٰی صحیح ہوگا اھ میں نے یہاں حاشیہ میں جو لکھا وُہ ختم ہوا، اس سے یہاں پر تمام بحث کا آپ کو علم ہوگیا۔ (ت)

پھر بہرصورت منکوحۂ ثانیہ خواہ ہندہ صورت مذکورہ میں جس پر طلاق پڑے گی تین طلاقیں ہوں گی کہ عرف میں طلاق مغلظہ اسی کو کہتے ہیں۔

اقول وحیث کان البناء علیه فلا یرد ان قال انت طالق اغلظ الطلاق واحدة بائنة ان لم ینو ثلثا[2] کما فی التنویر ثم اعلم ان الوقوع بالصفة عند ذکرها کما اذا قال انت طالق البتة حتی لوقال بعدها ان شاء الله متصلا لایقع ولو کان الوقوع باسم الفاعل لوقع کما فی رد المحتار فلا یتوهم

اقول (میں کہتا ہوں کہ) جب گفتگو عرف پر مبنی ہے تو اب تنویر کی اس عبارت سے اعتراض پیدا نہ ہوگا کہ "تو غلیظ تر طلاق والی ہے" یہ ایک طلاق بائنہ ہوگی بشرطیکہ تین کی نیت نہ کرے۔ پھر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ طلاق کا وقوع صفت کے ساتھ ہوگا جب صفت مذکور ہوگی، مثلاً جب خاوند کہے "تجھے طلاق ہے قطعی" حتی کہ اس کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہہ دے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ ان شاء اللہ کا تعلق طلاق قطعی کے ساتھ ہے صرف "قطعی" سے نہیں، اگر اس میں

---

[1] جد الممتار حاشیۃ رد المحتار باب الرجعۃ حاشیہ نمبر ۱۰۸۷ المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا ۲/ ۶۶-۵۶۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۲

ان الاخری ینزل علیہا الطلاق وھو غیر مدخول بہا والتعلیق کالتکلم عند وجود الشرط فکانہ قال لہا حینئذ انت طالق طلاقا مغلظا فطلقت بطالق ولغا الوصف فافہم، واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم۔

طلاق کا وقوع صرف لفظ "طالق" اسم فاعل سے ہوتا تو پھر انشاء اللہ کا تعلق صرف لفظ "قطعی" یعنی البتّہ سے ہوتا، اور طلاق کے ساتھ نہ ہونے کی بناء پر طلاق واقع ہوجاتی، جیساکہ ردالمحتار میں بیان کیا ہے تو اس قاعدہ کی بناء پر یہ وہم نہیں کیا جاسکتا کہ دوسری نئی بیوی غیرمدخولہ ہونے کی وجہ سے اس پر مذکورہ شرط والی مغلظہ طلاق پڑی تو وہ انتِ طالق (تُو طلاق والی ہے) سے بائنہ ہوگئی، کیونکہ تعلیق میں شرط کے پائے جانے کے وقت طلاق والی کلام کا تکلم متحقق ہوتا ہے تو شرط پائے جانے پر گویا اس نے کہا تُو طلاق والی ہے طلاق مغلظہ کے ساتھ، تو غیرمدخولہ کو طالق کہنے پر بائنہ طلاق ہوگئی اور اس کے بعد مغلظ کا وصف لغو قرار پایا، اس وہم کے مدفوع ہونے پر غور کرنا چاہئے، واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹: از ریاست رامپور مرسلہ حبیب اللہ بیگ جماعت مولوی فاضل اورنٹیل کالج ۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی عورت سے کہتا ہے کہ تجھ پر تین شرطوں سے طلاق قول من حیث ہو قول کیا کسی چیز کی طرف اشارہ وغیرہ نہیں کیا بس تین شرطوں سے کہہ دیا یہ طلاق کون طلاق واقع ہوگئی اور کیوں؟ اور تین شرطوں سے کیا مراد ہے اور کیوں؟

الجواب

ظاہر الفاظ کا مفاد یہ ہے کہ طلاق بشرطِ مجہول دیتا ہے تو یہ کہنا ایسا ہُوا کہ تُو مطلقہ ہے، اگر تین شرطیں پائی جائیں اس صورت میں طلاق اصلاً واقع نہ ہوگی، درمختار میں ہے:

وشرط صحتہ ذکر المشروط فنحو انت طالق ان لغو بہ یفتی[1]

تعلیق کی صحت کے لئے مشروط کا ذکر ضروری ہے، تو یُوں کہنا "تجھے طلاق ہے اگر" لغو قرار پائے گا، اسی پر فتوٰی ہے (ت)

اور ایک احتمال یہ بھی ممکن کہ اس نے اپنے جاہلانہ محاورہ سے تین عدد کو تین شرطیں کہا ہو جیسے تین بار ہاتھ دھونے کو بعض جُہّال کہتے ہیں تینوں شرطیں پُوری کرلو۔ اگر یہ اس کا محاورہ ومقصود ہے تو تین طلاقیں ہوگئیں۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۰

یحمل کلام کل عاقد وحالف علی عرفه[1] عقد کرنے والے کے اور حلف دینے والے کلام کو اس کے عرف پر محمول کیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)
واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰: از چھاؤنی برار علاقہ ریاست گوالیار متصل عقب گرلس اسکول بمعرفت منشی سید امجد علی صاحب مرسلہ عطا حسین صاحب نقشہ نویس ۵ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے والد اور ہندہ نے زید سے اسٹامپ لکھوا کر کچہری میں رجسٹری کروائی ہے جن میں کے چند شرائط درج ہیں،

(۱) ہندہ تمام عمر اپنے باپ ہی کے مکان پر رہے گی۔

(۲) جو اس وقت اولاد موجود ہے اس کی مالک ہندہ ہوگی زید مالک نہیں ہوسکتا اور آئندہ جو اولاد ہوگی اس اولاد کی بھی مالک ہندہ ہوگی۔

(۳) ہندہ کی حیات میں تم دوسری شادی نہیں کرسکو گے۔

(۴) دس روپیہ ماہوار ہندہ کے خرچ کے لئے زید کو ہندہ کے والد کے مکان پر بھیجنا ہوں گے۔

(۵) میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر کسی وقت میں تین ماہ تک بہ استثنائے حوادثات زمانہ جس کو میری زوجہ تسلیم کرلے خرچ نہ بھیجوں یا شرط مذکورہ بالا میں سے کسی شرط کا ایفا نہ کروں تو میری یہ تحریر بجائے تین طلاق مغلظ وشرعی کے سمجھی جائے، یہ سب شرائط لکھنے کے بعد زید چھ ماہ تک ہندہ سے ملنے نہیں گیا اور نہ چھ ماہ تک ہندہ کے لئے خرچ بھیجا، بعد چھ ماہ کے زید ہندہ کے مکان پر گیا، ہندہ کے والد نے زید کو ہندہ سے ملنے دیا اور ہندہ کو زید کے ہمراہ رخصت کردیا، زید ہندہ کو اپنے مکان پر لے آیا، اسی طرح سے آنا جانا بنا رہا، بعد چار ماہ کے ہندہ کا خط زید کے پاس آیا مجھ کو خرچ بھیجو، زید اس وقت بوجہ قرضداری کے خرچ نہیں بھیج سکا، ہندہ کے والد نے پھر ایک خط زید کو بھیجا تم نے اپنی تحریر کے موافق خرچ نہیں بھیجا تین ماہ کے بجائے چار ماہ گزر گئے اس لئے تم دونوں کو شریعت نے بالکل علیحدہ کیا طلاق ہوچکی اب کسی طرح میل جول نہیں ہوسکتا تم کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ تیرہ سو بیس روپے حق مہر یکمشت ادا کردو اُس وقت اولاد کا دعوٰی کرنا زید ہندہ کے والد کے پاس گیا زید نے یہ کہا جبکہ میں نے چھ چھ ماہ تک خرچ نہیں بھیجا اور ہندہ کو آپ نے میرے ہمراہ رخصت کردیا، اتنے عرصہ تک خرچ نہ بھیجنے پر اُس وقت طلاق کیوں نہیں ہوئی، ہندہ کے والد نے جواب دیا ہندہ نے تم کو خرچ بھیجنے کیلئے نہیں لکھا تھا اب ہندہ نے تم کو خرچ منگوانے کے لئے لکھا ہے اس وقت سے تین ماہ رکھے گئے ہیں پھر زید نے

---

[1] ردالمحتار باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۹

یہ سوال کیا کہ اسٹامپ میں آپ نے یا ہندہ نے یہ نہیں درج کروایا ہے کہ خرچ منگوانے پر تین ماہ رکھے جائیں، پھر زید نے ہندہ کا خط ہندہ کے والد کے روبرو پیش کیا، تین ماہ گزرنے میں پانچ یوم باقی ہیں ہندہ کے والد نے زید سے کہا تین ماہ کے تیس ۳۰ روپے دے دو، تیس ۳۰ روپے دینے پر بھی تم ہندہ سے نہیں مل سکو گے اس وقت تک جبکہ تمھاری زوجہ تم کو خرچ نہ بھیجنے پر معذور سمجھے اور علمائے دین سے دریافت کیا جائے اگر علمائے دین ملنے کی اجازت دے دیں اس وقت تم کو اطلاع دے دیں گے تم آکر اپنی زوجہ کو رخصت کرا لے جانا اور اگر علمائے دین نے ملنے کی اجازت نہ دی اور طلاق مقرر کر دی تو تمھارے تیس ۳۰ روپے واپس کر دئے جائیں گے، زید نے کہا اس وقت میرے پاس تیس ۳۰ روپے نہیں فی الحال دس روپے لے لیجئے مکان پر پہنچ کر بیس ۲۰ روپے اور بھیج دوں گا انھوں نے دس روپے نہیں لئے، زید کو واپس لوٹا دیا، ہندہ کے والد نہ تو زید کو اولاد دیتے ہیں اور نہ ہندہ سے ملنے دیتے ہیں، زید میں اس قدر حیثیت نہیں ہے کہ تیرہ سو بیس ۱۳۲۰ روپیہ حق مہر یکمشت ادا کر سکے، اب ہندہ کے والد یہ کہتے ہیں کہ علماء سے اجازت لو اگر علمائے دین ہندہ سے ملنے کی اجازت دے دیں تو پھر مجھ کو کچھ عذر نہ ہوگا تمھارے ساتھ ہندہ کو رخصت کر دوں گا، اب عرض یہ ہے کہ ان سب شرائط سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ ہندہ کے والد نے زید کو لکھا ہے کہ جس عالم سے تم فتوٰی منگواؤ اگر وہ لکھیں کہ طلاق نہیں ہوئی تو ان کو ضرور لکھ دینا کہ جس کتاب سے طلاق نہیں ہوئی ہے (ثابت ہے) اس کتاب کا نام اور صفحہ کا نمبر ضرور لکھیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ سب جاہلانہ خرافات ہیں، وہ اقرار نامہ باطل محض ہے اس میں جتنی شرطیں لگائیں سب باطل و مردود و خلافِ شرع ہیں، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کان مائۃ شرط فقضاء اللہ احق وشرط اللہ اوثق[1] رواہ البخاری ومسلم عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا۔

کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی شریعت میں نہیں، جو شرط شریعت کے خلاف ہو وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں، اللہ کا حکم حق ہے اور اللہ کی شرط مؤکد (اس کو بخاری اور مسلم نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ت)

اور اب باپ ہی کے یہاں رہے گی اور موجودہ اولاد کی وہی مالک ہوگی اور آئندہ اولاد کی بھی وہی مالک ہوگی اور

---

[1] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۷

باپ کے گھر بیٹھے نفع پائے گی یہ سب شرطیں خلافِ شرع و مردود ہیں، پانچویں شرط کہ خلاف کرے تو یہی تحریر تین طلاق سمجھی جائے یہ بھی باطل ہے غیر طلاق کو طلاق سمجھنا کیا معنی، فتاوی قاضی خاں میں ہے:

امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده، فقال الزوج داده انگار او کرده انگار لایقع وان نوی کانه قال لها بالعربیة احسبی انك طالق وان قال ذلك لایقع وان نوی[1] اھ ملخصًا۔

ایک عورت نے اپنے خاوند کو کہا تو مجھے طلاق دے، تو خاوند نے کہا دی ہوئی یا کی ہوئی سمجھ، تو طلاق نہ ہوگی خواہ نیت بھی کی ہو۔ گویا خاوند نے عربی میں کہا تُو خیال کرلے کہ تُو طلاق والی ہے۔ تو ایسا کہنے پر طلاق نہیں اگرچہ نیتِ طلاق بھی ہو، اھ ملخصًا (ت)

اُسی میں ہے:

لو قیل لرجل اطلقت امرأتك فقال عدها مطلقة او احسبها مطلقة لاتطلق امرأته[2]

اگر کسی شخص کو یہ کہا جائے کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو وُہ جواب میں کہے تُو اس کو مطلقہ شمار کر، یا کہے بیوی کو مطلقہ سمجھ لے، تو اس سے طلاق نہ ہوگی (ت)

بالجملہ نہ صورتِ مستفسرہ میں طلاق ہُوئی نہ عورت مالکِ اولاد ہوسکتی ہے،

قال اللہ تعالٰی وعلی المولود له رزقهن[3]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیوی کا نفقہ اولاد والے یعنی خاوند پر ہے۔ (ت)

ہاں حقِ حضانت لڑکا سات برس کی عمر تک ماں کے پاس رہے گا اور لڑکی نو برس کی عمر تک، پھر باپ لے گا۔ شوہر اگر اپنے پاس بلانا چاہے تو عورت کو باپ کے گھر رہنے کا کوئی اختیار نہیں،

قال اللہ تعالٰی اسکنوهن من حیث سکنتم[4]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم اپنی بیویوں کو وہاں رکھو جہاں تم سکونت پذیر ہو۔ (ت)

اگر شوہر کے پاس آنے سے انکار کرے گی نفقہ پانے کی مستحق نہ ہوگی۔ عامۂ کتب میں ہے: لانفقة للناشزة[5]۔

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۰

[2] " " " " " ۲/ ۲۱۳

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۳

[4] القرآن الکریم ۶۵/ ۶

[5] بحرالرائق باب النفقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۹۶

ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۷

(نافرمان بیوی کے لئے نفقہ نہیں۔ ت) مہر اگر نہ معجّل تھا نہ مؤجل یعنی نہ رخصت سے پہلے دینا قرار پایا تھا نہ کوئی میعاد معین مثلاً سال دو سال قرار پائی تھی تو جب تک موت یا طلاق نہ ہو عورت کو اس کے مطالبہ کا کچھ اختیار نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

مؤخر المھر حق طلبہ انما ثبت لھا بعد الموت او الطلاق[1]

مؤخر کردہ مہر کا مطالبہ، طلاق یا موت کے بعد ہو سکتا ہے۔ (ت)

پدر ہندہ کا یہ شرط لگانا کہ کتاب کا صفحہ بتایا جائے انھیں شرائط کے قبیل سے ہے جو اس نے اقرار نامہ میں لکھوائیں اگر وہ ذی علم ہوتا اس پر یہ احکام مخفی نہ رہتے نہ ایسا مہمل اقرار نامہ لکھواتا نہ یہ ہوتا کہ چھ مہینے گزرنے پر طلاق نہ سمجھی تین مہینے گزرنے پر طلاق ہے اور جو بے علم ہے اس کا حوالہ وصفحہ طلب کرنا اپنے منصب سے بڑھنا ہے اور اسے صفحہ بتانا فضول، اُسے یہ حکم ہے کہ علماء سے دریافت کرے نہ یہ کہ صفحہ سطر جانچے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱: از جبلپور محلہ بھان تلیا مرسلہ محمد نظیر داد خاں سوال نویس کچہری خفیفہ ۲۰ رجب ۱۳۱۸ھ

منکہ علاء الدین ولد شیخ رجب قوم مسلمان ساکن جبلپور محلہ گلگلا تالاب کا ہوں، چونکہ بوجہ دو عورتوں کے بیاہا تھا عورت میری سے آپس میں تکرار ہُوا کرتی تھی سو آج کے روز رُوبرو گواہان ذیل یہ تصفیہ ہُوا کہ میں بلاعذر کھانا کپڑا دیا کروں گا اور رات کے وقت مکان میں بھی رہا کروں گا اور بالفرض اگر میں ایک ماہ تک بلاوجہ کھانا کپڑا نہ دُوں اور مکان میں رات کے وقت نہ رہوں تو رُوبرو گواہان یہ تصفیہ ہوا کہ عورت مذکورہ ہمارے نکاح سے باہر مثل طلاق کے ہو جائے اور میری لگت فسخ ہو جائے اور جو ڈگری عدالت سے ہمارے نام کی ہے وہ بھی باطل ہو جائے اور بیاہتا عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مکان میں جو اس کے باپ کا ہے رہے میں بھی اُسی جگہ رہوں گا اور کھانا کپڑا دُوں گا اس میں کسی طرح کا عذر وحیلہ نہ کروں گا عذر کروں تو جھوٹ، اس واسطے یہ چند کلمے بطریق اقرار نامہ کے لکھ دئے کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

میری شادی علاء الدین کے ساتھ عرصہ سات سال کا ہُوا ہو گئی تھی اب میرے والدین قضا کر گئے اور میرا کوئی سرپرست نہیں رہا، میرے خاوند نے عرصہ چھ سال کا ہُوا کہ ایک دُوسرا نکاح کر لیا اور اس کے ہمراہ رہا کرتا ہے میری کسی طرح سے کفالت نہیں کرتا ایک مرتبہ پنچایت میں اس نے میرے نان نفقہ کا اقرار کرکے ایک اقرار نامہ مورخہ ۱۷ جون ۱۸۹۹ء کو تحریر کر دیا تھا اور اقرار کیا تھا کہ اگر اقرار پُورا نہ کروں تو طلاق ہو جائے مگر اس نے اپنا عہد پُورا نہیں کیا اور میری وہ کیفیت ہے جو سابق میں تھی اب میں گزراوقات کس طرح کروں اور میں نکاح سے

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی المجلس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

باہر کیونکر ہوسکتی ہوں مجھے اُس سے کچھ اُمید نہیں۔ مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۰۰ء عرضی مستماۃ بتول ولد بچن خاں

میاں نظیر داد خاں: باوجود ہونے پنچایت اور تحریر اقرار نامہ کے علاء الدین مستماۃ بتول کی پرورش بالکل نہیں کرتا اور مخفی رہتا ہے، کیا بموجب تحریر اشٹامپ طلاق ہوگئی، اگر ہوگئی ہو تو مطلع کرو اس کا عقد ثانی کرا دیا جائے تاکہ بلا سے نجات ہو، اس شخص نے کبھی کفالت نہیں کی اور نہ اُمید پائی جاتی ہے۔ مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۰۰ء

محمد خاں: بخدمت مولٰنا عبدالسلام صاحب زاد فیضہ۔ چونکہ یہ مذہبی معاملہ ہے، میرے پاس یہ کاغذات آئے، میں نے شروع سے اخیر تک دیکھا واقعی علاء الدین اپنی بیاہتا عورت سے کسی قسم کا سروکار نہیں رکھتا اور نہ اس کی کفالت کرتا ہے اُس نے ایک دُوسرا نکاح کرلیا ہے اُس کی ہمراہی میں رہتا ہے، ایسی حالت میں اُس کی زندگی پار ہونا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، آپ تحریر فرمائیے کہ یہ نکاح سے باہر ہُوئی یا نہیں، اور عقدِ ثانی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔ ۱۶ اگست ۱۹۰۰ء محمد نظیر داد

خلاصۂ جواب: بصورتِ مستفسرہ میں ثبوت کتابت اقرار نامہ ہذا بلا اکراہ، از علاء الدین یا از جانب علاء الدین مع تحقیق خلاف اقرار نامہ یعنی ترک نان ونفقہ زوجہ و ترک شب باشی با زوجہ تا یک ماہ معلق علیہا الطلاق مستلزم ترتب الجزاء علی الشرط یعنی وقوع طلاق کا ہے بعد انقضائے مدۃ معینہ بلاشک اس کی زوجہ مذکورہ پر طلاق بائن واقع ہوگی اور وہ عورت اس کے نکاح سے باہر ہوجائے گی۔ فتاوی الخیریہ لنفع البریہ میں ہے:

لا شك اذا وجدت الغيبة والترك المعلق عليهما الطلاق انه يقع لوجود الشرط الموجب للجزاء[1] الخ.

اس میں شک نہیں کہ وُہ غیر حاضری اور ترکِ معاملہ جس پر طلاق کو معلق کیا گیا ہو اگر پایا جائے تو طلاق ہوجائیگی کیونکہ جزاء لازم کرنے والی شرط پائی گئی الخ (ت)

بعد انقضائے عدت طلاق وُہ عورت عقد کرسکتی ہے۔

بجنسہٖ کاغذات ہذا خدمت میں عالیجناب مولانا مولوی احمد رضا صاحب بریلوی کے مرسل ہو کر گزارش کی جاتی ہے کہ بعد ملاحظہ رائے مناسب سے اطلاع بخشیں۔ المرقوم ۴ ستمبر ۱۹۰۰ء

الجواب

فی الواقع علاء الدین کا کلام مذکور جہاں تک مقتضاء نظر فقہی ہے تعلیق شرعی ہے کہ وقت وجود شرط موجب وقوع طلاق بائن و زوال نکاح وجواز نکاح ثانی زن بعد انقضائے عدت ہے جیسا کہ فاضل مجیب سلمہ اللہ القریب المجیب نے بیان فرمایا،

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۵

الظاہر ان لایجعل قولہ تو رو برو گواہان یہ تصفیہ ہوا فاصلا بین الشرط والجزاء لانہ من باب التاکید المفید والتائید المزید فلایکون اجنبیا، (قال فی الدر) قال لہا انت طالق ان شاء اللہ تعالٰی متصلا الا لتنفس او سعال او جشاء او عطاس او ثقل لسان او امساك فم او فاصل مفید لتاکید او تکمیل او حد او طالق او نداء کانت طالق یا زانیۃ او طالق ان شاء اللہ صح الاستثناء بخلاف الفاصل اللغو کانت طالق رجعیا ان شاء اللہ[1] الخ وفی الہندیۃ رجل قال لامرأتہ انت طالق ثلاثا فاعلمی ان شاء اللہ صح الاستثناء ولو قال انت طالق ثلاثا اعلمی ان شاء اللہ او قال اذہبی ان شاء اللہ طلقت ثلثا وبطل الاستثناء کذا فی فتاوٰی قاضی خان[2] اھ وفیہا فی فصل الطلاق قبل الدخول لو قال انت طالق اشہدوا ثلثا فواحدۃ ولو قال فاشہدوا فثلثت

ظاہر یہی ہے کہ خاوند کا کہنا "تو رو برو گواہان یہ تصفیہ ہوا" شرط اور جزاء کے درمیان فاصل نہ بنے گا کیونکہ درمیان میں اس کا یہ کہنا مفید تاکید و تائید مزید ہے لہذا یہ کلام اجنبی نہ ہوگا۔ دُر میں فرمایا: خاوند نے بیوی کو کہا تجھے طلاق ہے اِن شاء اللہ تعالٰی، تو یہ متصل استثناء صحیح ہوگا یعنی طلاق نہ ہوگی اور اگر کھانسی یا سانس یا سی یا ڈکار یا چھینک یا زبان کے ثقل یا منہ کی بندش یا کوئی اور فاصل جو مفید تاکید یا تکمیل طلاق ہو یا وہ فاصل حد یا طلاق یا ندا کیلئے مفید ہو تو بھی استثناء صحیح ہوگا، مثلاً کوئی کہے انت طالق اے زانیہ انشاء اللہ یا کہے تجھے طلاق انشاء اللہ، تو طلاق نہ ہوگی، اس کے برخلاف کلام اور استثناء میں وہ فاصل جو لغو ہو مثلاً یوں کہے تجھے طلاق رجعی انشاء اللہ، تو استثناء صحیح نہ ہوگا اور طلاق ہوجائے گی الخ۔ ہندیہ میں ہے ایک شخص نے بیوی کو کہا تجھے تین طلاق پس جان لے انشاء اللہ، تو استثناء صحیح ہوگا، اور اگر یوں کہا تجھے طلاق تین جان لے انشاء اللہ، یا کہا جا چلی جا انشاء اللہ تو بیوی کو تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی اور یہ استثناء باطل قرار پائیگا۔ یوں ہی فتاوٰی قاضی خان میں ہے الخ۔ اور ہندیہ میں طلاق قبل دخول کی فصل میں ہے کہ اگر کہے تجھے طلاق ہے گواہ ہوجاؤ انشاء اللہ، تو استثناء صحیح نہ ہوگا اور ایک طلاق ہوگی، اور اگر گواہ ہوجاؤ

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ١/٢٣٣

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الرابع فی الاستثناء نورانی کتب خانہ پشاور ١/٤٦٠

کذا فی العتابیۃ[1] اھ ومثلہ فی ھذا الباب المذکور من ردالمحتار عن البحر من الظھیریۃ قال وحاصلہ ان انقطاع النفس وامساك الفم لایقطع الاتصال بین الطلاق وعددہ وکذا النداء لانہ لتعیین المخاطبۃ وکذا عطف فاشھد بالفاء لانھا تعلق مابعدھا بماقبلھا فصار الکل کلاما واحدا[2]۔

کی بجائے پس گواہ ہوجاؤ کہا، تو تین طلاقیں ہوں گی، عتابیہ میں یونہی ہے اھ، اسی باب میں ردالمحتار نے بحر سے انھوں نے ظہیریہ سے نقل کیا اور کہا حاصل یہ ہے کہ سانس کا ٹوٹ جانا یا منہ بند ہوجانا طلاق اور اس کے عدد میں اتصال کو منقطع نہ کرے گا اور یوں مخاطبہ کو معین معین کرنے کے لئے ندا بھی فاصل نہ بنے گی، اور اسی طرح فاشھدوا، فاء کے ساتھ عطف بھی فاصل نہ ہوگا کیونکہ مابعد کا ماقبل سے تعلق ہوتا ہے تو پورا کلام واحد ہوگا (ت)

تحقق شرط میں اتنے امر کالحاظ ضرور ہے کہ مہینہ بھرتک روٹی کپڑا نہ دینا اور شب کو مکان میں نہ رہنا بلاوجہ مقبول شرعی ہُوا ہو کہ شرط میں "بلاوجہ" کا لفظ مذکور ہے تو کسی وجہ قابل قبول شرع کے باعث اگر مہینہ بلکہ برس گزر گیا اور اُسے نہ کھانا کپڑا دیا نہ مکان میں رہا تو طلاق نہ ہوگی، یُوں ہی اگر دونوں شرط مذکور یعنی عدم انفاق وعدم شب باشی سے صرف ایک ثابت ہُوئی مثلاً یہ تو ثابت ہُوا کہ بلاوجہ مہینہ بھرتک روٹی کپڑا نہ دیا مگر مہینہ بھرتک رات کو مکان میں بلاوجہ نہ رہنے کا ثبوت نہ ہوسکا یا بالعکس تو جب بھی طلاق ثابت نہ ہوگی کہ یہاں دونوں شرطوں کا ثبوت ثبوتِ طلاق کے لئے ضرور ہے۔

فی ردالمحتار ان لم یکرر اداۃ الشرط فلابد من وجود الشیئین قدم الجزاء علیھا اواخرہ[3] بحر، ملخصا۔

ردالمحتار میں ہے اگر حرفِ شرط مکرر نہ ہو تو دو چیزوں یعنی شرط وجزا کا پایا جانا ضروری ہے، جزا کو شرط سے مقدم ذکر کیا ہو یا موخر ذکر کیا ہو، برابر ہے، بحر، ملخصاً۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہُوا کہ اس مقدمے میں بالاتفاق بارِ ثبوت عورت کے ذمّے ہے کہ مہینہ بھرتک نان ونفقہ نہ ملنے کے باب میں اگرچہ عورت محتاجِ گواہان نہیں بلکہ صرف اُس کا بیان حلفی کافی ہے،

وعند قیام الزوجیۃ وکونھا مستحقۃ

زوجیت پائی جائے اور بیوی خاوند سے خرچہ وصول

---

[1] فتاوٰی ہندیہ | الفصل الرابع فی الطلاق قبل الدخول | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/ ۳۷۳
[2] ردالمحتار | باب طلاق غیر المدخول بہا | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۴۵۶
[3] " " | باب التعلیق | " " " " " | ۲/ ۵۰۸

لینفقه کما یشهد به کتابة الزوج لا یکون الوجه المانع الاحادثا فیکون الظاهر مع المرأة المنکرة حدوثه فان ادعاه الزوج فلیثبته ـ

کرنے کی مستحق ہو جیسا کہ خاوند کی تحریر شاہد ہے تو پھر کسی نئے حادثہ کے بغیر نفقہ سے کوئی مانع نہیں اور ظاہر حال عورت کے حق میں ہے جبکہ وُہ ایسے حادثے کا انکار کرتی ہو پھر اگر خاوند اس حادثہ کا مدعی ہو تو خاوند پر حادثہ کو ثابت کرنا لازم ہوگا۔ (ت)

مگر صرف اسی قدر تو شرط طلاق تھا بلکہ مہینہ بھر تک بلاوجہ ترک شب باشی بھی، اور اس کا ثبوت گواہان شرعی سے دینا بلاشبہہ عورت پر لازم ہے فقط اُس کا بیان اگرچہ حلفی ہو یہاں ہرگز معتبر نہیں،

لانها ترید بهذا اثبات الطلاق وهو ینکره والبینة علی النفی مسموعة فی الشروط فی الدر المختار (ان اختلفا فی وجود الشرط) ای ثبوته لیعم العدمی (فالقول له مع الیمین) لانکاره الطلاق ومفاده انه لو علق طلاقها بعدم وصول نفقتها ایا ما فادعی الوصول وانکرت ان القول له وبه جزم فی القنیة، لکن صحح فی الخلاصة والبزازیة ان القول لها واقره فی البحر والنهر وهو یقتضی تخصیص المتون، لکن قال المصنف وجزم شیخنا فی فتواه بما تفیده المتون والشروح لانها الموضوعة لنقل المذهب کما لا یخفی، (الا اذا برهنت) فان البینة

کیونکہ بیوی اس سے اثباتِ طلاق کا ارادہ رکھتی ہے اور خاوند طلاق سے انکار کر رہا ہے جبکہ شرائط کے متعلق نفی پر بھی گواہی قابلِ سماعت ہے۔ درمختار میں ہے (اگر خاوند اور بیوی نے طلاق سے متعلق شرط کے پائے جانے میں اختلاف کیا) یعنی شرط کے ثبوت میں، تاکہ یہ عدمی شرط کو بھی شامل ہو سکے (تو خاوند کی بات کو اس قسم کے ساتھ تسلیم کیا جائے گا) کیونکہ وُہ طلاق سے انکاری ہے۔ اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر خاوند نے طلاق کو چند دن نفقہ نہ پہنچانے سے معلق کیا تھا تو اب اختلاف میں خاوند کا موقف یہ ہے کہ اس نے نفقہ پابندی سے پہنچایا ہے اور بیوی اس کا انکار کرتی ہے تو اس میں خاوند کی بات معتبر ہوگی، قنیہ میں اسی پر جزم کیا ہے لیکن خلاصہ اور بزازیہ میں بیوی کی بات معتبر قرار دینے کو صحیح قرار دیا ہے، اسی کو بحر اور نہر میں ثابت رکھا ہے، اور وُہ متون کی تخصیص کا متقاضی ہے لیکن مصنف نے فرمایا کہ ہمارے شیخ نے اپنے فتاوی میں اس پر جزم کا اظہار فرمایا جس کو متون اور شروح نے بیان کیا ہے کیونکہ مذہب کی ترجمانی کے لئے یہی موضوع ہیں جیسا کہ مخفی نہیں ہے (الّا یہ کہ بیوی گواہ پیش

تقبل علی الشرط وان کان نفیاً[1] اھ فی
رد المحتار قوله واقرّه فی البحر حیث قال فی
فصل الامر بالید قیل القول له لانه منکر لوقوع
لکن لایثبت وصول النفقة الیها والاصح
ان القول قولها فی ھذا وفی کل موضع یدعی
ایفاء حق وھی تنکرہ اھ، ونقل الخیر الرملی
ایضا تصحیحه عن الفیض والفصول، قوله
وھو یقتضی تخصیص المتون ای تخصیصها
بکون القول له اذا لم یتضمن دعوی ایصال
مال حملا للمطلق علی المقید[2] اھ باختصار،
وفی غمز العیون صحح فی خلاصة الفتاوی و
البزازیة عدم قبول قوله فی کل موضع یدعی
ایفاء حق مالی وھی تنکر فھذا یقتضی تخصیص
المتون فاغتنم ھذا[3]۔

کرے) کیونکہ شرط کے متعلق گواہی قبول ہوتی ہے اگرچہ یہ
شرط منفی ہو اھ، اس مقام پر ردالمحتار میں ہے کہ ماتن
کا قول کہ اس (بیوی کی بات معتبر ہے) کو بحر میں ثابت رکھا،
یہ بات انھوں نے فصل امر بالید میں یوں کہی ہے کہ بعض
نے کہا ہے کہ خاوند کی بات معتبر ہوگی کیونکہ وہ طلاق کے
وقوع کا منکر ہے، مگر اس کے ساتھ وہ نفقہ بیوی تک پہنچانے
کو ثابت نہیں کر رہا، لہذا اصح یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بیوی کی
بات معتبر ہوگی اور اسی طرح ہر ایسے مقام میں جہاں
خاوند حق کو پورا کرنے کا مدعی ہو اور بیوی منکر ہو تو بیوی کی
بات معتبر ہوگی اھ، خیرالدین رملی نے بھی فیض اور فصول سے
اس کی تصحیح کو نقل کیا ہے، اور ماتن کا قول کہ یہ (بیوی
کی بات کو معتبر قرار دینا) متون کی تخصیص کا متقاضی ہے
یعنی متون کے اس قول کا کہ خاوند کی بات معتبر ہوگی بایں
صورت کہ خاوند کا دعوٰی مالی حق کو پہنچانے پر مشتمل نہ ہو یعنی
متون کی مطلق عبارت کو مقید بنانے سے تخصیص ہوگی اھ مختصراً۔ اور غمز العیون میں ہے کہ خلاصۃ الفتاوی اور بزازیہ میں
ہر ایسے مقام پر جہاں خاوند کے مالی حق کو پہنچانے کا دعوٰی ہو اور بیوی کا انکار ہو تو خاوند کی بات کے معتبر نہ ہونے کی
تصحیح کی ہے، لہذا یہ بات متون کی تخصیص کا تقاضا کر رہی ہے، اس بحث کو غنیمت سمجھو۔ (ت)

وجوہ شرعیہ جو یہاں قابل قبول ہوں متعدد ہیں مگر اُن کے بیان سے دست کشی کی جاتی ہے کہ تعلیم نہ ہو اگر
کوئی وجہ باعثِ ترک تھی تو علاءُ الدین خود بیان کردے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲: از کلکتہ ٹرین اسٹریٹ ۹۲ مسجد ثمر خلیفہ مرسلہ عبدالرشید صاحب ۹ ذی الحجۃ المبارک ۱۳۲۰ھ

مرجع خاص وعام ملاذ علمائے کرام لازالت عتبتهم کهف الانام سلام مسنون برسم فدویان عقیدت کیش

۱؎ درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱
۲؎ ردالمحتار ؍؍ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۰۲
۳؎ غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الطلاق ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۵۶

بجا آوردہ، گزارش یہ ہے بنگالہ کے بعض دیار میں یہ دستور نوایجاد ہے کہ جب نوشہ شامل برات دُلھن کے مکان پر جاتا ہے تو دُلھن کے اولیاء واقربا غیر مناسب شرائط سے کابین لکھوا کر نوشہ کو اوپر دستخط کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور درصورت عدم دستخط لڑکی دینے سے انکار کرتے ہیں، بیچارہ نوشہ بخوفِ ندامت وتضیع زیورات واسباب شادی جبراً وقہراً اس پر دستخط کردیتا ہے اور بعد دستخط کرنے کے باقاعدہ رجسٹری بھی کرادیتا ہے حالانکہ پیشتر اس مجلس نکاح کے ان بیہودہ شرائط کا تذکرہ تک نہیں ہوتا ہے، منجملہ اُن غیر مناسب شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ تاحینِ حیات منکوحہ ہذا اور کسی عورت سے ہرگز شادی ونکاح نہ کروں گا، اگر کروں تو وُہ دوسری عورت مطلقہ بطلاق ثلاثہ بائنہ ہوگی خواہ منکوحہ ہذا بروقت نکاح با زنِ دیگر میرے نکاح میں موجود ہو یا نہ ہو۔ پس دریں صورت مسئولست کہ شرعاً ایسی بھی صورت ہے کہ ناکح مذکور کو اس منکوحہ کے حینِ حیات میں دوسری عورت سے نکاح کرنا جائز ہوجائے، بیّنوا بحوالۃ الکتاب توجروا عند الوھاب جواب بحوالۂ کتب فقہیہ مع نقل عبارت مرحمت ہو۔

الجواب

اگر کوئی فضولی بطورِ خود بے اُس کی توکیل کے اُس کا نکاح کسی عورت سے کردے اور وُہ شخص اجازت فعلی سے اسے جائز ونافذ کردے زبان سے کچھ لفظ نہ کہے تو اس صورت میں منکوحہ ثانیہ پر طلاق اصلاً نہ ہوگی اگرچہ منکوحہ اولٰی ہنوز خود اس کے نکاح میں موجود ہو اور فضولی یوں آپ نہ کرے تو اس قسم کے الفاظ اس کے سامنے کہے کہ کاش کوئی فلاں عورت سے میرا نکاح کردیتا یا کیا اچھا ہوتا کہ کوئی دوست بطورِ خود میرا عقد اس سے کردیتا،

وذٰلک لان ھذا الفاظ الامانی دون الانابۃ حتی یکون توکیلا۔

یہ اس لئے کہ یہ الفاظ تمنائی ہیں یہ نیابت ثابت نہیں کرتے حتی کہ وکیل بنانا متصور ہوسکے۔ (ت)

اور اجازت فعلی یہ کہ مثلاً عورت کو مہر جو مقرر ہوا ہے بھیج دے یا زبان سے نہ کہے کاغذ پر لکھ دے کہ میں نے اس نکاح کو نافذ کیا اور اگر فضولی خواہ کسی نے اس عقد فضولی کی اس کو مبارکباد دی اور اسے سُن کر سکوت کیا جب بھی عقد صحیح اور نافذ ہوگیا اور طلاق نہ پڑے گی، درمختار میں ہے،

نہ وجہ فضولی فاجاز بالقول حنث وبالفعل ومنہ الکتابۃ لایحنث بہ یفتی خانیۃ[1]۔

کسی کا نکاح فضولی شخص نے کردیا تو اس شخص نے زبانی جائز کہہ دیا تو قسم ٹوٹ جائیگی اور عملی کارروائی سے جس میں لکھنا بھی شامل ہے، جائز کرے تو قسم نہ ٹوٹے گی، خانیہ۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذٰلک مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱۴

ردالمحتار میں ہے :

فی حاوی الزاهدی لوهنأه الناس بنکاح الفضولی فسکت فهذا اجازة[1]

زاہدی کی کتاب حاوی میں ہے کہ اگر کسی کو لوگوں نے فضولی نکاح پر مبارکباد دی، تو وہ خاموش رہا، تو یہ اجازت متصور ہوگی۔ (ت)

اشباہ میں ہے :

حلف لایتزوج فالحیلة ان یزوجه فضولی ویجیزه بالفعل[2]

اگر کسی نے شادی نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہو تو اس کے لئے شادی کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ کوئی فضولی شخص اس کا نکاح کر دے اور یہ شخص کسی فعل کے ذریعہ سے اس نکاح کو جائز کر دے۔ (ت)

غمز میں ہے :

الاجازة بالفعل کبعث المهر او شیئ منه والمراد الوصول الیها ذکره الصدر الشهید رحمه الله تعالٰی، وقیل سوق المهر یکفی مطلقا لان المجوزة الاجازة بالفعل وهو تحقق بالسوق[3]

عملاً (فعل کے ذریعے) نکاح جائز کرنے کی صورت یہ ہے کہ وہ شخص مہر یا اپنی طرف سے کوئی چیز بھیج دے یعنی منکوحہ کو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خاص اس تک پہنچ جائے یہ بات صدر شہید نے ذکر کی ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ بیوی کو دینے کی بجائے محض مہر روانہ کر دینا ہی نکاح کی فعلی اجازت کافی ہے کیونکہ بالفعل اجازت کو جائز قرار دیا گیا ہے تو روانہ کر دینا بھی فعل ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے :

ینبغی ان یجیئ الی عالم ویقول له ما حلف واحتیاجه الی نکاح الفضولی فیزوجه العالم امرأة ویجیز بالفعل فلا یحنث وکذا اذا قال لجماعة لی حاجة الی نکاح الفضولی

مناسب یہ ہے کہ ایسا شخص کسی عالم کے پاس آکر اپنی قسم کے بارے میں بتائے اور فضولی شخص کے نکاح کر دینے کی حاجت ظاہر کرے تو وہ عالم اس کا کسی عورت سے خود نکاح کر دے، اور یہ اس نکاح کی اجازت اپنے کسی فعل سے دے تو

---

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۳۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الخامس الحیل فی النکاح ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۹۵،۲۹۶

[3] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر مع الاشباہ الفن الخامس " " " " ۲/ ۲۹۵،۲۹۶

فزوجه واحد منهم اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا[1] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

قسم نہ ٹوٹے گی اور یہی حکم ہے اگر کسی جماعت کے سامنے وُہ کہے کہ مجھے فضولی شخص کے نکاح کی ضرورت ہے تو اس جماعت کا کوئی فرد اس کا نکاح کردے، لیکن جب کسی کو اس نے یُوں کہہ دیا کہ تو فضولی بن کر میرا نکاح کردے تو قسم ٹُوٹ جائے گی کیونکہ اس صورت میں وکیل بنا رہا ہے لہذا وہ وکیل بنے گا فضولی نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۳: از کلکتہ مولوی امداد علی لین مرسلہ مولوی محمد عبدالعزیز صاحب ۲۱ شوال ۱۳۱۴ھ

بدرورہ عرض خدام برترمقام دام اقبالکم، پس از سلام سنت خیرالانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام، معروض اینکہ مسئلہ مالاینحل فی دیارنا پیشکش ملازمان می نمایم جواب شافیش عنایت فرمودہ رہین منت سازند جناب من بعضے اختلاف بدینگونہ می آورند کہ بر غیر مدخول بہا بعد از وقوع یک طلاق ثانی وثالث واقع نخواہد شد مگر ارادہ آنکس درینجا وقوع طلاق علی الانفراد نیست بلکہ باہم واقع کردن ست وسیاق کلام بنگالہ اش ہم ہمچنیں است احقر درینجا بعینہٖ ترجمہ بنگالہ نمود، زیادہ حدِ ادب۔

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں شخص درکابین نامہ زوجہ خود نوشتہ داد کہ من بلا اجازت تو واجازت ولی معتبر تو نکاحِ دیگر نخواہم کرد و اگر بکنم کل دین مہر تو ادا نمودہ از تو وازولی تو اجازت گرفتہ خواہم کرد ورنہ بر منکوحہ ثانیہ دیگر یک طلاق دو طلاق سہ طلاق واقع خواہد شد پس آں شخص یکے را ہم از شرائط مذکور بعمل نیاوردہ زنے را بعقد نکاح خود آورد اینک زوجہ ثانیہ اش

خدام کی عرض کو پُورا کرنے والے، برتر مقام والے، دام اقبالکم، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مسنون سلام کے بعد معروض یہ ہے کہ ہمارے علاقہ کا ایک لاینحل مسئلہ جناب کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اس کا شافی جواب عنایت فرمادیں تو ممنونِ احسان ہوں گے۔ جنابِ من! بعض نے یہ اختلاف کیا ہے کہ غیر مدخولہ عورت پر ایک طلاق کے بعد دوسری اور تیسری طلاق واقع نہ ہوگی جبکہ یہاں خاوند کا منشا تینوں طلاقوں کو علیحدہ علیحدہ دینا نہیں ہے بلکہ اکٹھی دینے کا ارادہ ہے، اور بنگالی زبان کا سیاق بھی یہی ہے۔ احقر یہاں بنگالی زبان کا ترجمہ بعینہٖ پیش کرتا ہے، زیادہ حدِ ادب۔

اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نکاح نامہ میں بیوی کو لکھ دیا کہ میں تیری اور تیرے معتبر ولی کی اجازت کے بغیر دُوسرا نکاح نہ کروں گا، اگر کروں تو تیرا مکمل مہر ادا شدہ ہوگا اور تجھ سے اور تیرے ولی سے اجازت کے ساتھ ہوگا ورنہ میری دوسری منکوحہ پر ایک طلاق،

---

[1] بحرالرائق باب التعلیق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۷

مطلقہ بسہ طلاق خواہد شد یا نہ؟ بینوا توجروا۔

دوسری طلاق تیسری طلاق ہوگی، اس کے بعد اس شخص نے کوئی شرط پوری کئے بغیر دوسری عورت سے نکاح کرلیا، تو اس کی دوسری بیوی کو تین طلاق ہوں گی یا نہیں؟ بینوا توجروا (ت)

الجواب

اصل اینست کہ معلق ہنگام وجود شرط فرود می آید گویا اینک بجز منجز تکلم کردہ است و زن نامدخولہ اگرچہ محلِ وقوع سہ طلاق بیکبار ہست و لہذا اگر اورا گوید بر تو سہ طلاق یا اگر بایں خانہ در آئی سہ طلاق باشی در صورت اولیٰ فوراً و در اخری ہنگام دخول خانہ سہ طلاق واقع شود بلکہ اگر سہ طلاق جداگانہ تعلیق کرد اما معطوفہ بغیر حرف " ثم " و شرط را مؤخر آورد مثلاً گفت تو طلاقی و طلاقی و طلاقی اگر چناں کنی نیز بحصول شرط سہ طلاق افتد زیرا کہ عطف بوا و یا فا آنہا را موصول کردہ و تاخیر شرط اول سخن را بہ تعلیق تغییر دادہ است پس مجموع معلق شد و بوقوع شرط دفعۃً فرود آمد اما غیر مدخولہ وقوع بتفریق را صلاحیت ندارد و لہذا اگر گفت ترا یک طلاق و دو طلاق و سہ طلاق یا اگر اینکار کنی تو طلاقی و طلاقی و طلاقی بتقدیم شرط یا تو طلاقی طلاقی طلاقی اگر چناں کنی بتاخیر شرط و ترک عطف ہمیں بیک طلاق بائن شود و باقی لغو رود زیرا کہ در صورت اولیٰ چوں ترا یک طلاق گفت ایں طلاق افتاد و زن از عصمت نکاح بیروں شد و عدت ہم نیست پس محلیت طلاق نماند و معطوفات باقیہ ہنگام انعدام محلیت بر زماں آمد و بیکار رفت و در ثانیہ چوں شرط مقدم ست گویا ہنگام وقوع شرط

قاعدہ یہ ہے کہ کسی شرط کے ساتھ معلق طلاق، اس شرط کے پائے جانے پر وقوع پذیر ہوتی ہے گویا کہ اس وقت اس نے طلاق کا تکلم غیر مشروط طور پر کیا ہے اور غیر مدخولہ عورت یکبار تین طلاقوں کے وقوع کا محل ہے لہذا اگر خاوند نے غیر مدخولہ بیوی کو کہا تجھے تین طلاق' یا کہا تو اگر اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاق' تو پہلی صورت میں فوراً اور دوسری صورت میں اس کے گھر میں داخل ہونے پر تین طلاقیں ہوجائیں گی، بلکہ اگر متفرق طور پر تین طلاقیں کسی شرط سے معلق کردے بشرطیکہ ان متفرق طلاقوں کو لفظ " واو " یا " فاء " کے ساتھ بطور عطف ذکر کرے نہ کہ لفظ " ثم " کے ساتھ، اور شرط کا ذکر اس کے بعد کرے، مثلاً یوں کہے تجھے طلاق و طلاق و طلاق اگر تو فلاں کام کرے' تو اس صورت میں بھی شرط پائے جانے پر تین طلاقیں ہوں گی، کیونکہ واؤ اور فاء کا عطف سب کو ملا دیتا ہے' اور جب اس کے بعد شرط ذکر کی تو اس شرط نے پہلی پوری کلام کو معلق کردیا تو شرط کے پائے جانے پر اس سے معلق تینوں طلاقیں دفعۃً واقع ہوجائیں گی لیکن اس کے برخلاف اگر غیر مدخولہ کو تین طلاقیں غیر مشروط طور پر متفرق دے مثلاً یوں کہے تجھے ایک طلاق اور دوسری طلاق اور تیسری یا تینوں کو متفرق طور پر ذکر کرے مگر شرط کو ان سے پہلے ذکر کرے مثلاً یوں کہے اگر تو نے فلاں کام کیا تو تجھے طلاق

چناں گفت کہ تو طلاق وطلاق وطلاق وبدلیل ہمیں یک
وقوع یافت و در ثالثہ مغیر کہ در آخر کلام یافتہ
شد ہمیں طلاق ثالث را از تنجیز بتعلیق تغییر داد کہ
ماسلف بجہت ترک عطف باو مربوط نبود، پس ہنگام تکلم
بکلمۂ اولٰے یک طلاق فی الحال واقع شد و
محل تنجیز دوم وتعلیق سوم نماند چوں ایں مسائل
حالی شد حکم مسئلہ مسئولہ رنگ وضوح یافت کہ
بر منکوحۂ ثانیہ ہمیں یک طلاق واقع شود وبس،
فی الھندیۃ ان علق الطلاق
بالشرط ان کان الشرط مقدما
فقال ان دخلت الدار فانت
طالق وطالق وطالق وھی
غیر مدخولۃ بانت بالواحدۃ
عند وجود الشرط فی قول
ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی
عنہ ولغا الباقی، وان کان
الشرط مؤخرا فقال انت
طالق وطالق وطالق ان
دخلت الدار او ذکرہ بالفاء فدخلت
الدار بانت بثلث اجماعا
سواء کانت مدخولۃ اوغیر مدخولۃ،
فان ذکرہ بغیر حرف العطف
ان کان الشرط مقدما فقال

اور طلاق اور طلاق، یا مشروط تین طلاقیں ذکر کرے مگر طلاقوں
کو بغیر عطف شرط سے پہلے ذکر کردیا ہو مثلاً یوں کہے تجھے طلاق
طلاق طلاق اگر تُو فلاں کام کرے، تو ان تینوں صورتوں میں
متفرق شدہ طلاقوں میں سے ایک ہی طلاق ہوگی جو بائنہ
ہوجائے گی اور باقی دو لغو ہوجائیں گی، کیونکہ ان میں سے
پہلی صورت میں جب اس نے "تجھے ایک طلاق" کہا
تو بیوی بغیر عدت نکاح سے خارج ہوجائے گی تو وہ اس
کے بعد طلاق کا محل ہی نہ رہی تو باقی دو کے وقوع کے وقت
بیوی طلاق کا محل نہ تھی لہذا وُہ دونوں طلاقیں بیکار (لغو)
ہوگئیں، اور دُوسری صورت میں چونکہ شرط مقدم ہے
اس لئے شرط کے وجود پر پہلی طلاق کے بعد باقی دو
طلاقوں کا محل نہ رہی کیونکہ وہ پہلی طلاق کے ساتھ ہی
بائنہ ہوگئی لہذا باقی دونوں لغو ہوگئیں، شرط کے پائے جانے
پر۔ گویا یوں کہا تجھے طلاق وطلاق وطلاق، تو یہ پہلی
صورت کی طرح ہوگئی، اور تیسری صورت میں اس لئے
کہ تعلیق کا تعلق صرف آخری طلاق سے ہوا کیونکہ طلاقوں
کے بعد اس نے شرط ذکر کی جس نے تیسری طلاق کو وقوع
سے روک دیا، اور پہلی دونوں عطف نہ ہونے کی وجہ سے
تیسری کے ساتھ مربوط نہ ہوسکیں، لہذا وہ دونوں ذکر
کرتے ہی غیر مشروط واقع ہوگئیں تو جب پہلی واقع ہُوئی
تو وُہ بائنہ ہوگئی تو اس کے بعد وہ دوسری غیر مشروط
اور تیسری معلق اور مشروط کا محل نہ رہی لہذا دوسری اور
تیسری لغو ہوگئیں، جب یہ مذکورہ مسائل معلوم ہوگئے

ع یہاں مسودہ میں بیاض ہے۔

ان دخلت الدار فانت طالق طالق طالق وھی غیر مدخولۃ فالاول معلق بالشرط والثانی یقع للحال والثالث لغو، وان اخر فالاول ینزل للحال ولغا الباقی کذا فی السراج اھ[1] ملخصا، وفی الدر المختار یقع بانت طالق واحدۃ وواحدۃ ان دخلت الدار ثنتان لو دخلت لتعلقھما بالشرط دفعۃ وتقع واحدۃ ان قدم الشرط لان المعلق کالمنجز اھ[2] فی رد المحتار قولہ لتعلقھما بالشرط دفعۃ لان الشرط مغیر للایقاع فاذا اتصل المغیر توقف صدر الکلام علیہ فیتعلق بہ کل من الطلقتین معا فیقعان عند وجود الشرط کذلک بخلاف ما لو قدم الشرط فلا یتوقف لعدم المغیر، قولہ لان المعلق کالمنجز ای یصیر عند وجود شرطہ کالمنجز ولو نجزہ حقیقۃ لم تقع الثانیۃ بخلاف ما اذا اخر الشرط لوجود المغیر

تو مسئلہ مسئولہ واضح ہوگیا کہ دوسری منکوحہ کو یہ ایک ہی طلاق ہوگی اور بس۔ ہندیہ میں ہے اگر کسی نے طلاق کو مشروط کیا اور شرط کو پہلے ذکر کیا مثلاً یُوں کہا اگر تُو گھر میں داخل ہُوئی تو تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق جبکہ عورت غیر مدخولہ ہو تو شرط پائے جانے پر وہ پہلی طلاق سے بائنہ ہوجائے گی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے مسلک پر اور باقی دو لغو ہوجائیں گی، اور اگر شرط مؤخر ذکر کی ہو مثلاً یُوں کہا تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق اگر تُو گھر میں داخل ہُوئی، یا فاء کے ساتھ عطف کیا، تو عورت جب گھر میں داخل ہوگی تو تین طلاقوں سے بائن ہوجائے گی خواہ عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، یہ مسئلہ بالاجماع ہے، اور اگر طلاقوں کا ذکر عطف کے بغیر ہو تو اگر شرط مقدم ہو مثلاً یُوں کہے اگر تُو گھر میں داخل ہُوئی تو تجھے طلاق طلاق طلاق، جب بیوی غیر مدخولہ ہو تو پہلی طلاق شرط سے معلق ہوگی دوسری فی الحال واقع ہوجائے گی جو بائنہ ہوگی اور تیسری لغو ہوجائے گی، اور اگر شرط کو مؤخر ذکر کیا تو پہلی طلاق فوراً واقع ہوگی اور باقی دونوں لغو ہوں گی، سراج میں ایسے ہی مذکور ہے اھ ملخصاً۔ درمختار میں ہے اگر کسی نے یُوں کہا تجھے ایک طلاق اور ایک (عطف کے ساتھ) اگر تُو گھر میں داخل ہو، تو دونوں طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ دونوں ایک شرط سے مشروط ہیں لہذا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الرابع فی الطلاق قبل الدخول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۴

[2] درمختار باب طلاق غیر المدخول بہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۳

زیلعی، وفی العطف بثم ان اخرہ تنجزت واحدۃ و لغا ما بعدھا وان قدمہ لغا الثالث وتنجز الثانی وتعلق الاول فیقع عند الشرط بعد التزوج الثانی اھ مختصرا۔ وفی البحرالرائق لو قال لامرأۃ یوم اتزوجك فانت طالق وطالق وطالق فتزوجھا وقعت واحدۃ وبطلت الثنتان ولو قال انت طالق وطالق وطالق یوم اتزوجك وقعت الثلاث کذا فی الحاوی القدسی وکذا لو قال ان تزوجتك کما فی المحیط[2] اھ۔ تمام تفاصیل ایں مسئلہ کہ بلحاظ آنکہ عطف بواو و فاء باشد یا بثم یا ہیچ و بہر تقدیر منجز باشد یا معلق بشرط مقدم یا مؤخر و بہر وجہ زن مدخولہ باشد یا غیر آں ہیجدہ صورت میرسد وبلحاظ تفصیلات اخرے صد دیگر صورت بندد از بزازیہ وفتح القدیر وبحرالرائق و ہندیہ تواں جست۔ واللہ تعالٰی اعلم

شرط پائے جانے پر دونوں دفعۃً واقع ہوجائیں گی۔ اور اگر شرط کو مقدم ذکر کیا تو ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ یہاں مشروط، غیر مشروط کی طرح ہے اھ۔ ردالمحتار میں اس پر فرمایا کہ ماتن کا قول کہ "(پہلی صورت میں) دونوں معلق بشرط واحد ہیں" کیونکہ شرط کے ذکر نے دونوں کو غیر مشروط سے مشروط بنادیا اس لئے کہ اس تبدیلی والی شرط کی وجہ سے پہلا کلام اس پر موقوف ہوگیا، لہٰذا دونوں طلاقوں کا معًا اس شرط سے تعلق ہوگیا لہٰذا شرط پائے جانے پر دونوں اس طرح معًا واقع ہوجائیں گی، اس کے برخلاف اگر شرط کو مقدم ذکر کیا ہو تو دونوں اس پر موقوف نہ ہوں گی بلکہ صرف پہلی معلق ہوگی اور دوسری غیر مشروط رہے گی جو فی الحال فوراً واقع ہوجائیں گی، اور اس کا قول "(دوسری صورت میں) کہ مشروط، غیر مشروط کی طرح ہوگی" یعنی معلق بالشرط وہ شرط کے پائے جانے پر غیر مشروط کی طرح ہوگی اور حقیقۃً غیر مشروط ہو تو پھر دوسری واقع نہ ہوگی کیونکہ وہ پہلی سے ہی بائنہ ہوجائے گی، اس کے برخلاف جب شرط کو مؤخر ذکر کرے کیونکہ وہاں دونوں طلاقیں بعد والی شرط سے مشروط ہوجانے کی وجہ سے معلق ہوجائیں گی، زیلعی۔ اور اگر لفظ "ثم" سے عطف کیا ہو اور شرط کو مؤخر کیا ہو تو پہلی واقع ہوجائیگی اور بعد والی دونوں لغو ہوجائیں گی، اور شرط کو مقدم کیا تو تیسری لغو اور دوسری فوراً واقع۔ اور پہلی شرط سے معلق ہوکر شرط پائے جانے پر واقع ہوگی جب وہ دوسرے خاوند کے بعد دوبارہ اس سے نکاح کرے گا، اھ مختصراً۔ اور بحرالرائق میں ہے اگر کسی نے ایک عورت کو کہا جس دن میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق، اس کے بعد اس سے نکاح کیا تو ایک طلاق واقع ہوگی اور دو باقی لغو و باطل جائیں گی، اور

---

[1] ردالمحتار باب طلاق غیر المدخول بہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۵۷
[2] بحرالرائق فصل فی الطلاق غیر المدخول بہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۹۷

اگریُوں کہا کہ تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق ہے جس دن میں تجھ سے نکاح کروں، تو شرط کو بعد میں ذکر کرنے کی وجہ سے تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی، حاوی قدسی میں یُوں ذکر ہے، اور یہی حکم ہے جب کہے اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو طلاق اور طلاق اور طلاق، کہ شرط کو مؤخر اور مقدم کرنے پر فرق ہوگا جیسا کہ محیط میں ہے اھ اس مسئلہ کی، واؤ اور فاء یا ثم یا کسی اور عطف اور پھر ہر صورت میں بالشرط یا بغیر شرط اور پھر شرط کو مقدم یا مؤخر ذکر کرنے اور پھر ہر صورت میں بیوی کے مدخولہ اور غیر مدخولہ ہونے کے لحاظ سے کل اٹھارہ۱۸ صورتیں بنتی ہیں اور دیگر تفصیلات کے اعتبار سے مزید صورتیں بن سکتی ہیں، یہ بزازیہ، فتح القدیر، بحرالرائق اور ہندیہ سے تلاش کی جاسکتی ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴: غلام گیلانی صاحب پنجابی از ضلع پترہ ڈاکخانہ پٹن موضع چنبک نگر معرفت تارو چودھری
اوائل صفر ۱۳۲۶ھ

زوج نے قبل عقد نکاح کے کابین نامہ میں عورت کو یہ شرط لکھ دی کہ میں اگر آپ سے ایک برس کی مدت تک جُدا رہوں یا کسی صورت سے آپ کا خبر گیر نہ رہوں تو اگر آپ کی مرضی ہو تو تم کو شوہر سے چھوڑ کر طلاق دے سکتی ہو، انتہی۔ کابین میں بنگلہ زبان میں ایسی عبارت مہمل لکھی ہے جس کا ترجمہ بعینہا یہی ہوتا ہے، آیا یہ معنی ظاہری اس کا ترک کرکے عرفی موافق غرض زوجہ کے اس صورت سے لے سکتے ہیں (تم مجھ کو اپنی شوہری اور زوجیت سے نکال کر طلاق دے سکتے ہو) مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس کو طلاق دے سکتے ہو۔ اضافتِ طلاق زوجہ کی طرف نہیں ہے، بنگلہ زبان میں زوج نے قصدًا ایسی عبارت لکھی ہے کہ جس کا ترجمہ ایسا کچھ بنتا ہے جیسا کہ انا منك طالق (میں تجھ سے طلاق والا ہُوں۔ ت) اور اب زوجہ وقوع شرط کی مدعیہ ہے اور زوج منکر ہے، وُہ کہتا ہے کہ میں مدت کے اندر چند بار آیا مگر مجھ کو زوجہ کے اقارب نے زوجہ کے پاس جانے، ملاقات، بات چیت کرنے سے روک دیا اور مکان میں داخل ہونے نہیں دیا، دونوں اپنے دعوے پر بینہ رکھتے ہیں، مگر زوج کسی مولوی کو حکم نہیں بناتا اور نہ کسی کے پاس آتا ہے، تین برس گزار دیا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ زوج بھی اپنے الفاظ سے عرفی معنی موافق مدعائے عورت لے کر انکار وقوع شروط کا کرتا ہے ورنہ زوجہ کے دفعہ میں اس کو اسی قدر بس ہے کہ کہہ دے کہ میری عبارت سے یہ نہیں نکلتا کہ عورت کو بعد وقوع شرط کے اختیار طلاق کا ہے۔ اب فقیر پُرتقصیر عرض کرتا ہے کہ حضور والا ارشاد فرمائیں کہ اس عبارت سے کیا مطلب لیا جائے اور عورت کا بینہ معتبر ہوگا یا کیا؟ کتنی طلاق دے سکتی ہے یا نہیں

دے سکتی ؟

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں عورت کو کسی طرح اپنے نفس کو طلاق دینے کا اختیار نہیں، الفاظ شرط کابین نامہ اگر اسی قدر ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے اور اضافت الی النکاح کا اس میں کہیں ذکر نہیں کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں یا جب میں تجھے اپنی زوجیت میں لاؤں اس کے بعد اگر ایسا واقع ہو تو تجھے اختیار طلاق ہے جب تو شرط کابین نامہ محض فضول و باطل ہے کہ اس کی تحریر قبل نکاح ہوئی اور نکاح کی طرف اس میں اضافت نہیں تو نہ ملک پائی گئی نہ اضافتِ ملک، اور ایسی تعلیق محض باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

شرطه الملك کقوله لمنکوحته ان ذهبت فانت طالق او الاضافة الیه کان نکحت امرأة وان نکحتك فانت طالق فلغا قوله لاجنبیة ان زرت زیدا فانت طالق فنکحها فزارت لم تطلق لعدم الملك والاضافة الیه[1] انتهی مختصرًا۔

اس کی شرط یہ ہے کہ ملکیت یا ملکیت کی طرف اضافت پائی جائے، ملکیت مثلاً منکوحہ بیوی کو کہے اگر تو گئی تو تجھے طلاق، ملکیت کی طرف اضافت مثلاً کہے کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں یا کسی اجنبی عورت کو یوں کہے اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق تو محض اجنبی عورت کو اس کا یہ کہنا اگر تو نے زید کو دیکھا تو تجھے طلاق، لغو ہوگا، لہذا اگر اس کے بعد وہ اس عورت سے نکاح کرلے اور وہ عورت زید کی زیارت کو چلی جائے تو بھی طلاق نہ ہوگی، کیونکہ یہاں نہ ملکیت ہے اور نہ ہی ملکیت کی طرف طلاق کی اضافت ہے اھ (ت)

اور اگر کابین نامہ میں اضافت الی النکاح ہے تو یہ تعلیق وتفویض صحیح ہوگی اور اس کا مفاد مثل انا منك طالق کے نہیں کہ لفظ "ہم کو" لفظ "چھوڑکر" سے متعلق ہے نہ کہ لفظ طلاق سے، اور اس طلاق کی اضافت کلامِ زوج میں عورت کی طرف نہ ہونا کچھ منافی صحتِ تفویض نہیں کہ تفویض میں زن وشوہر دونوں میں سے ایک کے کلام میں اضافت کافی ہے۔ درمختار میں ہے:

وذکر النفس او الاختیارة فی کلام احدهما شرط صحة الوقوع بالاجماع، ویشترط ذکرها

نفس یا لفظ اختیار کا ذکر کرنا خاوند اور بیوی دونوں میں سے کسی ایک کے کلام میں وقوع طلاق کے لئے شرط ہے بالاجماع، اور اس کا متصل ہونا شرط

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۰

متصلا فان کان منفصلا فان فی المجلس صح والالا فلوقال اختاری اختیارۃ او طلقۃ وقع لوقالت اخترت فان ذکر الاختیار کذکر النفس وکذا ذکر التطلیقۃ والشرط ذکرذلک فی کلام احدھما فلم یختص بکلام الزوج کما ظن[1] انتھی مختصرا۔

ہے اگر منفصل ذکر کیا جائے تو اگر اسی مجلس میں ہو تو صحیح ہے ورنہ نہیں، لہذا اگر خاوند نے بیوی کو کہا اختاری اختیارۃ یا اختاری طلقۃ، اگر بیوی نے جواب میں کہا اخترت (میں نے اختیار کرلیا) تو طلاق واقع ہوجائیگی کیونکہ "اختیارۃ" کا ذکر ایسا ہی ہے جیسے نفس کو ذکر کردیا جائے اور طلقۃ کا ذکر بھی ایسا ہی ہے اور نفس یا قائم مقام نفس کا خاوند بیوی میں سے کسی ایک کے کلام میں ذکر ہونا شرط ہے نہ کہ خاوند کا کلام اس کے لئے مخصوص ہے، جیسا کہ بعض کا گمان ہے اھ مختصراً (ت)

مگر تفویض طلاق کہ معلق بالشرط ہو، بعد وقوع شرط اُسی مجلس پر محدود رہتی ہے جس میں عورت کو وقوعِ شرط کا علم ہوا مجلس بدلنے کے بعد اُسے طلاق لینے کا اختیار نہیں رہتا۔ درمختار میں ہے :

التعلیق بالمشیئۃ او الارادۃ او الرضاء او الھوی او المحبۃ یکون تملیکا فیہ معنی التعلیق فتقید بالمجلس[2]۔

طلاق کو عورت کی مشیّت، ارادہ، رضا، خواہش یا محبّت پر معلق کرنا بیوی کو تعلیق کے طور پر طلاق کا مالک بنانا ہے تو یہ تملیک مقید بمجلس ہوگی (یعنی بیوی کو طلاق کا اختیار اسی مجلس تک محدود ہوگا۔ (ت)

یہاں کہ عورت مدعیہ وقوع شرط ہے اور اس نے اب تک اپنے کو طلاق نہ دی مجلس اوّل ختم ہوتے ہی اُسے اختیارِ طلاق نہ رہا، بہرحال صورتِ مسئولہ میں عورت کا دعوٰی اصلاً قابلِ سماعت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵ ۱۳ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو بریلی سے رام پور بھیج دیا کہ بوجہ رنج ہوجانے کے باہم زید و ماموں زوجۂ زید کے اور ایک رقعہ بھی لکھ دیا کہ میں اپنی بیوی کو بخوشی مع زیور کے بوجہ رنجش کے رامپور کو رخصت کرتا ہوں اور آئندہ مجھ کو کوئی تعلق نہ ہوگا اور دو روپیہ ماہوار لڑکی کے دُودھ پلائی کے مقرر کرتا ہوں، لوگوں نے زید سے دریافت کیا کہ کیا طلاق دیتے ہو؟ زید نے طلاق سے انکار کرکے یہ کہا جس وقت میری حالتِ غصہ درست ہوجائے تو پھر بلوا لوں گا، بعد ایک ہفتہ کے جبکہ زوجۂ زید رام پور

---

[1] درمختار | باب تفویض الطلاق | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۲۷

[2] درمختار | فصل فی المشیئۃ | " " " | ۱/۲۳۰

چلی گئی، زید نے ایک خط بنام مولوی لطف اللہ صاحب کے لکھا کہ باہم میرے اور میری زوجہ کے ماموں میں رنج ہوگیا ہے آپ صفائی کرادیں اور ان سے کہہ دیجئے کہ یکم تاریخ تک روانہ بریلی کردیں اور اگر نہ روانہ کریں گے تو یہ ایک طلاق دیتا ہُوں ایسے درمیان میں جو زید نے واسطے آنے میعاد اپنی زوجہ کے مقرر کی تھی رامپور میں بحضور اپنی زوجہ کے رجوع کرلیا لیکن زوجۂ زید رامپور سے بریلی کو اُس میعاد مقررہ کے اندر نہیں آئی ایسی صورت میں طلاق واقع ہُوئی یا نہیں، اگر ہُوئی تو کس قسم کی رجعی یا بائن، بعد ایک ماہ کے زید رامپور گیا، زوجہ کے ماموں نے یہ کہا کہ طلاق ہوگئی ہے ہم رخصت ابھی نہ کروں گا، اُس پر زید نے جواب دیا کہ آج ہی اس معاملہ کا فیصلہ نہ ہوگا تو تینوں طلاق پُوری کروں گا' یہ کہہ کر چلا آیا، طلاق واقع ہُوئی یا نہیں، ہُوئی تو کس قسم کی واقع ہُوئی رجعی یا بائن؟ بعض علماء کا بیان ہے کہ یہ طلاق بوجہ معلق ہونے کے بائن ہوگئی، یہ قول کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہُوئی، زید کا کہنا کہ تینوں طلاق پُوری کردوں گا محض وعدہ ہے اور وعدہ سے طلاق نہیں ہوتی اور زید کا میعاد وقوع طلاق یعنی یکم آنے سے پہلے جاکر رجوع کرنا محض بے اثر ہے فان الرجوع لایتقدم الوقوع (کیونکہ رجوع، طلاق کے وقوع سے پہلے نہیں ہوسکتا۔ ت) تو نہ رہا مگر زید کا وُہ قول کہ یکم تک نہ روانہ کریں گے تو یہ ایک طلاق دیتا ہُوں، یہ طلاق اُس شرط پر معلق تھی یکم گزر گئی اور عورت کو روانہ نہ کیا، شرط متحقق ہُوئی طلاق پڑگئی اور یہ طلاق یقیناً رجعی ہے، تعلیق کے سبب بائن ہوجانا باطل قطعی کما قدمنا تحقیقہ (جیسا کہ اس کی تحقیق گزر گئی۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶ از بنگالہ نواکھالی محلہ رامپور فضل الرحمان صاحب ۶ شوال ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی کو اس شرط کے ساتھ کابین نامہ لکھ دیا کہ اگر تمہارے سوا کوئی دُوسری بی بی کروں تو وُہ ایک دو تین طلاق ہے، بعد اس کے زید نے اپنی منکوحہ سے اجازت لے کر دوسری شادی کرلی مگر کابین میں اجازت وغیرہ کا ذکر مطلقاً نہیں آیا۔ صورت مذکورہ میں وُہ اجازت عند الشرع معتبر ہوگی یا نہیں، اور شرعاً ایسی شرط کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر کرلے تو کیا حکم؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صُورتِ مستفسرہ میں نکاح ہوتے ہی زوجۂ ثانیہ پر معاً ایک طلاق بائن ہوگی وُہ نکاح سے نکل گئی مگر حلالہ کی حاجت نہیں، اگر زید چاہے تو اس سے دوبارہ نکاح کرلے خواہ اور عورت سے نکاح کرے، اب زوجہ کو طلاق نہ ہوگی اگرچہ زوجۂ اولٰی اجازت بھی نہ دے۔

اما وقوع الطلاق فلتحقق الشرط و الاجازۃ لا تمنعہ و اما الواحدۃ والبینونۃ فلوقوعہ قبل الدخول وتفریقہ فی الایقاع حیث لم یقل تین بل ایک دو تین اما عدم الوقوع اذا نکح اخری او ھذہ مرۃ اخری فلا نحلال الیمین لعدم کلما و ما یقوم مقامہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

طلاق کا وقوع اس لئے ہے کہ شرط پائی گئی اور اجازت اس کے لئے مانع نہیں ہے، لیکن ایک اور بائنہ طلاق اس لئے کہ یہ طلاق قبل دخول اور تینوں کے جدا جدا واقع ہونے سے پہلی واقع ہُوئی اس لئے کہ خاوند نے تین کا لفظ نہیں کہا بلکہ ایک، دو، تین کہا، اور دوسری عورت سے یا اسی بیوی سے دوبارہ نکاح سے مزید طلاق نہ ہوگی اس لئے کہ اس نے "کلّما" یا اس کا ہم معنٰی لفظ نہیں کہا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷: ازبمبئی پیرولین پوسٹ عمرکھاڑی مرسلہ منشی محمد صدیق قدیریہ چشتی ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے محکمۂ قضا میں حاضر ہوکر اقرار کیا کہ آج سے آیندہ میں اگر شراب پیوں یا فتنہ وفساد کروں اور وہ پانچ اشخاص (جن کے نام اقرار نامہ میں بطور نگرانی درج ہیں) میری بدچلنی کا ثبوت پہنچا دیں تو میری زوجہ مسماۃ ہندہ میرے نکاح سے باہر ہے اور میری مطلقہ ہے پس بعد عہد و اقرار مذکور کے پانچ یا سات نفر معتبر نے جو تحریر اقرار نامہ کے وقت موجود تھے زید کو ہمراہ حالت نشہ میں پایا اور زید کے والد کو نیز مرقومہ بالا پانچ اشخاص معینہ میں سے ایک شخص کو اسی وقت حالتِ نشہ کی خبر دی مگر زید کے والد اور شخص مذکور نے بخوف یا بپاس خاطر زید توجہ نہ کی اور اس واقعہ کے چند روز بعد زید نے اپنے والد کے ساتھ حالتِ نشہ میں فساد کیا اور گرفتار ہوکر محکمہ میں اسی بنا یعنی شراب خوری و فساد ریزی پر جرمانہ دیا بعد ازاں اہلِ جماعت جمع ہوئے جن میں مذکور الصدر پانچ اشخاص بھی بصورت منصف موجود تھے اور زید کو تقصیر وار گردانا مگر مقدمۂ مذکورۂ بالا میں زید کی ظاہری بدچلنی جو وقوع میں آئی اس کو زبانی بیان کرنے میں بپاس رکھتے ہیں، پس ان تمام صورتوں میں زید کی زوجہ پر طلاق واقع ہُوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہُوئی تو عدت کس روز سے شمار ہوگی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

قولِ زید کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس سے شراب خوری یا فتنہ وفساد کا صدور ہو اور ان دونوں میں سے جو کچھ ہو اس کے ساتھ ایک اور امر ضرور ہو وہ یہ پانچ اشخاص مذکورین اس کی بدچلنی کا ثبوت پہنچائیں، ان باتوں کے جمع ہونے پر اس کی عورت اس کے نکاح سے باہر اور اس کی مطلقہ ہے،

ع یہاں مسودہ میں بیاض ہے۔

وذلك لانه عطف الثانی علی الاول باو ثم الثالث بالواؤ فکان الشرط وقوع احد الامرین الاولین مع الثالث۔

یہ اس لئے کہ دوسری بات کو پہلی پر لفظ او (یا) سے اور پھر تیسری کا دوسری پر "و" سے عطف کیا لہذا تیسری بات کا وقوع پہلی دونوں میں سے ایک کے وقوع سے مشروط ہوگا۔ (ت)

امام فخر الاسلام بزدوی قدس سرہٗ اصول[1] میں فرماتے ہیں :

ولھذا قلنا فیمن قال ھذا حر او ھذا او ھذا ان الثالث یعتق و یخیر بین الاولین لان صدر الکلام تناول احدھما علی بکلمۃ التخییر والواؤ توجب الشرکۃ فیما سبق لہ الکلام فیصیر عطفا علی المعتق من الاولین کقولہ احدکما حر وھذا۔

اسی بناء پر ہم نے کہا کہ اگر مالک نے کہا "یہ آزاد یا یہ او ریہ ہے" تو تیسرا لازمی طور پر آزاد ہو جائیگا اور پہلے دونوں میں سے کسی ایک کو آزادی کیلئے متعین کرنے کا اختیار مالک کو ہوگا، کیونکہ اس کے کلام کا ابتدائی حصّہ پہلے دونوں میں سے ایک کو شامل ہے لفظ "او" کے عمل کی وجہ سے اور بعد میں واؤ کا عطف پہلے دونوں میں مصداق کی شراکت کو چاہتا ہے لہذا پہلے دونوں میں سے جو آزاد ہوگا اس پر عطف ہوگا، یہ یُوں ہوا جیسے کسی نے پہلے دونوں کو کہا ہو تم دونوں میں سے ایک اور یہ آزاد ہے۔ (ت)

ہماری زبان میں کسی شیئ کا ثبوت پہنچانا، اور کوئی شیئ ثبوت کو پہنچانا، ان دونوں میں فرق ہے لفظِ اول میں ثبوت[علہ] ہوتا ہے یعنی شہادت زبانی یا حجت تحریری اور اس کا پہنچانا مہیا کرنا، ادا کرنا، پیش کرنا، اور لفظ ثبوت اپنے معنی پر ہے اور ثبوت کو پہنچانا ثابت و مدلل کرنا اس کے ثبوت کا حکم دینا، پہلے لفظ کا تعلق شاہد و ساعی ثبوت سے ہے اور دوسرے کا حاکم و قاضی، ثبوت سے بھی غالب مراد ظاہر مفاد یہی ہے، اگر وہاں بھی عرف اسی طرح ہے، تو وُہ اشخاص جبکہ بخوف و ہراس یا بہ لحاظ و پاس اس کی بدچلنی زبان پر لانے سے بھی احتراز کرتے ہیں تو بدچلنی کا ثبوت پہنچانا اُن سے واقع نہ ہُوا اور وُہ بھی جزو[علہ] شرط تھا تو شرط کامل متحقق نہ ہُوئی تو طلاق اصلاً نہ ہُوئی،

لان ما علق علی وجود شیئین لاینزل الابعد وجودھما جمیعا۔

کیونکہ جس چیز کو دو چیزوں کے وجود پر معلق کیا ہو تو وُہ مشروط دونوں شرطوں کے اکٹھے پائے جانے پر متحقق ہوگا۔ (ت)

علہ اصل میں یہاں بیاض ہے۔ علہ اصل میں یہاں کرم خوردہ ہے۔

---

[1] اصول امام فخر الدین بزدوی باب حروف المعانی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۳

اور اگر وہاں کے عرف و محاورہ میں یہ فرق نہیں کسی شئے کے ثابت قرار دینے کو بھی اُس شئے کا ثبوت پہنچانا کہتے ہیں تو جبکہ پانچ اشخاص مذکورین نے اس کی بدچلنی کا ثبوت مانا اور اس بنا پر اُسے تقصیر وار ٹھہرایا ہو اور واقع میں اُس سے بعد معاہدہ شراب خوری یا فتنہ و فساد کا صدور بھی ہوا ہو تو ہندہ پر طلاق ہوگئی لاجتماع کل اجزاء الشرطین فینزل الجزاء (کیونکہ دونوں شرطوں کے اجزاء پائے جانے کی وجہ سے مکمل جزاء پائی جائے گی۔ ت) اور عدت اسی وقت سے لی جائیگی جس وقت ان پانچ اشخاص نے اس کی بدچلنی کے ثبوت کا حکم دیا لان الوقوع بالمجموع وانما العدۃ من حین الوقوع (کیونکہ طلاق کا وقوع دونوں کے مجموعہ پر ہوا، اور عدت بلاشبہہ وقوع طلاق کے وقت سے شمار ہوگی۔ ت) مجرد تقصیر وار ٹھہرانا اگر بدچلنی ثابت مان کر نہ ہو وقوع طلاق کے لئے کافی نہ ہوگا،

لان الشرط ھذا لاذاك واثبات التقصیر مطلقا لایستلزم اثبات البدعارت۔ کیونکہ یہ شرط ہے، وُہ نہیں ہے کیونکہ تقصیر کا اثبات مطلق طور پر بدچلنی کے اثبات کو مستلزم نہیں ہے (ت)

یُونہی اگر فی الواقع اس سے شراب خوری وفتنہ پردازی بعد معاہدہ صادر نہ ہُوئی اور ثبوت غلط طور پر بہم پہنچایا گیا جس سے اشخاص مذکورین نے حکم ثبوت دیا تو عنداللہ اس صورت میں بھی ہندہ پر طلاق نہ ہوگی لعدم تحقق الجزاء الاول (پہلی جزاء کے نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ ت) اگرچہ محکمہ قضاء میں ثبوت شرعی کے باعث قضاۃً حکم طلاق دیں اور جبکہ ثبوت شرعی گزر گیا اور اشخاص مذکورین نے حکم ثبوت دیا ہو اور محاورہ کا وُہ فرق کہ اُوپر مذکور ہُوا وہاں کے عرف میں نہ ہو تو عورت پر بھی لازم ہے کہ اپنے آپ کو مطلقہ جانے لان المرأۃ کالقاضی کما فی الفتح ورد المحتار وغیرہ (کیونکہ اس معاملہ میں عورت یعنی بیوی قاضی کا حکم رکھتی ہے، جیسا کہ فتح اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸ از بریلی مرسلہ مولوی بشیر الدین صاحب وکیل ۱۱ جمادی الاول ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اقرار نامہ مصدقہ رجسٹری میں معاہدہ حسب ذیل اپنی منکوحہ بی بی سے کیا وُہ معاہدہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اُس معاہدہ کا نفاذ ہو سکتا ہے یا نہیں جو کہ مسماۃ مشتری جان طوائف دختر باداللہ زوجہ منکوحہ مقر کی ہے مسماۃ مذکور مقر سے خواستگار اجازت مسماۃ مذکور نے کی ہے لہذا بصحت نفس و ثبات عقل بخوشی خاطر اپنے بلاکسی جبر و دباؤ کے اچھی طرح سمجھ کر مسماۃ مشتری جان مذکور کو اجازت دیتا ہُوں کہ پیشہ ناچنے و گانے کا جس طور سے سابق دستور کرتی چلی آئی ہے

ل ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۸

بدستور جاری و قائم رکھے اور بغرض مدد کرنے ناچ و گانے کے خواہ بداؤں سکونت رکھے یا دیگر جگہ قیام کرے میں کسی وقت اور کسی حالت میں مانع اور مزاحم یا حارج نہیں ہوں گا اگر میرے فعل یا ترک فعل سے کسی وقت میں مسماۃ مذکور کا نقصان یا حرج واقع ہو تو ایسی حالت میں نکاح فسخ ہوجائے گا اور مسماۃ کو ہر قسم کی آزادی حاصل ہوگی لہذا یہ اقرار نامہ بلا نالش لکھ دیا کہ سند رہے۔ واضح رہے کہ معاہدہ کرنے والا شریف خاندان کنچنے وغیرہ سے نہیں ہے اور ان الفاظ کی تحریر سے نکاح فسخ ہوجائے گا یا نہیں اور شوہر اسے اجازت ناچنے وگانے کی اور دیگر جگہ اسے کام کے واسطے اجازت دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اسے اجازت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ایسی اجازت حرام قطعی ہے اور اجازت دینے والا دیوث ہے، اگر توبہ نہ کرے تو اس پر جنت حرام، اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

ثلثۃ لایدخلون الجنۃ العاق لوالدیہ و الدیوث و رجلۃ النساء[1]۔ رواہ حاکم و البیہقی فی شعب الایمان عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند صحیح۔

تین شخص جنت میں نہ جائیں گے اپنے ماں باپ کو ناحق ایذا دینے والا اور دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت (اس کو حاکم نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

ثلثۃ لایدخلون الجنۃ ابدا الدیوث و الرجلۃ من النساء و مدمن الخمر[2]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند حسن۔

تین شخص کبھی جنت میں نہ جائیں گے دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت اور شرابی (اس کو طبرانی نے کبیر میں سند حسن کے ساتھ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الایمان دار الفکر بیروت ۱/ ۷۲
شعب الایمان باب فی الغیرۃ والمذاء حدیث ۱۰۷۹۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۴۱۲

[2] " " " " ۱۰۸۰۰ " " " "
مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی باب فیمن لایرضی باہلہ بالخبث دار الکتاب العربی ۴/ ۳۲۷

ثلثة قد حرم اللّٰه علیھم الجنة مدمن الخمر والعاق لوالدیه والدیوث الذی یقر فی اھله الخبث[1] رواہ احمد والنسائی والبزار والحاکم وقال صحیح الاسناد۔

تین شخصوں پر اللہ تعالٰی نے جنت حرام فرمادی ہے شرابی اور ماں باپ کا موذی اور دیوث کہ اپنے اہل میں گندی بات برقرار رکھے (اس کو احمد، نسائی، بزار اور حاکم نے صحیح الاسناد کہہ کر روایت کیا۔ ت)

رہی طلاق اُس کا حکم یہ ہے کہ فسخ نکاح کنایات سے ہے اگر شوہر نے اس لفظ سے طلاق مراد لی ہے طلاق پڑجائے گی ورنہ نہیں، درمختار میں ہے :

اذھبی الی جھنم یقع ان نوی خلاصة وکذا اذھبی عنی وافلحی وفسخت النکاح[2]

"جہنم میں جا" طلاق کی نیت سے کہا تو طلاق ہوجائیگی، خلاصہ۔ اور اگریوں کہا "میرے پاس سے چلی جا، تُو فلاح پالے، اور میں نے نکاح فسخ کیا" ان صورتوں میں طلاق کی نیت سے طلاق ہوجائیگی۔ (ت)

عالمگیری میں ہے :

لوقال فسخت النکاح ونوی الطلاق یقع[3]

اگر کہا "میں نے نکاح فسخ کیا" اور طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوجائے گی۔ (ت)

یہی حال آزادی کا ہے پس صورتِ مسئولہ میں اگر شوہر اقرار کرے کہ یہ الفاظ اُس نے بہ نیت طلاق لکھے تھے تو بحال وقوعِ شرط عورت پر ایک طلاق بائن ہوجائے گی اور اگر وُہ اقرار نہ کرے تو اس سے قسم لی جائے اگر قسم کھانے سے انکار کرے تو اب بھی جبکہ شرط واقع ہُوئی ہو وقوعِ طلاق کا حکم ہوگا اور اگر قسم کھالی کہ واللہ میں نے یہ الفاظ بہ نیت طلاق نہ لکھے تھے تو حکمِ طلاق نہ ہوگا عورت بدستور اس کی منکوحہ رہے گی، پھر اگر وُہ جھُوٹی قسم کھائے گا تو اس کا وبال اُس پر ہے عورت پر الزام نہیں۔ درمختار میں ہے :

نحو اخرجی یحتمل ردا ونحو خلیة یصلح سبا ونحو انت حرة لایحتمل

"نکل جا" جیسے الفاظ ردّ جواب سوالِ طلاق کا احتمال رکھتے ہیں، خلیہ۔ جیسے الفاظ گالی ہونے کا

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ابن عمر رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۶۹
[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۶
[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

السب والرد ففی حالۃ الرضا ای غیر الغضب والمذاکرۃ تتوقف الاقسام الثلثۃ تاثیرا علی نیۃ للاحتمال والقول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ ویکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ فان ابی رفعتہ للحاکم فان نکل فرق بینھما مجتبی[1] اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔

احتمال رکھتے ہیں، اور "تُو آزاد ہے" جیسے الفاظ سب و دشنام اور جواب ہونے کا احتمال نہیں رکھتے، توحالتِ رضامندی میں یعنی غصہ کی حالت میں نہ ہو اور مذاکرہ طلاق بھی نہ ہو تو یہ تینوں قسم کے کنایات کی تاثیر نیت پر موقوف ہوگی، کیونکہ نیت اور عدمِ نیت کا احتمال ہے، اور طلاق کی نیت نہ ہونے میں خاوند کی بات کو معتبر سمجھا جائے گا اور بیوی کا اس سے گھر میں قسم لے لینا کافی ہے، اور اگر خاوند گھر میں بیوی کو قسم دینے سے انکار کرے تو بیوی حاکم کے پاس اپنا معاملہ پیش کرے، وہاں بھی اگر خاوند انکار کرے تو قاضی دونوں میں تفریق کردے اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹: از صدر بازار چھاؤنی نیمچ محلہ بڑی منڈی مرسلہ چودھری ننھے سوداگر چرم ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

بکر نے شادی زید کے ساتھ اپنی دختر کی جس کو عرصہ ۹ سال کا ہُوا بکر اور زید دونوں فقیر ہیں بوقت شادی زید کی عمر ۱۵، ۱۶ سال کی تھی اور لڑکی کی قریبًا سولہ سال کی، شادی ہوتے ہی زید کے ہمراہ بھیج دی گئی تین ماہ بعد بکر کے یہاں آئی اور پھر چھ ماہ بعد زید کے ہمراہ بھیج دی گئی چھ ماہ بعد زید مع اپنی بی بی کے بکر کے یہاں آیا اور رہنے لگے چار ماہ بعد زید چلا گیا اور چوری کی علت میں گرفتار ہوگیا، بکر زید کو چھڑا کر لے آیا مگر آٹھ دس روز کے بعد پھر کسی کی چیز لے کر بھاگ گیا بکر پھر اس کو لے آیا کوئی ایک ماہ رہا پھر ایک بقال کا غلہ چُرا کر بھاگ گیا ڈھائی ماہ بعد پھر زید آگیا اور اقرار نامہ منسلکہ تحریر کردیا کوئی دو ماہ بعد زید اپنی عورت سے مارپیٹ کرکے جبرًا زیور لے کر بھاگ گیا کوئی تین ماہ بعد ذات کی پنچایت ہُوئی اور پنچوں نے پنچنامہ منسلکہ تحریر کیا زید کوئی چھ ماہ بعد پھر بکر کے پاس آکر رہنے لگا اور دو ماہ بعد لوگوں کے برتن وغیرہ لے کر بھاگ گیا اُس وقت اُس کی عورت کو حمل تھا ایک سال کے بعد زید کا باپ زید کی عورت کو لینے آیا زید کی عورت نے جانے سے انکار کیا پھر زید کو بذریعہ خطوط وغیرہ بلایا گیا جسے عرصہ آٹھ ماہ کا منقضی ہوا ہے نہ زید آیا نہ خطوں کا جواب دیا، قریب ایک سال کے زید کی بی بی بچّے کا بار بکر پر ہے، زید کی عورت زید کے پاس رہنے سے نارضامند ہے، ایسی صُورت میں زید کی عورت کا دوسرا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

نقل اقرار نامہ

میں کہ سبوراشاہ ولد مدھاری شاہ فقیر ساکن موضع رسینٹ ماریہ علاقہ شاہ پور کا ہوں جو کہ

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

میری شادی ہمراہ مسماۃ مایلی بنت کنوردی شاہ فقیر ساکن چنادی نیچ ہوئی ہے، بعد شادی کے میں بخانہ کنوردی شاہ خسر خود رہا اور موضع رسینٹ ماریہ بھی بوجہ تنازع چلا گیا اب کہ میں بخانہ کنوردی شاہ خسر خود آیا اور موضع رسینٹ ماریہ بھی بوجہ تنازع چلا گیا اب کہ میں بخانہ کنوردی شاہ خسر خود رہ کر زندگی خود بسر کرنا چاہتا ہوں، لہذا اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ میں تا زندگی خود بخانہ کنوردی شاہ رہوں گا اور جو کچھ کما کر یا مانگ کر لاؤں گا وہ اپنے خسر و زوجہ و خوشدامن کو دوں گا اور زوجہ خود کو کسی طرح کی تکلیف نہ دوں گا نہ ماروں گا اور نہ کوئی فعل خراب کروں گا اور بر تقدیر کہیں باہر چلا جاؤں تو اس کی اطلاع کنوردی شاہ و زوجہ خود و اہل محلہ سے کر دوں گا اگر میں چنادی بخانہ خسر نہ رہوں یا کوئی خراب فعل کروں اور بدون اجازت کے چنادی سے چلا جاؤں تو کنوردی شاہ خسر میرے کو اختیار ہے کہ دوسری جگہ زوجہ میری کا نکاح کر دے میں کوئی طرح کا دعویٰ جھگڑا کچہری و پنچوں میں نہ کروں گا، بناء براں یہ چند کلمے بطور اقرار نامہ لکھ دیئے کہ سند رہے۔

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ (۳۰ دسمبر)

العـــــــــــــــــــبد

نشانی انگوٹھا سپورف شاہ۔

گواہ شد	گواہ شد	گواہ شد	گواہ شد
اللہ بخش ولد شیخ کلو چودھری	قمر الدین ولد شیخ گیا	نھمن ولد منا بیوپاری	رحیم بخش ولد سعدی مجاور

الجواب

جب تک طلاق ثابت نہ ہو یا وہ مر نہ جائے عورت کا نکاح دوسری جگہ نہیں ہو سکتا وہ اقرار جو اس نے لکھا ثبوتِ طلاق کے لئے کافی نہیں، ہاں اگر وہ اقرار کرے کہ اس اقرار نامہ سے میری مراد عورت کو طلاق دینا تھی یہ جو اس نے کہا کہ ایسا کروں تو خسر کو اختیار ہے کہ جس سے چاہے اس کا نکاح کرے اس سے مراد یہ تھی کہ ایسا کروں تو اسے طلاق ہے تو اس صورت میں طلاق ثابت ہو جائیگی، اور جبکہ وہ یہ سب باتیں کر چکا تو اسی وقت سے عورت نکاح سے نکل گئی، اور اگر وہ اقرار نہ کرے تو اس سے قسم لی جائے، اگر قسم کھالے گا کہ میں نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو وہ بدستور اس کی عورت ہے دوسری جگہ نکاح حرام قطعی ہے، اور اگر قسم کھانے سے انکار کرے گا تو طلاق ثابت ہو جائے گی، اور اگر عدت گزر گئی یا اب گزر جائے تو دوسری جگہ نکاح جائز ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۰: از جھالود ضلع پنچ محال گجرات احاطہ بمبئی مرسلہ شیخ عمرولی ڈاہیا ۱۱ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ

محمد آدم ساکن مورا نے ابراہیم ساکن جھالود اس کی لڑکی کی شادی کا پیام کیا، ابراہیم نے کہا کہ چند شرطیں لکھ دو تو میں تم سے شادی کر دوں، محمد آدم نے قبول کیا اور کہا کہ جو شرط کرو بخوشی منظور ہے،

بعد اُس کے مسمّی آدم نے ایک اشٹامپ تحریر کر دیا، تحریر ذیل مسماۃ فاطمہ بنت ابراہیم ساکن جھالو د عمر ۱۶ اسال محمد آدم ساکن مورا عمر ۱۶ اسال میں تمھارے ساتھ برسم برادری شادی کرتا ہُوں، بعد شادی ہونے کے ہم اور تم بطور مرد عورت کے رہیں گے، بعد میں اس کے متعلق اقرار نامہ برادری کی رسم کے مطابق زیور ۵، ۱ تولہ چاندی کے بعوض مہر دیتا ہُوں اس زیور پر میرا کسی قسم کا حق نہیں ہے، اور اقرار کرتا ہُوں کہ اپنا وطن مورا چھوڑ کر جھالو د میں سکونت کروں گا باوجود اس کے اگر میری نیت میں فرق اور تم کو مارپیٹ کر کے جھالو د سے دُوسری جگہ یا کوئی گاؤں یا جھالو د سے باہر لے جاؤں تو بغیر طلاق کے طلاق طلاق طلاق واقع ہو، یہ اقرار نامہ صحیح میں نے لکھ دیا مجھے اور میرے وارثوں کو منظور ہے سوائے اس کے میں تم کو بارہ۱۲ ماہ کے اندر راضی اور خوش رکھوں گا اور رہوں گا اگر خلاف اس کے کروں تو تحریر بالا کے مطابق طلاق سمجھنا، یہ لکھا ہُوا صحیح ہے، اگر بارہ ماہ تک میں تم سے جُدا رہوں یا دُوسری جگہ چھوڑ کر چلا جاؤں تو طلاق سمجھنا یہ لکھا ہُوا درست ہے بعد تحریر دستاویز مذکور لڑکی کو سنا یا گیا لڑکی نے قبول کیا، ستائیس۲۷ روز بعد برسم برادری بشرائط مرقومہ بالا شادی کر کے لڑکی کو رخصت کیا، تین سال تک جھالو د میں رہی، بعد تین سال کے ایک روز بلا رضامندی عورت کے جھالو د سے جبیرن گاؤں میں سوار کر کے لے چلا، قریب پون میل گیا ہوگا کہ اس کے والد کو معلوم ہُوا کہ لڑکی کو لے گیا اس وقت وُہ خود اور برادری کے تین چار آدمی دوڑ کر گئے اور گاڑی روک لی، لڑکی سے دریافت کیا کہ تُو کہاں جاتی ہے، کہا کہ میں بخوشی نہیں جاتی بلکہ مجھے مارپیٹ کر جبیرن لئے جاتا ہے، لڑکی سے کہا کہ گاڑی سے اُتر، فوراً اُتر آئی، محمد آدم سے کہا کہ تُو نے اقرار نامہ لکھ دیا ہے اور کہاں لئے جاتا ہے، جواب دیا کہ میں اپنے گاؤں نہیں لے جاتا دُوسری جگہ لے جاتا ہُوں یعنی خود دُکان کرنے جاتا ہوں، اُنھوں نے کہا کہ تم نے شرط توڑ دی اس لئے عورت کو طلاق ہو گئی، پھر قاضی صاحب کے پاس گئے اُنھوں نے کہا کہ تو نے شرطی دستاویز لکھ دیا ہے کہا ہاں بیشک میں نے لکھ دیا ہے اور میں موری نہیں لے جاتا ہُوں دُوسرے گاؤں خود ہی جاتا ہُوں۔

الجواب

شرط میں اپنے گاؤں کی تخصیص نہ تھی اس کا عذر غلط ہے اُس میں عام کہا تھا کہ جھالو د سے کسی دُوسری جگہ لے جاؤں لیکن شرط میں مارپیٹ کر لے جانا ہے، اس کا ثبوت یا تو گواہان ثقہ سے ہو یا آدم اقرار کرے کہ ہاں مارپیٹ کر لے گیا فقط عورت کا کہنا کافی نہیں اگر گواہان یا اقرار سے مارپیٹ کر لے جانا ثابت ہو تو تین طلاقیں ہو گئیں بے حلالہ اُس سے نکاح نہیں کر سکتا۔

قال اللہ تعالٰی فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره۔[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر خاوند تیسری طلاق دے دے تو عورت حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وُہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

16/16

اور اگر گواہ نہ ہوں یا وُہ گواہ ثقہ شرعی نہ ہوں اور آدم مارپیٹ کرلے جانے کا اقرار بھی نہ کرے تو آدم سے اس کا حلف لیا جائے اگر حلف کرے گا کہ مارپیٹ کر نہیں لے گیا تو طلاق ثابت نہ ہوگی اور اس حلف کا حاکم کے سامنے ہونا ضرور نہیں مکان پر بھی لیا جا سکتا ہے، درمختار میں ہے:

یکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ۔[1] بیوی کا خاوند سے اپنے گھر میں ہی قسم لے لینا کافی ہے۔ (ت)

پھر اگر حلف کرلے اور عورت جانتی ہو کہ اس نے جُھوٹا حلف کیا، تو عورت پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو تین طلاقوں سے مطلقہ سمجھے اور بوجہ طلاق نہ ثابت ہونے کے بذریعہ حکومت جبر نہیں کرسکتی لہذا اپنا مہر چھوڑ کر یا اور مال دے کر اُس سے اعلانیہ طلاق لے، اگر طلاق نہ دے تو جس طرح جانے اُس کے پاس سے بھاگے اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو وُہ مجبور ہے اور وبال شوہر پر ہے، ردالمحتار میں ہے،

اذا سمعت او اخبرھا عدل لا یحل لھا تمکینہ بل تفدی نفسھا بمال او تھرب فان حلف ولا بینۃ لھا فالاثم علیہ اذا لم تقدر علی الفداء او الھرب[2] (باختصار) واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

اگر خود عورت، مرد کی طرف سے تین طلاقیں سُن لے، یا کسی عادل شخص نے اس کو یہ اطلاع دے دی تو پھر بیوی کو حلال (جائز) نہیں کہ وُہ خاوند کو اپنے پر رجاع کا موقعہ دے بلکہ جیسے بن پڑے مال دے کر اعلانیہ طلاق لے یا بھاگ کر اپنے کو بچائے، اور اگر خاوند طلاق نہ دینے کی قسم کھالے اور طلاق پر عورت کے پاس گواہ نہ ہوں اور بیوی مال کے بدلے یا بھاگ کر اپنے آپ کو نہ بچا سکے تو اب گناہ خاوند پر ہوگا (باختصار)۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱: از جونپور مرسلہ مولوی عبدالاول صاحب ۲۸ رمضان ۱۳۳۸ھ

زید نے اپنی زوجہ کے کابین نامہ میں منجملہ شرائط ایک شرط یہ لکھی کہ اگر بغیر رجسٹری شدہ اجازت نامہ تم سے حاصل کئے ہُوئے اور بغیر تمہارا کل مہر ادا کئے ہُوئے دوسرا نکاح کروں تو منکوحہ جدیدہ کو میری طرف سے تین طلاق ہوں گی، اب صُورتِ حال یہ ہے کہ زوجہ نے مہر معاف کردیا اور اجازت نامہ نکاح بلا رجسٹری شدہ شوہر نے حاصل کرکے دُوسرا نکاح کرلیا اب شرعاً اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ اجازت نامہ بلا رجسٹری شدہ ہے اور ایفائے مہر نہیں پایا بلکہ زوجہ نے معاف کردیا تو منکوحہ جدیدہ مطلقہ ہوگی

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

[2] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۳۲

یا نہیں ؟

الجواب

فقیر شب ہلال ماہ مبارک سے بغرضِ علاج بعض اعزہ اس پہاڑ پر آیا ہوا ہے وطن سے دور، کتب سے مہجور، بظاہر مقتضائے نظر فقہی یہ ہے کہ صورتِ مستفسرہ میں طلاق نہ ہوگی کہ ایفا سے مقصود برائت ذمہ ہے وہ حاصل اور رجسٹری کہ وقت انکار تحفظ کے لئے ہوتی ہے جب عورت نے اجازت دے دی اجازت نامہ لکھوا دیا اصل مقصود حاصل ہوگیا جیسے عورت سے کہا اگر کل مجھے فلاں چیز لاکر نہ دے یا فلاں چیز لے کر نہ آئے تو تجھ پر طلاق، اُس نے چیز کسی کے ہاتھ بھیج دی، طلاق نہ ہوئی جبکہ مقصود اُس شَے کا پہنچنا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲ از محکمۂ شرعیہ نل بازار بمبئی مسئولہ سید حسین صاحب نائب قاضی ۱۹ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص نے ایک اقرار نامہ اپنی زوجہ کو لکھ دیا جس میں ایک شرط یہ تھی کہ اگر مُقر اپنی توبہ کا پابند نہ ہُوا اور خلافِ شرع کوئی فعل کرے تو اُسی وقت میری زوجہ کو اختیار رہوگا کہ وہ بلا اجازت میری اپنے ورثاء کے یہاں یا اپنے باپ بھائی کے یہاں فوراً چلی جائے یا اُس کے ورثاء بلا میری دریافت کے اُسے لے جائیں اور اس خلاف ورزی شرح شریف میں میری جانب سے میری زوجہ کو طلاق قطعی سمجھی جائے نیز میری زوجہ کو یہ بھی اختیار رہوگا کہ بموجب ہوجانے طلاق طلاق شرعی کے بعد میعادِ عدت اپنا نکاح ثانی خود کرلے یا اس کے ورثاء اُس کا نکاحِ ثانی جہاں اُس کی خوشی ہو کردیں مجھ کو اس میں کسی قسم کا عذر نہ ہوگا اگر وہ اپنی تحریر کردہ شرط کی خلاف ورزی کرے تو طلاق ہُوئی یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں طلاق نہ ہُوئی،

کما بیّناہ فی فتاوٰنا ونص فی الخانیۃ ف ان احسبی انک طالق لیس بطلاق[1] وفی الھندیۃ عن الخلاصۃ	جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے، اور خانیہ میں نص موجود ہے کہ خاوند کا بیوی کو کہنا کہ "تُو طلاق سمجھ لے" یہ طلاق نہیں ہے، اور ہندیہ

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۰

ف: خانیہ کے الفاظ اس طرح ہیں، لایقع الطلاق وان نوی کانہ قال لھا بالعربیۃ احسبی انک طالق وان قال ذٰلک لایقع وان نوی۔ نذیر احمد سعیدی

امرأۃ قالت لزوجها مرا طلاق دہ فقال دادہ انگار او کردہ انگار لا یقع وان نوی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

خلاصہ میں منقول ہے کہ کسی عورت نے اپنے خاوند کو کہا کہ "مجھے طلاق دے" تو خاوند نے جواب میں کہا "تو اس کو طلاق دی ہوئی یا طلاق کی ہوئی سمجھ لے" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ اس سے طلاق کی نیت کی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴۳ و ۳۴۴ از سرائے بھنولی ڈاک خانہ شاہ گنج ضلع فیض آباد مرسلہ محمد فیض اللہ صاحب
۲۰ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسائل ذیل میں :

(۱) ایک اقرار نامہ مندرجہ ذیل مضمون کا لکھا گیا جس کے کل شرائط ولی ہندہ کے مقرر کئے ہُوئے ہیں جو کہ مضمونِ اقرار نامہ سے صاف ظاہر ہے اور محمد شفیع کی طرف سے کوئی شرط مقرر نہیں کی گئی اور نہ اُس کو قرارداد شرط کی اجازت دی گئی حالانکہ اقرار نامہ کے ایک لفظ سے بھی محمد شفیع کو اتفاق نہیں تھا اور نہ اُس کا کوئی معاون و ولی تھا کہ کچھ عذر کرتا، ولی ہندہ ایک زبردست و اہل مقدور شخص ہے اس نے بالجبر محمد شفیع سے دستخط کرالیا پس یہ اقرار نامہ شرعًا معتبر ہے یا کہ غیر معتبر؟ بیّنوا توجروا۔

(۲) قبل تحریر اقرار نامہ ولی ہندہ جو کہ بمقابلہ محمد شفیع ہر حالت میں بدرجہا زور آور و اہل مقدور تھا بکیفِ بے بس محمد شفیع سے بالجبر طلاق لینے پر آمادہ تھا مگر اُس وقت محمد شفیع نے کچھ گریہ وزاری سے منت وسماجت کی کہ اُس کا اثر اس پر کارگر ہوا اور نتیجہ یہ ہُوا کہ طلاق سے تو باز رہے مگر اقرار نامہ مذکورہ ذیل پر دستخط کرا لیا محمد شفیع نے اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر دستخط کردیا کچھ دن کے بعد محمد شفیع رنگون چلا گیا اور تھوڑے عرصے تک حسبِ وسعت مبلغ بیس پچیس روپیہ ہندہ کو روانہ کیا مگر کچھ عرصہ تک بوجہ مجبوری خرچ روانہ نہ کرسکا البتہ خطوط روانہ کرتا رہا اور اس کے ذریعہ سے اپنی مجبوری ظاہر کرتا رہا اور بعد کو بھی تین چار روپیہ روانہ کیا اب محمد شفیع قریب ساڑھے تین سال کے بعد رنگون سے واپس آیا اور وجہ عدم ادائگی خرچ میں یہ عذر بیان کیا کہ میں سخت جل گیا تھا اور کوئی امیدِ زندگی نہ تھی، چنانچہ چھ ماہ میں ہسپتال میں پڑا رہا (جلنے کا حال زبانی آیندگان آنصوبہ سے بھی سُنا گیا اور اب بھی اس کے جسم پر نشان دیکھا گیا یعنی موجود پایا گیا) اُس حالت میں مبلغ پچاس روپیہ کا قرضدار ہوگیا بعد صحت چند روز بیکار رہا اور جب کامیاب ہوا تو قرض ادا کیا بقیہ زادِ راہ میں صَرف ہوا عدم روانگی خرچ سے ہندہ بوجہ اہل مقدور ہونے اپنے ولی کے محتاج نان ونفقہ نہ تھی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۰

علاوہ اس کے قریب دوصد روپیہ کی مالیت کا زیور جو کہ ملکیت محمد شفیع تھی اس کے پاس موجود تھے غرضیکہ ہندہ اور اسکے ولی کو نسبت نان ونفقہ وعدم روانگی خرچ کوئی شکایت نہیں ہے اور سب اُس سے رضامند ہیں پس سوال یہ ہے کہ بحالت صحت اقرار نامہ ایسی صورت میں ہندہ زوجیت سے خارج ہوئی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

نقل اقرار نامہ

منکہ محمد شفیع ولد عبدالقادر متوفی ساکن موضع سرائے بھنولی پرگنہ کچرانہ تحصیل کالو ضلع فیض آباد ام، چونکہ باغوائے شیطان چند افعال ناجائز مجھ سے آج تک ہوتے رہے میں نے اپنی منکوحہ مسماۃ ہندہ بنت محمد یٰسین خاں کے نان نفقہ سے بالکل غافل تھا حتی کہ میں نے آج تک ادنیٰ ضرورت بھی اس کی رفع نہ کی اور خلاف حکم خدا و رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس کے نان نفقہ سے بالکل بے خبر تھا، مگر اب میں اپنے افعالِ شنیعہ اور سراسر غفلت و بے فکری سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ کے لئے اقرار کرتا ہوں کہ مطابق مرضی منکوحہ اور اُس کے والدین کے ہر ایک فصل کی پابندی کرتا رہوں گا اور جو کچھ وُہ لوگ کہیں گے اُس پر عملدرآمد کروں گا اور اپنے گھر سے غیر ملک نہ جاؤں گا حسبِ اتفاق اگر غیر ملک جانے کے موقع نہ ہوا اور میں چلا جاؤں تو اپنی منکوحہ کے نان ونفقہ کی خبرگیری کرتا رہوں گا اگر ایسی غفلت کروں یعنی اپنی منکوحہ کا نان نفقہ وخبرگیری نہ کروں تو وہ عدم خبرگیری میری بجائے طلاق ثلاثہ کے سمجھی جائے اور پھر مجھ کو کوئی عذر نہ ہوگا، لہذا یہ چند کلمات بطور اقرار نامہ کے لکھ دیئے تاکہ سند رہے اور عند الضرورت کام آئے، فقط بقلم محمد فیض اللہ ۹ جولائی ۱۹۱۵ء العبد محمد شفیع بقلم خود۔

الجواب

فرصت غنیمت سمجھ کر دستخط کر دیا جبر واکراہ نہیں مگر وُہ اقرار نامہ بذاتہ خود ہی باطل و مہمل ہے، اگر محمد شفیع بے کسی قریب کے آپ ہی لکھتا اور پھر بلاضرورت غیر ملک کو چلا جاتا اور قصداً بلاعذر خبرگیری زوجہ سے دستکش رہتا اور ایک پیسہ کبھی نہ بھیجتا جب بھی اس باطل اقرار نامہ کی رُو سے اصلاً طلاق نہ ہوسکتی وہ اس میں طلاق نہیں کہتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ میری عدم خبرگیری کو بجائے طلاق ثلثہ سمجھا جائے، "یہ سمجھ کر" صریح باطل ہے عدم خبرگیری ایک طلاق بھی نہیں ہوسکتی نہ کہ تین طلاق کی جگہ اور باطل سمجھ کی اجازت دیں باطل، جیسے کوئی کہے اگر میں نہ آؤں تو دیوار کو طلاق سمجھ لینا کیا اس کے کہنے یا کسی کے سمجھ لینے سے دیوار طلاق بن جائے گی اور جب وہ اجازت وقول وفہم سب باطل ہے اور باطل پر کچھ اثر مرتب نہیں ہوسکتا لہذا وُہ اقرار نامہ مہمل ہے اور طلاق اصلاً نہ ہُوئی، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لوقال الزوج واوہ انگار اوقال کردہ انگار — اگر خاوند نے کہا "تُو طلاق دی ہوئی سمجھ" یا کہا "تُو

ذیقعه "الطلاق وان نوی کانه قال لها بالعربیة احسبی انك طالق وان قال ذلك لا یقع وان نوی"[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

طلاق کی ہُوئی سمجھ" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت کی ہو، کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی عربی میں کہے ترجمہ، "تُو خیال کرلے کہ تُو طلاق والی ہے" تو یہ بات کہنے سے طلاق نہ ہوگی، اگرچہ طلاق کی نیت بھی کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵ از رامپور محلہ فرنگن محل بزریا مُلّا ظریف مرسلہ مولوی ریاست حسین خاں صاحب ۲۲ شوال ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند اصحاب شرع وارباب ورع اندرینکہ شخصے بعد ایجاب وقبول نکاح خود را اقرارنامہ ایں عبارت تحریر نمود کہ منکہ یونس علی پسر حسین علی مرحوم حال ساکن ناگندیہ علاقہ تھانہ منگنڈ وضلع ارکانم منتقر در حالت صحت ذات وثبات عقل بلا اجبار واکراہ بخوشی خود مہر النساء دختر غلام علی مرحوم را بچند شرائط بنکاح خود آوردم:

شرط اول اینکہ مسماۃ مذبورہ را درباب تعلیم احکام شرعیہ مثل نماز وروزہ وغیرہ امور دینیہ کوشش کماحقہ بکار آرم (الٰی ان قال) شرط ہشتم بغیر رضا ورغبت مسماۃ مذکورہ زنے دیگر بنکاح خود نیارم اگر آرم بر ثانیہ سہ طلاق واقع خواہد شد۔ شرط نہم اگر ز شرطے ازیں شرائط مرقومہ بالا انحراف ورزم آنگہ اختیار مسماۃ موصوفہ را است کہ بتوسل کاغذ ہذا نفس خود را از زوجیتم سہ طلاق کردہ بنکاح دیگر پردازد یا بنکاح من ماند انتہی نقل اقرارنامہ بعینہ۔

کیا فرماتے ہیں اصحاب شرع وتقوٰی اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے نکاح میں ایجاب وقبول کے بعد اقرار نامہ میں یہ تحریر کیا کہ منکہ یونس علی پسر حسین علی مرحوم حال ساکن ناگندیہ علاقہ تھانہ منگنڈ وضلع ارکانم، اپنی صحت اور بقائمی عقل بغیر جبر واکراہ اپنی خوشی سے اقرار کرتا کہ مسماۃ مہر النساء دختر غلام علی مرحوم کو چند شرائط کے ساتھ اپنے نکاح میں لاتا ہُوں:

پہلی شرط یہ کہ مسماۃ مذکورہ کو شرعی تعلیم بابت نماز، روزہ وغیرہ امور دینیہ دینے میں پُوری کوشش کروں گا، حتی کہ یہ کہا کہ آٹھویں شرط یہ ہے کہ مسماۃ مذکورہ کی مرضی کے بغیر کسی دوسری عورت سے اپنا نکاح نہ کروں گا، اگر کروں تو دُوسری بیوی کو تین طلاق ہوں گی، اور نویں شرط یہ کہ اگر مذکور شرائط میں سے کسی شرط سے انحراف کروں تو مسماۃ موصوفہ کو اختیار ہوگا کہ اس کاغذ اور تحریر کے بموجب اپنے آپ کو تین طلاق کے ساتھ میری زوجیت سے خارج کرکے دوسرے شخص سے نکاح کرلے یا میرے نکاح میں رہے، نقل بعینہٖ اقرارنامہ ختم ہُوئی۔

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۰

اکنوں یونس علی مسماۃ مہرالنساء را سہ طلاق دادہ بلا رضا و رغبت مہرالنساء بزنِ دیگر نکاح نمودہ است دریں صورت مرقومہ بزوجہ ثانیہ یونس علی سہ طلاق واقع خواہد شد یا نہ، جناب فیضمآب مولانا صاحب دام اقبالہم و فیضہم بعد سلام عرض اینکہ جواب سوال بزودی عنایت فرمودہ ممنون فرمایند چنانکہ نخستین ہم مرہونِ منت و ممتاز دارین فرمودہ بودند دریں باب نیز علماء مختلف اند بعضے طلاق ثانیہ قائل ست، وبعضے بعدمش مصر فیصلہ چیست و مفتی بہ و مختار کدام، نزدم کتب مختلفہ موجود نیست بناء علیہ مکلف شدم عفو فرمایند، والسلام۔

اب اس کے بعد یونس علی نے مسماۃ مذکور کو تین طلاقیں دے کر مہرالنساء کی رضا و رغبت کے بغیر دُوسرا نکاح کرلیا، تو مسئولہ صورت میں یونس علی کی دوسری بیوی کو تین طلاقیں ہُوئیں یا نہیں، جناب فیض مآب مولانا صاحب! آپ کا فیض و اقبال ہمیشہ قائم رہے، سلام کے بعد عرض ہے کہ اس سوال کا جواب جلدی عنایت فرماکر ممنون فرمائیں تاکہ ہم ہمیشہ ممنونِ احسان رہیں، اس مسئلہ میں دوسرے علماء بھی اختلاف کر رہے ہیں، بعض دوسری بیوی کی طلاق پر مُصر ہیں اور بعض اس کی طلاق نہیں مانتے، آپ کا فیصلہ اور فتوٰی کیا ہے اور مختار قول کیا ہے میں اپنے پاس مختلف کُتب نہ ہونے کی بناء پر تکلیف دے رہا ہُوں، تکلیف پر معافی چاہتا ہوں، فقط، والسلام۔

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب
درصورت مستفسرہ قضیہ نظر فقہی تفصیل ست، اگر مہرالنساء گوید کہ یونس علی ایں نکاح دوم بے رضا و رغبت من کردہ است، و یونس علی دریں معنی تصدیق بیانش کند زن پس ہم از وقت نکاح سہ طلاق شود ورنہ ہیچ طلاق و فراق نیست۔

اے اللہ تجھ سے حق وصواب (درستگی) کی رہنمائی کا طلبگار ہُوں، مسئولہ صورت میں شرعی فیصلہ فقہی نظر میں تفصیل طلب ہے، اگر مہرالنساء کہے کہ یونس علی نے یہ دوسرا نکاح میری رضا و رغبت کے بغیر کیا ہے اور یونس علی اس کی تصدیق کرتا ہے تو دوسری بیوی کو نکاح کے وقت سے ہی تین طلاقیں ہوگئیں، ورنہ کوئی طلاق اور جُدائی نہ ہوگی۔

اقول و باللہ التوفیق تحقیق مقام آنست کہ طلاق زن ثانیہ معلق بوقوع نکاحش متلبس با عدمِ رضا و رغبت مہرالنساء ست پس ہم وقت نکاح ایں عدم باید و تحقق شرط کہ

اقول وباللہ التوفیق (اللہ کی توفیق سے میں کہتا ہُوں کہ) اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ دوسری بیوی کی طلاق، مہرالنساء کی رضا و رغبت کے معدوم ہونے سے مشروط ہے، تو شرط کا پایا جانا جزا کے

مستلزم تحقق جزا و زوال عصمت است تسلیم او مرہون
ثبوت شرعی است کہ اقرار زوج باشد یا اظہار بیّنہ
اما البینۃ فلانہا کاسمہا مبینۃ ، اما
اعتراف الزوج فلانہ یملك الانشاء فلا
یزاحم فی الاخبار ، تنہا بیان مہر النساء در حق
زوجہ ثانیہ شنودن ندارد کہ بیان یک زن حجت
شرعیہ نیست خاصۃ در حق ضرہ کہ محل تہمت ست و
اقدام یونس علی برین عقد بے استیذان مہر النساء
مثبت شرط نتواں شد کہ شرط عدم رضا بود نہ ترک
استرضا ، وشتان ماہما ، ولہذا علماء گفتہ اند کہ
در تعلیق بالرضا علم برضا در کار نیست ، مثلاً شوہر
حلف بطلاق کردہ مرزنش را گوید کہ بے رضائے من
بیروں نروی باز آہستہ گفت برو زن نشنید یا شنید و
نفہمید و بیروں رفت طالق نشود کہ بے رضا نرفتہ
است ، گو خود برضا مطلع مباشد بخلاف اذن کہ او
نباشد الا بقول مسموع و مفہوم تا آنکہ دلائل واضحہ
رضا نیز آنجا بکار نیاید ، مثلاً حلف کند بے اذن
زن نیاشامم زن کاسہ بدست خود گرفتہ نوشاند
و بر زبان ہیچ نگفت یا گفت و شوے نشنود یا
مفہومش نشد حانث شود کہ اذن متحقق نگشت ، پس
عدم اذن در محل شرط بہ بینہ ثابت تواں کرد لان
الشہادۃ علی النفی مقبولۃ فی الشروط
اما باثبات عدم رضا و رغبت راہے نیست زیرا کہ
او صفتے قلبی ست و علمش از علوم غیبی ، نہایت کار
شہود چنگ بدلائل خارجہ زدن ست و در ہچو

پائے جانے کو مستلزم ہوگا جس سے نکاح ختم ہوجائے گا
لیکن اس کو تسلیم کرنا شرعی ثبوت پر موقوف ہے اور ثبوتِ
شرعی خاوند کا اقرار یا شہادت ہے ، شہادت اس لئے
ضروری کہ وُہ معاملہ کو واضح کرتی ہے ، اور زوج کا اقرار
اس لئے کہ خاوند ہی طلاق کو نافذ کرنے کا مالک ہے،
لہذا حال کی خبر وُہ خود ہی دے سکتا ہے ، تنہا مہر النساء
کا بیان دوسری بیوی کے متعلق قابلِ سماعت نہیں ہے
کیونکہ ایک عورت کا بیان شرعی حجت نہیں ہے خاص کر
اپنی سوکن کے بارے میں کہ تہمت کا احتمال ہے اور
یونس علی کا مہر النساء سے اجازت طلب کئے بغیر یہ
دُوسرا نکاح کرنا طلاق کی شرط کے پائے جانے کے لئے
کافی نہیں ہے کیونکہ طلاق کی شرط مہر النساء کی عدم رضا
و رغبت ہے نہ کہ اس سے اجازت طلب کرنا ، جبکہ
ان دونوں میں بڑا فرق ہے ، اسی لئے علماء کرام فرماتے
ہیں کہ رضا کے ساتھ مشروط امر کے پائے جانے میں
رضا کا علم ضروری نہیں بلکہ رضا کا پایا جانا ہی کافی ہے،
مثلاً ایک شخص نے طلاق کا حلف کہتے ہُوئے اپنی بیوی
کو کہا کہ تُو میری رضا کے بغیر باہر مت جا۔ پھر آہستہ
سے کہا جا ، بیوی نے نہ سُنا ، یا سُنا مگر سمجھا نہیں
اور باہر چلی گئی تو طلاق نہ ہوگی ، کیونکہ وُہ رضا پر باہر
گئی اگرچہ وُہ خود رضا پر مطلع نہ ہُوئی ، اس کے برخلاف
اگر رضا کی جگہ وُہ اذن کا لفظ کہتا تو طلاق ہوجاتی
کیونکہ اذن کے لئے ایسا قول ضروری ہے جو سُنا اور
سمجھا جاسکے حتی کہ وہاں اذن کی واضح دلیل بھی پائی جائے
تو کار آمد نہ ہوگی ، مثلاً خاوند نے بحلف کہا کہ میں بیوی کی اجازت

مقام امارات ظاہرہ اگر باچند ہر چہ تمامتر واضحہ باشد بکار نیاید، علماء فرمودہ اند زن را گفت اگر فلاں مومن ست تو طلاقۃٌ و فلاں را می بینم از صلحائے امصار و اتقیائے روزگار ست او ھزار گفتہ باشد من مومنم در حق تعلیق تصدیق نباشدؑ و طلاق نیفتد تا زوج بایں معنی اعتراف نکند زیرا کہ ایمان در دل ست و امارات ازینجا حجیت منعزل و شہادت فرد از قبول منفصل، باز ایں دلائل اگر بعد وقوع ایں نکاح ثانی یافتہ شد مثلاً مہر النساء را خبر رسید او روئے درہم کشید یا پیش از نکاح منع ایں معنی می کرد و بر ذکر او غضب می آورد خود بکار نیست زیرا کہ شرط وقوع نکاح متلبسا بعدم الرضاست، دل ہر وقت بریک حال نیست، القلب یتقلب رضائے سابق و لاحق دلیل عدم مقارن نتواں شد الا بہ استصحاب در سابق یا قیاس در لاحق و اینہمہ از ظاہر ست و ظاہر واقع ست نہ مثبت بلکہ آں سابق و لاحق نیز خود ظاہری بیش نبود و اللہ علیم بذات الصدور، ایں ظاھر در ظاہر شدؑ ضعف در ضعف راہ یافت و اگر خود عین وقت ایں عقد دلائل غضب یافتہ شود علت منحصر دریں نیست اسباب غضب ہزار ست ممکن کہ یاد تعلیق خودش در غضب آوردہ باشد نہ عدم رضا بایں عقد، اطلاع برآنکہ وجہ غضب چیست باز نیاز بآں آرد کہ آں وقت سخنان مہر النساء او دستاویز نمایند ایں باز رجوع بہ بیان زن شدہ و شہادت شہود از میاں برخاست

کے بغیر نہ پیوں گا، اگر بیوی اپنے ہاتھ سے پانی والا پیالہ دے اور وہ پی لے اور بیوی نے اس موقعہ پر اپنی زبان سے کچھ نہ کہا یا زبان سے پینے کو کہا مگر خاوند نے نہ سُنا یا سُنا مگر سمجھ نہ سکا، تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ اذن نہ پایا گیا، پس عدم اذن کی شرط ہو تو یہ گواہی سے ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ شرائط میں منفی پر گواہی مقبول ہوتی ہے، لیکن عدم رضا و رغبت کو گواہی سے ثابت کرنا مشکل ہے کیونکہ وہ قلبی معاملہ ہے جس کا علم غیبی علوم میں سے ہے جبکہ گواہی میں خارجی امور پر سہارا ہوتا ہے اور ایسے قلبی حال پر کتنی ہی واضح علامات کیوں نہ ہوں وہ کارآمد نہیں ہو سکتیں، علماء نے فرمایا ہے کہ خاوند بیوی کو کہے اگر فلاں شخص مومن ہے تو تجھے طلاق ہے، جبکہ فلاں شخص کو شہر میں نیک اور نماز کا پرہیزگار دیکھا جا رہا ہو اور وہ ہزار بار مومن ہونے کا دعوٰی کرے لیکن طلاق دینے کے معاملہ میں اس کی بات کی تصدیق نہ کی جائے گی اور طلاق نہ پڑے گی جب تک خاوند اس کے مومن ہونے کا اعتراف نہ کرے گا طلاق نہ ہو گی، کیونکہ ایمان دل میں ہے اس پر علامات یہاں حجت نہیں بن سکتیں اور کسی فرد کی شہادت یہاں مقبول نہ ہو گی، پھر اگر یہ علامات نکاح ثانی کے بعد سرزد ہوں مثلاً مہر النساء کو دوسرے نکاح کی اطلاع ملی تو اس نے مُنہ پھیر لیا ہو، یا نکاح سے قبل مہر النساء نے اس سے منع کیا ہو اور دوسرے نکاح کے ذکر پر ناراض ہوئی ہو، یہ علامات بھی کارآمد نہیں ہو سکتیں کیونکہ شرط یہ ہے کہ دُوسرا نکاح مہر النساء کے دل کی رضامندی سے نہ ہو تو طلاق ہو گی، جبکہ دل کا حال

بلکہ غالب عادت زناں خاصہ دریں بلاد و زماں ہمانست کہ نکاح ثانی شوہران پسند نکنند اگرچہ خود آنہا طلاق شدہ باشند، اما ایں ظاہر یا آنکہ ظاہر واز جمعیت قاصرست ضعیف ترست، بار ہا زناں مطلقہ بلکہ معلقہ بدعاء آرزو کنند کہ شوہر تیچہ زنے بلایا سلیطہ کج ادا گرفتار آید تا کیفر کردار خود چشد و عذابے کہ مارا کردہ است خمیازہ اش کشد و رضا بچیزے را علم باں چیز ہم در وقت حدوث او ضروری نیست مثلاً پدر زید را تمنا است کہ زید بمنصب وزارت رسد در غیبت پدر وزیرش کردند گفتہ نشود کہ ایں وزارت بے رضائے پدر ست پس وقوع ایں عقد بے اطلاع مہر النساء نیز محقق شرط نباشد، بالجملہ راہ باثبات ایں شرط نیست، جز باخبار مہر النساء مع تصدیق یونس علی، و اصل کار بجائے اقرار یونس علی ست اگر یافتہ شد سہ طلاق لفور نکاح نقد وقت ثانیہ است کہ نا مدخولہ محل سہ طلاق دفعی ست اگرچہ تفریق بر نیابد کہ احتمال تعلیقات بزمان بقائے زوجیت زوجہ اولیٰ مقتصر نیست ورنہ خیر۔

بدلتا رہتا ہے پس پہلے یا بعد کی عدم رضا نکاح کے وقت ناراضگیٔ دل کی دلیل نہیں بن سکتی، ہاں سابق ناراضگی استصحابِ حال اور بعد والی قیاس بن سکتی ہے، لیکن یہ سب کچھ ظاہری چیزیں ہیں جبکہ ظاہر واقع تو ہو سکتا مگر وہ مثبت نہیں بن سکتا بلکہ وُہ سابق اور لاحق خود بھی ظاہر سے بڑھ کر نہیں ہیں، دل کی کیفیت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، یہ جو کچھ ظاہر ہوا ظاہری معاملہ ہے اور ضعیف ہے جو کہ ضعف کا راستہ پاتا ہے بلکہ عین نکاح ثانی کے وقت بھی مہر النساء کا غصہ پایا جائے تو یہ بھی دلیل نہیں ہو سکتی کہ یہ دوسرے نکاح سے ناراض ہو رہی ہے کیونکہ غصہ کی وجوہ کئی ہو سکتی ہیں ممکن ہے اس وقت اس کا غصہ اپنی طلاق کے تصور کی وجہ سے ہُوا ہو، دوسرے نکاح سے عدم رضا کی وجہ سے ہو یہ معلوم کرنا کہ غصہ کی وجہ کیا ہے آخر کار دلیل اس کی یہی ہو سکتی ہے کہ مہر النساء نے دوسرے نکاح کے وقت غصہ کی باتیں کی ہیں یہ پھر بیوی کے بیان پر موقوف ہُوا اور درمیان میں گواہوں کی گواہی نا پید رہی بلکہ تسلیم شدہ ہے کہ اس ملک میں موجودہ زمانے کی عورتوں کی عادت ہے کہ وُہ خاوند کے دوسرے نکاح کو پسند نہیں کرتیں اگرچہ ان میں سے خود طلاق بھی حاصل کر چکی ہوں مگر یہ عادت بھی تو ظاہر معاملہ ہے اور نکاح کے وقت دل کی کیفیت پر دلالت قاصر اور ضعیف تر ہے کیونکہ بارہا مطلقہ اور معلقہ عورتیں بددُعائیں اور بُری آرزوئیں کرتے ہُوئے کہتی ہیں کہ خاوند کا برا ہو وہ کسی بُری عورت کے پنجہ یا مصیبت میں گرفتار ہو تا کہ وُہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے اور اس نے جو مجھے تکلیف دی اس کا خمیازہ بھگتے، کسی چیز پر رضا کو یہ لازم نہیں کہ اس چیز کے حدوث اور وجود کا علم بھی ہو مثلاً زید کے والد کی تمنا ہے کہ زید وزارت کے منصب تک پہنچے جبکہ والد کی عدم موجودگی میں زید کو وزیر بنا دیا جائے تو یہ نہ کہا جائے گا کہ یہ وزارت والد کی رضا کے بغیر دی گئی ہے (غرضیکہ رضا و عدم رضا پائے جانے کے باوجود یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ عین واقعہ کے وقت رضا موجود تھی) پس یونس علی کے دوسرے نکاح کا مہر النساء کی اطلاع کے بغیر ہونا بھی شرط کا ثبوت نہیں بنتا، حاصل یہ کہ

دوسرے نکاح کے وقت مہر النساء کی عدم رضا کا اثبات سوائے اس کے ممکن نہیں کہ مہر النساء خود بتائے اور یونس علی اس کی تصدیق کرے بلکہ اصل دارومدار یونس علی کے اقرار پر ہے اگر اس کا یہ اقرار پایا جائے تو فوری طور پر دوسرے نکاح کو کرتے ہی دوسری غیر مدخولہ کو بیک وقت تین طلاقیں ہوجائیں گی، کیونکہ غیر مدخولہ بیوی بیک لفظ تین طلاقوں کا محل ہے اگرچہ متفرق طلاقوں میں تینوں کا محل نہیں، کیونکہ تعلیقات کا عمل پہلی بیوی کی زوجیت کی بقاء پر منحصر نہیں ہے اور اگر یونس علی کا اقرار نہ ہو تو خیر (یعنی طلاق نہ ہوگی) (ت)

حالا برخے از کلمات علماء برخوانیم وآنچہ گفتہ ایم بپایہ اثبات رسانیم، وباللہ التوفیق۔

اب ہم علماء کا کچھ کلام بیان کرکے اپنے مذکورہ موقف کو ثابت کریں گے وباللہ التوفیق۔

امام محقق علی الاطلاق در فتح القدیر کتاب الایمان فی مسائل متفرقہ فرماید لوقال لامرأتہ کل امرأۃ اتزوجہا بغیر اذنک طالق فطلق امرأتہ طلاقا بائنا اوثلثا ثم تزوج بغیر اذنہا طلقت لانہ لم تتقید یمینہ ببقاء النکاح لانہا انما تتقید بہ لوکانت المرأۃ تستفید ولایۃ الاذن والمنع بعقد النکاح[1]

امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں کتاب الایمان کے مسائل متفرقہ میں فرمایا ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے جس عورت سے بھی تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو اُسے طلاق ہے، پھر اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی یا تین طلاقیں دے دیں پھر اس نے اس دوران پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری عورت سے نکاح کیا تو دوسری کو طلاق ہوجائے گی کیونکہ اس نے حلف میں دوسری عورت سے نکاح کو پہلی بیوی کے نکاح کے باقی رہنے سے مقید نہیں کیا، اس سے مقید تب ہوتا جب پہلی بیوی اپنے نکاح کے وقت اذن یا منع کا اختیار حاصل کرتی۔ (ت)

علامہ محقق زین بن نجیم در بحر الرائق فرماید الاذن یطلع علیہ بالقول بخلاف المحبۃ[2] ملخصا ہمدران ست حقیقۃ المحبۃ والبغض امر خفی لایوقف علیہا من قبل احد لامن قبلہا ولامن قبل غیرہا لان القلب یتقلب لایستقر

علامہ محقق زین بن نجیم نے بحر الرائق میں فرمایا اذن پر صرف قول کے ذریعہ اطلاع ہوسکتی ہے بخلاف محبت کے، اسی میں یہ بھی فرمایا کہ محبت اور بغض کی حقیقت مخفی معاملہ ہے اس پر مرد یا عورت کسی کی طرف سے واقفیت نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ دلی کیفیت ہے جو بدلتی رہتی ہے کیونکہ دل بدلتے رہنے والی

---

[1] فتح القدیر کتاب الایمان مسائل متفرقہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۰

[2] بحر الرائق باب التعلیق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

علی شئ۔[1]

چیز ہے دل کو کسی ایک چیز پر قرار نہیں۔(ت)

امام حافظ الدین محمد کردری در وجیز کتاب الایمان فصل تاسع فرمایدان اذن ولم تسمع لایعتبر عند الامام ومحمد رحمهما الله تعالٰی، وفی الصغری: لاتخرجی الابرضائی اوبغیر رضائی فاذنها ولم تسمع او سمعت ولم تفهم لایحنث بالخروج، بخلاف الا باذنی اوبغیر اذنی حیث یحنث لان الرضا یتحقق بلا علمها والاذن لایتحقق[2]

امام حافظ الدین محمد کردری نے وجیز کتاب الایمان کی نویں فصل میں فرمایا: اگر اذن دیا اور دوسرے نے نہ سنا تو یہ اذن معتبر نہ ہوگا، یہ امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا مسلک ہے۔ صغرٰی میں ہے: خاوند نے بیوی کو کہا تو میری رضا کے بغیر باہر نہ جائیگی، تو اس کے بعد خاوند نے بیوی کو اجازت دی مگر بیوی نے نہ سنا، یا سنا ہے لیکن سمجھی نہیں تو بیوی نکل جانے سے حانث نہ ہوگی، اس کے برخلاف اگر اس نے بیوی کے نکلنے کو اذن پر موقوف کیا ہو تو مذکورہ صورت میں خلاف ورزی قرار پائے گی یعنی حانث ہوگی، کیونکہ رضا بیوی کے علم کے بغیر بھی ہوسکتی ہے جبکہ اذن اس کے علم کے بغیر متحقق نہیں ہوسکتا۔(ت)

ہمدراں ست لایشرب الاباذنه فناوله القدح بیده ولم یقل بلسانه شیئا فشرب یحنث لانه دلیل الرضا لا الاذن، لاتخرج امرأته الا بعلمه فخرجت وهو یراها لایحنث، وان اذن لها بالخروج فخرجت بعده بلاعلمه لایحنث[3]

اسی میں ہے: ایک نے دوسرے کو کہا "تو میرے اذن کے بغیر نہ پئے گا" اس کے بعد اس نے خود پانی کا پیالہ اس کے ہاتھ میں دے دیا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا اور دوسرے نے پانی پی لیا تو خلاف ورزی ہوجائیگی اور وہ حانث ہوجائیگا کیونکہ ہاتھ میں دینا رضا کی دلیل تو ہوسکتی ہے مگر اذن نہیں ہوسکتا، یونہی بیوی کو کہا "میرے علم کے بغیر باہر نہ جائے گی" پھر اس کے دیکھتے ہوئے اسکی عورت نکلی تو حانث نہ ہوگا، اور اگر اس کے بعد نکلنے کی اجازت زبانی دے دی تو اب علم کے بغیر بھی نکل جائے تو حانث نہ ہوگا۔(ت)

---

[1] بحرالرائق باب التعلیق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/۲۷

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی حاشیۃ فتاوٰی ہندیۃ التاسع فی الیمین فی الاذن نورانی کتب خانہ کراچی ۴/۲۹۴

[3] " " " " " " " " " ۴/۲۹۶

امام اجل برہان الملۃ والدین درہدایہ فرماید

ان کان الشرط لایعلم الا من جھتھا فالقول قولھا فی حق نفسھا مثل ان یقول ان حضت فانت طالق وفلانۃ فقالت قد حضت طلقت ھی ولم تطلق فلانۃ ووقوع الطلاق استحسان، والقیاس ان لایقع لانہ شرط فلا تصدق کما فی الدخول، وجہ الاستحسان انھا امینۃ فی حق نفسھا اذ لا یعلم ذلک الا من جھتھا فیقبل قولھا کما قبل فی حق العدۃ والغشیان ولکنھا شاھدۃ فی حق ضرتھا بل ھی متھمۃ فلا یقبل قولھا فی حقھا[1]، در فتح القدیر ست شھادتھا علی ذٰلک شھادۃ فرد و اخبارھا بہ لایسری فی حقھا مع التکذیب[2]

علامہ آفندی شامی در ردالمحتار فرماید

قال فی البحر قید بمحبتھا لانہ لو علقہ بمحبۃ غیرھا فظاھر ما فی المحیط انہ لابد من تصدیق الزوج

امام اجل برہان الملۃ والدین نے ہدایہ میں فرمایا

اگر شرط ایسی ہو کہ اس کا علم صرف عورت کے بیان و اظہار پر موقوف ہو تو عورت کی بات معتبر ہوگی جس کا تعلق اس عورت کی ذات سے ہو، مثلاً کہا اگر تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے اور فلانی کو بھی، اب اس عورت نے کہا مجھے حیض آیا ہے، تو اس کو خود طلاق ہوجائیگی دوسری فلانی کو نہ ہوگی، اس کو طلاق ہونا بطور استحسان ہے جبکہ قیاس یہ ہے کہ طلاق نہ ہو، کیونکہ یہ شرط ہے جبکہ شرط کے وقوع میں صرف عورت کی بات معتبر نہیں ہوتی جیسا کہ دخول وغیرہ کی شرط میں استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اپنے معاملہ میں وُہ امین متصور ہوگی کیونکہ معاملہ ایسا ہے جس کا علم اس کے بیان پر موقوف ہے اس لئے اس کی ذات کے بارے میں اس کی بات معتبر ہوگی، جیسا کہ عدت اور اس سے وطی کے متعلق اس کی بات معتبر ہوتی ہے لیکن اس کی یہ بات سوکن کے حق میں شہادت بنتی ہے بلکہ تہمت متصور ہوتی ہے اس لئے سوکن وغیرہ دوسری عورت کے بارے میں اس کی یہ بات معتبر نہیں ہوگی اور قبول نہ کی جائے گی۔ فتح القدیر میں ہے: عورت کی گواہی دوسری عورت کے بارے میں یہ ایک فرد کی گواہی بنتی ہے تو اس لئے اس کی یہ بات دُوسری پر اثرانداز نہ ہوگی جبکہ تہمت کی وجہ سے اس کو جھُوٹا قرار دیا جاسکتا ہے۔ علامہ آفندی شامی نے ردالمحتار

---

[1] ہدایہ باب الایمان فی الطلاق المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۳۶۶

[2] فتح القدیر باب الایمان فی الطلاق " " " ۴/۵۱

فانه قال لو قال انت طالق ان لم تکن امك تهوى ذلك فقالت الام انا اهوى و كذبها الزوج لا تطلق فان صدقها طلقت لما عرف ، و روى ابن رستم عن محمد انه لو قال ان كان فلان مؤمنا فانت طالق لا تطلق لان هذا لا يعلمه الا هو ، ولا يصدق هو على غيره وان كان هو من المسلمين يصلى و يحج ، ولو قال الآخر لى اليك حاجة فاقضها لى فقال امرأته طالق ان لم اقض حاجتك ، فقال حاجتى ان تطلق زوجتك فله ان لا يصدقه فيه ولا تطلق زوجته لانه محتمل للصدق والكذب فلا يصدق على غيره اھ ، قال الخير الرملى و قد علم من هذه الفروع انه ان علق بفعل الغير

میں فرمایا کہ بحر میں کہا ہے کہ بیوی کی محبت سے اس کو مقید کیا کیونکہ اگر کسی غیر کی محبت سے طلاق کو مشروط کیا جائے، تو محیط کے بیان سے ظاہر یہی ہے کہ خاوند کی تصدیق کے بغیر محض بیوی کے کہنے پر طلاق نہ ہوگی کیونکہ وہاں یہ فرمایا ہے کہ اگر خاوند نے کہا' اگر تیری ماں یہ نہ چاہتی ہو تو تجھے طلاق ہے، اس پر ماں نے کہا میں نہیں چاہتی، اور خاوند نے ماں کی بات کو غلط قرار دیا تو طلاق نہ ہوگی، ہاں اگر خاوند ماں کی تصدیق کرے تو طلاق ہوجائیگی جیسے کہ معلوم ہے۔ ابن رستم نے امام محمد سے نقل کیا کہ خاوند نے کہا اگر فلاں مومن ہے تو تجھے طلاق ہے، تو یہاں طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے جس کی اطلاع وہ فلاں شخص خود دے سکتا ہے لیکن اس کا بیان دوسرے کے خلاف قابل تصدیق نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ مسلمان نظر آئے نماز اور حج وغیرہ ادا کرتا ہو، اور اگر ایک نے دوسرے کو کہا مجھے تجھ سے ایک حاجت ہے، تو میری حاجت پوری کر، دوسرے نے کہا اگر میں تیری حاجت پوری نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے، تو پہلے نے کہا میری حاجت یہ ہے کہ تو اپنی بیوی کو طلاق دے، تو دوسرے شخص کو حق ہے کہ وہ اس کی بات تسلیم کرنے سے انکار کرے تو بیوی کو طلاق نہ ہوگی کیونکہ پہلے کی بات جھوٹ اور سچ ہونے کا احتمال رکھتی ہے لہذا غیر کے خلاف یہ دلیل نہیں قرار نہیں دی جاسکتی اھ خیر الدین رملی نے اس پر فرمایا کہ ان مسائل سے معلوم ہوا کہ اگر دوسرے کے فعل پر طلاق کو مشروط کیا ہو تو اس

لایصدق ذلك الغیر علیه سواء، کان مما لایعلم الامنه ام لا ولابد من تصدیق الزوج فیهما او البینة فیما یثبت بها من الامر الذی یعلم[1] ایں عین جزئیہ مطلوبہ ماست، وللّٰه الحمد، واللّٰه تعالٰی اعلم۔

غیر کی تصدیق ضروری نہیں ہے خواہ غیر کا یہ فعل دوسروں کو معلوم ہوسکے یا صرف وہی اظہار کرسکتا ہو دوسروں کو معلوم نہ ہوسکتا ہو، دونوں صورتوں میں خاوند کی طرف سے تصدیق کرنا ضروری ہے یا پھر گواہی سے ثابت ہوجائے وُہ فعل جس پر دوسروں کو اطلاع ہوسکتی ہو، یہی ہمارا مطلوبہ جزئیہ ہے وللّٰه الحمد، واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۰۵

باب الایلاء

(ایلاء کا بیان)

مسئلہ ۳۶ ۱۳ شعبان معظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایلاء کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا حکم ہے اور اس سے طلاق مغلظہ پڑتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ایلاء کے یہ معنی کہ مرد[1] اپنی عورت سے جماع کی قسم کھالے یا تعلیق کرے یعنی یُوں کہے کہ اُس سے جماع کروں تو مجھ پر یہ جزا لازم آئے، اور[2] یہ قسم وتعلیق یا تو مطلق ہوں مثلاً واللہ میں تجھ سے جماع نہ کروں گا' یا تجھ سے جماع کروں تو مجھ پر روزہ لازم' یا موبد یعنی صراحۃً ہمیشہ کے لئے ہوں مثلاً خدا کی قسم میں تجھ سے کبھی صحبت نہ کروں گا' یا تجھ سے کبھی صحبت کروں تو مجھ پر حج واجب ہو' یا کسی خاص مدت کے لئے ہوں تو وُہ مدت چار[3] مہینے سے کم نہ ہو مثلاً مجھے قسم ہے چار مہینے تک تیرے پاس نہ جاؤں گا، یا پانچ مہینے تک تجھ سے وطی کروں تو مجھ پر سَو[4] رکعت نماز لازم، اور[5] تعلیق کی صورت میں یہ بھی ضرور کہ وُہ امر جس کا لازم آنا کہے اس میں مشقت ہو جیسے امثلۂ مذکورہ، یا یہ کہ میرا غلام آزاد ہے، یا تجھ پر طلاق ہے' یا میرا مال خیرات ہے، یا مجھ پر قسم کا کفارہ ہو وغیر ذٰلک، اور وہ[6] وہ شرعاً تعلیق کیے سے بھی لازم آسکتا ہو جیسے نماز' روزہ' حج' صدقہ، اعتکاف، عمرہ، عتق، طلاق، کفارہ وغیرہا، نہ مثل وضو وغسل وتلاوتِ قرآن وسجدۂ تلاوت واتباعِ جنازہ وغیرہ کہ یہ چیزیں نذر وتعلیق سے لازم نہیں ہوجاتیں اور یہ قسم[7] وتعلیق ایسے طور پر واقع ہو کہ بے کسی چیز کے لازم آئے اصلاً مفر نہ رہے، ایسی صورت نہ نکل سکے کہ[8] اُس

عورت سے جماع کرے اور کچھ لازم نہ آئے، جب یہ پانچوں باتیں جمع ہوں گی تو ایلاء ہوگا اور ایک بھی کم ہوئی تو نہیں، مثلاً نہ قسم[1] کھائی نہ تعلیق، خالی عہد کرلیا کہ عمر بھر تیرے پاس نہ جاؤں گا یہ کچھ بھی نہیں کہ خالی عہد سے کچھ نہیں ہوتا، یا قسم[2] و تعلیق تو ذکر کی مگر مدت چار مہینے سے کم رکھی اگرچہ ایک ہی ساعت کم، یہ ایلاء نہ ہُوا، جتنی مدت کی قید لگائی ہے اُس کے اندر جماع کیا تو بصورتِ قسم خاص کفارہ اور بصورتِ تعلیق روزہ وغیرہ جو کچھ لازم آنا کہا تھا خواہ مثل قسم کفارہ لازم آئے گا کہ یہ حکم تو اس قسم و تعلیق کا ہے مگر مدت بے جماع گزر گئی تو عورت نکاح سے نہ نکلے گی جو خاص حکمِ ایلاء ہے، یونہی[3] اگر تعلیق میں دو رکعت نماز لازم آنی کہی تو ایلاء نہیں کہ دو رکعت میں کچھ مشقت نہیں اگر مدت کے اندر پاس گیا تو دو رکعتیں پڑھنی ہوں گی اور مدت خالی گزر گئی تو کچھ نہیں، اور اگر تعلیق میں تلاوت قرآن وغیرہ اشیائے غیر لازمہ ذکر کیں تو محض مہمل، نہ مدت گزرنے پر طلاق پڑی نہ مدت کے اندر صحبت کرنے سے کچھ لازم، اسی طرح اگر یُوں کہا کہ واللہ میں اس گھر میں تجھ سے وطی نہ کروں گا یا اس شہر میں تجھے کبھی ہاتھ لگاؤں تو مجھ پر فلاں چیز لازم، یہ بھی ایلاء نہیں کہ جب اس گھر یا شہر کی تخصیص ہے تو بغیر کچھ لازم آئے مفر موجود ہے جب چاہے اُس گھر یا شہر سے باہر لے جا کر جماع کر سکتا ہے کچھ بھی لازم نہ آئے گا، بس بے جماع چار مہینے نہیں کتنی ہی مدت گزر جائے طلاق نہ ہوگی، ہاں وہ قسم یا تعلیق جھُوٹی کی تو اُس کا جُرمانہ اُسی طرح دینا ہوگا کہ قسم میں خاص کفارہ اور تعلیق میں اختیار ہے چاہے وہ چیز بجالائے جو لازم مانی تھی چاہے قسم کے مثل کفارہ دے لے علٰی ہذا القیاس جس جس صورت میں بغیر کچھ لازم آئے مفر ملتی ہو ایلاء نہیں، ان سب قیود و احکام کی تصریح و تفصیل درمختار و ردالمحتار ہے من شاء فلیراجعہما (جس کا جی چاہے ان کی طرف رجوع کرے۔ ت) پھر جب ایلاء متحقق ہو تو اُس کا حکم یہ ہے کہ چار مہینے کے اندر اُس عورت سے جماع کیا تو بتفصیل معلوم قسم کا کفارہ یا وہی امر شاق جس کا لازم آنا کہا تھا لازم آئے گا اور چار مہینے گزر گئے کہ اُس سے جماع نہ کیا یا جماع مثلاً بوجہ مرض یا حبس یا دوری مسافت کہ مدت کے اندر عورت تک نہیں پہنچ سکتا ناممکن تھا تو زبانی رجوع نہ کیا مثلاً یُوں نہ کہہ لیا کہ میں نے اپنی عورت کی طرف رجوع کی یا اپنے اُس کہنے سے پھر گیا یا میں نے ایلاء باطل کردیا تو اس صورت میں عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی جس سے وہ خود مختار ہو جائے گی،

فی الدر حکمہ وقوع طلقۃ بائنۃ ان بر و لم یطأ ولزم الکفارۃ او الجزاء المعلق ان حنث بالقربان[1] فی ردالمحتار

دُر میں ہے کہ ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم پر قائم رہا اور وطی نہ کی تو طلاق بائنہ ہو جائے گی اور جماع کرنے پر کفارہ لازم ہوگا یا اگر کسی چیز کو معلق کیا تھا تو جماع کرنے پر وہ جزاء لازم ہوگی۔ ردالمحتار میں

[1] درمختار باب الایلاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۲

قولہ ولم یطأ عطف تفسیر والمراد بالوطئ حقیقتہ عند القدرۃ او ما یقوم مقامہ کالقول عند العجز فالمراد ولم یفئ ای لم یرجع الی ما حلف علیہ[1] اھ وفی الدر عجز عجزا حقیقیا لا حکمیا کاحرام لکونہ باختیارہ عن وطئہا لمرض باحدہما اوصغرہا اوجبہ اوعنتہ او بمسافۃ لایقدر علی قطعہا فی مدۃ الایلاء او لحبسہ لابحق ففیؤہ[2] نحو قولہ بلسانہ فئت الیہا اوراجعتک او ابطلت الایلاء او رجعت عما قلت ونحوہ[2] اھ ملخصا۔

اس پر فرمایا کہ ماتن کا قول "ولم یطأ" (اور وطی کی) عطف تفسیری ہے، اور وطی سے حقیقی جماع مراد ہے اگر قدرت ہو، اگر قدرت نہ ہو تو جماع کے قائم مقام، مثلاً یہ کہنا کہ میں نے بیوی سے رجوع کرلیا، کہے، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی قسم پر قائم نہ رہے اور قسم کو پورا نہ کرے تو کفارہ لازم آئے گا اھ، اور دُر میں ہے "عاجز ہوجائے" سے مراد حقیقی عجز ہے حکمی عجز نہیں جیسا کہ احرام کی حالت میں ہونا عجز حکمی ہے کیونکہ یہ عجز اختیاری ہے۔ بیوی سے وطی کے عجز کا مطلب یہ ہے کہ خاوند یا بیوی کو مرض لاحق ہو، یا بیوی صغیرہ ہو، یا خاوند نامرد یا آلہ سے محروم ہے، یا اتنی دور مسافت ہے کہ قسم کی مدت میں اس کو طے کرنا، قدرت میں نہیں ہے، یا ناحق قید میں ہے، تو ان صورتوں میں بیوی سے رجوع زبانی کرے اور یُوں کہے کہ میں نے بیوی سے رجوع کرلیا ہے یا میں نے ایلاء یعنی قسم کو باطل کردیا ہے، یا کہے کہ جو میں نے قسم کھائی اس سے میں نے رجوع کرلیا ہے یا اس کی مثل الفاظ کہہ دے، اھ ملخصاً (ت)

مگر ایلاء طلاق مغلظہ نہیں کہ حلالہ کی ضرورت ہو، عدت میں خواہ بعد عدت جب چاہیں باہم نکاح کرسکتے ہیں، ہاں اس سے پہلے کبھی دو طلاقیں دے چکا تھا تو آپ ہی حلالہ درکار ہوگا کہ اب یہ تیسری مل کر تین طلاقیں ہوگئیں یہ جُدا بات ہے یا اگر مدت[عہ] کی قید نہ تھی بلکہ مطلق یا صراحۃً مؤبد تھا اور چار مہینے بے رجوع گزر گئے کہ ایک طلاق بائن پڑی پھر اُس سے نکاح کرلیا اور پھر چار مہینے خالی گزر گئے تو دوسری پڑے گی پھر نکاح کرلیا اور یُونہی چار مہینے گزر گئے تو تین طلاقیں ہوجائیں گی اور اب بے حلالہ نکاح میں نہ لاسکے گا،

فی التنویر فی الحلف باللہ وجبت الکفارۃ تنویر میں ہے: ایلاء میں اگر اللہ کی قسم، کہا، تو اس سے

عہ اصل میں کرم خوردہ ہے۔

---

[1] رد المحتار باب الایلاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۶

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۳

وفی غیرہ وجب الجزاء وسقط الایلاء و الابانۃ بواحدۃ وسقط الحلف لوموقتا لا لوکان مؤبدا فلو نکحہا ثانیا وثالثا و مضت المدتان بلا فیئ بانت باخریین والمدۃ من وقت التزوج فان نکحہا بعد زوج اٰخر لم تطلق وان وطئہا کفر لبقاء الیمین[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

رجوع کرنے پر کفارہ لازم ہوگا، اور اگر کوئی شرط رکھی تھی تو وہ جزاء لازم آئے گی، اور ایلاء ساقط ہوجائیگا اور نہ قسم کو پُورا کرنے پر بیوی ایک طلاق سے بائنہ ہوجائیگی اور حلف مقررہ وقت کیلئے ہو تو ختم ہوجائے گا اور اگر حلف ابدی ہو تو ختم نہ ہوگا، لہذا دوبارہ اور سہ بارہ نکاح کرنے پر ایلاء کی مدت پُورا ہونے اور رجوع نہ کرنے پر دوسری اور تیسری طلاق سے بائنہ ہوتی رہے گی اور قسم کی مدت کا اعتبار نکاح کے وقت سے ہوگا لہذا اگر بیوی حلالہ کے بعد واپس اس کے نکاح میں آئے تو طلاق نہ ہوگی تاہم وطی کرنے پر کفارہ ضرور لازم ہوگا کیونکہ قسم ابدی ہونے کی وجہ سے باقی ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۷: ڈالور فرسٹ ایچ روڈ مکان ۱۰۱ مسئولہ ابوبکر ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے کتاب میں دیکھا ہے کوئی شخص حنفی مذہب کے موافق اپنی عورت سے کسی معاملہ میں ان بن ہوگی اور چار حیض تک کچھ تعلق نہ رہا تو ایک طلاق ہوگی، پھر اس پر ایک اور حیض گزرنے سے دُوسری طلاق ہوگی پھر ایک اور حیض گزرنے سے تیسری طلاق ہوگی، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ محض بے اصل ہے اس کا پتا نہ مذہب حنفی میں ہے نہ کسی مذہب میں، اصل حکم جو ہے کہ یہ شخص اپنی عورت سے قُربت کی قسم کھائے رب عزوجل نے اُسے چار مہینے کی مہلت دی ہے، اگر چار مہینے کے اندر قُربت کرلے گا تو عورت نکاح سے نہ نکلے گی کفارہ دینا ہوگا، اور اگر چار مہینے کامل گزر جائینگے تو ایک طلاق بائن ہوجائے گی عورت نکاح سے نکل جائے گی، پھر دوسرے یا تیسرے مہینے کوئی طلاق نہ ہوگی،

قال اللہ تعالٰی للذین یؤلون من نسائہم تربص اربعۃ اشہر

اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ لوگ جو بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کی قسم کی مدت چار ماہ ہے

---

[1] درمختار باب الایلاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۴۳-۲۴۲

فان فاؤ فان اللہ غفور رحیم[1] و ان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر اس دوران رجوع کرلیں تو اللہ تعالٰی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے، اور اگر وہ (رجوع نہ کرکے) طلاق کا عزم کئے ہوں تو اللہ تعالٰی سننے والا جاننے والا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۶
[2] ؍؍ ؍؍ ۲/ ۲۲۷

بابُ الخُلع

(خُلع کا بیان)

مسئلہ ۳۸: از ریاست رام پور محلہ مردان خاں مرسلہ سید محمد نور صاحب ۶ شوال ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زوجین میں باہم نزاع وجھگڑا رہتا تھا اور کسی صورت سے مصالحت نہیں ہوتی تھی آخر الامر زوجین نے چند اہلِ محلہ کو جمع کیا، خلاصہ یہ کہ زوجین نے اپنی علیحدگی ہونے کا تصفیہ چاہا، اہل محلہ نے تصفیہ اس طرح پر کیا کہ جو اشیائے موجودہ زوجہ کی تحت میں تھیں مثل پلنگ وصندوق وزیور وغیرہ زوجہ کو دلوادئے گئے اور زوجہ سے کُل مہر بخشوادیا اور زوج نے طلاق دی اور لفظ طلاق کا ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کہا، آیا یہ طلاق رجعی واقع ہوئی یا بائن؟ کتب معتمدہ حنفیہ سے تفصیلاً وتشریحاً جواب مرحمت فرمائیے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر اُس تصفیہ یا باہمی مکالمات یا قرائن حالات سے واضح تھا کہ یہ طلاق اُس معافیِ مہر کے عوض دی گئی تو طلاق بائن ہوئی،

فی فتح القدیر ثم ردّ المحتار قال ابرئینی من کل حق یکون للنساء علی الرجال ففعلت فقال فی فورہ طلقتك وھی

فتح القدیر میں ہے اور پھر ردالمحتار میں کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا تو مجھے ان تمام حقوق سے بری کرے جو بھی بیوی کے لئے خاوند کے ذمہ ہوتے ہیں، تو بیوی نے ایسا کردیا تو اُس کے ساتھ متصل فوراً خاوند نے

مدخول بھا یقع بائنا لانہ بعوض[1] اھ وفی الذخیرۃ والخانیۃ وغیرھما وعنھما فی ردالمحتار تقع بائنۃ لانہ طلاق بعوض وھوالابراء دلالۃ[2] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

کہہ دیا کہ میں نے تجھے طلاق دی، بیوی اگر مدخولہ ہو تو یہ طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ یہ طلاق بالعوض ہے اھ، اور ذخیرہ، خانیہ وغیرہما میں، اور ردالمحتار میں بھی ان دونوں سے منقول ہے کہ یہ طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ یہ طلاق بالعوض ہے اور حقوق سے بری کرنا وہ دلالۃً معاوضہ ہے۔ اھ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۹ از چوبیس پرگنہ ڈاکخانہ حالی شہر مقام حاجی نگر چٹکل ڈیلی سردار مرسلہ امیر اللہ میاں ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

زید کی ہمشیرہ کی نابالغی کی حالت میں حسبِ رواج قوم بکر سے شادی ہوئی، اب وُہ سنِ بلوغ کو پہنچی، اور وُہ قرآن شریف وغیرہ بھی پڑھی ہے اور صوم وصلوٰۃ میں ازبس پابند ہے، اور شرع شریف کے بھی برخلاف نہیں ہے، اور اس کا بیان یعنی بکر بالکل تبرّٰی اسلام ہے یعنی نہ وُہ نماز پڑھتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے بلکہ اُس لڑکی یعنی زید کی بہن کو نماز پڑھنے و روزہ رکھنے پر نقل ومضحکہ کرتا ہے، اور وہ بکر تاڑی بھی پیتا ہے، اور لڑکی کے ورثہ اُسے ان فعلوں سے بہت روکتے اور سمجھاتے ہیں لیکن وُہ ایک نہیں مانتا، اور لڑکی اسی وجہ سے بہت دن سے میکے میں ہے، اور بکر کی چال چلن اب تک نہیں بدلی، اس لئے لڑکی کے وارث بھی بہت تنگ ہیں کہ لڑکی کو کیا کریں، کتنے دن تک بالغ لڑکی کو کنواری رکھیں، اور لڑکی بھی بکر سے بیزار ہوکر چاہتی ہے کہ میں اُس سے خلع کراؤں، اور ورثہ کی بھی یہی رائے ہے۔ آیا لڑکی ایسی حالت میں خلع کراسکتی ہے یا نہیں؟ اور بکر کے ساتھ اب تک خلوتِ صحیحہ بھی ہُوئی نہیں۔

الجواب

خُلع شرع میں اُسے کہتے ہیں کہ شوہر برضائے خود مہر وغیرہ مال کے عوض عورت کو نکاح سے جُدا کردے تنہا زوجہ کے کئے نہیں ہوسکتا، اور نابالغہ کا نکاح جو اُس کے باپ نے کیا ہو عورت بالغہ ہو اس پر اعتراض کا بھی حق نہیں رکھتی، اور اگر باپ دادا کے سوا اور ولی نے کیا اور شوہر اُس وقت عورت کا کفو تھا

---

[1] ردالمحتار بحوالہ فتح القدیر باب الخلع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۶۰

[2] ردالمحتار بحوالہ الذخیرہ والخانیہ " " " ۲/۵۶۶

یعنی مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم نہ تھا کہ اُس سے نکاح اولیائے زن کے لئے باعثِ ننگ و عار ہو تو اس صورت میں اگرچہ عورت کو بعد بلوغ فسخ کرانے کا اختیار ملتا ہے مگر جبکہ بالغ ہوتے ہی فوراً اس سے اظہارِ ناراضی کرے کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں، چارۂ کار یہ ہے کہ اُس سے طلاق لی جائے یہ اُس صورت میں کہ وُہ اسلام پر قائم ہو، سائل نے نہ لکھا کہ وُہ نماز روزہ پر عورت سے کیا مضحکہ کرتا ہے، اگر وُہ مضحکہ نماز روزہ کی طرف راجع ہو تو وہ اسلام ہی سے نکل گیا اور عورت اُس کے نکاح سے خارج ہوگئی، اور اگر واقعی اب تک خلوت نہیں ہُوئی تو عدت کی بھی حاجت نہیں، ابھی جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بابُ الظّہار

(ظہار کا بیان)

مسئلہ ۴۰: از بہیڑی پنجم محرم الحرام ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت پر غصہ ہو کر زوجہ سے یہ لفظ کہے کہ میں تجھ کو طلاق دے دُوں گا میں تجھے بجائے ماں بہن کے سمجھتا ہوں اگر تجھ سے کلام کروں تو اپنی بہن سے کلام کروں۔ اس صورت میں عورت اس کے نکاح سے خارج ہوگئی یا نہیں؟ تو اس کی نسبت کیا حکم ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

پہلا لفظ کہ "میں تجھے طلاق دے دُوں گا" محض نامعتبر ہے کہ صرف وعدہ ہی وعدہ ہے اس سے کچھ نہیں ہوتا، یُونہی پچھلا لفظ کہ "میں تجھ سے کلام کروں تو اپنی ماں بہن سے کلام کروں" کوئی چیز نہیں اگرچہ کلام کرنے سے ہمبستری ہی کرنا مراد لیا ہو،

فی الهندیة لو قال ان وطئتك وطئت امی فلا شیئ علیه کذا فی غایة السروجی[1]

ہندیہ میں ہے کہ اگر خاوند نے کہا اگر میں تجھ سے وطی کروں تو اپنی ماں سے وطی کروں، تو خاوند پر کچھ لازم نہیں۔ غایۃ السروجی میں یونہی مذکور ہے (ت)

رہا بیچ کا لفظ، اس کی نسبت سائل مظہر کہ میری مراد اس کہنے سے یہ تھی کہ تجھے مثل اپنی ماں بہن کے اپنے اوپر

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی الظہار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۰۷

حرام سمجھتا ہوں طلاق دینا میری نیت میں نہ تھا، اگر یہ بیان واقعی ہے تو صورت ظہار کی ہے،

فی العلمگیریة لوقال لہا انت علی مثل امی ان نوی التحریم اختلفت الروایات فیہ والصحیح انہ یکون ظہارا عند الکل کذا فی فتاوٰی قاضی خان[1] اھ ملخصا، و فی رد المحتار عن البحر منی وعندی ومعی کعلی[2] اھ اقول وانت تعلم ان سمجھتا ہوں بلساننا یودی مؤدی عندی بلسان العرب۔

عالمگیری میں ہے: اگر خاوند نے کہا "تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے" اگر اس سے حرام کرنے کی نیت کی ہو تو اس میں روایات کا اختلاف ہے، اور صحیح روایت یہ ہے کہ یہ ظہار ہوگا سب کے نزدیک، جیساکہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے اھ ملخصا، اور ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ "اگر تو مجھ پر" کی بجائے "مجھ سے، میرے ہاں، میرے ساتھ" کے الفاظ کہے تو وہ بھی "مجھ پر" کے حکم میں ہوں گے۔

اقول (میں کہتا ہوں) ہماری زبان میں "سمجھتا ہوں" کا لفظ عربی زبان میں "عندی" کے قائم مقام ہے۔ (ت)

پس صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ عورت نکاح سے نہ نکلی مگر اُسے اُس کے ساتھ صحبت کرنا یا شہوت کے ساتھ اُس کا بوسہ لینا یا شہوت سے اُس کے بدن کو ہاتھ لگانا یا اسی طور پر اس کی شرمگاہ دیکھنا یہ سب باتیں حرام ہوگئیں اور ہمیشہ حرام رہیں گی جب تک کفارہ ادا نہ کرلے،

فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار یصیر بہ مظاھرا فیحرم وطؤھا علیہ ودواعیہ من القبلۃ و المس والنظر الی فرجھا بشھوۃ اما المس بغیر شھوۃ فخارج بالاجماع نھر، وکذا یحرم علیھا تمکینہ ولا یحرم النظر الی ظھرھا و بطنھا ولا الی الشعر

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ ان الفاظ سے وہ شخص ظہار کرنے والا قرار پائے گا لہذا بیوی سے وطی اور وطی کے دواعی اس پر حرام ہوجائیں گے، وطی کے دواعی بوس وکنار اور شہوت سے بیوی کی شرمگاہ پر نظر ڈالنا وغیرہ ہیں، لیکن بغیر شہوت چھونا اس حکم سے بالاجماع خارج ہے، نہر۔ اور یونہی بیوی پر خاوند کو جماع کا موقعہ دینا حرام ہے، اور بیوی کی پُشت، پیٹ، چھاتی اور بالوں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی الظہار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۰۷

[2] ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۷۵

والصدر بحرای ولو بشہوۃ بخلاف النظر الی الفرج بلشہوۃ، وعن محمد لو قدم من سفر له تقبیلها للشفقة حتی یکفر غایة لقوله فیحرم[1] اھ ملخصۃ۔

کو دیکھنا حرام نہیں ہے بحر یعنی اگرچہ شہوت سے ہو، اس کے برخلاف بیوی کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اگر سفر سے آئے اور بیوی کو شفقت سے بوسہ دے لے تو جائز ہے حتی یکفر (کفارہ دینے تک) یہ ماتن کے قول فیحرم (پس حرام ہے) کی غایت ہے (ت)

اور کفارہ اس کا یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے اور اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دو مہینے کے روزے لگاتار رکھے اِن دنوں کے بیچ میں نہ کوئی روزہ چھُوٹے نہ دن کو یا رات کو کسی وقت عورت سے صحبت کرے ورنہ پھر سے روزے رکھنے پڑیں گے، اور جو ایسا بیمار یا اتنا بُوڑھا ہے کہ روزوں کی طاقت نہیں رکھتا وہ ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا ساٹھ مسکینوں کو گیہوں دے فی مسکین بریلی کی تول سے پونے دو سیر آٹھ آنے بھر زائد یا اس قدر کی قیمت ادا کرے، جب تک اس کفارہ سے فارغ نہ ہو ہرگز عورت کو ہاتھ نہ لگائے،

فی الدرالمختار، ھی تحریر رقبة فان لم یجد مایعتق، صام شہرین ولو ثمانیة و خمسین یومًا بالھلال والا فستین یومًا متتابعین قبل المسیس، فان افطر بعذر او بغیرہ او وطئہا فی الشہرین مطلقا لیلا او نہارا عامدا او ناسیا استأنف الصوم، لا الاطعام فان عجز عن الصوم لمرض لایرجی برؤہ او کبر اطعم ستین مسکینا و لوحکما کالفطرة او قیمة ذلک، وان غداھم وعشاھم واشبعھم جاز کما لو اطعم واحدا ستین یوما لتجدد الحاجة[2] اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے: کفارہ غلام کو آزاد کرنا ہے، اگر یہ نہ ہوسکے تو جماع سے قبل دو ماہ کے روزے رکھے، اگرچہ چاند کے حساب سے یہ کل روزے اٹھاون ہوں، ورنہ دنوں کے حساب سے ساٹھ روزے مسلسل پُورے کرے، پھر اگر درمیان میں کوئی روزہ چھوڑ دیا عذر کی بنا پر خواہ بغیر عذر، یا ان دو ماہ میں بیوی سے جماع کرلیا، دن یا رات میں، قصدًا یا بھُول کر، جیسے بھی ہو تو پھر نئے حساب سے ساٹھ روزے رکھنے اگر طعام کی صورت میں کفارہ ادا کرے اور کھانا کھلانے کے دوران بیوی سے جماع کرلیا تو نئے سرے سے کھانا کھلانا لازم نہیں آئے گا، پھر اگر کسی ایسے مرض کی وجہ سے جس سے برات کی اُمید نہیں، روزہ نہ رکھ سکے، یا بڑھاپے کی وجہ سے روزے پر قدرت نہ ہو تو پھر

---

[1] ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۷۶
[2] درمختار باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۰-۵۱

ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اگرچہ کھلانا حکمی ہو یعنی غلہ بمقدار فطرانہ دے دے یا اس کی قیمت دے دے، اور اگر صبح وشام دو وقت کھانے سے مسکینوں کو سیر کردیا تو جائز ہوجائیگا، جس طرح ایک ہی مسکین کو ساٹھ روز صبح وشام سیر کرکے کھلادیا تو بھی جائز ہے کیونکہ ایک مسکین کو بھی روزانہ نئی حاجت ہوتی ہے اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱ ازمتھرا محلہ کیشوپورہ مرسلہ سید مدد علی صاحب رئیس ۱۹ شعبان ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ کہ زید از ہندہ الفتے گیرد و درخلوت اظہار محبت گرداند ہندہ بگوید کہ تو مرا چرا دوست پنداری کہ حمرا زوجۂ خود بداری زید درجواب او مکرر و سہ کرر از ہندہ وپیش ہچشمان خود بگوید کہ من درمحبت تو حمرا زوجۂ خود را بجائے مادر وہمشیرۂ خود میدانم و ترا دوست می انگارم و زید دیگر بار ہم عند الاستفسار درمجمع بیان کند کہ وقتے کہ ہندہ از من پرسیدہ بود من واقعی نسبت حمرا زوجۂ خود اطلاق مادر وہمشیرہ کردہ ام دریں صورت حمرا درنکاح زید ماندہ است یا نہ، وحکم شرع دریں مسئلہ چیست براہ نوازش مربیانہ فتوٰی بہ تدقیق وتحقیق ارشاد شود۔ بیّنوا توجروا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ زید ہندہ سے محبت کرتا ہے اور خلوت میں اس سے اظہارِ محبت کرتے ہُوئے، ہندہ کے اس سوال کے جواب میں کہ، تو مجھ سے محبت کیوں کرتا ہے جبکہ حمرا تیری بیوی موجود ہے، دو بار بلکہ تین بار ہندہ اور دوسرے حاضرین کے سامنے زید نے کہا کہ میں تیری محبت میں اپنی بیوی حمرا کو اپنی ماں بہن کی جگہ سمجھتا ہُوں اور تجھے پسند کرتا ہُوں، اور پھر زید ایک بار مجلس میں پوچھنے پر بیان کرتا ہے کہ جب ہندہ نے مجھ سے پوچھا تھا تو واقعی میں نے حمرا کی بابت یہ بات کہی تھی کہ وہ میری ماں بہن ہے، تو کیا اس صورت میں حمرا زید کے نکاح میں باقی رہی یا نہ ؟ اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے ؟ براہِ نوازش تحقیق وتدقیق کے ساتھ فتوٰی ارشاد فرمائیں۔ بیّنوا توجروا۔ (ت)

الجواب

درصورت مستفسرہ زید باطلاق ہچو کلمات فساق آثم وبزہ کارست قال اللہ تعالٰی ما ھن امھاتھم ان امھاتھم الّا الّٰئ ولدنھم وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا[1] بجز ابہا مادران ایشاں

مسئولہ صورت میں زید اپنے ان کلمات کی وجہ سے فاسق، گنہگار اور جھوٹا ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا وہ (بیویاں) مائیں نہیں ہیں، مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنم دیا ہے، اور بیشک یہ بُری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ پھر اگر زید نے ان کلمات سے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا

---

[1] القرآن الکریم ۵۸ /۲

نیفند، ہم مادراں شاں ہم آناں اند کہ ایشاں را زائیدہ اند و پدرستی ہمچناں ست کہ ایشاں ہرزہ می لافند و دروغ مے بافند، باز اگر زید بایں کلمہ ارادۂ طلاق حمرا داشت و دل بر اخراجش از قید نکاح گماشت حمرا بیک طلاق بائن مطلقہ شد اگرچہ نوبت تکلم بایں کلمہ بسہ رسیدہ باشد طلاق مغلظ نشود لان البائن لایلحق البائن کما صرحوا بہ فی عامۃ الکتب، پس برضائے حمرا بے حاجت تحلیل حمراء رابسلک نکاح خود میتواں کشید، و اگر بقصد ظہار گفت مظاہر گشت کہ حمرا ہمچناں در نکاح است اما جماع حمرا و بوسہ بشہوت و دست بخواہش بہ تنش سودن و نگاہ رغبت بفرجش نمودن ہمہ ہا بروحرام شد و تن بایں ہا دادن بر حمرا حرام، تا آنکہ زید کفارۂ ظہار ادا نماید، و او بندۂ آزاد کردن ست کہ فائت جنسے از اجناس منفعت نیست ہمچو سمع و بصر و عقل وغیرہا پس نابینا و ناشنوا و مجنون و بیہوش و ہر دو دست یا ہر دو پا یا یک دست و پا از یک جانب بریدہ و امثال اینہا در کفارہ بکار نیایند، و اگر بندہ نیابد دو ماہ پے در پے بے فصل روزے پیش از جماع آں زوجہ روزہ دارد اگر در مدت صیام بآں زن نزدیکے نمود اگرچہ شبانہ اگرچہ بسہو تا روزہا از سر گیرد و اگر نہایت پیرانہ سالی یا مرضے قوی بے امید بہی طاقت

اور دل میں بیوی حمرا کو نکاح سے خارج کر دینے کا ارادہ کر رکھا تھا تو حمرا کو ایک بائنہ طلاق ہو گئی، اگرچہ کلمات تین بار کہے ہوں ایک ہی طلاق ہو گی، تین طلاقوں سے مغلظہ نہ ہوں گی، کیونکہ بائنہ کے بعد بائنہ طلاق نہیں ہوتی، جیسا کہ عام کتب میں اس کی تصریح ہے، لہذا زید دوبارہ حمرا سے بغیر حلالہ حمرا کی رضامندی سے نکاح کر سکتا ہے، اور اگر زید نے یہ کلمات ظہار کی نیت سے کہے ہوں تو ظہار ہو گا لہذا اس صورت میں حمرا زید کے نکاح میں بدستور رہے گی لیکن حمرا سے جماع یا بوس و کنار، شہوت کے ساتھ چھونا، شہوت کے ساتھ اس کی شرمگاہ کو دیکھنا یہ تمام چیزیں زید پر حرام ہیں اور بیوی پر خاوند کو جماع کا موقعہ دینا حرام ہے تاوقتیکہ زید کفارہ ظہار ادا نہ کرے، اور کفارہ ظہار یہ ہے کہ غلام ایسا آزاد کرے جو کسی عیب سے متصف نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی کوئی جسمانی منفعت ختم ہو گئی ہو مثلاً سمع، بصر، عقل وغیرہ منفعت ختم نہ ہو لہذا نابینا، بہرا، مجنون، بے ہوش، دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں یا ایک ہی جانب کا ایک ہاتھ اور پاؤں کٹا ہوا، اور اس قسم کے دیگر عیب والا غلام کفارہ کی ادائیگی میں کارآمد نہ ہوگا اور اگر غلام نہ ملے تو پھر پے در پے مسلسل بغیر ناغہ دو ماہ کے روزے اپنی بیوی کے ساتھ جماع سے قبل رکھے گا، اگر اس دو ماہ کے روزوں میں بیوی سے دن یا رات کو بھول کر یا قصداً جماع کر لیا تو نئے سرے سے پھر دو ماہ کے روزے مسلسل رکھنے پڑیں گے، اور اگر

روزہائے پیہم بردہ است شصت مسکین را طعامے ہمچو صدقۂ فطر رساند یعنی بہر مسکین صاعے از جو یا نیم صاع گندم یا قیمت اینہا تملیک کند یا شصت مسکین را کہ خوراک معتاد انسان جوان خوردن توانند شام و پگاہ شکم سیر خوراند چوں ایں چنیں کند عمرا بر وے حلال شود و اگر مراد زید بایں کلمات مجرد حرمت عمرا بر خود بود بے قصد طلاق و ظہار یعنی او را در محبت تو بر خود چناں حرام میدانم تاہم ظہار خواہد شد و ہماں احکام کفارہ درکار، و اگر ہیچ نیت نداشت ہمیں سخنے بود کہ بے قصد معنی بر زبان راند آنگاہ ہیچ لازم نیاید عمرا بدستور در نکاح وجماع و دواعی جملگی مباح ہمچناں اگر کلام مذکور بایں قصد گفت کہ زن خود در بزرگی و کرامت بجائے مادر و خواہر خویش میدانم تاہم چیزے لازم نیست۔

نہایت بڑھاپے یا کسی قوی مرض جس کے ختم ہونے کی امید نہ ہو اور روزہ رکھنے کی طاقت بحال ہونے کی اُمید بھی نہ ہو تو پھر ایسا شخص ساٹھ مسکینوں کو صدقۂ فطر کی مقدار کھانا دے یعنی ہر مسکین کو ایک صاع جَو یا نصف صاع گندم یا ان کی قیمت کا مالک بنائے یا ساٹھ مسکینوں کو صبح و شام پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، جب یہ کام کرلے تو اس کی بیوی عمرا اس کے لئے حلال ہوجائے گی، اور اگر زید نے ان کلمات سے صرف عمرا کا حرام ہونا مراد لیا ہو، اور طلاق یا ظہار کی نیت نہ کی ہو یعنی یُوں کہا تیری محبت میں اس کو میں اپنے اُوپر یُوں حرام جانتا ہُوں۔ تو بھی ظہار ہی ہوگا اور کفارہ لازم ہوگا، اور اگر اس نے ان کلمات سے طلاق، ظہار یا حرام ہونا کچھ مراد نہ لیا اور صرف زبان پر یہ کلمات بغیر نیت جاری ہوگئے تو پھر زید کے ذمہ کچھ نہ ہوگا، اور عمرا بدستور اس کی بیوی ہوگی اس سے جماع اور دواعی جماع سب مباح ہوں گے، اور اگر زید نے ان کلمات سے یہ نیت کی ہو کہ عمرا میرے لئے ماں اور بہن کی طرح کرامت والی ہے تو بھی کچھ لازم نہ آئے گا۔ (ت)

در تنویر الابصار و درمختار و رد المحتار فرمودہ اند ان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لوحذف علی "خانیۃ" برا او ظہارا او طلاقا صحت نیتہ ووقع ما نواہ لانہ کنایۃ (قال فی البحر واذا نوی بہ الطلاق کان بائنا، وقال خیر الرملی وکذا لو نوی الحرمۃ المجردۃ ینبغی ان یکون ظہارا،

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں فرمایا ہے اگر بیوی کو یُوں کہا کہ تُو مجھ پر میری ماں کی مثل یا میری ماں کی طرح ہے اور یوُں ہی اگر "علیّ" (مجھ پر) کا لفظ حذف کردے، خانیہ۔ ان الفاظ سے اگر تعظیم زوجہ یا طلاق یا ظہار کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہوگی اور نیت کے مطابق حکم ہوگا کیونکہ یہ کنایہ ہے۔ (بحر میں فرمایا خاوند نے جب طلاق کی نیت کی تو طلاق بائنہ ہوگی۔ اور خیر الدین رملی نے فرمایا: یُوں ہی اگر صرف حرام ہونے کی نیت کی تو ظہار ہوگا، اور جھگڑے

18

وینبغی ان لایصدق قضاء فی ارادة البر، اذا کان فی حال المشاجرة وذکر الطلاق اھ) والا ینوشیئا لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامة[1] انتہت ملخصات وفیما یصیر به مظاهرا فیحرم وطؤها علیه ودواعیه من القبلة والمس والنظر الی فرجها بشهوة اما المس بغیر شهوة فخارج بالاجماع نهر) وکذا یحرم علیها تمکینه ولا یحرم النظر الی ظهرها وبطنها ولا الی الشعر والصدر بحر ولو بشهوة بخلاف النظر الی الفرج بشهوة) وعن محمد لو قدم من سفر له تقبیلها للشفقة (افاد ان التقبیل لا یحرم الا اذا کان عن شهوة) حتی یکفر[2] انتہت تلخیصا و فیهما الکفارة تحریر رقبة

ومذاکرہ طلاق میں اگر یہ بات کہی ہو اور خاوند کہے کہ میں نے اس سے ماں کی طرح عزت وکرامت والی مراد لی ہے تو قاضی کو چاہئے کہ وہ اس کی تصدیق نہ کرے اھ) اور اگر یہ بات کرتے وقت کوئی نیت نہ تھی تو کلام لغو ہوگا، اور ادنٰی احتمال یعنی کرامت والا متعین ہوگا، عبارات کی تلخیص ختم ہوئی۔ درمختار و ردالمحتار میں ہے: ان الفاظ سے وہ شخص ظہار کرنے والا قرار پائے گا، لہذا خاوند پر بیوی سے وطی اور اس کے دواعی یعنی بوس وکنار، شہوت سے شرمگاہ کو دیکھنا وغیرہ حرام ہوں گے تاہم بغیر شہوت چھونا بالاجماع حرام ہونے سے خارج ہے، نہر۔ یونہی بیوی پر حرام ہے کہ وہ خاوند کو جماع کا موقع دے، اور ظہار میں خاوند کو بیوی کی پیٹھ، پیٹ، بال اور چھاتی کو دیکھنا حرام نہیں ہے۔ بحر، یعنی دیکھنا اگرچہ شہوت سے ہو، اس کے برخلاف شرمگاہ کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ اگر خاوند سفر سے واپس آئے اور ازراہِ شفقت بیوی کو بوسہ دے تو جائز ہے (اس سے معلوم ہوا کہ بوسہ لینا صرف شہوت سے حرام ہے) یہ حرمت

---

[1] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹
ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۷۷-۵۷۶
[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹
ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۷۶-۵۷۵

ولو صغيرا رضيعا او اصم ان صيح به يسمع، والا لا، لا فائت جنس المنفعة (اى البصر والسمع والنطق والبطش والسعى والعقل قهستانى، والمراد فوت منفعة بتمامها) كالاعمى ومجنون الذى لا يعقل والمقطوع يداه او رجلاه او يد ورجل من جانب فان لم يجد ما يعتق صام شهرين متتابعين قبل المسيس فان وطئها اى المظاهر منها فيهما اى الشهرين ليلا او نهارا عامدا او ناسيا استأنف الصوم فان عجز لمرض لا يرجى برؤه او كبر اطعم اى ملك ستين مسكينا كالفطرة قدرا او مصرفا او قيمة ذلك وان اراد الاباحة غداهم وعشاهم جاز (ولو كان فيمن اطعمهم صبى فطيم لم يجزه لانه لا يستوفى كاملا، المراد بالفطيم من لا يستوفى فى الطعام المعتاد)[1] انتهت بالتلخيص۔

کفارہ کی ادائیگی تک ہوگی اھ تلخیصاً۔ درمختار و ردالمحتار میں ہے کہ کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے اگرچہ غلام دُودھ پینے والا بچہ یا ایسا بہرا جو بلند آواز کو سُن سکے اور جو کوئی آواز نہ سُن سکے تو وُہ جائز نہیں اور بدنی منفعت (مثلاً دیکھنا، سُننا، بولنا، پکڑنا، چلنا اور عقل سے کلیۃً محروم جائز نہیں، قہستانی۔ اور بدنی منفعت فوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ وُہ کلیۃً فوت ہو) جیسے نابینا، مجنون بے عقل، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں یا ایک ہی جانب سے ایک ہاتھ اور پاؤں کٹا ہو، اور اگر غلام نہ پائے تو دو ماہ کے روزے پے در پے جماع سے قبل رکھے، اور اگر ظہار والے نے ان دو ماہ کے دوران دن یا رات کو، بھول کر یا قصداً جماع کر لیا تو پھر نئے سرے سے دوبارہ دو ماہ کے روزے رکھے، پھر اگر وُہ مظاہر کسی ختم نہ ہونے والی مرض یا نہایت بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا مِلک کرے، اور یہ کھانا صدقہ فطر کی مقدار ہے اور مصرف بھی صدقہ فطر والا ہوگا یا اتنی مقدار غلّہ کی قیمت دے دے اور اگر کفارہ کی مقدار کو مسکینوں کی ملکیت کی بجائے دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھلا دے تو جائز ہے (اگر مسکینوں میں کوئی شیرخواری سے فارغ بچّہ ہو تو اس کو شمار نہ کرے کیونکہ وُہ پُوری خوراک نہیں کھا سکتا، اور شیرخواری سے فارغ بچّے سے مراد یہ ہے کہ وُہ پوری عادی خوراک نہ کھا سکے) اھ، ملخصاً (ت)

---

[1] ردالمحتار، باب الکفارۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۷۹ و درمختار، باب الکفارۃ، مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۰

ایں ست تفصیل صور ایں قول منکر زید بارادہ کہ داشت نیکو داناست وخدائے او داناتر ازو از خدائے ترسد و بہر ارادہ کہ ایں سخن گفتہ باشد حکمش ازیں تفصیل برآرد براں کاربند وایںہا حکم دیانت بود فامّا قضاءً در مسئلہ دائرہ صورت آخرہ را گنجائش نیست طرز کلام وسیاق وسباق وحال آں وقت ہمہ گواہ عدل ست کہ زید آں ہنگام ازارادہ بِرّوکرامت حمرا بمراحل دور بود وضابطہ کلیہ شرع ست کہ از محتملات سخن ہرچہ خلاف ظاہر باشد زنہار قضاءً پذیرا نیفتد خاصۃً کہ دراں تخفیفے باشد مرمدعی را ودر نظر تحقیق سقوط ایں احتمال موجب سقوط احتمال چہارم نیز ست زیرا کہ ہم از ضوابط شرع ست کہ تا توانند کلام عاقل بالغ را مہمل نگزارند لما فیہ من الحاقہ بالبہائم وقد عقد لذٰلک فی الاشباہ والنظائر قاعدۃ مستقلۃ آخر ندیدی کہ در درمختار بحالت عدم نیت چوں کلام را لغو بمعنے غیر مثمر حکم کردند ہمچناں مہمل وبیمعنے نگزاشتند بلکہ برادنیٰ محتملات لغنی معنی برّوکرامت فرود آوردند حیث قال والا ینو شیئًا لغا ویتعین الادنی ای البرّ[1] ایں جا چوں معنی بر را بار نیست چنانکہ شنیدی لاجرم برادنی البواقی کہ ظہار وتحریم

یہ زید کے ناپسندیدہ قول کی تفصیل ہے اور وہ اپنی نیت کے متعلق بہتر جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے اس لئے نیت کے بیان میں وہ اللہ تعالےٰ کا خوف کرے، اس نے جو بات کی ہے اور جس ارادہ کی اس تفصیلی حکم کے مطابق اس پر عمل کرے، یہ تمام بحث دیانۃً حکم کی تفصیل ہے لیکن قضاءً اس کی اس بات میں آخری احتمال یعنی ماں جیسی عزت وکرامت والی' مراد لینا جائز نہ ہوگا، اس کی گنجائش' اندازِ کلام اور اس کے سیاق وسباق اور حال کی وجہ سے نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ تمام امور اس بات کی شہادت ہیں کہ یہاں وہ حمرا بیوی کو ماں جیسی عزت وکرامت دینے کے درپے نہیں ہے بلکہ یہ احتمال بعید تر ہے' اور شریعت کا ضابطہ کلیہ ہے کہ کلام میں وہ احتمال ساقط قرار پائیگا جو ظاہر کے خلاف ہوگا، خصوصًا جبکہ وہ احتمال قائل کے لئے تخفیف کا باعث بھی ہو، اور تحقیقی نظر میں اس احتمال کا یہاں ساقط قرار پانا احتمال چہارم یعنی نیت نہ ہونے پر لغو ہونا' کو بھی ساقط کردے گا، کیونکہ یہ بھی شرعی ضابطہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عاقل بالغ کے کلام کو مہمل ہونے سے بچایا جائے، کیونکہ اس کی بات کو مہمل قرار دینا گویا اس کو حیوان قرار دینا ہے اشباہ ونظائر میں اس کے لئے مستقل قاعدہ بیان کیا گیا ہے، کیا آپ نے درمختار کو دیکھا نہیں کہ اس کلام میں کوئی بھی نیت نہ ہونے کو لغو بمعنے غیر ثمر آور قرار دیتے ہُوئے یونہی مہمل اور بے معنی قرار نہ دیا بلکہ اس کو

[1] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹

ست تنزیل کردہ آید؟ خود چہ گونہ گوارائے عقلِ سلیم
باشد کہ زید بکرات و مرات در جواب ہندہ و بخطاب
مرداں ایں کلام گوید و ہیچ گاہ ارادہ ہیچ معنی بدل
ندارد بلکہ ہمچناں بے قصد معنے در رنگ ہذیان بزبان
آرد ہیچ احتمالے بعید تر ازیں احتمال نمی شناسی
باز ہنگام استفسار پرسید و آشکار اقرار مے کند
کہ واقعی ہمخوابہ خود را برابر مادر و خواہر نہادہ ام و
نمی گوید کہ لفضولے سخنے بمعنے بے نیت و قصدے
بر دادہ ام لاجرم قضاءً ازاں پنج صور ہمیں سہ صورت
پیشین را مساغ ست پس اگر زید اعتراف
بہ نیت یکے از انہا کند حکمش پیداست ورنہ انکارش
قضاء نامسموع و حمل بریکے از انہا لازم فاما طلاق
کہ اعلیٰ و ابعد ست و ہیچ دلیلے براں نہ ازمیاں
رود، و ظہار یا مجرد تحریم کہ حاصل ہر دو
یکیست باقی ماند و اگر نیکو بنگری ملاحظہ حال
عوام ہمیں معنی تحریم را متعین میکند اگر تفتیش
ہمانا بینی کہ جز ایں معنی ایں کلام را در ذہن ایشاں
محملے بودہ باشد۔

ادنیٰ احتمال قرار دے کر عزت و کرامت کے معنیٰ پر
محمول کیا ـــــــــ اور یوں کہا
اگر کوئی نیت نہ کی تو لغو ہو کر ادنیٰ معنیٰ متعین قرار پائیگا،
یعنی عزت و کرامت مراد ہوگا، جب یہاں عزت و
کرامت والا معنیٰ نہیں بن سکتا جیسا کہ آپ سُن چکے
تو باقی پہلے تین احتمالات میں ادنیٰ معنیٰ مراد ہوگا،
جو کہ ظہار یا تحریم ہے، زید چونکہ کئی مرتبہ ہندہ کے
جواب میں اور لوگوں سے خطاب میں یہ بات کہہ چکا ہے
تو عقل سلیم کیسے یہ گوارا کرلے کہ اس نے یہ بات
بغیر نیت اور کوئی معنیٰ مراد لئے بغیر بطور ہذیان زبان سے
کہہ دی ہے، تو اس احتمال سے بعید اور کوئی احتمال
نہیں ہوسکتا۔ پھر زید نے استفسار کرنے پر واضح طور
پر اقرار کیا ہے کہ واقعی میں نے اپنی بیوی کو ماں اور بہن
کے برابر قرار دیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ میں نے فضول
اور بے معنیٰ بات کی ہے، تو لازمی طور پر قضاءً پانچ
مذکورہ صورتوں میں سے پہلی تین صورتوں کو ہی متعین
کیا جائے، لہٰذا اگر زید ان تین میں سے کسی ایک کے
ارادہ کرنے کا اعتراف کرے تو وہ حکم اس پر نافذ
ہوجائے گا، ورنہ ان سب سے انکار قضاءً قابل قبول نہ ہوگا، بلکہ کسی ایک احتمال پر محمول کرنا ضروری ہوگا، ان
میں طلاق کا احتمال تو آخری بات ہے اور بعید ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے تو ظہار یا تحریم جن دونوں کا حاصل
ایک ہی ہے باقی رہ جاتے ہیں اور قاضی اگر بہتر سمجھے تو عوام کے حال کو ملاحظہ کرتے ہوئے تحریم والا معنیٰ متعین
قرار دے گا کیونکہ غور کرنے سے معلوم ہوجائے گا عوام اس لفظ سے تحریم سے کم معنیٰ مراد نہیں لیتے اور کم از کم
یہی مراد ہوتا ہے۔ (ت)

بالجملہ زید اگر اقرار نیت طلاق کند
طلاق بود ورنہ بہرحال در چشم قاضی ظہار

حاصلِ کلام یہ ہے کہ، زید اگر طلاق کا اقرار
کرے تو طلاق ہے ورنہ بہرحال قاضی کی نگاہ میں

باشد و دیگر ہیچ وزن دریں کار بشابہ قاضی است لاشتراکھما کما نرا الخلق فی قصر النظر علی الظھار واللہ سبحنہ یتولی السرائر پس حمرا اگر بگوشِ خود شنید یا مرد عادل وثقہ اور اخبر رسانید کہ شوہرش ایں چنیں چانہ زدہ است ناچار خویشتن را زن مظاہر داند وتن بجاع در ندہد و زید را بشہوت بوسہ چیدن و در برکشیدن و دست رسانیدن و شرمگاہ دیدن نگزارد فاما دن نظر بر فرج بے شہوت یا بر غیر فرج اگرچہ سینہ وشکم اگرچہ بشہوت باکے نیست کما مرعن ردالمحتار پس اگر زید کفارہ ندہد و حمرا را از قصد جماع و دواعی جماع معاف ندارد و حمرا ہر چوں کہ تواند خویشتن را از دست اوعـــہ یعنی بعوض مہر خواہ ببدل مال دیگر طلاق از دستاند اگر بعید کہ طلاق ہم نمی دہد بپائے کہ دارد از خانہ گریزد و بحاکم رجوع آرد تا اورا بالجبر بحبس وضرب بریکے از دوکار دارد فامساك بمعروف اوتسریح باحسان[1] کفارہ دہد یا طلاق وقد حرم علیہ ربہ ان یذرھا کالمعلقۃ در ردالمحتار فرمود المرأۃ کالقاضی اذا سمعتہ او اخبرھا عدل لا یحل لھا تمکینہ والفتوی علی انہ لیس

ظہار ہے اور کوئی بھی خواہ بیوی ہو وہ قاضی کی موافقت کرے گا کیونکہ وُہ سب عام لوگوں کی طرح ظہار ہی سمجھیں گے، اور اللہ تعالٰی ہی باطنی امور کا مالک ہے" پھر اگر حمرا نے اپنے کانوں سے سُنا یا کسی عادل اور ثقہ آدمی نے اس کو اطلاع دی کہ اس کے خاوند نے یُوں بات کی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وُہ اپنے آپ کو ظہار کی ہُوئی سمجھے اور اپنے آپ کو زید سے جماع اور شہوت کے ساتھ اس کو ہاتھ لگانے، بوس وکنار کرنے اور شرمگاہ کو بنظرِ شہوت دیکھنے سے محفوظ رکھے، لیکن بغیر شہوت شرمگاہ یا کسی عضو کو مثلاً چھاتی پیٹ اگرچہ شہوت سے چُھوئے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ ردالمحتار کے حوالے سے بیان گزرا ہے، پس اگر زید کفارہ نہ دے اور اس دوران حمرا سے جماع یا دواعی جماع کے متعلق باز نہ آئے تو پھر خود حمرا کو چاہئے کہ اپنے آپ کو اس کے قبضہ سے کسی مال کے عوض خواہ مہر کے بدلے طلاق حاصل کرے اور اگر طلاق نہ دے تو پھر جس طرح ممکن ہو اس کے گھر سے جُدا رہے اور حاکم وقت سے شکایت کرے تاکہ وُہ جبراً اس کو باز رکھنے کے لئے قید کرے یا سزا دے اور دو کاموں میں سے ایک پر اس کو مجبور کرے کہ رکھنا ہو تو شریعت کے مطابق رکھے ورنہ اس کو آزاد کر دے، یعنی کفارے یا

عـــہ مسودہ میں بیاض ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدی نفسها بمال
او تهرب ، وفی البزازیة عن الاوزجندی انها
ترفع الامر للقاضی فان حلف ولا بینة لها
فالاثم علیه اھ قلت ای اذا لم تقدر علی
الفداء او الهرب ولا علی منعه عنها فلا ینافی
ما قبله[1] اھ باختصار ، در درمختار ست للمرأة
ان تطالبه بالوطئ لتعلق حقها به ، وعلیها
ان تمنعه من الاستمتاع حتی یکفر ، وعلی
القاضی الزامه به بالتکفیر دفعا للضرر
عنها بحبس او ضرب الی ان یکفر او یطلق[2]،
آری اگر زید خبر دہد کہ من کفارہ ادا کردم وپیشتر ازیں
معروف بکذب ودروغ گوئی نبودہ باشد آنگاہ حمرارا
می رسد کہ سخنش باور کردہ باہم آید واز جماع وغیرہ
ابا نماید اگر درواقع زید بہ نیت ظہار آں سخن گفتہ وہنوز
کفارہ نہ دادہ بغلط اظہار نمودہ است تا گناہ
برگردن اوست حمرا از جرم یکسوست فی
الدر المختار فان قال کفرت صدق
مالم یعرف بالکذب[3]۔

طلاق پر مجبور کرے ان دو صورتوں کے بغیر کہ اس کو
معلق چھوڑ دے اللہ تعالٰی نے حرام قرار دیا ہے۔
ردالمحتار میں ہے : جب عورت خود سُن لے یا ثقہ
عادل شخص اس کو مطلع کردے تو پھر عورت کو حلال
نہیں کہ وُہ خاوند کو جماع کا موقعہ دے اور اس
معاملہ میں فتوٰی اس پر ہے کہ عورت کو مرد کا قتل کرنا یا
خودکشی کرنا جائز نہیں ، بلکہ عورت مال کے بدلے اپنے
آپ کو آزاد کرائے یا اُس کے گھر سے دُور ہوجائے ،
اس معاملہ میں عورت خود فیصلہ کرنے میں قاضی کا حکم
رکھتی ہے ، اور بزازیہ میں اوزجندی سے منقول ہے
کہ بیوی اپنے معاملہ کو قاضی کے ہاں پیش کرے ، پھر عورت کے
گواہ نہ ہونے کی صورت میں اگر خاوند قسم دے دے
تو پھر گناہ خاوند پر ہے اھ ، میں کہتا ہوں یہ جب ہے
کہ عورت خود کو فدیہ دے کر یا بھاگ کر نہ بچا سکے
اور نہ ہی اپنے آپ کو خاوند سے روک سکے ، لہذا
بزازیہ کا بیان پہلے کلام کے منافی نہ ہوگا اھ اختصاراً
درمختار میں ہے ، عورت کو وطی کے مطالبہ کا حق ہے
کیونکہ عورت کا حق وطی کے ساتھ متعلق ہے اور
اس کے ساتھ عورت پر لازم ہے کہ وُہ کفارہ کے بغیر خاوند کو جماع سے باز رکھے ، اور قاضی پر لازم ہے کہ مرد کو
کفارہ دے کر عورت کے حقوق کی ادائیگی پر مجبور کرے تاکہ عورت کا ضرر ختم ہو سکے ، وُہ یُوں کہ قاضی اس
کو قید کرکے یا سزا دے کر طلاق یا کفارہ پر مجبور کرسکتا ہے ، ہاں اگر زید قسم اٹھاتا ہے کہ میں نے ظہار کا

---

[1] ردالمحتار — باب الصریح — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۲/۴۳۲
[2] درمختار — باب الظہار — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۲۴۹
[3] ایضاً

کفارہ دے دیا ہے جبکہ زید قبل ازیں دروغ گوئی اور جھوٹ بولنے میں معروف ومشہور نہیں ہے تو اس صورت میں عمرا کو جائز ہے کہ وہ زید کی بات کو تسلیم کرکے جماع وغیرہ کا موقعہ دے دے اور انکار نہ کرے اور اگر فی الواقع زید نے ظہار کی نیت سے وہ کلام کیا تھا اور ابھی تک کفارہ ادا نہ کیا ہو اور غلط بیانی کرتا ہو کہ میں نے کفارہ ادا کردیا ہے تو پھر گناہ زید پر ہوگا عمرا اس گناہ سے بری ہوگی۔ درمختار میں ہے، اگر خاوند کہے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے تو اس کی بات تسلیم کی جائے گی بشرطیکہ وہ اس سے قبل جھوٹ بولنے میں معروف نہ ہو۔ (ت)

فقیر گویم آں چناں کہ ایں بدترین تدبیرے است مرکسے راکہ در واقع اظہار کردہ وکفارہ ندادہ غلط اخبار ہمچناں نیکو بدترے ست مرکسے راکہ معروف بکذب نیست وسخن مذکور بے نیت طلاق وظہار وتحریم برزبانش آمد وبوجہ دلالت حالے چنانکہ ایں جاست قضاءً دعوی ارادہ بر مقبول نیفتاد کہ اگر کفارہ ندہد زن بجماع تن ندہد واگر راضی شود آثمہ گردد واگر ایں کس کفارہ دہد مالے بے سبب از دست می رود یا مشقت روزہ دو ماہہ بسر آید زیرا کہ دیانۃً بوجہ عدم موجب کفارہ برو لازم نبودہ است پس باید کہ بسوئے مولی سبحنہ وتعالٰی از شناعت آں قول منکر توبہ آرد ایں توبہ کفارہ اش خواہد شد باز زن را گوید من کفارہ ادا کردم او کفارہ معلومہ ظہار پندارد و رضا بجماع دادن برا او روا گردد ایں ست تنقیح حکم بروجہ کافی، واللہ تعالٰی اعلم۔

میں **فقیر** کہتا ہوں کہ یہ بہت بُری تدبیر ہے کہ کہ فی الواقع کوئی شخص ظہار کرکے کفارہ نہ دے کر غلط خبر دے اس سے زیادہ بُرا وہ شخص ہے جو معروف بکذب نہ ہو اور کہے کہ میں نے ظہار، طلاق اور تحریم کی نیت کے بغیر وہ کلام کی ہے دلالت حال کی بنا پر جس طرح کہ اس مسئولہ صورت میں ہے تو قاضی اس کے اس دعوٰی پر کو قبول نہ کرے گا اور اگر کفارہ نہ دیا ہو تو عورت کو لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو خاوند کے جماع سے دُور رکھے، اور اگر وہ اس پر راضی ہوئی تو گنہگار ہوگی، اور اگر فی الواقع وہ شخص سچا ہے تو اس کفارہ میں مال دینا یا دو ماہ کے روزوں کی مشقت برداشت کرنا بے مقصد ہے کیونکہ دیانۃً اس پر کفارہ دینا واجب نہیں ہے تو اُسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس لغویات پر توبہ کرے اور بخشش طلب کرے یہ توبہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے تو اس کے بعد بیوی کو کہے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے اور بیوی اس کو کفارہ ظہار سمجھتے ہوئے جماع پر راضی ہوجائے تو جائز ہوگا، یہ اس مسئلہ کی تنقیح ہے جو کافی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دیندار ومشائخ باوقار اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو بحالتِ غصہ میں ماں بہن کہہ دیا مگر نان نفقہ دیتا رہا عورت اُس کے نکاح میں رہی یا بحکم شرع شریف جاتی رہی؟

الجواب

زوجہ کو ماں بہن کہنا (خواہ یُوں کہ اُسے ماں بہن کہہ کر پکارے، یا یُوں کہے تُو میری ماں بہن ہے) سخت گناہ و ناجائز ہے۔

قال اللہ تعالٰی ماھن امھتھم ان امھتھم الا الّٰئی ولدنھم و انھم لیقولون منکرا من القول و زورا[1]

جو روئیں اُن کی مائیں نہیں اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انھیں جنا ہے اور وہ بیشک بُری اور جھُوٹی بات کہتے ہیں۔

مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو، درمختار میں ہے:

الا ینو شیئا او حذف الکاف لغا و تعین الادنی ای البر یعنی الکرامۃ ویکرہ قولہ انت امی و یا ابنتی و یا اختی و نحوہ[2]

اگر کوئی نیت نہ کی یا حرفِ تشبیہ (کاف) کو ذکر نہ کیا ہو تو یہ بات لغو ہے اور احتمالات میں سے ادنٰی احتمال یعنی عزّت و کرامت متعین ہوگا اور یہ کہنا کہ تُو میری ماں ہے یا میری بیٹی ہے یا میری بہن ہے یا اس کی مثل الفاظ، مکروہ ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ حذف الکاف بان قال انت امی ومن بعض الظن جعلہ من باب زید اسد درمنتقی عن القھستانی قلت ویدل علیہ ما نذکرہ عن الفتح من انہ لابد من التصریح بالاداۃ[3]

قولہ کافِ تشبیہ کو حذف کرنا مثلاً یُوں کہتا ہے تُو میری ماں ہے نہ کہ جیسے بعض نے گمان کیا کہ "زید اسد" کی طرح حرفِ تشبیہ کو محذوف مانا جائے، اور تشبیہ بلیغ ہے جیسا کہ درمنتقی میں قہستانی سے منقول ہے **قلت** میں کہتا ہُوں کہ حرفِ تشبیہ کے بغیر ہونے پر دلیل وُہ ہے جو ہم عنقریب فتح سے نقل کریں گے کہ ظہار کے لئے حرفِ تشبیہ کا ذکر ضروری ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

انت امی بلا تشبیہ فانہ باطل وان نوی[4]

حرفِ تشبیہ کے بغیر "تُو میری ماں ہے" کہنا اگرچہ طلاق کی نیت سے کہا ہو باطل ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/۲

[2] درمختار | باب الظہار | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۴۹

[3] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۵۷۷

[4] " | " | " " " | ۲/۵۷۴

ہاں اگر یُوں کہا ہو کہ تُو مثل یا مانند یا بجائے ماں بہن کے ہے تو اگر بہ نیتِ طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہوگئی اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بہ نیتِ ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہوگیا اب جب تک کفارہ نہ دے لے عورت سے جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ اُس کا بوسہ لینا یا بنظرِ شہوت اس کے کسی بدن کو چھُونا یا بنگاہِ شہوت اس کی شرمگاہ دیکھنا سب حرام ہوگیا، اور اُس کا کفارہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرے، اُس کی طاقت نہ ہو تو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے، اس کی بھی قوت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقۂ فطر کی طرح اناج یا کھانا دے کما امربه المولٰی سبحٰنه وتعالٰی فی القراٰن العظیم (جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالٰی نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا ہے۔ ت) اور اگر ان میں سے کوئی نیت نہ تھی تو یہ لفظ بھی لغو ومہمل ہوگا جس سے طلاق یا کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا۔ درمختار میں ہے:

ان نوی بانت علیّ مثل امی وکامی وکذا لوحذف "علیّ" خانیة برًّا اوظہارا او طلاقا صحت نیته ووقع مانواه لانه کنایة والالغا۔[1]

اگر (طلاق کی) نیت کرے گا تو بیوی بائنہ ہوجائیگی، جب یُوں کہے تُو مجھ پر میری ماں کی مثل یا ماں کی طرح ہے یا حرف علیّ (مجھ پر) کو حذف کرکے کہے، خانیہ۔ ان الفاظ سے کرامت زوجہ یا ظہار یا طلاق کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح ہوگی جو بھی نیت کرے وہی حکم ہوگا کیونکہ یہ کنایہ ہے اور اگر کوئی نیت نہ کی ہو تو یہ بات لغو ہوگی۔ (ت)

ہندیہ میں خانیہ سے ہے:

ان نوی التحریم اختلفت الروایات فیه والصحیح انه یکون ظہارا عند الکل۔[2] واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

اگر اس سے صرف تحریم کی نیت کی تو اس میں روایات مختلف ہیں، صحیح یہ ہے کہ سب کے نزدیک ظہار ہوگا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۳: از کلکتہ امام باغ لین ۱/۲ مسجد مرسلہ حافظ عزیز الرحمان صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص طلاق کے معنی ومطالب سے آگاہ نہ ہو اور وہ بالعوض طلاق بائن کے اپنی زوجہ سے یُوں کہے کہ تُو ماں ہے میری، اور اس کو مطلقہ لوگوں میں مشہور کرے اور اپنے اوپر حرام سمجھے تو آیا اُس شخص کی زوجہ مطلقہ ہوگی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] درمختار | باب الظہار | مطبع مجتبائی دہلی | ۲۴۹/۱

[2] فتاوٰی ہندیہ | الباب التاسع فی الظہار | نورانی کتب خانہ پشاور | ۵۰۷/۱

الجواب

عورت کو یُوں کہنے سے کہ تُو اُس شخص کی ماں بہن یا بیٹی ہے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ بہ نیت طلاق کہے، ردالمحتار میں ہے :

انت امی بلا تشبیہ فانہ باطل وان نوی[1]۔

اگر تشبیہ کے بغیر "تُو میری ماں ہے" کہا تو یہ باطل ہے اگرچہ طلاق کی نیت سے کہے (ت)

لوگوں میں اُسے مشہور کرنا اور اپنے اوپر حرام سمجھنا اگر انھیں لفظوں کی بناء پر تھا تو عنداللہ یہ بھی محض باطل کہ بربنائے غلط فہمی تھا، اسی طرح اگر اس کے بیان سے ظاہر تھا کہ یہ اقرار طلاق انھیں الفاظ کی بناء پر ہے تو عندالناس بھی طلاق نہ ہُوئی، ہاں اگر بیان وقرائن سے یہ امر ظاہر نہ ہو تو مطلقہ مشہور کرنے سے عندالناس اس پر طلاق مانی جائے گی اپنے اقرار پر ماخوذ ہوگا۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے :

رجل طلق امرأتہ وھو صاحب برسام فلما صح قال قد طلقت امرأتی، ثم قال انی کنت اظن ان الطلاق فی تلک الحالۃ کان واقعا، قال مشائخنا رحمھم اللہ تعالٰی حین ما اقر بالطلاق ان ردہ الی حالۃ البرسام وقال قد طلقت امرأتی فی حالۃ البرسام فالطلاق غیر واقع وان لم یرد الی حالۃ البرسام فھو ماخوذ بذٰلک قضاءً[2]۔

کسی نے مرضِ برسام کی حالت میں بیوی کو طلاق دی تو جب تندرست ہُوا تو اس نے طلاق کا اقرار کرتے ہُوئے کہا کہ میرا گمان تھا کہ اس مرض کی وجہ سے طلاق ہو جاتی ہے، تو ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اقرارِ طلاق کے وقت اگر اس نے طلاق کو مرضِ برسام کی طرف منسوب کیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو برسام کی حالت میں طلاق دی ہے تو طلاق نہ ہوگی اور اگر اس وقت اس نے طلاق کو مرضِ برسام کی طرف منسوب نہ کیا، تو قضاءً طلاق ہو جائے گی۔ (ت)

اُسی میں ہے :

صبی قال ان شربت فکل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق

ایک نابالغ بچّے نے کہا اگر میں نوشش کروں تو جس عورت سے بھی میں نکاح کروں اس کو طلاق ہے

---

[1] ردالمحتار | باب الظہار | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۵۷۴

[2] فتاوٰی قاضی خاں | کتاب الطلاق | نولکشور لکھنؤ | ۲/۲۱۳

فشرب وھو صبی، فتزوج وھو بالغ وظن صھرہ ان الطلاق واقع، فقال ھذا البالغ آرے حرام است برمن قالوا ھذا اقرار منہ بالحرمۃ فتحرم امرأتہ ابتداء، وقال بعضھم لاتحرم امرأتہ وھو الصحیح لانہ ما اقر بالحرمۃ ابتداء وانما اقر بالسبب الذی تصادقا علیہ و ذلک السبب باطل[1]۔ انتھی، واللہ تعالٰی اعلم۔

اس کے بعد اس نے نابالغی میں نوش کرلیا پھر اس نے بالغ ہونے پر نکاح کیا اور اس کے سسرال نے گمان کیا کہ اس کہنے پر طلاق ہوگئی، اس پر اس لڑکے بالغ نے کہا ہاں بیوی مجھ پر حرام ہے، تو فقہاء نے فرمایا چونکہ لڑکے نے حرام ہونے کا اقرار کیا ہے لہذا اس کی بیوی اس پر ابتداءً حرام ہوگئی، اور بعض نے فرمایا کہ حرام نہ ہوگی، اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس نے ابتداءً حرام ہونے کا اقرار نہیں کیا بلکہ سسرال کی بات پر اس نے یہ کہا ہے، اور سسرال والوں کے کہنے کا سبب بچپن کی بات ہے جو کہ باطل ہے کیونکہ نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی انتھی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۴: از پیلی بھیت محلہ اشرف خاں مرسلہ عزیز الرحمان خاں ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کی ماں سے یہ بات کہی کہ تیری لڑکی کو تاحیات تیری مثل اپنی بہن کے سمجھتا ہوں، تو اس میں کیا حکم شرع ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر ان لفظوں سے اس کی مراد ظہار یا تحریم تھی یعنی تیری حیات تک اپنی زوجہ سے ظہار کرتا ہوں یا تیری حیات تک اُسے حرام سمجھتا ہوں جب تو ظہار ہوگیا یعنی نکاح بدستور باقی ہے، مگر حیاتِ خوشدامن تک بے کفارہ دئے عورت کے پاس جانا بلکہ شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا بھی حرام ہوگیا، کفارہ ایک غلام آزاد کرنا اور اس کی قدرت نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتار روزے، اس کی طاقت بھی نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقۂ فطر کے مثل اناج یا اُس کی قیمت دینا یا دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلانا، جب تک ساس زندہ ہے بغیر کفارہ دئے عورت کو ہاتھ لگائیگا تو گنہگار ہوگا، توبہ کرے، اور پھر نزدیک نہ ہو جب تک کفارہ نہ ادا کرلے، ہاں بعد انتقال خوشدامن ظہار جاتا رہے گا، اور بے کفارہ عورت سے جماع حلال ہوجائے گا، پھر اگر ساس زندہ ہے اور یہ شخص کفارہ نہیں دیتا جس کے سبب عورت حلال ہوجائے تو منکوحہ اس پر دعوٰی کرسکتی ہے کہ یا تو کفارہ دے کر جماع کرے یا طلاق دے کر عورت پر سے ضرر دفع ہو۔

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۲/۲۳۵

فی تنویر الابصار فیحرم وطؤھا علیہ و دواعیہ حتی یکفر فان وطیٔ قبلہ استغفر و کفر للظھار فقط ولایعود قبلھا[1] الخ و فیہ الکفارۃ تحریر رقبۃ فان لم یجد صام شھرین متتابعین قبل المسیس، فان عجز اطعم ستین مسکینا کالفطرۃ اوقیمۃ ذٰلك و ان غداھم وعشاھم جاز[2] اھ ملخصا، و فی الدر لوقیدہ بوقت سقط بمضیہ[3] اھ فی رد المحتار فلو اراد قربانھا داخل الوقت لایجوز بلاکفارۃ بحر[4] اھ وفی الدر للمرأۃ ان تطالبہ بالوطی وعلی القاضی الزامہ بہ بالتکفیر دفعا للضرر عنھا بحبس اوضرب الی ان یکفر او یطلق[5] اھ ملخصا۔

تنویر الابصار میں ہے ،ظہار کرنے والے پر بیوی سے وطی اور اس کے دواعی حرام ہوجاتے ہیں تاوقتیکہ وہ کفارہ دے ، اگر اس نے کفارہ سے قبل وطی کرلی تو توبہ کرکے صرف ظہار کا کفارہ دے اور پھر کفارہ سے قبل ایسا نہ کرے الخ ، اور اسی میں ہے ظہار میں کفارہ غلام کو آزاد کرنا ہے ، اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر وطی سے قبل دوماہ کے روزے مسلسل پورے کرے ، اگر یہ بھی نہ ہوسکے بلکہ عاجز ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے ، ہر مسکین کو صدقہ فطر کی مقدار دے یا اس کی قیمت دے ، اگر صبح وشام دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھلا دے تو جائز ہے اھ ملخصا ، اور درمختار میں ہے اگر ظہار کو کسی مقررہ وقت کے ساتھ مقید کیا ہو تو اس وقت کے گزر جانے پر ظہار ختم ہوجائیگا اھ اس پر ردالمحتار میں ہے کہ اگر اس مقررہ وقت کے اندر جماع کرنا چاہے تو کفارہ دئے بغیر جائز نہیں بحر اھ ، اور درمختار میں ہے کہ ظہار میں بیوی کو جماع کے مطالبے کا حق ہے لہذا قاضی خاوند کو کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرے تاکہ بیوی کے ضرر کا ازالہ ہوسکے یوں کہ قاضی اس کو قید کرے یا سزا دے یہاں تک کہ خاوند کفارہ ادا کرے یا عورت کو طلاق دے اھ ملخصا (ت)

ظاہر ان لفظوں سے یہی نیتِ تحریم وظہار ہوتی ہے خصوصاً جبکہ ایک وقت تک اسے محدود کردیا کہ تیری حیات تک ایسا سمجھتا ہوں اس کا حکم تو وہ تھا اور شاید اگر اس نے یہ الفاظ بارادہ طلاق کہے تھے تو ظاہراً ایک طلاق بائن ہوکر عورت نکاح سے نکل گئی کسی حد تک محدود کرکے طلاق دینا بھی طلاق دائم ہے اور وہ حد نامعتبر[عہ]

عہ مسودہ میں بیاض ہے ۱۲

[1] درمختار شرح تنویر الابصار	باب الظہار	مطبع مجتبائی دہلی	۱/ ۲۴۹
[2] "	باب الکفارۃ	" " "	۱/ ۵۱-۲۵۰
[3] درمختار	باب الظہار	" " "	۱/ ۲۴۹
[4] ردالمحتار	باب الظہار	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/ ۵۷۶
[5] درمختار	"	مطبع مجتبائی دہلی	۱/ ۲۴۹

واما "الحسبان" ففی مثل الکلام انما یراد بہ التحقیق للتشبیہ لانفیہ عن نفس الامر کمن اراد الامتناع عن تناول شیئ یقول احسبہ علی کالخنزیر فانما یرید انہ محرم علیہ کشلہ، بخلاف ما اذا قیل لہ اطلقت امرأتک فقال عدھا او احسبہا مطلقۃ حیث لایقع وان نوی وکذا احسبی انک طالق[1] کما فی الخانیۃ فانہ ظاہر فی نفی الطلاق فی نفس الامر والفرق بینہما لایخفی علی من عرف العرف فافہم واعلم، واللہ تعالٰی اعلم۔

"سمجھنا اور خیال کرنا" اگر ایسے کلام میں ہو تو اس سے تشبیہ کو ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے اور واقع سے اس کا انتفاء مراد نہیں ہوتا، جس طرح کوئی شخص کسی چیز کو لینے سے انکار کرتے ہوئے کہے کہ اس کو میں اپنے لئے خنزیر سمجھتا ہوں تو اس سے اس چیز کا اس پر قطعاً حرام ہونا مراد ہوتا ہے جس طرح خنزیر حرام ہے، اس کے برخلاف طلاق کے معاملہ میں جب کوئی پوچھے کیا تُو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، تو جواب میں یُوں کہے "تُو طلاق شمار کرلے" یا کہے تو اس کو مطلقہ خیال کرلے"، تو یہاں طلاق نہ ہوگی اگرچہ وہ طلاق کی نیت سے کہے اور یُوں ہی حکم ہے اگر بیوی کو کہے کہ تُو اپنے آپ کو طلاق والی سمجھ لے، جیسا کہ خانیہ میں مذکور ہے، کیونکہ یہاں یہ الفاظ ظاہری طور پر طلاق کے وقوع میں نفی پر دلالت کرتے ہیں اور دونوں مقاموں میں ان الفاظ کا فرق عرف کو جاننے والے پر مخفی نہیں ہے، سمجھو اور غور کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اور اگر کچھ نیت نہ تھی یا اعزاز و اکرام خواہ الفت و محبت کی نیت تھی یعنی اپنی بہن کے برابر عزیز یا پیاری جانتا ہُوں تو یہ الفاظ لغو و فضول ہیں عورت بدستور عورت اور کفارہ وغیرہ کچھ دینا نہیں مگر اگر اس وقت کی گفتگو و حالت شاہد ہو کہ یہ الفاظ اس نے بلانیت یا بہ نیت اعزاز و محبت نہ کہے تھے تو حاکم اس دعوے کو نہ مانے گا تو عورت اسے قبول کرسکتی ہے،

فان المرأۃ کالقاضی کما فی الفتح وغیرہ[2]، وفی الدر المختار ان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف "علی" خانیۃ، برا او ظہارا او طلاقا صحت

کیونکہ عورت اس معاملہ میں قاضی کا حکم رکھتی ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے، اور درمختار میں ہے اگر بیوی کو یُوں کہا کہ تُو مجھ پر میری ماں کی مثل یا میری ماں کی طرح ہے، اور یونہی اگر "علی" (مجھ پر) کا لفظ حذف کرکے کہا ہو، خانیہ۔ ان الفاظ سے اگر

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۰

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۸

نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ والاینو شیئا او حذف الکاف لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامۃ[1] اھ وفی الھندیۃ عن الخانیۃ و ان نوی التحریم اختلفت الروایات فیہ و الصحیح انہ یکون ظھارا عند الکل[2] وفی ردالمحتار عن العلامۃ خیرالدین الرملی وینبغی ان لایصدق قضاء فی ارادۃ البراذاکان فی حالۃ المشاجرۃ و ذکر الطلاق[3] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔

تعظیمِ زوجہ یا طلاق یا ظہار کی نیت کی ہو تو اس کی نیت صحیح ہوگی اور نیت کے مطابق حکم ہوگا کیونکہ یہ کنایہ ہے (لہذا اگر خاوند نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق بائنہ ہوگی) اور اگر کوئی نیت نہ کی ہو یا حرفِ تشبیہ کو ترک کردیا ہو تو یہ کلام لغو ہو کر احتمالات میں سے ادنٰی احتمال یعنی عزت وکرامت متعین قرار پائے گا اھ، اور ہندیہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ اگر حرام کرنا مراد ہو تو اس میں روایات مختلف ہیں اور صحیح یہی ہے کہ سب کے ہاں ظہار ہوگا اھ، ردالمحتار میں علامہ خیرالدین رملی سے منقول ہے: مناسب ہوگا کہ اس صورت میں کرامت وعزت والا احتمال مراد لینے کی قضاءً تصدیق نہ کی جائے جبکہ لڑائی جھگڑے اور طلاق کے مذاکرہ کے وقت یہ الفاظ کہے ہوں اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر شوہر عاداتِ زوجہ کو عاداتِ محارم سے تشبیہ دے یا عورت اپنے اعضاء خواہ عادات کو محارم شوہر کے اعضاء وعادات سے تشبیہ دے تو ان صورتوں میں کفارہ لازم اور اس کی ادا تک عورت حرام ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

تاوقتیکہ مرد اپنی زوجہ یا اس کے اُن اعضاء کو جن سے کل جسم تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً عربی میں راس، و رقبہ، وظہر، وفرج، یا اس کے ایک جزء شائع مثل نصف، وربع، وثلث کو کسی محرم ابدی سے تشبیہ نہ دے ظہار نہیں ہوتا پس تشبیہ عاداتِ زوجہ بعاداتِ محارم موجب حرمت وکفارہ نہیں،

فی الدرالمختار ھو تشبیہ زوجتہ او مایعبر بہ عنھا من اعضائھا اوتشبیہ جزء شائع منھا بمحرم

درمختار میں ہے کہ بیوی کو یا اس کے کسی ایسے عضو کو جس سے اس کی ذات کو تعبیر کیا جاسکتا ہو یا غیر معین حصہ مثلاً نصف وغیرہ کو ابدی محرمات کے ساتھ

---

[1] درمختار | باب الظہار | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۴۹
[2] فتاوٰی ہندیہ | الباب التاسع فی الظہار | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/۵۰۷
[3] ردالمحتار | باب الظہار | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۵۷۶

علیہ تابیدا[1]

تشبیہ دینے کو ظہار کہتے ہیں۔ (ت)

اور عورت تو اگر اعضائے شوہر کو بھی اپنے محارم کے اعضاء سے تشبیہ دے تو شوہر اس پر حرام نہیں ہوجاتا

کمافی الدر المختار وظہارھا منہ لغو فلاحرمۃ اھ[2]

جیسا کہ درمختار میں ہے کہ عورت کا خاوند کو اپنے محرمات کے ساتھ تشبیہ دینا لغو کلام ہے اس سے حرمت نہ ہوگی (ت)

پس جبکہ اس کا قول خود اپنے حق میں مؤثر نہ ہوا تو حق شوہر میں کیا تاثیر کرے گا اور اپنے اعضا و عادات محارم شوہر سے تشبیہ دے گی تو کیونکر اس پر حرام ہوجائے گی اور سبب کفارہ ظہار ہے جب ظہار نہ پایا گیا تو کفارہ کہاں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۶ ازگوڈھوا ضلع پلاموں مرسلہ محمد اسمٰعیل صاحب سوداگر چرم ۱۰ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

ایک شخص اہل اسلام نے اپنے گھر میں میاں بی بی سے جھگڑا کیا اور غصہ کی حالت میں یہاں تک بیتاب ہوگیا کہ اپنی بی بی کو ماں کہہ بیٹھا اور اس کا سینہ منہ میں رکھ لیا اور بی بی نے بھی غصہ کی حالت میں کہا کہ اگر تُو مجھ کو ماں کہتا ہے تو میں بھی تجھ کو بیٹا کہتی ہوں، بعد اس جھگڑے کے جب اُن دونوں کا غصہ رفع ہوا تو اپنے اس کلام اور اس فعل سے نہایت نادم و شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کے مواخذہ میں ہم دونوں گنہگار ہوں، اور اسی وقت کھانا پینا اور اُٹھنا بیٹھنا سب علیحدہ کرلیا، اب وہ اس بات کے خواہشمند ہیں کہ اس بارے میں مطابق حکم خدا ورسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علمائے دین کیا فتوٰی دیتے ہیں، آیا میاں بی بی ہیں یا نہیں؟ اور یہ بھی دریافت کیا گیا ہے کہ بی بی کا دُودھ شوہر کے منہ میں نہیں آیا تو بی بی نکاح

عہ علی قول محمد المصحح المفتی بہ قال فی العالمگیریۃ لاتکون المرأۃ مظاھرۃ من زوجھا عند محمد رحمہ اللہ تعالٰی والفتوی علیہ وھوالصحیح کذا فی السراج الوھاج[3] ۱۲ مفتی اعظم

عہ یہ مسئلہ امام محمد کے تصحیح شدہ اور مفتٰی بہ قول پر ہے فتاوٰی ہندیہ میں ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک عورت اپنے شوہر سے مظاہر نہیں ہوتی، فتوٰی اسی پر ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ سراج وہاج میں ہے ۱۲ مفتی اعظم (ت)

---

[1] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۸

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/ ۲۴۹

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی الظہار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۰۷

کے اندر ہے یا باہر؟ طلاق ہُوا یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں وُہ اسے ماں اور یہ اُسے بیٹا کہنے سے دونوں گنہگار ہُوئے۔

قال اللہ تعالٰی وانھم لیقولون منکرا من القول و زورا[1]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ بیشک لوگوں کا (بیوی کو ماں بہن کہنا) بُری بات اور جھوٹ ہے (ت)

مگر نکاح میں کچھ فرق نہ آیا، اور پستان مُنہ میں لینا تو کوئی چیز نہیں، اگر دُودھ پی بھی لیتا تو وہ پینا حرام ہوتا، مگر نکاح میں اس سے خلل نہ آتا کہ ڈھائی برس کی عمر کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضا نہیں ہوتی اور دونوں کو جُدا رہنے کی کوئی حاجت نہیں، وُہ بدستور زوج وزوجہ ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۷: از درو ضلع نینی تال مرسلہ عبدالعزیز خاں ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

زید کی عورت نے بحالتِ غصّہ زید سے کہا کہ تمہارے نزدیک میری، ایک بال زیرِ ناف کے برابر بھی قدر نہیں۔ اس پر زید نے از راہِ تمسخر اُس سے یہ کہا کہ میں تجھ کو اپنے باپ اور دادا سے زیادہ سمجھتا ہُوں۔ ایسی حالت میں زید پر ظہار کا حکم لازم آتا ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ لغو ومہمل الفاظ ہیں، انھیں ظہار یا کفارے سے کوئی تعلق نہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

التشبیہ بالرجل ای رجل کان لایکون ظھارا[2]۔ عورت کو کسی بھی مرد سے تشبیہ دینا ظہار نہیں ہوتا۔ (ت)

بدائع[عہ] ونہر میں ہے:

من شرائط الظھار کون المظاھر بہ ظہار کی شرائط میں سے یہ ہے کہ ظہار میں جس سے تشبیہ

عہ لکن ما فی العالمگیریۃ فیہ تفصیل حیث قال لامرأتہ انت علی کظھر[3] الخ۔ عہ لیکن عالمگیری میں اس کے متعلق تفصیل ہے جہاں انھوں نے بیان کیا کہ کوئی بیوی کو کہے تو مجھ پر پیٹھ کی طرح الخ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب الظہار نولکشور لکھنؤ

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع فی الظہار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۰۶

من جنس النساء[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ دی جائے وہ عورت کی جنس ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۸: از لکھنؤ امین الدولہ پارک مرسلہ محمد ابراہیم ایس اینڈ سی سنگر کمپنی ۵ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے رات کے وقت اپنی زوجہ کو واسطے صحبت کے بلایا تو بیوی کے انکار کرنے پر زید نے یہ قسم کھائی کہ اب میں تم سے صحبت کروں تو اپنی ماں سے زنا کروں، بعدہٗ زید بہت شرمندہ ہوا اور توبہ واستغفار کیا، اس معاملہ میں زید کو کیا کرنا چاہئے؟ بالفرض اگر زید نے اُسی شب بعد استغفار صحبت بھی کی تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب

اُس نے بُرا کیا بُرا کیا، توبہ واستغفار کے سوا اور کچھ لازم اُس پر نہیں، صحبت کی تو کچھ حرج نہ ہوا، نہ اس سے نکاح پر کچھ حرف آیا، کما یظھر بمراجعۃ الفتح والدر وغیرھما (جیسا کہ فتح اور دُر وغیرہ کو دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۹: خاوند نے ماں بہن کہا، طلاق نہیں دی، یہ صورت مسئلہ ہے، لہٰذا عند الشرع کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مذکورہ میں طلاق ثابت نہیں، نہ یہ ظہار، صرف بُرا کہا اور گنہگار ہُوا، توبہ کرے وبس،

قال اللہ تعالٰی وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا ہ وان اللہ لعفو غفور[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا اور وُہ بیشک بُری اور نِری جھوٹ بات کہتے ہیں، اور بیشک اللہ ضرور معاف کرنیوالا اور بخشنے والا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۰: از شہر بریلی گڑھی مسئولہ عبدالکریم صاحب ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مکان پر جبکہ اس کی بیوی اپنے میکہ گئی ہوئی تھی، اپنے بھائی وغیرہ کے رُوبرو کہا کہ میں اپنی بیوی کو اس وقت سے ماں بہن کے برابر جانتا ہُوں اُس کو خبر کردو کہ وُہ اپنا ٹھکانا دوسری جگہ کرلے، اور یہ بات اُس وقت اُس نے کہی تھی کہ جب اُس کی .. دوسرے شخص سے لڑائی ہُوئی تھی اور لوگوں نے اُس کو جھُوٹی خبر دی تھی کہ تم کو تمھارے سسر نے پٹوایا ہے، یہ حالت سخت غصّہ

---

[1] بدائع الصنائع فصل واما الذی یرجع الی المظاہر بہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۳۳/۳

[2] القرآن ۵۸/۲

کی تھی، آیا اُس کو اب نکاح کرنا چاہیے یا نکاحِ سابق جائز رہا؟

الجواب

یہ لفظ کہ "اس کو خبر کردو کہ وہ اپنا ٹھکانا دُوسری جگہ کرلے" اگر بہ نیتِ طلاق نہ کہے جب تو طلاق نہ ہُوئی اور اُس کا قسم کھاکر کہہ دینا مان لیا جائے گا کہ اس کی نیت طلاق کی نہ تھی اور اگر بہ نیتِ طلاق کہے تو طلاق ہوگئی، نکاح جاتا رہا، نئے سِرے سے اُس کی مرضی سے اُس سے نکاح کرسکتا ہے اگر پہلے کبھی دو طلاقیں نہ دے چکا ہو حلالہ کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

باب العدّۃ

(عدّت کا بیان)

مسئلہ ۵۱ ۲۳ رجب ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت جس کی عمر اس وقت بارہ[۱] برس ہے کوئی علامت[۲] بلوغ کی پائی نہیں جاتی، اس حالت میں اس کو شوہر طلاق دے تو عدت بیٹھے گی یا نہیں؟ اور اُس کی شادی کو عرصہ تین برس کا گزرا تھا۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

اگر اب تک شوہر سے خلوت نہ ہُوئی تھی تو اصلاً عدت نہیں اُسی وقت اُس کا نکاح کیا جا سکتا ہے اور اگر شوہر اس کے پاس جاچکا تھا تو چار مہینے دس دن انتظار کرائیں، اگر اس مدت میں عورت کو حمل ظاہر ہو تو وضعِ حمل تک عدت بیٹھے، اور اگر حمل ظاہر نہ ہو تو عدت تین ہی مہینے گزشتہ پر گزر چکی آگے انتظار نہ کرایا جائے،

فی ردالمحتار فی البحر عن الامام الفضلی انہا اذا کانت مراھقۃ لاتنقضی عدتہا بالاشھر، بل یوقف حالہا حتی یظھر ھل حبلت من ذٰلک الوطئ امرلا، فان ظھر حبلہا اعتدت بالوضع والا فبالاشھر قال ف

ردالمحتار میں ہے کہ بحر میں امام فضلی سے منقول ہے کہ جب مطلقہ عورت مراہقہ ہو تو وُہ اپنی عدت مہینوں کے حساب سے نہ گزارے بلکہ اس کی عدت کا حال اس بات پر موقوف رہے گا کہ کیا اس کو حمل ٹھہرا ہے یا نہیں، اگر واضح ہوجائے کہ حمل ہُوا ہے تو اس کی عدت وضعِ حمل قرار پائے گی ورنہ عدت تین[۳] ماہ

الفتح ويعتد بزمن التوقف من عدتها اھ
قلت يعني اذا ظهر عدم حبلها يحكم
بمضي العدة بثلثة اشهر مضت و
يكون زمن التوقف بعدها لغوا
حتى لو تزوجت فيه صح عقدها وفي نفقات
الفتح في الخلاصة عدة الصغيرة
ثلثة اشهر الا اذا كانت مراهقة فينفق
عليها ما لم يظهر فراغ رحمها كذا في
المحيط اھ، من غير ذكر خلاف و
هو حسن اھ كلام الفتح، لكن ينبغي
الافتاء به احتياطا قبل العقد بان
لا يعقد عليها الا بعد التوقف لكن
لم يذكروا مدة التوقف التي يظهر
بها الحمل، وذكر في الحامدية
عن بيوع البزازية انه يصدق
في دعوى الحبل في رواية اذا
كان من حين شرائها اربعة
اشهر وعشر لا اقل، وفي رواية
بعد شهرين وخمسة ايام
وعليه عمل الناس اھ ومشى
في الحامدية على الاخيرة
وفيه نظر لان المراد من
مسألتنا التوقف بعد مضي
ثلثة اشهر فالاولى الاخذ
بالرواية الاولى فاذا مضت

شمار ہوگی، اور فتح میں ہے کہ توقف کا زمانہ بھی عدت
میں شامل کیا جائے گا اھ، قلت (میں کہتا ہوں) اگر
حمل ظاہر نہ ہو تو گزشتہ تین ماہ کو عدت قرار دیا جائیگا
اور ان تین ماہ کے بعد والا توقف بیکار ہوگا حتی کہ
اگر اس نے تین ماہ کے بعد اور نکاح کرلیا تو وہ صحیح
ہوگا اور فتح میں نفقات کی بحث میں خلاصہ سے منقول
ہے کہ نابالغہ کی عدت تین ماہ ہے ہاں اگر وہ مراہقہ
ہو تو پھر اس کو خاوند اس وقت تک نفقہ دیتا رہے گا
جب تک رحم کا خالی ہونا واضح نہ ہو جائے، محیط میں
یوں ہی مذکور ہے اھ۔ اور اس میں اختلاف کو
ذکر نہیں کیا، اور یہ بہتر کلام ہے، فتح کا کلام ختم ہوا،
لیکن نکاح سے قبل اس پر فتوی مناسب ہے تاکہ
توقف کے بغیر عدت کا فیصلہ نہ کردیا جائے، لیکن یہاں
فقہاء نے توقف کی عدت کو ذکر نہیں کیا کہ وہ کتنی مدت
ہے جس سے حمل ظاہر ہوسکے، حامدیہ میں مذکور ہوا کہ
بزازیہ کے مسائل بیوع میں ہے کہ اگر لونڈی خریدی
ہو تو ایک روایت کے مطابق مالک کے دعوی حمل کی
تصدیق تب کی جائے گی جب لونڈی کو خریدے ہوئے
چار ماہ دس دن گزر چکے ہوں، اس سے کم مدت
میں اس دعوی کی تصدیق نہ ہوگی، اور دوسری روایت
میں ہے کہ دو ماہ پانچ دن کے بعد تصدیق ہوسکے گی
جبکہ لوگوں کا عمل اسی پر ہے اھ۔ اور حامدیہ نے
دوسری روایت پر عمل کیا ہے اور اس میں
اعتراض ہے کہ ہماری بحث اس صورت میں ہے
جب تین ماہ گزر جانے کے بعد توقف ہو لہذا پہلی

اربعة اشھر وعشر ولو یظھر الحبل علم ان العدۃ انقضت من حین مضی ثلثۃ اشھر[1] اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔

روایت پر عمل بہتر ہوگا، تو جب چار ماہ دس دن گزر جائیں اور حمل ظاہر نہ ہو، تو معلوم ہوگا کہ اس کی عدت گزر چکی ہے جب تین ماہ پورے ہوچکے تھے اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۲: از بنگالہ مسئولہ مولوی عبدالغفور صاحب ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ صغیرہ مطلقہ ہو یا متوفیۃ الزوج مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ شرعاً اس کے لئے عدت ہے یا نہیں اور حدِ صغر کہاں تک ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان کرکے اجر حاصل کرو)

الجواب

وفات کی عدت عورت غیر حاملہ پر مطلقاً چار مہینے دس دن ہے خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔ اور طلاق کی عدت غیر مدخولہ پر اصلاً نہیں اگرچہ کبیرہ ہو۔ اور مدخولہ پر یعنی جس سے خلوت واقع ہولی اگرچہ خلوت فاسدہ ہو یا نکاح فاسد میں حقیقۃً وطی کرلی غیر حیض والی کے لئے تین مہینے ہیں خواہ صغیرہ ہو کہ ابھی حیض آیا ہی نہیں یا کبیرہ آئسہ کہ اب عمر حیض کی نہ رہی۔ درمختار میں ہے:

العدۃ فی حق من لم تحض لصغر بان لم تبلغ تسعا او کبر بان بلغت سن الایاس ثلثۃ اشھر ان وطئت فی الکل ولو حکما کالخلوۃ ولو فاسدۃ والعدۃ للموت اربعۃ اشھر وعشرا مطلقا وطئت اولا ولو صغیرۃ او کتابیۃ تحت مسلم ولو عبدا فلم یخرج عنھا الا الحامل[2] والخلوۃ فی النکاح الفاسد لاتوجب العدۃ[3] اھ ملتقطا۔

بچپن کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو کہ وہ ابھی نو سال سے کم عمر ہے یا بڑھاپے کی وجہ سے کہ وہ عمر رسیدہ ہوگئی ہے جس کی وجہ سے وہ حیض والی نہیں ہے تو ان کی عدت تین ماہ ہوگی جبکہ حقیقۃً وطی یا حکماً وطی یعنی خلوت ہوچکی ہو اگرچہ خلوتِ فاسدہ ہو، اور موت والی کی عدت مطلقاً چار ماہ دس دن ہے بیوی مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ اگرچہ نابالغہ ہو یا کتابیہ مسلمان کے نکاح میں اگرچہ مسلمان غلام ہو موت کی عدت کا یہی حکم ہے اس حکم سے صرف حاملہ بیوی خارج ہے کہ اس کی عدت وضعِ حمل ہے، اور فاسد نکاح میں خلوت سے عدت واجب نہیں ہوتی اھ ملتقطاً (ت)

---

[1] ردالمحتار باب العدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۱

[2] درمختار 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۶-۲۵۵

[3] 〃 〃 〃 ۱/ ۲۵۸

عورت کے لئے حدِ صغر ۹ سال کی عمر تک ہے اس سے کم عمر میں جوانی ہرگز نہیں ہوتی، اس کے بعد ۱۵ سال کی عمر تک احتمال ہے اگر آثارِ بلوغ مثلاً حیض آنا یا احتلام ہونا یا حمل رہ جانا پایا جائے تو بالغہ ہے ورنہ جب ۱۵ سال کامل کی عمر ہوجائے گی جوانی کا حکم کردیں گے اگرچہ آثار کچھ ظاہر نہ ہوں به قال وعلیه الفتوی کما فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر (یہی کہا اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ در وغیرہ مشہور کتب میں ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۳ از ٹھاکر دوارہ ضلع مراد آباد بازار گنج مرسلہ نجیب اللہ صاحب عطار ۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک عورت منکوحہ کو اُس کے خاوند نے اپنے گھر سے نکال دیا اور کہہ دیا کہ تجھ کو نہیں رکھتا، یہاں تک کہ اُس عورت نے اپنے خاوند کے ڈرانے کی غرض سے خودکشی کا قصد کیا اور کچہری سے بجرم خودکشی تینتیس روپیہ جرمانہ عورت پر ہُوئے، اُس کے خاوند کو کچھ سروکار نہ ہُوا بلکہ کچہری میں بیان کیا کہ میں نے عورت کو چھوڑ دیا مجھ سے کچھ غرض نہیں، اُس روز سے وُہ عورت دُوسرے مرد کے پاس ہے، اس کے خاوند سے چند بار کہا گیا کہ عورت اپنی کو طلاق دے، وُہ کہتا ہے میں طلاق کو نہیں جانتا میں نے عرصہ پانچ سال کا ہُوا چھوڑ دیا۔ اب نکاح دُوسرے آدمی کے ساتھ جس کے ساتھ وُہ رہتی ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر واقعی کچہری میں اس نے وُہ الفاظ کہے کہ "میں نے اس کو چھوڑ دیا" تو اُسی وقت سے طلاق ہوگئی، اُس وقت سے اگر تین حیض شروع ہوکر ختم ہوگئے تو دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے اور اگر ابھی ختم نہ ہُوئے تو جب ختم ہوجائیں اس کے بعد کرسکتی ہے اور یُوں جو عزیزوں کے یہاں رہتی ہے یہ حرام ہے، اور وُہ جو اُس نے کہا "پانچ برس سے چھوڑ چکا ہوں" اُس کا اعتبار نہیں اگرچہ کچہری میں "چھوڑنے" کا لفظ پہلے کہا تھا تو جب سے عدت ہے اور اگر یہ لفظ پانچ برس سے چھوڑنے کا پہلے کہا تھا تو جب سے ہے غرض جو لفظ کہا ہو اُس کے بعد سے تین حیض شروع ہوکر ختم ہونا درکار ہے بغیر اس کے دوسری جگہ نکاح حرام ہے، وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۴ از میونڈی ڈاکخانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عدت بیوہ کی کتنی ہے اور مطلقہ کی کتنی؟

الجواب

حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے مطلقہ ہو یا بیوہ، اور غیر حاملہ بیوہ کی عدت اگر خاوند کسی مہینے کی پہلی شب یا پہلی تاریخ میں مرا اگرچہ عصر کے وقت، چار مہینے دس دن ہیں یعنی چار ہلال اور ہوکر اس

پانچویں ہلال پر وقت وفات شوہر کے اعتبار سے دس دن کامل اور گزر جائیں اور پہلی تاریخ کے سوا اور کسی تاریخ میں مرا تو ایک سو تیس ۱۳۰ دن کامل لئے جائیں اور مطلقہ اگر حیض والی ہے تو بعد طلاق تین حیض شروع ہو کر ختم ہو جائیں اور اگر صغیرہ کہ ابھی حیض نہیں آتا یا کبیرہ کہ حیض آنے کی عمر گزر گئی تو عدت تین مہینے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۵۵ ازشہر یکم ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کا نکاح نابالغی میں کر دیا تھا چونکہ لڑکی اُس لڑکے کے قابل نہ تھی لہذا اُس نے ہر طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، لڑکی کے والدین نے اُسے اپنے گھر رکھ لیا اُس لڑکے نے چار بار برادروں کو جمع کرکے کہا میں طلاق دے دوں لیکن برادروں نے اُسے باز رکھا، اب جبکہ اُس نے دوسرا نکاح کرلیا تو برادروں نے طلاق دلوادی تو ایسی صورت میں عدت معتبر ہوگی یا نہیں؟

الجواب

اگر لڑکی قابلِ جماع تھی اگرچہ خاص اس مرد کے قابل نہ ہو اور خلوتِ صحیحہ ہو چکی تھی عدت لازم ہے ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۵۶ مولٰنا حافظ حشمت علی صاحب لکھنوی طالب علم مدرسہ اہلسنت بریلی ۱۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دے دی بوجہ اُس کی بدچلنی کے۔ ہندہ طلاق کے بعد عمرو کے پاس رہی اور ہندہ کو عمرو سے حمل رہ گیا، عمرو نے ہندہ کے ساتھ بعد گزرنے ایامِ عدت نکاح کرلیا اور بعد نکاح عمرو کو اس بات کا علم ہوا کہ ہندہ کو مجھ سے حمل ہے، آیا یہ نکاح جائز ہے اور یہ کہ بعد طلاق نکاح کے واسطے عدت کا زمانہ کیا ہے؟

الجواب

طلاق کی عدت حیض والی کے لئے تین حیض ہیں بعد طلاق شروع ہو کر ختم ہو جائیں، اور جسے حیض ابھی نہیں آیا یا حیض کی عمر سے گزر چکی اُس کے لئے تین مہینہ اور حمل والی کے لئے وضعِ حمل ۔ یہ احکام قرآنِ عظیم میں منصوص ہیں اور عمرو نے جو قبل عدت اُس سے تعلق کیا اور حسبِ بیانِ سائل اُس سے حمل رہ گیا تو وہ کون سے ایامِ عدت تھے جو اُس نے گزارے، اُس کی عدت تین حیض تھے، اور حاملہ کو حیض آتا نہیں، اور حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے، اور ابھی وضعِ حمل ہوا نہیں یہ نکاح فاسد ہوا، اُس پر فرض ہے کہ عورت کو فوراً الگ کردے اور انتظار کیا جائے اگر بچہ طلاق شوہر سے ڈو برس کے اندر پیدا ہو تو شوہر ہی کا ہے اور اب وہ عدت سے نکلی اس سے نکاح ہوسکتا ہے اور دو برس کے بعد پیدا ہو تو شوہر کا نہیں اب نکاح ہر حال جائز ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از موضع کیسر پور ضلع بریلی مسئولہ خدابخش انصاری ۲ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ایک بیوہ عورت سے مقرر ہوا، جس وقت نکاح ہُوا برادری کے لوگ جمع ہُوئے اور اُن کے رُوبرو عاقد نے دریافت کیا کہ اس عورت میں کوئی نقص یا جھگڑا تو نہیں ہے تو اُس میں دو شخصوں نے کہا کہ کُچھ نہیں بیوہ ہے آپ نکاح پڑھادیں آخر کلام نکاح ہوگیا اب جس وقت شب کو خلوت ہُوئی تو معلوم ہُوا کہ عورت حاملہ ہے، آخر پولیس کو خبر ہوگئی تو داروغہ پولیس نے عورت سے دریافت کیا، اُس نے جس کا حمل تھا اُس کو نہ بتایا اور شخص کا نام لے دیا، پولیس نے اُس کے سپرد کردیا، اور اہلِ برادری میں کئی شخص اس بیوہ کو جانتے تھے مگر پوشیدہ رکھا ظاہر نہ کیا، اب شرع شریف سے جس کے گھر وُہ عورت ہے اُس کو کیا حکم ہے اور عاقد وکیل و شاہدوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب

سائل کا بیان ہے کہ شوہر کے انتقال کو ڈیڑھ برس ہُوا اور حمل وہیں کا معلوم ہوتا ہے، اس صورت میں جس شخص سے اُس کا نکاح ہُوا ہے اس پر لازم ہے کہ عورت کو اپنے سے جُدا دوسرے مکان میں رکھے اور بچّہ پیدا ہونے کا انتظار کرے، اگر شوہر کی وفات سے پُورے دو برس کے اندر بچہ پیدا ہوجائے تو یہ نکاح باطل محض ہُوا اور جو لوگ واقف حال شریکِ نکاح تھے سب سخت گنہگار ہوئے، بعد بچہ پیدا ہونے کے پھر یہ شخص اُس سے نکاح کرسکتا ہے، اور اگر وفاتِ شوہر کو دو برس کامل گزر جائیں اُس کے بعد بچہ پیدا ہو تو یہ نکاح صحیح ہوگیا دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں، بچّہ پیدا ہونے کے بعد اُسے ہاتھ لگانا بھی جائز ہوجائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از جلیسر ضلع ایٹہ بالائے قلعہ مسئولہ حکیم محمد احسن صاحب ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ نے نکاح کیا جس کو اب تک چھ ماہ ہوئے، بعد تین ماہ کے اُس کا خاوند مرگیا اور اس کو خلوتِ صحیحہ نہیں ہُوئی اب تک اپنے ماں باپ کے یہاں ہے، مدت عدت وفات کی دو صورتیں ہیں، یا وہ بعد وفات کے حاملہ ہے یا حمل کا انتظار ہے، بہرحال اُس کو حمل نہیں ہُوا، نیز ایام معمولی آتے ہیں، مدت چار ماہ دس دن محض اس غرض سے تھی کہ اس عرصہ میں ظہورِ حمل ہوجائے گا اس صورت میں وُہ قبل از عدتِ وفات عقدِ ثانی کرلے یا بعد گزرنے چار ماہ دس دن کے نکاح کرے، عدتِ طلاق تین قروء ہیں، اگر اُس کو خلوتِ صحیحہ نہیں ہُوئی تو اُس کو تین قروء کی ضرورت نہیں، بعد طلاق فوراً عقد کرسکتے ہیں، علٰی ہذا صورت مسئولہ کی شکل بھی یہی ہے جبکہ وُہ خاوند کے یہاں نہیں گئی اور خلوتِ صحیحہ نہیں نصیب ہُوئی تو پھر عدتِ وفات کی کیا ضرورت ہے بہرحال دونوں صورتیں ایک ہیں، لہذا جو حکم شرع

ہے وہ سرآنکھوں پر کوئی دلیل عقلی ضرور ہونی چاہئے تاکہ دونوں صورتوں میں تمیز ہوجائے کوئی مسئلہ شرعی ایسا نہیں جو کسی اصول پر مبنی نہ ہو عقل کا حکم تو یہی ہے کہ جو عورت ہمبستر نہ ہوا اُس پر عدت کی ضرورت نہیں پھر چار ماہ دس دن کے انتظار کی کیا ضرورت یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا[1] (وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔ت) محض ظہور حمل کے لئے چار ماہ دس دن کا انتظار ہے، سو صورتِ ہذا میں نہ خلوت نہ حمل، فتاوٰی عالمگیری اکثر جزئیات سے مملو ہے جو جزئی چاہو اُس میں نکال سکتے ہیں شاید اُس میں اس خاص جزئی کا ذکر ہو لیکن دلیل عقلی کی ازحد ضرورت ہے، بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب

اُس پر چار مہینے دس دن عدت فرض ہے اس سے پہلے نکاح بلکہ نکاح کی گفتگو بھی حرام ہے۔

درمختار میں ہے:

وللموت اربعۃ اشھر وعشر مطلقا وطئت اولا ولو صغیرۃ اوکتابیۃ تحت مسلم ولو عبد افلم یخرج عنھا الا الحامل[2]

موت کی عدت مطلقاً چار ماہ دس دن ہے بیوی مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ اگرچہ نابالغہ ہو یا کتابیہ مسلمان آزاد کے نکاح میں ہو یا مسلمان غلام کے نکاح میں، صرف حاملہ کا اس سے علیحدہ ہے کہ اس کی عدت وضعِ حمل ہے۔(ت)

احکام الٰہی میں چون وچرا نہیں کرتے، الاسلام گردن نہادن نہ کہ زبان بجرأت کشادن (اسلام سرِ تسلیم خم کرنا ہے نہ کہ دلیری سے لب کشائی کرنا۔ت) بہت احکام الٰہیہ تعبدی ہوتے ہیں اور جو معقول المعنی ہیں اُن کی حکمتیں بھی من وتو کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ صبح کی دو، مغرب کی تین، باقی کی چار چار رکعتیں کیوں ہیں، تعرفِ برأت رحم کے لئے ایک حیض کافی تھا تین اگر احتیاطاً رکھے گئے تو عدتِ وفات حیضوں سے بدل کر مہینے کیوں ہوئی اور ہوتی تو تین مہینے ہوتی جس طرح آئسہ وصغیرہ میں تین حیض کی جگہ تین مہینے قائم فرمائے ہیں ایک مہینہ دس دن اور زائد کیوں فرمائے گئے، غرض ایسے بیہودہ سوالوں کا دروازہ کھولنا علوم وبرکات کا دروازہ بند کرنا ہے، مسلمان کی شان یہ ہے:

سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر[3]

ہم نے سُنا اور اطاعت کی، تیری بخشش کے طلبگار رہیں اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۴

[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۶

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

عدت طلاق تعرف برارت رحم کے لئے ہے قبل خلوت برارت خود معلوم پھر عدت کیوں ہو اور عدتِ وفات میں صرف یہی مقصود نہیں بلکہ موتِ شوہر کا سوگ بھی۔ اور اُس میں خلوت ہونے نہ ہونے کو کچھ دخل نہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاٰخر ان تحد علی میت فوق ثلث لیال الا علی زوج اربعۃ اشھر وعشرا[1]۔ رواہ البخاری ومسلم عن ام المومنین ام حبیبۃ وزینب بنت جحش رضی اللہ تعالٰی عنھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وُہ خاوند کی موت کے بغیر کسی میّت پر تین دن سے زائد سوگ کرے، صرف خاوند کی موت کے لئے چار مہینے دس دن سوگ ہے۔ اس کو بخاری اور مسلم نے ام المومنین ام حبیبہ اور زینب بنتِ جحش رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۹ از قصبہ کریالی تحصیل کھاریان ضلع گجرات پنجاب ڈاکخانہ سرائے اورنگ آباد
مسئولہ غلام یٰسین صاحب ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر شیرخوارہ مسماۃ نوربانو کا نکاح ہمراہ مسمّی عمرو جس کی عمر پچیس سال ہے کر دیا، بعد نکاح کے اس دختر شیرخوارہ کو اس کی والدہ ایک مکان میں جہاں عمرو جس کے ساتھ مسماۃ نوربانو شیرخوارہ کا نکاح ہُوا تھا مع عمرو کے چھوڑ کر کہیں باہر چلی گئی اس وقت اس مکان میں صرف وُہ لڑکی اور عمرو جس کے ساتھ اُس کا نکاح ہوا ہے رہے، کوئی دوسرا شخص وہاں نہ تھا، اس کے بعد جب والدۂ شیرخوارہ واپس آئی عمرو نے اس شیرخوارہ منکوحہ خود کو طلاق بائن دے دی، آیا خلوتِ صحیحہ ثابت ہُوئی یا نہ؟ اور اس مطلقہ شیرخوارہ پر عدت لازم ہُوئی یا نہ اور مستحقِ مہر ہُوئی یا نہ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی، نہ عدت لازم آئی، نصف مہر دینا ہوگا، درمختار میں ہے: لاعدۃ بخلوۃ الرتقاء[2] (ناقابلِ جماع بیوی کی خلوت پر عدت نہیں ہے۔ ت)، جامع الرموز میں ہے:

لوطلقھا قبل الدخول اوبعد الخلوۃ الفاسدۃ والفساد لعجزہ عن الوطئ

اگر جماع سے پہلے یا خلوتِ فاسدہ کے بعد طلاق دی ہو اور فساد مثلاً یہ کہ خاوند وطی سے حقیقۃً عاجز ہو

---

[1] صحیح مسلم باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفاۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۸۶
[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵

حقیقۃ لم تجب العدۃ[1] اھ وانظر ما کتبنا علی ردالمحتار۔ تو اس صورت میں عدت لازم نہ ہوگی اھ یہاں ردالمحتار پر میرا حاشیہ دیکھو۔ (ت)

مسئلہ ۶۰: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ عنایت حسین صاحب ۲۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مطلقہ عورت کی عدت تین ماہ ہو یا زائد؟

الجواب

مطلقہ اگر حاملہ ہو تو عدت وضعِ حمل ہے، اور اگر نابالغہ ہو یا کبرسن کے سبب اب حیض نہیں آتا تو عدت تین ماہ ہے ورنہ تین حیض خواہ دو مہینے میں ہوں یا مثلاً دو برس میں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۱: از قصبہ میترانوالی ڈاکخانہ گکھر ریلوے ضلع گوجرانوالا مرسلہ میاں امیر احمد صاحب ۷ محرم الحرام ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عورت مطلقہ کو بلانکاح دو سال تک اپنے گھر میں رکھا بلکہ اُس سے اولاد بھی ہُوئی پھر وُہ شخص فوت ہوگیا تو اس کے برادرِ حقیقی نے اُس عورت کے ساتھ بغیر عدت گزرے نکاح کرلیا اُس عورت پر عدت لازم ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ زنا کی کوئی عدت نہیں اور بعض کہتے ہیں وہ مثل عورت خاوند کے دو سال تک رہی واسطے استبراءِ رحم کے عدت لازم ہے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا (بیان کیجئے اجر پایئے۔)

الجواب

اگر وُہ دونوں ایک مکان میں مثل زن وشوہر رہتے اور باہم انبساطِ زوج و زوجہ رکھتے مرد اُسے بیبیوں کی طرح رکھتا، عورت اُس کے پاس ازواج کی مانند رہتی تو وہ دونوں شرعاً زوج زوجہ ہی سمجھے جائیں گے یہاں تک کہ جس نے اُن کی یہ حالت دیکھی اُسے قاضیِ شرع کے حضور زن وشوہر ہونے پر گواہی دینی حلال اگرچہ نکاح ہوتے نہ دیکھا ہو، ہدایہ میں ہے:

اذا رأی رجلا وامرأۃ یسکنان بیتا و ینبسط کل واحد منھما الی الاخر انبساط الازواج وسعہ ان یشھد انھا زوجتہ[2]

جب کوئی شخص مرد وعورت کو ایک مکان میں رہتے ہوئے اور خاوند بیوی والی بے تکلفی کے طور پر دونوں کو رہتے ہوئے دیکھے تو ایسے شخص کو جائز ہے کہ وہ شہادت دے کہ یہ دونوں خاوند بیوی ہیں (ت)

---

[1] جامع الرموز فصل العدۃ مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قابوس ایران ۱/ ۵۰۸

[2] ہدایہ باب ما یتحمل الشاہد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

اپنے سامنے نکاح نہ ہونے کو نکاح نہ ہونا سمجھ لینا سخت سفاہت ہے۔ عدمِ علم، علمِ عدم نہیں۔ دنیا میں بے شمار زوج وزوجہ ہیں کیا ہم سب کے عقد میں حاضر تھے، پھر ہم کیونکر انھیں ناکح ومنکوحہ سمجھتے ہیں، شرع مطہر بدگمانی کو سخت حرام فرماتی ہے، اور جب وُہ شرعًا زن وشوہر قرار دئے گئے تو بے انقضائے عدت نکاح بنصِ قطعی قرآن ناجائز وحرام، یہاں تک کہ بعض علماء نے فرمایا کہ اس عقد پر اصلاً کوئی حکم نکاح مترتب ہوگا کہ معتدۂ غیر سے دانستہ نکاح کرنا باطل محض ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

في البحر عن المجتبى اما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لايوجب العدة ان علم انها للغير لانه لم يقل احد بجوازه فلم ينعقد اصلاً[1]

بحر میں مجتبی سے منقول ہے کہ غیر کی منکوحہ بیوی یا غیر مطلقہ عدت والی سے نکاح کے بعد دخول سے عدت لازم نہ ہوگی بشرطیکہ وُہ جانتا ہو کہ یہ غیر کی منکوحہ یا معتدہ ہے کیونکہ اس نکاح کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہے لہذا یہ نکاح ہی اصلاً منعقد نہ ہُوا۔ (ت)

ہاں اگر صورتِ مذکورہ نہ ہو اور اُن کا زانی وزانیہ ہونا محقق ہو تو بیشک یہ نکاح صحیح ہوگیا کہ زنا کے پانی کی شرع میں کوئی حُرمت نہیں نہ زانیہ پر زنا کی عدت، یہاں تک کہ جس عورت کو زنا کا حمل ہو غیر زانی کو بھی باوجود حمل اُس سے نکاح جائز، البتہ از انجا کہ حملِ غیر ہے تا وضعِ حمل جماع ناجائز ہے، درمختار میں ہے:

صح نكاح حبلى من زنا وان حرم وطؤها حتى تضع لئلا يسقى ماءه زرع غيره[2]۔ والله سبحنه وتعالٰى اعلم۔

زنا سے حاملہ عورت کے ساتھ نکاح جائز ہے اگرچہ نکاح کے بعد وطی حرام ہے تاوقتیکہ بچے کی پیدائش ہو تاکہ غیر کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرنے والا نہ بنے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۲: از شہر بریلی ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت رانڈ ہوگئی، رانڈ اپنے بہنوئی کے پاس گئی اور بہن بھی موجود تھی بہنوئی نے اس کا بھی نکاح اپنے ساتھ کرلیا، اب کئی سال سے اس عورت کو نکال دیا، استعفاد غیرہ نہیں دیا، اب وُہ عورت اور جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے، نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

بہن کی موجودگی میں بہنوئی سے نکاح حرام حرام سخت حرام ہوا، بہنوئی نے کہ اس کو نکالا اگر کوئی لفظ

---

[1] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۷

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

ایسے کہے تھے اُس وقت خواہ اس کے بعد جن سے اس کا عزم اس پر سمجھا جائے کہ اب اس عورت کو کبھی نہ رکھے گا اور اُن الفاظ کے کہنے کے بعد اس عورت کو تین حیض شروع ہو کر ختم ہو گئے تو یہ اور جگہ نکاح کر سکتی ہے، اور اگر ایسے الفاظ ثابت نہ ہوں تو اب عورت کہہ دے میں نے اُس نکاح کو رَد کیا جو بہنوئی سے کر لیا تھا اس کے بعد تین حیض دیکھ کر دوسرے سے نکاح کرلے۔ درمختار میں ہے:

مبدؤها فی النکاح الفاسد بعد التفریق او اظهار العزم علی ترك وطئها[1]

نکاح فاسد کی عدت کی ابتداء تفریق کے بعد یا خود خاوند کے متارکہ کے بعد ہے، متارکہ یہ کہ خاوند نے عورت سے وطی کے ترک پر اپنے عزم کا اظہار کردیا ہو۔ (ت)

اُسی میں ہے:

ویثبت لکل واحد منهما فسخه ولو بغیر محضر من صاحبه دخل بها اولا فی الاصح[2]

خاوند اور بیوی دونوں کو فاسد نکاح میں فسخ کا اختیار ہے، دونوں کو یہ اختیار دوسرے کی موجودگی کے بغیر بھی ہے دخول کیا ہو یا نہ، اصح روایت یہی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر ورجحنا فی باب المهر انها (ای المتارکة) تکون من المرأة ایضا اھ والمقدسی تابع البحر[3] اھ۔ **اقول** وحققنا فیما علقنا علیه ان الفساد ان کان مقارنا کما ھٰھنا کان لکل فسخه والمتارکة غیره وان کان طارئا تفرد به الزوج۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

بحر میں فرمایا ہے کہ ہم نے باب المہر میں عورت کی طرف سے متارکہ کو بھی جائز ہونے کی ترجیح ذکر کی ہے اھ اور مقدسی نے بحر کی اتباع کی ہے اھ **اقول** (میں کہتا ہوں) میں نے ردالمحتار کے حاشیہ میں یہ تحقیق کی ہے کہ اگر نکاح کا فساد ابتداءً نکاح سے مقارن ہو جیسے یہاں ہے تو پھر خاوند اور بیوی دونوں کو فسخ کا اختیار ہے اور متارکہ کا حکم علیحدہ ہے، اور اگر نکاح کا فساد بعد میں طاری ہو تو پھر صرف خاوند کو اختیار رہے ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۸
[2] " باب المہر " " " ۱/۲۰۱
[3] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۱۲

مسئلہ ۶۳ ۴ رجب مرجب ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دی ایام عدت منقضی نہ ہوئے تھے صرف بیس پچیس دن بعد بکر نے اُس سے نکاح کرلیا، چار برس بعد بکر نے بھی طلاق دی، اب شخص ثالث اُس سے نکاح کیا چاہتا ہے، یہ نکاح طلاق کے چار مہینے دس دن بعد ہو یا فوراً ہوسکتا ہے کہ بکر نے قبل انقضائے عدت نکاح کرلیا تھا جو شرعاً نادرست تھا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر بکر نے یہ جان بُوجھ کر کہ ابھی عورت عدت میں ہے اس سے نکاح کرلیا تھا جب تو وہ نکاح نکاح ہی نہ ہُوا نِرا زنا ہُوا، تو اس کے لئے اصلاً عدت نہیں اگرچہ بکر نے صدہا بار عورت سے جماع کیا ہو کہ زنا کا پانی شرع میں کچھ عزت و وقعت نہیں رکھتا عورت کو اختیار ہے جب چاہے نکاح کرلے،

فی ردالمحتار عن البحرالرائق اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لایوجب العدة ان علم انھا للغیر لانه لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا ولھذا یجب الحد مع العلم بالحرمة لکونه زنا کما فی القنیة وغیرھا[1]۔

ردالمحتار میں بحرالرائق سے منقول ہے کہ غیر کی منکوحہ بیوی یا غیر کی مطلقہ عدت والی سے نکاح کے بعد دخول سے عدت لازم نہ ہوگی بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ عورت غیر کی ہے کیونکہ اس نکاح کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہے لہذا یہ نکاح ہی اصلاً منعقد نہ ہوا، یہی وجہ ہے کہ یہ معلوم ہونے پر کہ یہ غیر کی منکوحہ ہے اس کے باوجود نکاح اور دخول پر حدِ زنا لازم ہوگی کیونکہ یہ زنا ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور اگر بکر نے انجانی میں نکاح کیا تو یہ دیکھیں گے کہ اس چار برس میں اس نے عورت سے کبھی جماع کیا ہے یا نہیں، اگر کبھی نہ کیا تو بھی عدت نہیں، بکر کے چھوڑتے ہی فوراً جس سے چاہے نکاح کرلے،

ففی البحر فی امثلة النکاح الفاسد ولم یبطل نکاح المعتدة[2] الخ وقیدہ الشامی بما اذا لم یعلم بانھا معتدة لما مر عن البحر

بحر میں ایسے نکاح جو فاسد ہو مگر باطل نہ ہو کی مثالوں میں غیر کی معتدہ کا نکاح ذکر کیا ہے اھ اور علامہ شامی نے اس کو غیر کی معتدہ کا علم نہ ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے جیسا کہ بحر کے حوالے سے گزرا،

---

[1] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۰۷

[2] بحرالرائق

وفی الدر المختار فی احکام النکاح الفاسد، تجب العدۃ بعد الوطئ لا الخلوۃ وقت التفریق او متارکۃ الزوج[1] اھ ملخصًا۔

اور درمختار کے احکامِ نکاح فاسد میں مذکور ہے کہ فاسد نکاح میں وطی کے بعد عدت لازم ہوگی صرف خلوت سے لازم نہ ہوگی اور یہ عدت تفریق یا خود خاوند کی طرف سے متارکہ کے وقت سے شروع ہوگی اھ ملخصًا (ت)

اور جو ایک بار بھی جماع کرچکا ہے تو جس دن بکرنے چھوڑا اس دن سے عورت پر عدت واجب ہوئی جب تک اس کی عدت سے نہ نکلے دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی، اور عدت طلاق کی چار مہینے دس دن نہیں یہ عدت موت کی ہے، طلاق کی عدت تین حیض کامل ہیں یعنی بعد طلاق کے ایک نیا حیض آئے، پھر دوسرا، پھر تیسرا، جب یہ تیسرا ختم ہوگا اُس وقت عدت سے نکلے گی اور اسے جس سے چاہے نکاح کرنا روا ہوگا، قال اللہ تعالٰی والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء[2]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: مطلقہ عورتیں تین حیض مکمل ہونے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۴: از متھرا محلہ مہوپورہ مرسلہ رمضان خاں ۱۳ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص کی زوجہ منکوحہ ایک عرصہ سے بوجہ کسی خاص رنجی کے بلاطلاق اپنے شوہر سے علیحدہ ہوکر اور خلافِ مرضی اُس کے کہیں چلی گئی اور کسی غیر شخص سے اپنا عقد کرلیا بالفعل وہاں سے بھی نکل کر پھر شوہر اول سے عقد چاہتی ہے اور طلاق ہر دو شوہروں کی جانب سے ثابت نہیں، پس قابلِ استفسار یہ امر ہے کہ اب شوہر اول سے عقد قائم رہے گا یا عقدِ جدید کی ضرورت ہے یا اس کے سوا کوئی اور شرعی صورت ہے؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

عقدِ قدیم قائم ہے جدید کی کچھ حاجت نہیں، دوسرا شخص جس نے اُس منکوحہ غیر سے نکاح کیا اگر آگاہ تھا کہ یہ منکوحہ غیر ہے جب تو عدت کی بھی ضرورت نہیں کہ یہ زنا تھا اور زنا کی عدت نہیں، درمختار میں ہے: لاعدۃ للزنا[3] (زنا کی عدت نہیں ہوتی۔ ت) اور اگر وہ واقف نہ تھا عورت کو خالی وحلال سمجھ کر نکاح

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۰
[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۸
[3] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵

میں لایا تواس پر فرض قطعی ہے کہ عورت کو ترک کردے وقتِ ترک سے عورت تین حیض کی عدت کرے اُس کے بعد شوہراوّل بے حاجتِ تجدید نکاح اس سے مترتب کرسکتا ہے، یہ اُس تقدیر پر کہ شخص ثانی نے عورت سے صحبت یعنی مجامعت کرلی ہو، ورنہ حاجتِ عدت نہیں۔ درمختار میں ہے:

لاعدۃ لوتزوج امرأۃ الغیر ووطئہا عالما بذٰلک وفی نسخ المتن ودخل بہا ولابد منہ وبہ یفتی ولہٰذا یحد مع العلم بالحرمۃ لانہ زنا والمزنی بہا لاتحرم علی زوجہا الخ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

غیر کی منکوحہ سے نکاح کے بعد وطی کرنے سے عدت لازم نہ ہوگی بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ عورت غیر کی ہے اور متن کے نسخوں میں "دخل بہا" (اس نے دخول کیا ہو) کا لفظ ہے جبکہ یہ قید ضروری ہے۔ اور فتوٰی اسی پر دیا جائے گا۔ اس لئے علم کے باوجود اس حرام کاری پر حد لگائی جائے گی کیونکہ یہ زنا ہے اور زنا والی عورت اپنے خاوند پر اس وجہ سے حرام نہیں ہوتی الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۵ ازموضع ٹانڈا پرگنہ بہیڑی معرفت پیارے میاں ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، ایک شخص اپنی قضا سے فوت ہوگیا اور اس کی بیوی کو حمل تھا، بعد اُس کے مرجانے کے ایک مہینہ کے بعد وہ حمل ساقط ہوگیا تو اس عورت کو عدت کرنا چاہیے یا اُس حمل کے گرجانے سے عدت جاتی رہی اور وہ حمل چار یا پانچ مہینہ کا تھا اہلِ شرع کیا فرماتے ہیں؟

الجواب

سائل نے ظاہر کیا کہ اُس کے ہاتھ پاؤں بن گئے تھے تو اس کے گرجانے سے عدت تمام ہوگئی اب عدت کی حاجت نہیں،

فی ردالمحتار اذا اسقطت سقطا ان استبان بعض خلقہ انقضت بہ العدۃ لانہ ولد والافلا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں ہے حاملہ عورت کا حمل ساقط ہوجائے تو اگر بچّے کے کچھ اعضاء کی تخلیق ظاہر ہوتی ہو تو پھر اس سے عدت ختم ہوگئی کیونکہ یہ مکمل بچہ شمار ہوتا ہے اور اگر ابھی اعضاء ظاہر نہ ہوئے ہوں تو عدت ختم نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۹

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۰۴

مسئلہ ۶۶: از بنگالہ ضلع سلہٹ ڈاک خانہ کمال گنج موضع پھولٹولی مرسلہ عبدالغنی صاحب ۱۹ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح صحیح کیا، قبل از دخول بعد خلوتِ صحیحہ طلاق دی، اب عدت ہندہ پر واجب ہے یا نہیں؟ ایک جگہ عالمگیری سے مفہوم ہوتا ہے کہ واجب ہے،

رجل تزوج امرأۃ نکاحا جائزا فطلقھا بعد الدخول او بعد الخلوۃ الصحیحۃ کان علیھا العدۃ کذا فی فتاوٰی قاضی خاں۔[1]

کسی نے ایک عورت سے صحیح نکاح کیا پھر دخول کے بعد طلاق دی یا خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دی تو اس عورت پر عدت لازم ہوگی جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے۔ (ت)

اور دوسری جگہ عالمگیری سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگرچہ بعد خلوتِ صحیحہ کے ہو عدت واجب نہیں،

اربع من النساء لاعدۃ علیھن المطلقۃ قبل الدخول[2] الخ۔

چار عورتیں ہیں جن پر عدت نہیں ان میں سے ایک قبل از دخول طلاق والی ہے الخ (ت)

اور کلام مجید میں ایک جگہ یوں ہے،

اذا نکحتم المؤمنٰت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن، فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا۔[3]

جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرکے قبل از دخول ان کو طلاق دے دو تو تمہارے حق میں ان عورتوں پر عدت نہیں (ت)

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں عدت واجب ہے اور عالمگیری کی دونوں عبارتوں میں تنافی نہ آیہ کریمہ عبارت اولٰی کی نافی، اصل یہی ہے کہ موجب عدۃ مس و دخول یعنی وطی ہے مگر نکاح صحیح میں مجرد خلوت اگرچہ غیر صحیحہ ہو ایجاب عدت کے لئے قائم مقام وطی ہے، تنویر میں ہے،

الخلوۃ کالوطء فی العدۃ[4] (ملخصًا)۔

عدت کے معاملہ میں خلوت کا حکم وطی والا ہے (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب العدۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۶

[2] " " " " " " "

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۹

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۸-۹۹

ردالمحتار میں ہے :

وجوبها من احکام الخلوة سواء کانت صحیحة امرلا ای اذا کانت فی نکاح صحیح اما الفاسد فتجب العدة بالوطء کما سیأتی[1]۔

عدت کا وجوب خلوت کے احکام میں سے ہے خلوت صحیحہ ہو یا فاسدہ ہو، طحاوی، یعنی صحیح نکاح میں یہ حکم ہے لیکن فاسد نکاح میں صرف وطی سے عدت لازم ہوتی ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ (ت)

مدارک شریف میں ہے :

من قبل ان تمسوهن والخلوة الصحیحة کالمس[2] اھ وس اُیتنی کتبت علی هامشها الاولی ان یقول قدس سرہ والخلوة فی النکاح الصحیح کالمس فیقید النکاح بالصحیح ویطلق الخلوة لان الخلوة وان فسدت توجب العدة اذا صح النکاح، اما الفاسد فلا عدة فیه الا بحقیقة الوطء کما فی الدر وغیره[3]، واللّٰه تعالٰی اعلم۔

قبل ازیں کہ تم ان کو مس کرو (یعنی جماع کرو) اور خلوتِ صحیحہ بھی جماع کی طرح ہے اھ اور مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ پر یہ لکھا ہے کہ بہتر تھا کہ صاحبِ مدارک یُوں کہتے اور خلوت نکاح صحیح میں جماع کی طرح ہے اس طرح نکاح کو صحیح کی قید سے مقید اور خلوت کو مطلق قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ جب نکاح صحیح ہو تو خلوت فاسدہ بھی عدت کو لازم کرتی ہے لیکن نکاح فاسد میں صرف حقیقی وطی سے ہی عدت لازم ہوتی ہے جیسا کہ دُرّ وغیرہ میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳: از شہر کہنہ بریلی

حضور والا! مسمّی چمن کا بیان ہے کہ میری لڑکی نابالغ کا نکاح میرے حقیقی بھائی نے بلارضامندی میرے کردیا اور مجھ کو راضی کرکے رخصت کرادی، وُہ لڑکی اپنے اُس خاوند کے پاس رہی اور نوبت مجامعت کی پہنچی، اُس کے یہاں سے بعد کو رخصت ہو کر جس وقت کہ وُہ اپنے باپ کے مکان پر آئی کہ اُس کو عرصہ تین سال کا ہُوا پھر کبھی نہ گئی حتی کہ نوبت نالش تک پہنچی، بالآخر اُس نے اُس کو فیصلہ پنچایت سے طلاق دی،

---

[1] ردالمحتار باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۴۱
[2] مدارک التنزیل تحت سورۃ الاحزاب دار الکتاب العربیہ ۳/۳۰۸
[3] حواشی مدارک اعلٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ

اب اُس کا نکاح درمیان عدّت طلاق کے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اورؔ یہ نکاح اوّل جو نابالغی میں بلا استرضا باپ کے ہُوا جائز تھا یا نہیں؟ فقط، اس قوم میں نابالغ لڑکیوں کا نکاح نابالغ لڑکوں کے ساتھ بولایت اکثر ہوتا ہے اور حالتِ بلوغ تک پہنچنے سے پہلے کسی مخالفت سے طلاق ہوجاتی ہے، اسؔ صورت میں عدت طلاق کی لازم آتی ہے یا نہیں؟ اورؔ مہر کس قدر دلایا جاسکتا ہے؟ بحالتؔ خلوت صحیحہ اور مجامعت کے کیا حکم ہے؟ اورؔ بحالتِ طلاق اُس کا کیا حکم ہے؟ اگرؔ بحالت لازم آنے عدت کے نکاح ہوجائے اور وُہ اپنے خاوند سے علیحدہ رہ کر تین ماہ تمام کرے تو یہ نکاح صحیح رہے گا یا پھر نکاح کرنا چاہئے؟ فقط

الجواب

نکاح اوّل کہ بے اجازتِ پدر چچا نے خود کردیا تھا اجازتِ پدر پر موقوف تھا، اگر اس نکاح کے بعد اُس نے کوئی لفظ نامنظوری اور رَد کرنے کا کہا تھا تو نکاح باطل ہوگیا اور زن وشوہر میں کوئی علاقہ نہ رہا تھا' اس کے بعد جو رخصت ہُوئی محض حرام ہُوئی اور جو مجامعت ہُوئی نری زنا ہُوئی فان الاجازۃ لاتلحق المفسوخ (کیونکہ فسخ شدہ کو اجازت لاحق نہیں ہوتی۔ت) طلاق کی کوئی حاجت نہیں نہ اس فراق کی عدت اذلا نکاح فلا طلاق فلا عدۃ (اس لئے کہ نکاح ہی نہیں ہُوا تو طلاق اور عدت کاہے کی۔ت) جس وقت چاہے نکاح کرے اور اگر نکاح کے بعد قبل اظہارِ نامنظوری باپ نے کوئی لفظِ منظوری کہا یا بھائی کے اصرار سے لڑکی کو رخصت کردیا (کہ رخصت کردینا بھی صحتِ نکاح کو کافی ہے جبکہ نامنظوری نہ ظاہر کرچکا ہو) تو اب یہ نکاح صحیح ہوگیا اور یہ طلاق طلاق ہُوئی اور اس کی عدت لازم ہے، عدت گزرنے سے پہلے جو نکاح کیا جائیگا باطل محض ہوگا، نابالغ لڑکا اہلِ طلاق نہیں، نہ اس کے دئے سے طلاق ہوسکتی ہے نہ اُس کی طرف سے اُس کا ولی طلاق دے سکتا ہے، بلوغِ پسر سے پہلے جو بوجہ مخالفت طلاق دلوالیتے ہیں محض باطل ہے، نہ اس کی عدت ہے نہ اس کے بعد دوسرے سے نکاح کسی طرح حلال ہوسکتا ہے، ہاں عاقل بالغ جو طلاق دے اگر قبل خلوت صحیحہ دی نصف مہر لازم آئے گا اور بعد خلوت صحیحہ دی تو پھر پُورا مہر، عدت کے اندر نکاح محض باطل ہے وُہ نکاح ہی نہ ہوگا اگرچہ عدت تک اس دوسرے مرد سے جُدا رہے، بعد ختم تحصیل زوجیت کے لئے دوبارہ نکاح فرض ہوگا ورنہ زنا ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ مسئولہ مولوی عبدالرشید صاحب مدرس اول مدرسہ اکبریہ ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی سے کہا کہ اگر تُو میکے سے میرے گھر نہ آئی تو تجھ کو طلاق دے دُوں گا۔ عورت دو برس اپنے میکے میں رہی پھر اس عورت نے دوسرے مرد کے ساتھ نکاحِ ثانی کرنے کا قصد کیا، شوہر نے کہا کہ میں نے تجھے طلاق نہیں دی تو نکاح کیسا کرتی ہے اگر مجھ کو سَو روپے

دے تو میں تجھے طلاق دے دوں، عورت نے سَو روپے دے دیئے شوہر نے طلاق دے دی، اب اُس پر عدت پُوری کرنا چاہئے یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

ضرور، اور اُس کا دو برس خواہ دس برس شوہر سے جُدا رہنا مسقطِ عدت نہیں ہو سکتا، لاطلاق قولہ تعالیٰ والمطلقت یتربصن بانفسہن ثلثۃ قروء[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول کہ "مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض مکمل ہونے تک روک رکھیں" مطلق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے گھر بیمار ہے اور اس کی زوجہ بھی اُس حالتِ بیماری میں اُس کے پاس ہے، زوجہ زید کی برضامندی اپنے شوہر کے اپنے گھر گئی اُسی کو دوسرے روز پھر بلایا تو وُہ عورت بلحاظ اس کے کہ میرا زیور وغیرہ نہ چھین لیں اور مجھ کو بُرا نہ کہیں نہ گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ زید درحالت اصلی کہا کرتا تھا کہ میں سفر کو لے جاؤں گا اور اُس کے یعنی زوجہ کے والدین اس وجہ سے باہر جانے کے مانع ہوتے تھے کہ اُس عورت یعنی زوجہ زید کو حمل تھا زوجہ زید کی زوجہ کے تکلیف کی غرض سے اب وہ زید بیمار بعد تین دن کے مرگیا اور زوجہ زید کی اپنے والدین کے یہاں ہے بس وُہ عدت کہاں ختم کرے اور دیگر یہ کہ اپنے شوہر کے یہاں بغرض نقصان اپنے مال یا اپنی جان بچانے کی وجہ سے وہاں جانا ناپسند کرتی ہے کہ مجھ کو میرے زوج کے متعلقین مار نہ ڈالیں یا میرا اسباب چھین لیں، پس اس صورت میں کیا حکم ہے اور مہر زوجہ کا کس کے ذمہ باقی ہے، اور یہاں تک اُس کے والدین کو اندیشہ ہے کہ ہم باہر چلے جائیں گے تو شاید آبرو بچے ورنہ ناممکن، اور زوجہ زید اب تک حالتِ حمل میں ہے یعنی حمل اُس کو قریب چھ ماہ کا ہے، ان صورتوں میں کیا حکم ہے؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

زوجہ پر فرض ہے کہ اپنے شوہر کی خبرِ مرگ سُنتے ہی فوراً اُس کے گھر چلی جائے اور وضعِ حمل تک وہیں رہے اور غلط عذر درمیان میں نہ لائے، ایسا خیال بہت ناقابلِ قبول ہے کہ قتل کر دی جائے گی۔ رہا مال اُسے ساتھ نہ لے جائے، اپنے ساتھ اپنے اقارب سے کسی کو رکھے جس سے حفاظت متوقع ہو، ہاں اگر

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۸

کوئی صورت ممکن ہو اور واقعی سچا اندیشہ جان کا ہے جس کا تدارک اُس کے قابو میں نہیں تو نہ جانے کے لئے عذر صحیح ہے، اور اللہ تعالٰی صحیح وغلط سب کو خوب جانتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ازملک بنگالہ موضع مہمانیہ سیری رامپور ضلع باریسال مرسلہ عبدالحمید صاحب ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

سوال اینکہ زینب نابالغہ راکہ سنش بہ نُہ سال نرسیدہ است وتخمیناً مدتِ نکاحش بدو سال رسیدہ زوجش طلاق دادہ خواہر زینب را زوج زینب بعد یکروز یا دو روز نکاح کرد حالانکہ زوج زینب می گوید کہ زینب را قبل دخول طلاق دادہ پس اکنوں نکاح کردن زوج زینب خواہر زینب را پیش از گزشتن عدت طلاق زینب موجب شرع شریف درست باشد یا چہ؟ اگر نکاح مذکور زوج زینب را روا باشد پس عبارت آں درمختار وردالمحتار ودیگر کتب کہ عدت مطلقہ صغیرہ کہ سنش بہ نُہ سال نرسیدہ است سہ ماہ است بلاقید دخول وبعد دخول آمدہ است مطالب آنہا چہ؟ بیّنوا توجروا۔

سوال یہ ہے کہ زینب نامی لڑکی جس کی عمر ابھی نو سال نہیں ہُوئی اس کا نکاح اندازاً دو سال قبل ایک شخص سے ہوا تو اس کے خاوند نے اسے طلاق دے کر ایک دو دن بعد اس کی بہن سے نکاح کرلیا جبکہ زینب کی عدت گزرنے سے قبل اس کی بہن سے نکاح بموجب شرع شریف درست ہوا یا نہیں، اگر نکاح مذکور درست ہُوا ہے تو پھر درمختار وردالمحتار اور دیگر کتب کی یہ عبارت کہ نابالغہ لڑکی جس کی عمر نو سال سے کم ہو اس کی عدت تین ماہ ہے جس میں دخول کے بعد یا قبل کی کوئی قید مذکور نہیں ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟ بیان کیجئے اور اجر حاصل کیجئے۔

الجواب

اگر میان زن وشو خلوت واقع شدہ بود اگرچہ خلوت فاسدہ باشد بعد ازاں شوہر بالغ آں دختر ہفت یا ہشت سالہ را طلاق داد عدت سہ ماہ واجب است ونکاح با خواہرش قبل انقضائے عدت ناجائز وحرام واگر خلوت ہم نشدہ بود البتہ از عدت اثرے نیست وازبعد طلاقش خواہرش رازنی تواں گرفت قال اللہ تعالٰی فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا[1] درکتب مذکورہ

اگر زینب اور اس کے خاوند میں خلوت صحیحہ یا فاسدہ ہوچکی ہو تو اس کے بعد اگر طلاق دی ہو اگرچہ زینب کی عمر سات یا آٹھ سال ہو تو عدت واجب ہے اور اس کی عدت گزرنے سے قبل اس کی بہن سے نکاح ناجائز ہے، اور اگر خلوت نہ ہوئی ہو تو پھر زینب پر کوئی عدت نہیں ہے اور اس کو طلاق دینے کے بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا تمہارے حق میں دخول سے قبل مطلقہ

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/۴۹

حکم عدت را مطلق نگذاشتہ اند بلکہ سابقاً ولاحقاً دو جا مقید بدخول یعنی ولو حکما کالخلوۃ ولو فاسدۃ داشتہ اند، عبارت تنویر الابصار و درمختار بالتقاط واختصار این ست العدۃ سبب وجوبھا النکاح والمتأکد بالتسلیم وماجری مجراہ من موت او خلوۃ، وھی فی حق حرۃ تحیض بعد الدخول حقیقۃ او حکما ثلث حیض، وفی حق من لم تحض لصغر بان لم تبلغ تسعا او کبر ثلثۃ اشھر ان وطئت فی الکل ولو حکما کالخلوۃ ولو فاسدۃ[1] (ملخصاً) در ردالمحتار ست قولہ فی الکل یعنی ان التقیید بالوطی شرط فی جمیع ما مر من مسائل العدۃ بالحیض و العدۃ بالاشھر کما افادہ سابقا بقولہ راجع للجمیع[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بیویوں پر عدت نہیں ہے جس کو تم شمار کرو۔ کتب مذکورہ میں نابالغہ کی عدت کو عام قرار نہیں دیا گیا بلکہ اس سے قبل اور بعد دونوں جگہ عبارت دخول کی قید سے مقید ہے اگرچہ وہ دخول حکمی ہو جیسے خلوت خواہ فاسد ہی کیوں نہ ہو، تنویرالابصار اور درمختار کی عبارت ملتقطاً اور اختصاراً یوں ہے عدت کے وجوب کا سبب نکاح جو رخصتی یا اس کے قائم مقام موت یا خلوت سے پختہ ہوتا ہے اور وہ عدت آزاد حیض والی عورت کے لئے اس سے دخول حقیقی یا حکمی کے بعد ہو تو تین حیض ہے، اور جو عورت حیض والی نہ ہو یوں کہ وہ نو سال سے کم عمر ہو یا بڑھاپے والی ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے، یہ تمام بیان مدخولہ عورتوں کے لئے ہے اگرچہ دخول حکمی ہو، جیسے خلوت اگرچہ فاسدہ ہو (ملخصاً) اور ردالمحتار میں اس پر یوں ہے ماتن کا قول "فی الکل" یعنی وطی شرط ہے تمام مذکورہ مسائل عدت میں خواہ حیض والی کی عدت ہو یا مہینوں والوں کی، جیسا کہ ماتن اس کو پہلے بیان کر چکے ہیں اس قول کے ساتھ کہ "یہ سب کو شامل ہے" (یعنی عدت بالحیض و عدت بالاشہر دونوں کو شامل ہے)۔ (ت)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو طلاق دی اب

---

[1] درمختار | باب العدۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۵۶
[2] درمختار | باب العدۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۵۶-۲۵۵
[3] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۶۰۲

تاوقتیکہ عدت پُوری کرے نان نفقہ آیا زید کے ذمّہ ہے یا وارثِ ہندہ کے؟ اور وُہ مکان جس میں ہندہ اپنی عدت پُوری کرے زید پر لازم ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

تمام عدت تک نان نفقہ زید کے ذمّہ ہے اور زید ہی کے مکان میں عدت پُوری کرے جبکہ قبل از طلاق وہی مکان اس کے رہنے کا تھا اگرچہ علاج کے لئے چندماہ پیشتر اپنے باپ کے یہاں چلی آئی تھی کما قال لی السائل بلسانہ (جیسا کہ سائل نے خود اپنی زبان سے مجھے بیان کیا ہے۔ ت) اور یہ طلاق کہ بطریق خلع واقع ہُوئی تھی کما بین ایضا (جیسا کہ اس نے یہ بھی کہا۔ ت) بائنہ تھی تو زید پر لازم ہے کہ عدت پُوری ہونے تک اپنے ہی مکان میں اُسے جگہ دے اور بوجہ زوال نکاح اس سے پردہ کرے، اور اگر زید ظلماً اپنے گھر میں نہ رہنے دے تو کوئی اور مکان بتائے جس میں وُہ عدت پُوری کرے اور اگر وُہ مکان کرایہ کا ہو تو اختتامِ عدت تک کرایہ زید کے ذمّہ ہے، اور جب زید اپنے مکان میں رہنے دے یا دوسرا مکان اُس کے لئے بتائے تو ہندہ پر لازم ہے کہ فوراً اُس مکان میں چلی جائے اور ختم عدت تک ہرگز اس سے باہر نہ آئے،

فی الخانیۃ المعتدۃ عن الطلاق تستحق النفقۃ والسکنی کان الطلاق رجعیا او بائنا اوثلثا الخ[1]، وفی الدرالمختار طلقت اومات وھی زائرۃ فی غیرمسکنھا عادت الیہ فورا لوجوبہ علیہا و تعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ (ھوما یضاف الیھما بالسکنی قبل الفرقۃ الخ شامی) و لایخرجان منہ الاان تخرج (وشمل اخراج الزوج ظلما الخ شامی) فتخرج لا قرب موضع الیہ وفی الطلاق الی حیث شاء الزوج (وحکم ما انتقلت الیہ حکم المسکن الاصلی فلاتخرج

خانیہ میں ہے کہ طلاق کی عدت والی نفقہ اور سکنٰی کی مستحق ہے خواہ طلاق رجعی یا بائنہ یا تین طلاقوں والی ہو الخ اور درمختار میں ہے عورت جب گھر سے باہر کسی کو ملنے گئی ہو اور اس دوران اُس کو طلاق ہوجائے یا خاوند فوت ہوجائے تو فوراً گھر واپس آجائے کیونکہ اس پر واجب ہے، اور دونوں یعنی طلاق اور موت کی وجہ سے عدت والی عورتیں اس گھر میں عدت بسر کریں جس گھر میں عدت واجب ہُوئی ہے (یہ وُہ گھر ہے جو فرقت سے قبل ان کی رہائش کےلئے منسوب ہے الخ شامی) اور وہ اس گھر سے منتقل نہ ہوں الّایہ کہ ان کو جبراً نکالا جائے (اس میں خاوند کا ظلماً نکالنا بھی شامل ہے الخ شامی) موت کی عدّوالی کو

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی نفقۃ العدۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۰۰

منہ شامی[1] اھ ملخصاً ، واللہ تعالٰی اعلم ۔ اگر مجبوراً نکلنا پڑے تو قریب ترین مکان میں منتقل ہوجائے اور طلاق کی عدت والی خاوند جس مکان میں چاہے وہاں منتقل ہو جائے (اور جب دوسرے مکان میں منتقل ہو تو پھر وہی اصل مسکن کے حکم میں ہوگا لہذا عورت وہاں سے نہ نکلے الخ شامی) ملخصاً ، واللہ تعالٰی اعلم ۔ (ت)

مسئلہ

۲۷ رجب ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی ایک جلسہ میں تین مرتبہ سامنے دو شخص نمازیوں کے ، اور وُہ عورت حاملہ بھی تھی ، اب زید اپنے گھر سے اس کو نکال دے یا نہیں ، یا اپنے گھر میں اس کو رکھے اور کھانے کو اُس کو دے اور کب تک اُس کو کھانے کو دے ، اور زید نے تکرار زن وشوہر کے سبب سے طلاق دی تھی ، اب دونوں رضا مند ہیں ، اب زید چاہتا ہے کہ پھر گھر میں رکھے ، اب سائل کا سوال علمائے دین سے یہ ہے کہ از روئے قرآن وحدیث کیا حکم ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور امام ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرع شریف سے کیا حکم ہے ؟

الجواب

تین طلاقیں ہوگئیں ، چاروں اماموں کا یہی مذہب ہے ، اب وُہ بغیر حلالے اُس سے نکاح نہیں کرسکتا ، یہی حکم قرآن وحدیث کا ہے وُہ عدت تک یعنی بچّہ ہونے تک گھر میں رہے گی اور روٹی کپڑا زید کو دینا ہوگا مگر بالکل غیر و اجنبی عورت کی طرح رہے اُس سے پردہ کرے ،

قال اللہ تعالٰی اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ، ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن[2] ۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا ، عدّت والی عورتوں کو وہاں رہائش دو جہاں تم خود رہائش رکھتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق ، اور ان کو تنگی دے کر ضرر مت پہنچاؤ ، پھر اگر وُہ حاملہ ہوں تو ان کو خرچہ دو تاوقتیکہ وہ بچّے کو جنم دیں ۔ (ت)

صورت حل میں یہی مذہب چاروں ائمہ کا ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار فصل فی الحداد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۲۱
درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۰

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۶

مسئلہ ۷۹: از محلہ مرداد مرسلہ حضرت مولانا سلیمان اشرف صاحب (سابق پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) ۲۶ شوال ۱۳۱۸ھ

عالم اہلسنت فاضل بریلوی متع اللہ المسلمین لطول بقائکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، زید نے اپنی بی بی کو طلاق بائن دی اور بعد ایک مہینہ کے مرگیا، اب اس کی بی بی کتنی مدت بعد عقدِ ثانی کرے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ مطلقہ اگر حاملہ تھی تو عدت حمل ہے مطلقاً، اور اگر حمل نہ تھا تو طلاق مذکور اگر شوہر نے اپنی صحت میں دی یا برضائے زوجہ مرض الموت میں دی تو عدت تین حیض ہے، موتِ شوہر سے نہ بدلے گی، اور اگر طلاق بائن مرض الموت میں بے رضائے زن دی تو تین حیض، اور چار مہینے دس دن سے جو مدت دراز تر ہے وُہ عدت ہے یعنی چار ماہ و دہ روز بعد موت گزرنے سے پہلے طلاق کے بعد تین حیض کامل ختم ہوجائیں تو بعد مرگ چار ماہ دس یوم انتظار کرے، اور اگر مرگ شوہر پر چار مہینے دس دن ہوگئے اور ہنوز بعد طلاق تین حیض کامل نہ ہُوئے تو تین حیض کامل ہونے تک منتظر رہے،

فی ردالمحتار ابانها فی مرضه بغیر رضاها بحیث صار فارا ومات فی عدتها فعدتها ابعد الاجلین، ولو ابانها برضاها بحیث لم یصر فارا، تعتد عدۃ الطلاق فقط، ولو طلقها بائنا فی صحته ثم مات لا تنتقل عدتها اتفاقا[1] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں ہے خاوند نے اپنی مرض الموت میں بیوی کی مرضی کے بغیر طلاق دے دی عورت کے وارث بننے سے فرار اختیار کرتے ہُوئے پھر وہ خاوند مطلقہ بیوی کی عدت میں فوت ہوجائے تو ایسی صورت میں عورت کی عدت، موت یا طلاق کی عدت میں سے جو بھی طویل ہو وہی قرار پائے گی۔ اور اگر مرضِ موت میں عورت کی رضامندی سے طلاق دی ہو کہ اس سے وہ عورت کے وارث ہونے سے فرار اختیار کرنے والا نہ ہوگا تو ایسی صورت میں عورت کی فقط طلاق والی عدت ہوگی، اور اگر خاوند نے اپنی صحت میں طلاقِ بائنہ دی ہو پھر بیوی کی عدت کے دوران خاوند فوت ہوجائے تو اس صورت میں بالاتفاق طلاق والی عدت ہوگی اور موت کی وجہ سے عدت تبدیل نہ ہوگی اھ ملخصاً، واللہ تعالٰے اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب العدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۰۵

مسئلہ از مارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت سید حسین حیدر میاں صاحب ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ والدینِ ہندہ سُنّی المذہب نے ہندہ سُنّی المذہب کا نکاح زید شیعہ مذہب سے (جو پورا پورا اعتقاد مجتہدینِ حال لکھنؤ کا پیرو تھا جناب مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو سوائے سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تمام انبیائے سلف سے افضل جانتا اور قرآن مجید کو ناقص اور محرف مانتا) بوجہ کفو و برادری کے کردیا، زید قبل از عقد مرض الموت مریض تھا بعد عقد اور اشتداد ہُوا کہ روز وشب میں گاہ گاہ لحظہ بھر کو ہوش آتا اس باعث سے خلوت صحیحہ نہ ہوسکی صرف اتنا ہُوا کہ ہندہ کی چچی ہندہ کو بوقتِ شام زید کے پاس لے گئی اُس کے قریب جو چوکی بچھی تھی اس پر بٹھادیا، زید کو اُس وقت اتنا ہوش آیا تھا کہ اُس نے ہندہ کے مُنہ پر سے ہاتھ اُٹھانے کا قصد کیا مگر ہاتھ لگاتے ہی کثرتِ ضعف وبیہوشی سے زید کا ہاتھ گر پڑا، یہ حال دیکھ کر اس کی چچی کہ کچھ دُور علیحدہ کھڑی دیکھ رہی تھی آئی اور ہندہ کو اُٹھالے گئی، اس کے بعد کبھی نوبت ایک دوسرے کو دیکھنے کی بھی نہ آئی کہ زید سات آٹھ روز میں مرگیا، والدین نے ہندہ کا نکاح بکر سُنّی المذہب کے ساتھ کہ نیز کفو و برادری تھا چار مہینے دس دن گزرنے سے پہلے کردیا، ۱۵ ذی الحجہ کو زید سے نکاح ہُوا تھا ۲۱ ذی الحجہ کو زید مرگیا، ۱۷ ربیع الثانی کو ہندہ کا نکاح بکر سے ہوا، عدت میں ۴ روز کم تھے، اب ہندہ صاحبِ اولاد ہے، بعض لوگ اولادِ ہندہ کی صحتِ نسب پر معترض ہیں کہ بکر نے یہ نکاح عدت کے اندر ہی کرلیا، اس صورت میں بعد نظرِ عمیق ان مراتب کا جواب عنایت ہو کہ زید و ہندہ کا عقد صحیح ہوا تھا یا نہیں؟ ہندہ پر بوجہ عدمِ صحت نکاح یا عدمِ وقوعِ خلوت صحیحہ کے بعد مرگ زید عدتِ موت واجب تھی یا نہیں؟ عقدِ ثانی اور اس سے جو اولاد پیدا ہُوئی اُس کی نسبت کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں عقدِ ثانی بلاتامل صحیح اور اس سے جو اولاد ہُوئی بلاشُبہہ صحیح النسب ہے، عدتِ موت چار مہینے دس دن ہونے کے لئے اگرچہ خلوت وغیرہا کسی بات کی حاجت نہیں غیر حاملہ عورت پر مرگِ شوہر سے عدت لازم آتی ہے،

فی الدرالمختار العدۃ للموت اربعۃ اشھر وعشر بشرط بقاء النکاح صحیحا الی الموت مطلقا وطئت اولا، ولو صغیرۃ فلم یخرج عنھا الا الحامل[1]

درمختار میں ہے کہ موت کی وجہ سے عدت مطلقًا چار ماہ دس دن ہوگی بشرطیکہ موت تک نکاح صحیح رہا ہو، بیوی سے وطی ہُوئی ہو یا نہ، بیوی اگرچہ نابالغہ ہی کیوں نہ ہو، اس ضابطہ سے صرف حاملہ عورت کی عدت مختلف ہوگی۔(ت)

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۶

مگر عدت تو منکوحہ پر ہوتی ہے ہندہ و زید میں باہم نکاح ہی اصلاً نہ تھا کہ جب زید مثل عام روافض زمانہ ان عقائد کفر کا معتقد تھا تو قطعاً کافر مرتد تھا، عالمگیریہ میں ہے :

یجب اکفار الروافض فی قولھم (وعد بعض عقائدھم المکفرۃ وقال) وھؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذا فی الظھیریۃ۔[1]

رافضیوں کو کافر قرار دینا ضروری ہے ان کے عقائد کی بابت (یہاں روافض کے بعض عقائد کفریہ ذکر کرکے ہندیہ میں فرمایا کہ) یہ قوم ملتِ اسلامیہ سے خارج ہے، اور ان کے احکام مرتدین جیسے ہوں گے جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔(ت)

اور مرتد مرد خواہ عورت کا نکاح کسی ملت و مذہب والے سے ہو ہی نہیں سکتا نہ مومنین سے نہ کفار سے نہ خود اسی کے ہم مذہبوں سے۔ ہندیہ میں ہے :

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذلک لایجوز نکاح المرتد مع احد کذا فی المبسوط۔[2]

مرتد کو جائز نہیں کہ وہ مرتدہ، مسلمان یا کافرہ اصلیہ سے نکاح کرے، اور یونہی مرتد کو کسی بھی عورت سے نکاح جائز نہیں، جیسا کہ مبسوط میں ہے (ت)

تو ہندہ اگرچہ زید کی حیات ہی میں بلا طلاق اُسی وقت اپنا عقد کرلیتی جب بھی جائز و صحیح تھا۔ (جواب ناقص ملا)۔

مسئلہ از مارہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ محبوب علی صاحب ۱۰ شوال المکرم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے اپنے شوہر زید کی حیات میں جس کی طلاق ثابت نہیں عمرو نامی سے بطور عاشقی کے دوسرے شہر میں جاکر عقد نکاح کیا، اس کے تھوڑے ہی دن بعد شوہر سابق مرگیا، بعد مرنے کے چار برس تک عورت عمرو کے قبضہ میں رہی بطور زوجہ۔ ایک روز باہم نا اتفاقی اور لڑائی کے عمرو نے عورت کو طلاق بائن دی اور کئی روز تک کہا کیا کہ میں نے طلاق دی، اور ایک جلسہ میں دس پانچ دفعہ کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، اور پندرہ روز تک علیحدہ رہا۔ اب بباعث عشق باہمی کے عورت اور عمرو چاہتا ہے کہ پھر تجدید نکاح کی ہونی چاہئے، اور عذر کرتا ہے کہ جب بغیر طلاق شوہر سابق کے نکاح ہی نہیں ہُوا تو طلاق کیا چیز ہے اور عمرو مسجد میں مؤذن ہے، اہلِ اسلام اس کو تجدیدِ نکاح سے روک

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۶۴

[2] " " باب فی المحرمات بالشرک " " " ۱/۲۸۲

رہے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مرنے شوہر سابق اور گزرنے عدت سے وُہ نکاح ہی قائم ہوگیا کہ جس کی وجہ سے تیری زوجیت پانچ سال رہی ورنہ کیا آج تک تُو نے اس سے حرام کیا ہم تجھ کو مسجد سے نکال دیں گے جب تک حلالہ نہ ہو جائے، جب تک نکاح جدید نہ ہو جائے عورت تجھ پر حرام ہے، اور علاوہ اس کے عمرو غیر کفو بھی ہے۔ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں آیا نکاح تجدید کیا جائے یا بعد حلالہ کے عورت سے نکاح جائز ہوگا، اور اگر اُس عورت سے عمرو خلافِ شرع کوئی فعل کرے تو مؤذن بنانا چاہیے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

اگر یہ امر واقعی ہے کہ زید کی حیات میں بے طلاق عورت نے عمرو سے نکاح کر لیا پھر بعد موتِ زید و انقضائے عدتِ وفات عمرو کے ساتھ نکاحِ جدید نہ کیا بلکہ اُسی نکاح باطل پر قائم رہی تو وُہ ہرگز زن و شوہر نہ تھے بلکہ زانی و زانیہ تھے، طلاقیں کہ عمرو نے دیں محض لغو تھیں، حلالے کی کوئی حاجت نہیں، صرف نکاح از سرِ نو کر لینا کافی ہے جبکہ عمرو قوم یا مذہب یا پیشے وغیرہ میں عورت کے اولیاء سے ایسا کم نہ ہو کہ اُس سے نکاح ہونا اولیائے زن کے لئے باعثِ ننگ و عار ہو یا ایسا کم ہے تو عورت کے ولی نے پیش از نکاح عمرو کو ایسا جان کر اُس سے نکاحِ زنِ مذکور کی صریح اجازت دے دی یا عورت کوئی ولی رکھتی ہی نہ ہو، ان تینوں صورتوں میں نکاح ہو جائے گا ورنہ اگر عمرو ایسا کم رتبہ ہے اور عورت ولی رکھتی ہے اور ولی پیش از نکاح اس کی کم رُتبگی پر مطلع ہو کر اجازتِ نکاح نہ دے تو عورت کا عمرو سے نکاح کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ عمرو جب تک تائب ہو کر بحال جواز نکاح، نکاح نہ کرے یا عورت سے صاف جُدا نہ ہو جائے ہرگز مؤذن نہ بنایا جائے وُہ فاسق معلن ہے اور فاسق اس عہدۂ دین کے لائق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۰۲ از موضع کرگینا مرسلہ امام بخش علی بخش ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

مٹھو لوہار کی عورت بیوہ تھی ۱۴ مہینے سے، چند روز بعد کچھ عورتوں نے شناخت کیا کہ یہ حاملہ ہے، اُس سے دریافت کیا تو اُس نے کہا اپنی تنہائی میں زبردستی عظیم اللہ قوم نداف نے میرے ساتھ یہ کام کیا میں حاملہ ہُوئی بعد کو لوگوں نے عورت کو بند کر دیا حفاظت اس کی کی، بعد کو جب لڑکا پیدا ہُوا تو نکال دیا وہ چلی گئی اور عظیم اللہ نے عوام میں مشہور کیا کہ لڑکا میرا ہے، بستی والوں نے اس کو بند کر دیا، عورت کو نکال دیا، اب اُن کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب

اُن کے لئے سخت سزا کا حکم ہے مگر یہاں کون سزا دے سکتا ہے یہی سزا کافی ہے کہ برادری سے خارج رکھے جائیں۔ رہا لڑکا اگر مٹھو کے مرنے سے دو برس بعد پیدا ہوا یا چار مہینے دس دن بعد عورت نے

اقرار کرلیا تھا کہ وُہ عدّت سے فارغ ہوگئی تو اِن دو صورتوں میں وہ لڑکا مجہول النسب ہے اور اگر عدت سے فارغ ہونے کا اقرار نہ کیا تھا اور مِٹھو کے مرنے سے دو برس کے اندر لڑکا پیدا ہُوا تو لڑکا مِٹھو کا ہے وہ نداف جھوٹا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۳: از رانچی محلہ اوپر بازار مرسلہ مولوی عبدالرب صاحب ۸ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ

اگر معتدہ غیر سے بصورت لاعلمی کوئی شخص نکاح کرے اور تمتع کرے اور بصورت علم اس سے کنارہ کیا یہ تمتع داخلِ زنا ہوگا یا نہیں؟

الجواب

جبکہ اُسے معلوم نہ تھا اور جس وقت معلوم ہُوا فوراً جُدا کر دیا تو اس کے حق میں کسی طرح زنا نہیں، زنا ہونا درکنار اُس پر کوئی الزام بھی نہیں البتہ وُہ وطی واقع میں ضرور وطی حرام تھی اور اثم مرفوع، کما نصوا علیہ وذٰلک لان الجھل فی موضع الخفاء عذر مقبول (جیسا کہ اس پر نص ہے اور یہ اس لئے کہ پوشیدہ مقام پر جہالت عذرِ مقبول ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۴: از شہر مرسلہ نواب نثار احمد صاحب مورخہ ۳۰ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہُوا جو ایک موضع میں رہتا تھا وہاں کوئی طبیب نہیں ہے، پس اُس کی زوجہ ایامِ عدت ہی میں بوجہ علالت اپنی دختر نیز اپنے بچوں خوردسال کے واسطے علاج کے کسی دُوسری جگہ جاسکتی ہے یا نہیں اور نبض کسی حکیم کو دکھا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

نبض بضرورت دکھا سکتی ہے اور دُوسری جگہ اس طور پر جاسکتی ہے کہ رات کا اکثر حصّہ شوہر ہی کے مکان میں گزارے، اور اگر اُسی مکان میں ممکن ہو تو یہ بھی حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۵: از ریاست فریدکوٹ ضلع فیروزپور پنجاب مرسلہ منشی محمد علی ارم ۶ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایامِ عدّت طلاق یا مرگ میں نکاح ہوجائے تو از خود فسخ ہے یا اعادۂ طلاق کی ضرورت ہوگی عدت پہلی ہی رہی یا جدید، اور دانستہ ایسا نکاح پڑھانے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

عدّت کے اندر نکاح حرام قطعی ہے مرد و زن دونوں پر اُس کا ترک فرض ہے مرد کہے میں نے اس

ع۵ کرم خوردہ تھا۔

نکاح کو ترک کیا خواہ عورت اُس سے کہہ دے اور دونوں نہ مانیں تو حاکمِ شرع جبراً تفریق کر دے بس یہ ترک یا تفریق ہی کافی ہے طلاق کی حاجت نہیں، اس دوسرے شخص نے اگر اس سے قربت نہ کی تو عدت وہی پہلی ہے ورنہ دوسری بھی لازم آئی اور دونوں ایک ساتھ ادا ہوتی جائیں گی اخیر میں جو باقی رہے گی پُوری کرلی جائے گی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۶: از شہر محلہ بھوڑ مسئولہ شیخ ننھے ۹ رجب ۱۳۳۸ھ

ایک لڑکی جسے طلاق ہُوئے ایک مہینہ نہیں ہُوا تھا دوسری جگہ ایک حافظ سے نکاح ہُوا وہ پیش امام ہے، یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اور اُس میں جو لوگ شریک ہُوئے اُن کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر وُہ لڑکی اپنے شوہر کی مدخولہ تھی اور حاملہ نہ تھی کہ اس مہینہ کے اندر بعد طلاق بچّہ پیدا ہوگیا ہو اُس کے بعد نکاح ثانی ہُوا ہو تو یہ دوسرا نکاح عدت کے اندر ہوا اور محض حرام حرام حرام ہُوا اور اس میں قربت خالص زنا، اگر جس کے ساتھ زنا ہُوا اُسے خبر تھی کہ یہ مطلقہ ہے اور ہنوز عدت نہ گزری جان کر نکاح کرلیا تو اشد فاسق وفاجر ہے، اُس کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، اور اُسے امام بنانا گناہ۔ یونہی اگر معلوم نہ تھا اور اب معلوم ہوا اور فوراً جُدا نہ ہوگیا جب بھی اس پر یہی احکام ہیں، اور جو لوگ دانستہ اس حرام نکاح میں شریک ہُوئے اور کھایا پیا وُہ بھی سخت گنہگار ہُوئے اور وُہ حرام کھانے والے ہُوئے اُن سب پر بھی توبہ فرض ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۷: از چھتن شاہ ۲۸ رجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا اس کی عورت کو زید تین ہفتہ کے اندر لے گیا، زید رہنے والا دیس کا تھا اس لئے اس عورت سے نکاح کیا وہ عورت راضی نہیں تھی ایک ماہ کے اندر چلی آئی اب اس کا نکاح اور جگہ کیا جائے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

وُہ نکاح حرام محض ہُوا، پھر اگر زید نے اس سے صحبت نہ کی تو وفاتِ شوہر سے چار مہینے دس دن کے بعد نکاح کرسکتی ہے، اور اگر زید صحبت کرچکا تو اُن پر فرض ہے کہ جُدا ہوجائیں اور عورت تین حیض کا انتظار کرے، اگر تین حیض اسی چار مہینے دس دن کے اندر گزر جائیں تو چار مہینے دس دن کے بعد نکاح کرلے، اور اگر ابھی تین حیض اس جُدائی کے بعد نہ گزریں تو انتظار اس جُدائی کے بعد اور کرے کہ تین حیض پُورے ہوجائیں اس وقت دُوسرے سے نکاح کرے، درمختار میں ہے:

اذا وطئت المعتدۃ بشبھۃ وجبت عدۃ — اگر عدت والی مطلقہ عورت سے شُبہہ کی وجہ سے وطی

أخری وقد اختلفا وعلیها ان تتم العدۃ الثانیۃ ان تمت الاولیٰ۔[1] کرلی جائے تو اس عورت پر دوسری عدت ضروری ہے اور پہلی عدت کی بقیہ مدت دوسری میں شمار ہوجائیگی، اور اگر پہلی عدت ختم ہوچکی ہو تو پھر دوسری عدت پوری کرے۔ (ت)

مسئلہ ازموضع پستوڑ تحصیل کچھا ضلع نینی تال مرسلہ فدا حسین صاحب ۲۹ رمضان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ عبدالرحمٰن نے مبلغ دوسو روپے مجھ سے لے کر خوشی استعفا دے دیا اپنی بی بی کو، اب اس میں نکاح ابھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یا بعد عدت عورت کے، تین سال سے بیوی اپنی ماں کے مکان پر تھی اس اثنا میں خاوند استعفا دے گیا۔

الجواب

جب تک عدت نہ گزرے نکاح تو نکاح نکاح کا پیام دینا حرام قطعی ہے، اور وہ روپیہ کہ دیا رشوت تھا، دینا لینا دونوں حرام تھا۔ عبدالرحمٰن پر لازم ہے کہ وہ روپیہ فدا حسین کو واپس دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از قصبہ بکھیرا الورن ڈاک خانہ رسولپور ضلع رائے بریلی مسئولہ عبدالوہاب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کہ اس کے شوہر نے عرصہ چار برس سے اس کو اپنے گھر سے نکال دیا ہے اور طلاق نہیں دی، اس اثنا میں وہ زنا سے حاملہ ہوچکی ہے اب اس کا شوہر انتقال کرگیا ہے مگر عدت پوری نہیں ہوئی ایسی حالت میں جبکہ وہ زنا کی مرتکب ہوئی ہے عدت کے اندر نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

عدت کے اندر نکاح حرام قطعی ہے، اور جب یہ حمل حیاتِ شوہر سے ہے شرعاً شوہر کا ہے اور جب تک وضع نہ ہو عدت ہی میں ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر[1]، وقال تعالٰی واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ نکاح والے کی طرف ہی منسوب ہوگا اور زانی نسب سے محروم ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: حمل والی عورتوں کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹
مسند احمد بن حنبل دارالفکر بیروت ۲/۴۰۹

[2] القرآن الکریم ۶۵/۴

مسئلہ ۹۰ ۲ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو طلاق دی اور عمرو نے اس کے دوسرے دن یا اسی دن ہندہ سے نکاح کرلیا، یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بیانِ سائل سے ظاہر ہوا کہ شوہر اوّل اس عورت سے خلوت کرچکا تھا کئی سال کے بعد طلاق دی اور عورت کو حمل نہ تھا پس یہ نکاح کہ قبل گزرنے عدت کے دوسرے شخص سے ہوا اصلاً صحیح نہیں، ان دونوں پر فرض ہے کہ فوراً جُدا ہوجائیں۔

قال اللہ تعالٰی والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا، مطلقہ عورتیں تین حیض مکمل ہونے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۱ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ مثلاً زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دی، اُس نے بعد منقضی ہونے ایک ماہ یا دو ماہ کے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا یہ نکاح بدون انقضائے عدت کے شخص اجنبی سے ہُوا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور ہندہ کو اس شخص سے دعوی مہر اور وراثت جائز ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ ت)

الجواب

سائل مظہر کہ ہندہ معتدات بالحیض سے ہے پس صورتِ مستفسرہ میں اگر وہ نکاح ایک مہینہ بعد ہُوا تھا تو بیشک فاسد کہ اس قدر مدت میں مضی عدت معقول نہیں، ہندہ ترکہ کی مستحق نہیں، اور مہر مسمی و مہر مثل سے جو کم ہوگا اُس قدر پائے گی، اور اگر مہر مسمی کچھ نہ تھا یا مجہول ہوگیا تو پُورا مہر مثل لازم آئے گا،

فی الدرالمختار ویجب مھر المثل فی نکاح فاسد بالوطئ لابغیرہ ولو یزد علی المسمی لرضاھا بالحط، ولوکان دون المسمی لزم مھر المثل لفساد التسمیۃ بفساد العقد، ولولم یسم اوجھل لزم

درمختار میں ہے اور نکاحِ فاسد میں صرف وطی کی وجہ سے مہر مثل واجب ہوتا ہے وطی کے بغیر نہیں، پھر وُہ مہر مثل مہر مقررہ سے زائد نہ ہوگا کیونکہ عورت مقررہ کم مہر پر راضی تھی، اور اگر مہر مثل مقرر مہر سے کم ہو تو ایسی صورت میں مہر مثل ہی واجب ہوگا کیونکہ نکاح کے فساد کی وجہ سے مقررہ مہر فاسد ہوجاتا ہے، اور اگر مہر

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۸

بالغا مابلغ[1] انتہی ملخصا وفیہ ایضا یستحق الارث برحم ونکاح صحیح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعا[2] انتہی ملتقطا۔

مقرر نہ کیا گیا ہو یا مقدار معلوم نہ ہوسکے تو پھر مہر مثل جتنا بھی ہو وہی لازم ہوگا اھ ملخصا اور اسی میں ہے کہ وراثت کا استحقاق رشتہ اور صحیح نکاح کی وجہ سے ہوتا ہے لہذا محض نکاح فاسد یا باطل کی بناء پر استحقاق وراثت بالاجماع نہ ہوگا اھ ملخصا (ت)

اور جو بعد گزرنے دو مہینے یعنی ساٹھ دن کے ہُوا اور ہندہ دعوٰی کرے کہ تین حیض کامل اس وقت تک گزر چکے اور عدت منقضی ہوگئی تھی تو قول ہندہ بقسم معتبر ہوگا، اگر ورثاء زوج ثانی اس کا خلاف گواہوں سے ثابت کرینگے تو حکم اس صورت کا بھی مثل صورت اولٰی کے ہے ورنہ جب ہندہ مضی عدت بحلف بیان کردے گی تو میراث ومہر دونوں پائے گی،

فی الدر المختار قالت مضت عدتی والمدۃ تحتملہ وکذبھا الزوج قبل قولھا مع حلفھا و الا تحتملہ المدۃ لا، لان الامین انما یصدق فیما لایخالفہ الظاھر، ثم لو بالشھور فالمقدار المذکور، ولو بالحیض فاقلھا للحرۃ ستون یوما[3]، واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے: بیوی نے کہا میری عدت ختم ہوچکی ہے اور خاوند اس کو جھوٹا قرار دیتا ہے تو اگر مدت اتنی ہو جو عدت گزرنے کی گنجائش رکھتی ہے تو حلف لے کر عورت کی تصدیق کردی جائے گی، اگر وہ مدت ایسی نہیں تو پھر عورت کی تصدیق نہ کی جائیگی کیونکہ کسی امین کی تصدیق ایسی صورت میں کی جاتی ہے جب ظاہر شواہد اس کے مخالف نہ ہوں پھر اگر عدت مہینوں کے حساب سے ہو تو تین ماہ عدت کے ہیں اور عدت حیض کے حساب سے ہو تو کم از کم آزاد عورت کے لئے ساٹھ دن عدت ہے (جس پر عورت کی تصدیق کی جائے گی) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۲: از شہر کہنہ مسئولہ ننھے ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کو طلاق دی بعد طلاق تین[4] چار یوم اُس کا نکاح اور جگہ ہوگیا اور ایک یا ڈیڑھ سال تک وہاں رہی بعد کو خاوند نے اُس کو نکال دیا اُس عورت نے تیسری جگہ نکاح کیا، اب یہ دریافت کرنا ہے کہ اُس عورت کا دوسرا نکاح جو بعد طلاق بعد چھ[5] چار یوم ہُوا آیا جائز تھا یا

---

[1] درمختار | باب المہر | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۰۱

[2] درمختار | کتاب الفرائض | " " " | ۲/۳۵۲

[3] " | باب العدۃ | " " " | ۱/۲۵۸

ناجائز؛ اور تیسرا نکاح بھی اسی طرح جائز ہوا یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سائل بیان کرتا ہے کہ عورت پہلے خاوند کے پاس رخصت ہو کر رہ چکی تھی اس کے بعد طلاق ہوئی اور طلاق کے بعد دوسرے نکاح سے پہلے عورت کے کوئی بچہ پیدا نہ ہوا طلاق کے تین چار ہی دن بعد عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا اس شخص کو بھی یہ سب حال معلوم تھا کہ ابھی طلاق کو تین چار ہی دن ہوئے پس اس صورت میں عورت کا یہ دوسرا نکاح حسب اختیار بحرالرائق محض زنا ہوا یہاں اس کی لڑکی بھی پیدا ہوئی پھر اس دوسرے شخص نے نکال دیا اور عورت نے تین چار ہی دن کے بعد تیسرے شخص سے نکاح کرلیا، یہ تیسرا نکاح صحیح و جائز ہوا کہ اب پہلے نکاح کی عدت گزر چکی تھی اور دوسرا نکاح نکاح ہی نہ تھا زا زنا تھا اور زنا کے پانی کی شرع میں کوئی حرمت نہ اس کے لئے عدت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید نے اپنی زوجہ کو اپنی ماں کہا اور ایک سال تک اسی زوجہ سے اس طور پر مفارقت رکھی کہ زوجہ کو اس کے والدین کے گھر بھیج دیا جب ایک سال گزر گیا تب زید نے بالفاظ صریح اپنی زوجہ کو طلاق دے دی زوجہ نے بعد گزرنے ایک ہفتہ کے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا، پس یہ نکاح قبل انقضائے عدت جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زوجہ کو ماں کہنا گناہ ہے مگر اس سے طلاق نہیں ہوتی،

کما نص علیہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر ثم العلامۃ الشامی فی ردالمحتار وقد قال تعالٰی وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا[1] وفی الحدیث اأختك ھی فکرہ ذٰلك رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونھی عنہ[2]۔

جیسا کہ اس کو محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں پھر علامہ شامی نے ردالمحتار میں ذکر کیا ہے اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ لوگ غلط اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور حدیث شریف میں بہن کہنے پر فرمایا: کیا یہ تیری بہن ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ناپسند فرماتے ہوئے یہی فرمایا اور اس سے منع فرمایا۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

[2] سنن ابوداؤد | کتاب الطلاق | آفتاب عالم پریس لاہور | ۱/ ۳۰۱

سنن الکبرٰی | باب مایکرہ من ذالک | دارصادر بیروت | ۷/ ۳۶۶

توجس روز سے طلاق دی اُس دن سے مطلقہ ہوئی اور پیش از انقضائے عدت نکاح قطعاً ناجائز حرام ہُوا اُن پر جُدا ہو جانا فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴ مرسلہ رفیع الدین صاحب مختار ۲۵ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چاند بی بی کا نکاح بعمر گیارہ برس پیر خاں کے ساتھ ہُوا، چاند بی بی بعد نکاح حسبِ دستور اپنے شوہر کے گھر آئی، ایک دو روزہ کر ماں باپ کے گھر واپس گئی، بعد نکاح کے تین برس بعد بیوہ ہوگئی، مسماۃ مذکور کا نکاحِ ثانی عطا خاں کے ساتھ جس کی عمر چھ برس کی تھی بعد فاتحہ چالیسویں کے کردیا انتظار گزرنے عدت کا نہ کیا گیا، وقتِ نکاح ثانی چاند بی بی تخمیناً ۱۳، ۱۴ برس کی ہوگی، اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ بلا انتظار گزرنے عدت کے یہ نکاحِ ثانی جائز ہُوا یا نہیں؟ اور بیوہ کے بھائی اور ماں زندہ ہیں تو کس کی اجازت درکار ہے؟

الجواب

جو عورت آزاد کسی عقد صحیح سے کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور موتِ شوہر تک وُہ نکاح اپنی صحت پر باقی رہے، کوئی فساد اس میں عارض نہ ہو اور موتِ شوہر کے وقت عورت کو کسی طرح کا حمل ہونا ثابت نہ ہو تو عورت پر ہر حال میں خواہ مسلمہ ہو یا کتابیہ بالغہ ہو یا صغیرہ شوہر بالغ تھا یا صبی خلوت و رخصت ہوئی ہو یا نہیں بہر صورت چار مہینے دس دن کا انتظار لازم ہوتا ہے، اس مدت کے گزرنے سے پہلے اس کا نکاح حرام و ناجائز ہے،

فی الدر المختار العدۃ (للموت اربعۃ اشھر و عشر) بشرط بقاء النکاح صحیحا الی الموت (مطلقا) وطئت اولا، ولو صغیرۃ او کتابیۃ تحت مسلم ولو عبدا فلم یخرج عنھا الا الحامل (ولو) کان (زوجھا) المیت (صغیرا) غیر مراھق[1] اھ ملتقطا۔

درمختار میں ہے موت کی وجہ سے عدت چار ماہ دس دن ہے بشرطیکہ موت تک نکاح صحیح رہا ہو مطلقاً، یعنی وطی کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو، اگرچہ عورت نابالغہ ہو یا کوئی کتابیہ عورت مسلمان کے نکاح میں اگرچہ وُہ مسلمان غلام ہی ہو سب کا حکم یہی ہے صرف حاملہ بیوی کی عدت اس سے الگ ہے، اگرچہ خاوند اس قدر چھوٹا ہو جو بلوغ کے قریب نہ ہو فوت ہوا ہو اھ ملتقطا۔ (ت)

---

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۶

سائل مظہر کہ چاندبی بی کا یہ دوسرا نکاح شوہر متوفی کے باپ نے اپنے بیٹے کی موت سے اکتالیسویں بیالیسویں دن اپنے دوسرے بیٹے صغیر السن کے ساتھ کردیا تو یہ نکاح از آنجا کہ دیدہ و دانستہ عدت کے اندر کیا گیا محض باطل ہوا جسے نکاح ہی نہیں کہہ سکتے کما ذکرہ فی البحر وعنہ فی ردالمحتار (جیسا کہ بحر میں اور اس سے ردالمحتار میں ذکر کیا گیا ہے۔ ت) چار مہینے دس دن موتِ شوہر سے گزرنے کے بعد چاندبی بی اگر بالغہ ہو تو اُسے خود ورنہ اُس کے ولی کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کردے، چاندبی بی کے اگر باپ دادا نہیں تو اُس کا جوان بھائی حقیقی ولیِ نکاح ہے اُس کے ہوتے ہوئے ماں کو اختیار نہیں والمسائل ظاھرۃ و فی الکتب دائرۃ (یہ مسائل ظاہر ہیں اور کتب میں مذکور چلے آرہے ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۵: از احمد آباد متصل مسجد کانچ محلہ جمالپور مرسلہ مولنا عبدالرحیم صاحب ۳ صفر ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو تاریخ ۱۰ شعبان ۱۳۲۵ھ کو طلاق دی اور وہ عورت مدخولہ بہا تھی اور زوج ثانی نے اُسی شعبان کی تاریخ ۲۹ کو نکاح کیا اور اُس نے اپنی زوجہ کو اپنے مکان میں ۱۰، ۱۲ دن رکھ کر اُس سے صحبت کی اس عرصہ میں اس کو حمل رہ گیا اب علماء نے اس کو فتوٰی دیا کہ نکاح عدت کے اندر ہوا ہے اس لئے فاسد ہوا اب اُس نے شوال کی تاریخ ۲۴ یا ۲۵ کو پھر دوبارہ اُسی عورت سے نکاح کیا اب یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ شق ثانی میں زوج شرعاً کیا کرے؟ بیّنوا توجروا بیانا شافیا۔

الجواب

اگر عورت وقتِ طلاق حاملہ تھی اور ۲۹ شعبان کو جو زوجِ ثانی نے نکاح کیا اُس سے پہلے وضعِ حمل ہوچکا تھا تو وہ نکاح صحیح ہوا اور عدت کے بعد ہی ہوا دوبارہ نکاح کی حاجت نہ تھی، اور اگر عورت کا وقتِ طلاق حاملہ ہونا ثابت نہ تھا تو یہ دونوں نکاح کہ شخص دوم نے کئے ناجائز و باطل ہیں کہ دونوں عدت کے اندر واقع ہوئے، پہلے کا عدت میں ہونا تو ظاہر کہ ۱۹ دن میں تین حیض نہیں گزر سکتے اور دوسرے کا یوں کہ جب زنِ مطلقہ عدت کے اندر حاملہ ہوجائے تو اب اُس کی عدت اس حمل کے وضع تک ہوجاتی ہے، پس اس پر فرض ہے کہ عورت کو فوراً الگ کردے، اور یہ حمل جو اب ظاہر ہوا ہے اس کے وضع کا انتظار کرے، بعد وضع اُس سے نکاح کرسکتا ہے،

فی ردالمحتار عن النھر الفائق عن البدائع اعلم ان المعتدۃ لو حملت فی عدتھا ذکر الکرخی ان

ردالمحتار میں نہرالفائق سے منقول ہے انہوں نے بدائع سے نقل کیا کہ واضح رہے کہ عدت والی دورانِ عدت اگر حاملہ ہوجائے تو امام کرخی کے قول کے

عدتها وضع الحمل ولم يفصل، والذی ذكره محمد ان هذا فی عدة الطلاق اما فی عدة الوفاة فلا تتغير بالحمل وهو الصحيح[1] اھ اقول ووجهه ظاهر ان عدة الوفاة بالاشهر والطلاق بالحيض والحيض يرتفع بالحبل فافهم، والله تعالٰی اعلم۔

مطابق اس کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے، امام کرخی نے اس کی تفصیل نہ فرمائی، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے جو ذکر فرمایا اس کے مطابق یہ حکم طلاق کی عدت کا ہے لیکن اگر وفات کی عدت ہو تو پھر حمل کی وجہ سے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہی رہے گی اور وفات والی عدت میں تبدیل نہ ہوگی، یہی صحیح مذہب ہے اھ اقول (میں کہتا ہوں) اس کی وجہ ظاہر کہ وفات کی عدت مہینوں کے حساب سے ہوتی ہے اور طلاق کی عدت حیض کے حساب سے ہوتی ہے اور حیض حمل کی وجہ سے ختم ہوجاتا ہے، غور کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب العدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۴

بابُ الحِداد

(سوگ کا بیان)

مسئلہ ۹۶ مسئولہ محمد عنایت اللہ ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۰۸ھ

حضرت مولوی تسلیم عرض، وہ لڑکی کہ بیوہ ہوگئی ہے میں اُسے شاہجہان پور لے جانا چاہتا ہوں اس میں کیا حکم ہے؟ اور ایامِ عدتِ وفات میں عورت بضرورت بھی دوسرے مکان یا دوسری جگہ جاسکتی ہے یا نہیں؟ والسلام محمد عنایت اللہ۔

الجواب

تاختمِ عدت عورت پر اُسی مکان میں رہنا واجب ہے، شاہجہانپور خواہ کسی جگہ لے جانا جائز نہیں، ہاں جس کے پاس کھانے پہننے کو نہیں اور اُسے ان چیزوں کی تحصیل میں باہر نکلنے کی ضرورت ہے کہ بغیر اس کے خوردونوش کا سامان گھر میں بیٹھے نہیں کرسکتی تو وہ صبح وشام باہر نکلے اور شب اُسی مکان میں بسر کرے دوسرے مکان میں چلے جانا ہرگز جائز نہیں، مگر یہ مکان اس کا نہ تھا مالکانِ مکان نے جبرًا نکال دیا یا کرایہ پر رہتی تھی اب کرایہ دینے کی طاقت نہیں یا مکان گر پڑا یا گرنے کو ہے یا اور کسی طرح اپنی جان یا مال کا اندیشہ ہے، غرض اسی طرح کی ضرورتیں ہوں تو وہاں سے نکل کر جو مکان اس کے مکان سے قریب تر ہو اس میں چلی جائے ورنہ ہرگز نہیں، درمختار میں ہے:

معتدة موت تخرج فی الجدیدین و تبیت اکثر اللیل فی منزلھا لان نفقتھا علیھا فتحتاج للخروج ، حتی لوکان عندھا کفایتھا صارت کالمطلقة فلا یحل لھا الخروج فتح[1] اھ اقول فکذا اذا قدرت علی الکسب فی البیت من دون خروج فان المبیح ھی بالضرورة فحیث لاضرورة فلا اباحة وھذا واضح جدا۔

موت کی عدت والی عورت ضرورت پر دن میں اور رات میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں ہی رہے کیونکہ اس نے اپنا خرچہ خود پُورا کرنا ہے اس لئے وہ باہر نکلنے کی محتاج ہے حتی کہ اگر اپنی کفایت اور ضرورت کے لئے اس کے پاس نفقہ ہو تو یہ مطلقہ عورت کی طرح ہے اس کو باہر نکلنا حلال نہیں ہے، فتح اھ **اقول** (میں کہتا ہُوں) یُونہی اگر وہ گھر میں رہ کر کوئی محنت کرکے اپنا خرچہ بنا سکتی ہے تو نکلنا حلال نہ ہوگا کیونکہ اس کا باہر نکلنا ضرورت کی بناء پر جائز ہُوا ہے اور جب ضرورت نہیں تو جواز بھی نہیں، اور یہ بات بالکل واضح ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے :

وتعتدان ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیه ولا تخرجان منه الا ان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامه او تلف مالھا اولا تجد کراء البیت و نحو ذٰلك من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیه وفی الطلاق الی حیث شاء الزوج[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

موت اور طلاق کی عدت والی عورتیں اسی گھر میں عدت گزاریں جس میں عدت واجب ہُوئی اور وہاں سے باہر نہ نکلیں الّا یہ کہ ان کو جبراً نکالا جائے یا وُہ مکان گر جائے یا گرنے کا خطرہ ہو، یا وہاں مال کے نقصان کا خطرہ ہو یا مکان کرایہ پر تھا عورت میں کرایہ دینے کی طاقت نہ ہو یا اور اس قسم کی ضروریات ہوں تو قریب ترین مکان میں منتقل ہو جائے، اور طلاق والی کو یہ حکم ہے کہ جہاں پر خاوند اسے سکونت دے وہاں رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۷ ازبریلی محلہ شاہ آباد متصل چاہ کنگر مسئولہ سید منصور علی صاحب ۱۵ شوال ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت جس کا خاوند مرگیا وہ ایام عدت میں اپنے کسی استحقاق وراثت کے استحکام کے واسطے باہر گھر سے جاسکتی ہے یا نہیں، اور اگر باہر جائے تو کس قدر عرصہ تک اور اس کے باہر جانے سے اُس کے کسی حقوق میں فرق تو نہ آئے گا؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] و [2] درمختار باب الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۰

الجواب

سائل نے ظاہر کیا کہ عورت مسکینہ ہے پانچ روپے کی ایک معاش کہ اُس کے شوہر نے اُسے لکھ دی تھی صرف وہی پاس رکھتی ہے اور اہلکار کچہری کو کمیشن دے کر بلانے کی استطاعت اصلاً نہیں اور اگر نہ جائے تو وُہ جائداد اُس کے نام نہ ہوگی اور وُہ جگہ جہاں جانا چاہتی ہے اُس کے مکان عدت سے صرف چھ میل دور ہے دن ہی دن میں جانا اور مکان میں واپس آنا ہوجائے گا رات یہیں آکر بسر کرے گی اگر بات یونہی ہے تو صورت مذکورہ میں اسے جانا اور دن کے دن واپس آکر رات مکانِ عدت ہی میں بسر کرنے کی اجازت ہے۔ درمختار میں ہے:

معتدۃ موت تخرج فی الجدیدین وتبیت اکثر اللیل فی منزلها لان نفقتها علیها فتحتاج للخروج، حتی لوکان عندها کفایتها صارت کالمطلقة فلایحل لها الخروج فتح، وجوز فی القنیة خروجها لاصلاح لابد لها منه کزراعة ولاوکیل لها۔[1]

موت کی عدت والی عورت ضرورت پر دن میں اور رات میں گھر سے نکلے اور رات کا اکثر حصہ واپس اپنے مکان ہی میں بسر کرے کیونکہ اس کا اپنا خرچہ خود اس کے ذمّہ ہے اس لئے وہ محتاج ہے کہ باہر نکلے، حتی کہ اگر اس کے پاس کفایت کے مطابق خرچہ موجود ہے تو پھر یہ مطلقہ عورت کی طرح ہے اس کو باہر جانا جائز نہیں ہے، فتح۔ اور قنیہ میں اسے اپنی ضروری اشیاء کی اصلاح کے لئے نکلنا جائز قرار دیا ہے، مثلاً زراعت کی نگرانی کرنی ہے اور اس کا کوئی وکیل نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النهر ولابدان یقید ذٰلك بان تبیت فی منزلها۔[2] واللّٰه تعالٰی اعلم۔

نہر میں کہا ہے یہاں یہ قید ضروری ہے کہ رات کو خاوند والے گھر واپس آئے اور وہاں رات گزارے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۸: از شہر روہیلی ٹولہ بریلی مسئولہ مسیت خاں ۱۹ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

زید فوت ہُوا اس کی زوجہ کوئی ذریعہ معاش نہیں رکھتی اور نہ کوئی شخص ورثاء ومتعلقین متوفی سے اُس کے نان ونفقہ کا متکفل ہو بلکہ اشخاص مذکور کی جانب سے چور شارب الخمر تارک الصلوٰۃ قمار باز ہیں ونیز دیگر امور خلاف شریعت کے مرتکب رہتے ہیں نسبت مسماۃ مذکور کے انعدام عصمت واتلاف مال ودیگر قسم کے

---

[1] درمختار باب الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۰

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۲۰

فسادات کا اندیشہ کامل وقوی ہے ایسی صورت میں مسماۃ مذکورہ کو مکان مسکونہ اپنا چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر ایام گزاری عدت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

عدتِ موت کا نفقہ کسی پر نہیں ہوتا خود اپنے پاس سے کھائے پاس نہ ہو تو دن کو محنت ومزدوری کے لئے باہر جاسکتی ہے، چار مہینے دس دن وہیں گزارنا فرض ہے، اللہ عزوجل کے ادائے فرض میں حیلے نہ کئے جائیں واللہ یعلم المفسد من المصلح (اللہ تعالٰی مفسد اور مصلح کو جانتا ہے۔ت) اگر اندیشہ واقعی وصحیح ہے بذریعہ حکومت بندوبست کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۹ از پرانا شہر روہیلی ٹولہ بریلی مرسلہ احمد اللہ خاں صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ قوم حجام سے ہے اور ہمیشہ سے بوجہ پیشہ حجامی باہر نکلتی ہے، ایسی صورت میں اُس کو بایام عدت دن میں اور شب میں باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں؟ اور قیام شب دُوسرے مکان پر کرسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سائل کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہ عدت موت کی ہے، پس اگر عورت کے پاس اتنا مال ہے کہ چار ماہ دس دن گھر بیٹھ کر کھائے جب تو اُسے نکلنا بالکل جائز نہیں ورنہ جتنے دنوں کھانے کا سامان پاس رکھتی ہے اُتنے دنوں اُسے گھر بیٹھ کر کھانا لازم، اور پھر نکلنا جائز، رات اپنے گھر گزارے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۰ از شہر بریلی ۳۰ رمضان ۱۳۳۶ھ

زید فوت ہُوا، ایک زوجہ حاملہ اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں نابالغ چھوڑیں، وُہ ایک غریب آدمی تھا جس کے رہنے کو مکان بھی نہ تھا کرایہ کا مکان تھا مکان والے کا دو مہینہ کا کرایہ چاہئے وہ کہتا ہے کہ کرایہ دو یا مکان خالی کرو، زوجۂ زید کے پاس نہ کھانے پینے کو کچھ ہے اور نہ کرایۂ مکان ادا کرنے کو، ایسی حالت میں زوجۂ زید اندر میعاد عدت کے وُہ مکان جس میں زید فوت ہُوا چھوڑ کر اپنی ماں کے گھر جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

جہاں سے ممکن ہو کرایہ ادا کرے اور عدت کے دن وہیں گزارے،

امرت به السائلة وھی ام المتوفی عنھا زوجھا فرضیت فعلمت انھا قادرة وانما ذٰلك احتیال

جس کا خاوند فوت ہوگیا تھا یہ بات میں نے اس کی ماں سے کہی وہی سائلہ تھی تو اس بات پر وُہ راضی ہوگئی تو میں نے معلوم کرلیا کہ عورت کرایہ اور نفقہ پر

للانتقال وكم جربنا مثل ذلك۔

قادر ہے، اور یہ بیان منتقل ہونے کا ایک بہانہ تھا اس بات کا تجربہ بارہا ہم کر چکے ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

وهى فى دار باجرة قادرة على دفعها فليس لها ان تخرج بل تدفع[1]

اگر موت کی عدت والی کسی کرایہ کے مکان میں ہو اور کرایہ دینے پر قادر ہو تو اس کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں بلکہ کرایہ ادا کرے (ت)

درمختار میں ہے،

تعتدان معتدة طلاق وموت فى بيت وجبت فيه ولا تخرجان منه الاان تخرج اوينهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف مالها اولا تجد كراء البيت و غير ذلك من الضروريات فتخرج لاقرب موضع اليه[2]۔ والله تعالٰى اعلم۔

موت اور طلاق کی عدت والی عورتوں کو گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں اسی مکان میں عدت بسر کریں جہاں عدت واجب ہوئی ہے الّا یہ کہ ان کو جبرًا نکالا جائے یا وہ مکان گرجائے یا گرنے کا خطرہ ہو یا وہاں مال کے نقصان کا خطرہ ہو، یا مکان کرایہ پر تھا عورت کرایہ دینے کی طاقت نہ رکھتی ہو یا اور اس قسم کی ضروریات ہوں جن سے مجبور ہو تو قریب ترین موضع میں منتقل ہوجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۱ یہ چند مسائل محمد میر خاں صاحب پیلی بھیت کو ارسال فرمائے گئے۔ بتاریخ ۵ شعبان المعظم

عدت میں عورت کو یہ چیزیں منع ہیں، ہر قسم کا گہنا یہاں تک کہ انگوٹھی چھلا بھی، مہندی، سُرمہ، عطر، ریشمی کپڑا، ہار پھول، بدن یا کپڑے میں کسی قسم کی خوشبو، سر میں کنگھی کرنا، اور اگر مجبوری ہو تو موٹے دندانوں کی کنگھی کرے جس سے فقط بال سُلجھالے پٹی نہ جھکالے۔ پھُلیل، میٹھا تیل، کُسم، کیسر کے رنگے کپڑے، یُونہی ہر رنگ جس سے زینت ہوتی ہو اگرچہ پڑیا گیرو کا، چُوڑیاں اگرچہ کانچ کی، غرض ہر قسم کا سنگار ختمِ عدت تک منع ہے۔ چارپائی پر سونا، بچھونا سونے یا بیٹھنے میں بچھانا منع نہیں۔

مسئلہ ۱۰۲ از میونڈی ڈاکخانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ درمیان عدت کے عورت سے واسطے کرنے نکاح کے دریافت

---

[1] ردالمحتار باب الحداد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۲۰
[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۰

کرنا کیسا ہے؟

الجواب

عدت میں نکاح کا پیام دینا بھی حرام ہے اور اگر پیام نہیں، مثلاً اُس کے گھر والے دریافت کریں کہ نکاحِ ثانی کا ارادہ ہے یا کیا، تو حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳ از شہر متصل جامع مسجد پیارے میاں معرفت عنایت خاں ۴ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ باہر تھی اور خبر انتقال شوہر سُن کر آئی اور ایک مکان میں قیام کیا جس میں بیٹھک ہے اور ایک دروازہ صدر ہے لہذا ایامِ عدت میں بیٹھک سے مکان میں جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

سائل نے بیان کیا کہ عورت گوالیار میں تھی اور وہاں سے آئی، شوہر کا مکان گاؤں میں، یہ وہاں نہ گئی بلکہ شہر میں ایک غیر شخص کے یہاں ٹھہری، اُس کی بیٹھک اور زنانخانہ کا کیا پُوچھنا اُسے سفر کرکے آنا حرام تھا اور غیر شخص کے یہاں ٹھہرنا حرام تھا، بیٹھک ہو یا زنانخانہ اُسے حکم ہے کہ شوہر کے مکان میں عدت پوری کرے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴ ۱۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مر گیا حالتِ نابالغی میں، عمر ۱۴ یا ۱۵ برس کی تھی، زوجہ اس کی ہندہ ۱۲ سال کی، کوئی علامت بلوغت کی نہ تھی، بعدم نے زید کے تین روز کے بعد زید کا باپ زید کی زوجہ کو اپنے مکان کو لے گیا: موضع سوڑا میں، اور وہاں لے جا کر ہندہ سے اسٹامپ لکھایا معافیِ مہر کا، دو چار روز رہ کر پھر اُسی مکان پر آگیا جہاں زید کا انتقال ہُوا تھا وُہ مکان زید کی نانی کا تھا، اب زید کا باپ ہندہ کے باپ کو ہندہ کو دیکھنے نہیں دیتا، کہتا ہے بعد عدت یا عدت کے اندر میں ہندہ کا نکاح اپنی رائے سے کردوں گا اور ہندہ بیمار ہے جاڑا بخار آتا ہے، ہندہ کے باپ کو صدمہ ہوتا ہے کہ میں اُس کا علاج کروں لیکن زید کا باپ نہیں بھیجتا نہ دیکھنے دے ہندہ کے کسی رشتہ دار کو نہیں دیکھنے دیتا، ہندہ کا باپ کہتا ہے کہ شریعتِ محمد صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم میں بدلنے مکان کے وہی قید باقی رہی ہندہ کے ذمہ یا بدل گئی کیونکہ زید کا باپ ہندہ کو اُس مکان سے اور مکان میں لے گیا دو چار روز رکھا اب ہندہ کا باپ چاہتا ہے کہ شریعت اجازت دے تو میں ہندہ کو اپنے مکان پر لے آؤں اس وجہ سے کہ ہندہ کو زید کے سامنے تکلیف پہنچاتا تھا اب تو اور بھی زیادہ تکلیف پہنچتی ہے ہندہ کو، لہذا سوال کا جواب عنایت فرمایا جائے، زید کی نانی کے مکان سے زید کے باپ

کا مکان چار کوس ہے۔

الجواب

عدت کے اندر اُسے دوسری جگہ لے جانا حرام تھا اور جب تک وہاں رکھا یہ بھی حرام ہوا مگر اس سے عدت جاتی نہ رہی موت سے چار مہینے دس دن تک شوہر ہی کے مکان پر رہنا پڑے گا اگر وُہ نابالغہ ہے تو اس کے معاف کئے سے مہر معاف نہیں ہوسکتا اور عدت کے اندر تو کوئی اُس کا نکاح نہیں کرسکتا جو کرے گا باطل محض ہوگا عدت کے بعد ہندہ کے باپ کو اس کے نکاح کا اختیار ہے پدر زید کو کچھ اختیار نہیں اگر یہ کرے گا پدر ہندہ کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر وُہ رد کردے فوراً رد ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۰۵: ۱۶ شوال ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور وُہ غیر شہر میں جس مکان میں اُس کا شوہر سکونت رکھتا تھا عدت میں ہے، لیکن بسبب نادانی اور غیر محرم کے وحشتناک ہوکر چاہتی ہے کہ والدین کے مکان میں جاکر رہوں، آیا اس کو شرع اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اوّلاً یہاں شرعاً واقعی عذر یعنی مجبوری دیکھی جاتی ہے واللہ یعلم المفسد من المصلح (اللہ تعالیٰ مفسد اور مصلح کو جانتا ہے۔ ت) خدا ہر ایک کا نہاں وعیاں سب جانتا ہے اگر ایامِ عدت تک وہاں رہنے میں کوئی خوف صحیح و اندیشہ واقعی ہندہ کے مال یا جان یا ناموس پر نہیں، کوئی ضرر صحیح وہاں اتنے دن گزارنے میں نہیں یا ہے تو اُس کا علاج اُسے ممکن ہے مثلاً اُس کے بعض اعزہ محارم اُس کے پاس رہ سکتے ہیں یا قابل اعتماد عورات کو ساتھ کے لئے رکھ سکتی ہے اگرچہ اُجرت دے کر، تو اُسے ہرگز اجازت نہیں ہوسکتی، خوف میں شاید اور عجب نہیں کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ خوف صحیح منشاء صحیح سے ناشئ ہونا چاہئے نہ اُس وحشت کا کچھ اعتبار جو کم عمری کا لازمہ ہے خصوصاً ایسے غم کی حالت میں جب تک وُہ ایسی شدت پر نہ ہو جس سے نقصان صریح عقل وغیرہ پر پہنچنے کا خطرہ ہو۔

ثانیاً اور اگر واقعی حالتِ مجبوری ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس مکان سکونت سے قریب تر کون سا مکان ایسا ہے جس میں وُہ اندیشہ و خطرہ نہ ہو، اگر اُسی شہر میں کوئی دوسرا مکان قابلِ اطمینان اپنے کسی عزیز کا ہو تو وہاں چلی جائے، شہر سے باہر جانے کی اجازت نہیں بلکہ وہیں دو محلوں میں دو مکان قابل اطمینان ہوں ایک دُور ایک پاس، تو دور والے میں جانے کی اجازت نہیں، اور اگر اس شہر میں نہ ہو مگر دوسرے شہر کہ بہ نسبت شہر والدین اُس شہر سکونت سے قریب تر ہے میں کوئی مکان قابلِ اطمینان ہے تو وہیں جائے، ہاں اگر

سب صورتیں معدوم ہوں تو البتہ بحالت ضرر صریح و مجبوری محض اجازت ہے۔ درمختار میں ہے:

تعتدان ای معتدۃ طلاق و موت فی بیت وجبت فیہ ولا تخرجان منہ الا ان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تلف مالھا او لا تجد کراء البیت ونحو ذٰلک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ وفی الطلاق الی حیث شاء الزوج[1]

موت اور طلاق کی عدت والی عورتیں اسی مکان میں عدت گزاریں جس میں عدت واجب ہُوئی ہو، اور وہاں سے منتقل نہ ہوں الّایہ کہ ان کو جبراً نکالا جائے یا وہ مکان گر جائے یا گرنے کا خطرہ ہو یا مال کے نقصان کا خطرہ ہو یا مکان کرایہ پر ہو اور عورت کرایہ نہ پائے، اور دیگر ایسی ضروریات کی وجہ سے مجبور ہو تو قریب ترین مکان میں منتقل ہو جائے، اور طلاق والی کو یہ حکم ہے کہ جہاں خاوند انتظام کرے وہاں رہے۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

المعتدۃ اذا کانت فی منزل لیس معھا احد وھی لا تخاف من اللصوص ولا من الجیران ولکنھا تفزع من امر البیت ان لم یکن الخوف شدیدا لیس لھا ان تنتقل من ذٰلک الموضع، وان کان الخوف شدیدا کان لھا ان تنتقل کذا فی فتاوٰی قاضی خاں[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

عدت والی عورت جب کسی ایسے مکان میں ہو کہ وہاں اس کے ساتھ کوئی نہ رہتا ہو اور چوروں یا پڑوسیوں سے خائف نہ ہو لیکن وُہ عورت رات کو ڈرتی ہو، اگر یہ ڈر شدید نہ ہو تو عورت کو وہاں سے منتقل ہونا جائز نہیں، اور اگر یہ ڈر شدید ہو تو پھر منتقل ہونا جائز ہے۔ فتاوٰی قاضیخان میں ایسے ہی مذکور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار | باب الحداد | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ | الباب الرابع عشر فی الحداد | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/۵۳۵

باب زوجۃ المفقود

(مفقود الخبر کی زوجہ کا حکم)

مسئلہ ۱۰۶:

زوجہ[علہ] مفقود کے لئے چار برس کی مہلت کہ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے، جمہور ائمہ کرام اس کے خلاف پر ہیں، ادھر قرآن عظیم صاف صاف ارشاد فرمارہا ہے: والمحصنٰت من النساء[1] تم پر حرام ہیں وہ عورتیں جو دوسرے کے نکاح میں ہیں۔ اس عورت کا نکاحِ مفقود میں ہونا تو یقیناً معلوم، اور چار برس کے بعد اس کی موت مشکوک وموہوم، کیا آدمی اتنی مدت میں خواہ مخواہ مرہی جاتا ہے یا اس کی مرگ پر ظن غلبہ کرتا ہے، یہاں تک کہ خود علماءِ مالکیہ رحمہم اللہ تعالٰی اقرار فرماتے ہیں کہ اس چار سال کی تقدیر پر سوا تقلید امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں، نہ ہرگز نظر فقہی اس کی مساعد،

کما نقل العلامۃ الزرقانی فی شرح المؤطا عن الکافی انھا مسئلۃ قلدنا فیھا	جیسا کہ علامہ زرقانی نے شرح المؤطا میں کافی سے نقل کیا کہ یہ وہ مسئلہ ہے جس میں ہم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

علہ: یہ مضمون مسئلہ از اجین تک مولوی ضیاء المصطفٰی صاحب نے کسی رسالہ سے نقل کرکے دیا اور مولانا عبدالرؤف صاحب مرحوم نے شامل کیا ۱۲

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

عمر ولیست مسئلة النظر[1] کی تقلید کی ہے اور یہ نظری مسئلہ نہیں ہے (ت)

اور تمام ائمہ کا اجماع کہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا، ولہٰذا خود ائمہ مالکیہ در بارۂ مال اس تقدیر چار سال کے قائل نہ ہوئے، حالانکہ یہ نہایت مستبعد ہے کہ آدمی مہلت چار سال کے بعد حقِ زوجہ میں مُردہ ٹھہر کر اس کا مال ورثا پر تقسیم نہ ہو، فاضل ابراہیم شرح انوار اردبیلی میں لکھتے ہیں :

نقض حکمہ لمخالفتہ القیاس الجلی اذ لایجوز ان یکون حیاً فی مالہ ومیتا فی حق زوجۃ[2] — قاضی کا حکم کالعدم قرار دیا جائے گا کہ یہ ظاہر قیاس کے خلاف ہے کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ مفقود شخص کو مال کے حق میں زندہ اور بیوی کے حق میں مردہ قرار دیا جائے۔ (ت)

تو نص قطعی وقضیۂ یقینی کے خلاف ایک موہوم بات پر کہ حقِ مال میں بالاتفاق مقبول نہیں، کیونکر زنِ زید نکاحِ عمرو میں آسکتی ہے۔ ادھر احادیثِ حضور سید المرسلین صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس مذہب کا کہیں پتا نہیں، بلکہ حدیث آئی ہے تو ہمارے ہی موافق آئی ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

امرأۃ المفقود امرأتہ حتی یأتیھا البیان[3] رواہ الدارقطنی فی سننہ عن المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ۔ — مفقود کی عورت اسی کی عورت ہے یہاں تک کہ اس کی موت کا حال ظاہر ہو۔ (اس کو دارقطنی نے اپنی سُنن میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

امیر المؤمنین مولی المسلمین حضرت سیدنا علی المرتضٰے وکنیف العلم سید الفقہاء سند الائمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی ہماری ہی طرف ہیں رواہ عنہما عبد الرزاق[4] فی مصنفہ (اس کو عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں دونوں حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت) اور قوت برقوت یہ کہ امیر المؤمنین امام العادلین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ پہلے قائل چار سال کے تھے بلکہ وہی پہلے قائل چار سال کے ہوئے بعدہٗ قولِ حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی طرف رجوع فرمایا،

کما ذکرہ فقیہ الکوفۃ ابن ابی لیلی رحمہ اللہ — جیسا کہ اس کو فقیہ الکوفہ ابن ابی لیلٰی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

---

[1] شرح الزرقانی علی موطا امام مالک — عدۃ التی تفقد زوجہا — المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر — ۳/۲۰۰

[2] شرح الانوار — فصل القسم الثانی عدۃ الوفاۃ — مطبعۃ الجمالیہ مصر — ۲/۲۱۲

[3] سُنن الدارقطنی — باب المہر حدیث ۲۵۵ — نشر السنۃ ملتان — ۳/۳۱۲

[4] مصنف عبد الرزاق — باب التی لاتعلم مہلک زوجہا حدیث ۱۲۳۳۰ — مجلس علمی بیروت — ۷/۹۰ و ۹۱

تعالٰی نقلہ المحقق فی الفتح[1]
نے ذکر فرمایا، یہ فتح القدیر میں محقق سے منقول ہے (ت)

تو وُہ دلیل کہ مالکیہ کو اس قول پر حامل تھی یعنی تقلید فاروقی وہ بھی نہ رہی۔ اسی طرح حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ ارشد تلامذہ امام مالک ہیں پہلے قولِ امام مالک کے قائل تھے پھر ہمارے ہی قول کی طرف رجوع لائے، اور وہی ان کے مذہب میں راجح قرار پایا،

کما فی میزان الشریعۃ الکبرٰی، ورحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ وھذا لفظھما اختلفوا فی زوجۃ المفقود فقال ابوحنیفۃ والشافعی فی الجدید الراجح واحمد فی احد روایتیہ لاتحل للازواج حتی تمضی مدۃ لایعیش فی مثلھا غالبا[2]
جیسا کہ میزان الشریعۃ الکبرٰی اور رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ میں ہے، یہ الفاظ دونوں سے متفق ہیں کہ مفقود کی بیوی کے متعلق فقہاء نے اختلاف کیا ہے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے جدید راجح قول اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق اس کو دوسرا نکاح حلال نہیں حتی کہ گم شدہ اتنی عمر میں غالب طور پر زندہ نہ رہ سکے۔ (ت)

بلکہ جمہور ائمہ شافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی تو یہاں تک اس سے اختلاف رکھتے ہیں کہ اگر قاضی مہلت چار سالہ کے بعد تفریق کردے تو اس کی قضا توڑ دی جائے کہ اس نے دلیل صریح کے خلاف حکم کیا، امام نور الدین یوسف بن ابراہیم اردبیلی شافعی کتاب الانوار لعمل الابرار میں فرماتے ہیں،

لوحکم حاکم بانھا تتربص اربع سنین فتعتد عدۃ الوفاۃ ثم تنکح و تربصت وحکم ثانیا بالفرقۃ واعتدت و نکحت نقض حکمہ الااذابان انہ کان میتا وقت الحکم[3]
اگر کسی حاکم نے یہ فیصلہ دیا کہ وُہ چار سال انتظار کے بعد وفات کی عدت پُوری کرے اور پھر کسی سے نکاح کرے، چنانچہ فیصلہ کے مطابق اگر عورت نے چار سال انتظار کیا اور اس حاکم نے فرقت کا نیا حکم دے دیا اور اس کے بعد عورت نے عدت گزار کر نکاح کرلیا تو قاضی کا یہ حکم کالعدم قرار پائے گا الّا یہ کہ واضح ہوجائے کہ قاضی کے مذکورہ فیصلے کے وقت گمشدہ شخص فوت ہوچکا تھا۔ (ت)

اسی میں ہے،

---

[1] فتح القدیر | کتاب المفقود | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر | ۵/۳۷۲
[2] المیزان الکبرٰی | کتاب العدد والاستبراء | مصطفی البابی مصر | ۲/۱۳۶
رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ | کتاب العدد | مطابع قطر الوطنیۃ الدوحۃ قطر | ص ۳۱۲
[3] الانوار لاعمال الابرار | فصل القسم الثانی فی عدۃ الوفاۃ | مطبعۃ الجمالیہ مصر | ۲/۲۱۲

لو قضی قاض بصحۃ نکاح زوجۃ المفقود بعد اربع سنین ومدۃ العدۃ نقض حکمہ[1] اھ ملخصًا۔

اگر کسی قاضی نے مفقود کی بیوی کے متعلق چار سال انتظار اور اس کے بعد عدت پوری کرکے نکاح کی صحت کا فیصلہ دیا تو اس کا حکم کالعدم ہوگا اھ ملخصًا (ت)

شرح انوار میں ہے:

لمخالفتہ القیاس الجلی فی جعل المفقود میتا فی النکاح دون المال وما جزم بہ المصنف ھو الذی علیہ الاکثرون کما یعلم من کلام الرافعی[2] ھنا الخ۔

یہ قیاس جلی کی مخالفت کی وجہ سے کہ مفقود کو نکاح کے حق میں مُردہ اور مال کے حق میں زندہ قرار دیا جائے، اور مصنّف نے جس پر جزم فرمایا وہ ہے جس پر اکثر ائمہ نے اعتماد فرمایا جیسا کہ یہاں امام رافعی کے کلام سے معلوم ہورہا ہے الخ (ت)

تو جو اس قول کے قائل تھے ان پر بھی اس کا ضُعف ظاہر ہُوا جب تو اس سے رجوع کرتے آئے اور قول ضعیف پر حکم وفتوٰی دینا جہل ومخالفتِ اجماع ہے۔

فی الدر المختار، حاصل ما ذکرہ الشیخ قاسم فی تصحیحہ انہ لافرق بین المفتی والقاضی الا ان المفتی مخبر عن الحکم والقاضی ملزم بہ وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق الاجماع[3]۔

درمختار میں ہے، شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں جو ذکر فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ مفتی اور قاضی کا یہاں کوئی فرق نہیں ماسوائے اس کے کہ مفتی حکم کی خبر دیتا ہے اور قاضی اس کو نافذ کرتا ہے جبکہ مرجوح قول پر فتوٰی اور فیصلہ جہالت ہے اور اجماع کی مخالفت ہے۔ (ت)

پھر معاملہ بھی کون سا معاملۂ فروج جس میں شریعتِ مطہرہ کو سخت احتیاط ملحوظ، یہاں تک کہ باآنکہ اصل اشیاء میں اباحت وحلّت ہے، فروج میں اصل حرمت ٹھہری، تو ایسے امر میں ایسے قول کی طرف اپنا ایسا قوی ومدلل مذہب چھوڑ کر جانا کیسی کُھلی بے احتیاطی ہے۔ رہا دعوٰی ضرورت، اس کا حال یُوں کُھلتا ہے کہ ہندوستان کی نوجوان عورتیں جو بیوہ ہوجاتی ہیں باآنکہ انھیں شرعًا نکاحِ ثانیہ کی اجازت ہے اپنی ایک جھُوٹی رسم کی پیروی میں عمر بھر بیٹھی رہتی ہیں اس وقت نہ انھیں ضرورت سُوجھتی ہے نہ یہی خیال آتا ہے کہ جوانی کیونکر کٹے گی نہ یہ کہ نان ونفقہ کہاں سے

---

[1] الانوار لاعمال الابرار کتاب ادب القضاء الطرف السابع فی الاشہاد الخ مطبعۃ الجمالیہ مصر ۲ /۴۱۳ و ۴۱۴

[2] شرح الانوار " " " " " " ۲ /۴۱۳

[3] درمختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۱۵

ملے گا مگر خاوند مفقود ہوکر یہ سب دعوی ہجوم کرتے ہیں، اگر ضرورت کا دعوٰی سچا ہے تو وہاں صبر کیونکر ہوتا ہے اور جب وہاں کیا جاتا ہے، حالانکہ قطعاً بے شوہر، اور ازواج کے لئے حلال ہیں تو یہاں صبر کیوں نہیں کیا جاتا کہ یقیناً شوہردار تھیں اور موتِ شوہر ثابت نہیں ہُوئی مگر یہ ہے یہ کہ جہال کے نزدیک رسم کا اتباع حکم کے اتباع سے زیادہ اہم ہے، یہاں حیلے تلاش کئے جاتے ہیں کہ کسی مذہب میں کوئی راستہ نکلے اگرچہ اپنے مذہب میں نرا حرام ہو، وہاں رسم نہیں چھوڑی جاتی اگرچہ چاروں مذہب میں کھلی حلت ہے، اللہ عزّوجل مسلمانوں کو ہدایت فرمائے۔ بات یہ ہے کہ نفس کی باگ جب نرم کرلیجئے دبالیتا ہے۔ اس وقت ضرورت، حاجت، معذوری، مجبوری، سُوجھتی ہے اور باگ جب کڑی کرلیجئے دب جاتا ہے۔ اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ جوشش نرا دعوٰی ہی دعوٰی تھا۔ حدیث میں حضور پُرنور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استغنٰی باللہ اغناہ اللہ ومن استعف اعفّہ اللہ۔[1] رواہ الامام احمد والنسائی والضیاء عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جو اللہ عزّوجل کے بھروسا پر خلق سے بے پروائی کریگا اللہ تعالٰی اسے غنی کردے گا، اور جو سچّے دل سے پارسا بننا چاہے گا اللہ تعالٰی اسے پارسا بنادے گا۔ (اسے امام احمد، نسائی اور ضیاء نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

جنھیں نکاح پر قدرت نہ ہو ان کا علاج صحیح حدیث میں روزے رکھنا ارشاد ہوا ہے:

من لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔[2] رواہ احمد والستۃ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وسوق الحدیث وان کان فی الرجال فالنساء شقائقھم[3] بعضکم من بعض۔

جو نکاح پر قدرت نہ رکھے اس کو روزہ لازم ہے کیونکہ یہ اس کے لئے شہوت سے رکاوٹ ہے۔ اس کو امام احمد اور ائمہ ستّہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، اور حدیث کے یہ الفاظ اگرچہ مردوں کے بارے میں ہیں، تو عورتیں وہ مردوں کی طرح ہیں اور تم آپس میں ایک دوسرے کی طرح ہو۔ (ت)

بلکہ احتیاجِ نفقہ کے عذر کو غور کیجئے تو وہ بھی اسی عذرِ جوانی کے ساتھ ہے جس کا علاج حدیث میں ارشاد ہوگیا۔

---

[1] سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ باب الالحاف فی المسئلۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۳۶۳
[2] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴۲۴
[3] جامع الترمذی ابواب الطہارۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۶

سن رسیدہ عورتیں جن کے شوہر مرتے یا مفقود ہوجاتے ہیں انھیں تلاشِ نفقہ کے لئے فکرِ نکاح نہیں ہوتی وُہ کیونکر بسر کرتی ہیں اور یہ حالت بیوگی تو ہند کی نوجوانیں بھی اسی حال میں شریک ہیں، وہاں خدا جانے شان رزاقی خاوندیں کیوں نہیں منحصر ہوجاتی، لُطف یہ ہے کہ یہاں تقلیدِ امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا دامن پکڑا جاتا ہے، جاہل لوگ ان کا مذہب یہ سمجھتے ہیں کہ مرد کو گمے چار برس گزرے اور عورت کو یونہی عدت بیٹھ کر نکاح حلال ہوگیا۔ حاشا یہ ان کا مذہب نہیں بلکہ وُہ یہ فرماتے ہیں کہ عورت قاضیِ شرع کے حضور دعوٰی پیش کرے، قاضی بعد ثبوتِ مفقودی کہ اس کی خبر ملنے سے بالکل ناامیدی ہوگئی ہو اب چار برس کی مدت اپنے حکم سے مقرر کرے، اس مدت میں بھی پتا نہ چلے تو پھر قاضی تفریق کردے، اس کے بعد عورت چار مہینے دس دن عدت بیٹھے اور شوہروں کے لئے حلال ہوجائے' حضورِ قاضی میں رجوع لانے سے پہلے اگر بیس۲۰ برس گزر گئے ہیں تو ان کا اصلاً اعتبار نہیں۔ علامہ زرقانی مالکی شرح مؤطائے امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ میں فرماتے ہیں:

قول مالك لو اقامت عشرين سنة ثم رفعت يستأنف لها الاجل[1]

امام مالک کا قول ہے کہ اگر عورت بیس۲۰ سال بھی گزار چکے اور بعد میں قاضی کے ہاں معاملہ پیش کرے تو بھی قاضی اس کے لئے نئی مہلت مقرر کرے گا۔ (ت)

اسی میں ہے:

قول مالك ايضًا تستأنف الاربع من بعد اليأس وانها من يوم الرفع[2]

امام مالک کا یہ بھی قول ہے کہ ناامیدی کے بعد چار سال کی نئی مہلت مقرر کی جائے گی اور اس مہلت کی ابتداء قاضی کے ہاں معاملہ پیش ہونے کے بعد ہوگی (ت)

اب کہئے اگر قولِ امام مالک ہی پر عمل کیجئے تو اوّل تو یہاں قاضی مالکی کہاں! اور قاضی حنفی اپنے خلافِ مذہب کیوں حکم دینے لگا! اور دے بھی تو اس کے نفاذ میں دقتیں ہیں، اور نافذ ہو بھی جائے تو ابھی ساڑھے چار برس پڑے ہی یہ کیونکر کٹیں گے! ایسی بے صبری وادعائے بے رزقی کا علاج تو یُوں بھی نہ بنا۔ غرض خلاصۂ مقصد یہ ہے کہ اللہ سے ڈرے، اللہ سے ڈرے، اللہ سے ڈرے۔ اور امرِ فروج کو سہل نہ جانے۔ نہ فقدانِ شوہر کو مرگِ شوہر کے پلّے میں رکھے اور اتباعِ حکم کو اتباعِ رسم سے اہم تر سمجھے اور تصور کرے کہ ہند کی نوجوانیں بیوہ ہوکر کیونکر بسر کرتی ہیں بلکہ یہ بھی درکنار اس دارالفتن ہند پُرمحن میں بہت شریف زادیاں ایسی نکلیں گی جن کے

---

[1] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک عدۃ التی تفقد زوجہا المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۳/ ۱۹۹

[2] ایضاً

خدا ناترس شوہروں نے انھیں، جیتے جی معلقہ کر رکھا ہے نہ تعلق رکھیں نہ قطع کریں، وہ بیچاریاں نہ شوہر والیاں نہ بے شوہروں میں، پھر وہ کیا کرتی اور اپنی عفت، باپ دادا کی عزت، شرع کی اطاعت کیونکر نگاہ رکھتی ہیں۔ قطع خواہش کے لئے روزوں کی کثرت کرے۔ خیالاتِ دل کو یادِ موت وقبر سے لگائے کہ موت کی یاد ہر خواہش ولذت کو بھلادیتی ہے۔ اگر ماں باپ بھائی کے ذریعہ سے گزر کی صورت نہیں، سینے پرونے وغیرہ کاموں سے وقت کاٹے کہ اللہ عزوجل کے یہاں صابروں میں لکھی جائے اور بحکمِ قرآن بے حساب ثواب پائے۔ اقاربِ محارم اگر خبرگیری کرسکتے ہیں تو اللہ تعالٰی کا ثوابِ عظیم لیں، اپنی بیٹی بے شوہر بیوگی نکاحِ غیر کی بلا میں نہ پڑنے دیں۔ عوامِ ہند ذرا ذرا سے فضول و بے جا دُنیوی جھگڑوں پر دختروں خواہروں کو بٹھا رکھتے اور ان کا کل خرچ اپنے پاس سے کرتے ہیں۔ یہ دینی حکم ہے اور اپنی ناموس کے خاص حرام وحلال کا معاملہ اس میں بھی ذرا غیرت وحمیت کو کام میں لائیں اور سمجھ بوجھ کر انجان نہ بن جائیں، وباللہ التوفیق وھوالھادی الٰی سواء الطریق۔ مُریدین: (۱) محدث سورتی صاحب علیہ الرحمۃ (۲) مولانا عبدالمقتدر صاحب بدایونی (۳) مولانا الشاہ احمد حسن صاحب کانپوری (۴) مولانا کرامت اللہ صاحب دہلوی (۵) مولانا الشاہ ہدایت رسول صاحب قادری۔

مسئلہ ۱۰۱: از اجین مرسلہ محمد یعقوب علی خاں ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ

چہ فرمایند علمائے اہلِ حق ومفتیانِ برحق دریں مسئلہ کہ برادر عبداللہ دائمی محبوس گردید عورت خود را طلاق نمی دہد واو بدون شوہر نمی تواند ماند صورت ایں مسئلہ چگونہ است، وشوہر محمودہ نیز از مدت دوازدہ سالہ مفقود الخبر و زوجہ او جوان طاقتے ضبط ندارد لہٰذا موافق مذہب امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہ نزد او شان تفریق در چہار سال صحیح عمل نمودہ در حبالہ نکاح میر تقی دادہ شد بعد از چند روز نکاح شوئے سابق او را مقام ہذا آمدہ بودہ، عورت مستحق او از ہر دو کیست ومہرش بر کہ واجب می شود دریں مسئلہ چہ حکم شرع بیان فرمایند بعبارت کتب مشرح رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

علمائے حق اور مفتیانِ برحق کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ عبداللہ کا بھائی قید دوامی ہوا ہے اپنی عورت کو طلاق نہیں دیتا، اور بیوی کا شوہر کے بغیر گزارہ نہیں، اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟ نیز مسئلہ یہ ہے کہ محمودہ کا شوہر بارہ سال سے مفقود الخبر ہے اس کی بیوی جوان ہے اپنے پر کنٹرول نہیں کرسکتی، لہٰذا امام مالک کے مذہب کے موافق جن کے ہاں چار سال کی مدت پر تفریق صحیح ہے پر عمل کرکے اس عورت کا نکاح میر تقی سے کردیا گیا اور اس نکاح کے چند روز بعد اس عورت کا سابق خاوند وہاں آگیا تو وہ عورت اب کس کی بیوی قرار پائے گی اور مہر کس پر واجب ہوگا، ان دونوں مسئلوں میں شرعی حکم کو کتب کی عبارات سے واضح فرمائیں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ (ت)

الجواب

درصورتِ اولیٰ برادر عبداللہ فرمان آں چنان ست کہ زن را طلاق دہد قال اللہ تعالیٰ فامساك بمعروف اوتسریح باحسان[1] مرد چوں از داشتن بخوبی عاجز آمد گزاشتن بہ نیکی واجب گشت و در اداے ایں واجب اگر طلاق بالفعل ندہد تفویض طلاق نیز کافی ست زیرا کہ مقصود آنست کہ زن از مضرت فتذروھا کالمعلقۃ[2] محفوظ ماند وایں بہ سپردن طلاق بدست زن نیز حاصل ست یعنی زن را بنویسد کہ طلاق تو بدست تو نہادم ہرگاہ کہ خواہی خود را طلاق دہی واز قید نکاح من بدر آئی، نفعش آنست کہ زن مصلحت خود دیدہ کار خواہد کرد خواہ بوفاداری شوہر صبر پیش گرفتن خواہ بناچاری خواہش چارہ دگر جستن اما تا از شوئے افتراق نشود نکاح بادیگرے حرام بود قال اللہ تعالیٰ والمحصنٰت من النساء[3]، ودرصورت ثانیہ زن بلاشبہہ بزوج پیشین دادہ شود، فی ردالمحتار عن شرح المجمع لابن ملك تحت قول الدر، غاب عن امرأته فتزوجت باٰخر و

پہلی صورت میں عبداللہ کے بھائی کے لئے حکم یہ ہے کہ وُہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بیوی کو بھلائی سے پاس رکھو یا نیکی کے ساتھ آزاد کردو، خاوند چونکہ بخوبی پاس رکھنے سے عاجز ہے تو نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا اس پر واجب ہے، اس واجب کی ادائیگی میں اگر بالفعل طلاق نہیں دیتا تو بیوی کو طلاق کا اختیار سونپ دے تو بھی کافی ہے کیونکہ مقصد یہ ہے کہ عورت کو معلق کرکے رکھنے کے ضرر سے بچایا جائے تو یہ مقصد عورت کو اختیار تفویض کرنے سے حاصل ہوجاتا ہے یعنی بیوی کو لکھ دے کہ تیری طلاق تیرے ہاتھ دیتا ہوں تو جب چاہے طلاق اختیار کرلے اور میری قید سے آزاد ہوجا اس کا فائدہ یہ ہے کہ بیوی اپنی مصلحت کے مطابق فیصلہ کریگی خواہ خاوند کی وفاداری میں صبر کرے خواہ مجبوری خواہشات کی بنا پر کوئی دوسرا راستہ اپنالے، تاہم جب تک خاوند سے مفارقت نہ ہوجائے کسی اور سے نکاح حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نکاح والی عورتیں دوسروں کے لئے حرام ہیں۔ اور دوسرے مسئلے میں عورت بلاشبہہ پہلے خاوند کی بیوی ہے اسی کو دی جائے۔ ردالمحتار میں شرح المجمع ابن ملک سے درمختار کے قول، ایک شخص بیوی کو چھوڑ کر غائب ہوگیا

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۲۹
[2] القرآن الکریم ۴/۱۲۹
[3] " " ۴/۲۴

ولدت اولادا، ثم جاء الزوج الاول ما نصہ المرأۃ تود الی الاول اجماعا[1] ومہرے کہ در نکاح اول بستہ بودند خود بر ذمہ شوہر اول است وبریں دوم نیز مہر مثل لازم بشرطیکہ بایں زن بہم آمدہ وجماعش کردہ باشد اما اگر کابینے در نکاح ثانی قرار دادہ اند کم از مہر مثل ست تا آنگاہ ہموں قدر دہند وبرو نیفزایند ورنہ مہر مثل تمام وکمال لازم آید و زیادہ براں بہیچ صورت واجب نشود گو مہر قرار دادہ ایشاں زائد ازو باشد خلاصہ آنکہ ہرچہ از مہر مثل ومہر مسمی کم ست ہموں لازم بود اما وجوب المہر فیما استحل من فرجہا واما ماذکرنا من التقدیر فلظہور فساد النکاح وھذا ھوحکم المہر فی النکاح الفاسد فی الدر المختار یجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطئ فی القبل لا بغیرہ کالخلوۃ لحرمۃ وطئہا ولم یزد علی المسمی لرضاھا بالحط ولوکان دون المسمی لزم مہر المثل لفساد التسمیۃ بفساد العقد[2] بالالتقاط۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اس نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا اور اس سے اولاد ہوگئی پھر پہلا خاوند واپس آگیا' کے تحت نقل کیا، جس کی عبارت یہ ہے کہ عورت پہلے خاوند کو بالاجماع واپس کی جائیگی' اور مہر پہلے خاوند نے جو مقرر کیا وہ پہلے خاوند کے ذمہ ہے اور دوسرے خاوند پر بھی مہر مثل ادا کرنا واجب ہے بشرطیکہ دوسرے نے اس عورت سے جماع کرلیا ہو' لیکن اگر نکاح ثانی میں مہر مثل سے کم مقرر ہوا تو وہی واجب الادا ہوگا اس پر زائد واجب نہ ہوگا ورنہ مقررہ نہ ہونے یا مہر مثل سے زائد مقرر کرنے کی صورت میں صرف مہر مثل ہی کامل ادا کرنا ہوگا اس سے زائد نہ ہوگا غرضیکہ مہر مثل اور مقررہ سے جو بھی کم ہوگا وہی واجب الادا ہوگا، مہر اس لئے دینا ہوگا کہ اس کے بدلے شرمگاہ کو حلال کیا اور بیان کردہ مقدار اس لئے کہ اس ثانی نکاح کا فساد واضح ہوگیا اور نکاح فاسد میں بھی مہر کا حکم اسی طرح ہے' درمختار میں ہے کہ وطی کرنے پر نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے شرمگاہ میں وطی کے بغیر مہر واجب نہیں ہوتا اگرچہ خلوت کرچکا ہو' اور مہر مثل مہر مقررہ سے زائد نہ ہوگا کیونکہ عورت خود اس پر راضی ہوئی اور اگر وہ مہر مقررہ سے کم ہو تو مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ مہر مقررہ کا فساد نکاح کے فساد پر ہوگیا (ملتقطا) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ از بنگال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر عرصہ چار سال سے

---

[1] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۱

[2] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

مفقود الخبر ہے اس کی حیات وموت کی کچھ خبر نہیں ملی اور وہ گھر میں اپنی بی بی کو خورد و نوش بھی نہیں دے گیا ہے اور ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑ گیا ہے جس سے اس کی بیوی کی گزراوقات ہو اور اس بی بی کو کہیں سے قرض دام بھی نہیں ملتا ہے اور وہ بی بی کوئی حرفہ یا پیشہ نہیں جانتی ہے جس سے گزر اوقات ہو یا یہ کہ اس وقت مفقود کی بیوی ایسی جوان ہے کہ انواع انواع کی تکلیف میں مبتلا ہے اور نیز خوفِ زنا بھی ہے، تو ایسی صورت میں اس کو نکاحِ ثانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو بلا عدت گزارے اور بلا حکم قاضی یا حاکم مسلم کسی مولوی یا کم علم سے کہہ دینے سے نکاح دوسرا کر سکتی ہے یا نہیں؟ یا عدت بھی گزارے گی؟ اور عدت کب سے گزارے گی؟ یا اس روز سے عدت محسوب ہوگی کہ جس روز سے شوہر مفقود ہوا ہے؟ یا جس روز سے قاضی نے حکم تفریقِ نکاح کا کیا ہے؟ اور جو شخص فتوٰی اس بات کا لکھے کہ بلا عدت گزارے یا بلا تفریقِ قاضی نکاحِ ثانی ہندہ خود کرے اور یہ کہے کہ جب بعد انقضائے ۴ سال موافق مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مفقود اموات میں شمار ہوا اب اگر قاضی تفریق کرے گا اور مردہ کے واسطے عدت ہے نہ فسخ نکاح، اور جس حالت میں یہ چار سال گزر چکے اب سے عدت کی ضرورت نہیں، اس بنا پر ہندہ کا نکاح بلا تفریق کرائے قاضی اور بلا عدت پوری کرنے وفات کے کسی دوسرے کرادے تو وہ فتوٰی دینے والا مرتکبِ حرام ہوا یا نہیں اور یہ نکاحِ ثانی جائز ہوا یا نہیں اور ایسے فتوٰی لکھنا اس کو درست ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

نکاحِ ثانی حرام ہوا، اور ایسا فتوٰی دینا حرام ہے، ایسے مفتی کو بند کرنا واجب ہے، چار برس گزرنے پر بطورِ خود نکاح کر لینا کسی امام کا مذہب نہیں، امام مالک نے کہ چار برس رکھے ہیں یوں کہ عورت قاضیِ شرع کے حضور نالش کرے وہ بعد ثبوت اپنے یہاں سے آج سے چار برس کی مہلت دے اس سے پہلے اگر بیس برس گزر گئے ہیں اصلاً معتبر نہیں اور ہمارے مذہب میں عورت پر انتظار فرض ہے یہاں تک کہ شوہر کی عمر سے ستّر برس گزر جائیں اگر چالیس برس کی عمر میں مفقود ہوا ہے تو تیس برس انتظار کرے اور ساٹھ برس کی عمر میں دس برس، اس کے بعد اس کی موت کا حکم دیا جائے، اور عورت چار مہینے دس دن عدت کرے پھر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے، یہی مذہب امام شافعی کا ہے اسی طرف انھوں نے رجوع فرمائی، اور یہی قول امام احمد کا ہے، اور دوسرا قول مثل امام مالک ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ اس سوال کی ہولناک باتیں کہ نہ وہ چھوڑ گیا نہ اُس کے پاس کچھ ہے نہ کچھ حرفہ کر سکتی ہے نہ کہیں سے قرض مل سکتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ تمام ذرائع رزق بند ہیں مگر یہ قرآن کے خلاف، رزق اللہ پر ہے نہ کہ شوہر پر علی اللہ رزقہا[1] نہ کہ علی الزوج و من یتق اللہ یجعل لہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۶

مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب[1] اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے راہ نکال دے گا اور اُسے وہاں سے روزی پہنچائے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہوگا۔ صدہا نہیں ہزارہا وہ ہیں کہ ان کے شوہر زندہ بیٹھے ہیں اور اُنھیں معلق چھوڑ رکھا ہے، نہ روٹی کپڑا دیتے ہیں نہ حقوقِ زوجیت ادا کرتے ہیں اب انھیں بھی اجازت دے دو کہ شوہر زندہ بیٹھا ہے اور طلاق ہوئی نہیں جس سے چاہیں نکاح کرلیں یعنی خوفِ زنا سے بچنے کے لئے واقعی زنا کرو۔ خوفِ زنا سے بچنے کا علاج حدیثِ صحیح میں کثرتِ روزہ فرمایا ہے:

ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء[2]۔ اور جو قدرت نہ رکھے اس پر روزہ لازم ہے کیونکہ اس کے لئے شہوت کو روکتا ہے (ت)

اور فرمایا:

ومن استعف اعفه الله[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ جو پارسائی چاہے گا اللہ اسے پارسا بنادے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۹: مرسلہ مولوی نظر محمد صاحب پیش امام جامع مسجد منگانہ ضلع رہتک

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی گمشدہ ہے اور اس کے مرنے کی کوئی معتبر سند نہیں اور نہ کسی نے دیکھا صرف یہ ہُوا کہ ہسپتال میں سکھ تھا یعنی زیرِ علاج تھا وُہ اپنے کپڑے چھوڑ کر گُم ہوگیا انگریزوں نے یہ مشہور کر دیا کہ وُہ مرگیا اور مرا کسی نے نہیں دیکھا اب اس کی بیوی سے دوسرا شخص نکاح کرسکتا ہے یا نہیں عرصہ آٹھ ماہ سے گُم ہے، اور کتنے عرصہ کے بعد نکاح درست ہوگا اور اب جو شخص اس عورت کا نکاح پڑھا دے گا اور گواہ ان کے اوپر کیا الزام آئے گا؟ اس کی پوری پوری معہ حوالہ کتب تصریح فرمادیں اور جو الزام آئے گا ان پر اس سے بری ہونے کا کیا راستہ ہوگا؟

الجواب

اگر تحقیق ہو جائے کہ وہ ہسپتال میں یا کہیں اور مرگیا تو عدّت کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے اور اگر موت ثابت نہ ہو تو جب اس شخص کی پیدائش سے ستر برس گزر جائیں یا زندہ ہوتا تو جس وقت وہ ستر برس کا ہوجاتا اس وقت تک اگر اس کی موت وحیات کا پتا نہ چلے تو اس وقت اس کی موت کا حکم دیا جائے اور عدّت کے بعد

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

[2] مسند امام احمد بن حنبل مروی از عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴۲۴

[3] سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ باب الالحاف فی المسئلۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۳۶۳

عورت نکاح کرسکے گی ورنہ حرام حرام حرام، اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے: والمحصنٰت من النساء[1] (اور خاوند والی عورتیں حرام ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۱ از للت پور مسئولہ محمد بخش، کریم بخش سوداگران ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح اس کی ماں اور سوتیلے باپ نے کردیا تھا بعدہ، لڑکی کا شوہر فوج میں نوکر ہوکر چلاگیا آٹھ سال سے زائد عرصہ ہُوا اور چھ سال سے اس نے نہ کوئی خط بھیجا نہ خرچہ، متواتر خط بھیجے مگر اس کا پتا نہیں کہ مرگیا یا زندہ ہے اور اب لڑکی بالغ ہوگئی ہے اس کے ماں باپ خرچ برداشت نہیں کرسکتے خود لڑکی اور اس کے والدین دوسرا نکاح کرنا چاہتے ہیں لہذا دُوسرا نکاح جائز ہوگا یا نہیں اور اگر پہلا شوہر واپس آجائے تو کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں جس سے نکاح کیا گیا اگر وُہ اس لڑکی کا کفو شرعی تھا یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ کسی بات میں ایسا کم نہ تھا کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے دختر کے لئے باعث ننگ وعار ہو جیسا کہ یہی ظاہر سوال ہے تو نکاح صحیح ہوگیا اور جبکہ لڑکی نے لفور بلوغ خیار بلوغ کا استعمال نہ کیا جیسا کہ یہی مفاد سوال ہے تو اب نکاح لازم ہوگیا، عورت پر فرض ہے کہ اتنی مدت انتظار کرے کہ شوہر اگر زندہ رہے تو ستر برس کامل کا ہوجائے اس وقت تک اگر اس کی موت وحیات کا پتا نہ چلے اس کی موت کا حکم کیا جائے گا پھر عورت چار مہینے دس دن عدت بیٹھے اس کے بعد دُوسرے سے نکاح کرسکتی ہے ورنہ نہیں، پھر اگر اتنی مدت گزرگئی اور عورت نے بعد عدت نکاح کرلیا اس کے بعد شوہر اوّل واپس آیا تو اپنی عورت کو شوہر دوم سے لے لے گا اور دوم سے اگر اولاد ہوچکی ہے تو وُہ اولاد دوم ہی کو دلائی جائے گی صرف عورت شوہر اوّل کو ملے گی، ردالمحتار میں ہے:

لوعاد حیا بعد الحکم بموتہ قال ط رأیت المرحوم ابا السعود نقل عن زوجتہ لہ والاولاد للثانی[2] اھ ما فی ش لکن فی الھندیۃ عن التاتارخانیۃ انہ ان عاد زوجھا حیا بعد مضی المدۃ فھو احق

اگر قاضی کے فیصلہ کے بعد پہلا خاوند واپس آجائے تو طحاوی نے فرمایا: میں نے مرحوم ابوسعود کو نقل کرتے ہُوئے پایا کہ وُہ عورت پہلے خاوند کی بیوی ہوگی اور دوسرے سے اولاد ہو تو وہ دوسرے کی ہوگی، شامی کا بیان ختم ہوا، لیکن ہندیہ میں تاتارخانیہ سے منقول ہے کہ اگر قاضی کی طرف سے مقررہ مہلت ختم

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[2] ردالمحتار کتاب المفقود دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۲

بها و ان تزوجت فلا سبیل له علیها[1] اھ اقول وجه الاول ان تزوجها کان بظن موته و قد بان حیا ولا عبرۃ بالظن البین خطؤہ وھی محصنۃ زید فکیف تسلم لعمرو وجه الثانی ان الشرع حکم بموته بعد مضی المدۃ وحلها للازواج فلا ینقض قضاء الشرع کما لا ینقض قضاء القاضی بل اولٰی لکن قد صرح فی التاتارخانیۃ انه ان عاد حیا و لم تتزوج فھو احق بها، فلو کان حکم الشرع بموته حتما مقضیا لکان الشرع فرق بینھما فکیف یکون احق بها فلیحرر و لیراجع، واللہ تعالٰی اعلم۔

ہونے کے بعد خاوند واپس آئے تو وہی بیوی کا حقدار ہے اور اگر بیوی نے اس صورت میں دوسرا نکاح کرلیا تو پھر پہلے خاوند کو استحقاق نہیں ہے اھ اقول (میں کہتا ہوں) ردالمحتار کے قول کی وجہ یہ ہے کہ خود بیوی نے خاوند کے فوت ہوجانے کا گمان کرکے نکاح کیا تو اب پہلے خاوند کی واپسی پر معلوم ہوا کہ زندہ ہے تو اس صورت میں غلط گمان پر مبنی کارروائی ہے لہذا معتبر نہ ہوگی جبکہ وہ عورت خاوند (زید) کی منکوحہ ہے تو عمرو کے لئے کیسے بیوی بن سکتی ہے، اور دوسرے قول یعنی ہندیہ والے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہاں قاضی کے فیصلہ موت کے بعد کارروائی ہے جوکہ شرعی حکم اور مقررہ مہلت ختم ہونے کے بعد دوسرے نکاح کے لئے حلال قرار دینے پر کارروائی ہے تو یہ شرعی فیصلہ کالعدم نہ ہوگا جیسا کہ قاضی کا فیصلہ کالعدم نہیں ہوتا بلکہ اس سے اولیٰ تر محفوظ ہوگا حالانکہ تاتارخانیہ میں تصریح ہے کہ اگر قاضی کے حکم کے بعد ابھی دوسرا نکاح نہ ہو تو پہلا خاوند ہی حقدار ہوگا۔ اگر مہلت گزرے بغیر محض قاضی کے حکم موت کو ہی قطعی فیصلہ قرار دیا جاتا تو پھر پہلے خاوند سے تفریق شرعی ہوجاتی تو ایسی صورت میں پہلا خاوند کیسے حقدار قرار پاتا، اس کی تنقیح کرلی جائے۔ اور کتب کی طرف مراجعت چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۱ و ۱۱۲: از کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ مسئولہ ابویوسف محمد شریف ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید دس پندرہ سال کی عمر میں ملازم ہوکر کہیں چلاگیا، بیس پچیس سال اس کی تلاش کرتے رہے کچھ پتا نہ چلا، پچیس سال گزرنے کے بعد اس کی زوجہ نے نان نفقہ ضروریات سے تنگ آکر ایک حنفی عالم سے فتوٰی لے کر ایک حنفی شخص حافظ قرآن کے ساتھ نکاح کرلیا، آج بیس سال اس کو نکاح کئے ہوئے اور زید کو گم ہوئے پینتالیس سال ہوگئے ہیں، اب حافظ موصوف کے گھر اس عورت کے بطن سے تین چار لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں، اب ایک حنفی عالم نے فتوٰی دیا ہے کہ حافظ صاحب موصوف کا یہ نکاح بالکل ناجائز ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا ہرگز درست نہیں اور ایک اور عالم حنفی المذہب ان کے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المفقود نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۰۰

پیچھے نماز درست بتاتے ہیں اور مطابق تحقیق شامی و دیگر فقہاء رحمہم اللہ امام مالک کی روایت پر عمل کرلینا بوقتِ ضرورت جائز سمجھ کر نکاح بھی جائز قرار دیتے ہیں، پس آپ اس امر کا فیصلہ فرمائیں:

(۱) کیا حافظ صاحب کا نکاح کسی صورت جائز قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) کیا حنفی کسی وقت کسی حالت میں بھی کسی دوسرے مذہب کی روایت پر عمل نہیں کرسکتا، اگر نہیں کرسکتا تو عبدالحی لکھنوی نے عمدۃ الرعایہ میں جو لکھا ہے کہ اتفاقاً دوسرے مذہب کی روایت پر عمل کرسکتا ہے اس کا کیا مطلب، اور اگر کرسکتا ہے تو یہ نکاح کیوں ناجائز ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مذہب ائمہ حنفیہ وجمہور ائمہ کرام میں زنِ مفقود پر انتظار فرض ہے یہاں تک کہ اتنا زمانہ گزر جائے کہ عادۃً موت مفقود مظنون ہو اور اس کی تقدیر مفتی بہ مؤید بحدیث صحیح یہ ہے کہ روز ولادت مفقود سے ستّر سال گزر جائیں، امام مالک رضی اللہ عنہ بھی دربارہ مال مفقود یہی حکم دیتے ہیں مگر دربارہ زن خلاف کرتے ہیں پھر بھی ہرگز یہ ان کا مذہب نہیں جو آج کل کے جہّال بلکہ بعض مدعیانِ علم نے سمجھ رکھا ہے کہ مفقود ہوئے چار برس گزرے اور عورت بطور خود نکاح کرلے بلکہ اُن کا مذہب یہ ہے کہ زنِ مفقود قاضی شرع کے حضور مرافعہ کرے قاضی بعد تحقیق روزِ مرافعہ سے چار برس کی مہلت اپنی طرف سے دے، عورت یہ دن گزارے اس کے بعد پھر مستغیث ہو اور قاضی بعد تحقیق تفریق کرے، اس کے بعد عورت عدت بیٹھے پھر نکاح کرسکتی ہے، خود امام مالک نے اپنی کتاب مدونہ میں اس کی تصریح فرمائی اور صاف ارشاد فرمایا کہ مرافعہ سے پہلے اگرچہ بیس برس گزر گئے وہ اصلاً شمار میں نہ آئیں گے، آج سے چار برس لئے جائیں گے۔ حنفی وقت تحقق ضرورت صحیحہ اس پر عمل کرسکتا ہے نہ یہ کہ اپنی ایک اختراعی بات پر کہ ہرگز امام مالک کا بھی مذہب نہیں، چلو اور مذہب امام مالک پر عمل کا نام لو، اس کی نظیر یہی ہے کہ مذہبِ حنفی میں زنِ عنین کے لئے حکم ہے کہ قاضی کے حضور مرافعہ کرے قاضی بعد تحقیق اپنی طرف سے ایک سال کامل کی مہلت دے، جب سال گزر جائے اور مطلب حاصل نہ ہو عورت پھر مرافعہ کرے، قاضی بعد تحقیق شوہر کو طلاق دینے کی ہدایت فرمائے، اگر وہ نہ مانے عورت سے پوچھے تُو اپنے نفس کو اختیار کرتی ہے یا شوہر کو؟ اگر وہ فوراً اپنے نفس کو اختیار کرے قاضی ان میں تفریق کردے، عورت عدت بیٹھے اور اب جس سے چاہے نکاح کرلے، تاجیل قاضی سے پہلے اگر بیس برس گزر گئے ہیں ان کا اصلاً لحاظ نہ ہوگا آج سے ایک سال کامل لیا جائے گا۔ کیا اگر کسی عنین کی عورت بطور خود وقت نکاح سے سال بھر کے بعد اسے چھوڑ کر چل دے اور دوسرا نکاح کرلے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس نے مذہب حنفی پر عمل کیا، کیا اس کا یہ نکاح جائز واقع ہوا، حاشا (ایسا نہیں۔ت) ونسأل اللہ العفو والعافیۃ ان تمام مسائل کی تحقیق ہمارے فتاوٰی اور رسالہ اللواء المعقود لبیان حکم امرأۃ المفقود میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

بابُ النّسب

(نسب کا بیان)

مسئلہ ۱۱۳ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید نے ایک بیوہ عورت کو لاعلمی میں معتبر و نیکبخت جان کر اُس کے ساتھ نکاح کیا اور بعد پانچ ماہ کے اس عورت کے بطن سے ایک لڑکی زندہ پُورے دنوں کی سی یعنی اس بچی کے کسی عضو میں کسی طرح فرق نہیں ہے پیدا ہُوئی اور جُملہ عورات و مرد گمان کرتے ہیں کہ ایسا بچہ نکاح کرنے کے بعد پانچ ماہ کا نہیں ہوسکتا بلکہ وہ حمل قیاساً نکاح کرنے سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے اور عورت کا یہ بیان ہے کہ یہ حمل میرے شوہر کا ہے اور زید یعنی خاوند کو کوئی آثار بعد نکاح ڈیڑھ ماہ تک نہیں معلوم ہُوئے جب اُس عورت نے بیان کیا تو معلوم ہُوا اس صورت میں زید اُس عورت کو چھوڑ دے یا رہنے دے اور اگر اپنی بدنامی کا خیال کرکے چھوڑ دے تو دین مہر اُس عورت کا ذمہ زید واجب الادا ہے یا نہیں، اور نکاح عورت سے رہا یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

عورت جو دعوٰی کرتی ہے کہ یہ حمل اسی شوہر سے تھا اگر یُوں کہتی ہے کہ اس کی پیدائش سے چھ مہینے پہلے نکاح ہوگیا تھا، یا چھ مہینے سے زائد بتائے اور اس کے ساتھ قسم بھی کھائے تو اُس کا قول معتبر ہوگا اور یہ لڑکی اسی شوہر کی ٹھہرے گی اور نکاح میں اصلاً خلل نہ آئے گا شوہر اس کی پیدائش اور عورت کے ساتھ اپنے نکاح میں چھ مہینے سے کم فاصلہ بتایا کرے اصلاً نہ سُنا جائے گا اگر اپنے بیان پر گواہ بھی دے گا مسموع نہ ہونگے

بلکہ یوں قرار دیں گے کہ خفیہ نکاح تو اُس عورت کا ہو لیا تھا جس کا عورت دعوٰی کرتی ہے اور اُس کے بعد علانیہ نکاح آپس میں پھر کیا جس کا بیان شوہر اور اس کے گواہ کرتے ہیں، درمختار میں ہے:

لو ولدت فاختلفا فی المدة فقالت المرأة نکحتنی منذ نصف حول وادعی الاقل فالقول لھا وقالا تحلف والولد ابنہ حملا لھا علی الصلاح[1] اھ ملخصًا۔

اگر معتدہ کا بچہ پیدا ہو پھر خاوند بیوی میں مدتِ حمل میں اختلاف ہو عورت کہے چھ ماہ مکمل ہوگئے ہیں کہ تُو نے مجھ سے نکاح کیا ہے، اور خاوند چھ ماہ سے کم مدت کا دعوٰی کرے تو اس صورت میں بیوی کی بات بلاقسم معتبر ہوگی صاحبین کے نزدیک عورت سے قسم لی جائے اور بچہ اس شخص کا قرار پائیگا تاکہ عورت کا معاملہ اصلاح پر رہے اھ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لاتسمع بینتہ ولا بینة ورثتہ علی تاریخ نکاحھا بما یطابق قولہ لانھا شھادة علی النفی معنی فلا تقبل، والنسب یحتال لاثباتہ مھما امکن والامکان ھٰھنا بسبق التزوج بھا سرا بمھر یسیر وجھرا باکثر سمعة ویقع ذٰلک کثیرا[2]۔

خاوند اور اس کے ورثاء کی طرف سے بیوی کے نکاح کے متعلق تاریخ پر گواہی نہ لی جائے گی کہ خاوند سچا ہے کیونکہ معنًی یہ شہادت نفی پر ہے جو مقبول نہ ہوگی، اور نسب کے اثبات کے لئے بقدرِ امکان حیلہ کیا جانا چاہیے اور یہاں موجود ہے ہوسکتا ہے کہ پہلے پوشیدہ طور پر قلیل مہر کے ساتھ نکاح کیا گیا ہو (جیسے بیوی کہتی ہے) اور بعد میں لوگوں کو مطلع کرنے کے لئے اعلانیہ زیادہ مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کیا ہو (جیسے کہ ورثاء اور گواہ کہتے ہیں) اور بہت دفعہ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ (ت)

اس صورت میں اگر زید عورت کو چھوڑ دے گا تمام و کمال مہر جتنا باندھا تھا لازم آئے گا اور اگر عورت مدت مذکورہ بقسم بیان نہیں کرتی بلکہ اسی نکاح کے بعد جب پیدائش دختر تک چھ مہینے نہ گزرے تھے حمل رہنا کہتی ہے یا پیش از نکاح حمل مانتی ہے یا کچھ نہیں کہتی صرف یونہی دعوٰی کئے جاتی ہے کہ یہ دختر اسی شوہر سے ہے تو اس کا کہنا ہرگز مسموع نہ ہوگا اور یہ لڑکی اس شوہر سے ہرگز نہیں ٹھہر سکتی کہ بچہ چھ مہینے سے کم پیٹ میں نہیں رہ سکتا نہ شوہر اول کی ٹھہر سکتی ہے کہ حسبِ بیان سائل اُس کی موت کو چار برس سے زیادہ گزر چکے تھے جب لڑکی پیدا ہوئی اور کوئی بچہ دو برس سے زیادہ پیٹ میں نہیں رہتا، مگر لڑکی ولدالزنا بھی نہ کہی جائیگی

---

[1] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۲

[2] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۲۷

صرف مجہول النسب کہیں گے یعنی باپ معلوم نہیں نہ یہ کہ زنا سے ہونا معلوم ہے کہ ممکن ہے کہ اس شوہر موجود سے پہلے بیوہ نے خفیہ کسی اور سے نکاح کیا ہو یہ حمل اس سے رہا ہو یا کسی شخص نے دھوکے اور شبہہ سے اس عورت کے ساتھ ہمبستری کی ہو یہ لڑکی اُس جماع کی ہو، ان دونوں صورتوں میں لڑکی ولد الزنا نہ ہوگی، اور جب اس حمل کا زنا سے ہونا ثابت نہ ہُوا تو عورت کا نکاح اس شوہر موجود سے فاسد ہوگیا،

ولا یکون باطلا کما یفیدہ کلام البدائع والبحر والھندیۃ وردالمحتار کما بیناہ علی ھامشہ من باب ثبوت النسب لاسیما ھٰھنا فان الزوج لم یکن عالما بحبلھا کما ذکر السائل فلا یتاتی ھٰھنا کلام القنیۃ والمجتبٰی۔

اور باطل نہ ہوگا جیسا کہ بدائع، بحر، ہندیہ اور ردالمحتار کے کلام کا مفاد ہے اور جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ پر ثبوتِ نسب کے باب میں اس کو بیان کیا ہے خصوصاً یہاں کیونکہ خاوند بیوی کے حمل پر مطلع نہ ہُوا جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے، لہذا یہاں قنیہ اور مجتبٰی کا کلام منطبق نہیں ہوتا۔ (ت)

اب شوہر پر لازم ہے کہ عورت کو فوراً چھوڑ دے اس صورت میں اگر زید نے عورت سے صحبت یعنی خاص فرج میں جماع کیا تھا تو مہر مثل و مہر مسمّٰی سے جو کم ہے وہ دینا آئے گا یعنی یہ دیکھیں گے کہ مہر بندھا کتنا تھا اور اس عورت کا مہر مثل کیا ہے ان دونوں میں جو کم ہے وہ دیا جائے گا، ردالمحتار میں ہے،

فی الزیلعی وغیرہ لو ولدت المنکوحۃ لاقل من ستۃ اشھر مذ تزوجھا لم یثبت النسب لان العلوق سابق علی النکاح ویفسد النکاح لاحتمال انہ من زوج اٰخر بنکاح صحیح او بشبھۃ[1]

زیلعی وغیرہ میں ہے کہ اگر منکوحہ نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچے کو جنم دے تو خاوند سے نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ نطفہ کا استقرار نکاح سے قبل ہوا، اور نکاح اس احتمال کی بنا پر فاسد قرار پائیگا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ نطفہ کسی دوسرے صحیح نکاح یا شُبہہ نکاح سے ٹھہرا ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یجب مھر المثل فی نکاح فاسد بالوطئ فی القبل لابغیرہ کالخلوۃ ولم یزد مھر المثل علی المسمی ولو

فاسد نکاح میں مہر مثل تب واجب ہوگا جبکہ خاوند نے شرمگاہ میں وطی کی ہو، وطی کے علاوہ کسی اور طریقہ سے مثلاً خلوت سے واجب نہ ہوگا، اور یہ مہر مثل

---

[1] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۲

کان دون المسمی لزم مہر المثل[1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مقررکردہ مہر سے کم ہو تو مہر مثل ہی لازم ہوگا اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۱: از چاٹگام ملک بنگالہ مرسلہ شیخ اصغر علی محلہ قطب دیا ۲۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۱ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ زن دوشیزہ راکہ ہنوز بحبالۂ نکاح کسے نیامدہ است فرزندے آمد زن میگوید کہ بخواب دیدم کہ مردے با من بہم شد احتلام کردم و بار گرفتم ایں پسر ازاں ست دریں صورت قولش مقبول شود یا نہ و پسر را ولد الزنا دانند یا چہ؛ بیّنوا توجروا۔

آپ حضرات (رحمکم اللہ تعالٰی) کا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ میں کہ ایک نوجوان کنواری لڑکی نے بچے کو جنم دیا ہے اور وہ یہ کہتی ہے کہ میں نے خواب میں ایک مرد کو اپنے ساتھ دیکھا جس کی وجہ سے مجھے احتلام ہُوا اور یہ بچہ اس حمل سے پیدا ہُوا ہے، کیا اس صورت میں اس لڑکی کی بات تسلیم کی جائے گی یا نہیں اور اس بچے کو ولد الزنا کہا جائے گا یا نہیں۔ بینوا توجروا (ت)

الجواب

ہیچ سخنے بے معنی ہیچ گونہ قابل پذیرائی نیست کہ بجماع خواب بار آور شدن محال عادی ست ہمچنانکہ پسر بے پدر بوجود آمدن فی میزان الامام العارف الشعرانی ان الولد لایتخلق الامن ماء الرجل والمرأۃ معا و تخلق الولد من ماء واحد من خصائص عیسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام[2] اگر امثال ایں دعاوی بگوش قبول آید در فتنہ عظیمہ بر روئے مسلمانان کشاید زنان بے قید ہرچہ خواہند کنند وہنگام مواخذہ ہمچو اکاذیب واضحہ چنگ زنند کما قال الامام الاجل سیدنا مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فیما ھو اظہر د

ایسی بے معنی بات کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہوسکتی کہ خواب میں جماع کی وجہ سے حمل کا ٹھہرنا اور ایسے ہی بغیر باپ بچہ پیدا ہونا محال عادی ہے، امام عارف شعرانی نے میزان میں فرمایا کہ بچہ مرد اور عورت کے مشترکہ نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور صرف ایک کے نطفہ سے بچہ کا پیدا ہونا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ہی خصوصیت ہے، اگر ایسی بات تسلیم کرلی جائے تو مسلمانوں میں عظیم فتنہ پیدا ہوجائے اور عورتیں جو چاہیں گی کرتی رہیں گی اور مواخذہ کے وقت ایسے جھوٹ گھڑنا شروع کردیں گی، جیسا کہ امام اجل سیدنا مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا یعنی جن کا کسی انسان عورت سے نکاح کے بطلان کے متعلق

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

اقرب من هذا اعنی نکاح الجنی انسیة انی اکرہ اذا وجدت امرأة حاملا قیل لها من زوجك قالت من الجن فیکثر الفساد فی الاسلام بذلك[1] رواہ ابو عثمٰن بن سعید بن العباس الرازی فی کتاب الالهام والوسوسة قال حدثنا مقاتل عن سعید بن داؤد الزبیدی فذکرہ وفیہ قصة اوردہ سیدی احمد الحموی فی الغمز[2]

اما آنکہ در ہچو صورت زن را زانیہ و پسر را زنا زادہ گویند یا نہ روایت بدائع مفید اول ست

فی الدر المختار لو تزوجت معتدة بائن فولدت لاقل من الاقل مذ تزوجت ولاکثر منهما مذ بانت لم یلزم الاول ولا الثانی والنکاح صحیح[3] اھ ملتقطا، قال الشامی صحیح ای عندهما وعند ابی یوسف فاسد لانہ اذا لم یثبت من الثانی کان من الزنا، ونکاح الحامل من الزنا

زیادہ واضح اور ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ جب کسی عورت کو حاملہ پایا جائے تو اس سے پوچھا جائے کہ تجھ سے کس نے قربت کی ہے تو وہ کہے کہ میرا نکاح جن سے ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ حمل ہے مجھے یہ بات زیادہ ناپسند اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے اسلام میں عظیم فتنہ وفساد برپا ہو جائے گا، اس کو ابو عثمان بن سعید بن عباس نے کتاب الالہام والوسوسہ میں روایت کیا ہے اُنھوں نے یوں بیان کیا کہ مجھے مقاتل نے سعید بن داؤد زبیدی سے بیان کیا ہے اور اس میں ایک قصہ ہے جس کو سید احمد حموی نے غمز میں ذکر کیا ہے بہرحال ایسی صورت میں اس عورت کو زانیہ اور بچے کو ولد الزنا کہا جائے یا نہ، بدائع کی روایت پہلے احتمال یعنی عورت کو زانیہ اور بچے کو ولد الزنا قرار دینے کے لئے مفید ہے، درمختار میں ہے کہ اگر بائنہ طلاق والی معتدہ دورانِ عدت نکاح کرے اور نکاح کے بعد چھ ماہ سے قبل بچے کو جنم دے یا طلاق بائنہ کے دو سال بعد بچہ جنے تو وہ نسب نہ پہلے خاوند اور نہ دوسرے خاوند کے لئے ثابت ہوگا جبکہ نکاح صحیح قرار پائے گا اھ ملتقطا، اس پر علامہ شامی نے کہا کہ یہ نکاح امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک صحیح ہوگا اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک فاسد ہوگا کیونکہ جب دوسرے خاوند کا

---

[1] المیزان الکبرٰی باب حکم الزنا مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۵۹

[2] الاشباہ والنظائر بحوالہ ابو عثمان فی کتاب الالہام والوسوسۃ احکام الجن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۴۹-۵۰

[3] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۳

صحیح عندھما لاعندہ کما فی البدائع[1] وروایت امام زیلعی وغیرہ مفید ثانی ست وہمین است اظہر من حیث الدلیل وہمدرین ست احتیاط جمیل دریچو امر جلیل چہ می رسد کہ زن پنہانی عقد زن وشوئی باکسے بستہ یا بوطی شبہہ مبتلا گشتہ باشد حالا بوجہ حیا وتستر می پوشد بسخنے باطل می کوشد آری مجہول النسب خوانندش یعنی پسرے کہ پدرش معلوم نیست ففی رد المحتار فی الزیلعی وغیرہ لوولدت المنکوحۃ لاقل من ستۃ اشہر منذ تزوجہا لم یثبت النسب لان العلوق سابق علی النکاح ویفسد النکاح لاحتمال انہ من زوج اٰخر بنکاح صحیح[2] او بشبہۃ وپیش ازاں بعد نقل کلام بدائع فرمود تبعہ فی البحر ولم یظہرلی وجہہ لانہ اذا لم یثبت من واحد منہما، علم انہ من غیرہما ولایلزم ان یکون من الزنا لاحتمال کونہ بشبہۃ، ولا یصح النکاح الااذا علم انہ من زنا ففی الزیلعی وغیرہ الٰی اٰخرہ فلیتامل[3] اھ، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

نسب بھی ثابت نہ ہُوا تو حمل زنا سے ہوگا جبکہ زنا سے حاملہ کا نکاح امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک صحیح ہوتا ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک فاسد ہوتا ہے بدائع میں یونہی مذکور ہے اھ، اور امام زیلعی وغیرہ کی روایت دوسرے احتمال یعنی زانیہ اور ولدالزنا نہ کہنے کو مفید ہے جبکہ دلیل کے اعتبار سے بھی یہی زیادہ واضح ہے نیز ایسے عظیم معاملہ میں احتیاط کی خوبی بھی اسی میں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس عورت نے خفیہ نکاح کیا یا شُبہہ میں اس سے کسی نے وطی کرلی ہو اور اب حیا وشرم کی وجہ سے وُہ پردہ پوشی کررہی ہو اور غلط بیانی سے کام لے رہی ہو اس لئے بچّے مجہول (یعنی ایسا بچہ جس کا باپ معلوم نہ ہو) قرار دینا ہی مناسب ہے، ردالمحتار میں ہے کہ زیلعی وغیرہ میں ہے کہ اگر کسی منکوحہ نے نکاح کے بعد چھ ماہ پُورے ہونے سے قبل بچّے کو جنم دیا تو اس خاوند سے بچّے کا نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ یہ نطفہ نکاح سے قبل کا ہے اور یہ نکاح فاسد قرار پائے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ حمل کسی دوسرے شخص سے نکاح صحیح یا شُبہہ سے وطی کے ساتھ ٹھہرا ہُوا، انھوں نے اس سے قبل بدائع کا کلام نقل کرکے فرمایا کہ بحر میں بدائع کی اتباع کی ہے جبکہ مجھے بدائع کے کلام کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی کیونکہ ایسی صورت میں جب بچّے کا نسب نہ پہلے خاوند سے ثابت ہوا اور نہ ہی دوسرے

---

[1] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۲

[2] " " " " " " " ۲/۳۳-۶۳۲

[3] " " " " " " " ۲/۶۳۲

سے ، تو ظاہر ہے کہ دونوں کے علاوہ کسی غیر کا ہے اور وہ غیر ضروری نہیں کہ زنا ہو ، ہوسکتا ہے کہ یہ حمل وطئ بالشبہہ کی وجہ سے ہوا ہو ، اور یہ نکاح صحیح نہ ہوگا مگر جب معلوم ہوجائے کہ یہ حمل زنا سے ہے ، پھر زیلعی وغیرہ کا گزشتہ کلام آخر تک ہے ، پس اس میں غور کرنا چاہئے اھ ، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۵ ۴ ربیع الآخر شریف ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ مجیدن ساکنہ بدایوں عرصہ ۲۲ سال ہُوا کہ اپنے گھر سے بھاگ کر خدا معلوم کہاں کہاں رہی بعد دو برس کے معلوم ہُوا کہ نوکری آیاگیری کرلی چنانچہ وہاں کا حمل بھی رہا اور دعوٰی ایک انگریز پر اُس حمل کا کیا پھر بریلی میں مسمی اسدعلی خاں سے ملاقات کرلی اور اُس حمل کو اسدعلی خاں کے یہاں وضع کیا ، بعد وضع کے ایک ماہ اور رہی ، اور پھر بچہ چھوڑ کر بھاگ گئی ، اور نوکری آیاگیری کرلی ، وہاں اسدعلی خاں بھی پہنچے اور چند سال کے بعد وہیں انتقال کیا ، وہ عورت بعد انتقال اسدعلی خاں کے آوارہ پھرتی رہی اور کئی بچے پیدا ہو ہو کر مرگئے ، اُن میں سے ایک لڑکا پندرہ برس کا اور ایک سال بھر کا موجود ہے ، جس مدت میں کہ اسدعلی خاں سے ملاقات تھی پردہ میں ہرگز نہیں رہی اس کے نکاح کا کوئی گواہ کامل نہیں۔ ممّن میاں بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب اسدعلی خاں کو بہت غیرت دلائی تو کہا کہ میں نے نکاح کرلیا ہے۔ چندا میاں بیان کرتے ہیں کہ میرے سامنے ہُوا تھا اُس کی عمر اس وقت تیس برس کی ہے اور بوقت نکاح کے دس برس کی تھی کیونکہ اس واقعہ کو بیس برس پُورے ہوگئے تو اُن کی شہادت بوقت نابالغی کی ہے اور جو لڑکا کہ پندرہ یا سولہ برس کا ہے اُس کو اسدعلی خاں کا بتاتے ہیں ، پس اس صورت میں استفسار ہے کہ یہ عورت بدایوں والے خاوند کے نکاح میں رہی یا نہیں ، اور ممّن میاں جو اسدعلی خاں کے قول کو نقل کرتے ہیں یہ نقل کرنا قول کا شہادت عقد کا کام دے سکتا ہے یا نہیں ، اور چندا میاں شخص واحد نابالغ کی شہادت معتبر ہے یا نہیں اور وہ لڑکا جو اسدعلی خاں کا بتاتے ہیں اُن کا ہے یا نہیں ، ہاں زمانہ قرار نطفہ اُن کی حیات کا زمانہ ہے اور درصورت ثبوت نکاح کے وُہ لڑکا وارث ترکہ اسدعلی خاں کا ہے یا نہیں ؟ فقط بیّنوا بسند الکتاب توجروا فی یوم الحساب۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں مجیدن بدستور اپنے شوہر بدایونی کے نکاح میں ہے کہ آوارگی وبدکارگی مزیل نکاح نہیں ،

لحدیث ابی داؤد والنسائی ابوداؤد اور نسائی کی حدیث میں ہے خاوند

قال انی احبها قال فامسکھا[1] وفی الدرالمختار عن القنیۃ لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ[2]۔

نے کہا مجھے بیوی سے محبت ہے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تو اسے پاس رکھ لے۔ اور درمختار میں قنیہ سے منقول ہے فاجرہ بیوی کو طلاق دینا خاوند پر واجب نہیں ہے۔ (ت)

اور شہادت مذکورہ ناکافی ہے کہ نکاح میں جب ایک گواہ معاینہ اور ایک اقرار بیان کرے تو یہ اختلاف شرعاً موجبِ ردِّ شہادت ہے،

فی الخانیۃ ثم الھندیۃ لوکان المشھود بہ، قولا لایتم الا بفعل، کالنکاح واختلف الشھود فی المکان والزمان اوفی الانشاء والاقرار لاتقبل شہادتھم[3] اھ وفی جامع الفصولین لواختلف الشاھدان بان شھد احدھما علی الانشاء، والاٰخر علی اقرار فی فعل کجنایۃ اوقول ملحق بالفعل کنکاح یمنع

خانیہ پھر ہندیہ میں ہے جس کے متعلق گواہی دی جارہی ہو وہ ایسا قول ہو جو فعل کے بغیر تام نہ ہو، مثلاً نکاح، تو وہاں گواہوں کا مکان یا زمان یا اس کے انشاء یا اقرار میں اختلاف ہو تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی اھ، اور جامع الفصولین میں ہے اگر دو گواہوں کا کسی فعل کے متعلق اختلاف ہو کہ ایک نے انشاء اور دوسرے نے اقرار کی گواہی دی مثلاً جنایت یا اختلافِ شہادت اس قول سے متعلق جو فعل پر تام ہو، مثلاً نکاح، تو ان کا یہ

---

[1] سنن ابوداؤد — کتاب النکاح — آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۰
سنن النسائی — تزویج الزانیۃ ۲/ ۱۷ و باب ماجاء فی الخلع ۲/ ۱۰۷ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] درمختار — فصل فی المحرمات — مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۰ و ۲/ ۲۵۴

[3] فتاوٰی قاضی خاں — فصل الشہادۃ التی تخالف الدعوٰی — نولکشور لکھنؤ ۴/ ۵۴۹
فتاوٰی ہندیہ — الباب الثامن فی الاختلاف بین الشاہدین — نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

ف: سنن ابوداؤد کے الفاظ یوں ہیں: ان امرأتی لا تمنع ید لامس قال غربھا قال اخاف ان تتبعھا نفسی قال فاستمتع بھا، اور سنن النسائی ص ۱۰۷ پر بھی یہی الفاظ ہیں جبکہ ص ۱۷ پر الفاظ یُوں ہیں: ان عندی امرأۃ ھی احب من الناس الی وھی لا تمنع ید لامس قال طلقھا قال لااصبر عنھا قال استمتع بھا۔ نذیر احمد سعیدی

قبول الشھادۃ[1] اھ ملخصا وفیہ من الفصل ۱۱ من اختلاف الدعوی والشھادۃ لو شھد احدھما بنکاح والاخر باقرار بہ لا یقبل کغصب[2]۔

یہ اختلاف شہادت کے قبول کرنے کے لئے مانع ہوگا اھ ملخصاً اسی میں فصل ۱۱ اختلاف دعوٰے و شہادت سے ہے کہ ایک نے نکاح اور دوسرے نے اس کے اقرار پر شہادت دی تو یہ مقبول نہ ہوگی جیسا کہ غصب میں بھی یہی حکم ہے۔ (ت)

پس جبکہ شوہر کا فراش صحیح ثابت اور اسد علی خاں کے نکاح کا اصلاً ثبوت نہیں کہ بر تقدیر تزوج بحالت ناواقفی از نکاح غیر فراش فاسد حقیقی ٹھہر کر فراش صحیح حکمی پر بربنائے روایت مفتی بہا ماخوذ للامام الثانی مرجح رہی، کما حققہ فی الدرالمختار واوضحہ فی ردالمحتار (جیسا کہ درمختار میں اس کی تحقیق کی ہے اور ردالمحتار میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ ت) تو بحکم حدیث صحیح متواتر الولد للفراش وللعاھر الحجر (بچّے کا نسب نکاح والے کے لئے ہے اور زانی کے لئے محرومی ہے۔ ت) وہ لڑکا شرعاً اسی بدایونی کا قرار پائے گا مالم ینف لعانا (جب تک لعان سے نسب کی نفی نہ کرے۔ ت) اسد علی خاں سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا کہ اس کا وارث ہوسکے واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۱۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورت بعد وفات اپنے شوہر کے کس قدر ایام تک نکاح کرنے سے ممنوع ہے اگر درمیان عدت کے عورت مذکور کے ساتھ کوئی شخص نکاح کرلے تو وہ نکاح صحیح ہے یا نہیں اور اولاد جو نکاح مذکور کے بعد پیدا ہوگی وہ صحیح النسب سمجھی جائیگی یا کیسے؟ بیّنوا مع حوالۃ الکتاب۔

الجواب

اگر حامل ہے تو وضع حمل تک ورنہ چار مہینے دس دن تک نکاح نہیں کرسکتی کما ھو منصوص فی القرآن العزیز (جیسا کہ اس کے بارے میں قرآن کریم میں نص وارد ہوئی ہے۔ ت):

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا[3]۔

اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔ (ت)

---

[1] جامع الفصولین فصل ۱۱ فی الاختلاف بین الدعوٰی والشہادۃ الخ اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی ۱/۱۶۴-۱۶۳

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/۱۶۵

[3] القرآن الکریم ۲/۲۳۴

عدت کے اندر نکاح مطلقاً ناجائز ہے، ہاں اگر شوہر کو معلوم نہ تھا کہ دوسرے کی عدت میں ہے نادانستگی میں نکاح کرلیا تو اولاد صحیح النسب سمجھی جائے گی اور دانستہ اس حرام خالص کا مرتکب ہُوا تو قنیہ و مجتبٰی و بحرالرائق وغیرہا کا مقتضی یہ ہے کہ اولاد ولدالزنا ہو، ردالمحتار میں ہے:

فی البحر عن المجتبٰی ان نکاح منکوحۃ الغیر و معتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃ ان علم انہا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا ولھذا یجب الحد مع العلم بالحرمۃ لانہ زنا کما فی القنیۃ وغیرہا[1]۔

بحر میں مجتبٰی سے ہے اگر غیر شخص کی منکوحہ یا معتدہ کو جانتے ہوئے کسی نے اس سے نکاح کے بعد جماع کیا تو اس سے عورت پر عدت لازم نہ ہوگی کیونکہ کسی نے بھی اس کو جائز نہیں کہا اس لئے یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا اس لئے جان بوجھ کر ایسا کرنے والے پر زنا کی حد واجب ہوگی کیونکہ یہ زنا ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

مگر تحقیق یہ ہے کہ اس صورت میں حتی الامکان اولاد شوہر اول کی ٹھہرے گی جبکہ اس کی موت سے دو برس کے اندر ہوئی ہو اور اگر دو برس کے بعد ہوئی تو شوہر ثانی کی قرار دیں گے جبکہ نکاح و وطی سے چھ مہینے بعد ہُوئی ہو اور اگر اول کی موت کو دو سال کامل ہو چکے تھے، اور دوسرے کے نکاح و وطی کو ابھی چھ مہینے نہ ہوئے تو اسے مجہول النسب کہیں گے۔ فی البحر عن البدائع (بحر میں بدائع سے منقول ہے۔ ت)

فان علم وقع الثانی فاسدا فان جاءت بولد فان النسب یثبت من الاول ان امکن اثباتہ منہ بان جاءت بہ لاقل من سنتین منذ طلقھا الاول اومات[2]۔

یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ یہ عورت غیر کی عدت میں ہے اگر کسی نے اس سے نکاح کرلیا تو نکاحِ ثانی فاسد ہوگا، پھر اگر وہ عورت بچہ جنے تو بچے کا نسب پہلے خاوند سے قرار دیا جائے گا اگر اس سے ثابت کرنا ممکن ہو، مثلاً یُوں کہ پہلے خاوند کی طلاق یا اس کی موت سے دو سال کے اندر بچہ پیدا ہو تو نسب پہلے کا قرار دیا جائیگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

امااذالم یمکن بان جاءت بہ لاکثر من سنتین منذ بانت ولستۃ اشھر

لیکن جب ایسا ممکن نہ ہو مثلاً بچے کی پیدائش طلاق بائنہ سے دو سال بعد اور دوسرے نکاح سے چھ ماہ

---

[1] ردالمحتار — باب العدۃ — داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۷

[2] بحرالرائق — باب ثبوت النسب — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۵۸

منذ تزوجت فھو للثانی کما فی البحر عن البدائع[1] واللہ تعالٰی اعلم

پُورے ہونے پر ہُوئی تو اس صورت میں بچہ دوسرے کی طرف منسوب ہوگا جیسا کہ بحر میں بدائع سے منقول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲ جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق بائن دی جو اُس کے پاس بعد نکاح کے پندرہ روز رہی تھی مگر مرد نے خلوت ساتھ اس کے نہیں کی، دو اشخاص درمیانیوں نے کہ جو پُورے طور پر اس حال سے واقف تھے اسی روز رشوت لے کر دوسرے شخص سے نکاح اس عورت کا کرادیا، بعد ایک سال کے اُس عورت سے ایک لڑکا پیدا ہُوا، اُس وقت خاوند کو معلوم ہوا کہ ایامِ عدت پُورے ہونے سے پہلے نکاح ہوگیا تھا، اب وُہ لوگ جنھوں نے اُس شخص کا نکاح دھوکے سے کرادیا تھا کہتے ہیں کہ یہ نکاح جائز نہیں، عورت کا از روئے شرع شریف کے نکاح جائز ہُوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہُوا تو کیا حکم کرانے والوں کے واسطے معہ زوجہ وزوج کے اور اس لڑکے کے واسطے؟ آیا حرام ہے یا نہیں؟ فقط، بیّنوا توجروا۔

الجواب

خلوت کے معنی یہ ہیں کہ مرد وعورت دونوں تنہا ایک مکان میں تھوڑی دیر اکٹھے ہُوئے ہوں جہاں مباشرت سے کوئی مانع نہ ہو اگرچہ مباشرت واقع نہ ہو۔ اگر خلوت بایں معنٰی ان مرد وزن میں نہ ہوئی تھی کہ مرد نے طلاق دے دی تو عورت پر اصلاً عدت لازم نہ ہُوئی، اُسی وقت اُس سے نکاح کرلینا جائز تھا، اس تقدیر پر دوسرا نکاح کہ اس عورت نے کیا جائز ہوا، اور اولاد ولد الحلال ہے، ہاں اگر ایسی خلوت ہوگئی تھی اور پھر طلاق ہُوئی اور عورت نے عدت نہ کی تو نکاح ثانی حرام قطعی ہُوا اور جتنے لوگ اس سے واقف ہو نکاحِ ثانی میں شریک وساعی ہُوئے سب حرامِ عظیم میں مبتلا ہوئے، شوہر دوم کو اگر اطلاع نہ تھی کہ یہ عورت مطلقہ ہے اور ہنوز عدت نہیں گزری ہے بلکہ بعد ولادتِ پسر اطلاع ہُوئی جیسا کہ بیانِ سائل ہے جب تو یہ بچہ بلاشُبہہ ولد الزنا نہیں، اور اگر وُہ بھی آگاہ تھا اور دانستہ اس امر کا مرتکب ہُوا تو بھی بچہ حرامی نہیں، فرق اتنا ہے کہ پہلی صورت میں شوہر ثانی کا بچہ قرار پائے گا اور دوسری صورت میں شوہرِ اوّل کا۔ درمختار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۳

تزوجت معتدۃ بائن فولدت لاقل من سنتین منذ بانت ولنصف حول منذ تزوجت عن البدائع انہا للثانی معللا بان اقدامہا علی التزوج دلیل انقضاء عدتہا، حتی لو علمہ بالعدۃ فالنکاح فاسد وولدھا للاول اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔

بائنہ طلاق کی عدت والی نے نکاح کرلیا پھر اس نے بائنہ طلاق کے وقت سے دو سال کے اندر اندر دوسرے نکاح سے چھ ماہ کے بعد بچے کو جنم دیا، تو بدائع سے منقول ہے کہ یہ بچہ دوسرے کا ہوگا، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا عورت کا دوسرے نکاح کے لئے اقدام کرنا عدت ختم ہونے کی دلیل قرار دی جائیگی حتی کہ اگر مرد و عورت دونوں کو معلوم ہو کہ عدت ابھی باقی ہے، تو یہ نکاح فاسد ہوگا، اور بچہ پہلے خاوند کا قرار دیا جائے گا، ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۸: ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو یہ کہہ کر نکال دیا کہ عورت خراب اور بدکار ہے، پس وُہ عورت مذکورہ ایک مدت آوارہ طور پر پھرا کی اب زید نے اُس عورت کو اپنے مکان میں لاکر رکھ لیا، مکان میں داخل ہونے کے تین ماہ بعد دختر پیدا ہُوئی، اس صورت میں اوّل تو یہ کہ زید کا نکاح نکاح رہا یا نہیں؛ دُوسرے یہ کہ وُہ لڑکی زید کی قرار دی جائے گی یا حرام کی؛ کیونکہ ایامِ آوارگی میں کبھی زید کے پاس نہیں آئی، اور اب زید نے جو اُس عورت کو پھر رکھا ہے نکاح کرے یا نہیں؟ اور زید عورت کے نکال دینے پر اور پھر رکھ لینے پر از روئے شرع شریف مستوجب کسی سزا ہے؟

الجواب

صرف نکال دینے سے زید کے نکاح میں کچھ فرق نہ آیا، لڑکی زید ہی کی قرار پائے گی اگرچہ ایامِ آوارگی میں یہ عورت کبھی زید کے پاس نہ آتی اور مکان میں واپس آتے ہی اُسی دن لڑکی پیدا ہوجاتی۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بچے کا نسب نکاح والے سے ہوگا اور زانی کو محرومی ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۳

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹

زید کو دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں پھر رکھ لینے میں اس پر کوئی الزام نہیں، ہاں نکال دینا اگر بلاوجہ شرعی تھا تو گنہ گار ہُوا، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا دادا پٹھان تھا، دادی اور والدہ سیدانی۔ اس صورت میں زید سید ہے یا پٹھان؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

شرع مطہر میں نسب باپ سے لیا جاتا ہے جس کے باپ دادا پٹھان یا مغل یا شیخ ہوں وہ اُنھیں قوموں سے ہوگا اگرچہ اُس کی ماں اور دادی سب سیدانیاں ہوں، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا ہے:

من ادعی الی غیرابیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین لایقبل اللہ منہ یوم القیمۃ صرفا ولاعدلا[1]۔ ھذا مختصر۔

جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو نسبت کرے اس پر خود اللہ تعالیٰ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا نہ فرض قبول کرے نہ نفل۔ مختصراً۔

بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وغیرہم نے یہ حدیث مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کی ہے، ہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت خاص امام حسن وامام حسین اور اُن کے حقیقی بھائی بہنوں کو عطا فرمائی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کہ وُہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے ٹھہرے پھر اُن کی جو خاص اولاد ہے اُن میں بھی وہی قاعدہ عام جاری ہُوا کہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوں اس لئے سبطین کریمین کی اولاد سید ہیں نہ کہ بناتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد کہ وہ اپنے والدوں ہی کی طرف نسبت کی جائیں گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۲۰

از نجیب آباد ضلع بجنور محلہ نواب پورہ مرسلہ نیاز اللہ خاں ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

حضور لامع النور عالم ظاہر و باطن ومعقول ومنقول جناب فیض مآب مفتی محمد احمد رضا خاں صاحب دام فیوضہم، عالیجاہ! عرض یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا مدت تک پھر اُسی کی زندگی میں اس کی بیٹی سے بھی حرام کیا، یہاں تک کہ دس برس تک اُسے گھر میں ڈال کر پردہ میں رکھ کر حرام کرتا رہا، چار بچے پیدا ہوئے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا، وہ پرورش پاگئے، اور یہ عورت منکوحہ جس کی یہ اولاد حرامی موجود ہے

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۴ مروی از عمرو بن خارجہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/۳۴

دوسرے شخص کی منکوحہ تھی اُس کے پاس سے بھاگ کر زانی کے پاس رہنے لگی، خاوند اس کو لینے آیا، خلق بیان کرتی ہے کہ خاوند نے اس فعل کو دیکھ کر برادری کے سبب سے طلاق دے دی واللہ اعلم بالصواب و الغیب عنداللہ اب وُہ شخص زنا سے توبہ کرکے نکاح میں لانا چاہتا ہے، آیا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور درصورت ناجائز ہونے نکاح کے وہ عورت مع اُن بچوں کے نکال دی جائے گی یا بچے اُس سے وُہ شخص پرورش کرنے کے لئے لے گا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صُورتِ مستفسرہ میں اگر شوہر نے اُسے طلاق بھی دی ہو تاہم زانی سے نکاح نہیں ہوسکتا کہ جب یہ اُس کی ماں سے زنا کرچکا، بیٹی ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہوگئی،

فی الدرالمختار حرم اصل مزنیۃ وممسوسۃ بشھوۃ، والمنظور الی فرجھا الداخل وفروعھن[1] اھ ملخصًا۔	درمختار میں مزنیہ اور جس عورت کو شہوت کے ساتھ مَس کیا اور وُہ جس کی شرمگاہ کے داخل حصّہ کو شہوت سے دیکھا ہو ان عورتوں کے اصول وفروع حرام ہوجائیں گے اھ ملخصًا (ت)

اور جبکہ معلوم ہے کہ اُس زانی نے اب تک اُس سے نکاح نہ کیا تھا اب زنا سے توبہ کرکے نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ بچے اس شخص کے کسی طرح نہیں ٹھہر سکتے بلکہ اگر شوہر نے طلاق نہ دی یا طلاق سے پہلے یا اُس کے بعد چھ مہینے کے اندر تک یہ اولادیں پیدا ہوئیں تو سب شوہر ہی کی قرار پائیں گی اور زانی کے لئے پتھر۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بچے کا نسب نکاح والے سے ہوگا اور زانی کو محرومی ہے (ت)

اور طلاق سے چھ مہینے یا زائد کے[عہ] رجعی تھی اور بچہ اُس وقت ہوا کہ عورت نے ہنوز عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا تھا یا اقرار ایسے وقت کیا تھا کہ اتنی مدت میں عدت کا گزر جانا محتمل نہیں یعنی امام کے نزدیک طلاق کو دو مہینے اور صاحبین کے نزدیک انتالیس۳۹ دن نہ گزرے تھے یا اقرار کے وقت تو گزرنا محتمل تھا مگر بعد کو اس کا

عہ مسودہ میں بیاض ہے۔

---

[1] درمختار | فصل فی المحرمات | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۸۸

[2] صحیح البخاری | باب الولد للفراش حرۃ کانت اوامۃ | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۲/۹۹۹

کذب ظاہر ہوا کہ جو وقت اُس نے انقضائے عدت کا بتایا تھا اُس سے چھ مہینے کے اندر بچّہ ہُوا تو ان صورتوں میں پہلا بچہ جو بعد طلاق ہُوا ہے علی الاطلاق شوہر ہی کا ٹھہرے گا اگرچہ طلاق سے بیس برس بعد پیدا ہوا کہ طہر کے لئے زیادت کی جانب کوئی حد مقرر نہیں، ممکن ہے کہ تین حیض تیس برس میں آئیں تو انقضائے عدت نہ فی نفسہٖ ثابت ہُوا نہ عورت کے اقرار مقبول سے، لاجرم اس کا پیٹ میں رہنا ایامِ نکاح میں تھا یا زمانۂ عدت میں ہر طرح نسب ثابت ہے کہ طلاق رجعی میں شوہر جب عدت کے اندر وطی کرے تو وہ حرام نہیں ہوتی بلکہ رجعت ہوجاتی ہے ولہذا عدت ہی میں حمل رہنا ثابت نہ ہُوا بلکہ محتمل کہ طلاق سے پہلے کا ہو تو اس کی ولادت مثبت رجعت نہ ہوگی بلکہ مثبت انقضائے عدت ہوگی کہ وضعِ حمل کے بعد بقائے عدت کے کوئی معنی نہیں، اس صورت میں اور بچے جو اسی کی ولادت کے چھ مہینے یا زائد کے بعد پیدا ہوئے شوہر کے نہیں ٹھہر سکتے کہ ان کا پیٹ میں رہنا نہ ایامِ نکاح میں ہُوا نہ زمانۂ عدت میں، ہاں اگر دوسرا بچہ اُس سے پہلے کی پیدائش سے چھ مہینے کے اندر ہوگیا تو یہ بھی شوہر کا قرار پائے گا کہ چھ مہینے سے کم میں دوسرے حمل کا بچّہ نہیں ہوسکتا، لاجرم یہ اسی کے ساتھ تھا' اور اگر طلاق بائن تھی اگرچہ مغلظہ ہو اور عورت اپنے شوہر کی مدخولہ تھی اور اُس نے ہنوز انقضائے عدت کا اقرار مقبول بمعنی مذکور کیا تھا کہ طلاق سے دو برس کے اندر بچّہ ہُوا تو بھی شوہر کا ٹھہرے گا کہ اس کا پیٹ میں رہنا ایامِ نکاح میں محتمل ہے، اور دو برس کے بعد ہُوا تو اب حمل زمانۂ نکاح کا تو یقیناً نہ تھا نہ ایامِ عدت کا ٹھہرا سکتے ہیں کہ بے نکاحِ جدید عدتِ بائن میں قربت حرام ہے، اس صورت میں ناچار شوہر کا نہ ہوگا مگر یہ کہ وُہ اپنا ٹھہرالے اور اقرار کردے کہ یہ میرا بچّہ ہے اگرچہ عورت کہتی ہے کہ اس کا نہیں یا بعد طلاق دو برس کے اندر ایک بچّہ ہولیا تھا یہ دوسرا اس سے چھ مہینے کے اندر ہوگیا تو بوجہ سابق اسے بھی شوہر کا ٹھہرا دیں گے، بالجملہ اتنی صُورتیں ہیں جن میں یہ بچّے کُل یا بعض شوہر ہی کے ٹھہریں گے اور ثابت النسب ہوں گے اور انھیں ولد الزنا کہنا ناجائز ہوگا، اور اگر بالفرض ان صورتوں سے کوئی شکل نہ پائی جائے تو غایت یہ کہ شوہر کے نہ ٹھہریں ولد الزنا یا مجہول النسب ہوں، بہرحال زانی کے کسی طرح نہیں ٹھہر سکتے نہ اُسے اُن پر کوئی استحقاق و دعوٰی۔ تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

یثبت نسب ولد معتدۃ الرجعی وان ولدت لاکثر من سنتین ولو لعشرین سنۃ فاکثر لاحتمال امتداد طھرھا وعلوقھا فی العدۃ مالم تقر بمضی العدۃ وکانت الولادۃ

رجعی طلاق کی عدت والی کے ہاں بچّہ پیدا ہو تو نسب اسی خاوند کا ہوگا اگرچہ یہ بچّہ طلاق سے دو سال' بیس سال یا بیس سال سے بھی زیادہ عرصہ میں پیدا ہُوا ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نطفہ عدت میں ٹھہرا ہو اور عدت کے دوران طہر طویل ہوئے ہوں تاوقتیکہ

رجعة لوفی الاکثر منهما او لتمامهما
لعلوقها فی العدة (فیصیر بالوطء
مراجعا نهر) لا فی الاقل
للشك (فان اقرت بانقضائها
والمدة تحتمله بان تكون
ستین یوما علی قول الامام
وتسعة وثلثین علی قولهما
ثم جاءت بولد لا یثبت
نسبه الا اذا جاءت به لاقل
من ستة اشهر من وقت
الاقرار فانه یثبت نسبه
للتیقن بقیام الحمل وقت
الاقرار فیظهر كذبها و
كذا هذا فی المطلقة البائنة
والمتوفی عنها اذا ادعت
انقضائها ثم جاءت
بولد لتمام ستة اشهر
لا یثبت نسبه، ولاقل یثبت
كما یثبت بلا دعوة احتیاطا فی
مبتوتة (لیشمل البت
بالواحدة والثلاث
تزوجها فی العدة اولا بحر)
جاءت به لاقل منهما من

عورت نے عدت ختم ہونے سے پہلے اقرار نہ کیا ہو اور
بچے کی ولادت کو خاوند کا رجوع قرار دیا جائے گا اگر مطلقہ
رجعی دو سال یا دو سال کے بعد بچہ جنم دے کیونکہ
ممکن ہے کہ استقرار حمل عدت میں ہوا ہو (لہذا خاوند
وطی کے ساتھ رجوع کرنے والا قرار پائے گا، نہر)
اور دو سال سے کم مدت میں پیدائش ہو تو شک کی بنا پر
خاوند کا رجوع ثابت نہ ہوگا (کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ حمل طلاق
سے پہلے کا ہو) پھر اگر عورت نے عدت ختم ہونے کا اقرار
کر لیا ہو اور وہ مدت بھی عدت کے ختم ہونے کا احتمال
رکھتی ہو مثلاً امام اعظم کے قول پر ساٹھ دن اور صاحبین
کے قول پر انتالیس ٣٩ دن گزر چکے ہیں پھر اس اقرار کے
بعد بچہ کو جنم دے تو اس صورت میں بچے کا نسب پہلے خاوند سے
ثابت نہ ہوگا مگر جب اقرار کے وقت سے چھ ماہ کے اندر بچہ جنم دے
تو نسب اسی سے ہی ثابت ہوگا کیونکہ اب یقیناً اقرار کے وقت حاملہ تھی تو اس
عورت کا اقرار جھوٹا ثابت ہو جائے گا اور یوں ہی اگر
مطلقہ بائنہ یا جس کا خاوند فوت ہوا ہو جب وہ عدت ختم
ہو جانے کا دعوی کرے پھر دعوی کے چھ ماہ بعد بچہ
کو جنم دے تو یہ نسب بھی پہلے خاوند کا نہ ہوگا اور اگر
چھ ماہ سے کم مدت ہو تو احتیاطاً نسب پہلے خاوند کا
ہوگا جیسا کہ بغیر دعوی بھی بائنہ طلاق والی میں نسب
ثابت ہوتا ہے (خواہ ایک طلاق یا تین طلاق سے بائنہ
ہوئی ہو اور اس نے عدت میں دوسرے سے نکاح کیا یا نہ کیا ہو،
بحر) بشرطیکہ اس نے طلاق سے دو سال کے اندر

ف : قوسین کے درمیان والی عبارت رد المحتار کی ہے جبکہ قوسین سے باہر والی عبارت تنویر اور درمختار کی ہے ۔ نذیر احمد

وقت الطلاق لجواز وجوده وقته
ولم تقر بمضيها، كما مر،
ولو لتمامهما لا يثبت النسب
الا بدعوته لانه التزمه وهي
شبهة عقد ايضا والا اذا ولدت
توأمين احدهما لاقل من
سنتين والاخر لاكثر فيثبت لكن
في القهستاني الدعوة مشروطة
في الولادة لاكثر منهما وان
لم تصدقه المرأة في الاوجه
فتح، ويثبت نسب ولد المقرة
بمضيها لو لاقل من اقل مدته
من وقت الاقرار ولاقل
من اكثرها من وقت البت
للتيقن بكذبها (استشكله
الزيلعي بما اذا اقرت بعد سنة
مثلا ثم ولدت لاقل من ستة
اشهر من وقت الاقرار ولاقل
من سنتين من وقت
الفراق فانه يحتمل بانقضائها
ان تنقضي في ذلك الوقت فلم
يظهر كذبها بيقين الا اذا قالت
انقضت عدتي الساعة
ثم ولدت لاقل
المدة من ذلك

بچہ کو جنم دیا ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ طلاق کے وقت
اس کا حمل موجود ہو اور اقرار بھی نہ پایا گیا ہو جیسا کہ
گزر چکا ہے اور اگر طلاق سے دو سال پُورے ہو جانے
کے بعد بچہ جنا ہو تو پھر اس کے دعوٰی کے بغیر نسب
ثابت نہ ہوگا، کیونکہ زوج نے نسب اپنے اوپر خود
لازم کرلیا اور یہ مشابہ عقد بھی ہے مگر یہ کہ عورت نے
اس حمل سے دو بچے جنے یُوں کہ ایک کو دو سال
پُورے ہونے سے قبل اور دوسرے کو دو سال کے
بعد جنم دیا ہو تو اس صورت میں دعوٰی کے بغیر نسب
ثابت ہوجائے گا لیکن قہستانی میں ہے اوجہ روایت
کے مطابق دو سال کے بعد کی ولادت کی صورت میں دعوٰی
شرط ہے اگرچہ عورت زوج کی تصدیق نہ کرتی ہو، فتح۔ ایسی
عورت جس نے عدت گزر جانے کا اقرار کر رکھا ہو اور وہ
اقرار کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ کو جنم دے
یا طلاق بائن کے وقت سے دو سال کے اندر بچہ کو جنم دے
تو اس بچے کا نسب ثابت ہوگا کیونکہ اس صورت میں
عورت کا جھوٹا ہونا یقینی ہے، اس پر زیلعی نے یہ اشکال پیدا
کیا ہے کہ مثلاً جب عورت سال بعد عدت ختم ہونے کا
اقرار کرے پھر وقتِ اقرار سے چھ ماہ کے اندر اور وقت
فراق سے دو سال کے اندر بچے کو جنم دے تو ایسی
صورت میں عدت کے ختم ہونے کا احتمال موجود ہے کہ
عدت اسی وقت میں ختم ہُوئی ہو تو عورت کا جھوٹا ہونا
بطور یقین ثابت نہ ہوگا مگر اس صُورت میں کہ جب وہ
یُوں کہے کہ میری عدت اب ختم ہُوئی ہے پھر اس وقت
سے چھ ماہ کے اندر بچہ کو جنم دے تو جُھوٹا ہونا ظاہر

الوقت آھ[1] استظھرہ فی البحر، وقال یجب حمل کلامھم علیہ کما یفھم من غایۃ البیان وتبعہ فی النھر والشرنبلالیۃ[2] انتھت ملتقطاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہوگا اھ اس کو بحر میں ظاہر قرار دیا، اور کہا کہ فقہاء کے کلام کو اس معنی پر محمول کرنا ضروری ہے جیسا کہ غایۃ البیان سے سمجھا جارہا ہے، اور نہر اور شرنبلالی میں اس کی پیروی کی ہے انتھت ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱ تا ۱۲۴: از کوہ منصوری ڈاکخانہ کلہری کام اپرانڈیا گیٹ مرسلہ کلیم اللہ صاحب ۳۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کتاب بہشتی زیور میں حصہ چہارم میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند مرجائے اور ایک دن کم دو سال کے اندر بچہ پیدا ہوا ہو تو وہ مرحوم خاوند کا مانا جائے گا، یہ مسئلہ شرع محمدی یا طب یا ڈاکٹری سے تحقیق ہے، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر جائز ہے تو کب سے ہے؟ یا کہ پرانا مسئلہ ہے یا اولیائے کرام سے جائز ہے؟

دوسرے یہ کہ چار مہینے دس دن جو شرع سے قائم ہیں بعد عدت سے نکاح کرے تو بعد کو ایک سال یا ۹ مہینے کے بچہ پیدا ہوا تو پہلے خاوند کا مانا جائے گا یا اب جس سے نکاح ہوا اُس کا؟

تیسرے یہ کہ وہ بچہ کونسی حق ملکیت میں مستحق ہوگا پہلے باپ کی ملکیت میں یا دوسرے کی؟

چوتھے یہ کہ بعض امام سلام پھیر کر سر پر ہاتھ رکھتے ہیں تو کس مصلحت سے رکھتے ہیں؟

الجواب

کتاب بہشتی زیور نہ دیکھا کیجئے، اس کا دیکھنا حرام ہے، اس میں بہت سے مسائل غلط اور بہت باتیں گمراہی کی ہیں اور اس کے مصنف کو تمام علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق نام لے کر لکھا ہے من شک فی کفرہ فقد کفر[3] جو اس شخص مذکور کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

یہ مسئلہ یُوں ٹھیک نہیں بلکہ اگر چار مہینے دس دن عدت کے گزار کر عورت نکاح کرلے اور نکاح سے چھ مہینے بعد بچہ پیدا ہو کر موتِ شوہر سے دس مہینے دس ہی دن بعد ہُوا ہو ہرگز پہلے شوہر کا نہ ٹھہرے گا بلکہ اسی دوسرے کا ہے پہلے شوہر کے ترکہ سے اُسے کچھ نہ ملے گا، یہ دُوسرا شخص ہی اس کا باپ ہے اگر یہ مرے گا تو وُہ بچہ اس کا وارث ہوگا بلکہ اگر عورت دوسرے شخص سے نکاح نہ بھی کرے صرف اتنا ہو کہ چار ماہ دس دن بعد وُہ اپنی عدت

---

[1] درمختار — فصل فی ثبوت النسب — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۶۲-۲۶۱

ردالمحتار — " " — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۲/ ۶۲۳ تا ۶۲۶

[2] درمختار — باب المرتد — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۳۵۶

گزرجانے کا اقرار کرچکی ہو اس کے چھ مہینے بعد بچہ پیدا ہوا جب بھی ہرگز اُس شوہر مُردہ کا نہ ٹھہرے گا۔ درمختار میں ہے:

لو اقرت بمضیھا بعد اربعۃ اشھر وعشرا فولدتہ لستۃ اشھر لم یثبت لاحتمال حدوثہ بعد الاقرار[1] (ملخصًا)

اگر عورت موتِ زوج کے وقت سے چار ماہ دس دن عدت گزرنے کا اقرار کرے پھر وقتِ اقرار سے پورے چھ ماہ میں بچہ کو جنم دے تو بچّے کا نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ احتمال ہے کہ حمل کا حدوث اقرار کے بعد ہُوا ہو۔ (ت)

نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ایک دُعا پڑھنا حدیث میں آیا ہے کارڈ میں دعا لکھنے کی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۵: از سِلی بھیت مرسلہ عثمان صاحب معرفت مولوی عبدالحق صاحب ۲۲ شوال ۱۳۳۶ھ

ہندہ سے اس کے شوہر نے پونے تین سال سے قربت نہیں کی اور اس زمانہ میں پونے تین سال ہندہ اپنے باپ کے یہاں رہی اور اس صورت میں کہ میکے میں سوائے باپ کے اور کوئی اس کا رشتہ دار نہیں تھا اور ماں بھی اس کی نہیں تھی اور نہ کوئی عورت اور اس کے پاس تھی اب پونے تین سال کے بعد اس کے بچہ پیدا ہوا، ہندہ حلف سے اور قسم سے کہتی ہے کہ بچہ میرے شوہر کا ہے جس طرح چاہے اطمینان کرلو، اس زمانہ پونے تین سال میں اپنے شوہر یا اس کے خاندان والوں کو یا اپنے ماں باپ کے رشتہ داروں کو مطلع نہیں کیا حالانکہ دونوں طرف بچہ ہونے کی کمال تمنا تھی کیونکہ اُس کے شوہر کی دُوسری بی بی سے بھی نیز اس سے اور کوئی اولاد نہ تھی، ہندہ کہتی ہے کہ مجھ کو دو ڈھائی مہینے سے آثارِ حمل کچھ ظاہر ہُوئے میں نے بوجہ اپنی سوت کے کسی سے اظہار نہیں کیا کہ مبادا سوت درپے آزار ہو مگر میں نے اپنے شوہر کو نیز اپنی چچی کو بلایا وہ میرے پاس نہیں آئی، بچہ باپ کے یہاں پیدا ہُوا، چوتھے روز شوہر کو بذریعہ تحریر مطلع کیا، ہندہ نے یہ بھی اپنی چچی سے کہا میری بینائی میں فرق آگیا ہے اور میرا جسم اکثر پکتا ہے۔ یہ اس کی حالت تھی، یہ اس کی چچی کا بھی بیان ہے اور ایام بھی بند تھے مگر گاہے کچھ معلوم ہو کر بند ہوجاتا تھا، جب ہندہ نے اور اس کے باپ نے بذریعہ تحریر شوہر کو اطلاع دی مولود کی، تب شوہر نے حالتِ غم میں اُس کا جواب تحریری بھیجا کہ عرصہ سے میرا اُس سے تعلق نہیں لہذا وہ بچہ میرا نہیں ہے اور میرا اس سے تعلق نہیں ہے۔ اس کا جواب عباراتِ فقہاء واحادیث وتمثیلات سے فرمایا جائے، فقط۔

---

[1] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۲

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وُہ بچہ شرعاً بلاشُبہہ اُسی شوہر کا ہے اسے اُس کا انکار جائز نہیں پونے تین درکنار تیس چالیس برس سے دونوں الگ ہوتے جب بھی بچہ اُسی کا ہوتا۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاھر الحجر[1] بچہ نکاح والے کا ہے اور زانی کے لئے محرومی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

قد اکتفوا بقیام الفراش بلا دخول کتزوج المغربی بمشرقیۃ بینھما مسافۃ سنۃ فولدت لستۃ اشھر منذ تزوجھا لتصورہ کرامۃ واستخداما فتح[2]۔

فقہاء کرام نے ثبوتِ نسب میں نکاح موجود ہونے کو کافی قرار دیا اگرچہ جماع نہ پایا جائے، جیسے کوئی مغرب میں رہنے والا شخص مشرق میں رہنے والی عورت سے نکاح کرے اور دونوں کے درمیان سال بھر کی مسافت ہو اور اس عورت کے ہاں وقتِ نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو نسب نکاح والے کا ہوگا کیونکہ کرامت اور استخدام کے طور پر یہ ممکن اور متصور ہے، فتح۔(ت)

ہمارے ائمہ نے اکثر مدتِ حمل دو سال رکھی ہے کہ غالب یہی ہے اور فقہ میں غالب ہی کا اعتبار ہے نادر خصوصاً ایسا کہ صدہا سال کروڑوں ولادتوں میں اُس کا خلاف نہ مسموع ہو لحاظ نہیں کیا جاتا، امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد مبارک میں ایک صاحب اپنی زوجہ کو وطن میں چھوڑ کر سفر کو گئے دو برس بعد واپس آئے تو عورت کو حاملہ پایا ایک مدت بعد بچہ ہُوا قد نبتت ثنیتاہ یشبہ اباہ اس کے اگلے چاروں دانت پیٹ ہی میں نکل چکے تھے صُورت میں اپنے باپ سے مشابہ تھا فلما رأہ الرجل قال ولدی و رب الکعبۃ جب اُن صاحب نے اُس بچے کو دیکھا کہا خدا کی قسم میرا بچہ ذکرہ فی الفتح، وقال انما ھو بقیام الفراش ودعوی الرجل نسبۃ[3] اھ (اس کو فتح میں ذکر کیا ہے، اور فرمایا یہ تب ہے کہ نکاح موجود ہو اور زوج نسب کا دعوٰی کرے اھ۔ت)

اقول فی صدر الحدیث ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ھم برجمھا

اقول (میں کہتا ہوں کہ) حدیث کے شروع میں ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس عورت کو رجم

---

[1] صحیح البخاری | باب الولد للفراش حرۃ کانت اوامۃ | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۲/۹۹۹

[2] درمختار | فصل فی ثبوت النسب | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۳

[3] فتح القدیر | باب " " | نوریہ رضویہ سکھر | ۴/۱۸۱

فقال له معاذ رضی اللہ تعالٰی عنه ان کان لك علیها سبیل فلا سبیل لك علی ما فی بطنها، فترکها حتی ولدت ولدا قد نبتت الخ[1] فالفراش قد کان قائما حین هم برجمها وهو لا یحتاج الی الدعوة فالصواب ان یشاء اللہ تعالٰی ان ذٰلك قد یقع بغایة الندرة والعبرة فی الفقه الغالب فافهم ثم بعد سویعة رأیت وللہ الحمد الامام السرخسی رحمه اللہ تعالٰی صرح فی مبسوطه بما سبق الیه خاطر الفقیر اذ قال بعد ذکر الحدیث المذکور وحکایات تأتی ما نصه، لنا ان الاحکام تبتنی علی العادة الظاهرة وبقاء الولد فی بطن امه اکثر من سنتین فی غایة الندرة۔[2]

کرنے کا قصد فرمایا تو ان سے حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کیا کہ اگرچہ آپ کو اس عورت پر قدرت ہے مگر اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس پر آپ کی قدرت نہیں، تو اس پر عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عورت کو چھوڑ دیا حتی کہ اس عورت نے ایسے بچے کو جنم دیا جس کے دانت نکل چکے تھے الخ تو جب حضرت عمر فاروق نے اس عورت کے رجم کا ارادہ فرمایا تو اس وقت اس کا نکاح موجود تھا، تو ایسی صورت میں نسب کے دعوٰی کی ضرورت نہیں، تو درست یہی ہے۔ اگر اللہ تعالٰی نے چاہا کہ ایسا واقعہ انتہائی نادر ہوتا ہے جبکہ فقہ میں کثیر الوقوع کا اعتبار کیا جاتا ہے، اس پر غور کرو۔ پھر تھوڑی دیر بعد للہ الحمد میں نے امام سرخسی کا نقل کردہ کلام دیکھا کہ آپ نے اپنی مبسوط میں اسی بات کی تصریح فرمائی جو میرے دل پر وارد ہوئی تھی، جب انھوں نے مذکورہ حدیث اور کچھ ایسے واقعات جن کا ذکر آرہا ہے، کو بیان کرکے فرمایا ہمارے لئے احکام ظاہر عادت پر مبنی ہیں، جبکہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زائد عرصہ بچے کا رہنا انتہائی نادر واقعہ ہے۔ (ت)

دارقطنی وبیہقی اپنے اپنے سنن میں ولید بن مسلم سے راوی امام دار الہجرۃ عالم المدینہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

هذه جارتنا امرأة محمد بن عجلان امرأة صدق وزوجها رجل صدق حملت ثلثة ابطن فی اثنی عشرة سنة کل بطن فی اربع سنین۔[3]

یہ ہیں ہماری ہمسائی محمد بن عجلان کی بی بی، یہ سچی عورت اور وہ سچے مرد، ان کے تین حمل بارہ برس میں ہوئے، ہر حمل چار سال میں۔

---

[1] فتح القدیر باب ثبوت النسب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۸۱

[2] مبسوط سرخسی باب العدۃ وخروج المرأۃ من بیتها دار المعرفۃ بیروت ۶/ ۴۵

[3] فتح القدیر بحوالہ الدارقطنی والبیہقی باب ثبوت النسب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۸۱-۱۸۰

24
24

امام شمس الائمہ سرخسی مبسوط میں فرماتے ہیں :

قیل ان الضحاك ولدته امه لاربع سنین، وولدته امه لاربع سنین، وولدته بعد ما نبتت ثنیتاہ وھو یضحك فسمی ضحاکا و عبدالعزیز الماجشونی رضی اللہ تعالٰی عنہ ولدته امه لاربع سنین وھذہ عادة معروفة فی نساء ماجشون رضی اللہ تعالٰی عنھم انھن یلدن لاربع سنین[1]

یعنی منقول ہُوا کہ امام مفسر محدث ضحاک چار برس ماں کے پیٹ میں رہے، پیدا ہُوئے تو اگلے چاروں دانت نکل چکے تھے، ہنستے معلوم ہوتے تھے اس لئے ضحاک نام رکھا گیا (یعنی بہت ہنسنے والے)، اور امام محدث عبدالعزیز ماجشونی بھی چار برس حمل میں رہے اور بنی ماجشون کی عورتوں کی یہ عادت مشہور ہے کہ بچہ ان کے پیٹ میں چار برس رہتا ہے۔

شوہرِ زن کا کہنا ہے کہ وُہ بچہ میرا نہیں اور میرا اُس سے تعلق نہیں، اس لفظ اخیر میں اگر لفظ اول کے خلاف اُس کی ضمیر بچّے کی طرف ہے جب تو ظاہر کہ اُسے طلاق سے کوئی تعلق نہیں اور اگر مثل اوّل ضمیر عورت کی طرف ہے تو یہ لفظ کنایات طلاق سے ہے اور وُہ محتمل سَبّ و ذم ہے یعنی میں ایسی عورت سے بیزار ہُوں اور حالت حالتِ غضب ہے تو بے اقرار شوہر نیت طلاق کا ثبوت نہ ہوگا اس سے قسم لی جائے اگر بحلف کہہ دے کہ میں نے یہ لفظ بہ نیت ازالۂ علاقہ نکاح نہ کہا تھا تو طلاق نہ ہُوئی اگر جھُوٹی قسم کھائے گا وبال اُس پر ہے،
مبسوط امام شمس الائمہ میں ہے :

انت بائن حرام بتة خلیة بریة تحتمل معنی السب ای انت بائن من الدین بریة من الاسلام خلیة من الخیر حرام الصحبة والعشرة بتة عن الاخلاق الحسنة وعن ابی یوسف رحمه اللہ تعالٰی انه الحق بھذہ الالفاظ اربعة الفاظ اخر خلیت سبیلك فارقتك لاسبیل لی علیك لاملك

اگر خاوند بیوی کو کہے "تُو بائن ہے، حرام ہے، دُور ہے، خالی ہے، بَری ہے" تو یہ الفاظ محتمل معنی سبّ و ذم ہیں یعنی تُو دین سے الگ ہے، تُو اسلام سے بری ہے، خیر سے خالی ہے، صحبت وعشرت سے محروم ہے، اخلاقِ حسنہ سے دُور ہے (لہذا یہ الفاظ مذکورہ معانی کی وجہ سے گالی بن سکتے ہیں اس لئے طلاق کی نیت کئے بغیر طلاق نہ ہوگی) امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ اُنھوں نے ان پانچ الفاظ پر مزید چار الفاظ ذکر فرمائے (جن میں گالی کا احتمال ہونے

---

[1] مبسوط السرخسی باب العدۃ وخروج المرأۃ من بیتہا دارالمعرفۃ بیروت ۶/ ۴۵

لی علیك لانها تحتمل معنی السب ای لاملك لی علیك لانك ادون من ان تملکی، لاسبیل لی علیك لشرك وسوء خلقك، و فارقتك اتقاء لشرك و خلیت سبیلك لهوانك علی[1]

کی وجہ سے بغیر نیت طلاق نہ ہوگی) وہ چار الفاظ یہ ہیں میں نے تیرا راستہ کھول دیا، میں تجھ سے الگ ہوں، میرا تجھ پر چارہ نہیں، میری تجھ پر ملکیت نہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ گالی کا احتمال رکھتے ہیں یعنی میری تجھ پر ملکیت نہیں کیونکہ تُو اس قابل نہیں، میرا تجھ پر چارہ نہیں تیرے شر اور بداخلاقی کی وجہ سے، میں تجھ سے الگ ہُوں تیرے شر اور بداخلاقی سے بچتے ہُوئے، میں نے تیرا راستہ کھول دیا ہے کہ تُو میرے ہاں کمینی ہے۔ (ت)

اسی طرح تبیین امام زیلعی میں ہے۔

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

روی عن ابی یوسف انه زاد علی هذه الالفاظ الخمسة خمسة اخری لاسبیل لی علیك، فارقتك، خلیت سبیلك، لاملك لی علیك، بنت منی لان هذه الالفاظ تحتمل الشتم کما تحتمل الطلاق، فیقول الزوج لاسبیل لی علیك لشرك، و فارقتك فی المکان لکراهة اجتماعی معك، و خلیت سبیلك وما انت علیه، ولاملك لی علیك لانك اقل من ان تملك، و بنت منی لانك بائن من الدین او الخ[2]۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ انہوں نے ان پہلے پانچ مذکورہ الفاظ پر مزید پانچ ذکر فرمائے جن میں چار وہی پہلے والے اور ایک "تو مجھ سے دُور ہے" کیونکہ یہ الفاظ جیسے طلاق کا احتمال رکھتے ہیں گالی ہونے کا احتمال بھی رکھتے ہیں، مثلاً خاوند کہتا ہے تیرے شر کی وجہ سے میرا تجھ پر چارہ نہیں، میں مکان میں تجھ سے جُدا رہتا ہُوں کیونکہ تیرے ساتھ اکٹھا رہنا ناپسند کرتا ہُوں، تیرا راستہ تیرے حال پر کھولتا ہُوں، تجھ پر میری ملکیت نہیں کیونکہ تُو اس قابل نہیں، تُو مجھ سے دُور ہو کیونکہ تُو دین سے دور ہے یا الخ (ت)

ہدایہ میں ہے:

عن ابی یوسف فی قوله لاملك

"تُو مجھ سے دُور ہے" کے ماسوا باقی چار الفاظ کو

---

[1] المبسوط للسرخسی باب ما تقع به الفرقة مما یشبه الطلاق دارالمعرفة بیروت ۶/ ۸۰ و ۸۱

[2] بدائع الصنائع فصل واما الکنایة فنوعان الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۰۷

لی علیك و لا سبیل لی علیك و خلیت سبیلك و فارقتك، انه یصدق فی حالۃ الغضب لما فیھا من احتمال معنی السب[1]

عنایہ میں ہے:

فان قولہ لا ملك لی علیك یحتمل ان یکون معناہ لانك اقل من ان تنسبی الی ملکی او انسب الیك بالملك و لا سبیل لی علیك لسوء خلقك و اجتماع انواع الشر فیك، و خلیت سبیلك لقذارتك و فارقتك فی المضجع لذفرك و عدم نظافتك و الحقی باھلك لانك اوحش من ان تکونی خلیلتی[2]

فتح القدیر میں ہے:

الحق ابو یوسف بالتی تحتمل السب الفاظ اُخری وھی لا ملك علیك، لا سبیل لی علیك، خلیت سبیلك، فارقتك فھذہ اربعۃ الفاظ ذکرھا الولوالجی و ذکرھا العتابی خمسۃ، لا سبیل، لا ملك، خلیت سبیلك، الحقی باھلك، حبلك علی غاربك، وفی الایضاح وشرح الجامع الصغیر لشمس الائمۃ ذکر خمسۃ ھی ھذہ الا انہ ذکر مکان حبلك علی

ذکر کرکے کہا کہ ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر خاوند کہے کہ میں نے طلاق کی نیت سے نہیں کہے، تو غصہ کی حالت میں کہنے پر خاوند کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ ان الفاظ میں گالی ہونے کا احتمال ہے۔ (ت)

خاوند کا کہنا "تجھ پر میری ملکیت نہیں ہے" کا معنٰی یہ ہوسکتا ہے کہ تُو میری ملکیت کے قابل نہیں یا میں تیرا مالک بنوں تو اس قابل نہیں، "میرا تجھ پر چارہ نہیں" کا یہ معنٰی ہوسکتا ہے کہ یہ تیری بداخلاقی کی وجہ سے اور تیرے ہر قسم کے شر کی وجہ سے، اور تیرا راستہ کھول دیا تیری بُری حالت کی وجہ سے، میں تجھ سے جدا ہوں لیٹنے میں تیری بدبُو اور صفائی نہ ہونے کی وجہ سے، تُو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا کیونکہ تُو میرے ہمراہ رہنے میں وحشت محسوس کرتی ہے۔ (ت)

ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے ان الفاظ کے ساتھ جو گالی ہونے کا احتمال رکھتے ہیں مزید چار مذکورہ الفاظ شامل کئے، انہی چاروں کو ولوالجی نے ذکر کیا اور عتابیہ میں یہ پانچ ذکر کئے، تجھ پر چارہ نہیں، تجھ پر ملکیت نہیں، تیرا راستہ کھول دیا، اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا، تیری رسّی تیرے کندھے پر ہے، ایضاح اور شرح جامع صغیر میں شمس الائمہ نے پانچ یہی ذکر فرمائے، لیکن، تیری رسّی تیرے کندھے پر ہے، کی

---

[1] الہدایۃ کتاب الطلاق فصل فی الطلاق قبل الدخول المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۳۵۵

[2] العنایۃ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر فصل فی الطلاق قبل الدخول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۲

غاربك فارقتك ، فتم ستة الفاظ و وجه احتمالها السب ان لاملك لي يعني انت اقل من ان تنسبي الي بالملك ، ولا سبيل لي عليك لزيادة شرك ، وخليت سبيلك ، وفارقتك و الحقي باهلك ، و حبلك على غاربك اي انت مسيئة لايشتغل احد بتأديبك اذ لاطاقة لاحد بممارستك[1] اھ **اقول** والدليل دليل ان لاحصر بل كل لفظ يدل على التبري عنها والتخلي والانقطاع و ترك الاشتغال بها فهو مما يحتمل المعنى المذكور كما لا يخفى۔

بجائے اُنھوں نے "میں تجھ سے الگ ہُوں" ذکر کیا، یُوں کُل چھ الفاظ ہُوئے، اُن کی وجہ یہی ہے کہ گالی ہونے کا احتمال رکھتے ہیں، "تو میری ملک نہیں" یعنی تُو اس قابل نہیں کہ میری ملکیت کے لئے منسوب ہو، "میرا تجھ پر چارہ نہیں" یعنی تیری بداخلاقی اور تیرے شر کی وجہ سے "میں نے تیرا راستہ کھول دیا" یعنی میں تجھ سے جدا ہُوا، "تُو اپنے گھروالوں کے پاس چلی جا"، "تیری رسّی تیرے کندھے پر ہے" یعنی تُو ایسی بد ہے کہ کوئی تجھے تربیت نہیں دے سکتا کیونکہ بار بار سمجھانے کی کسی میں طاقت نہیں ہے اھ، **اقول** (میں کہتا ہوں) مذکور بیان اس بات کی دلیل ہے کہ ان الفاظ میں حصر نہیں بلکہ جو الفاظ بھی برا ءت، علیحدگی، انقطاع اور بیوی سے ترکِ تعلق پر دلالت کریں وُہ تمام گالی بننے کا احتمال رکھتے ہیں، جیسا کہ مخفی نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

القول له بيمينه في عدم النية ويكفي تحليفها له في منزله فان ابى رفعته للحاكم فان نكل فرق بينهما، مجتبى[2]۔

مذکورہ الفاظ کہنے کے بعد خاوند بیان دے کہ طلاق کی نیت نہ کی تھی، تو اس کی تصدیق کر دی جائے گی، اور اس معاملہ میں بیوی کا خاوند سے گھر میں قسم لے لینا کافی ہے اور اگر خاوند اپنے بیان سے متعلق گھر میں قسم نہ کھائے بلکہ انکار کرے تو بیوی معاملہ کو حاکم کے ہاں پیش کرے اگر حاکم کے مطالبے پر بھی قسم کھانے سے انکار کرے تو پھر حاکم میاں بیوی میں علیحدگی کا فیصلہ دے دے، مجتبٰی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان نكل اي عند القاضي لان

اگر قاضی کے ہاں قسم سے انکار کرے تو تفریق کرے،

---

[1] فتح القدیر — فصل فی الطلاق قبل الدخول — مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۲

[2] درمختار — باب الکنایات — مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۰

النکول عند غیرہ لایعتبر، ط، اھ۔ اقول ھو مستفاد من قولہ فان ابی رفعتہ فلم یجعل اباءہا عندھا شیئا۔

کیونکہ قاضی کے علاوہ کسی غیر کے ہاں انکار کرے تو وُہ انکار تفریق کے لئے معتبر نہیں ہوگا، ط، اھ۔ اقول (میں کہتا ہُوں) یہ بات ماتن کے اس قول سے عیاں ہورہی ہے کہ "اگر گھر میں انکار کرے تو بیوی حاکم کے ہاں معاملہ کو پیش کرے" تو انھوں نے بیوی کے ہاں انکار کو غیر معتبر قرار دیا۔ (ت)

ہاں اگر وُہ اقرار کرے کہ (اُس) کی ضمیر عورت کی طرف تھی اور یہ لفظ قطع تعلق نکاح ہی کی نیت سے کہے تو بیشک ایک طلاق بائن ہوگئی عورت نکاح سے نکل گئی، اور اب بچّہ اسی شوہر کو ایسا لازم ہوگیا کہ اس سے چھُوٹ ہی نہیں سکتا کہ بینونت کے بعد احتمال لعان بھی نہ رہا جو حاکم اسلام کے حضور ہوسکتا اور جب اُس کے بعد قاضی ان زن وشو میں تفریق کرکے بچّے کی نسبت اس شوہر سے قطع کردیتا اس کا نہ ٹھہرتا مجہول النسب رہ جاتا، دُرمختار میں باب اللعان میں ہے، شرطہ قیام الزوجیۃ[2] (لعان کی شرط یہ ہے کہ نکاح موجود ہو۔ ت)

اُسی میں ہے:

ویسقط بعد وجوبہ بالطلاق البائن ثم لایعود بتزوجہا۔[3]

لعان واجب ہوجانے کے بعد بائنہ طلاق دے دینے پر ساقط ہوجائے گا، اور دوبارہ نکاح کرنے پر بھی لعان نہ ہوسکے گا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

وان قذف الزوج بولد حی نفی الحاکم نسبہ عن ابیہ والحقہ بامہ۔[4]

جب خاوند بیوی پر تہمت لگائے کسی زندہ بچّے کے بارے میں، تو حاکم اس بچّے کے نسب کو اس خاوند سے منقطع کردے اور بچّے کو ماں سے ملحق کردے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای لابد ان یقول قطعت نسب ھذا

یعنی قاضی کے لئے اس موقعہ پر ضروری ہے کہ وُہ یہ

---

[1] ردالمحتار | باب الکنایات | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۴۶۵
[2] درمختار | باب اللعان | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۵۱
[3] " | " | " " " | ۱/۲۵۲
[4] " | " | " " " | "

الولد عنه بعد ما قال فرقت بینکما وفی المبسوط ھذا ھو الصحیح[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اعلان کرے کہ میں نے اس بچے کا نسب اس شخص سے منقطع کردیا ہے، یہ اعلان وہ تفریق کرنے کے بعد کرے۔ اور مبسوط میں ہے کہ یہی صحیح ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۲۲: از ریاست جے پور نمک منڈی اجمیری دروازہ مرسلہ محمد عبدالعزیز بیگ ۱۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کے دختر رابعہ پیدا ہوتے ہی ہندہ کا انتقال ہوگیا، چنانچہ مسماۃ رابعہ نے ابتدائے پیدائش خود سے ڈیڑھ سال کامل ایام رضاعت میں مسماۃ شافیہ وکافیہ کا دودھ پیا، اتفاق سے مسماۃ شافیہ وکافیہ کے حقیقی بھائی مسمی بزید سے مسماۃ رابعہ کا عقد ہوکر اولاد بھی ہوگئی (حالانکہ مسمی بزید ومسماۃ رابعہ زن وشوہر باہمی رضاعی ماموں وبھانجی ہوتے ہیں) تو ایسی صورت میں نکاح قائم رہ سکتا ہے یا نہیں؟ اور بصورت قائم رہنے کے کفارہ عائد ہوگا یا نہیں؟ اور اولاد کس کی کفالت میں رہے گی؟ اور بارِ مہر زوج پر عائد ہوگا یا نہیں؟

الجواب

حاشا وہ خبیث نکاح ہرگز قائم نہ رکھا جائے گا، مرد وعورت پر فرض فرض عظیم فرض ہے کہ فوراً فوراً جُدا ہوجائیں، مرد نہ مانے تو عورت خود جُدا ہوجائے، دونوں نہ مانیں تو حاکم بالجبر جُدا کردے گا۔ عورت کے لئے مرد پر پُورا مہرِ مثل ہے اگرچہ جو مہر بندھا تھا اُس سے کتنا ہی زائد ہو، اولاد میں لڑکا سات برس اور لڑکی نو برس کی عمر تک ماں کے پاس رہے پھر باپ لے لے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الخانیۃ لوتزوج محرمہ لاحد علیہ عند الامام وعلیہ مھر مثلھا بالغا ما بلغ۔[2]

خانیہ میں ہے اگر کسی نے اپنی محرم سے نکاح کیا تو اس پر حد نہیں (بلکہ سخت تعزیر ہے) اور مہر مثل جتنا بھی ہو اس پر لازم ہوگا، یہ امام اعظم کے نزدیک ہے۔ (ت)

اُسی میں نہر سے ہے:

قال فی الدرایۃ الصحیح انھا شبھۃ عقد فیثبت النسب وھکذا ذکر فی المنیۃ اھ[3]

درایہ میں ہے کہ یہ شبہہ نکاح ہے لہذا نسب ثابت ہوجائے گا، منیہ میں بھی یونہی مذکور ہے اھ ملخصاً

---

[1] ردالمحتار باب اللعان دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸۹

[2] ردالمحتار باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۱

[3] ردالمحتار باب الوطئ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۵۴

(ملخصًا) و ذکرہ الخیر الرملی عن العینی و مجمع الفتاوٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور اس کو خیر الدین رملی نے عینی اور مجمع الفتاوٰی سے نقل کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۷ از حافظ گنج ضلع بریلی مسئولہ حیدر بخش

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت رانڈ ہوگئی اور اس کے حمل حرام عرصہ تین ماہ سے رہ گیا، جب پنچوں نے دریافت کیا تو مسمّی حیدر بخش نے جو اسی گاؤں کا آدمی تھا یعنی اُس عورت کا بھانجا ہے کہا کہ میں اس عورت کو بعد وضع حمل نکاح میں لاؤں گا میں نے اس عورت کا عیب ثواب اپنے اوپر رکھ لیا، اس بات پر پنچوں نے اور کل بستی والوں نے بوجہ ہونے حرام کے اُس عورت و اُس شخص یعنی حیدر بخش دونوں کا حقہ پانی اس غرض سے بند کر دیا کہ آئندہ کوئی عورت و آدمی ایسا فعل ناجائز نہ کرے۔ اب جو حکم شریعت ہو وہ کیا جائے یا بروئے شریعت کھولا جائے۔

الجواب

خاوند کی موت سے دو برس کے اندر جو بچہ پیدا ہو وہ خاوند ہی کا ہے، سائل بیان کرتا ہے کہ خاوند کی موت کو دس مہینے ہوئے اور تین مہینے سے حمل بتاتا ہے اگر عورت چار مہینے دس دن کے بعد عدت ختم ہوجانے کا اقرار نہ کر چکی ہو اور یہ بچہ مرگ شوہر سے دو برس کے اندر پیدا ہو تو شوہر ہی کا ہوگا اور عورت کو حرام کی طرف نسبت کرنا حرام ہوگا، ہاں اگر عورت چار مہینے دس دن کے بعد اپنی عدت ختم ہو جانا ظاہر کر چکی تھی اور اب تین مہینے سے حمل ظاہر ہوا تو عورت پر الزام ہے اُس کا حقہ پانی بند کردیں، لیکن حیدر بخش پر اُس کہنے سے کوئی الزام نہیں اُس کا حقہ پانی کھول دیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸ از موضع کریلی ضلع بریلی مسئولہ امام الدین صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو ہندہ سے نکاح کئے ہوئے پانچ ماہ اور دس یوم ہوئے ہیں، ہندہ نے بچہ جنا، تو اس بچہ پر کیا حکم ہے آیا وہ زید کا قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ اہل برادری معترض ہیں تو اس حالت میں زید اور ہندہ پر اور بچہ پر کیا حکم ہے؟

الجواب

سائل نے بیان کیا کہ عورت بیوہ تھی شوہر کو مرے تین برس ہوئے، اُس کے بعد یہ بچہ ہوا تو یہ نہ اگلے شوہر کا ہے نہ زید کا، بلکہ مجہول النسب ہے، اور زید پر کچھ الزام نہیں، ہندہ کا حال خدا جانے، بے ثبوت اُسے بھی زانیہ نہیں کہہ سکتے، ممکن کہ دھوکے سے وطی واقع ہوئی ہو جس سے یہ بچہ ہے۔ بدائع و بحر و درمختار و ہندیہ میں ہے:

ان جاءت به لاکثر من سنتین منذ طلقها الاول اومات ولاقل من ستة اشهر منذ تزوجها الثانی لم یکن للاول ولا للثانی وهل یجوز نکاح الثانی فی قول ابی حنیفة ومحمد جائز[1] اھ وتأمل فی هذا الجواز فی رد المحتار فراجعه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

پہلے خاوند کی موت یا طلاق کے بعد دوسال سے زائد عرصہ پر عورت نے بچے کو جنم دیا ہو یا دوسرے نکاح سے چھ ماہ کے اندر جنم دیا ہو تو اس بچے کا نسب نہ پہلے سے ہوگا نہ دوسرے سے۔ اور کیا اس صورت میں دوسرا نکاح صحیح قرار پائے گا، تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز قرار پائے گا اھ، ردالمحتار میں اس جواز پر تأمل کیا ہے، اس کی طرف رجوع کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ١٢٩ تا ١٣٠: از گوبند گڑھ ضلع اجمیر شریف مسجد خورد مرسلہ فیض محمد صاحب امام مسجد ١٨ شوال ١٣٢٨ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(١) ایک شخص ایک عورت کو فرار کرکے لے گیا، عورت کا خاوند زندہ ہے، وہ عورت مرگئی اور وہ شخص واپس چلا آیا، اُس عورت کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہُوئی، اب ان بچوں اور اس شخص کے واسطے کیا حکم ہے، اُس کے ساتھ مصافحہ اور کھانا کھانا کیسا ہے؟

(٢) ایک شخص نے اپنی ساس سے زنا کیا اور حمل رہا، لڑکی ہُوئی، اور پھر شادی کی، اس شادی سے لڑکا ہُوا، اس لڑکے پر کیا حکم ہے؟

الجواب

(١) صُورتِ مذکورہ میں وہ شخص زانی ہے، سزائے زنا کا سزاوار اور مستحق عذاب نار ہے، مسلمان اگر اُس سے سلام کلام نہ کریں، اس کے ساتھ کھانا نہ کھائیں، اُس سے مصافحہ نہ کریں تو وہ ضرور اس قابل ہے جب تک توبہ نہ کرے، شوہر اور عورت کے بچے اُس کے شوہر ہی کے ہوتے ہیں۔ صحیح حدیث میں فرمایا:

الولد للفراش وللعاهر الحجر[2] بچہ اس کا جس کا بچھونا یعنی خاوند کا اور زانی کے لئے پتھر۔

(٢) جس نے اپنی ساس سے زنا کیا اُس نے اپنی ماں سے زنا کیا، اور شادی اگر کسی اور عورت سے کی اور اس سے لڑکا پیدا ہوا تو اس لڑکے میں کوئی خلل نہیں، اور اگر سائل کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب نورانی کتب خانہ پشاور ١/٥٣٨

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ٢/٩٩٩

ایک عورت سے زنا کیا پھر اس کی لڑکی سے نکاح کیا اس سے لڑکا ہُوا تو وہ شخص اُس وقت بھی زانی ہُوا اور اس نکاح میں بھی حرام کار کہ یہ اس کی بیٹی کی جگہ ہے، اور اب یہ جو لڑکا پیدا ہُوا ولد الحرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱: از شہر بریلی مدرسہ اہلسنت وجماعت مسئولہ طالبعلم مدرسہ مذکور ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی علاتی اُخت کی نواسی کے ساتھ چھ برس ہوئے نکاح کیا تھا اُس سے ایک لڑکی ہُوتی، اب زید کو اور محلہ کے لوگوں کو معلوم ہُوا کہ زید کا یہ نکاح صحیح نہیں ہوا تو زید سے تفریق کرادی، زید کا یہ نکاح صحیح ہُوا یا نہیں تو اس لڑکی کا مستحق کون ہے، مہر لازم ہوا یا نہیں؟ عدت ہوگی یا نہیں؟ اور اس نکاح کے وکیل وگواہ اور پڑھانے والوں کا کیا حکم؟ اور زید پر کیا حکم باوجود اس کے کہ بے علم ہیں۔

الجواب

نکاح مذکور حرام حرام قطعی حرام، اور زید اور نکاح خواں و وکیل وگواہ سب سخت تر گناہِ کبیرہ میں گرفتار، اور جہل اس کے گناہ کبیرہ ہونے سے خارج نہ کرے گا بلکہ جہل خود دوسرا گناہ کبیرہ ہے، ولہذا حدیث میں ہے:

ذنب العالم ذنب واحد و ذنب الجاھل ذنبان۔[1] عالم کا گناہ ایک گناہ ہے اور جاہل کا گناہ دوہرا گناہ۔

عورت پر ضرور عدت لازم ہے اور زید پر پُورا مہر مثل واجب ہے یعنی اس طرح کی عورت کا مہر مثل کیا ہے وہ جو باندھا تھا اس کا لحاظ نہ ہوگا چاہے مہر مثل سے کم ہو یا زائد، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

اذا تزوج بذات رحم محرم منه و دخل بھالاحد علیه وعلیه مھر مثلھا بالغا ما بلغ۔[2] (ملخصاً) جب کسی نے ذی رحم محرم عورت سے نکاح کرکے جماع کرلیا تو اس پر حد نہیں (بلکہ تعزیر سخت ہے) اور مہر مثل جتنا بھی ہو اس پر لازم ہوگا (ملخصاً)۔(ت)

لڑکی زید ہی کو دلائیں گے، ۹ برس کی عمر پُورے ہونے تک ماں کے پاس رہے گی اگر وُہ کسی ایسے سے نکاح کرے جو اس لڑکی کا محرم مثل چچا کے نہ ہو، اس کے بعد باپ یعنی زید لے لے گا۔ درمختار کتاب الحدود میں ہے:

انھا من شبھة المحل وفیھا یہ محل کا شُبہہ ہے اور اس میں نسب

---

[1] کنز العمال بحوالہ فر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہ حدیث ۲۸۷۰۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۵۳
" " " " " " " ۲۸۹۱۱ ۱۰/ ۱۷۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب ذکر مسائل المہر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷۵

یثبت النسب[1] | ثابت ہوجاتا ہے۔ (ت)

معراج الدرایہ پھر نہر الفائق پھر ردالمحتار میں ہے:

الصحیح انہا شبھۃ عقد لانہ روی عن محمد انہ قال سقوط الحد عنہ لشبھۃ حکمیۃ فیثبت النسب وھکذا ذکر فی المنیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

صحیح یہ ہے کہ یہ شُبہہ نکاح ہے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اس سے حد کا سقوط حکمی شُبہہ کی بنا پر ہے، لہذا نسب ثابت ہوگا، منیہ میں یونہی ذکر کیا ہے۔

مسئلہ ۱۳۲: از اندور رانی پورہ مسئولہ واحد علا ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام وفضلائے عظام اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوگیا ہے، ہندہ نے ساتویں ماہ عقد کیا بکر کے ساتھ، اور ہندہ کو پانچ چھ ماہ کا حمل تھا، بروقتِ نکاح ہندہ نے حمل کو ظاہر نہ کیا، بعد عقد ایک ماہ کے ہندہ اور بکر میں جھگڑا ہُوا کہ حمل کس کا ہے، بکر کہتا ہے میرا حمل ہے اور ہندہ کہتی ہے تیرا نہیں ہے، تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ حمل کس کا قائم ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر موتِ شوہر اول سے دُو سال کے بعد بچہ پیدا ہو تو شوہر دوم کا ہے اور نکاح صحیح ہے اور دُو سال سے کم میں پیدا ہو تو لڑکا پہلے شوہر کا ہے، اور اس دُوسرے کا نکاح باطل، کما یظھر مما لخصناہ علی ھامش ردالمحتار (جیسا کہ یہ اس سے ظاہر ہے جو ردالمحتار پر حاشیہ میں ہم نے اس کی تلخیص کی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۳: از کریلی ضلع بریلی مسئولہ کلو ۷ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدّت حمل کی زائد سے زائد کے برس ہے؟ اور کم سے کم کتنے سال ہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

کم سے کم چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ دو سال کامل بے کم وبیش، مگر عورت جس کا شوہر زندہ ہو اگرچہ کتنے ہی برسوں سے اس سے کتنا ہی دُور ہو اُس کی اولاد شوہر ہی کی اولاد قرار پائے گی، اس کے لئے دس بیس پچاس سال

---

[1] درمختار باب الوطء الذی یوجب الحد والذی لایوجبہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۱۹

[2] ردالمحتار باب الوطیٔ الذی یوجب الحد والذی لایوجب داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۱۵۴

کوئی مدت مقرر نہیں، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاهر الحجر[1]۔ بچہ نکاح والے کا ہے اور زانی محروم ہے(ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔ واللہ تعالٰے اعلم۔

مسئلہ ۱۳۴ از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ سید عبدالجلیل صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا عقد ہندہ سے واقع ہوا مگر بموجب رواج ہندوستان رسم رخصتِ عروس عمل میں نہ آئی اور زید وہندہ دونوں بالغ تھے اور ایک ہی مکان میں سکونت پذیر تھے اور اُس مکان میں غیر مردوں کا بھی گزر تھا یعنی اہلِ کفو میں سے نامحرم لوگ آتے جاتے تھے، یکایک ہندہ کو حمل رہ گیا، اُس نے اس کو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ وضعِ حمل قریب آگیا، جب لڑکا پیدا ہوا تو لوگوں کو نہایت تعجب آیا، الغرض مولود تو اُسی دم مرگیا اور ہندہ سے مستورات نے بطورِ خود دریافت کیا کہ یہ حمل کس کا ہے، ہندہ نے اپنے اعزہ میں سے ایک شخص کا نام لیا اور اس قضیہ کو عرصہ قریب چار سال کے گزر گیا، پس شوہر اُس کا بسبب اس فعل شنیع کے اُس سے ناراض ہے، ہندہ کو اپنے عقد میں رکھنا نہیں چاہتا، بظاہر زن وشو میں مقاربت ومواصلت واقع نہ ہوئی، مگر پوشیدہ طور پر ممکن ہے کہ وہ حمل زید کا ہو، چونکہ رسم رخصت عمل میں نہ آئی تھی شاید بوجہ لحاظ وشرم غیر کا نام ظاہر کردیا ہو اور زید کا نام نہ لیا ہو۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید سے ہندہ کو طلاق دلوائی جائے تو عدت ہندہ کی کے ماہ کی ہوگی؟ اور درباب مہر کے بھی ارشاد ہو کہ بذمہ زید کس قدر واجب ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگرچہ دنیوی خیالات کو بہت وسعت ہے، اہلِ بدگمانی کے نزدیک ناراضیِ زید جُدا خبر دے رہی ہے کہ اپنا ہوتا تو وُہ خود جانتا، اور ہندہ کا دوسرے کی طرف نسبت کرنا جُدا۔ پھر اسے یوں بنانا کہ بوجہ عدمِ رخصت شرمِ دنیا کے سبب شوہر کا نام نہ لیا بہت پوچ عذر ہے، آخر قبل رخصت جماع حلال ہونا اہلِ دُنیا کے نزدیک زنا سے زیادہ شرم کی بات نہیں، یہ خیالات بدگمانیوں کو بہت تائیدیں دیں گے، مگر حاشا شرع مطہر انھیں اصلاً قبول نہیں فرماتی اور قطعاً حکم دیتی ہے کہ لڑکا شوہر ہی کا تھا، حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: الولد للفراش وللعاهر الحجر[2] (بچّہ نکاح والے کا ہے اور زانی محروم ہے۔ت)

---

[1] و [2] صحیح بخاری باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹

مسند احمد بن حنبل دار الفکر بیروت ۲/ ۴۰۹

جب شریعت نے مردِ مغربی و زنِ مشرقی کے مسئلہ میں باوجود بعد المشرقین باحتمالِ کرامت یا استخدامِ جن بچہ شوہر ہی کا ٹھہرایا تو زید و ہندہ تو ایک ہی مکان میں رہتے تھے یہاں کیونکر ممکن کہ بے ثبوتِ قطعی شرعی فلاں کو معاذ اللہ زانی یا باوجود فراشِ صحیح بچہ کو ولد الحرام قرار دیں۔ رہا ہندہ کا فلاں کی نسبت کر دینا، ممکن کہ ہندہ کو اُس سے کوئی عداوت ہو اور شاید وہ رنجش اسی بنا پر پیدا ہوئی ہو کہ ہندہ نے اُس سے بدنگاہی پائی، مانع آئی کارگر نہ ہُوا، دشمن ہوگئی، اور بوجہ شدتِ غیظ اس خیال سے کر اولیا سے ہندہ یہ امرِ عظیم سُن کر حتی المقدور اُس شخص کے درپے آزار ہوں گے، اس تہمت کی مرتکب ہُوئی، اپنا بھی صریح ضرر سہی، اہلِ مکر وحیلہ سے اس قسم کی بات کا صدور کچھ عجب نہیں جس میں اُن کے دشمن کو ایذا پہنچے اگرچہ خود بھی عــہ..... ان کیدکن عظیم[1] (بیشک تمہارا چرتر بہت بڑا ہے۔ت)، اور رابناراضیِ زید کی بھی صریح توجیہ موجود کہ لغلط و دروغ اپنے ساتھ اس امرِ ناپاک کا وقوع بتانے پر ہندہ سے بیزار ہُوا، بہرحال حکم یہی ہے کہ وہ بچہ زید ہی کا تھا، اور جب شرع نے یہ مان لیا تو ہندہ کا مدخولہ ہونا خود ہی ثابت ہولیا تو پُورا مہر جس قدر قرار پایا تھا ذمہ زید واجب کہ طلاق دیتے ہی تمام و کمال واجب الادا ہوجائے گا اور بعد طلاق تین حیض کامل کی عدت لازم والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء[2] (طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض مکمل ہونے تک روک رکھیں۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

عــہ مسودہ میں بیاض ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۲۸

[2] " " ۲/ ۲۲۸

بابُ الحضانة

(پرورش کا بیان)

مسئلہ ۱۳۵ ۲۴ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید نے رحلت کی، دو پسر نابالغ زوجہ اولٰی سے جو زید کے رُوبرو فوت ہوچکی ہے اور تین دختر زوجۂ ثانیہ سے جو حی وقائم ہے وارث چھوڑے، اب دربارہ ان بچوں نابالغان کے ولایت کی فکر درپیش ہے نابالغان مذکورین کے اجداد میں دو شخص موجود ہیں ایک مسمی عمرو دادا کا چچازاد بھائی، دوسرا بکر دادا کا ماموں زاد بھائی جس کو مسمی زید مورث کی حقیقی ہمشیرہ جو ان پانچوں نابالغان کی حقیقی پھوپھی ہے منسوب ہے اور تین پھوپھی حقیقی بیاہی ہندہ ومعصومہ وصدیقہ اور دختران مذکورین کی والدہ اور پسران مذکورین کی نانی وماموں موجود ہیں پس اس صورت میں ان پانچوں نابالغان کی ولایت کا استحقاق کس کس شخص کو مرتبہ حاصل ہے بیّنوا توجروا۔

الجواب

صُورتِ مستفسرہ میں دونوں لڑکوں کا حقِ حضانت اُن کی نانی کو ہے کہ سات برس کی عمر تک اُس کے پاس رہیں گے پھر جوانی تک عمرو کے پاس کہ دادا کا چچازاد بھائی ہے رکھے جائیں گے۔ درمختار میں ہے:

الحاضنۃ اما او غیرھا احق بالغلام پرورش کرنے والی ماں ہو یا کوئی اور، وہ لڑکے کی

حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی[1]

حقدار ہوگی جب تک لڑکا عورت کی پرورش سے مستغنی نہیں ہوجاتا اور یہ مدت اندازاً سات سال ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا۔

ردالمحتار میں ہے :

اذا استغنی الغلام فالعصبة اولی یقدم الاقرب فالاقرب[2]

جب بچہ مستغنی ہوجائے تو پھر درجہ بدرجہ عصبات اس کے حقدار ہیں، قریب ترین کو تقدم حاصل ہوگا۔ (ت)

اور لڑکیوں کی شادی ہوجائے وہ شوہروں کے قابل ہوں تو شوہروں کے پاس رہیں گی ورنہ نو برس کی عمر تک ماں کے پاس، پھر اگر ان کے محارم میں کوئی مرد عاقل بالغ مثل حقیقی ماموں وغیرہ کے ہوگا تو اس کے سپرد کی جائینگی ورنہ جوانی تک ماں ہی رکھے گی، درمختار میں ہے :

الام والجدة احق بالصغیرة حتی تبلغ فی ظاهر الرواية وغیرهما احق بها حتی تشتهی وقدر بتسع وبه یفتی وعن محمد ان الحکم فی الام والجدة کذلك وبه یفتی لکثرة الفساد زیلعی وافاد انه لاتسقط الحضانة بتزوجها مادامت لاتصلح للرجال[3] ملخصًا۔

لڑکی کی حقدار اس کی ماں یا دادی ہے جب تک وُہ بالغ نہ ہوجائے، یہ ظاہر روایت ہے، اور ماں اور دادی کے غیر ہوں تو پھر وہ لڑکی کے مشتہاۃ ہونے تک حقدار ہوں گے، یہ مدت اندازاً نو سال ہے، اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ماں اور دادی کے لئے بھی یہی حکم ہے، اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا فتنہ کی کثرت کی وجہ سے، زیلعی ــــ اور اس عبارت سے معلوم ہُوا کہ عورت کا حقِ حضانہ (پرورش) نکاح کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا جب تک لڑکی مرد کے قابل نہیں ہوجاتی، ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے :

فان صلحت تسقط الخ[4]

جب بچّی مرد کے قابل ہوجائے تو پرورش کرنے والی کا حق ساقط ہوجائے گا الخ (ت)

اقول واخترنا ظاهر الرواية حین لا محرم لها لانها هی المتعینة

اقول (میں کہتا ہوں) ہم ظاہر روایت کو ہی ترجیح دیں گے، جب بچّی کا کوئی محرم ولی نہ ہو اور یہ ظاہر

---

[1] درمختار | باب الحضانة | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۵

[2] ردالمحتار | " " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۶۴۰

[3] درمختار | " " | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۵

[4] ردالمحتار | " " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۶۴۱

چ للفتیا فان نشوھا فی حضن امھا خیر لھا والنظر من ترکھا ضائقۃ لاحاضن لھا و قد علمت ان لاحق لغیر محرم فی حضانتھا۔

روایت ہی فتوٰی کے لئے متعین ہے کیونکہ اس صورت میں بچّی کا اپنی ماں کے پاس نشوونما پانا بہتر ہے اور ماں کو چھوڑنے میں بچّی پر کمزور شفقت ہوگی جبکہ اس کا کوئی پرورش کرنے والا محرم نہ ہو حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ غیر محرم کو بچّی کا حقِ حضانت نہیں ہے۔ (ت)

اوران پانچوں نابالغوں کے نکاح کی ولایت عمرو ہی کو ہے لان العصبۃ لاغیر (کیونکہ ان کے علاوہ کوئی عصبہ نہیں۔ ت) اور مال کی ولایت ان مذکورین میں سے کسی کو نہیں لاختصاصھا بالاب ووصیہ والجد ووصیہ و الحاکم الشرعی (یہ ولایت باپ اور اس کے وصی یا دادا اور اس کے وصی اور شرعی حاکم کے ساتھ خاص ہے۔ ت) ہاں اگر زید ان لوگوں خواہ ان کے غیر میں سے کسی کو اپنی جائداد کے حفظ وتنگہداشت یا اولاد کے غور و پرداخت کے لئے کہہ گیا ہو تو ولایتِ مال اُسے ہوگی لکونہ وصیا علیھم (کیونکہ وہ ان پر وصی مقرر ہُوا ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۶ ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ عباد اللہ ایک زوجہ اور ایک پسر نابالغ اور ایک چچا زاد بھائی فیض اللہ چھوڑ کر فوت ہُوا، عورت نے ایک اجنبی شخص سے نکاح کرلیا ہے اس نابالغ سے کوئی علاقہ نہیں اس بچّے کی نہ نانی ہے نہ دادی ہے نہ کوئی بہن بلکہ سوتیلی خالہ اور سگی پھوپھی ہے، اس صورت میں یہ بچّہ جس کی چار برس کی عمر ہے کس کے پاس رہے گا اور اس کے مال کی ولایت فیض اللہ کو ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ نابالغ کی ماں نے ایک اجنبی سے نکاح کرلیا، اب اُسے نابالغ کے رکھنے کا اختیار نہ رہا بلکہ سات برس کی عمر تک سوتیلی خالہ کے پاس رہے گا، اگر وہ نہ مانے گی تو پھوپھی کے پاس رکھا جائے گا اور اگر وُہ بھی انکار کرے گی تو جبراً خالہ کے پاس رکھا جائے گا، یہ سب اُس صورت میں ہے کہ خالہ اور پھوپھی دونوں میں کوئی مانع حضانت نہ ہو ورنہ اگر ایک میں مانع حضانت ہے تو دوسرے کے پاس رہے گا اور دونوں میں ہے تو پہلے ماں کی قرابت والیوں سے جو قابلِ حضانت ہو اس کے پاس رہے گا، سات برس کی عمر کے بعد جوان ہونے تک فیض اللہ کے پاس رہے گا،

فی الدرالمختار الحضانۃ للام الا ان تکون فاجرۃ اومتزوجۃ بغیرمحرم الصغیر[1] الخ۔

درمختار میں ہے بچّے کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے مگر یہ کہ وُہ فاجرہ ہو یا بچّے کے غیر محرم سے نکاح کرلے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

اُسی میں ہے :

ثم بعد الام بان ماتت او لم تقبل او تزوجت باجنبی ام الام ثم ام الاب ثم الاخت لاب وام ثم لام ثم لاب ثم الخالات کذٰلک ثم العمات[1] الخ۔

ماں فوت ہوجائے یا ماں قبول نہ کرے یا بچّے کے اجنبی سے نکاح کرلے تو ماں کے بعد نانی پھر دادی کو پھر حقیقی بہن کو پھر مادری بہن کو پھر پدری بہن کو پھر خالات کو اسی ترتیب سے پھر پھُوپھیوں کو الخ۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے :

ظاھر کلامھم ان الام اذا امتنعت وعرض علی من دونھا من الحاضنات فامتنعت اجبرت الام لامن دونھا[2]۔

فقہاءِ کرام کا ظاہر کلام یہ ہے کہ جب ماں انکار کرے اور بچے کو دوسری پرورش کنندہ پر پیش کیا گیا ہو تو اس نے بھی انکار کردیا ہو تو ایسی صورت میں ماں کو پرورش پر مجبور کیا جائیگا، ماں کے سوا دوسری پرورش کنندہ کو مجبور نہیں کیا جائیگا۔ (ت)

خلاصہ وغیرہ میں ہے :

ان لم یکن للصبی اب وانقضت الحضانۃ فمن سواہ من العصبۃ اولی الاقرب فالاقرب[3]۔

اگر بچّے کا باپ نہ ہو اور پرورش کی مدت ختم ہوچکی ہو تو پھر دوسرے عصبات ولی ہوں گے، ان کی ولایت درجہ بدرجہ قرابت کے لحاظ سے ہوگی یعنی سب سے قریب تر کو پہلے حق ہوگا۔ (ت)

اور ولایتِ مال میں فیض اللہ کا اصلاً حق نہیں بلکہ اُسے ملے گی جسے نابالغ کا باپ کہہ کر مرا ہو کہ میری اولاد کی نگہداشت تُو کرنا یا میرے ترکہ کی غور و پرداخت تیرے متعلق ہے یا اس بچّہ کو میں تیری سپردگی میں دیتا ہوں اُسے وصی کہتے ہیں، اگر باپ کا کوئی وصی موجود نہ ہو تو باپ کے وصی نے جسے اپنا وصی کیا ہو وہ ولیِ مال ہوگا وُہ بھی نہ ہو تو دادا کا وصی، وہ بھی نہ ہو تو دادا کے وصی کا وصی۔ درمختار میں ہے :

ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم جدہ الصحیح ثم وصیہ ثم وصی وصیہ[4] الخ، واللہ سبحٰنہ

بچّے کا ولی باپ، پھر اس کا وصی، پھر وصی کا وصی، پھر اس کا جدِ صحیح (یعنی جو عورت کے واسطہ کے بغیر جد ہو) پھر اس کا وصی، پھر اس کے وصی

---

[1] درمختار | باب الحضانۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۴

[2] بحرالرائق | " " | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۴/۱۶۹

[3] ردالمحتار بحوالہ خلاصہ وغیرہا | " " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۶۴۳

[4] درمختار | کتاب الماذون | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۲۰۳

وتعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

کالوصی الخ، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم بالصواب و الیہ المرجع والمآب۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۷ ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے والدین اور ایک زوجہ اور ایک شیرخوار لڑکا چھوڑ کر انتقال کیا، لڑکے کی نانی پہلے فوت ہوچکی ہے، اس صورت میں اگر لڑکے کی ماں کسی اجنبی سے نکاح کرلے تو لڑکا کس کے پاس رہے گا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر ماں کسی ایسے شخص سے نکاح کرلے جو لڑکے کا محرم نسبی مثل چچا وغیرہ کے نہ ہو تو لڑکا ماں سے لے لیا جائیگا اور جبکہ نانی نہیں ہے تو سات برس کی عمر تک دادی کے پاس رہے گا پھر دادا رکھے گا۔

فی الدر ثم بعد الام بان ماتت اولم تقبل اواسقطت حقها او تزوجت باجنبی ام الام وان علت عند عدم اهلیة القربی، ثم ام الاب وان علت بالشرط المذکور[1] الخ وفیه والحاضنة اما او غیرها احق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع، وبه یفتی[2] اھ وفی رد المحتار عن شرح المجمع و اذا استغنی الغلام عن الخدمة اجبر الاب او الوصی او الولی علی اخذه لانه اقدر علی تادیبه وتعلیمه اھ وفی الخلاصة وغیرها و اذا استغنی الغلام فالعصبة اولی یقدم الاقرب فالاقرب[3] اھ ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ ماں فوت ہوجائے یا بچے کو قبول نہ کرے یا اپنا حقِ حضانت ساقط کردے یا بچے کے کسی اجنبی سے نکاح کرلے تو پھر ماں کے بعد نانی کو پرورش کا حق ہے اگرچہ اوپر تک جب کوئی قریبی عورت پرورش کا حق نہ رکھتی ہو پھر دادی کو اوپر تک بشرطیکہ اس سے کوئی قریبی عورت نہ ہو الخ، اسی میں ہے پرورش کرنے والی ماں ہو یا کوئی اور تو ان کو لڑکے کے متعلق یہ حق اس وقت تک ہے جب تک لڑکا عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہ ہوجائے، جس کی مدت کا اندازہ سات سال کی عمر ہے، اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا اھ اس پر ردالمحتار میں شرح المجمع سے منقول ہے کہ جب لڑکا عورتوں کی خدمت سے مستغنی ہوجائے تو باپ یا اس کے وصی یا ولی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ لڑکے کو حاصل کرے کیونکہ اس کے بعد یہ لوگ عورتوں کی بنسبت لڑکے کی تعلیم و

---

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

[2] " " " ۱/۲۶۵

[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۰

تربیت زیادہ بہتر جانتے ہیں اھ خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ جب لڑکا مستغنی ہوجائے تو اس کے عصبہ مرد قرابت کے لحاظ سے درجہ بدرجہ اس کے حقدار ہوں گے اھ ملخصاً، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۸ ۲۷ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حق حضانت اور پرورشِ اطفال صغیر سن کا بعد وفات ماں کے کس کو ہے؟ اور ماموں چچا میں کس کو ترجیح ہے؟ اور وہ حق کس عمر تک رہتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل مظہر کہ یہ اطفال لڑکیاں ہیں، ان کے باپ بھائی بھتیجا بہنیں نانی ماموں چچا حقیقی ہیں، ایک لڑکی نو برس کی ہے ایک گیارہ کی، پس صورتِ مستفسرہ میں نانی ماموں کو ان کے رکھنے کا کچھ اختیار نہیں، لڑکیاں اپنے چچا کے پاس رہیں گی کہ لڑکی جب نو برس کی ہوجائے تو ماں بھی اسے نہیں رکھ سکتی چچا کو دلادی جائے گی، نانی وغیرہا کا تو دوسرا درجہ ہے۔ درمختار میں ہے:

الام والجدۃ لام اولاب احق بالصغیرۃ حتی تحیض وغیرھما احق بہا حتی تشتھی وقدر بتسع وبہ یفتی وعن محمد ان الحکم فی الام والجدۃ کذٰلک وبہ یفتی[1] اھ ملخصاً واللہ تعالٰی اعلم۔

ماں نانی اور دادی لڑکی کی حقدار اس کو حیض آنے تک ہیں اور دوسری عورتیں لڑکی کے مشتہاۃ ہونے تک حقدار ہیں، اور مشتہاۃ کا اندازہ ۹ سال کی عمر لگایا گیا ہے، اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ماں نانی اور دادی کا بھی یہی حکم ہے اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۹ از میران پور کٹرہ کمال زئی ضلع شاہجہانپور مرسلہ نادر خاں صاحب رئیس کٹرہ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صغیر وصغیرہ جن کی ماں انتقال کرگئی اور باپ نے دوسرا نکاح کرلیا نانا ماموں ممانی اور خالہ زاد اور پھوپھی زاد نانیاں اور نانیوں کی بیٹی بیٹیاں ہیں بچے نانا کے پاس ہیں باپ ان سے بالجبر لینا چاہتا ہے حالانکہ بوجہ نکاح ثانی اس کے پاس بچوں کی مضرت جان کا اندیشہ ہے، اس صورت میں حق پرورشِ اطفال کس کو ہے؟ پوری تفصیل درج ہو کہ حقِ حضانت ترتیب وار کس کو ہے اور پرورش کنندہ کے پاس کس عمر تک رہیں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حق حضانت ذی رحم محرم کے لئے ہے یعنی وہ نسبی رشتہ جس میں نکاح ہمیشہ کو حرام ہوتا ہے تو نانی کی

---

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

خالہ زاد یا پھوپھی زاد بہنوں یا اُن کی اولاد یا ممانی کے لئے کوئی حقِ حضانت نہیں جیسے خود صغیر وصغیرہ کی خالہ زاد ماموں زاد پھوپھی زاد چچا زاد بہنیں کہ یہ محارم سے خارج ہیں۔ درمختار میں ہے:

لاحق لولد عم وعمۃ وخالۃ لعدم المحرمیۃ[1]۔ | چچازاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد کو بچے کا حقِ پرورش نہیں ہے کیونکہ یہ محارم نہیں ہیں (ت)

پھر محارم میں پہلے مستحق عورتیں ہیں بشرطیکہ معاذ اللہ مرتدہ یا بدکار یا بے اطمینان یا کسی ایسے شخص کے نکاح میں نہ ہوں جو اس بچہ کا محرم نہیں، بے اطمینانی کی یہ صورت کہ بچہ کو بے حفاظت چھوڑ کر باہر چلی جایا کرتی ہو، ایسی بے پروائی ماں بھی کرے تو بچے اُس سے بھی لے لئے جائیں گے۔ درمختار میں ہے:

الحضانۃ للام الاان تکون مرتدۃ او فاجرۃ اوغیرمامونۃ بان تخرج کل وقت و تترك الولد ضائعا او متزوجۃ بغیرمحرم الصغیر[2] الخ ملخصًا۔ | پرورش کا حق ماں کو ہے مگر جب وہ مرتدہ یا فاجرہ یا غیر محتاط ہو کہ ہر وقت بچے کو چھوڑ کر باہر چلی جاتی ہو یا اس نے بچے کے غیر محرم اجنبی سے نکاح کرلیا ہو الخ ملخصًا (ت)

عورتوں میں سب سے مقدم ماں[۱] ہے، پھر سگی نانی[۲]، پھر اس کی ماں[۳]، پھر سگی دادی[۴]، پھر اس کی ماں[۵]، پھر اُس کی بہن[۶]، پھر مادری بہن[۷] (یعنی جو اس بچے سے ماں میں شریک اور باپ میں جدا ہو) پھر روایتِ متون میں سوتیلی بہن[۸]، پھر سگی بھانجی[۹]، پھر مادری[۱۰] (یعنی مادری بہن کی) بیٹی، پھر سگی خالہ[۱۱]، پھر مادری[۱۲] خالہ، پھر سوتیلی خالہ[۱۳]، پھر سگی بھانجی[۱۴]، پھر سوتیلی بھانجی[۱۵]، پھر سگی بھتیجی[۱۶]، پھر سوتیلی[۱۷]، پھر سگی پھوپھی[۱۸]، پھر مادری[۱۹]، پھر سوتیلی[۲۰]، پھر ماں کی سگی خالہ[۲۱]، پھر مادری[۲۲]، پھر سوتیلی[۲۳]، پھر باپ کی سگی خالہ[۲۴]، پھر مادری[۲۵]، پھر سوتیلی[۲۶]، پھر ماں کی سگی پھوپھی[۲۷]، پھر مادری[۲۸]، پھر سوتیلی[۲۹]، پھر باپ کی سگی پھوپھی[۳۰]، پھر مادری[۳۱]، پھر سوتیلی[۳۲]۔ یہ بتیس[۳۲] عورتیں ہیں جب ان میں کوئی نہ ہو یا بوجوہ مذکورہ مستحق نہ رہے تو حقِ حضانت عصباتِ ذکور کی طرف منتقل ہوگا جن میں سب سے مقدم باپ ہے، پھر دادا، پھر سگا بھائی، پھر سوتیلا، پھر سگا بھتیجا، پھر سوتیلا، پھر سگا چچا، پھر سوتیلا۔ ان میں سے کسی کے ہوتے نانا ماموں وغیرہما ذوی الارحام کو استحقاق نہیں تو خود باپ کے سامنے کب مستحق ہو سکتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

ثم بعد الام ام[۱] الام وان علت، ثم ام[۲] الاب وان | ماں کے بعد نانی[۱] اوپر تک، پھر دادی[۲] اوپر تک، پھر

---

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

[2] " " " ۱/۲۶۴

علت ، ثم الاخت لاب و ام ، ثم لام ، ثم لاب ، ثم بنت الاخت لابوین ، ثم لام ، ثم لاب ، ثم الخالات کذلك ای لابوین ، ثم لام ، ثم لاب ، ثم بنت الاخت لاب ، ثم بنات الاخ (لاب و ام ، اولام اولاب علی الترتیب) ثم العمات (لاب و ام ، ثم لام ثم لاب) ثم خالۃ الام کذلك ثم خالۃ الاب کذلك ثم عمات الامھات والاباء بھذا الترتیب ثم العصبات بترتیب الارث فیقدم الاب ، ثم الجد ، ثم الاخ الشقیق ، ثم لاب ، ثم بنوہ کذلك ، ثم العم ، ثم بنوہ ، ثم اذا لم تکن عصبۃ فلذوی الارحام اھ ملخصا منقحا مزیدا من ردالمحتار۔

حقیقی بہن ، پھر ماں کی طرف سے سگی بہن ، پھر باپ کی طرف سے سگی بہن ، پھر حقیقی بہن کی بیٹی پھر ماں کی طرف سے بہن کی بیٹی ، پھر باپ کی طرف سے سگی بہن کی بیٹی پھر اس ترتیب پر خالات ، پھر باپ کی طرف سے بہن کی بیٹی پھر بھائی کی بیٹیاں اس ترتیب پر ، پھر پھوپھیاں اس ترتیب پر ، پھر ماں کی خالہ ، پھر باپ کی خالہ اس ترتیب سے ، پھر ماؤں کی پھوپھیاں ، اور پھر آباء کی پھوپھیاں اسی ترتیب پر ، پھر عصبہ مرد حضرات وارث ہونے کی ترتیب پر یعنی پہلے باپ پھر دادا ، پھر حقیقی بھائی ، پھر باپ کی طرف سے سگا بھائی ، پھر بھائی کے بیٹے اسی ترتیب پر ، پھر چچا ، پھر اس کے بیٹے ، اور پھر اگر عصبات نہ ہوں تو ذوالارحام حقدار ہوں گے اھ ملخصا منقحا اس پر ردالمحتار سے بڑھاتے ہوئے۔ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں ان تیئیس عورتوں سے اگر کوئی عورت بھی قابلِ حضانت موجود ہے جس نے بوجہ موانع مذکورہ اپنے حقِ حضانت کو ساقط نہ کیا تو صغیر وصغیرہ نانا سے لے کر اُس عورت کے پاس رکھے جائیں گے لڑکا سات برس کی عمر اور لڑکی نو برس کے سِن تک بعدازاں باپ کو دے دئے جائیں گے اور اگر زنانِ مذکورہ سے کوئی عورت مستحق باقی نہیں تو آج ہی سے بچّے باپ کے پاس رہیں گے ، نانا کہ اکتالیسویں درجہ میں ہے اُن کا استحقاق نہیں رکھتا اور نکاحِ ثانی کے سبب باپ کے پاس مضرتِ جانِ اطفال کا اندیشہ گمان فاسد ہے ،

فان العلماء لایعدون التزوج من مسقطات حضانۃ العصبات کیف والرجال قوامون علی النساء بخلاف المرأۃ فانھن عوان بین ایدیکم۔

علمائے عصبہ مردوں کے حقِ حضانت کو ان کے نکاح کرلینے کی وجہ سے ساقط نہیں کیا ان کا حق کیسے ساقط ہو جبکہ یہ مرد بیویوں پر غالب ہیں اسکے برخلاف عورت کا معاملہ ہے کیونکہ وہ خاوند کے کنٹرول میں ہے (ت)

اور بالفرض اگر یہ امرِ باطل بثبوت کافی ثابت بھی ہوجائے تو غایت یہ کہ باپ سے لے کر اور نیچے کے عصبات بترتیب مذکور کو دیں گے جب تک اُن سے کوئی باقی ہے نانا کو استحقاق نہیں ، ماموں تو نانا سے بھی

؎ درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۵-۲۶۴

پانچویں درجہ میں ہے،

كما يظهر من الدر المختار و رد المحتار، والله تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار سے ظاہر ہورہا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور لڑکا اور ایک لڑکی نابالغ اور ایک بیٹی بالغہ منکوحہ اور ایک بھائی چھوڑ کر انتقال کیا زوجہ نے کہ ان بچّوں کی ماں ہے ایک اجنبی آدمی سے نکاح کرلیا، لڑکا چار برس کا ہے اور لڑکی آٹھ کی، اُس کی ماں اُس کا نکاح ایک جگہ کیا چاہتی ہے، چچا وہاں راضی نہیں بلکہ اپنے بھتیجے سے نکاح کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں اُن نابالغوں کے نکاح کا اختیار ماں کو یا چچا کو ہے اور اُن کو رکھنے کا اختیار کسے ہے، نابالغوں کی دادی کوئی نہیں، خالہ اور دو پھوپھیاں ہیں اور پھوپھیاں انھیں اپنے پاس رکھنے پر راضی نہیں، اور نابالغوں کا کچھ مال نہیں تو اُن کا کھلانا پلانا کس کے ذمّہ ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں نابالغوں کے نکاح کا اختیار اُن کے چچا کے سوا کسی کو نہیں، اُسکے ہوتے ہوئے ماں کا نکاح میں کچھ دخل نہیں، اور جبکہ وُہ ایک اجنبی شخص سے نکاح کر چکی تو اُسے بچّوں کے رکھنے کا بھی اختیار نہیں، بلکہ لڑکا سات برس کی عمر تک اور لڑکی جوانی تک اپنی بہن کے پاس رہیں، اور وُہ نہ رکھے تو خالہ کے پاس، اور وُہ بھی قبول نہ کرے تو پھوپھیوں کے پاس،

فی الدرالمختار الحضانة للام الا ان تكون فاجرة او متزوجة بغير محرم الصغير ثم بعد الام بان ماتت او لم تقبل او تزوجت باجنبی ام الام، ثم ام الاب ثم الاخت ثم الخالات ثم العمات[1] اھ ملخصا۔

درمختار میں ہے: ماں اگر فاجرہ یا بچّے کے غیر محرم سے نکاح والی ہو تو وہی پرورش کا حق رکھتی ہے، پھر ماں اگر فوت ہوجائے یا بچّے کو قبول نہ کرے یا بچّے کے اجنبی سے نکاح کرلے تو اس کے بعد نانی پھر دادی پھر بہن پھر خالائیں پھر پھوپھیوں کو حق حضانت ہے اھ ملخصاً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

الحاضنة لاتجبر اذا لم تتعین لها لان المحضون لایضیع حقه لوجود من یحضنه غیرها وتجبر اذا تعینت لعدم من یحضنه غیرها[1] اھ ملتقطا وتمام تحقیقه فیه وهذا احاصل ما وفق به بین نقلین مختلفین۔

پرورش کرنے والی جب صرف ایک ہونے کی وجہ سے متعین نہ ہو تو اس کو پرورش پر مجبور نہ کیا جائے گا کیونکہ دوسری پرورش کرنے والی موجود ہونے کی وجہ سے بچّے کی پرورش ضائع نہ ہوگی اور اگر وہ ایک ہی متعین ہو تو اس کو مجبور کیا جائے گا کیونکہ کوئی دوسرا نہیں ہے اھ ملتقطا اور اس کی مکمل تحقیق ردالمحتار میں ہے یہ دو مختلف منقول روایات میں تطبیق وتوفیق کا ماحاصل ہے۔ (ت)

اور جبکہ ان یتیم نابالغوں کا کچھ مال نہیں تو اُن کا کھانا کپڑا اُن کے اُن قابلانِ وراثت پر ہے جن کے پاس اپنے اور اپنے بال بچوں کے کھانے پہننے وغیرہ ضروری مصارف کے بعد پس انداز ہوتا ہو جس سے اپنے اُن عزیزوں کی امداد کرسکیں یہاں ماں بہن چچا پھوپھی خالہ اگرچہ سب محارم ہیں مگر خالہ پھوپھی ان تین کے سامنے وارث نہیں لہذا ان میں اگر کوئی ویسا مرفہ الحال ہو تو خالہ پھوپھی پر نفقہ دینا واجب نہیں۔

فی الدرالمختار ویجب ایضا لکل ذی محرم رحم محرم صغیر اوانثی مطلقا ولوکانت الانثی بالغة صحیحة اوکان الذکر بالغا لکن عاجزا عن الکسب نحو زمانة کعمی وعته وفلج اولایحسن الکسب فقیرا، بحیث تحل له الصدقة ولوله منزل وخادم علی الصواب بدائع[2] اھ ملخصا۔

درمختار میں ہے کہ ہر ذی محرم (خواہ نابالغ ہو یا عورت ہو) کا نفقہ واجب ہے، اگرچہ عورت بالغہ اور صحتمند ہو یا مرد بالغ ہو لیکن عاجز ہو محنت نہ کرسکتا ہو مثلاً اپاہج، نابینا، بے عقل یا فالج زدہ ہو، یا محنت کی مہارت نہ رکھنے والا محتاج ہو جس کو صدقہ حلال ہو اگرچہ اس کا مکان اور خادم ہو، درست قول کے مطابق یہی حکم ہے، بدائع، ملخصاً (ت)

عالمگیری میں ہے:

لوکان له عم وعمة وخالة فالنفقة علی العم فان کان العم معسرا فالنفقة علیهما[3]۔

اگر چچا، پھوپھی اور خالہ ہو تو نفقہ چچے پر لازم ہوگا، اور اگر چچا تنگدست ہو تو پھر پھوپھی اور خالہ دونوں پر لازم ہوگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار — باب الحضانة — داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۶

[2] درمختار — باب النفقة — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۶

[3] فتاوٰی ہندیہ — الفصل الخامس فی النفقة ذوی الارحام — نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۶۶

اب یہ دیکھنا رہا کہ ان تین وارثوں میں اس طرح کا مالدار کون ہے جس کا ہم نے بیان کیا، اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عورت اگر اپنا کچھ نہ رکھتی ہو تو وہ مرفہ الحال نہ گنی جائے گی اور اس سے نفقہ نہ لیا جائے گا اگرچہ اُس کا شوہر ہزاروں کا آدمی ہو والا لنرم ایجاب النفقۃ علی الاجنبی کما لایخفی (ورنہ اجنبی پر نفقہ واجب کرنا لازم آئے گا جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) پس اگر صورت مستفسرہ میں ان تینوں وارثوں سے صرف ایک ایسا مرفہ الحال ہی باقی ہے تو ان دونوں بچوں کا نفقہ صرف اُس ایک پر واجب ہوگا خواہ ماں ہو یا بہن یا چچا، اور اگر صرف دو ماں اور بہن مالدار ہیں چچا نہیں تو جس قدر اُن بچوں کے کھانے پہننے میں صرف ہونا سمجھا جائے اس کے پانچ حصے کریں دو حصے ماں سے لئے جائیں اور تین حصے بہن سے، مثلاً سوا روپے مہینے کا خرچ سمجھیں تو ۸؍ ماں دے اور ۱۲؍ بہن، اور اگر چچا مالدار ہیں بہن نہیں تو تین حصے کریں دو تہائی ماں سے لیں ایک تہائی چچا سے، اور اگر بہن چچا مالدار ہیں ماں نہیں تو چار سہام کریں ایک چوتھائی چچا دے تین حصے بہن، اور اگر تینوں مالدار تو چھ سہام کریں دو حصے ماں دے تین حصے بہن ایک حصہ چچا،

وذلک لما عرفت ان النفقۃ بقدر الارث وقد قال فی الھندیۃ الاصل فی ھذا ان کل من کان یحرز جمیع المیراث وھو معسر یجعل کالمیت واذا جعل کالمیت کانت النفقۃ علی الباقین علی قدر مواریثھم وکل من کان یحرز بعض المیراث لایجعل کالمیت فکانت النفقۃ علی قدر مواریث من کان یرث معہ[1] الخ ومثلہ فی الدر المختار وغیرہ وقد علمت انہ لیس ھھنا احد من الثلثۃ بحیث یحجب الباقین و یحرز کل

یہ اس لئے کہ جس کو آپ نے جان لیا کہ نفقہ بقدر وراثت لازم ہوتا ہے، اور ہندیہ میں کہا ہے اس میں ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص تمام وراثت حاصل کرنے کا حق رکھتا ہو جب وہ تنگدست ہو تو اس کو مردہ (کالعدم) قرار دیا جاتا ہے اور جب وہ کالعدم قرار پائے گا تو پھر نفقہ باقی ورثاء پر بقدر وراثت واجب ہوگا، اور وہ وارث جو تمام وراثت کو حاصل نہیں کرتا بلکہ وراثت کا کچھ حصہ پاتا ہے تو اس کو تنگدستی پر مردہ (کالعدم) نہیں قرار دیا جاتا لہٰذا اس کی موجودگی میں اس کے ساتھ جو لوگ وراثت میں حصہ دار ہوتے ہوں ان پر حصہ کے مطابق نفقہ لازم ہوگا الخ اور اسی طرح درمختار وغیرہ میں مذکور ہے، اور آپ معلوم کرچکے ہیں کہ یہاں تینوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو دوسرے ورثاء کو محروم

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الخامس فی نفقۃ ذوی الارحام نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۶۶

المیراث فان کان احدھم معسرا لا یجعل کالمیت و یعتبر فی التقسیم ثم یخرج من البین کما یفعل فی الخارج و بہ یتضح لك ما ذکرنا بتوفیق اللہ سبحٰنہ و تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

کرکے تمام وراثت کو حاصل کرسکے تو ان میں سے اگر کوئی تنگدست ہوجائے تو اس کو مردہ (کالمعدم) نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ اس کو تقسیم میں باقی اور شامل تصور کرکے درمیان سے الگ کردیا جائے گا، جیساکہ وراثت کی تقسیم میں کسی کو الگ کردیا جاتا ہے، تو اب وُہ بات واضح ہوگئی جو ہم نے ذکر کی ہے اللہ سبحانہ کی توفیق سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ ایک عورت مسماۃ ہندہ فوت ہُوئی اور مادر اُس کی اور طفل شیرخوار اُس نے چھوڑا اور شوہر بھی اُس کا باقی رہا لیکن کوئی شخص ماں یا بہن یا پھوپھی وغیرہ شوہر ہندہ کا نہیں رہا ہے کہ پرورش اس طفلِ شیرخوار کی کرے، نانی اُس طفل مذکور کی پرورش کرتی ہے اور باپ اُس طفل کا نہیں چاہتا ہے کہ نانی کے پاس وُہ لڑکا رہے، تو اس حالت میں وُہ لڑکا باپ کو عندالشرع دلایا جائے گا یا نانی کے پاس رہے گا، اور اسباب و ظروف وغیرہ کہ ہندہ متوفیہ کا جہیز ہندہ نے پایا تھا وُہ بھی شوہر اُس کے نے اپنے تصرف میں کرلیا تو وہ مال و اسباب متصرفہ شوہر ہندہ ملک اُس پسر صغیر کی ہوگا یا اُس کے باپ کے قبضہ میں رہے گا اور مصارف نان و نفقہ ایام رضاعت کا کس کے ذمہ چاہئے، بیّنوا توجروا۔

الجواب

صُورتِ مسئولہ میں سات برس کی عمر تک پسر کی پرورش اُن کی نانی کا حق ہے، باپ بلاوجہ شرعی اُس کا مزاحم نہیں ہوسکتا،

فی الدرالمختار الحضانۃ تثبت للام ثم ام الام و الحاضنۃ اما او غیرھا احق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی[1] اھ ملتقطا۔

درمختار میں ہے: پرورش کا حق ماں کو پھر نانی کو ہے، اور پرورش کرنے والی عورت لڑکے کی اس وقت تک حقدار ہے جب تک وُہ عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہیں ہوجاتا جس کی مدت اندازاً سات سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائیگا، اھ ملتقطا (ت)

---

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

اور ہندہ نے جو کچھ اسباب اپنے جہیز میں پایا تھا سب اُسی کی مِلک تھا اور بعد اس کی مرگ کے فرائض اللہ پر تقسیم پائے گا،

فی العقود الدریۃ کل احد یعلم ان الجہاز ملک البنت لاحق لاحد فیہا[1]۔

عقود الدریہ میں ہے کہ ہر ایک جانتا ہے کہ جہیز لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے اس میں کسی اور کا حق نہیں ہوتا۔ (ت)

البتہ جس قدر مال حصّہ نابالغ قرار پائے گا اُس پر قبضہ اُس کے باپ ہی کا ہوگا مگر نہ مالکانہ بلکہ از راہِ ولایت کہ باپ کے ہوتے ہُوئے دوسرا شخص بچّہ کا ولی اور اس کے مال کا محافظ نہیں کما فی الدر المختار وعامۃ الاسفار (جیسا کہ درمختار اور عامہ کُتب میں ہے۔ ت) رہا یہ بچّے کا نان ونفقہ اور اُجرت رضاعت وغیرہ مصارف کثیرہ ہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر بچّہ نے اپنی ماں کے ترکہ یا کسی اور وجہ سے اتنا مال پایا ہے جس کے سبب اُسے شرعاً غنی کہا جائے اور زکوٰۃ دینا ناروا ہو تو یہ سب صرف خاص اُسی کے مال سے ہوں گے باپ پر واجب نہیں کہ اپنے پاس سے صرف کرے، ہاں ان مصارف کی کارپردازی بحکم ولایت باپ کے ذمہ ہوگی، اور اگر بچّہ کے پاس اتنا مال نہیں تو بیشک یہ صرف باپ کے ذمہ ہیں،

فی رد المحتار عن الخیر الرملی ان الحضانۃ کالرضاع فلہا الاجرۃ من مال الصغیر ان کان لہ مال والا فمن مال ابیہ[2] اھ ملخصاً، وفی الدر المختار وتجب النفقۃ لطفلہ الفقیر فان نفقۃ الغنی فی مالہ الحاضر وتجب ایضاً لکل ذی رحم محرم فقیراً بحیث تحل لہ الصدقۃ ولو لہ منزل وخادم علی الصواب بدائع[3] اھ بالالتقاط فی رد المحتار قولہ ولو لہ منزل وخادم وھو محتاج الیہما وھذا عام فی الوالدین والمولودین وذوی الارحام کما صرح فی

رد المحتار میں خیر الدین رملی سے منقول ہے کہ پرورش کا حکم رضاعت والا ہے لہذا پرورش کرنیوالی کو اجرت کا استحقاق ہے، اگر بچّے کا اپنا مال ہو تو اس میں سے ورنہ بچّے کے والد کے مال میں سے اُجرت دی جائے گی اھ ملخصاً۔ اور درمختار میں ہے کہ بچّے کا نفقہ اگر وہ فقیر ہو تو باپ پر ہے کیونکہ اگر وہ فقیر نہ ہو تو غنی ہونے کی وجہ سے نفقہ اس کے اپنے موجود مال سے کیا جائے گا' اور یونہی جو ذی محرم فقیر ہو اس کے لئے صدقہ حلال ہو تو اس کے لئے بھی نفقہ ضروری ہے اگرچہ اس کا مکان اور خادم بھی ہو یہ حکم درست قول کے مطابق ہے

---

[1]

[2] رد المحتار | باب الحضانۃ | دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۷

[3] درمختار | باب النفقۃ | مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۳ و ۲۷۶

الذخیرۃ اھ ، واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ بدائع ، اھ ملتقطا۔ اس پر ردالمحتار میں ہے ماتن کا قول کہ "اگرچہ اس کا مکان اور خادم ہو" یعنی جبکہ اس کو ان کی احتیاج ہو۔ یہ حکم والدین، اولاد اور ذوالارحام سب کو شامل ہے جیسا کہ ذخیرہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے اھ ، واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲ ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو طلاق دی اور ایک پسر شیر خوار جو زید کے نطفہ سے ہے واسطے پرورش کے ہندہ کے پاس چھوڑا اور اس کی پرورش کے واسطے ماہانہ مقرر کردیا اب وہ لڑکا بعمر تین برس کچھ ماہ کے ہوا ہندہ نے نکاح ایک شخص سے کرلیا اب وہ لڑکا زید کو مل سکتا ہے یا نہیں، اور اگر مل سکتا ہے تو کس عمر میں ؟ اور ہندہ اس کو اپنے ماں باپ کے پاس چھوڑ کر شوہر کے یہاں چلی گئی وُہ عورت ہندہ کی مادرِ حقیقی نہیں ہے تو زید کے مقابلہ میں ہندہ کے ماں باپ کو استحقاقِ پرورش پسر مذکور حاصل ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل مظہر کہ ہندہ نے جس شخص سے نکاح کیا وہ لڑکے کا محرم نہیں بلکہ اجنبی شخص ہے اور ہندہ کی ماں اور نانی مرگئیں، باپ اور سوتیلی ماں ہیں، اور ہندہ کی سگی دادی اور خود لڑکے کی سگی دادی زندہ ہیں، پس صورتِ مذکورہ میں ہندہ کے باپ یا سوتیلی ماں کو لڑکے کے رکھنے کا کوئی حق نہیں بلکہ سات برس کی عمر تک اپنی دادی کے پاس رہے گا بعدہٗ باپ لے لے گا ماں کی دادی بھی لڑکے کی دادی کے ہوتے نہیں رکھ سکتی۔

فی الدرالمختار ثم بعد الام بان ماتت او تزوجت باجنبی ام الام و ان علت عند عدم اھلیۃ القربٰی ثم ام الاب وان علت بالشرط المذکور و اما ام اب الام فتؤخر عن ام لاب بل عن الخالۃ ایضا بحر، والام احق بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی[2] اھ ملتقطا، و

درمختار میں ہے کہ ماں فوت ہوجائے یا بچّے کے اجنبی غیر محرم سے نکاح کرلے تو ماں کے بعد نانی خواہ اوپر والی ہو جبکہ کوئی قریبی عورت پرورش کا حق نہ رکھتی، پھر دادی خواہ اوپر والی ہو مذکورہ شرط کے ساتھ، لیکن ماں کی دادی تو وُہ بچّے کی دادی بلکہ اس کی خالہ سے بھی مؤخر ہے، بحر۔ ماں لڑکے کی حقدار ہے جب تک لڑکا عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہ ہوجائے جس کا اندازہ سات سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائیگا

---

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸۲

[2] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۴

وفی ردالمحتار عن الفتح یجبر الاب علی اخذ الولد بعد استغنائہ عن الام[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اھ ملتقطا، اور ردالمحتار میں فتح سے منقول ہے کہ والد کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ بچے کو ماں کی نگرانی سے مستغنی ہوجانے کے بعد اپنی تحویل میں لے لے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو طلاق دے دی جس کو عرصہ پانچ سال کا ہوا اور اس کا ایک لڑکا تھا وہ بھی تقریباً پانچ سال کا ہوا، اب ہندہ نے نکاح ثانی کرلیا ہے اور اس لڑکے کی نانی سوتیلی ہے اور خالہ نابالغ ہے اور اس کی دادی اور پردادی اور دادا اور باپ موجود ہیں اس حالت میں لڑکا مذکور کس کے پاس رہنا چاہئے؟ بیان کیجئے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سائل نے بیان کیا کہ عورت نے اجنبی شخص سے نکاح کیا جو اس لڑکے کا کوئی نہیں اور نانی سوتیلی ہے، اور سگی نانی کی ماں بھی نہیں اور دادی حقیقی ہے، پس اس صورت میں ماں کو اس لڑکے کے رکھنے کا کوئی حق نہ رہا، اور سوتیلی نانی کوئی چیز نہیں، لڑکا سات برس کی عمر تک دادی یعنی اپنے باپ کی ماں کے پاس رہے گا پھر باپ لے لے گا۔ درمختار میں ہے:

الحاضنۃ یسقط حقہا بنکاح غیر محرم الصغیر[2]۔

پرورش کرنے والی کا حق ساقط ہوجاتا ہے جب وہ بچے کے غیر محرم سے نکاح کرلے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

ثم بعد الام ان ماتت او تزوجت باجنبی ام الام وان علت ثم ام الاب[3] اھ مختصرا واللہ تعالٰی اعلم۔

ماں فوت ہوجائے یا بچے کے اجنبی سے نکاح کرلے تو پھر نانی کو حق ہے خواہ اوپر والی ہو، پھر دادی کو حق ہے اھ مختصراً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ نے انتقال کیا اور ایک لڑکا بعمر چھ سات ماہ

---

[1] ردالمحتار | باب الحضانۃ | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۶۴۰
[2] درمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۵
[3] " | " | " | ۱/۲۶۴

کا شیر خوار چھوڑا، اور شوہر اور مسماۃ متوفیہ کی پھوپھی یعنی اس کے باپ کی حقیقی بہن اور مسماۃ متوفیہ کا ماموں موجود ہیں، ان سب میں کس کو ولایتِ پرورش پہنچ سکتی ہے؟ اور بحالتِ انکار اول حقدار کے دوم درجہ میں کس کو پہنچے گی؟

الجواب

جبکہ اُس لڑکے کی نہ نانی ہے نہ کوئی جوان بہن ہے، نہ بھانجی نہ خالہ، نہ پھوپھی نہ ماں کی خالہ، نہ باپ کی خالہ، صرف ماں کی پھُپی ہے اور وہ بیوہ ہے۔ جیسا کہ سائلوں نے بیان کیا تو اس صورت میں لڑکا سات برس کی عمر تک ماں کی پھُپی کے پاس رہے گا اس کے ہوتے ہوئے باپ کو بھی اختیار نہیں ماں کا ماموں تو بہت بعید ہے اور جبکہ لڑکے کے باپ کی پھپی بھی حسبِ بیان سائلان نہیں، غرض ماں کی پھُپی کے سوا کوئی عورت جسے حقِ حضانت ہو موجود نہیں تو ماں کی پھپی کو اُس سے انکار کا اختیار نہیں البتہ اس پرورش کی اُجرت لینی چاہے تو باپ کو دینی ہوگی۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہے،

الحضانۃ تثبت للام، ثم ام الام، ثم ام الاب وان علت، ثم الاخت لاب وام، ثم لام، ثم لاب، ثم بنت الاخت لابوین، ثم لام، ثم الخالات، ثم العمات، ثم خالۃ الام، ثم خالۃ الاب، ثم عمات الامھات و الاٰباء، بھذا الترتیب ثم العصبات بترتیب الارث[1]

پرورش کا حق ماں کو ہے پھر نانی پھر دادی کو اگرچہ اُوپر والی ہوں، پھر حقیقی بہن کو پھر ماں کی طرف سے سگی بہن کو پھر باپ کی طرف سے سگی بہن کو پھر حقیقی بہن کی بیٹی کو پھر ماں کی طرف سے بہن کی بیٹی کو پھر خالات کو پھر پھوپھیوں کو پھر ماں کی خالہ پھر باپ کی خالہ کو پھر ماں اور باپ کی پھوپھیوں کو اسی ترتیب سے پھر عصبہ مردوں کو وراثت کی ترتیب پر۔ (ت)

انھیں میں ہے،

ولا تقدر الحاضنۃ علی ابطال حق الصغیر وان لم یوجد غیرھا اجبرت بلا خلاف وتستحق اجرۃ الحضانۃ وھی غیر اجرۃ ارضاعہ ونفقتہ بحر عن

پرورش کرنے والی حقِ صغیر کو باطل نہیں کر سکتی اگر ماں کے علاوہ کوئی پرورش کرنے والی نہ ہو تو ماں کو بچے کی پرورش پر مجبور کیا جائے گا، اس میں اختلاف نہیں ہے، وہ البتہ پرورش کی اُجرت کی مستحق ہوگی جو کہ دُودھ پلانے کی اجرت اور نفقہ ولد کے علاوہ

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

السراجیۃ[1] اھ ملخصین، واللہ تعالٰی اعلم۔ ہوگی، بحر نے اسے سراجیہ سے نقل کیا ہے اھ ملخصاً واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۵: از ریاست رامپور محلہ چاہ شور مرسلہ منا خاں ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے وقتِ وفات اپنی ایک زوجہ منکوحہ اور ایک پسر نابالغ اور دو لڑکیاں نابالغہ ہیں، وراثت مع الحصر چھوڑ کر وفات پائی، اور بعد وفات مذکور کے اُس کی منکوحہ وارثہ نے بقضاءِ الٰہی وفات پائی، اب ایک لڑکا نابالغ اور دو لڑکیاں نابالغہ بطن مسماۃ متوفیہ سے باقی رہی، مسماۃ متوفیہ مذکورہ کا دادھیال اور ناںھیال میں سے کوئی ذکور اور اناث میں سے نہیں ہے اور زید مرحوم مذکور کے دو چچازاد بھائی ہیں اور ایک عورت حسینی متوفیہ مرحومہ کو بطور فرزندی پرورش کیا تھا دعویدار ہیں کہ ولایت ان ہر سہ نابالغ صغیر کی ہم کو پہنچتی ہے پس ولایت صغیران مذکور برادرانِ زید متوفی جو چچازاد بھائی زید کے ہیں اور وہ عورت جس نے منکوحہ زید کو فرزندانہ پرورش کیا تھا ان دونوں میں کس کو حسبِ شرع شریف حقِ ولایتِ نابالغان حاصل ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سائل مظہر کہ پسر کی عمر گیارہ سال ہے اور ایک دختر کی دس سال اور دوسرے کی تین سال، پس صورت مستفسرہ میں لڑکا جوان ہونے تک زید کے چچازاد بھائی کے پاس رہے گا اور لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کرنے کی ولایت بھی بھائیوں کو ہے مگر لڑکیاں اُن میں سے کسی کو سپرد نہ کی جائیں گی قاضیِ شرع پر فرض ہے کہ ان کے رکھنے کے لئے کوئی عورت صالحہ متدینہ امینہ تجویز کرے کہ تابلوغ یا جب تک شادی نہ ہو لڑکیاں اس کی حفاظت میں رہیں اور ان تینوں نابالغوں کا جو مال ہے اگر ان کے باپ یا دادا کا کوئی وصی موجود ہے یعنی جسے وہ اپنے مال یا اولاد کی حفاظت ونگہداشت کی وصیت کرگئے ہوں یا وہ نہ ہو تو ایسے وصی کا جو وصی ہو اس کی حفاظت میں سپرد کیا جائے ورنہ اس کے لئے بھی قاضیِ شرع پر فرض ہے کہ امین صالح دیندار قادر نیک مسلمان تجویز کرے جو قرآن پر سچا ایمان رکھے یتیم کے مال کو آگ جانے اور اللہ ان سب کا حساب لینے والا ہے، رہی وہ عورت جس نے ان کی ماں کو پالا تھا اس کا اصلاً کوئی حق نہیں، ہاں لڑکیوں کی حفاظت کے لئے اگر قاضیِ شرع کی رائے میں وہ عورت بی الفسب ہو تو اُسے دے دے مگر نکاح یا حفاظتِ مال میں اُس کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔ منہاج وخلاصہ وتاتارخانیہ وحاشیۃ الخیر الرملی وردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

ان لم یکن للصبی اب وانقضت الحضانة فمن سواہ من العصبۃ اولی الاقرب فالاقرب غیران الانثٰی لاتدفع الا الی محرم[1]

جب بچّے کی پرورش کی مدت ختم ہوجائے اور باپ نہ ہو تو باپ کے بعد والے عصبہ مردوں میں سے جو قریب تر ہو اس کی تحویل میں دے دیا جائے گا لیکن اگر لڑکی ہو تو اسے غیر محرم کی تحویل میں نہ دیا جائے گا۔ (ت)

تحفۃ الفقہاء، وبحرالرائق وردالمحتار میں ہے:

ان لم یکن للجاریۃ غیرابن العم فالاختیار للقاضی ان رأہ اصلح ضمہا الیہ والا توضع علی ید امینۃ اھ (قال الشامی) مافی التحفۃ علله فی شرحہا البدائع بقولہ لان الولایۃ فی ھذہ الحالۃ الیہ فیراعی الاصلح اھ وھو ظاھر فی انہ لاحق لابن العم فی الجاریۃ مطلقا الخ[2]۔

اگر لڑکی کا چچا زاد کے بغیر کوئی عصبہ نہ ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ اگر وہ چچازاد کو نیک وصالح سمجھتا ہے تو لڑکی اس کی تحویل میں دے دے ورنہ کسی امین صالح عورت کے سپرد کرے اھ، علامہ شامی نے فرمایا کہ تحفہ میں جو بیان ہے اس کی وجہ اور علت کو اس کی شرح بدائع میں یوں بیان کیا ہے کہ چونکہ ایسی صورت میں قاضی کو ولایت حاصل ہوتی ہے لہٰذا وہ بہتری کی تدبیر کرے اھ، یہ بات ظاہر ہے کیونکہ چچا زاد کو لڑکی پرحق مطلقاً نہیں ہے الخ۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

ولیہ ابوہ ثم وصیہ (بعد موتہ) ثم وصی وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم القاضی[3] اھ مزیدا من الدر المختار، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

بچّے کا ولی اس کا باپ پھر باپ کے فوت ہونے پر باپ کا وصی اور پھر وصی کا وصی، پھر دادا، پھر اس کا وصی، پھر اس کے وصی کا وصی، اور پھر قاضی ہے اھ، درمختار سے کچھ زیادتی شامل کرتے ہوئے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الحضانۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۲

[2] ردالمحتار باب الحضانۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۹

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۰۳

26

مسئلہ ۱۴۶ از پیلی بھیت پنجابی ٹولہ مرسلہ شیخ عبدالعزیز ۱۴ شوال ۱۳۲۱ھ

(شجرہ حاجی کفایت اللہ متوفی)

(زوجہ اولٰی حیات نجم النساء)

- مادر ایک: مسماۃ امیرجان
- بہنیں دو: صاحب النساء، نجم النساء
- دو لڑکے: احسان الحق، عبدالحق
- چہار لڑکیاں: عزیز النساء، لطیف النساء، حبیب النساء، جمیل النساء

(زوجہ ثانی متوفیہ حمید النساء)

- دو لڑکیاں: کریم النساء بالغہ، احمدی بیگم نابالغہ
- تین لڑکے نابالغ: فضل حق عمر ۱۲ سال، ضیاء الحق عمر ۷ سال، ریاض الحق عمر ۵ سال

حاجی کفایت اللہ نے انتقال کیا اور اُنھوں نے اپنی ایک مادر جو سنِ خرافت کو پہنچ گئی ہیں اور ہوش و حواس اُن کے قائم نہیں ہیں اور دو بہنیں اور ایک زوجہ اور اسی زوجہ حیات سے دو لڑکے اور چار لڑکیاں اور دوسری زوجہ متوفیہ سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں، فریقِ اوّل یعنی زوجہ اولٰی کی اولاد سب بالغ ہے اور فریقِ ثانی یعنی زوجہ ثانیہ کی اولاد بعض بالغ اور بعض نابالغ ہیں۔ فریقِ اوّل چونکہ بالغ اور غالب تھے اور فریقِ ثانی نابالغ اور مغلوب، لہٰذا فریقِ اوّل کو ہمیشہ فریقِ ثانی کے ساتھ بوجہ سوتیلے پن کے قدرتی مخالفت ہے، چنانچہ ان نابالغان کے سوتیلے بہن بھائی بہ اتفاق نجم النساء سوتیلی ماں کی والدہ نابالغان کے مخالف اور درپے تخریب و ایذا رسانی و دل آزاری رہی اور شرکت شادی و غمی اور ملنا جلنا تا حیات متوفیہ حمید النساء والدہ نابالغان قطعی ترک رہا مگر حینِ حیات حاجی کفایت اللہ ان کی عداوت کا کوئی اثر پُورے طور پر ظاہر نہیں ہو پایا لیکن بعد وفات حاجی کفایت اللہ فریقِ اول کی عداوت فریقِ ثانی کے ساتھ بخوبی ظاہر ہوگئی چنانچہ اس کی وجوہات یہ ہیں:

(۱) یہ کہ بعد وفات حاجی کفایت اللہ ان میں سے نابالغوں کو جو سب سے چھوٹے اور اُن کے اختیار میں تھے ایک خادمہ کے سپرد کرکے گڑھی مانکپور کو جو جائے سکونت سے ایک مسافت بعید پر واقع ہے باقی اعزا و اقارب سے جدا کرکے روانہ کردیا چھ ماہ تک ان کو لاوارث حیثیت سے چھوڑ رکھا جس کی وجہ سے ان کو طرح طرح کی خورد و نوش وغیرہ کی تکلیف اور اذیتیں پہنچیں۔

(۲) یہ کہ جملہ آمدنی اُن کے حصص واقعہ میں سے اپنے صرف میں لاچکے ہیں اور اُن کے مصارف کی کوئی خبر گیری نہیں کرتے۔

(۳) یہ کہ بہت سے اشیاءِ منقولہ زرِ نقد و زیورات و اشیاءِ خانگی جو نابالغان سے تعلق رکھتے ہیں ان لوگوں نے مخفی کرلیں اور ظاہر نہیں کیں اور دیون مورث کے وصول کرکے تصرفِ ذاتی اپنے میں لائے۔

(۴) یہ کہ طریقہ زندگی سوتیلے بھائیوں ان نابالغان کا ناشائستہ اور غیر مہذب بدچلنی کے ساتھ ہے۔

سوال

حاجی محمد کفایت اللہ متوفی نے انتقال کرکے اس شجرہ مذکورہ بالا کے مطابق ورثا چھوڑے اب ان اولاد نابالغان زوجۂ ثانی متوفیہ، فضل حق، ضیاء الحق، ریاض الحق و احدی بیگم کا حق ولایت جان و مال ازروئے شرع شریف ان اولیاء میں سے بمقابلہ وجوہاتِ بالا کے کس کو پہنچتا ہے۔

اخ لاب ۔ اخ لاب ۔ اخت لاب ۔ اخت لاب ۔ اخت لاب ۔ اخت لاب ۔ اخت لاب وام ۔ جدہ صحیحہ ۔
عبدالحق ۔ احسان الحق ۔ عجائب النساء ۔ لطیف النساء ۔ حبیب النساء ۔ جمیل النساء ۔ کریم النساء ۔ اللہ جلائی ۔

عمہ ۔ عمہ
نجم النساء ۔ صاحب النساء ۔

الجواب

حقِ حضانت لڑکے میں سات اور دختر میں نو برس کی عمر تک رہتا ہے اُس کے بعد عصبہ کے پاس رہے گی جو عصوبت میں مقدم ہے یہاں بھی مقدم ہے بشرطیکہ فاسق بدچلن نہ ہو اُس سے صغیر پر اندیشہ نہ ہو اور دختر کے لئے اس کا محرم ہونا بھی شرط۔ اور سات یا نو برس کی عمر تک جو حقِ حضانت میں عورات ذوات فروض مثل مادر و خواہر پھر ذوات رحم مثل خالہ و عمہ عصبات پر مقدم ہیں اُن میں شرط یہ ہے کہ صغیر کے نامحرم کے نکاح میں نہ ہوں ورنہ بچے ماں کو بھی سپرد نہ کئے جائیں گے جہاں شرائط حضانت کی جامعہ کوئی عورت نہ ہوگی، حضانت عصبات پھر ذوی الارحام ذکور کی طرف انتقال کرے گی اور دختر کے لئے وہی محرمیت ضرور ہوگی پھر اگر کوئی ذی رحم ان بچوں کے حق میں قابلِ اعتماد نہ ہو تو ذی علم دیندار خدا ترس مسلمانانِ شہر کہ کوئی بدعت کفریہ مثل نیچریت و رفض وغیرہما نہ رکھتے ہوں نہ مکذبانِ باری عزوجل یا منکرانِ ختمِ نبوتِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مسلمان جانتے ہوں جمع ہوکر کسی ایسے ہی متدین لائق کو بچوں کی حفاظت کے لئے تجویز کریں اور لڑکیاں بالخصوص کسی ایسی ہی عورت عاقلہ امینہ قادرہ کو سپرد کی جائیں جو نامحرم کے نکاح میں نہ ہو نہ ایسوں کے یہاں رہتی ہو جن سے بچوں پر مضرت و اذیت کا اندیشہ ہو اور یہ شرط عدمِ نیچریت و رفض وغیرہ بدعات کفریہ کہ ہم نے ان رائے دہندوں کے لئے ذکر کی مطلقاً

ہر عورت و مرد میں ضرور ہے جیسے حضانت یا حفاظت جان یا مال کی دی جائے بچّوں کے مال کو ولایت باپ کے بعد باپ کے وصی کو ہے یعنی جسے وہ کہہ کر مرا ہو کہ میری اولاد کی غور پرداخت کرنا یا کہا ہو میری جائداد کی نگہداشت کرنا، وصی نہ ہو تو وصی کا وصی، وُہ بھی نہ ہو تو دادا، پھر دادا کا وصی، پھر اس کے وصی کا وصی، اور ان میں کوئی نہ ہو تو پھر وہی حکم ہے کہ ذی علم متدین مسلمان نہایت غائر نظر سے مشورہ کرکے کسی ایسے ہی مسلمان کو محافظ مقرر کریں جو یتیم کے مال کو آگ جانتا ہو اور جس شہر میں کوئی عالم دین معتمد سُنّی المذہب فقیہ متدین موجود ہو تو ان امور میں رائے اُسی کی معتبر ہے، اور جہاں ایسے چند عالم ہوں وہاں جو اُن سب میں زیادہ علم والا ہو اس پر نظر ہے، جب کوئی مستحقِ حضانت و ولایتِ مال نہ ہو تو وہ عالمِ شہر اپنی رائے سے بلحاظ امور مذکورہ بچّوں کی سپردگی جان و مال کیلئے رجال و نساء باوصافِ مذکورہ تجویز کرے، شریعت کی ایسی باتوں میں جہاں قاضیِ اسلام نہ ہو اُس عالمِ شہر کی رائے رائے قاضیِ اسلام کی مثل ہے، اور مسلمانوں پر اُس کا اتباع لازم ہے، گورنمنٹ نے معاملات مثل نکاح و طلاق و حضانت و ولایت و وراثت و وصایت میں مسلمانوں کو آزادی دی ہے وُہ ہرگز مجبور نہیں کرتی کہ تم ان امور کو اپنی شرع کے مطابق باہم فیصلہ نہ کرلو بلکہ وُہ خود ان امور میں شریعت و فتوٰی کی طرف رجوع کرتی ہے، جہاں تک میرا خیال ہے یہ امور اسی قبیل سے ہیں اور اگر فی الواقع ایسا نہیں بلکہ آزادی کسی حد تک محدود کی گئی ہے تو جہاں تک آزادی ہے اس پر کاربند ہونا لازم ہے واللہ الموفق، درمختار میں ہے:

الحاضنۃ احق بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی واحق بہا حتی تشتھی وقدر بتسع وبہ یفتی[1]

لڑکے پر پرورش کرنے والی کا حق اس وقت تک ہے جب تک وُہ عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہیں ہوجاتا جس کا اندازہ سات سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا اور لڑکی پر اس کا حق لڑکی کے مشتہاۃ ہونے تک ہے جس کا اندازہ نو سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائیگا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی حاشیۃ البحر للرملی فی المنہاج والخلاصۃ والتاتارخانیۃ ان لم یکن للصبی اب وانقضت الحضانۃ فمن سواہ من العصبۃ اولی الاقرب فالاقرب غیر ان الانثی لاتدفع الا الی محرم[2]۔

بحر پر رملی کے حاشیہ میں ہے کہ منہاج، خلاصہ اور تاتارخانیہ میں مذکور ہے کہ اگر بچّے کا والد نہ ہو اور بچّے کی مدتِ پرورش ختم ہوجائے تو بچّہ قریب ترین مرد عصبہ کے سپرد کیا جائیگا مگر بچّی ہو تو وہ غیر محرم عصبہ کے سپرد نہ کی جائے گی (ت)

---

[1] درمختار | باب الحضانۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۵

[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۶۴۳

تنویر الابصار میں ہے :

الحضانة تثبت للام الا ان تکون مرتدة او غیر مامونة او متزوجة بغیر محرم ثم ام الام ثم ام الاب ثم الاخت لاب وام ثم لام ثم لاب ثم الخالات ثم العمات کذٰلک[1]

پرورش کا حق والدہ کو ہوگا بشرطیکہ وہ مرتدہ ، غیر محتاط اور بچے کے غیر محرم کی منکوحہ نہ ہو ، والدہ کے بعد نانی ، پھر دادی ، پھر حقیقی بہن ، پھر ماں کی طرف سے سگی بہن ، پھر والد کی طرف سے سگی بہن ، پھر خالات اور پھر پھوپھیاں اسی ترتیب سے ۔ (ت)

درمختار میں ہے :

ثم العصبات بترتیب الارث سوی فاسق و معتوہ ثم اذا لم یکن عصبة فلذوی الارحام[2] (ملخصًا) ۔

پھر عصبہ مرد حضرات وراثت کی ترتیب پر ما سوائے فاسق اور پاگل کے ، اگر عصبات نہ ہوں تو ذوی الارحام حقدار ہوں گے (ملخصًا) ۔ (ت)

بربان و عینی و بحر و ردالمحتار میں ہے :

فی البدائع لوکانت الاخوة والاعمام غیر مأمونین علی نفسھا اومالھا لاتسلم الیھم وینظر القاضی امرأة ثقة عدلة امینة فتسلمھا الیھا الی ان تبلغ[3]

بدائع میں مذکور ہے اگر بھائی اور چچے ، لڑکی اور اس کے مال کی حفاظت میں غیر محتاط ہوں تو لڑکی ان کے سپرد نہ کی جائے گی اور قاضی لڑکی کے بالغ ہونے تک کسی قابلِ اعتماد عادلہ دیانتدار عورت کے سپرد کر دے گا ۔ (ت)

درمختار میں ہے :

الحاضنة یسقط حقھا بنکاح غیر محرمه ای الصغیر وکذا بسکناھا عند المبغضین له[4]

پرورش کرنے والی بچے کے غیر محرم کی منکوحہ ہونے یا بچے کے مخالفین کے ہاں رہائش پذیر ہونے کی بنا پر پرورشِ صغیر کی حقدار نہ رہے گی ۔ (ت)

اُسی میں ہے :

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴
[2] ایضًا
[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۸
[4] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

ولیه فی المال ابوہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم جدہ الصحیح ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم القاضی[1]

بچّے کے مال کے متعلق ولی والد ہوگا پھر والد کا وصی پھر وصی کا وصی پھر حقیقی جدِ صحیح (جو کسی عورت کے واسطہ کے بغیر ہو) پھر دادے کا وصی پھر اس کے وصی کا وصی، اور پھر قاضی ہوگا۔ (ت)

حدیقہ ندیہ میں ہے:

فی العتابی اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم[2]

عتابی میں مذکور ہے کہ جس وقت بااختیار حاکم شرعی نہ پایا جائے تو پھر معاملات علماء کے سپرد قرار پائیں گے تو اُمت پر لازم ہے کہ وُہ علماء کی طرف اپنے معاملات میں رجوع کرے، پھر جب سب کا ایک عالم کی طرف رجوع کرنا مشکل ہو تو پھر ہر علاقہ والے اپنے اپنے علاقہ کے علماء کی طرف راجع ہوں، اور اگر علاقہ میں علماء کی کثرت ہو تو پھر سب سے بڑے عالم کی اتباع کریں۔ (ت)

جب یہ مسائل معلوم ہولئے اب صورت مستفسرہ کی طرف چلے، فضل حق وضیاء الحق تو حدِ حضانت سے نکل چکے ہیں کہ اُن کی عمریں سات سال سے زائد ہیں، انھیں چاہئے تھا کہ عصبات کے سپرد ہوں، عصبہ یہاں سوتیلے بھائی ہیں جنھیں سائل بدچلن بتاتا ہے اور نابالغوں کا بدخواہ ودشمن بھی، اور فی الواقع سوتیلوں میں خصوصًا جہاں جائداد کا قدم درمیان ہو بدخواہی نہ ہونا ہی تعجب ہے، تو لازم ہے کہ ان دونوں بچوں کے لئے کوئی اور عصبہ دیندار معتمد بشرائط مذکورہ تلاش کیا جائے، سائل نے زبانی احمدی بیگم کو ریاض الحق سے بھی چھوٹی بتایا تو یہ دونوں ابھی حضانت طلب ہیں، اللہ جلائی کو سائل مختل الحواس بتاتا ہے اور کریم النساء حقیقی بہن بچوں کے نامحرم کے نکاح میں ہے یونہی سوتیلی بہنیں بھی، اور ان کا نامعتمد ہونا علاوہ، بچوں کی کوئی خالہ بیان میں نہ آئی پھوپھیوں کی نسبت بھی مسموع ہُوا کہ نامحرموں کے نکاح میں ہیں، اس تقدیر پر ان کی حضانت بھی بھائیوں کی طرف آتی ہے مگر اُن میں وہی موانع ہیں تو اس کے لئے بھی کوئی عصبہ اور وُہ نہ ہو تو ذورحم تلاش کرنا چاہئے اور احمدی بیگم کے واسطے اس کا محرم بھی درکار، یہ حفاظتِ جان تھی، رہی سپردگی مال اس کے لئے لازم کہ باپ کا وصی یا

---

[1] درمختار کتاب المأذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۰۳

[2] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ النوع الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۵۱

وصی وصی یا دادا یعنی پدرِ پدر کا وصی یا وصی وصی کی تحقیق کریں، مثلاً حاجی کفایت اللہ نے اگر کریم النساء یا اپنی بہن نجم النساء یا صاحب النساء یا جس کسی شخص کو ان بچوں یا اپنی جائداد کی نگہداشت کی وصیت کی ہو نابالغوں کے مال اُسی کو سپرد کئے جائیں گے، یہ تین مقام تلاش و تحقیق کے ہیں، ان میں سے جس میں بعد تلاش بھی کوئی شخص اُن شرائط کا نہ ملے تو عالم شہر کی رائے لی جائے گی۔ یہ مسئلہ پیلی بھیت کا ہے اور وہاں اُن صفاتِ مذکورہ کا کوئی عالم نہیں سوا مولٰنا محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی دامت فیوضہم کے، تو ان کی طرف رجوع لازم اور اُن پر واجب کہ بعد غور تمام و تحقیقاتِ تام جملہ مسائل مذکورہ و مصالح نابالغین و مالہم و ما علیہم پر نظر غائر فرما کر جزم و احتیاط کامل سے کام لیں اور ذی رائے دیندار اہلسنت عمائد شہر کو رائے و شورٰی میں شریک کریں، وباللہ العصمۃ والتوفیق (اور اللہ تعالٰی کی امداد سے ہی عصمت اور توفیق ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۷

ایک عورت کا خاوند فوت ہوگیا، بعد انتقال دو ماہ اُس عورت کے لڑکا پیدا ہُوا اور بعد چند سے زمانہ عدت گزرنے پر عورت نے نکاح ثانی کرلیا، پرورش اُس بچّے کی اب تک کہ قریب تین سال کے ہُوئے وہ عورت کرتی ہے اُس بچہ کے دادا نے اس درمیان میں یہ چاہا تھا کہ اُس بچّہ کی پرورش میں کروں لیکن اُس عورت نے نہیں دیا اور کہا کہ بعد ہوشیار ہوجانے کے لے لینا، اب صورتِ مسئولہ یہ ہے کہ اُس بچہ کی پرورش اُس کی والدہ کب تک کرنے کی مستحق ہے اگر دادا بچّہ کا اُس بچہ کو اپنے پاس رکھنے کو لے تو اُس کی ماں کو بطریقہ شرعی کچھ خوراک یا نفقہ معین کرنا یا معاوضہ میں دینا چاہئے یا نہیں، اور اُس زیور میں اُس لڑکے کا کچھ حق ہے یا نہیں جو اُس کی ماں کے پاس ہے، اگر ہے تو کس قدر؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

عورت نے اگر پسر کے محرم مثلاً حقیقی چچا سے نکاح کیا ہے تو لڑکا سات برس کی عمر تک ماں ہی کے پاس رہے گا اور اس مدت تک عورت اُسی کے پالنے پر ماہانہ پائے گی جس کا وجوب لڑکے کے مال میں ہوگا اور لڑکے کا مال نہ ہو تو اُس کے دادا پر ہوگا۔

فی الدرالمختار تستحق الحاضنۃ اجرۃ الحضانۃ وھی غیر اجرۃ ارضاعہ ونفقتہ کما فی البحر عن السراجیۃ و فی کتب الشافعیۃ مؤنۃ الحضانۃ،

درمختار میں ہے کہ پرورش کرنے والی اجرت کی مستحق ہوگی جو بچّے کو دُودھ پلانے کی اُجرت اور نفقہ ولد کے علاوہ ہوگی، جیسا کہ بحر نے سراجیہ سے نقل کیا ہے اور شافعی حضرات کی کتب میں ہے کہ پرورش کا خرچہ

فی مال المحضون لولہ مال والا فعلی من تلزمہ نفقتہ قال شیخنا وقواعدنا تقتضیہ فیفتی بہ[1] اھ مختصرا وفی ردالمحتار الشامی عن البرجندی تجبر الام علی الحضانۃ اذا لم یکن لھا زوج والنفقۃ علی الاب، وقال الفقیہ ابوجعفر تجبر وینفق علیھا من مال الصغیرۃ وبہ اخذ الفقیہ ابواللیث[2] اھ مختصرا۔

پرورش پانے والے بچے کے مال سے ادا ہوگا اگر بچے کا اپنا مال ہو، اگر بچے کا اپنا مال نہ ہو تو پھر اسی شخص پر ہوگا جس پر بچے کا نفقہ واجب، ہمارے شیخ نے فرمایا ہمارے قواعد بھی یہی تقاضا کرتے ہیں لہذا اس پر فتوٰی دیا جائے گا اھ مختصراً۔ ردالمحتار میں شامی نے برجندی سے نقل کیا ہے کہ جب خاوند نہ ہو تو ماں کو پرورش پر مجبور کیا جائے گا اور پرورش کا خرچہ بچے کے والد پر ہوگا، اور ابوجعفر فقیہ نے فرمایا کہ بچے کی پرورش کے لئے ماں کو مجبور کیا جائے گا اور خرچہ خود بچے کے مال سے ادا کیا جائے گا، اسی کو فقیہ ابواللیث سمرقندی نے لیا ہے اھ مختصراً (ت)

ہاں اگر لڑکے کی کوئی قریب رشتہ دار عورت لائق حضانۃ مثلاً خالہ یا پھُپھی بلا اجرت حضانت پر راضی ہو تو اس صورت میں کہ لڑکا مال رکھتا ہے اور اُس کا مال بچانے کو لڑکے کی ماں سے کہا جائے گا یا تو تُو مفت اپنے پاس رکھ یا اُس دوسری عورت کو دے دے کہ مفت پرورش کرے،

فی ردالمحتار ان کان المتبرع غیر اجنبی والصغیر لہ مال یقال للام اما ان تمسکیہ مجانا اوتدفعیہ للعمۃ مثلا المتبرعۃ صونا لمالہ لولہ مال[3] (ملخصاً)

ردالمحتار میں ہے، اگر مفت میں پرورش کرنے والی غیر اجنبی عورت (محرم) ہو اور بچے کا اپنا مال ہو تو ماں کو کہا جائے گا کہ تُو بچے کی مفت میں پرورش کر یا پھر مفت پرورش کرنے والی محرمہ مثلاً پھوپھی کو سونپ دے" یہ اس لئے کہ بچّے کا مال محفوظ رہے۔ (ملخصا)۔ (ت)

اور جس سے عورت نے نکاح کیا لڑکے کا محرم نہیں تو عورت کا حقِ حضانت ساقط ہوگیا لڑکا اُس سے فوراً لے لیا جائے اور نانی وُہ نہ ہو تو دادی پھر بہن پھر خالہ پھر پھپھی جوان میں قابل حضانت ہو کہ لڑکے کے اجنبی کے نکاح میں نہ ہو اُسی کے پاس سات سال کی عمر تک رکھا جائے اور عورتوں میں کوئی ایسی نہ ہو تو دادا

---

[1] درمختار | باب الحضانۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۴
[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۶۳۶
[3] " | " | " " " | ۲/۶۳۸

لے لے، جو زیور اُس کے باپ نے اس کی ماں کو ہبہ کردیا ہو اس میں لڑکے کا کچھ حق نہیں ورنہ بعد فرض اصحاب فرائض باقی لڑکے کا ہے مثلاً اُس کے باپ کا سوا زوجہ و پدر و پسر کے کوئی وارث نہ ہو تو بعد دین و وصیت ۲۴ حصے ہو کر ۳ حصے زوجہ اور ۴ والد اور ۱۷ پسر کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۱ ۷ شعبان ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور ایک لڑکا ایک لڑکی نابالغ اور ایک بیٹی بالغہ منکوحہ بیوہ اور ایک بھائی چھوڑ کر انتقال کیا، زوجہ نے کہ اس بچے کی ماں ہے ایک اجنبی آدمی سے نکاح کرلیا جو ان بچوں کا رشتہ دار نہیں، لڑکا چار برس کا ہے اور لڑکی آٹھ برس کی، اُس کی ماں ایک جگہ اُس کا نکاح کیا چاہتی ہے، چچا وہاں راضی نہیں بلکہ اپنے بھتیجے یعنی دوسرے بھائی کے پسر سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس صورت میں اُن نابالغوں کا اختیار ماں کو ہے یا چچا کو؟ اور اُن کے رکھنے کا اختیار کسے ہے؟ نابالغوں کی نانی دادی کوئی نہیں، خالہ اور دو پھپیاں انھیں اپنے پاس رکھنے پر راضی نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اُن نابالغوں کے نکاح کا اختیار چچا کے سوا کسی کو نہیں، اس کے ہوتے ہوئے ماں نکاح میں کچھ دخل نہیں رکھتی۔

فی تنویر الابصار ان لم تکن عصبۃ فالولایۃ للام[1]۔ تنویر الابصار میں ہے: اگر کوئی عصبہ ولی نہ ہو تو پھر ولایت ماں کو حاصل ہوگی۔ (ت)

اور جبکہ وہ اپنا نکاح ایک اجنبی شخص سے کرچکی تو اُسے ان بچوں کے رکھنے کا بھی اختیار نہیں،

فی الدرالمختار الحضانۃ للام الا ان تکون فاجرۃ او متزوجۃ بغیر محرم الصغیر[2] اھ مختصرا۔ درمختار میں ہے: پرورش کا حق ماں کو ہے مگر جب وہ فاجرہ ہو یا بچے کے غیر محرم کی منکوحہ ہو تو پھر نہیں اھ مختصراً (ت)

بلکہ لڑکا سات برس اور لڑکی نو برس کی عمر تک اپنی بیوہ بہن کے پاس رہیں اور وہ نہ رکھے تو خالہ کے پاس، وہ بھی قبول نہ کرے تو پھپیوں کے پاس،

فی الدرالمختار ثم بعد الام بان ماتت درمختار میں ہے: ماں فوت ہوجائے یا بچے کو قبول

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[2] " " " باب الحضانۃ " " " ۱/۲۶۴

اولو تقبل او تزوجت باجنبی امر الام، ثم ام الاب، ثم الاخت، ثم الخالات، ثم العمات[1] اھ مختصرا، وفی رد المحتار الحاضنۃ لا تجبر اذا لم تتعین لھا، لان المحضون[2] لا یضیع حقہ لوجود من یحضنہ غیرھا وتجبر اذا تعینت لعدم من یحضنہ غیرھا[2] اھ ملتقطا وتمام تحقیقہ فیہ وھذا حاصل ما وفق بہ بین نقلین مختلفین، وفی الدر المختار الحاضنۃ اما او غیرھا احق بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی وبالصغیرۃ حتی تشتھی وقدر بتسع وبہ یفتی[3] اھ بالالتقاط، واللہ تعالٰی اعلم۔

نہ کرے یا بچے کے غیر محرم کی منکوحہ ہو تو پھر ماں کے بعد نانی پھر دادی، پھر بہن، پھر خالات، پھر پھوپھیاں ترتیب وار حقدار ہیں اھ مختصرا، اور ردالمحتار میں ہے کہ پرورش کرنے والی اگر واحد اکیلی نہ ہو تو اس کو مجبور نہ کیا جائے کیونکہ پرورش پانے والے بچے کا حق ضائع نہ ہوگا اس لئے کہ دوسری پرورش کرنے والی موجود ہے، ہاں اگر پرورش کرنے والی واحد اکیلی ہونے کی وجہ سے وہی متعین ہے تو اس کو مجبور کیا جائے گا، کیونکہ دوسری نہ ہونے کی وجہ سے بچے کا حق ضائع ہوگا اھ ملتقطا، اس بحث کی مکمل تحقیق اسی میں ہے، یہ دو مختلف نقول میں توفیق کا حاصل ہے، درمختار میں ہے کہ پرورش کرنے والی ماں ہو یا کوئی اور وہ لڑکے کی حقدار ہے جب تک لڑکا عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہیں ہوجاتا، جس کا اندازہ سات سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، اور پرورش کرنے والی لڑکی کی حقدار ہیں جب تک لڑکی مشتہاۃ نہ ہوجائے جس کا اندازہ نو سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)۔

مسئلہ ۱۴۹: ۱۰ جمادی الآخرہ ۱۳۰۷ھ

زن و شوہر میں نااتفاقی ہے ان کی لڑکی کی عمر قریب چھ برس کے ہے شوہر نے جبر کرکے اس کو ماں کے پاس سے علیحدہ کرلیا ہے اور اس کو ماں کے پاس نہیں آنے دیتا ہے، پس اس صورت میں حکم شرع شریف استفسار ہے کہ لڑکی کس کے پاس رہے اور حق ماں کو لڑکی کے رکھنے کا کے برس کی عمر تک ہے اور باپ لڑکی کا بحالت موجود ہونے لڑکی کی ماں کے مستطیع ہے اور اس کی تعلیم اچھی طرح کرسکتی ہے لڑکی کو اپنے پاس رکھ سکتا

---

[1] درمختار	باب الحضانۃ	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۲۶۴
[2] ردالمحتار	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/۶۳۶
[3] درمختار	"	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۲۶۵

ہے یا نہیں، اور باپ لڑکی کا غیر مستطیع ہے فقط بیّنوا توجروا۔

الجواب

لڑکی نو برس کی عمر تک ماں کے پاس رہے گی بعدہٗ باپ کو دے دی جائے گی، اس سے پہلے جب تک ماں میں کوئی اور مسقط حضانت نہ ثابت ہو کسی کو بلاوجہ شرعی اس سے لینے کا اختیار نہیں،

فی الدرالمختار الام والجدۃ احق بہا حتی تشتہی وبہ یفتی[1]

درمختار میں ہے کہ ماں اور دادی لڑکی کے مشتہاۃ ہونے تک حقدار ہیں اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

وقدر بتسع وبہ یفتی[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

مشتہاۃ اندازاً نو سال کی عمر ہے، اور اسی پر فتوٰی دیا جائیگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۰: از رنگون سورتی بازار دکان ۲۶۸ مرسلہ شیخ عبدالستار بن اسمٰعیل صاحب ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو کی دو لڑکیاں زبیدہ اور ہندہ تھیں، زبیدہ کا نکاح خالد سے ہُوا اور ہندہ کا نکاح بکر کے لڑکے ولید سے۔ ولید سے ہندہ کو ایک لڑکا زید تولّد ہُوا، بعد کو ولید انتقال کرگیا، کچھ عرصہ بعد زبیدہ جو کہ خالد کے نکاح میں تھی گزر گئی، اس کے بھی چند اولادیں، بعد ایک عرصہ کے عمرو نے سنّت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سمجھ کر بیوہ ہندہ کا نکاح اپنی مرحوم لڑکی زبیدہ کے خاوند سے کردیا، یہ بات ہندہ کے اگلے شوہر ولید کے باپ بکر کو ناگوار گزری اور ولید کے لڑکے زید کو اپنے قبضے میں لے لیا اور اُس لڑکے کو اُس کی والدہ سے اور والدہ کے رشتہ داروں سے ملنے جلنے نہ پائے اس کا سخت بندوبست کیا اس طرف اب زید کی والدہ جو نکاح ثانی کرچکی ہے لڑکے کے فراق میں سخت بے چین ہے روز و شب لڑکے کو یاد کرتی ہے اُس بچّے سے کسی طرح بھی ملنا چاہتی ہے حتی کہ ہندہ کی صحت بھی بگڑ چکی ہے اس سبب سے ہندہ کے والد عمرو بھی بے چین ہیں اور بہت ذریعے سے بکر سے عرض کرچکے ہیں حتی کہ ایک جلسے جماعت مسلمین میں بھی یہ طے پایا کہ بکر کو جماعت کی طرف سے عرض کیا جائے کہ زید کو اس کی والدہ ہندہ کے پاس وقتاً فوقتاً کچھ دیر ملاقات کے لئے بھیجا کرے، مگر پھر بھی نتیجہ کچھ حاصل نہ ہُوا، اب سوال یہ ہے کہ یہ فعل بکر کا جائز ہے یا نہیں، کس طرح کے حقوق اس وقت ایک دوسرے پر ہیں، کیا بکر پر فرض نہیں کہ زید کو اس کی والدہ کے پاس صرف ملاقات کے لئے بھیجا کرے، کیا ایسے

---

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

[2] ایضاً

افعال اور جبر سے نکاح ثانی چونکہ نہایت ضروری سنّت شریف ہے کہ کرنے میں رکاوٹیں پیدا نہ ہوں گی خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ہند میں اکثر یہ مذموم رسم جاری ہے کہ نکاح ثانی نہیں کرتے، کیا والدہ بیچاری جس کی محبت بچّے کے ساتھ اظہر من الشمس ہے خصوصاً بچہ جبکہ سات، آٹھ، نو سال ہی کا ہو اتنا بھی حق نہیں رکھتی کہ ایک آدھ مرتبہ بچّے کی صُورت دیکھ لے۔

الجواب

اگر ماں دُوسرا نکاح نہ بھی کرے تو لڑکا سات برس کی عمر کے بعد اُس کے پاس نہ رکھا جائے گا دادا لے لے گا اور اگر سات برس سے کم عمر ہو اور ماں دوسرا نکاح نہ کرے یا کرے تو لڑکے کے محرم یعنی چچا سے، تو لڑکا سات سال کی عمر ہونے تک ماں کے پاس رہے گا دادا نہیں لے سکتا، لیکن جب لڑکے کے نامحرم مثلاً خالو سے نکاح کرلے، جیسا یہاں ہُوا تو اس نکاح کرنے کو جو بُرا کہے گا سخت گنہگار ہوگا لیکن شوہر دوم نامحرم پسر ہونے کے سبب لڑکا ماں سے لے لیا جائے گا، یہ سب مسائل درمختار وغیرہ عامہ کتب میں مصرح ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بچّہ ماں سے بالکل تڑا لیا جائے اُس سے ملنے تک نہ دیں، یہ حرام اور سخت حرام ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعنہ اللہ من فرق بین الوالدۃ و ولدھا[1] — اللہ کی لعنت ہے اس پر جو ماں اور اُس کے بچّے میں جُدائی ڈالے۔

بکر پر لازم ہے کہ اس حرکت سے توبہ کرے اور بچّے کو اُس کی ماں سے ملنے دے اور بلا وجہ ایذائے مسلمان کا شدید وبال اپنے سر نہ لے۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلماً فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ[2] رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزّوجل کو ایذا دی۔ (اس کو طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] سنن ابن ماجہ باب النہی عن التفریق بین السبی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۲

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/۳۷۳

مسئلہ ۱۵۱: از حسن پور ضلع سارن مسئولہ شاہ حمید احمد ۲۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے باپ، بی بی اور دس سالہ لڑکی نابالغہ چھوڑ کر انتقال کیا، زید کی بی بی نے بعد ایام عدت زید کے ایک ایسے بھائی سے عقدِ ثانی کرلیا جو بعد وفات پدر زید کے اس کے ترکہ کا وہی وارث جائز ہے اور مکان بھی اُس کا بالکل زید کے مکان سے متصل ہے اور زید کے ہر جزو جائداد میں حصہ دار بھی ہے اور لڑکی زید کی آج تک پرورش اور پرداخت میں اپنی ماں کے ہے ایسی صورت میں حقِ پرورش و پرداخت و ولایت نکاح کا لڑکی کی ماں کو حاصل ہے یا دادا کو باوجودیکہ لڑکی ہنوز پرورش و پرداخت میں اپنی ماں کی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب

لڑکی کے نکاح یا اس کے مال کی نگہداشت کا حق تو باپ کے بعد دادا کے سوا کسی کو نہ تھا، پاس رکھنے کا حق ماں کو تھا، جب لڑکی نو برس کی ہُوئی وہ بھی ختم ہوگیا اب دادا اُسے لے لے گا، ماں یا چچا کسی کو تعرض کا اختیار نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۲: از ریاست جاورہ سڑک رتلام دروازہ مرسلہ چھوٹے خاں معرفت سید حسن انسپکٹر ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ حامد لاولد کو زید صاحبِ اولاد نے اپنی ایک دختر بسبب محبت و یگانگت و ہمدردیِ اسلامی لوجہ اللہ دے کر یہ اختیار دے دیا کہ اب یہ لڑکی تمہاری ہے ہمارا کسی قسم کا اس پر دعوٰی جھگڑا نہیں ہے اس کو بطور اولاد کے تم پرورش کرو اور جہاں چاہو اس کی شادی وغیرہ کردینا ہمیں کوئی تعلق نہیں، چنانچہ حامد نے دس گیارہ سال تک اُس دختر کو بطور اولاد خود اپنے پاس رکھ کر اپنے صرفہ سے پرورش کیا اور اب جبکہ دختر ہوشیار ہُوئی تو زید نے بباعث طمع یا جو کچھ ہو اپنی طرف اُس کو لوٹانا چاہا اور حامد اُس کے دینے سے انکاری ہے تو ایسی صورت میں عندالشرع دختر مذکورہ اس کے والدین کو دلائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر دلائی جاسکتی ہے تو کیا بلا ادائے صرفہ پرورشِ دختر؟

الجواب

دختر کا ہبہ کردینا باطل ہے نہ وہ باپ کی ملک تھی نہ حامد کی ملک ہوگئی، اور اب کہ بالغہ ہُوئی یا قریب بلوغ پہنچی جب تک شادی نہ ہو ضرور اس کو باپ کے پاس رہنا چاہئے یہاں تک کہ نو برس کی عمر

کے بعد سگی ماں سے لڑکی لے لی جائے گی اور باپ کے پاس رہے گی نہ کہ اجنبی جس کے پاس رہنا کسی طرح جائز ہی نہیں، بیٹی کرکے پالنے سے بیٹی نہیں ہوجاتی، اس نے جو خرچ کیا اپنی اولاد بنا کر کیا نہ کہ بطور قرض، لہذا واپسی کا بھی مستحق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بابُ النّفقة

(نفقہ کا بیان)

مسئلہ ۱۵۳: ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں اور عدت گزر چکی اب عورت کا نفقہ زید پر واجب ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا (بیان کیجئے اجر پائیے۔ت)

الجواب

اگر فی الواقع عدت گزر چکی (یعنی حاملہ تھی تو وضعِ حمل ہوگیا ورنہ طلاق کے بعد تین حیض شروع ہوکر ختم ہولئے) تو اب نفقہ واجب نہیں کہ مطلقہ کا نفقہ عدت تک ہے بعد عدت کوئی علاقہ باقی نہیں جس کے سبب نفقہ لازم ہو، فی ردالمحتار النفقۃ تابعۃ للعدۃ[1] (ردالمحتار میں ہے: عورت کا نفقہ عدت کے تابع ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴: از ٹونک محلہ قافلہ مرسلہ مولوی سید ولی اللہ صاحب ۲۱ شوال ۱۳۰۹ھ

بعالیجناب فیض مآب حضرت مولٰنا وبالفضل اولانا قبلہ وکعبہ ام مولٰنا احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ فیضہ، پس از تسلیم نیاز معروض می دارد۔ نقل اقرار نامہ بذریعہ عریضہ ہذا خدمت شریف میں ابلاغ ہے بروئے اس کے

---

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۹

مدعیہ مسماۃ رقیہ بیگم کو اختیار حاصل ہے کہ بصورت ہونے تکلیف کے اپنے والدین کے مکان پر جاکر ہمیشہ رہے یا نہیں، اور جواز اس کا شرع سے ہے یا نہیں؟

اوّل یہ تکلیف ہے نان نفقہ جو پہلے دیتا تھا نہیں دیتا باوجود مقدوری کے۔

دوسرے سخت وسُست بولتا ہے۔

تیسرے بدعہدی کرتا ہے کہ حقِ زوجہ ادا نہیں کرتا ہے۔

چوتھے والدین کے مکان پر حسبِ اقرار جانے نہیں دیتا۔

پانچویں وعدہ تھا کہ مہر معجل دُوں گا اور ڈگری بھی شریعت سے ہوگئی یکمشت دلانے کی، آج تک نہیں دیا، برخلاف اُس کے ماعہ دئے ہیں باقی ہنوز بے وصول ہیں، اور یہ بھی مسماۃ کہتی ہے اگر مکان مسکونہ جو متصل والدین کے ہے اس میں تکلیف ہے دیگر محلہ میں رہے تو نہیں رہنے دیتا، یہ درخواست بھی قابلِ لحاظ ہے یا نہیں؟

(مہر شریعت) ناظم شریعت

نقل اقرارنامہ

میں کہ سید احمد علی بن سید اکبر علی مرحوم ساکن کالی پلٹن ام جو کہ مسماۃ رقیہ بیگم زوجہ مظہر نے نسبت میرے دعویات تکلیفات قسم قسم و زرِ مہر وغیرہ دائر عدالت شرع شریف کئے ہیں بناءبراں فی الحال اقرار کرتا ہوں و لکھے دیتا ہوں کہ آئندہ کسی قسم کی تکلیف مسماۃ مذکور کو نہ دُوں گا اور حُسنِ سلوک خود سے سب طرح رضامند رکھا کروں گا اگر خلاف حکم شرع کے کوئی بات نسبت مسماۃ مذکور کروں اور زوجہ میری مجھ سے ناراض ہو تو بدل اس بدعہدی کا اُس صورت میں حسب تحریر معاہدہ ہذا کے مدعیہ اختیار رکھتی ہے کہ اپنے والدین کے مکان پر جا رہے میں مزاحمت نہیں کروں گا اور مسافرت کو نہیں جانے پائے گی، لہٰذا یہ چند کلمہ بطریق اقرارنامہ لکھ دئے کہ سند ہو فقط، المرقوم ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۰۸ ہجریہ

العبد

سید احمد علی

گواہ شد
منشی عبداللہ وکیل بقلم خود

گواہ شد
نصرت یار خاں (دستخط ہندی)

امید کہ براہِ عنایت بزرگانہ اس کا جواب تحریر فرما کر تابعدار کو سرفراز فرمایا جائے۔

عریضۂ ادب، محمد ولی اللہ عفا عنہ مولاہ برادر حقیقی مولوی سید ظہور اللہ صاحب از ریاست ٹونک

الجواب

یہ اقرار نامہ کوئی چیز نہیں، نہ اس کے سبب رقیہ بیگم اپنے شوہر کا وُہ حق جو شرع اُس کے لئے ثابت کرے، بعد ثابت ہونے کے ساقط و باطل کرسکتی ہے، شرع مطہر نے شوہر کو حقِ حبس دیا ہے کہ عورت کو اپنے پاس رکھے، مگر یہاں بات یہ ہے کہ جب سید احمد علی نے ابھی رقیہ بیگم کا مہر معجل ہی پورا ادا نہ کیا ہنوز سید مذکور کو رقیہ بیگم کے حبس کرنے اور اپنے پاس رکھنے کا سرے سے اختیار ہی حاصل نہ ہُوا کہ شوہر کو یہ اختیار بعد ادائے مہر معجل حاصل ہوتا ہے بلکہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں تو اُس کے وصول سے پہلے برضائے زوجہ وطی واقع ہونا بھی عورت کو حبس پر مجبور نہیں کرتا،

هذا هو مذهب الامام وعليه المتون فعليه التعويل كما حققناه فی كتاب النكاح من فتاوٰنا بتوفيق الله تعالٰی۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کا یہی مذہب اور اسی پر متون وارد اور اسی پر اعتماد ہے جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی کے کتاب النکاح میں اس کی تحقیق کی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لها منعه من الوطیٔ و دواعيه، شرح مجمع، والسفر بها ولو بعد وطیٔ و خلوة رضيتهما لان كل وطأة معقود عليها فتسليم البعض لايوجب تسليم الباقی[1]۔

بیوی کو حق حاصل ہوگا کہ وُہ خاوند کو جماع اور اس کے دواعی سے روک دے، شرح مجمع۔ اور سفر پر ہمراہ لے جانے سے بھی روک سکتی ہے اگرچہ وطی اور خلوت برضا کے بعد چاہے تو بھی روک سکتی ہے، کیونکہ ہر بار کا جماع عقد کا بدل ہے تو بعض کو سونپنا کل بدل کا سونپ دینا نہیں بنتا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله والسفر الاولی التعبير بالاخراج كما عبر فی الكنز ليعم الاخراج من بيتها كما قاله شارحوه[2] ط۔

قولہ سفر پر لے جانا' یہ باہر لے جانے کی تعبیر سے بہتر ہے جیسا کہ کنز میں تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ باہر لے جانا تو گھر سے باہر ہمراہ کرنے کو بھی شامل ہے جیسا کہ کنز کے شارحین نے کہا ہے ط۔ (ت)

توصورتِ مستفسرہ میں جب تک باقی مہر معجل ادا نہ ہوجائے رقیہ بیگم کو اختیار ہے کہ شوہر کے گھر نہ جائے اُسے اپنے

---

[1] درمختار | باب المہر | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۲۰۲

[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۳۵۸

پاس آنے نہ دے نہ اپنے بدن کو ہاتھ لگانے دے، ہاں جب وہ مہر معجل تمام وکمال ادا کرلے اس وقت رقیہ بیگم بے اذنِ شوہر اپنے گھر نہیں رہ سکتی، نہ اس اقرار نامہ کی بنا پر شوہر سے مواخذہ کرسکتی ہے کہ بالفعل شوہر کو حقِ حبس حاصل نہ ہونا جس طرح ابھی رقیہ بیگم کو تا اداے مہر معجل آزادی دے رہا ہے یونہی اس اقرار نامہ کو بھی باطل محض وبے اثر کررہا ہے کہ اس کا حاصل اگر ہے تو یہی کہ شوہر درصورت بدعہدی اپنے حقِ حبس کو ساقط کرتا ہے وہ حق اُسے ہنوز حاصل ہی نہیں تو ساقط کس چیز کو کرے گا، اسقاط کے لئے پہلے ثبوت درکار، جو شَے ہنوز ثابت ہی نہیں ساقط کیا ہوگی، تو احمد علی کی یہ تحریر محض مہمل وبیکار ہُوئی جس سے رقیہ بیگم کو کسی وقت استناد کا محل نہیں، امام علامہ زیلعی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں:

لھا ان ترجع ان وھبت قسمھا للاخری، لانھا اسقطت حقالم یجب بعد فلا یسقط، وھذا لان الاسقاط انما یتحقق فی القائم[1] الخ۔

بیوی نے اگر اپنی باری کا حق دوسری بیوی کو دیا ہو تو وہ واپس اپنا حق لے سکتی ہے کیونکہ اس نے اپنے حق کو ساقط کیا جو ابھی تک خود اس کے لئے واجب وثابت نہ ہُوا تھا لہذا وہ ساقط نہ ہوا، یہ اس لئے کہ اسقاط تب قرار پاتا ہے جب وہ خود ثابت ہو جائے (ت)

پھر اس تقریر کی بھی حاجت کہ نفس عبارت دستاویز کو محل سے سالم مان لیا جائے ورنہ نظر فقہی تو (قطع نظر اس سے کہ مہر معجل ہنوز ادا ہُوا یا نہیں اور وطی برضائے رقیہ بیگم واقع ہُوئی یا نہیں) خود اس نفس تحریر کو مہمل ومختل بتاتی ہے کہ اُس نے اسقاط حق حبس کو معلق کیا اور یہ اسقاط سرے سے قابلیتِ تعلیق نہیں رکھتا،

لانہ مما لا یحلف بہ کما لا یخفی وکل اسقاط لا یحلف بہ فانہ لا یصح تعلیقہ۔

کیونکہ یہ وہ چیز ہے جس کا حلف (کسی شے سے مشروط کرنا) نہیں دیا جاسکتا جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اور ہر اس چیز کا اسقاط جو قابلِ حلف نہ ہو تو اس کی تعلیق (شرط سے مشروط کرنا) صحیح نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

مایجوز تعلیقہ بالشرط ھو مختص بالاسقاطات المحضۃ التی یحلف بھا کطلاق وعتاق وبالالتزامات التی یحلف

جس چیز کو کسی شرط سے مشروط کیا جاسکتا ہے وہ صرف اسقاطات محضہ ہیں جن کا حلف دیا جاسکتا ہے جیسا کہ طلاق وعتاق ہے، اور وہ التزامات ہیں جن کا حلف

---

[1] تبیین الحقائق باب القسم المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۲/ ۱۸۱

بھاکحج وصلٰوۃ والتولیات کقضاء وامارۃ عینی وزیلعی[1]

دیا جاسکتا جیسا کہ حج و نماز ہے اور وہ معاملات کی ذمّہ داریاں ہیں جیسا کہ قضاء اور امارت ہے، عینی اور زیلعی۔ (ت)

ردالمحتار میں خلاصہ سے ہے:

انما یحتمل التعلیق بالشرط مایجوز ان یحلف بہ[2]

کسی شرط کے ساتھ وہی چیزیں معلق ہونے کا احتمال رکھتی ہیں جن کا حلف دیا جاسکے۔ (ت)

اسی میں عینی سے ہے:

انہ لیس مما یحلف بہ فلا یصح تعلیقہ بالشرط[3] (تلخیصاً)

وہ چونکہ ایسی چیز ہے جس کا حلف نہیں دیا جاسکتا، لہٰذا اس کی کسی شرط سے تعلیق جائز نہیں تلخیصاً (ت)

اسی میں ہے:

اعلم ان قولہ لایصح تعلیقہ لیس المراد بہ بطلان نفس التعلیق مع صحۃ المعلق بل المراد انہ لا یقبل التعلیق بمعنی انہ یفسد بہ[4]

واضح کہ ماتن کے قول "لایصح تعلیقہ" سے مراد یہ نہیں کہ معلق شدہ چیز کی صحت کے باوجود محض معلق کرنا نفس تعلیق باطل ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز تعلیق کو قبول نہیں کرتی لہٰذا وہ تعلیق کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے تعلیق سے فاسد ہوجاتی ہے (ت)

بہرحال حکم یہی ہے کہ دستاویز مذکور مہمل و باطل اور رقیہ بیگم کو تا ادائے مہر معجل اپنے ماں باپ کے گھر رہنے اور شوہر کو ہاتھ نہ لگانے دینے کا خود ہی اختیار حاصل اور بعد ایفائے تمام مہر معجل رقیہ بیگم کا یہ اختیار یک لخت زائل، ہاں والدین کے یہاں آٹھویں دن بے اجازتِ شوہر بھی جاسکتی ہے کہ دن کے دن رہے اور رات کو چلی آئے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی البحر الصحیح المفتی بہ انھا تخرج

بحر میں ہے، صحیح مفتٰی بہ یہ ہے کہ بیوی ہر ہفتہ میں

---

[1] درمختار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۴
[2] ردالمحتار " " " " " " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵
[3] " " " " " " " " " " " " " ۴/ ۲۲۶
[4] " " " " " " " " " " " ۴/ ۲۲۲

للوالدین فی کل جمعۃ باذنہ وبدونہ وللمحارم فی کل سنۃ مرۃ باذنہ وبدونہ[1]

(شرعی اصطلاح جمعہ میں) خاوند کی اجازت ہو یا نہ ہو والدین کی ملاقات کے لئے گھر سے باہر جاسکتی ہے اور اپنے باقی محارم کی ملاقات کے لئے سال میں ایک مرتبہ جاسکتی ہے خاوند کی اجازت ہو یا نہ ہو۔ (ت)

اور دوسرے محلہ میں رہنے کی درخواست سے اگر رقیہ بیگم کی یہ مراد ہے کہ شوہر سے جُدا رہے اور شوہر اُس کے پاس نہ آنے پائے تو اس کا جواب تو ہوچکا کہ قبل ادائے مہر معجل اُسے شوہر سے جُدائی کا اختیار ہے اور بعد ادا ہرگز نہیں، اور اگر یہ مقصود ہے کہ یہاں شوہر اُسے ایذائیں پہنچاتا تکلیفیں دیتا ہے اور کوئی اسے روکنے والا نہیں ہوتا لہذا چاہتی ہے کہ شوہر اُسے ایسی جگہ اپنے پاس رکھے جہاں اس کا دستِ تعدی کوتاہ رہے تو بیشک یہ درخواست اُس کی ضرور قابل لحاظ ہے حاکم شرع اس معاملہ میں غور فرمائے گا اگر رقیہ بیگم کا یہ بیان صحیح جانے گا اور شوہر کو زجر و منع سے کام چلتا نہ دیکھے گا نہ وہاں ہمسایوں میں کوئی اس قابل پائے گا جو شوہر کو دبائے اور ایذائے زوجہ سے مانع آئے تو ضرور ایسی ہی کوئی امن کی جگہ تجویز کرکے احمد علی کو حکم دے گا کہ رقیہ بیگم کو وہاں رکھے، عالمگیری میں ہے:

ان اسکنھا فی منزل لیس معھا احد فشکت الی القاضی ان الزوج یضربھا ویؤذیھا وسألت القاضی ان یامرہ ان یسکنھا بین قوم صالحین یعرفون احسانہ واساءتہ فان علم القاضی ان الامر کما قالت زجرہ عن ذٰلک ومنعہ عن التعدی وان لم یعلم ینظر ان کان جیران ھذا الرجل قوما صالحین اقرھا ھناک ولکن یسأل الجیران عن صنعہ فان ذکروا مثل الذی ذکرت

اگر خاوند نے بیوی کو ایسے مکان میں رہائش دی جہاں عورت اکیلی ہے تو عورت نے قاضی سے شکایت کی کہ خاوند اُسے پیٹتا اور اذیت دیتا ہے، اور قاضی سے درخواست کرتی ہے کہ وُہ خاوند کو حکم دے کہ وہ ایسی جگہ اس کو رہائش دے جہاں اردگرد نیک لوگ ہوں جو خاوند کی نیکی و بدی معلوم کرسکیں تو اگر قاضی کو معلوم ہو عورت کی شکایت درست ہے تو وُہ خاوند کو ڈانٹ کر اس کو زیادتی سے منع کرے اگر قاضی کو معلوم نہ ہو تو وہ معلوم کرے کہ اگر اردگرد والے نیک لوگ ہیں تو عورت کو وہاں رہنے پر پابند کرے لیکن ساتھ ہی قاضی پڑوسیوں سے خاوند کے سلوک کے متعلق معلومات حاصل کرے اگر پڑوسی عورت کی شکایت کی تائید کریں

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۶۳

نهجرہ عن ذٰلك ومنعه عن التعدی فی حقها وان ذکروا انه لایؤذیها فالقاضی یترکها ثمه وان لم یکن فی جوارہ من یوثق به اوکانوا یمیلون الی الزوج فالقاضی یامر الزوج ان یسکنها فی قوم صالحین ویسأل عن ذٰلك ویبنی الامر علی خبرهم کذا فی المحیط[1]، واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

تو قاضی خاوند کو ڈانٹے اور زیادتی سے منع کرے، اور اگر پڑوسی لوگ کہیں کہ خاوند کوئی زیادتی اور اذیت نہیں دیتا تو قاضی عورت کو اسی مکان میں رہنے کا پابند کرے اور اگر عورت کے پڑوس میں کوئی قابلِ اعتماد شخص نہ ہو یا پڑوسی خاوند کے طرفدار ہوں تو پھر قاضی خاوند کو حکم دے گا کہ عورت کو نیک لوگوں کے پڑوس میں رہائش دے اور پھر قاضی اس معاملہ کے متعلق معلومات حاصل کرے اور پڑوسیوں کے بیان کو کارروائی کی بنیاد بنائے، محیط میں یوں ہی بیان کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم، اور اللہ جل مجدہٗ کا علم کامل اور محکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۵ از ڈاکخانہ سجولی ضلع بہرائچ مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب ۷ رمضان ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایامِ عدت کا نفقہ اور سکونت کا مکان دینا بذمہ زید واجب تھا لیکن زید نے بعد طلاق ہندہ کو اپنے مکان سے نکال دیا اور نفقہ بھی نہیں دیا اس شکل میں ایامِ عدت کا نفقہ اور مکانِ سکونت کا معاوضہ ہندہ زید سے پاسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

عدتِ طلاق کا نفقہ وسکنٰی اگرچہ بذمہ زید واجب تھا اور وہ عورت کو نکال دینے سے گنہگار ہوا مگر جبکہ عدت گزرگئی اور نفقہ مفروض ومقدور نہ ہوچکا تھا تو اس کا کوئی معاوضہ ہندہ کو نہ ملے گا۔

فی الهندیة المعتدة اذا لم تخاصم فی نفقتها ولم یفرض القاضی شیئا حتی انقضت العدة فلا نفقة لها کذا فی المحیط[2]، واللّٰه تعالٰی اعلم۔

ہندیہ میں ہے کہ جب عدت والی عورت اپنے نفقہ کے متعلق خاوند کے خلاف دعوٰی نہ کرے اور نہ ہی قاضی نے ابھی اس کے لئے کوئی نفقہ مقرر کیا ہو حتی کہ عدت ختم ہوجائے تو اب عورت کے لئے نفقہ کا استحقاق نہیں ہے، محیط میں یونہی مذکور ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی السکنٰی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵۶

[2] " " الفصل الثالث فی نفقۃ المعتدۃ " " " ۱/۵۵۸

مسئلہ ۱۵۶ از پیلی بھیت ۲۱ شوال ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے دو نکاح کئے اور ایک زوجہ کے نان ونفقہ میں کمی کی اس زوجہ نے بوجہ تکلیف ضروریات بقدر ضرورت قرض لے کر خرچ کیا اس صورت میں ادائے قرضہ ذمہ زوج ہوگا یا زوجہ اور مستحق و طالب اپنے مہر کی بغیر طلاق ہر وقت ہے یا نہیں اور در صورت نہ ہونے طلاق خواہان مکانِ سکونت ونیز نفقہ ہوسکتی ہے یا نہیں اور برتقدیر ثبوت وطلب زوج کی آمدنی سے کس قدر لے سکتی ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زوجہ کو بلاوجہ تکلیف دینا ایک گناہ اور دُوسری زوجہ سے کم رکھنا دوسرا گناہ شدید جس کی تحریم پر قرآن و حدیث ناطق مگر جب تک نفقہ باہمی تراضی اور قضائے قاضی سے مقرر نہ ہوجائے عورت جو کچھ بطور خود اپنے مصارف کے لئے قرض لے کر اُٹھائے گی وہ قرض عورت ہی پر ہوگا شوہر سے مجرا نہ پاسکے گی اگرچہ خورد ونوش وغیرہا مصارف ضروریہ ہی کے لئے بقدر ضرورت وبحال ضرورت ہی لے اگرچہ زوج محض ظلماً اُسے نفقہ نہ دے۔ عالمگیری میں ہے:

استدانت علی الزوج قبل الفرض والتراضی فانفقت انہا لاترجع بذٰلک علی زوجہا بل تکون متطوعۃ بالانفاق سواء کان الزوج غائبا او حاضرا[1]۔

عورت والی نے خاوند کے نام پر قرض لیا جبکہ ابھی تک قاضی نے کوئی مقرر نہ کیا ہو اور نہ ہی ابھی آپس میں رضامندی سے نفقہ طے ہوا جبکہ عورت اس قرض کو خرچ کرچکی ہو، تو اب عورت اس قرض کے متعلق خاوند سے مطالبہ نہیں کرسکتی بلکہ یہ کارروائی اس کی رضاکارانہ قرار دی جائے گی، خاوند موجود ہو یا غائب دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہے۔ (ت)

ہاں اگر حکم قاضی یا باہمی تراضی سے قرار پاگیا تھا کہ مثلاً روپے روز یا بیس روپے ماہانہ خواہ اس قدر غلہ ولباس سالانہ اس عورت کا نفقہ ہے کہ روزانہ یا ماہ بماہ یا سالانہ شوہر ادا کرے گا اور اس قرارداد کے بعد نہ دیا اور عورت نے قرض لیا خواہ اپنے ذاتی مال سے صرف کیا تو بیشک شوہر سے بقرار قرارداد مجرا لے سکتی ہے

وان کان الدین علیہا نفسہا اذا لم تکن الاستدانۃ بامر القاضی۔

اگر عورت نے قرض لیا ہو تو وُہ خود ذمہ دار جب وُہ قرض قاضی کے فیصلہ کے بغیر لیا ہو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول فی نفقۃ الزوجۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵۱

عالمگیری میں ہے:

ولو انفقت من مالها بعد الفرض او التراضی لها ان ترجع علی الزوج وکذا اذا استدانت علی الزوج سواء کانت استدانتها باذن القاضی اوبغیر اذنه غیرانها انکانت بغیر اذن القاضی کانت المطالبة علیها خاصة ولم یکن للغریم ان یطالب الزوج بما استدانت وان کانت باذن القاضی لها ان تحیل الغریم علی الزوج فیطالبه بالدین ھکذا فی البدائع[1]۔

اگر عورت نے اپنے مال میں سے صرف کیا جبکہ قاضی نے اس کا نفقہ مقرر کردیا ہو یا آپس میں عورت اور خاوند نے طے کرلیا ہو تو پھر عورت وہ صرف شدہ مال خاوند سے وصول کرسکتی ہے، اور یونہی اپنے مال کی بجائے اگر اس نے خاوند کے نام پر قرض لیا ہو تو اگر قاضی کے حکم و اجازت پر لیا تو خاوند سے وصول کریگی اور اگر قاضی کے حکم و اجازت کے بغیر لیا ہو تو قرض کا مطالبہ صرف عورت سے ہوگا قرض خواہ کو عورت کی بجائے خاوند سے مطالبہ کا حق نہ ہوگا، اور جب قاضی کے حکم اور اجازت سے عورت نے قرض لیا تو عورت کو جائز ہوگا کہ وہ اس قرض کے مطالبہ کو خاوند کے ذمہ کردے تاکہ قرض خواہ اب خاوند سے مطالبہ کرے، بدائع میں یوں ہی بیان ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

النفقة لا تصیر دینا الا بالقضاء او الرضاء ای اصطلاحھما علی قدر معین اصنافا او دراھم فقبل ذٰلك لا یلزمه شیئ وبعدہ ترجع بما انفقت ولو من مال نفسھا بلا امر قاض[2]۔

عورت کا لیا ہوا قرض خاوند کے ذمہ صرف اس وقت ہوگا جب عورت نے وُہ قرض قاضی کے حکم پر یا خود خاوند کے ساتھ مصالحت میں طے کرلیا ہو کر فلاں جنس یا نقد اتنی مقدار ہوگی، اس سے قبل لیا ہوا قرض خاوند کے ذمہ نہ ہوگا، اور بعد میں عورت کا لیا ہوا قرض، خواہ اپنے مال سے ہی قاضی کے حکم کے بغیر اس نے صرف کیا ہو تو خاوند سے وصول کرسکتی ہے (ت)

ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

لا ترجع بما استقرضت بل بالمفروض فقط[3]۔

عورت نے نفقہ کے لئے قرض لیا تو خاوند سے اس کا مطالبہ نہیں ہوگا بلکہ خاوند سے صرف اسی صورت میں مطالبہ کرسکے گی جب قاضی کی طرف سے یا آپس میں طے کرلیا ہو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ — الفصل الاول فی نفقۃ الزوجۃ — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/۵۵۱

[2] درمختار — باب النفقۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۲۷۰

[3] ردالمحتار — " — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۲/۶۵۹

اور مہر میں جب کہ تعجیل و تاجیل کچھ بیان میں نہ آئی یہ نہ شرط کی جائے کہ کل اس قدر پیشگی لیا جائے گا نہ کوئی میعاد قرار پائے کہ فلاں وقت معلوم یا اتنی مدت کے بعد ادا ہوگا تو اُس وقت عرف و رواجِ بلد پر چھوڑا جائے گا۔ نقایہ میں ہے:

المعجل والمؤجل ان بُیّنا فذٰلك والا فالمتعارف[1]

مہر معجل یا مؤجل اگر بیان کر دیا ہو تو وہی ورنہ عرف کے مطابق ہوگا۔ (ت)

سائل زبانی مظہر کہ یہاں صورت واقعہ یونہی تھی یعنی تعجیل و تاجیل کچھ مشروط نہ ہوئی اور واقعی ہمارے بلاد میں عامہ مُہور ایسے ہی بندھتے ہیں تو بحکم عرف شائع و ذائع (کہ ہرگز نہ کسی قدر مہر پیشگی دینا معہود ہے، نہ اُس کے لئے کوئی میعاد معلوم متعارف بلکہ عامہ بیوت میں موت یا طلاق تک مؤخر رہتا ہے) یہاں کی عورتیں جب تک مرگ یا طلاق سے افتراق نہ واقع ہو ہرگز مطالبہ مہر کا استحقاق نہیں رکھتیں، نہ قاضی کو اختیار کہ ایسی صورت میں پیش از فراق ادائے مہر پر جبر کرے، خانیہ میں ہے:

ان کان الاجل معلوما صح التاجیل وان لم یکن لا یصح، ولا یجبرہ القاضی علی تسلیم الباقی ولا یحبسہ[2]

اگر مہر کی مدت مقرر ہے تو مؤخر صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں اور قاضی باقی مہر کی ادائیگی کے لئے خاوند پر جبر نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کو قید کر سکتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان حق طلبہ انما ثبت لہا بعد الموت او الطلاق لا من وقت النکاح[3]

کیونکہ بیوی کو مہر کے مطالبہ کا حق خاوند کی موت یا طلاق کے بعد ہوگا، نکاح کرتے ہی مطالبے کا حق نہیں ہوگا۔ (ت)

اور جب تک کوئی امر مانع نفقہ مثلاً عورت کا شوہر کے گھر سے ناحق نکل جانا یا اُس کے یہاں آنے سے ناحق انکار کرنا نہ پایا جائے بلاشبہہ وہ مستحقِ نفقہ و سکنٰی رہے گی، اسی طرح جب یہ موانع زائل ہو جائیں گے مثلاً عورت شوہر کے یہاں واپس آئے گی تو پھر بدستور مستحق نفقہ ہو جائے گی، درمختار میں ہے:

النفقۃ تجب للزوجۃ علی زوجہا ولو

اگر بیوی اپنے والد کے گھر ہو تو خاوند اس کو اپنے

---

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ فصل اقل المہر عشرۃ دراہم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی ذکر مسائل المہر نولکشور لکھنؤ ۱/۱۷۳-۱۷۴

[3] ردالمحتار فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۴۳

ھی فی بیت ابیھا اذا لم یطالبھا الزوج بالنقلۃ بہ یفتی وکذا اذا طالبھا ولم تمتنع او امتنعت للمھر لا خارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود[1] اھ ملخصًا۔

گھر منتقل کرنے کا مطالبہ کرے تو تب بھی خاوند پر نفقہ زوجہ واجب ہوگا، اور یُوں ہی جب وُہ خاوند کے مطالبہ پر اس کے گھر منتقل ہونے سے انکار نہ کرتی ہو یا وُہ اپنے مہر کے مطالبہ کی وجہ سے منتقل ہونے سے انکار کررہی ہو تو بھی خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہوگا جبکہ خاوند کے گھر سے باہر بلاوجہ رہ رہی ہو تو نفقہ واجب نہ ہوگا کیونکہ اس صُورت میں وُہ خاوند کے گھر واپس نہ آنے تک نافرمان قرار پائے گی اھ ملخصًا (ت)

رہا مطالبہ اگر نفقہ قضا یا رضا سے مقرر ہولیا ہے تو جتنے دن بعد قرار داد بے نفقہ گزر گئے اُن کا بھی مطالبہ کرسکتی ہے کما اسلفنا (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے۔ ت) اور آئندہ کے لئے بھی جو میعاد تکرار نفقہ کے لئے قرار پائی ہے اس کے شروع کے بعد اُسی قدر کا مطالبہ کرسکتی ہے مثلاً نفقہ ماہ بماہ دینا ٹھہرا ہو تو ہر مہینے کے شروع پر اُس مہینے اور سال بسال مقرر ہوا ہو تو ہر سال کے آغاز پر اُس سال کا نفقہ مانگ سکتی ہے اس سے زیادہ مثلاً چاند دیکھے یا سال پلٹے آئندہ کے دو مہینے یا دو برس خواہ اس ماہ یا سال کا ہنوز آغاز نہ ہُوا نفقہ نہیں مانگ سکتی، ردالمحتار میں ہے:

النفقۃ تفرض لمعنی الحاجۃ المتجددۃ فاذا فرضت کل شھر کذا صارت الحاجۃ متجددۃ بتجدد کل شھر فقبل تجددہ لایتجدد الفرض فلم تجب النفقۃ قبلہ انہ لو فرض کل سنۃ کذا صح الابراء عن سنۃ دخلت، لا عن اکثر ولا عن سنۃ لم تدخل[2] اھ ملخصًا۔

آئندہ کا نفقہ آئندہ نئی حاجت کی وجہ سے فرض ہوتا ہے تو جب ماہانہ خرچہ مقرر ہو تو نئے ماہ پر گویا عورت کو حاجت بھی نئی ہُوئی تو نئی حاجت سے قبل نیا نفقہ مقرر نہ ہوگا لہذا ادائیگی بھی پہلے واجب نہ ہوگی، اور اگر خرچہ سالانہ طے شدہ ہو تو صرف شروع ہونے والے سال کا نفقہ لازم ہوگا، سال شروع ہونے سے پہلے کا اور سال سے زیادہ کا بھی لازم نہ ہوگا اھ ملخصًا (ت)

بحرالرائق میں ہے:

الفرض فی الشھر الاول تتجزء فیما

سال کے پہلے مہینہ میں دیا ہُوا خرچہ مدت کے اختتام

---

[1] درمختار — باب النفقۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۲۶۹

[2] ردالمحتار — " — دار احیاء التراث العربی بیروت — ۲/۶۵۳

بعدہ مضاف فتنجز بدخول الشھر وھکذا۔[1] تک کی ادائیگی ہوتی ہے اس کے بعد اضافت ہوتی ہے اس لئے مہینہ شروع ہونے پر ہی ادائیگی ہوگی، یوں ہی جاری رہے گا۔ (ت)

اور اگر ہنوز نفقہ کے لئے کوئی تقرر و تعیین نہ قضاءً ہوا نہ رضاءً تو عورت نہ ایام ماضیہ کا مطالبہ کرسکتی ہے نہ آئندہ کا۔ ردالمحتار میں ہے:

لایلزمہ عما مضی قبل الفرض بالقضاء او الرضاء ولاعمایستقبل لانہ لم یجب بعد۔[2]

قاضی کی طرف سے مقرر کئے یا آپس میں مصالحت سے طے کئے بغیر سابقہ مدت کا خرچہ خاوند پر لازم نہ ہوگا اور یونہی پیشگی ادا کرنا بھی لازم نہ ہوگا کیونکہ نفقہ ابھی خاوند کے ذمہ واجب ہی نہیں ہوا۔ (ت)

ہاں قبل از قرارداد عورت یہ اختیار رکھتی ہے کہ شوہر برضامندی نفقہ مقرر نہ کرے تو حاکم شرع کے حضور قرارداد کرنے کی نالش کرے جب بحکم قاضی کوئی ماہانہ یا سالانہ یا روزانہ یا فصلانہ مقرر ہوجائے تو اس کے بعد اسے بہ تفصیل مذکور مطالبہ و دعوٰی پہنچے گا۔ تنویر الابصار میں ہے: یقدرھا ان طلبتہ[3] اھ ملخصًا (اگر عورت مطالبہ کرے تو قاضی نفقہ مقرر کردے اھ ملخصًا۔ ت) اور نفقہ مرد و زن دونوں کی حیثیت دیکھ کر مقرر کیا جائے گا اسی قدر آمدنی زوج سے لے سکتی ہے اگر دونوں غنی ہیں تو اغنیاء کے لائق، اور دونوں فقیر تو فقراء کے قابل، اور ایک غنی اور ایک فقیر تو متوسط یعنی نفقہ اغنیاء سے کم اور نفقہ فقراء سے زائد، مثلاً عورت کی حیثیت اطلس و زربفت و مشجر پہننے اور بریانی و مزعفر و گوشت مرغ کھانے کی ہے اور مرد کی مقدرت چھینٹ چارخانے دال ماش نان جو کھانے کے قابل یا بالعکس تو عورت کے لئے تنزیب و گلبدن و مشروع کا لباس اور گوشت گوسپند و نان گندم مقرر کریں گے جتنا بالفعل دے سکتا ہے دے باقی اس کے ذمے دین رہے گا یہاں تک کہ اللہ عزوجل استطاعت بخشے۔ درمختار میں ہے:

تجب علی زوجھا بقدر حالھما بہ یفتی بہ ویخاطب بقدر وسعہ والباقی دین الی المیسرۃ[4] اھ ملخصًا۔

خاوند پر دونوں کی حیثیت کے لحاظ سے نفقہ واجب ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائیگا، اور خاوند اپنی وسعت کے مطابق ادائیگی کا مکلف ہوگا اور باقی رہ جائے تو وہ اس کے ذمہ قرض ہوگا جس کو اپنی سہولت سے ادا کریگا اھ ملخصًا (ت)

---

[1] بحرالرائق — باب النفقۃ — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۴/ ۱۸۸
[2] ردالمحتار — باب النفقۃ — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۲/ ۶۵۸
[3] درمختار — باب النفقۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۲۶۸
[4] ؍؍ — ؍؍ — ؍؍ — ۱/ ۲۶۶

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر اتفقوا علی وجوب نفقۃ الموسرین اذا کانا موسرین وعلی نفقۃ المعسرین اذا کانا معسرین وانما الاختلاف فیما اذا کان احدھما موسرا والاٰخر معسرا فعلی المفتی بہ تجب نفقۃ الوسط وھو فوق نفقۃ المعسرۃ ودون نفقۃ الموسرۃ[1] اھ ملخصًا۔

بحر میں ہے: سب کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں خوشحال ہیں تو ان کے حال کے مطابق خاوند پر نفقہ واجب ہوگا اور اگر دونوں تنگ دست ہیں تو ان کے حال کے مطابق خاوند پر واجب ہوگا، اور اختلاف صرف اس صورت میں ہے جب دونوں میں سے ایک امیر اور دوسرا غریب ہے تو مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ دونوں کے حال کی رعایت پر درمیانہ نفقہ واجب ہوگا اور وہ یہ کہ خوشحالی سے کم اور تنگ دستی سے زائد ہو، اھ ملخصًا۔ (ت)

اُسی میں بدائع سے ہے:

حتی لوکان الرجل مفرطا فی الیسار یاکل خبز الحواری ولحم الدجاج والمرأۃ مفرطۃ فی الفقر تاکل فی بیت اھلھا خبز الشعیر یطعمھا خبز الحنطۃ ولحم الشاۃ[2]، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم جل مجدہ اتم واحکم۔

اگر خاوند انتہائی خوشحال ہونے کی بنا پر صاف باریک آٹا، مرغ کا گوشت کھاتا ہے اور بیوی انتہائی تنگ دستی کی بنا پر اپنے گھر والوں کے ہاں جَو کی روٹی کھاتی ہو تو خاوند اس کو گندم کی روٹی اور بکرے کا گوشت نفقہ کے طور پر کھانے کو دے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۶: از نبکن ضلع بریلی مرسلہ شیخ احمد حسین ۲۱ رجب ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ جو ایک قلیل حقیت کی زمیندار تھی بلارضامندی و اجازتِ زید اپنے شوہر کے بطور بدکاری عمرو کے ساتھ فرار ہوگئی اور مدتِ دراز تک عمرو کے ساتھ رہی، پھر واپس آئی، اب زید پر دعوٰی مہر اور دلاپانے نان نفقہ کا کرتی ہے اس صورت میں وہ مہر و نفقہ پائے گی یا نہیں؟ اور زید محض نادار ہے مگر زید کا باپ متمول ہے تو دعوٰی ہندہ کا پدرِ زید پر کچھ اثر ہوگا یا نہیں؟ اور ہندہ بحالت فراری زید کا حمل رکھتی تھی، بعد وضع حمل اُس نابالغ کی پرورش کا زید ذمہ دار ہوگا

---

[1] ردالمحتار باب النفقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۵

[2] ایضًا

یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جتنی مدت عورت فرار رہی اُس مدت کا نفقہ تو زید پر اصلاً نہیں، ہاں اب کہ واپس آئی آئندہ نفقہ کی مستحق ہے زید سے نفقہ طلب کرے اگر دے فبہا، ورنہ قاضی کے یہاں نالش کرکے اپنا نفقہ مقرر کرالے اگر زید نادار ہے قاضی حکم دے گا کہ تُو قرض لے کر صرف کر اور جب زید کو استطاعت ہو اُس سے مجرا لے،

فی الدر المختار لانفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود ولو بعد سفرہ[1]

بیوی اگر خاوند کے گھر سے باہر بلا وجہ رہائش پذیر ہو تو وُہ واپس خاوند کے پاس آنے تک نافرمان قرار پائے گی اگرچہ خاوند کے سفر پر جانے کے بعد ہی ایسا کرے لہٰذا اس کے لئے نفقہ لازم نہیں ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای فتستحق النفقۃ فتکتب الیہ لینفق علیہا اوترفع امرھا الی القاضی لیقرض لہا علیہ نفقۃ[2]

یعنی خاوند سفر میں ہو اور بیوی نفقہ کی مستحق ہو تو وُہ خاوند کو خط لکھ کر مطالبہ کرے کہ میرا نفقہ ادا کیا جائے، یا بیوی قاضی کے ہاں درخواست کرے تاکہ قاضی خاوند کے نام قرض لے کر خرچ کرنے کا حکم دے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لایفرق بینہما بعجزہ عنہا وبعد الفرض یامرہا القاضی بالاستدانۃ لتحیل علیہ[3]

خاوند اگر نفقہ کی ادائیگی سے عاجز ہو تو دونوں میں تفریق نہ کی جائے گی اور اگر نفقہ مقرر کر دیا ہو تو قاضی خاوند کے نام قرض لے کر خرچ کرنے کا حکم دے گا۔ (ت)

اور زید کے باپ پر دعویٰ ہندہ کا اصلاً اثر نہیں ہوسکتا کہ جوان بیٹے غیر اپاہج کی زوجہ کا نفقہ باپ پر کہیں لازم نہیں، درمختار میں ہے:

فی الملتقی نفقۃ زوجۃ الابن علی ابیہ ان کان

ملتقی میں مذکور ہے کہ اگر خاوند نابالغ فقیر یا اپاہج ہو تو اس کی

---

[1] درمختار | باب النفقہ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۷

[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۶۴۶

[3] درمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۹

صغیرا فقیرا اومنا[1]۔ بیوی کا نفقہ نابالغ کے والد کے ذمّہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

وقد علمت ان المذھب عدم وجوب النفقۃ لزوجۃ الابن ولو صغیرا فقیرا[2]۔ آپ کو معلوم ہوگیا ہے کہ نابالغ کی بیوی کا نفقہ والد کے ذمہ نہ ہونا ہی مذہب ہے اگرچہ وہ فقیر ہو۔ (ت)

رہا مہر سائل مظہر کہ اُس میں کوئی شرطِ تعجیل و تاجیل نہ تھی اور لکھنؤ میں بھی یہی رواج ہے جو یہاں عامہ بلاد میں ہے کہ قبل از افتراق بموت یا طلاق ادا نہیں ہوتا تو ہندہ کا مطالبۂ مہر بیجا ہے جب تک زید اُسے طلاق نہ دے یا دونوں میں کوئی مر نہ جائے۔ نقایہ میں ہے :

المعجل والمؤجل ان بینا فذاك والا فالمتعارف[3]۔ مہر معجل یا مؤجل اگر بیان کردیا ہو تو وہی واجب ہے ورنہ عرف میں جو رواج ہو وہ واجب ہوگا۔ (ت)

اور اُس بچے نابالغ کی پرورش بیشک ذمہ زید لازم ہے رہے گا سات برس کی عمر تک ماں کے پاس بشرطیکہ وُہ اپنی بدکاری سے باز آئے اور آوارگی چھوڑ چکی ہو اور نفقہ پائے گا باپ سے بشرطیکہ اپنا کوئی مال نہ رکھتا ہو اُس عمر تک کہ اُجرت یا حرفت سے اپنے کھانے پہننے کے قابل کما سکے اُس کی خبرگیری باپ پر واجب ہے، درمختار میں ہے :

تجب النفقۃ لطفلہ الفقیر[4]۔ چھوٹے فقیر بچّے کا نفقہ والد پر لازم ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

ای ان لم یبلغ حد الکسب فان بلغہ کان للاب ان یوجرہ او یدفعہ فی حرفۃ لیکتسب وینفق علیہ من کسبہ لوکان ذکرا[5] الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔ بشرطیکہ وُہ نابالغ بچہ محنت کی عمر کو نہ پہنچا ہو، اور اگر وہ اس عمر کو پہنچ گیا ہو تو والد اس کو ملازمت دلائے یا کسی کارخانہ میں مزدوری پر لگائے تاکہ اس کی کمائی کو اس پر خرچ کرے بشرطیکہ لڑکا ہو الخ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار | باب النفقۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۷۳
[2] ردالمحتار | 〃 | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۶۷۳
[3] المختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایۃ | کتاب النکاح | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی | ص ۵۶
[4] درمختار | باب النفقۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۷۳
[5] ردالمحتار | 〃 | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۶۷۰ و ۶۷۱

مسئلہ ۱۵۸: از بڑودہ گجرات کلاں محلہ بھوتنی کا چھاپہ نظام پورہ مرسلہ امراؤ بائی بنت غلام حسین حالہ ۱۶ رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں (مسئلہ اولیٰ) ایک شخص نے اپنی حقیقی پھپی کی لڑکی سے نکاح کیا، چندروز بعد ایک آدمی اور ایک عورت کے ہمراہ کسی کام ضروری کے لئے کہیں بھیجا بعد واپس آنے کے ۲ برس تک نان ونفقہ موقوف کردیا کچہری گائیکواڑی میں یہ مقدمہ پیش ہے، کچہری کہتی ہے نان ونفقہ کیوں نہیں دیتا' خاوند کہتا ہے بغیر حکم میرے یہ کیوں گئی، عورت نے گواہ شاہد قوی اپنے حقیقی چچا اور چچی اور کئی آدمی کنبہ کو پیش کیا ہے سب نے یہی کہا کہ ہمارے رُوبرو اس کے خاوند نے اپنی عورت کو جانے کے لئے حکم دیا اور حلف بھی اٹھایا، اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں عورت کو نان ونفقہ نہ دینا اس شخص کا محض ظلم ہے جس کے سبب وہ ظالم وگنہگار اور عورت کے حق میں گرفتار ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف[1]۔ بیویوں کا نفقہ اور لباس بھلائی کے ساتھ اس کے ذمہ ہے جس کے لئے اولاد ہے۔ (ت)

اور اُس کا یہ بیہودہ عذر کہ "عورت بے میرے حکم کے کیوں گئی" محض باطل وناقابلِ سماعت ہے اگر وہ اس میں سچا بھی ہو تو عورت جب بے اجازتِ شوہر ناحق چلی جائے تو اس کا نان ونفقہ اُسی مدت تک کا لازم نہیں ہوتا جب تک وہ اس ناحق طور پر باہر رہے جب پھر شوہر کے گھر چلی آئے گی اُسی وقت سے نان ونفقہ دینا شوہر پر فرض ہوجائے گا، درمختار میں ہے:

لا نفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق حتی تعود ولو بعد سفرہ[2]۔ بلاوجہ خاوند کے گھر سے باہر رہنے والی کے لئے نفقہ نہیں تاوقتیکہ وُہ واپس نہ آجائے اگرچہ خاوند کے سفر پر جانے کے بعد ہی باہر رہی ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لو عادت الی بیت الزوج بعد ما سافر یعنی اگر خاوند کے سفر پر جانے کے بعد بیوی خاوند کے گھر لوٹ آئے

---

[1] القرآن ۲/ ۲۳۳

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷

خرجت عن کونها ناشزة بحر عن الخلاصة ای فتستحق النفقة[1]۔	تو اس کی نافرمانی ختم ہوجائے گی، یہ بحر میں خلاصہ سے منقول، یعنی اس وقت بیوی نفقہ کی حقدار ہوگی۔ (ت)

تو اُس شخص نے کہ عورت کے واپس آنے کے بعد نان ونفقہ موقوف کردیا نرا ظلم کیا، تو اس پر فرض ہے کہ اسی وقت سے جاری کردے۔ رہا گزشتہ مدت کا نفقہ، اس کی دو صورتیں ہیں، اگر پہلے آپس کی رضامندی یا قاضی کے حکم سے مقدارِ نفقہ مقرر ہوچکی تھی کہ مثلاً مہینے میں اتنے روپے یا اس قدر اناج اور کپڑا دیا جائے گا اور اب بلاوجہ شرعی بند کردیا تو جب تک نہیں دیا ہے اُس ساری مدت کا اُسی قرارداد کے حساب سے عورت کو دلایا جائے گا، اور اگر عورت یُونہی رہتی کھانا کھاتی کپڑا پہنتی تھی کچھ قرارداد باہمی یا بحکم قاضی نہ ہُوا تھا کہ ماہوار یا سالانہ یا ششماہی پر اتنا دیا جائے گا تو جتنے دنوں اُس نے نہ دیا ظالم وگنہگار ہُوا مگر عورت اُس گزری مدت کا دعوٰی نہیں کرسکتی اب سے دعوٰی کرکے بحکم قاضی آئندہ کے لئے مقرر کرالے اس کے بعد اگر وہ نہ دے گا تو یہ جبراً بذریعہ نالش وصول کرسکتی ہے، درمختار میں ہے:

النفقة لاتصیر دینا الا بالقضاء او الرضاء ای اصطلاحهما علی قدر معین اصنافا او دراهم فقبل ذلك لایلزمه شیئ وبعده ترجع بما انفقت ولو من مال نفسها بلا امر قاض[2]۔	نفقہ خاوند کے ذمہ قرض نہ بنے گا جب تک قاضی نفقہ متعین نہ کردے یا آپس میں رضامندی سے طے نہ کرلیں، یعنی میاں بیوی آپس میں نفقہ کی مقدار بطور جنس یا نقد متعین نہ کرلیں، تو اس سے قبل خاوند کے ذمہ دین لازم نہ ہوگا، اور اس کے بعد خاوند کے ذمہ ہوگا تو جو بیوی نے قرض لے کر صرف کیا خواہ اپنے مال سے ہی کیا ہو خواہ قاضی کے حکم کے بغیر ہی کیا ہو تو اس کو خاوند سے وصول کرسکے گی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لاتصیر دینا ای اذا لم ینفق علیها بان غاب عنها او کان حاضرا فامتنع فلا یطالب بها بل تسقط بمضی	نفقہ قرض نہ بنے گا یعنی جب خاوند غائب رہا یا موجود رہا لیکن بیوی کو نفقہ نہ دیا ہو تو اس مدت کے نفقہ کا مطالبہ خاوند سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ مدت گزر جانے

---

[1] ردالمحتار باب النفقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۶۶

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۰

المدۃ[1]۔

کی بنا پر ساقط ہوجائے گا۔(ت)

اُسی میں ہے:

الا بالقضاء بان یفرضھا القاضی علیہ اصنافا او دراھم او دنانیر نھر[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مگر یہ کہ جو نفقہ قاضی نے خاوند پر مقرر کیا ہو جنس، دراہم یا دنانیر تو وُہ خاوند کے ذمہ واجب الادا ہوگا، نہر۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۹ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا ایک لڑکا بالغ جس کی عمر تیس برس کے قریب ہے، اور کمائی پر خوب قدرت رکھتا ہے اور پیشہ حجامی وغیرہ طرق سے تحصیلِ رزق کرسکتا ہے زید پر اپنے کھانے پہننے وغیرہ مصارف کا بار ڈالتا ہے اور اُسے اپنے مال میں تصرف سے مانع آتا ہے، آیا اس صورت میں زید پر روٹی کپڑا اُس کا واجب اور زید اپنے مال میں تصرف سے ممنوع ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ وُہ لڑکا بالغ اور کسب پر ہر طرح قادر تو اس کا روٹی کپڑا یا کوئی صرفہ زید پر واجب نہیں زید کو اختیار ہے اُسے کچھ نہ دے اور زید اُس لڑکے کے منع کرنے سے اپنی جائداد میں تصرف سے ممنوع نہیں ہوسکتا،

فی الدر المختار وکذا تجب لولدہ الکبیر العاجز عن الکسب کانثی مطلقا وزمن و من یلحقہ العار بالتکسب وطالب علم لایتفرغ لذٰلک کذا فی الزیلعی والعینی[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ یُوں ہی بڑے بالغ بیٹے کا نفقہ لازم ہوگا جو کسب و محنت سے عاجز ہو جیسا کہ بیٹی کے لئے مطلقًا اور اپاہج بیٹے کے لئے اور اس اولاد کے لئے جن کو محنت مزدوری کرنے میں عار ہو، اور اس طالبعلم کے لئے جو مزدوری فراغت نہ پائے، زیلعی اور عینی میں یوں مذکور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے ایک لڑکی کہ اب سات برس کی ہے اور ایک لڑکا کہ ابھی پانچ چھ مہینے کا ہے پیدا ہوئے، اب زید نے اپنا اور

---

[1] ردالمحتار باب النفقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۸

[2] ایضًا

[3] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۳

نکاح کرلیا اور ہندہ کو جبراً نکال دیا کہ وہ مع دونوں بچوں کے اپنے باپ کے یہاں چلی آئی، اب زید نہ اُسے بلاتا ہے نہ اُس کے بچوں کے کھانے پہننے کی خبرگیری کرتا ہے، اس صورت میں ہندہ و دختر و پسر کا نان و نفقہ زید پر لازم ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

بیشک ہندہ کا نان نفقہ زید پر لازم ہے اور بچوں کا اپنا کوئی ذاتی مال نہ ہو تو اُن کی خبرگیری بھی زید پر واجب ہے اگر شوہر نہ دے عورت حاکم کے یہاں رجوع کرکے اپنا اور اپنے بچوں کا نفقہ مقرر کراسکتی ہے،

فی الدرالمختار النفقۃ تجب للزوجۃ علی زوجہا ولوھی فی بیت ابیہا اذا لم یطالبہا الزوج بالنقلۃ بہ یفتی وکذا ان طالبہا ولم تمتنع[1] ملخصًا۔

درمختار میں ہے: بیوی اگرچہ اپنے والد کے گھر ہو اور خاوند وہاں سے اپنے گھر منتقل ہونے کا مطالبہ نہ کرتا ہو یا مطالبہ کرتا ہو اور بیوی انکاری نہیں ہے تو خاوند پر نفقہ واجب ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائیگا ملخصًا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

تجب النفقۃ بانواعہا لطفلہ الانثی و الجمع الفقیر فان نفقۃ الغنی فی مالہ ولو خاصمتہ الام فی نفقتہم فرضہا القاضی وامرہ بدفعہا للام مالم تثبت خیانتہا فیدفع لہا صباحا و مساء او یأمر من ینفق علیہم[2] انتہتا ملخصین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بیٹی اور فقیر عاجز لڑکوں کے لئے نفقہ واجب ہے کیونکہ غنی اولاد کا نفقہ اس کے اپنے ذاتی مال سے ہے، اور اگر مذکورہ بچوں کے لئے ان کی ماں قاضی کی طرف سے مقرر کردہ نفقہ کو وصول کرنے میں اصرار کرے تو قاضی نفقہ مقرر کرکے خاوند کو ادائیگی کا حکم دیگا بشرطیکہ بچوں پر صرف کرنے میں ماں کی خیانت ثابت نہ ہو تو خاوند صبح وشام ماں کو ان کا خرچہ ادا کرے گا یا وہ کسی کو ان پر خرچ کرنے کے لئے کہے گا، دونوں عبارتیں ختم ہوئیں ملخص طور پر، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اپنے دیور کے ساتھ متہم ہوئی اُس کے شوہر زید

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۹

[2] درمختار " " " " ۱/۲۷۳

اور زید کے باپ نے اُسے اپنے یہاں سے نکال دیا، ہندہ اب دو برس سے اپنے باپ کے یہاں ہے نہ تو زید اُسے بلاتا ہے اور نہ روٹی کپڑا پہنچاتا ہے نہ طلاق دیتا ہے، اس صورت میں ہندہ کا روٹی کپڑا ذمہ زید کے واجب ہے یا نہیں ؟ اور زید اس صورت میں گناہ گار ہے یا نہیں ؟

الجواب

جبکہ ہندہ کا اپنے باپ کے یہاں رہنا اس بنا پر ہو کہ اُسے زید اور زید کے باپ نے نکال دیا اور زید بُلاتا بھی نہیں اور بُلائے تو اُسے جانے میں انکار بھی نہیں تو بیشک اُس کا روٹی کپڑا زید کے ذمہ واجب ہے،

فی الدرالمختار النفقة تجب للزوجة ولو هی فی بیت ابیها اذا لم یطالبها الزوج بالنقلة به یفتی وکذا اذا طالبها ولم تمتنع[1] اھ ملخصًا۔

درمختار میں ہے: اگرچہ بیوی اپنے والد کے گھر ہو جب خاوند اپنے گھر منتقل ہونے کا مطالبہ نہ کرے تو خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہوگا، اسی پر فتوی ہے، اور یونہی اگر خاوند مطالبہ کرے لیکن بیوی انکار نہ کرے تو بھی واجب ہوگا، اھ، ملخصًا (ت)

اور اس تہمت کی وجہ سے اگرچہ وہ واقع میں صحیح ہی ہو نکاح زائل نہیں ہوتا،

ففی الحدیث ان رجلا قال للنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان امرأتی لا ترد ید لامس قال فارقها قال انی احبها قال فامسکها[2]۔ اوکما قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وفی الدرالمختار وغیرہ لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ[3] اھ فکان ذٰلك نصا فی بقاء النکاح۔

حدیث شریف میں ہے: ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی کہ میری بیوی چھُونے والے کے ہاتھ کو رَد نہیں کرتی، تو آپ نے فرمایا اس کو علیحدہ کردے۔ تو اس شخص نے عرض کی مجھے اس سے محبت ہے، تو آپ نے فرمایا: پھر اسے پاس رکھ یا جیسے آپ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اور درمختار وغیرہ میں ہے کہ خاوند پر فاجرہ بیوی کو طلاق دینا لازم نہیں ہے اھ، تو یہ عبارت نکاح کے باقی رہنے میں نص ہے (ت)

---

[1] درمختار | باب النفقة | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۶
[2] سنن ابی داؤد | کتاب النکاح | آفتاب عالم پریس لاہور | ۱/۲۸۰
سنن النسائی | کتاب النکاح تزویج الزانیة | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی | ۲/۷۱
" " | کتاب الطلاق باب ماجاء فی الخلع | " " " | ۲/۱۰۷
ردالمحتار | فصل فی المحرمات | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۲۹۲
[3] درمختار | " " " | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۰

جاہلوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ عورت اگر معاذ اللہ بدوضعی کرے تو نکاح جاتا رہتا ہے محض غلط بات ہے، اور جب نکاح باقی ہے تو اس صورت میں زید پر فرض ہے کہ یا تو اُسے طلاق دے دے یا اُس کے نان نفقہ کی خبرگیری کرے ورنہ یوں معلق رکھنے میں زید بیشک گنہگار ہے اور صریح حکمِ قرآن کا خلاف کرنے والا، فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ[1] اور کُلّی میلان نہ ہو کہ بیوی کو معلق کر چھوڑو، واللہ تعالٰی اعلم (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۲ از شاہجہان پور مرسلہ مہربان علی صاحب ۱۹ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت بے اجازتِ شوہر زید کے اپنے بھائیوں کے گھر چلی گئی، جب زید اپنی نوکری سے آیا عورت کو نہ پایا، اس صورت میں نکاح و مہر باقی رہا یا نہیں؟ بعد ایک عرصہ کے زید حسبِ مصلحت اور پاس اپنی حرمت کے زید نے کچھ خرچ نان و نفقہ کا مسمّاۃ مذکورہ کا مقرر کر دیا تھا کہ خواہ زوجہ میرے مکان میں رہے یا اپنے بھائی کے پاس رہے دیا جائے گا، اب بموجب شرع شریف کے وُہ نان و نفقہ حسبِ وجوہ مندرجہ بالا ذمہ زید کے واجب الادا رہا یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

نکاح و مہر بدستور قائم رہے، ہاں بے اجازتِ شوہر چلے جانے کے باعث نفقہ ساقط ہوگیا، سائل مظہر کہ زید بلاتا ہے اور وُہ نہیں آتی تو اب تک وہ نان نفقہ کی اصلاً مستحق نہیں جب تک شوہر کے گھر میں آئے، درمختار میں ہے،

لا نفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود وتسقط بہ المفروضۃ[2] (ملخصًا)۔ بلاوجہ خاوند کے گھر سے باہر رہنے والی نافرمان ہے تاوقتیکہ واپس اس کے گھر نہ آئے اس کے لئے نفقہ نہیں ہے خواہ نفقہ قاضی کی طرف سے ہی کیوں نہ مقرر ہو۔ (ت)

گھر بیٹھے کا جو نفقہ زید نے مقرر کر دیا اوّل تو وہ نفقہ واجب نہ تھا فان النفقۃ جزاء الاحتباس (کیونکہ نفقہ بیوی کے پابند ہونے کا صلہ ہے۔ ت) بلکہ صرف ایک احسانی وعدہ تھا اور وعدہ پر جبر نہیں کمافی الغلمگیریۃ وغیرھا (جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں ہے۔ ت) معہذا جب اس نے بلایا اور وُہ نہ آئی وہ بھی ساقط ہوگیا کما علمت من الدرالمختار (جیسا کہ درمختار سے معلوم ہوا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۹

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷

مسئلہ ۱۶۳: ۲۶ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ سے نکاح کرکے قبل رخصت نوکری پر چلا گیا، بارہا والدینِ ہندہ نے رخصت کو کہا، چار برس کے بعد رخصت کراکے اپنے گھر لے گیا، ہندہ بیمار تھی دو ایک دن کے بعد پھر والدین کے یہاں واپس آکر ایک ماہ بعد فوت ہوگئی، نفقہ اُس چار سال کا اور جو خرچ دوا و علاج و تجہیز و تکفین میں والدین نے کیا شوہر پر واجب ہے یا نہیں؟ جہیز شوہر کو ملے گا یا ماں باپ کو؟ بیّنوا توجروا

الجواب

نفقہ و خرچ دوا و علاج کا مطالبہ شوہر سے نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

لا تصیر دینا الا بالقضاء او الرضاء وبموت احدھما وطلاقھا یسقط المفروض لانھا صلۃ الا اذا استدانت بامر القاضی[1]

نفقہ خاوند کے ذمہ قرض نہیں بنتا تاوقتیکہ قاضی کا مقرر کردہ یا باہمی رضامندی سے طے کردہ نہ ہو، اور خاوند بیوی دونوں میں سے ایک کی موت یا طلاق سے نفقہ ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ یہ صلہ کے طور پر لازم ہوتا ہے، ہاں اگر قاضی کے حکم پر بیوی نے قرض لے رکھا ہو تو پھر خاوند کو اس کی ادائیگی لازم ہوگی۔ (ت)

www.alahazratnetwork.org

ردالمحتار میں ہے:

علیہ ما تقطع بہ الصنان لا الدواء للمرض ولا اجرۃ الطبیب ولا الفصاد ولا الحجام[2]

خاوند پر بدن کی حفاظت والی چیز لازم ہے۔ مرض کیلئے دوا، طبیب کی اُجرت، فصد یا سنگی لگانے کی اُجرت لازم نہیں ہے۔ (ت)

یونہی خرچ تجہیز و تکفین بھی مجرا نہ ملے گا جبکہ والدین خواہ کسی نے بے اذن شوہر بطور خود کیا،

فی اواخر وصایا ردالمحتار عن حاشیۃ الفصولین للرملی، تکفین الزوجۃ اذا صرفہ من مالہ غیر الزوج بلا اذنہ او اذن القاضی فھو متبرع کالاجنبی[3]

ردالمحتار میں وصایا کی بحث کے آخر میں فصولین پر رملی کے حاشیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی نے خاوند یا قاضی کی اجازت کے بغیر اس کی بیوی کو کفن دیا تو یہ خرچہ صرف کرنے والے کی طرف سے مفت ہوگا جیسا کہ کوئی اجنبی اپنی طرف سے مفت خرچ کردے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۰

[2] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۹

[3] 〃 فصل فی شہادۃ الاوصیاء 〃 〃 〃 ۵/۴۵۹

جہیز ملک و ترکہ ہندہ ہے برتقدیر عدم موانع ارث و وارث آخر و تقدیم دین و وصیت چھ سہام ہوکر تین سہم شوہر، دو سہم پدر، ایک مادر کو ملے گا۔ اسی حساب سے مہر ہندہ اگر باقی ہو تقسیم ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۶۴ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر ہندہ کا نکاح عمرو سے کیا اور پیش از نکاح ایک اقرار نامہ زید نے عمرو سے لکھوالیا کہ میں بے رضامندی زوجہ کے اُسے کہیں نہیں لیجاسکتا ہوں اور خود میں وہیں یعنی زوجہ کے مکان پر رہوں گا اور درصورت وعدہ خلافی میں نان نفقہ دوں گا، بعدہٗ نکاح ہوا اور مہر ڈھائی سو روپے کا بندھا جس میں کوئی شرط پیشگی دینے یا کسی میعاد کے قرار نہ پائی، اب عمرو اپنے خسر کے یہاں شب کو رہنا چاہتا ہے تو اُس کا خسر اور خود زوجہ اسے گوارا نہیں کرتے عمرو کا مکان اسی شہر میں ہے وُہ چاہتا ہے کہ اپنی زوجہ کو اپنے مکان پر لے جائے، اس صورت میں اُسے اس امر کا اختیار ہے یا نہیں؟ اور اگر زید نہ لے جانے دے اور ہندہ نہ جائے تو مستحق نان نفقہ کی ہوگی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بیشک صورت مستفسرہ میں زید کو اختیار ہے کہ اپنی زوجہ کو اپنے مکان پر لے جاکر رکھے، زوجہ اور اُس کے باپ کا بلاوجہ شرعی روکنا محض ظلم ہے، اور زوجہ نہ جائے گی تو نان نفقہ کی مستحق نہ ہوگی،

لانها ناشزة لامتناعها بغیر حق و انما النفقة جزاء الاحتباس فاذ لا احتباس لا نفقة کما صرحوا به قاطبة۔

کیونکہ وُہ نافرمان ہے اس لئے کہ وہ بلاوجہ مانع بنی ہُوئی ہے جبکہ نفقہ خاوند کے حق میں پابند ہونے کا عوض ہے تو جہاں پابندی نہیں وہاں نفقہ نہیں ہوگا، جیسا کہ سب نے اس کی تصریح کی ہے (ت)

عمرو کا اقرار نامہ لکھ دینا کہ درصورت وعدہ خلافی نان نفقہ دوں گا کوئی چیز نہیں،

فان شرط الله احق، ومن اشترط شرطا لیس فی کتاب الله فلیس له، وان شرط مائة مرة[1]، کما قال النبی صلی الله علیه وسلم فی الحدیث الصحیح، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق شرط مقبول ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی شرط لگائی تو وہ ناحق ہے اگرچہ ہزار بار شرط لگائے، جیسا کہ صحیح حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم (ت)

---

[1] صحیح مسلم باب بیان ان الولاء لمن اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۹۴

مسئلہ ۱۶۵ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ

ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ہرگاہ با زید پدر ہندہ گفت دخترم را شادی بکن زید گفت من فی الحال شادی نتوانستم چراکہ طالب علم ہستم وحصول علم را مدتے معلوم نیست کہ بچند سال بدست آید و قدرت نان ونفقہ اندریں مدت ندارم و پدر ہندہ دریں حالتِ اضطراری او بہ پیش چند مردماں ایں ہمہ شرائط مذکورہ بر ذمہ خود قبول کردہ وراضی شدہ دختر او با زید نکاح کنانیدہ برائے تحصیل علوم اجازت داد پس بعد از چند سال قبل از تحصیل علوم از و نان ونفقہ طلب کرد و بریں تقدیر نان ونفقہ وغیرہ دادن بروئے واجب خواہد شد یا نہ واز ہندہ اگر با مرد اجنبی ازیں مدت حرام کاری وغیرہ صادر گردد در نکاح زید ثابت ماند یا نہ و بر ہندہ شرعاً چہ حکم دادہ شود وشوہر ہندہ از بدفعلی او بری گردد یا نہ واگر ہندہ مہر خود عند الرضا ساقط گردد بعد ازاں عند النزاع می گوید کہ مہر مرا زو ساقط نکردہ ام دعوے مہر او بر زید شرعاً ثابت گردد یا نہ۔ بیّنوا توجروا۔

علمائے کرام (رحمکم اللہ تعالیٰ) آپ کی کیا رائے ہے، کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے باپ نے زید کو کہا کہ میری بیٹی سے شادی کرلو، زید نے کہا کہ میں فی الحال شادی نہیں کرسکتا کیونکہ میں طالبعلم ہوں اور حصولِ علم میں نہ معلوم کتنی مدت صرف ہو، مجھے اس مدت میں بیوی کے نان ونفقہ پر قدرت نہ ہوگی، تو اس پر ہندہ کے والد نے چند لوگوں کی موجودگی میں زید کی اس مجبوری کی حالت کی تمام ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی اور رضامندی کے ساتھ زید سے اپنی لڑکی کا نکاح کردیا اور زید کو تحصیلِ علم کے لئے اجازت دے دی، اور اس کے چند سال بعد زید کی طلب علمی کے دوران تحصیلِ علم سے پہلے ہندہ کے والد نے زید سے نان ونفقہ کا مطالبہ کردیا، تو کیا اس صورت میں زید کو بیوی کا نان و نفقہ دینا واجب ہوگا یا نہیں، اور اس دوران اگر ہندہ کسی غیر مرد سے بدکاری کرے تو کیا وہ زید کے نکاح میں باقی رہے گی یا نہیں اور ہندہ پر کیا حکم شرعی ہوگا اور زید اپنی بیوی کی اس بدفعلی سے بری قرار پائے گا یا نہیں، اور اگر ہندہ رضامندی سے اپنا مہر معاف کردے اور بعد میں مخالفت ہوجانے پر کہے کہ میں نے اس کو مہر معاف نہیں کیا تو کیا اب زید پر شرعاً مہر کا دعویٰ کرسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

درصورت مستفسرہ اگر از جانب زن تسلیم نفس واقع شد وخویشتن را از شوہر بنا واجبی باز نداشت نفقۂ او بر ذمہ شوہر لازم شد وآں کہ پدر زن پیش از نکاح آں شرائط بر ذمۂ خود قبول کرد اگر

مسئولہ صورت میں اگر بیوی نے اپنے آپ کو زید کے سپرد کردیا اور بلاوجہ رکاوٹ نہ کی ہو تو خاوند کے ذمہ اس کا نفقہ واجب ہوگا اور بیوی کے والد کا نکاح سے پہلے اس کی ذمہ داریوں کو اپنے ذمہ لینا اگر

معنیش اینست کہ او بنا دادن نفقہ راضی شد و پیمان داد کہ تا مدت تحصیل علم زن از تو نان و نفقہ نخواہد ایں رضا و پیمان خود چیزے نیست اگرچہ حسب اجازت زن بالغہ شدہ باشد زیراکہ اسقاطِ دین پیش از وجوب معنی ندارد خاصۃً نفقہ کہ روزانہ شیئًا فشیئًا واجب می شود فی الدر المختار الابراء قبل الفرض باطل و بعدہ یصح مما مضی و من شھر مستقبل حتی لو شرط فی العقد ان النفقۃ تکون من غیر تقدیر والکسوۃ کسوۃ الشتاء والصیف لم یلزم فلھا بعد ذٰلک طلب التقدیر فیھما[1] الخ، وفی ردالمحتار عن الفتح فھو اسقاط للشیئ قبل وجوبہ فلا یجوز[2]، واگر مراد آنست کہ از جانب شوہر ایں دین را کفیل شدہ بر ذمہ خود گرفت اگر مقصود برأت شوہر ست کما ھو ظاھر الکلام ایں حوالت باشد فان الکفالۃ بشرط براءۃ الاصیل حوالۃ و حوالہ نقل دین ست

اس کا مطلب یہ تھا کہ اس دوران نفقہ نہ دینے پر راضی ہے اور عہد کرتا ہے کہ تحصیلِ علم کے دوران بیوی تجھ سے نان و نفقہ طلب نہ کرے گی تو والد کا یہ عہد و پیمان اور رضامندی کوئی حیثیت نہیں رکھتی اگرچہ بالغ بیوی کی رضامندی سے یہ معاہدہ کیا ہو کیونکہ واجب ہونے سے پہلے دَین کو ساقط کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے خصوصًا نفقہ کا معاملہ جو کہ روزانہ تھوڑا تھوڑا واجب ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے کہ مقرر ہونے سے قبل بَری (ساقط) کرنا باطل ہے جبکہ مقرر ہوجانے کے بعد گزشتہ یا آئندہ ماہ کے نفقہ کو ساقط کرنا صحیح ہے، حتی کہ اگر نکاح میں یہ شرط رکھی کہ نفقہ کا تقرر نہ ہوگا اور لباس سردی اور گرمی میں اکٹھا تو اس شرط کا کوئی اعتبار نہ ہوگا لہذا بیوی نکاح کے بعد نفقہ اور لباس کے تقرر کا مطالبہ کرسکے گی الخ۔ اور ردالمحتار میں فتح سے منقول ہے کیونکہ یہ وجوب سے قبل کسی چیز کو ساقط کرنا ہے لہذا جائز نہ ہوگا، اور اگر والد کے اس عہد و رضا کا مطلب یہ تھا کہ بیوی کے نان و نفقہ کا خاوند کی بجائے میں خود کفیل ہوں گا اور میں ذمہ دار رہوں گا تو اس سے مقصد خاوند کو ذمہ سے بَری کرنا ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو یہ عقد حوالہ ہوگا کیونکہ اصل کو بَری کرنے کی شرط سے کفالت تبدیل ہوکر حوالہ بن جاتی ہے جبکہ حوالہ کا معنٰی یہ ہے کہ

---

[1] درمختار | باب النفقہ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۲۶۸

[2] ردالمحتار | " " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۶۵۳

کما فی التنویر، وھو الصحیح کما فی الھندیة عن النھر آنچناں کہ دین خود معدوم ست نقل راچہ معنی فی الدر المختار تصح فی الدین المعلوم[1] الخ فی ردالمحتار الشرط کون الدین للمحتال علی المحیل[2] الخ وفیہ لاتصح الحوالة مع جھالة المال[3] الخ وفیہ لاتصح ھذہ الحوالة لان کلا من الغازی والمستحق لم یثبت لہ دین فی ذمة الامام والناظر[4] الخ واگر برأت شوہر منظور نیست کفالت اگرچہ صحیح شد لما فی الھندیة من فصل النکاح ضمان المھر من صحة الضمان بالمھر عند الخطبة قبل النکاح فراجعھا ان شئت وھو الموافق للمفتی بہ من قول الامام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی ان الکفالة بالنفقة المستقبلة تصح وان لم تجب بعد کما اوضحہ فی

کسی کو قرض سے بَری کرکے اپنے ذمّے لے لینا، جیسا کہ تنویرالابصار میں ہے، اس کو ہندیہ میں نہر سے نقل کرتے ہُوئے صحیح قرار دیا ہے، تو اس صورت میں ابھی قرض معدوم ہے تو اس کو نقل کرکے دوسرے کے ذمّہ کیسے کیا جاسکتا ہے، درمختار میں ہے کہ 'حوالہ، معلوم قرض میں صحیح ہوتا ہے الخ، ردالمحتار میں ہے کہ 'حوالہ میں یہ شرط ہے کہ قرضخواہ کا اصیل پر قرض ثابت ہو الخ، اور اس میں یہ بھی ہے، کہ، مال مجہول ہونے پر حوالہ صحیح نہ ہوگا، الخ، اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ، غازی اور دیگر مستحق شخص کے وظیفہ کا حوالہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ وظیفہ حاکم اور نگران کے ذمہ ان کے لئے ثابت شدہ نہیں ہے الخ، اور اگر والد کے اس عہد و رضا سے خاوند کو نفقہ سے بَری قرار دینا نہیں تھا تو یہ کفالت صحیح ہوگی (اور خاوند بری الذمّہ نہ ہوگا) کیونکہ ہندیہ میں "مہر کی ضمانت پر نکاح کی فصل" میں ہے کہ، نکاح سے قبل مہر کی ضمانت صحیح ہے، اگر آپ چاہیں تو ہندیہ کی طرف رجوع کریں، اور یہ ہندیہ کا بیان امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے مفتٰی بہ قول کے موافق ہے کہ مستقبل کے نفقہ کی کفالت صحیح ہے اگرچہ یہ نفقہ ابھی واجب نہیں ہُوا، جیسا کہ اس بات کو ردالمحتار میں واضح کیا ہے،

---

[1] درمختار — کتاب الحوالة — مطبع مجتبائی دہلی — ۲/۶۹
[2] ردالمحتار — " — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۴/۲۹۰
[3] ایضاً
[4] " — " — " — " — " — " — ۴/۲۹۱

ردالمحتار[1] اماکفالت موجب برارت ذمہ شوہر نباشد، پس بہرحال نفقہ بر شوہر بشرائطہا لازم ست، آرے اگر بتراضی یا قضائے قاضی نفقہ را فرضے تقدیرے میان نیامد مثلاً ماہانہ ایں قدر زر یا ایں مقدار طعام و پارچہ آں گاہ ہر قدر مدت کہ بے ادائے نفقہ گزشت نفقہ او ساقط گشت مطالبہ اش نتواں کرد آئندہ را طلب فرض و تقدیر کند تا دَین شود و بر مطالبہ دست یابد فی الدرالمختار النفقۃ لا تصیر دینا الا بالقضاء او الرضاء ای اصطلاحہما علی قدر معین اصنافا او دراہم فقبل ذلک لا یلزمہ شیئ وبعدہ ترجع بما انفقت ولو من مال نفسہا بلا امر قاض[2] الخ، وفی ردالمحتار لا یلزمہ عما مضی قبل الفرض بالقضاء او الرضاء ولا عما یستقبل لانہ لم یجب بعد[3]، زن اگر شوئے خود را از مہر ابرائے شرعی بلااکراہ کرد مہر از ذمہ شوہر ساقط شد اگرچہ ایں معنی در خلوت محضہ

(لہذا والد کی کفالت خاوند (زید) کی نفقہ سے برارت کو واجب نہیں کرتی) پس ہر حال میں خاوند پر نفقہ اپنی شرائط کے مطابق واجب ہوگا۔ ہاں اگر باہمی رضامندی یا قاضی کے فیصلہ سے ابھی نفقہ کی مقدار متعین نہیں ہوئی تھی، مثلاً ماہانہ اس قدر نقد یا خوراک کی یہ مقدار اور فلاں وقت پر لباس طے نہیں ہُوا تھا اور کچھ مدت نفقہ دیئے بغیر گزر گئی ہو تو گزشتہ مدت کا نفقہ ساقط ہوجائے گا بیوی کو اس کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا' اور آئندہ کے لئے مقدار متعین کرانے کا اس کو حق ہوگا تاکہ خاوند کے ذمہ قرض بن سکے اور مطالبہ پر اسے حاصل کرسکے درمختار میں ہے کہ' نفقہ خاوند کے ذمہ قرض نہیں بنتا تاوقتیکہ قاضی نے یا باہمی رضامندی سے طے نہ کرلیا گیا ہو مثلاً یوں کہ اتنی مقدار جنس یا نقد مقرر کرلیا گیا ہو تو اس فیصلہ سے قبل کا نفقہ واجب الادا نہ ہوگا اور اس کے بعد والے نفقہ میں جو بیوی نے قرض لے کر یا خود اپنے مال سے قاضی کے حکم کے بغیر جو خرچ کیا ہو تو وہ خاوند سے وصول کرسکتی ہے الخ، ردالمحتار میں ہے، قاضی یا باہمی رضامندی سے قبل کا گزشتہ نفقہ خاوند پر واجب الادا نہ ہوگا (البتہ طے کرنے کے بعد کا واجب الادا ہوگا) اور آئندہ مستقبل کا نفقہ بھی واجب الادا نہ ہوگا کیونکہ وہ ابھی واجب نہیں ہوا۔ بیوی نے اگر شرعی طور پر اپنی رضامندی سے بلاجبر و اکراہ خاوند کو مہر سے بَری کردیا ہو تو وہ مہر

---

[1] ردالمحتار — کتاب الکفالہ — داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۶۳

[2] درمختار — باب النفقۃ — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۰

[3] ردالمحتار — ؍؍ — داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۸

روئے داد اما نزد قاضی بے اقرار زن یا
بینۂ عادلہ رنگ ثبوت نیابد اگر خدا نا ترسی
کردہ بعد ابرا بدعوے پردازد قاضی بر ذمۂ
شوہر ثابت سازد و معاملۂ باطنی
ایشاں بمحکمۂ قاضی حقیقی عالم الغیب و
الشہادۃ جل جلالہ پردہ از رُخ حقیقت
اندازد فالقاضی انما یقضی بالظاہر
واللہ سبحانہ یتولی السرائر
آرے جائیکہ تعجیل وتاجیل مہر بہ بیان
نیامدہ باشد چناں کہ غالب مہور ایں دیار
ہمچناں مے باشد آنجا بنائے کار
بر عرف دیارست وعرف عام وشائع
ایں بلاد بلکہ دیگر ممالک ہم ہمیں ست
کہ بہیچ صورت مہر نزد افتراق بموت یا
طلاق حال مے شود پس پیش ازاں
مطالبۂ زن مسموع ندارد کما بیناہ فی
فتاوٰنا مرارًا زنائے زناں موجب
بطلان نکاح آناں نیست قال تعالٰی بیدہ
عقدۃ النکاح[1] تا آنکہ اگر با پدر یا پسر
شوہر ایں چنیں وقاحت روئے دہد ہم نکاح
باطل نشود اگرچہ زن حرام ابدی گردد و
متارکہ فی الفور فرض شود ، فی
الدرالمختار بحرمۃ المصاہرۃ

خاوند سے ساقط ہوجائے گا اگرچہ بیوی نے اپنی خلوت
میں معاف کیا ہو، لیکن قاضی کے ہاں بیوی کے اقرار
یا شہادت کے بغیر برأت ثابت نہ ہوگی، اگر بیوی خدا ترسی
نہ کرتے ہُوئے معاف کرنے کے بعد قاضی کے ہاں
مہر کا دعوٰی کرے تو قاضی خاوند کے ذمہ مہر کی ادائیگی
لازم کردے گا، تاہم دونوں کا یہ باطنی معاملہ، اللہ
تعالٰی جو کہ حقیقی قاضی عالم الغیب والشہادۃ ہے
کے دربار میں پیش ہوگا اور حقیقی فیصلہ پائے گا، قاضی
تو ظاہر پر فیصلہ دیتا ہے باطنی امور تو اللہ تعالٰی کے
سپرد ہیں، ہاں اگر مہر کے معجل ہونے یا مؤجل کا فیصلہ
نہ ہُوا ہو جیسا کہ عام طور پر اس علاقے میں ہوتا ہے تو
ایسی صورت میں معاملہ علاقہ کے عرف پر ہوگا، جبکہ
اس علاقہ بلکہ دیگر ممالک میں بھی یہی ہے کہ میاں یا بیوی
کی موت یا طلاق کے وقت جو بھی مہر ہو وہ ادا کیا جاتا ہے
اور اس سے قبل عورت کے مطالبہ کو قابلِ توجہ نہیں
سمجھا جاتا، جیسا کہ ہم نے کئی مرتبہ اپنے فتاوٰی میں بیان
کیا ہے بیوی کے زنا سے نکاح باطل نہیں ہوتا اللہ تعالٰی
نے فرمایا: بیدہ عقدۃ النکاح (نکاح کی گرہ صرف
خاوند کے ہاتھ میں ہے) یہی وجہ ہے کہ اگر بیوی
اپنے خاوند کے باپ یا بیٹے سے بدفعلی کرے تو بھی
نکاح باطل نہیں ہوتا اگرچہ بیوی ہمیشہ کے لئے خاوند
پر حرام ہوجاتی ہے، اور فوری طور پر دونوں میں متارکہ
فرض ہوجاتا ہے۔ درمختار میں ہے کہ، حرمتِ مصاہرہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۳۷

لایرتفع النکاح حتی لایحل لہا التزوج بآخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ والوطئ بہا لایکون زنا[1]، بہرحال زن بقدر جرم خودش مستحق حد یا تعزیر شود وشوے اگر در حفظ ومنعش از قدر واجب تقصیر نہ کرد وبریں کار راضی نشد ہیچ وبال بروے نیست قال تعالٰی لاتزر وازرۃ وزر اخرٰی، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

کے ساتھ نکاح باطل نہیں ہوتا حتی کہ دوسرے شخص سے اس بیوی کا نکاح حلال نہیں ہوگا تاوقتیکہ متارکہ کے بعد عدت نہ گزر جائے، اور متارکہ سے قبل اگر خاوند وطی کرلے تو زنا کا حکم نہ لگے گا۔ بہرحال بیوی اپنے جرم کی خود ذمہ دار ہے اس پر حد لگے گی یا تعزیر ہوگی، خاوند نے اگر حفاظت ونگرانی میں کوتاہی نہ کی ہو اور وہ اس کے اس فعل سے راضی نہ ہو تو اس پر کوئی وبال نہیں ہوگا، اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک کا بوجھ دوسرے پر نہ ہوگا۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۶ ۲۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید صاحب جائداد ہے اس نے عرصہ بیس[2] سال سے اپنی زوجہ ہندہ کو بسبب ڈال لینے دوسری عورت کے تکرار کے بلاقصور شرعی گھر سے نکال دیا وہ اپنے باپ خالد کے مکان پر چلی آئی اس کا باپ متکفل رہا اس وجہ سے اس کو نان ونفقہ حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہوئی چونکہ اب خالد کا انتقال ہوگیا لہذا اس کو نان ونفقہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے اس مدت بیس سال میں زید ہندہ کو اتفاقِ یکجائی نہ ہوا یہ امر مانع نان ونفقہ تو نہ ہوگا، بینوا توجروا۔

الجواب

بیس سال گزشتہ کا نفقہ تو ہر طرح ساقط ہی ہوگیا، آئندہ کے لئے جبکہ اس کا نکلنا اپنی خوشی سے نہ تھا بلکہ شوہر نے نکال دیا یہ دیکھا جائے گا کہ عورت کا اپنے باپ کے گھر رہنا شوہر ہی کے جبر سے ہے کہ وہ بلائے تو اسے جانے سے انکار نہ ہو تو وہ خود ہی نہیں بلاتا اس کا آنا نہیں چاہتا جب تو نفقہ کی مستحق ہے اور اگر یہی جانا نہیں چاہتی، وہ بلاتا ہے اور یہ نہیں جاتی تو استحقاق نہیں،

فی الدرالمختار تجب للزوجۃ ولو ھی فی بیت ابیہا اذا لم یطالبہا الزوج بالنقلۃ وبہ یفتی[1]،

درمختار میں ہے: بیوی اگر اپنے والد کے گھر ہو اور خاوند اپنے گھر منتقل ہونے کا مطالبہ نہ کرے تو بیوی کے لئے نفقہ واجب ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائیگا،

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

وکذا اذا طالبها ولم تمتنع او مرضت و فی منزلها بقیت ولنفسها ما منعت و علیه الفتوی[1] اھ ملتقطا، و فی الھندیة عن البدائع لها النفقة بعد النقلة و قبلها ایضا اذا طلبت النفقة فلم ینقلها الزوج وھی لا تمتنع من النقلة لو طالبها الزوج وان کانت تمتنع فلا نفقة لها کالصحیحة[2] **قلت** والشرط عدم منعها لا وجود طلبها کما حققنا فیما علقناہ علی رد المحتار وھو المصرح فی الفتح عن الخلاصة عن الجامع الکبیر والیه اخر کلام البدائع ایضا یشیر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور یُونہی اگر وہ منتقل ہونے کا مطالبہ کرے اور بیوی انکار نہ کرے یا بیوی اس وقت بیمار ہو اور اپنے گھر میں اور اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے سے مانع نہ ہو تو بیوی کا نفقہ واجب ہے، اسی پر فتوٰی ہے اھ ملتقطاً۔ اور ہندیہ میں بدائع سے منقول ہے بیوی کیلئے نفقہ واجب ہوگا جب وُہ خاوند کے ہاں منتقل ہوجائے، یا قبل منتقل ہونے کے جب عورت نفقہ کا مطالبہ کرے تو خاوند اسے منتقل نہ کرے حالانکہ بیوی منتقل ہونے سے انکاری نہ اگر خاوند اسے منتقل کرنا چاہے، اور اگر وُہ منتقل ہونے سے انکار کرے تو پھر اس کے لئے نفقہ نہیں جیسا کہ صحت مند ہونے کے باوجود منع کرنے پر نفقہ نہیں ہے۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) شرط یہ ہے کہ عورت انکاری نہ ہو، خاوند کا مطالبہ کرنا شرط نہیں ہے جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور یہی فتح میں خلاصہ سے بحوالہ جامع کبیر منقول ہے، اور بدائع کا آخری کلام بھی یہی اشارہ دیتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۷: از منڈی ہلدوانی ضلع نینی تال سررشتہ ڈپٹی کمشنری مرسلہ منشی علی الدین احمد ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی عورت ہندہ زید سے سخت دشمنی رکھتی ہے، ایک دفعہ زید کے غیبت میں اناج بیچا، زید نے بہت تھوڑا سا مارا کنوئیں میں کُود پڑی، غیر مردوں نے نکالا، باریک کپڑے جوان عمر، پانی میں بھیگ کر بے ستری ہُوئی، کنوئیں سے نکل کر بولی بازار اور سرا میں بیٹھوں گی مگر زید کے گھر نہ جاؤں گی، اس پر وہ غیر آدمی اپنے گھر لے گئے، جب زید نوکری سے آیا وہاں سے سوار ہو کر ہندہ کے ماں باپ کے یہاں بھیج دیا، وہاں سے پھر آئی اور یہ عادت رکھی کہ ذرا سی تکرار پر دن دوپہر کو سرِ بازار پیادہ پا آدھ آدھ میل تک کسی کے مکان پر زید کو زک دینے اور بدنام کرنے کے لئے چلی جاتی ہے، زید کے لڑکے بالغ ہوگئے ہیں وہ ہر طرح اپنی ماں کے ساتھ ہیں اُس سے مل کر زید کا مقابلہ کرتے ہیں کاٹتے اور داڑھی پکڑنے تک نوبت پہنچ گئی ہے

---

[1] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی نفقة الزوجة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۴۶

اور کہتے ہیں تمھارے پاس مسالہ ہی کیا ہے جس پر مزاج دکھاتے ہو تم سے زائد تو اب ہمارے پاس ہے، ہندہ کو اپنے شوہر کے پاس آنے سے بھی عذر اور حیلہ اور انکار ہمیشہ رکھتی ہے ایک قاعدہ یہ بھی مقرر کیا ہے کہ بغیر اطلاع زید کے کسی لڑکے کو ساتھ لے کر زید کے یہاں آجاتی ہے اور چار پانچ مہینے رہ کر کل نقد و جنس اپنے قبضے میں کر کے جب زید اپنی نوکری پر الہ آباد جاتا ہے ہندہ اور لڑکا اپنے ماں کے یہاں لکھنؤ چلے آتے ہیں اُس مال کا پھر کبھی پتہ نہیں چلتا اس صورت میں لڑکوں کے حق حقوق اور ہندہ کے نان و نفقہ اور مہر کی نسبت از روئے شرع شریف کیا حکم فرماتے ہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

لڑکے جب کہ جوان اور خود مالدار ہیں تو اُن کا کوئی حق ذمہ زید باقی نہیں خصوصاً ایسی حالت میں کہ وُہ اس قدر موذی و عاق ہیں والعیاذ باللہ رب العٰلمین ایسے لڑکوں اور عورت کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب شدید و غضب عظیم کا استحقاق ہے، عورت جبکہ اس کے یہاں آنے سے ہمیشہ عذر و انکار رکھتی ہے اور جب کبھی آنا ہوتا ہے وُہ اس لئے نہیں کہ شوہر کی قیدی بن کر رہے بلکہ خود مختارانہ بالجبر آنا اُس غرض فاسد سے ہوتا ہے کہ اندوختہ لوٹ کر لے جائے جیسا کہ تقریر سوال سے ظاہر تو ایسی صورت میں یہ عورت صریح ناشزہ ہے اس کا نان و نفقہ اصلاً زید کے ذمہ نہیں، درمختار میں ہے:

النفقۃ جزاء الاحتباس وکل محبوس لمنفعۃ غیرہ تلزمہ نفقتہ[1]۔

نفقہ بیوی کے پابند ہونے کا معاوضہ ہے اور جو دوسرے کے حق میں محبوس ہو تو اس کا نفقہ اس پر لازم ہوتا ہے۔ (ت)

البتہ مہران حرکات سے ساقط نہیں ہوتا اور اُس کی کوئی میعادِ ادا مقرر نہ ہُوئی تھی تو حسبِ عرف بلاد بعد موت یا طلاق ادا کرنا واجب ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۸: از ریاست رام پور بزریا ملا ظریف گھیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم مرسلہ عبدالرؤف خاں ۲۵ محرم ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص شرارت سے نہ تو اپنی زوجہ کو اپنے پاس بلاتا ہے نہ طلاق دیتا ہے بلکہ کہتا ہے کہ تجھ کو معلقہ رکھوں گا، اب اس صورت میں وُہ بیچاری حاکمِ عدالت سے فریاد کرکے طلاق لے سکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] درمختار باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

الجواب

قال اللہ سبحانہ وتعالٰی فامسکوھن بمعروف اوسرحوھن بمعروف[1] (اللہ سبحانہ وتعالٰی نے فرمایا:) عورتوں کو یا تو اچھی طرح رکھو یا اچھی طرح چھوڑدو۔

وقال تعالٰی فامساك بمعروف او تسریح باحسان[2] (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) یا بھلائی کے ساتھ رکھنا یا نکوئی کے ساتھ چھوڑدینا۔

وقال تعالٰی وعاشروھن بالمعروف[3] (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) عورتوں سے اچھے برتاؤ کے ساتھ زندگانی کرو۔

وقال تعالٰی اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن[4] (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) جہاں آپ رہو وہاں عورتوں کو رکھو اپنے مقدور کے قابل اور انھیں نقصان نہ پہنچاؤ کہ ان پر تنگی لاؤ۔

وقال تعالٰی فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ[5] (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) پورے ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ عورتوں کو یوں چھوڑ کر جیسی ادھر میں لٹکتی۔

بالجملہ عورت کو نان ونفقہ دینا بھی واجب اور رہنے کو مکان دینا بھی واجب اور گاہ گاہ اس سے جماع کرنا بھی واجب جس میں اُسے پریشان نظری نہ پیدا ہو اور اسے معلقہ کردینا حرام، اور بے اُس کے اذن ورضا کے چار مہینے تک ترکِ جماع بلاعذرِ صحیح شرعی ناجائز، اور بعد نکاح ایک بار جماع تو بالاجماع بالاتفاق حقِ زن ہے کہ اُسے بھی ادا نہ کرسکے تو عورت کے دعوے پر قاضی مرد کو سال بھر کی مہلت دے گا اگر اس میں بھی جماع نہ ہو تو بطلبِ زن تفریق کردے گا، مگر ایک بار کے بعد پھر جبری تفریق کا قاضی کو اختیار نہیں، نہ ہمارے نزدیک نفقہ نہ دینے پر تفریق ہوسکتی ہے، ہاں قاضی اعانت ضعفاء و مددِ مظلومین کے لئے مقرر ہوا ہے، تو اس پر لازم کہ جس طرح ممکن ہو دفع ظلم کرے، ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح اعلم ان ترك جماعھا فتح القدیر میں فرمایا، واضح ہو کہ بیوی سے جماع مطلقاً

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۱
[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹
[3] ؍؍ ؍؍ ۴/ ۱۹
[4] ؍؍ ؍؍ ۶۵/ ۶
[5] ؍؍ ؍؍ ۴/ ۱۲۹

مطلقا لا یحل لمصرح اصحابنا بان جماعها احیانا واجب دیانة لکن لا یدخل تحت القضاء والالزام الا الوطأة الاولٰی ولم یقدروا فیه مدة، ویجب ان لا یبلغ به مدة الایلاء الا برضاها وطیب نفسها به اھ ویسقط حقها بمرة فی القضاء ای لانه لو لم یصبها مرة یؤجله القاضی سنة ثم یفسخ العقد اما لو اصابها مرة واحدة لم یتعرض له لانه علم انه غیر عنین وقت العقد بل یأمره بالزیادة احیانا لوجوبها علیه الا لعذر ومرض اوعنة عارضة اونحو ذٰلک وسیأتی فی باب الظہار ان علی القاضی الزام المظاہر بالتکفیر دفعا للضرر عنہا بحبس اوضرب الی ان یکفر اویطلق اھ[1] مختصرا۔

ترک کردینا حلال نہیں، ہمارے اصحاب نے تصریح فرمائی ہے کہ دیانۃً گاہے گاہے بیوی سے جماع کرنا واجب ہے لیکن اس پر قاضی کو کارروائی کا حق نہیں کہ وُہ خاوند پر لازم قرار دے تاہم نکاح کے بعد پہلا جماع خاوند پر قاضی لازم کرسکتا ہے اور فقہاءِ کرام نے اس جماع کے لئے مدّت کا تعین نہیں کیا کہ کتنی مدّت کے اندر واجب ہے تاہم یہ ضروری ہے کہ یہ وقفہ ایلاء کی مدت (چارماہ) تک نہ پہنچنے پائے الّایہ کہ بیوی کی رضامندی اور خوش طبعی سے جتنا وقفہ ہواھ ایک دفعہ جماع کرلینے سے قضاءً بیوی کا حق ساقط ہوجائے گا یعنی اگر دورانِ نکاح ایک مرتبہ بھی جماع نہ کیا ہو تو بیوی کے مطالبے پر قاضی خاوند کو ایک سال کی مہلت دے گا اور اس مدت میں جماع نہ کرنے پر قاضی نکاح کو فسخ کردے گا، اور ایک مرتبہ جماع کرلیا ہو تو پھر قاضی مداخلت نہ کرے کیونکہ معلوم ہوچکا ہے کہ خاوند نکاح کے وقت نامرد نہ تھا، تاہم قاضی خاوند کو مزید جماع کا مشورہ دے گا کیونکہ خاوند پر حقوقِ زوجیت واجب ہے لیکن مریض ہو یا عارضی مردمی کمزوری یا کوئی اور وجہ ہو تو واجب نہیں ہے اور ظہار کے باب میں بیان رہا ہے کہ قاضی پر ضروری ہے کہ وُہ بیوی کی پریشانی دُور کرنے کیلئے ظہار کرنے والے خاوند کو کفارۂ ظہار دینے پر قید اور جسمانی سزا کے ساتھ مجبور کرے تاکہ وُہ کفارہ دے یا طلاق دے، اھ، مختصراً (ت)

بحرالرائق میں ہے:

قالوا وللمرأة ان تطالبه بالوطأ وعلیها ان تمنعه من الاستمتاع بها حتی یکفر، و علی القاضی ان یجبره علی التکفیر

فقہاءِ کرام نے فرمایا ہے کہ عورت کو حق ہے کہ خاوند سے جماع کا مطالبہ کرے، اور ساتھ ہی اس پر لازم ہے کہ کفارہ دینے تک خاوند کو جماع سے روکے، اور قاضی کو

---

[1] ردالمحتار باب القسم دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۹۸

دفعا للضرر عنها بحبس فان ابی ضربه ولا یضرب فی الدین ولو قال قد کفرت صدق مالم یعرف بالکذب وفی التتارخانیة اذا ابی عن التکفیر عزرہ بالضرب والحبس الٰی ان یکفر او یطلق[1]

حق ہے کہ وُہ بیوی کی پریشانی دُور کرنے کیلئے خاوند کو قید کرکے کفارہ دینے پر مجبور کرے اور اگر خاوند انکار کرے تو اس کو جسمانی سزا دے جبکہ قرض کے معاملہ میں قاضی جسمانی سزا نہیں دے سکتا، اور اگر خاوند بتائے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے تو قاضی اس کی تصدیق کرے جب تک اس کا جھوٹ واضح نہ ہو، اور تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر کفارہ دینے سے انکار کرے تو قاضی خاوند کے کفارہ ادا کرنے یا طلاق دینے تک اسے جسمانی تعزیر اور قید کرسکتا ہے۔ (ت)

جب یہ اصول معلوم ہوگئے حکم مسئلہ واضح ہوگیا پاس نہ بلانا ترکِ جماع کو مستلزم اور نفقہ نہ دینے کو بھی محتمل، ترکِ جماع اگر رأساً ہے یعنی بعد نکاح اس کے پاس گیا ہی نہیں تو قاضیِ شرع اُس پر جبر کرے گا کہ پاس جائے، اگر ظاہر ہوگا کہ اسے اس عورت سے مجامعت پر قدرت نہیں تو بعد دعوٰی عورت وہی مسائل عنین و مہلتِ یکسالہ و تفریقِ جبری بطلبِ زن جاری ہوں گے، اور اگر باوصفِ قدرت نہیں جاتا خواہ ابتداءً خواہ ترکِ مطلق کا ارادہ کرلیا ہے اور عورت کو اس سے ضرر ہے تو قاضی مجبور کرے گا کہ جماع کرے یا طلاق دے، اگر نہ مانے گا قید کرے گا اگر نہ مانے گا مارے گا یہاں تک کہ دو باتوں میں سے ایک کرے،

وذٰلک رفعا للمعصیة ودفعا للضرر وقد نصوا کما فی البحر والدر وغیرهما ان کل مرتکب معصیة لاحد فیها ففیها التعزیر[2] وفی ردالمحتار قوله وعلی القاضی الزامه به اعتراض بانه لافائدة للاجبار علی التکفیر الا الوطئ والوطئ لایقضی به علیه الا مرة، قال الحموی و فرض المسئلة فیما اذا لم یطأها

یہ تعزیر اس لئے ہے کہ خاوند گناہ ختم کرے اور بیوی کی پریشانی دُور کرے، اور فقہاءِ کرام نے ذکر کیا ہے کہ وُہ جُرم جس پر حد نہیں ہے تو اس میں تعزیر ہوگی جیسا کہ بحر اور دُرّ وغیرہما میں مذکور ہے۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ درمختار کا یہ بیان کہ قاضی پر لازم ہے الخ، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ خاوند کو کفارہ دینے پر مجبور کرنے کا مقصد صرف بیوی سے جماع ہے جبکہ جماع کے معاملے میں قاضی خاوند کو نکاح کے بعد ایک سے زائد مرتبہ پر مجبور نہیں کرسکتا تو حموی نے کہا اور جواب کیلئے

---

[1] بحرالرائق — باب الظہار — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۴/ ۹۶ - ۹۹

[2] درمختار — باب التعزیر — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۳۲۷

قبل الظهار ابدا بعیدا وقد یقال فائدۃ الاجبار رفع المعصیۃ اھ ای ان الظہار معصیۃ حاملۃ لہ علی الامتناع من حقہا الواجب علیہ دیانۃ فیأمرہ برفعہا لتحل لہ کما یأمر المولی من امرأتہ بقربانہا فی المدۃ اویفرق بینہما لدفع الضرر عنہا[1] اھ مختصرا۔

یہ فرض کرنا کہ ظہار سے قبل خاوند نے ایک مرتبہ بھی جماع نہ کیا ہو تو تب قاضی مجبور کرسکتا ہے، تو یہ بعید سی بات ہے، یا جواب میں یُوں کہا جائے گا کہ خاوند کو مجبور کرنے کا مقصد خاوند کے جُرم کا ازالہ ہے اھ یعنی ظہار کرنا جُرم ہے جو خاوند کو بیوی کے اُس حق کی ادائیگی سے روکتا ہے جو دیانۃً ہر خاوند پر واجب ہے تو اس لئے قاضی اس کو جرم کے ازالہ کا حکم دے گا تاکہ بیوی حلال ہوسکے، جیسے مولیٰ اپنے غلام کو ظہار کی مدت میں بیوی سے جماع کرنے یا طلاق دینے کا حکم کرسکتا ہے تاکہ بیوی کی پریشانی دُور ہوسکے۔ اھ مختصراً (ت)

اور نفقہ نہ دینے پر اگر ادائے نفقہ پر قادر ہے تو قاضی بقدر مناسب عورت کے لئے نفقہ مقرر کرے گا اور شوہر کو اس کے ادا کا حکم دے گا اگر نہ مانے گا قید کرے گا اور اس مدت میں اس سے نہ پانے کے سبب جو کچھ عورت قرض لے کر خواہ اپنے مال سے اپنے نفقہ میں صَرف کرے گی سب شوہر پر دَین ہوگا اور اس سے دلایا جائیگا مگر یہاں تفریق کردینے یا طلاق پر جبر کرنے کی صورت نہیں،

اقول اور وجہِ فرق ظاہر ہے جماع ونفقہ دونوں کی طرف عورت محتاج اور ان کے نہ ملنے میں اس کا ضرر، اور دفعِ ضرر جس طرح ممکن ہو واجب، اور طرقِ دفع میں آسان تر کا لحاظ لازم کہ طرف ثانی کا بھی اضرار نہ ہو، جماع ایسی چیز ہے کہ غیر شوہر سے اس کا ملنا محال، تو طریق دفع اس میں منحصر کہ شوہر جماع کرے یا طلاق دے کہ وُہ دُوسرے سے نکاح کرسکے بخلاف نفقہ کہ یہ حاجت اپنے مال سے خواہ دوسرے سے قرض لے کر بھی مندفع ہوسکتی ہے عورت کا ضرر یُوں دفع ہوگیا کہ حاجت روا ہُوئی اور جو اُٹھا وہ بعد فرضِ قاضی شوہر پر قرض رہا تو یہاں طلاق پر مجبور کرنے میں شوہر کا ضرر زائد ہے جس کی طرف عورت سے دفعِ ضرر میں حاجت نہیں۔ تنویر میں ہے :

لایفرق بینہما بعجزہ عنہا ولابعدم ایفائہ حقہا ولو موسرا[2] اھ مختصرا۔

نفقہ سے عاجز ہوجانے پر اور امیر ہوتے ہُوئے بھی بیوی کو پُورا حق نہ دینے پر قاضی دونوں کی تفریق نہ کرے گا، اھ مختصرا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

---

[1] تنویر الابصار | باب الظہار | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۵۷۶

[2] درمختار | باب النفقۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۹

بل یفرض لھا النفقۃ علیہ و یأمرھا بالاستدانۃ۔[1]

بلکہ قاضی خاوند کے ذمہ بیوی کا نفقہ مقرر کردے گا اور بیوی کو خاوند کے نام قرض لے کر خرچ کرنے کا فیصلہ دے گا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وبعدہ ترجع بما انفقت ولو من مال نفسہا بلا امر قاض۔[2]

اس کے بعد بیوی خرچ کیلئے مقررہ نفقہ کو خاوند سے وصول کرے گی جو بیوی نے خرچ کیا ہو خواہ اس نے اپنے ہی مال سے قاضی کے حکم کے بغیر خرچ کیا ہو۔ (ت)

شامیہ میں بدائع سے ہے:

یحبس فی نفقۃ الاقارب کالزوجات۔[3]

قریبیوں کے نفقہ میں قید کیا جاسکتا ہے جیسا کہ بیویوں کے نفقہ میں قید کیا جاسکتا ہے۔ (ت)

اور اگر شوہر فقیر ہے کہ نفقہ نہیں دے سکتا جب بھی حکم یہی ہے کہ تفریق نہیں اور محتاجی معلوم ہو تو قید بھی نہیں بلکہ قاضی نفقہ مقرر کرکے عورت کو قرضًا صرف کرنے کا حکم دے جو کچھ حسب قرارداد قاضی خرچ ہوتا رہے ذمۂ شوہر دَین ہوا کرے گا یہاں تک کہ زمانہ اُس کو تونگری کی طرف پلٹائے، اس وقت سب وصول کرلیا جائے مگر اگر قاضی دیکھے کہ عورت کو اس امید پر قرض نہیں ملتا تو شوہر کو سمجھائے کہ طلاق دے دے، اگر نہ مانے تو قاضی جبکہ نائب مقرر کرنے کا اختیار رکھتا ہو باختیار خود ورنہ بحکم والی مسلّم مقدمہ کسی شافعی المذہب کے سپرد کردے کہ اُن کے یہاں جب کہ شوہر نفقہ دینے سے عاجز ہو تفریق کرادیتے ہیں وہ فریقین کو بلا کر بعد سماع مقدمہ وثبوت عجز تفریق کردے، یہ حکم جب قاضی حنفی کے حضور پیش ہو اسے نافذ کردے کہ شوہر جب حاضر ہو تو حاکم شافعی کا ایسا حکم ہمارے نزدیک لائق تنفیذ مانا جاتا ہے، یُوں عورت اُس بلا سے خلاصی پاسکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

جوّزہ الشافعی باعسار الزوج ولو قضی بہ حنفی لم ینفذ نعم لو امر شافعیا فقضی بہ نفذ۔[4]

خاوند کے تنگدست ہوجانے پر نفقہ کی وجہ سے تفریق کو امام شافعی نے جائز قرار دیا ہے، اور اگر حنفی قاضی یہ فیصلہ دے تو نافذ نہ ہوگا، ہاں حنفی قاضی اگر شافعی قاضی کو فیصلہ دینا سپرد کرے پھر شافعی قاضی فیصلہ دے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوجائے گا۔ (ت)

---

[1] رد المحتار باب النفقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۶
[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۰
[3] رد المحتار بحوالہ البدائع باب النفقۃ " ۲/ ۶۸۷ وفصل فی الحبس ۴/ ۳۲۲ دار احیاء التراث العربی بیروت
[4] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۹

ردالمحتار میں ہے :

قولہ نعم لو امر شافعیا ای بشرط ان یکون ماذونا لہ بالاستنابۃ، خانیۃ، قال فی غرر الاذکار ثم اعلم ان مشائخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی نائبا ممن مذھبہ التفریق بینھما اذا کان الزوج حاضرا وابی عن الطلاق لان دفع الحاجۃ الدائمۃ لایتیسر بالاستدانۃ اذ الظاھر انھا لاتجد من یقرضھا وغنی الزوج مآلا امر متوھم فالتفریق ضروری اذا طلبتہ وان کان غائبا لا یفرق لان عجزہ غیر معلوم حال غیبتہ وان قضی بالتفریق لاینفذ قضاؤہ لانہ لیس فی مجتھد فیہ لان العجز لم یثبت[1] اھ وتمامہ فیہ ، واللہ تعالٰی اعلم۔

ماتن کا کہنا کہ "ہاں اگر شافعی کو کہے" یعنی بشرطیکہ وہ حنفی قاضی دوسرے کو فیصلہ سپرد کرنے کا مجاز ہو، خانیہ۔ غرر الاذکار میں کہا ہے کہ واضح ہو کہ ہمارے مشائخ نے یہ پسند کیا ہے کہ حنفی قاضی کسی ایسے شخص کو اپنا نائب قرار دے جس کا مذہب یہ ہو کہ خاوند اور بیوی میں نفقہ کی وجہ سے تفریق جائز ہے، تو جب خاوند حاضر ہو اور طلاق دینے سے انکاری ہو تو وہ نائب بیوی کے مطالبہ پر تفریق کردے کیونکہ نفقہ کی دائمی حاجت قرض لینے سے حل نہیں ہوتی جبکہ ظاہر یہی ہے کہ بیوی کسی قرض دینے والے کو نہیں پاتی اور خاوند کا بعد میں کسی وقت امیر ہونا موہوم معاملہ ہے لہذا بیوی کے مطالبہ پر تفریق ضروری ہے، اور اگر خاوند غائب ہو تو پھر تفریق نہ کرے کیونکہ غیر موجودگی کی وجہ سے خاوند کا نفقہ سے عاجز ہونا معلوم نہیں ہے تو اس صورت میں اگر تفریق کی تو نافذ نہ ہوگی کیونکہ غائب ہونے کی صورت میں عجز ثابت نہ ہونے پر مسئلہ اجتہادی نہ رہے گا، مکمل بیان ردالمحتار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۹: از پنجاب مرسلہ مولوی فاضل صاحب ۲۰ صفر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو ہمشیرین حالت جوانی میں بیوہ ہوگئیں اور انہوں نے عقد ثانی نہیں کیا اور دونوں کے پاس دو مکان پیدا کردہ شوہر کے ہیں لیکن ترکہ پدری کچھ بھی نہیں ہے کہ جس سے ان بیوگان کی گزر ہوسکے، اور زید بھی کم مقدرت ہے اور اہل وعیال رکھتا ہے مگر اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر ہمشیروں کی خبرگیری بھی کرتا ہے، پس اس صورت میں زید کا بہنوں کے ساتھ یہ برتاؤ از قسم سلوک ہے یا از قسم واجب، اور بہنوں کا نان نفقہ بھائیوں پر واجب ہے یا تورع واحسان، اور اگر واجب ہے تو کس صورت میں ؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۶

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں بہنوں کا نان ونفقہ بھائی پر واجب ہے دو شرط سے :

اوّل زید اُن کی اعانت پر قادر ہو یعنی اپنی حاجتِ اصلیہ سے فاضل چھپّن۵۶ روپے کا مالک ہو یا ایسا مال نہیں رکھتا بلکہ پیشہ ور ہے تو اپنے اور اپنے بیوی بچّوں کے نفقہ سے پس انداز ہوتا ہو جس سے بہنوں کی اعانت کرسکے۔

دوم بہنیں زیور وغیرہ کوئی مال ذاتی نہ رکھتی ہوں جو اُن کی حاجتِ اصلیہ سے زائد چھپّن۵۶ روپے کا ہو، نہ کھانے کے لئے اناج پہننے کے لئے کپڑا یا دام موجود ہو کہ یہ جب تک رہے گا اُس قدر نفقہ دُوسرے پر واجب نہ ہوگا اگرچہ چھپّن۵۶ روپیہ سے کم کا ہو، نہ مکان اس قابل ہو کہ اس کا ایک حصّہ بیچ کر باقی میں گزر کرسکیں، ایسا ہوگا تو بیچ کر خود اپنے نفقہ میں اٹھانا لازم ہوگا جب نہ رہے گا بھائی پر نفقہ آئے گا، نہ وہ عورتیں دستکاری مثل سلائی وغیرہ کے ایسا کررہی ہوں جو اُن کے نفقہ کو کافی ہو، اگر ایسا ہے تو اپنا نفقہ خود اُنھیں پر ہے بھائی پر نہیں، ہاں اگر وہ دستکاری نہیں کرتیں نہ اپنے کسی مال سے اپنی بسر کرسکتی ہیں تو بھائی پر نفقہ واجب ہوگا اور وہ یہ نہ کہہ سکے گا کہ تم سلائی وغیرہ کوئی کام مزدوری کا کرکے اپنا پیٹ پالو، یہ دو شرطیں متحقق ہوں تو نفقہ بھائی پر ہے تنہا اُس پر جب کہ اُن عورتوں کا وارث صرف وہی ہو ورنہ بقدرِ میراث جبکہ اُس کے سوا اُن کا اور کوئی وارث ذی مقدور مثل دُوسرے بھائی یا بہن یا دُختر کے ہو۔ درمختار میں ہے :

تجب (علی موسر یسار الفطرۃ) علی الارجح ورجح الزیلعی والکمال انفاق فاضل کسبہ (النفقۃ لکل ذی رحم محرم صغیرا وانثی) مطلقا (ولو بالغۃ صحیحۃ او) کان الذکر (بالغا عاجزا) عن الکسب (فقیرا) حال من المجموع بحیث تحل لہ الصدقۃ ولولہ منزل وخادم علی الصواب بدائع (بقدر الارث)[1] اھ ملتقطا۔

(فطرانہ کے وجوب والی استعداد والے پر) زیادہ راجح قول کے مطابق نفقہ واجب ہے، جبکہ زیلعی اور کمال نے ضروری آمدن سے زائد کسب والے پر وجوب کو ترجیح دی ہے (نفقہ دینا ہر ذی رحم محرم نابالغ یا عورت کو) مطلقاً (اگرچہ عورت بالغہ صحت مند ہو) یا لڑکا (بالغ عاجز ہو) محنت سے (جبکہ یہ فقیر ہوں) لازم ہے تو فقیر ہونا تمام کا حال ہے یُوں کہ اس کو صدقہ حلال ہو اگرچہ اس کا اپنا مکان اور خادم ہو، درست قول کے مطابق یہی حکم ہے، بدائع (یہ نفقہ ہر ایک کو بقدرِ وراثت دینا لازم ہے)[1] اھ ملتقطا (ت)

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۴ تا ۲۷۶

ردالمحتار میں ہے :

قولہ مطلقا قید للانثی ای سواء کانت بالغۃ اوصحیحۃ قادرۃ علی الکسب لکن لوکانت مکتسبۃ بالفعل کالقابلۃ والمغسلۃ لا نفقۃ لھا، قولہ بحیث تحل لہ الصدقۃ بان لایملك نصابا نامیا او غیرنام زائدا عن حوائجہ الاصلیۃ والظاھر ان المراد ماکان من غیرجنس النفقۃ اذلوکان یملك دون نصاب من طعام اونقود تحل لہ الصدقۃ ولاتجب لہ النفقۃ فیما یظھر لانھا معللۃ بالکفایۃ ومادام عندہ مایکفیہ من ذلك لایلزم غیرہ کفایتہ، قولہ ولو لہ منزل وخادم ای وھو محتاج الیھما وفی الذخیرۃ لوکان یکفیہ بعض المنزل امر ببیع بعضہ وانفاقہ علی نفسہ وکذا لوکانت لہ دابۃ نفیسۃ یومر بشراء الادنی وانفاق الفضل اھ ومثلہ فی شرح ادب القاضی[1] اھ مختصرا، واﷲ تعالٰی اعلم۔

ماتن کا قول "مطلقاً" یہ لفظ "انثٰی" کی قید ہے یعنی خواہ بالغہ ہو یا تندرست ہو محنت پر قادر ہو، لیکن اگر وُہ عملاً محنت کررہی ہو مثلاً دایہ یا غسل دینے والی ہو، تو اس کے لئے نفقہ واجب نہ ہوگا، اور ماتن کا قول "بحیث تحل لہ الصدقۃ" (اس کے لئے صدقہ حلال ہو) یعنی وُہ نامی نصاب یا غیرنامی جو اصلی حاجت سے زائد ہو، کا مالک نہ ہو، اس میں ظاہر یہ ہے کہ جس مال کا وُہ مالک ہو وہ نفقہ کی جنس سے نہ ہو، کیونکہ اگر وہ نصاب سے کم غلہ یا نقد کا مالک ہو تو اگرچہ اس کے لئے صدقہ حلال ہے لیکن اس کے لئے نفقہ ظاہراً واجب نہیں، کیونکہ نفقہ کے وجوب کی علت ضرورت کی کفایت ہے اور جب تک اس کے پاس نفقہ کی کفایت والا مال موجود ہے تو دوسرے پر اس کا نفقہ نہ ہوگا۔ اور ماتن کا قول "لولہ منزل وخادم" (اگرچہ اس کا مکان اور خادم ہو) یعنی جبکہ وُہ ان کا حاجتمند ہو۔ اور ذخیرہ میں ہے کہ اگر اس کی حاجت مکان کے کُچھ حصّے میں پُوری ہوجاتی ہے تو اس کو مکان کے باقی حصّہ کو فروخت کرکے اپنے نفقہ میں خرچ کرنے کو کہا جائے گا، اور یُونہی اگر اس کے پاس اعلٰی قسم کی سواری ہے تو اس کو فروخت کرکے ادنٰی قسم کی سواری خریدنے کے لئے کہا جائے گا تاکہ زائد رقم کو اپنے نفقہ میں خرچ کرے اھ اور شرح ادب القاضی میں اس کی مثل بیان ہے، اھ، مختصراً۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۱: از بھونا فارگیٹ کراچی بندر مرسلہ پیر سید ابراہیم گیلانی قادری بغدادی ۱۵ رجب ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ :

---

[1] ردالمحتار باب النفقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸۱-۸۲

(۱) جو شخص ضعیف العمر باپ کو اصلی وطن میں مفلسی اور محتاجی کی حالت میں چھوڑ دے اور اس کو رنج و مصیبت میں ایسے ڈال دے کہ وُہ ضعیف العمر اس کے پیچھے دربدر شہر بہ شہر پھرے شریف خاندان ایسے شخص عاق الوالدین اور نافرمانی عقوق الوالدین میں داخل ہے یا نہیں، اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟

(۲) جو شخص اپنی منکوحہ بی بی کو مع دو جوان بالغ لڑکیاں جو کہ اس کے نطفہ سے ہوں بلا نان و نفقہ چھوڑ رکھا ہو اور اُن کی خبر نہ لیتا ہو اور لوگوں کی تحریر سے معلوم ہُوا کہ نہایت سختی و کمال ذلت سے اوقات بسر کر رہے ہیں ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) اگر باپ ضعیف و محتاج ہے اور یہ اس کی خدمت و اعانت کر سکتا ہے اور نہ کرے اور اُس سے باز رہے اور اُس کے فقر و فاقے کی پروا نہ رکھے تو بیشک عاق ہے اور مستحقِ جہنم، ایسا شخص قابلِ امامت نہیں، اس کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہوگی۔

(۲) ایسا شخص گنہگار اور حقوق العباد میں گرفتار اور مستحقِ عذابِ نار ہے۔ حدیث میں فرمایا:

کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت[1] کسی شخص کو یہ گناہ کافی ہے کہ جس کا نفقہ اس کے ذمہ ہو اسے ادا نہ کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۲: از کانپور محلہ فیل خانہ بازار کہنہ مکان سید اشرف صاحب وکیل مرسلہ سید محمد آصف صاحب ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین اس مسئلہ میں کہ اگر زوجہ کے نان و نفقہ وغیرہ اخراجات کا بار زوج کا والد یا کوئی عزیز اٹھاتا ہو اور وُہ عورت کو والدین کے یہاں جانے کی اجازت دے تو خاوند زوجہ کو جانے سے روک سکتا ہے اور عورت بلا اجازت خاوند کے جانے سے گنہگار رہوگی یا زوج کو روکنا جائز نہیں اور زوجہ جانے سے گنہگار نہ ہوگی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر مہر معجل نہ تھا یا جس قدر معجل تھا ادا ہو گیا تو چند مواضع حاجت شرعیہ جن کا استثناء فرما دیا گیا مثلاً والدین کے یہاں آٹھویں دن دیگر محارم کے یہاں سال پیچھے دن کے دن کو جانا اور شب شوہر ہی کے یہاں کرنا وغیر ذلک ان کے سوا کسی جگہ عورت کو بے اذنِ شوہر جانے کی اجازت نہیں، اگر جائے گی گنہگار رہوگی، شوہر

---

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الزکوٰۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۴۱۵

روکنے کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ نفقہ کا بار دوسرا شخص اٹھاتا اور وہ دوسرا عورت کو جانے کی اجازت دیتا ہو اس کی اجازت مہمل ہوگی اور شوہر کی ممانعت واجب العمل۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بعد ادائے مہر معجل عورت مطلقاً پابند شوہر ہے اس میں کوئی قید و تخصیص ادائے نفقہ و تکفل حوائج کی نہیں فرماتے۔ درمختار میں ہے:

لها الخروج من بیت زوجها للحاجة ولها زیارة اهلها بلا اذنه ما لم تقبض المعجل فلا تخرج الا لحق لها او علیها او زیارة ابویها کل جمعة مرة او المحارم کل سنة ولکونها قابلة او غاسلة لا فیما عدا ذلك[1] (ملخصاً)

بیوی کو حاجت کے وقت خاوند کے گھر سے نکلنا جائز ہے اور اپنے گھر والوں (والدین) کی زیارت کے لئے خاوند کی اجازت کے بغیر نکلنا جائز جب تک اس نے مہر معجل وصول نہ کیا ہو، لہٰذا وہ اپنے حق کی وصولی یا اپنے ذمہ حق کی ادائیگی یا والدین کی زیارت ہفتہ میں ایک مرتبہ، اور ذی محرم کی زیارت سال میں ایک مرتبہ دایہ گیری یا غسل دینے کے بغیر کسی اور وجہ کے لئے باہر نہ نکلے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله فلا تخرج جواب شرط مقدر ای فان قبضته فلا تخرج[2] الخ۔

ماتن کا قول "فلا تخرج" (تو باہر نہ نکلے) یہ مقدر شرط کا جواب ہے، یعنی اگر اس نے مہر معجل وصول کرلیا ہو تو نہ نکلے الخ (ت)

والد کا متکفل نفقہ پسر و زن پسر ہونا تو ہمارے بلاد میں معمول ہے اور دیگر بعض اعزہ بھی تبرعاً تکفل کریں تو یہ ضرور نہیں کہ شوہر نفقہ دینے سے منکر ہو علمائے کرام تو اس صورت میں کہ شوہر نے ظلماً انفاق سے دست کشی کی یہاں تک کہ عورت محتاج نالش ہوئی تا آنکہ شوہر کو نفقہ دینے پر مجبور کرنے کے لئے حبس کی درخواست دی اور حاکم نے شوہر کا تعنت دیکھ کر اُسے قید کردیا اس صورت میں تصریح فرماتے ہیں کہ عورت شوہر ہی کے گھر رہے بلکہ عورت پر واقعی اندیشۂ فساد ہو تو شوہر قید خانہ میں اپنے پاس رکھنے کی درخواست کرسکتا ہے اور محبس میں مکان تنہا ہو تو حاکم عورت کو حکم دے گا کہ وہیں اُس کے پاس رہے۔ ہندیہ میں ہے:

لو فرض الحاکم النفقة علی الزوج فامتنع من دفعها وهو موسر وطلبت المرأة حبسه له ان یحبسه

اگر حاکم نے خاوند پر بیوی کا نفقہ مقرر کردیا ہو اور خاوند استطاعت کے باوجود نفقہ نہ دے اور بیوی خاوند کو قید کرنے کا مطالبہ کرے تو قاضی اس کو قید کرسکتا ہے

---

[1] درمختار | باب المہر | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۰۲

[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۳۵۹

کذا فی البدائع[۱] واذا حبسہ لاتسقط عنہ النفقۃ وتؤمر بالاستدانۃ حتی ترجع علی الزوج فان قال الزوج للقاضی احبسہا معی فان لی موضعا فی الحبس خالیا فالقاضی لایحبسہا معہ ولکنہا تصیر فی منزل الزوج ویحبس الزوج کذا فی المحیط[۱]۔

جیسا کہ بدائع میں ہے، اور جب قید کردیا ہو تب بھی نفقہ اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، اور بیوی کو کہا جائے گا کہ وہ قرض لے کر خرچ کرے تاکہ بعد میں خاوند سے اس کو وصول کرسکے، اگر خاوند قید میں قاضی سے یہ مطالبہ کرے کہ بیوی کو قید میں میرے ساتھ رکھا جائے کیونکہ یہاں میرے پاس خالی جگہ ہے تو قاضی بیوی کو اس کے ساتھ قید میں نہ دے گا تاہم بیوی خاوند کے گھر میں صبر کرے گی اور خاوند قید ہوگا، جیسا کہ محیط میں ہے (ت)

درمختار میں ہے:

وفی البحر عن مآل الفتاوی ولو خیف علیہا الفساد تحبس معہ عند المتاخرین[۲]۔

بحر میں مآل الفتاوٰی سے منقول ہے: اور اگر بیوی کو تنہائی میں فساد کا خطرہ ہو تو متاخرین فقہاء کے نزدیک بیوی کو خاوند کے پاس قید میں رکھا جائے گا۔ (ت)

توجب صریح نفقہ نہ دینے پر بھی عورت پابندِ شوہر ہی رہی تو صورتِ سوال میں کیونکر خود مختار ہوسکتی ہے نفقہ نہ دینا رافع پابندی ہو تو نفقہ نہ دینا مسقط نفقہ ہوجائے اور عورت کو ہرگز دعوٰی نفقہ کا اختیار نہ رہے کہ نفقہ جزائے پابندی ہے جب پابندی نہیں نفقہ کس بات کا۔ درمختار میں ہے:

النفقۃ جزاء الاحتباس وکل محبوس لمنفعۃ غیرہ یلزمہ نفقتہ کمفت وقاض ووصی زیلعی[۳] الخ۔ اقول وایاك ان تتوہم ان النفقۃ اذا کانت جزاء الحبس فاذا عدمت عدم وذلك لان وجوبہا متفرع عنہ فوجوب الاحتباس علیہا متقدم علی وجوب النفقۃ علیہ لان الاحتباس

نفقہ بیوی کو پابند کرنے کا بدل ہے جو کسی غیر کے فائدہ کے لئے پابند ہو اس کا نفقہ پابند کرنے والے پر ہوتا ہے جیسا کہ مفتی، قاضی اور وصی، زیلعی الخ اقول (میں کہتا ہوں) تجھے یہ وہم نہ ہو کہ جب نفقہ پابندی کی جزا ہے تو نفقہ معدوم ہوجانے پر پابندی بھی معدوم ہوجائے گی، یہ وہم اس لئے درست نہیں کہ نفقہ پابندی پر متفرع ہوتا ہے تو بیوی پر پابندی پہلے لازم ہوگی اسکے بعد شوہر پر نفقہ لازم ہوگا نہ کہ پابندی

---

[۱] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی نفقۃ الزوجۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۵۲

[۲] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷

[۳] ایضاً " " ۱/ ۲۶۶

متفرع علی الانفاق فان عدم عدم، وبالجملۃ ان کان اللازم فوجوب الانفاق لاوقوعہ فبرفع الوقوع لایرتفع الملزوم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نفقہ پر متفرع ہے کہ نفقہ معدوم ہوجائے تو جس بھی معدوم ہوجائے، تاہم اگر نفقہ کو پابندی پر لازم قرار دیا جائے تو نفقہ کا وجوب لازم ہوگا اس کی ادائیگی لازم نہ ہوگی کہ ادائیگی ختم ہوجانے پر پابندی ختم ہوجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۳: ۲۰ محرم الحرام ۱۳۱۹ھ

اگر کوئی شخص اپنے نکاح کے بعد یہ ظاہر کرے کہ میری زوجہ کی مادر کے ساتھ قبل نکاح سے میری آشنائی یعنی سابقہ زناکاری تھی اس واسطے میرا نکاح باطل ہوا میری زوجہ کا اس سبب سے مجھ پر کچھ حق نہیں ہے اور یہ معاملہ پندرہ بیس برس کے بعد ظاہر کرے کہ اولاد بھی زوجہ مذکورہ سے موجود تھی تو ایسے شخص کے واسطے علمائے دین کیا فرماتے ہیں یعنی زوجہ اس کی دین مہر و نان و نفقہ کی مستحق ہے یا نہیں جس کے علم میں اپنے شوہر کی یہ حرکت نہ تھی۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

شوہر کے اس بیان سے نکاح کے فساد کا فوراً حکم ہوگیا،

فی الدرالمختار عن الخلاصۃ قیل لہ ما فعلت بام امرأتك فقال جامعتھا تثبت الحرمۃ ولایصدق انہ کذب ولوھازلا[1]۔

درمختار میں خلاصہ سے منقول ہے کہ خاوند سے پوچھا گیا کہ تُو نے اپنی بیوی کی ماں (ساس) سے کیا کارروائی کی ہے تو جواب میں اس نے کہا کہ میں نے اس سے جماع کیا ہے تو اس کے بیان واقرار پر بیوی اس پر حرام ہوجائے گی، اس کے بعد اُس کا یہ کہنا کہ میں نے مذاق میں جھوٹ بولا ہے، قابلِ قبول نہ ہوگا۔ (ت)

اس پر لازم ہوگیا کہ عورت کو فوراً جُدا کردے اور عورت پر روزِ متارکہ سے عدت لازم ہے جب تک عدت میں رہے گی اس کا نان و نفقہ شوہر پر لازم رہے گا، شوہر کا کہنا کہ اس کا کوئی حق مجھ پر نہیں محض جھوٹ ہے۔

فی ردالمحتار عن البحر الحاصل ان الفرقۃ امامن قبلہ اومن قبلھا فلو من قبلہ فلھا النفقۃ مطلقا سواء کان بمعصیۃ اولا طلاقا او فسخا،

ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ خاوند بیوی میں فرقت خاوند کی کارروائی کی وجہ سے ہوگی یا بیوی کی کارروائی سے ہوگی اگر خاوند کی طرف سے ہو تو بیوی کو ہر حال میں نفقہ دینا ہوگا خاوند کی کارروائی گناہ ہو یا نہ ہو،

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

وان کانت من قبلها فان کانت بمعصیۃ فلا نفقۃ لها ولها السکنی فی جمیع الصور[1]

طلاق ہو یا فسخ ہو، اور اگر بیوی کی طرف سے فرقت کی کاروائی ہوئی ہو فسخ واجب ہوا تو اگر اس کی کاروائی جرم تھی تو اس کو نفقہ نہیں تاہم اس کو رہائش تمام صورتوں میں ملے گی۔ (ت)

رہا مہر اگر عورت تسلیم کرے کہ شوہر نے اُس کی ماں سے پیش از نکاح زنا کیا تھا تو اس صورت میں جو مہر مثل اس عورت کا ہو اور جو مقرر ہُوا ہو اُن دونوں میں جو کم ہے وُہ دینا آئے گا مثلاً مہر مثل ہزار روپے ہے اور دو ہزار بندھے تھے تو ہزار دینے آئیں گے اور مہر مثل دو ہزار ہے اور ہزار بندھے تھے تو بھی ہزار ہی ہوں گے، فی التنویر یجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطئ لا بغیرہ ولم یزد علی المسمی[2]

تنویر میں ہے، فاسد نکاح میں وطئ کے بغیر مہر مثل واجب نہ ہوگا اور یہ مہر مثل، مقررہ مہر سے زائد نہ ہوگا۔ (ت)

اور اگر تکذیب کرے تو جو مہر بندھا تھا کامل پائے گی وھی مسئلۃ ما اذا کذبتہ فی الاسناد (یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب بیوی خاوند کو جھُوٹا قرار دے۔ ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ

۳۰ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کو خاوند نے نکال دیا وُہ تین برس تک محنت کرکے تن پروری کرتی رہی بعدہٗ یہ تصفیہ ہُوا کہ اگر تُو میرے کہنے پر الگ ایک مکان میں رہے جس طرح کر رہتی ہے (اس لئے کہ اس شخص کے دوسری بی بی ہے) تو میں تجھ کو دس روپیہ ماہوار دیتا رہوں گا بموجب اس تصفیہ کے خاوند نے دو سال اور کچھ دن تک ماہوار دیا اب گیارہ ماہ کچھ دن سے نہ دیا عورت نے نوٹس دیا خاوند نے لے کر رکھ لیا اور کچھ دن بعد عورت کے مکان پر آکر بہت فساد مچایا بعدہٗ تین طلاقیں دے دیں، اب علمائے دین سے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ جو اُس کے ذمّے واجب الادا یعنی طلاق سے پیشتر کا نفقہ اس سے لینے کی عورت مجاز ہے یا نہیں اور مہر بھی اُس کے ذمّہ واجب الادا ہے یا نہیں؟

الجواب

طلاق سے مہر تمام وکمال واجب الادا ہوگیا اور بیانِ سوال سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ قصور مرد کا ہے یہی اُسے نفقہ دینا نہیں چاہتا تو اس صورت میں نفقہ واجب ہے، درمختار وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی وعلمائے کبار کا فتوٰی موافق اعتماد و ترجیح محقق صاحب بحر الرائق ومحقق شرنبلالی وتصحیح صریح صاحب خزانۃ المفتین رحمہم اللہ تعالٰی

---

[1] ردالمحتار | باب النفقۃ | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۶۶۹

[2] درمختار | باب المہر | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۰۱

جیسا یہی ہے کہ جو ماہوار باہم دونوں میں رضامندی سے قرار پایا تھا جب تک کا نہ ملا سب لینے کا عورت کو اختیار ہے۔ درمختار میں ہے:

صحح الشرنبلالی فی شرحہ للوھبانیۃ ما بحثہ فی البحر من عدم السقوط ولو بائنا قال ھو الاصح ورد ما ذکرہ ابن الشحنۃ فیتأمل عند الفتوی[1]

شرنبلالی نے وہبانیہ کی شرح میں بحر کی اس بحث کو، کہ اگرچہ بائنہ طلاق ہو تو بھی نفقہ ساقط نہ ہوگا، صحیح قرار دیا ہے، اور کہا کہ یہی اصح ہے اور ابن شحنہ نے جو ذکر کیا اس کا انھوں نے رَد کیا ہے، تو فتوٰی دیتے وقت غور کرنا چاہئے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

بان ینظر فی حال الرجل ھل فعل ذلک تخلصا من النفقۃ اولسوء اخلاقھا مثلا فان کان الاول یلزم بھا وان کان الثانی لایلزم ھذا ما قالہ المقدسی وینبغی التعویل علیہ[2]

ایسی کارروائی میں قاضی کو غور کرنا چاہئے کہ کیا خاوند نے مثلاً یہ کارروائی نفقہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کی ہے یا واقعتاً بیوی بدفطرت ہے، اگر پہلی وجہ ہو تو قاضی بیوی کے لئے نفقہ کو لازم قرار دے اور اگر دوسری وجہ ہو تو پھر لازم نہ کرے، یہ مقدسی کا بیان ہے اور اسی پر اعتماد چاہئے، طحطاوی۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

المفروضۃ لاتسقط بالطلاق علی الاصح[3]۔

مقررہ نفقہ طلاق کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا اصح قول پر۔

واللہ تعالٰی اعلم۔

واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۵: از سرولی ضلع بریلی مرسلہ جناب عشاق احمد صاحب مورخہ ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کی عورت عرصہ دو سال سے اپنے ساس اور سسرے سے ناراض ہوکر میکے چلی گئی خانگی جھگڑے پر، اور وہی عورت اپنے خاوند سے رضامند ہے لیکن خاوند اُس کا اپنے والدین کو چھوڑنا نہیں چاہتا اس وجہ سے وُہ عورت اپنی سسرال میں نہیں آتی باوجودیکہ چند مرتبہ اُس کے ساس اور سسر رخصت کے واسطے اُس عورت کے مکان پر گئے لیکن نہیں آئی، اب لڑکے کے والدین

---

[1] درمختار | باب النفقۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۷۰
[2] ردالمحتار | | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۶۵۹
[3] خزانۃ المفتین | فصل فی النفقۃ | قلمی نسخہ | ۱/۱۰۲

دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں اور اُس عورت کو طلاق دینا نہیں چاہتے اس صورت میں پہلی بیوی ازروئے شرع اپنے مہر کا مطالبہ بذریعہ نالش کرسکتی ہے یا نہیں اور اگر طلاق دے دی جائے تو مستحق مہر کی ہوگی یا نہیں کیونکہ اُس کے والدین طلاق کو کہتے ہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر طلاق دی جائے گی تو عورت مطالبۂ مہر کرسکے گی ورنہ جو مہر نہ معجّل بندھا ہو نہ اُس کی کوئی میعاد مقرر کی گئی ہو عورت قبل موت یا طلاق اُس کا مطالبہ نہیں کرسکتی جبکہ وہ ناراض ہوکر اپنے میکے چلی گئی اور بلانے سے نہیں آئی تو اُس کا نان و نفقہ بھی شوہر پر سے ساقط ہے جب تک وُہ شوہر کے یہاں واپس نہ آئے اور شوہر پر یہ بھی لازم نہیں کہ اُسے طلاق دے جب کہ یہ بُلانا چاہتا ہے اور وُہ بلاوجہ شرعی نہیں آتی تو الزام عورت پر ہے شوہر پر نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۷۶ از ریاست جاورہ ڈونگر دروازہ مرسلہ ہدایت نور خاں صاحب برادر نواب جاورہ

۲۴ رمضان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو عورت اپنے زوج کی نافرمانی کرکے بلا اجازت و بغیر حق مکانِ شوہر سے نکل کر علیحدہ بخانہ والدین یا کسی عزیز کے یہاں جاکر سکونت کرے جس کو اہل شرع ناشزہ کہتے ہیں پس اس عورت کا نان و نفقہ کفیل پر دینا واجب ہوگا یا نہیں اور ایسی عورت میں کفیل کی کفالت و ضمانت صحیح و معتبر رہی یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زمانِ نشوز کا نفقہ دینا نہ آئے گا یعنی جب تک وُہ بے اجازتِ شوہر بروجہ ناحق دوسری جگہ رہے گی اُتنی مدت کے نفقہ کا مطالبہ کفیل سے بھی نہیں کرسکتی کہ کفالت ضم الذمۃ الی الذمۃ فی الدین (ایک ذمہ دار کے ساتھ دوسری ذمہ دار کو قرضہ میں ملانا) ہے یا فی المطالبۃ وھوالاصح کما فی الھدایۃ (مطالبہ میں ملانا، یہی اصح ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے) اور ناشزہ کا نفقہ خود اصیل یعنی زوج ہی پر لازم نہیں تو کفیل سے اُس کا مطالبہ کیونکر ممکن۔ رہا یہ کہ اس صورت میں کفالت نفقہ صحیح رہی یا نہیں، اگر کفالت ابتداءً بروجہ صحت واقع ہولی ہے اور وہ کسی مدت معینہ تک کے لئے نہ تھی کہ اس کی انتہا سے منتہی ہوجائے تو عورت کا ناشزہ ہونا اُسے رفع نہ کرے گا، اگر عورت نشوز سے باز آکر پھر تسلیم نفس شوہر کو کر دے گی تو جتنے نفقہ کی مستحق ہوگی کفیل سے اُس کا مطالبہ کرسکے گی کہ مذہب مفتی بہ میں کفالت نفقہ اگر مطلقہ ہو ابد کے لئے ہے۔ درمختار میں ہے:

ولو کفل لھا کل شھر کذا ابدا وقع علی الابد وکذا لو لم یقل ابدا عند

بیوی کے لئے ہر ماہ اتنا نفقہ دائمی ہوگا۔ کا کوئی شخص اگر ضامن بنے تو یہ دائماً اتنے کا ضامن ہوگا اور امام

الثانی وبہ یفتی بحر[1] وتحقیق المقام فی رد المحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ابویوسف کے نزدیک اگر دائماً نہ کہے تو بھی دائمی ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، بحر۔ اس مقام کی مکمل تحقیق ردالمحتار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۷: از ساندھن ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ محبوب احمد صاحب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے زبیدہ کے وارثوں کو نوٹس اور زبانی ذریعہ سے ولی بننے کو کہا اور زبیدہ کے وارثوں نے انکار کردیا، زید نے نوٹس کے ذریعہ اطلاع دی کہ اگر اب تم ولی نہ ہوگے اور بعد میں بننا چاہو گے تو تم سے زبیدہ کے خورد ونوش وغیرہ کا خرچ لے لیا جائے گا، اب اگر چند سال بعد زبیدہ کے وارث ولی بننا چاہیں تو کیا زید زبیدہ کے خورد ونوش وغیرہ کا خرچ لے سکتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ نوٹس کوئی عقدِ شرعی نہیں اس کی بناء پر کوئی مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۸: از حافظ اسمٰعیل خاں عقب کوتوالی بریلی ۱۴ رجب ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو زید نے طلاق مغلظ دے دی اور اس کی زید سے ایک دخترِ صغیرہ ہے چند سال بعد ہندہ مدعی ہوئی کہ وہ اسی مدت سے اپنے میکے میں رہتی ہے میں نے اب تک قرض دام لے کر اپنی اور اپنی دختر کی حاجت پوری کی لہذا روزِ طلاق سے چار مہینے دس دن بعد تک میرا نفقہ اور آج تک کا دختر کا پچاس پچاس روپے ماہوار کے حساب سے مجھ کو دلایا جائے حالانکہ نہ کوئی ماہوار وغیرہ تقرر نفقہ زید نے کیا نہ حاکم نے بلکہ ہندہ اس سے پہلے نفقہ کا دعوٰی فوجداری میں دائر کرچکی تھی جو خارج ہوا اس صورت میں ہندہ کا دعوٰی مسموع ہے یا نہیں اور کل گزشتہ مدت کا نفقہ ہندہ یا دخترِ ہندہ کا زید پر واجب الادا ہے یا نہیں اور عورت اور اولاد کے نفقہ میں اس بارے میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مذکورہ میں ہندہ کا دعوٰی محض باطل و نامسموع ہے گزشتہ مدت کا ایک حبہ نہ عورت کے نفقہ کا زید پر لازم ہے نہ دختر کا، زن اور اولاد کے نفقہ میں یہ فرق ہے کہ عورت اگرچہ مالدار ہو اس کا نفقہ شوہر پر لازم ہوتا ہے جبکہ وہ اس کے یہاں رہے اور بلاوجہ شرعی میکے میں رہے تو اصلاً نفقہ کی مستحق نہیں اور اولاد کا نفقہ ان کی محتاجی کی حالت میں لازم ہوتا ہے، اگر مال رکھتے ہیں ان کا نفقہ باپ پر نہیں ورنہ ہے

---

[1] درمختار باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۸

اگرچہ وُہ اُس کے یہاں نہ رہیں پھر جو نفقہ نہ باہمی قرار داد سے مقرر ہُوا ہو نہ حاکم کے حکم سے اُسے اگر ایک مہینہ یا زیادہ کتنے ہی برس گزر جائیں اور اس مدّت میں عورت اور اولاد قرض دام سے خواہ کسی طریقہ سے اپنی حاجت نکالتے رہیں یا عورت اپنے مال خواہ قرض یا گداگری سے اپنا اور اپنے بچّوں کا پیٹ پالے تن ڈھکے تو اس مدّت کے کسی حبہ کا مطالبہ شوہر سے نہیں ہوسکتا، ہاں اگر بحکم حاکم یا تراضی باہمی قرار داد نفقہ ہولیا تھا کہ مثلاً اتنا ماہوار دینا ٹھہرا اور مدتیں گزریں شوہر نے نہ اُس کا نفقہ دیا نہ اولاد کا، تو عورت اپنے نفقہ مقررشدہ کا مطالبہ کرسکتی ہے اور اولاد کا نفقہ اگرچہ برضائے باہمی یا بحکم حاکم مقرر ہوا ہو جب وقت گزر گیا ساقط ہوگیا کہ وُہ بوجہ حاجت تھا اور مدت گزشتہ کی حاجت نکل چکی اگرچہ کسی طرح نکلی یہاں تک کہ اگر حاکم نے صغیر بچّہ کے لئے ماہوار اُس کے باپ پر مقرر کیا اور ماں کو حکم دیا کہ اس سے نہ ملے تو قرض لے کر بچّے پر خرچ کر تو اگر اُس نے قرض لے کر خرچ کیا جب تو بوجہ حکم حاکم باپ سے واپس پائے گی اور اگر اپنے پاس سے خرچ کیا تو جب لینے کی مستحق نہ ہوگی کہ حاکم نے قرض لے کر خرچ کرنے کو کہا تھا وُہ اس نے نہ کیا، درمختار میں ہے:

لا نفقة لخارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود[1]

خاوند کے گھر سے باہر رہنے والی کے لئے نفقہ نہیں ہے وُہ واپس آنے تک نافرمان قرار پائے گی۔ (ت)

اسی میں ہے:

النفقة لا تصير دينا الا بالقضاء او الرضا، اى اصطلاحهما على قدر معين اصنافا او دراهم فقبل ذٰلك لا يلزمه شيئ[2]

نفقہ اس وقت تک خاوند کے ذمہ قرض نہ ہوگا جب تک قاضی نے یا باہمی رضامندی سے طے نہ کیا ہو، یعنی جب تک خاوند بیوی نے باہمی مصالحت سے نفقہ کی مقدار جنس یا نقد متعین نہ کردی ہو، تو اس سے قبل خاوند پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

قضى بنفقة غير الزوجة ومضت مدة سقطت[3]

اگر قاضی نے بیوی کے علاوہ غیر کا نفقہ لازم کیا ہو اور بغیر ادائیگی جو مدت گزر گئی اس مدت کا نفقہ ساقط قرار پائے گا (ت)

---

[1] درمختار | باب النفقۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۷

[2] ایضاً | " | " | ۱/۲۷۰

[3] درمختار شرح تنویر الابصار | " | " | ۱/۲۷۷

ہدایہ میں ہے :

اذاقضی القاضی للولد والوالدین وذوی الارحام بالنفقۃ فمضت مدۃ سقطت الا ان یاذن القاضی بالاستدانۃ علیہ[1]

جب قاضی اولاد، والدین یا ذوی الارحام کے لئے نفقہ کی ادائیگی کا فیصلہ دے تو گزری ہُوئی مدت کا نفقہ ساقط ہوجائے گا الّا یہ کہ قاضی نے اس کے نام پر ان لوگوں کو قرض لے کر خرچ کرنے کا حکم دیا ہو تو ساقط نہ ہوگا۔ (ت)

فتاوٰی بزازیہ میں ہے :

وان انفقت (ای الام) علیہ من مالہا او من المسئلۃ من الناس لاترجع علی الاب[2]

اگر ماں نے بچّے پر اپنا مال خرچ کیا ہو یا لوگوں سے مانگ خرچ کیا ہو تو اس خرچہ کو بچّے کے والد سے وصول نہ کرسکے گی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

امرت بالاستدانۃ فلم تستدن بل انفقت من مالہا فلا رجوع لہا لانہا لم تفعل ما امرہا بہ القاضی[3] (ملخصًا)

اگر قاضی نے عورت کو قرض لے کر خرچ کرنے کا فیصلہ دیا ہو تو پھر عورت نے قرض کی بجائے اپنا مال خرچ کیا تو اس کی وصولی کا حق اسے نہ ہوگا، کیونکہ اس نے قاضی کے فیصلہ پر عمل نہ کیا۔ (ملخصًا)۔ (ت)

اور عدتِ طلاق چار مہینے دس دن سمجھنا محض جہالت ہے اس کی مدت تین حیض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۹: از یادسوگنج ضلع ہردوئی (اودھ) مرسلہ سید عنایت حسین گرداور قانون گو ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

زید کی شادی تقریبًا تین سال ہُوئے کہ ہُوئی، اس وقت تک کوئی اولاد نہیں ہُوئی، عورت منکوحہ ناقص العقل یہاں تک کہ ایک آنہ کا حساب نہیں جانتی، تین سَو روپے کا زیور گُم کرچکی ہے، ناقص العقل ہونے کی وجہ سے اُسے گُم کردیا، اُسے گفتگو کی تمیز نہیں ہے کہ جو اُس کا شوہر ہے اُس سے گفتگو کرسکے، وہ کھانا پکانا اور کپڑا سینا بھی نہیں جانتی ہے اور نماز روزے کو بھی نہیں سمجھتی ہے اور نہ اُسے یاد ہوتا ہے، اب وہ شخص شادی دوسری ان وجوہات سے کرنا چاہتا ہے، مسئلہ اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں، اور اس کو کس صورت سے

---

[1] ہدایۃ باب النفقۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۴۲۸-۲۹

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ التاسع عشر النفقات نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۶۵

[3] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸۶

شوہر کو رکھنا پڑے گا جبکہ وہ خبط الحواس ہے، کیا اخراجات دونوں عورتوں کے برابر اٹھانا پڑیں گے یا نہیں، اور اگر وہ منکوحہ دوسری عورت صاحبِ جائداد ہوئے تب کس حیثیت سے اس کو رکھنا چاہئے اور آیا شوہر کو دونوں عورتیں اپنے ہمراہ رکھنا پڑیں گی یا صرف ایک اور ایک بہ سبب خبط الحواس ہونے کے نہیں رکھنا پڑے گی۔

الجواب

دوسری شادی کی اجازت ہے مگر عدل فرض ہوگا، دونوں کو برابر رکھنا ہوگا، یہ جائز نہ ہوگا کہ دوسری کے پاس رہے اور پہلی سے اس کی کم عقلی کے باعث جدا رہے، دوسری عورت اگر مالدار ہے اور پہلی محتاج ہے تو شوہر اگر مالدار ہے تو دوسری کے لئے مالداروں کا نفقہ واجب ہوگا اور پہلی کے لئے مالداروں اور محتاجوں کے نفقہ کا اوسط، اور اگر شوہر محتاج ہے تو پہلی کے لئے محتاجوں کا نفقہ واجب ہوگا اور دوسری کے لئے اوسط، یہ اوسط اب نہ دے سکا تو جتنا دے سکے دے گا باقی اس پر اس دوسری عورت کے لئے قرض رہے گا کہ جب طاقت پائے ادا کرے۔ درمختار میں ہے:

النفقة تجب للزوجة علی زوجها بقدر حالهما به یفتی ویخاطب بقدر وسعه والباقی دین الی المیسرة[1]۔ ملخصًا۔

خاوند پر بیوی کا نفقہ دونوں کے حال کے پیشِ نظر واجب ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، لہٰذا خاوند سے وصولی اس کی توفیق کے مطابق ہوگی، اگر کچھ باقی رہ جائے تو وہ خاوند کے ذمہ قرض ہوگا جس کی وصولی اس کی بہتر پوزیشن پر کی جائے گی، ملخصًا۔ (ت)

دونوں عورتوں کے نفقہ میں فرق ہوگا اگر ایک اُن میں مالدار اور دوسری محتاج ہے، باقی رات کو رہنے اور لینے دینے وغیرہ اختیاری باتوں میں دونوں کو برابر رکھنا ہوگا اگرچہ ایک کم عقل اور بے سلیقہ ہے۔ عالمگیری میں ہے:

یسوی بین الجدیدة والقدیمة والبکر والثیب والصحیحة والمریضة والرتقاء والمجنونة التی لایخاف منها والحائض والنفساء والحامل والحائل والصغیرة التی یمکن وطؤها کذا فی التبیین[2]۔ وهو تعالٰی اعلم۔

نئی، پرانی، باکرہ، ثیبہ، تندرست، بیمار، شرمگاہ کی تنگی والی، مجنونہ جس سے ضرر کا خوف نہ ہو، حیض ونفاس والی، حاملہ وغیرہ اور نابالغہ جس سے وطی کی جاسکتی ہو، تمام بیویوں کا حق برابر اس پر ہوگا، جیسا کہ تبیین الحقائق میں ہے۔ وھو تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار — باب النفقة — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۲۶۶

[2] فتاوٰی ہندیہ — باب القسم — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/۳۴۰

مسئلہ ۱۸۱ از علی گڑھ مدرستہ العلوم مولوی عبداللہ صاحب ناظم دینیات ونصرت شیر خاں محرر دینیات
۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

زید کو عرصہ تیئیس ۲۳ سال سے پچھتر ۷۵ روپے ماہوار بذریعہ ملازمت کے ملتا ہے اور بجز اس ماہواری تنخواہ کے اور کسی قسم کی زید کو آمدنی نہیں ہے اور زید کی یہ عادت مستمرہ ہے کہ جو روپیہ ماہواری ملتا ہے وہ سب کا سب اپنی اہلیہ کو دے دیتا ہے، اور زید نے اپنی اہلیہ سے یہ کہہ رکھا ہے کہ جو مقدار شرعی طور سے تمہارے نان نفقہ میں یا میرے ذاتی اخراجات یا میری زوجہ اولٰی کی اولاد پر اس میں سے خرچ ہو کر جو کچھ پس انداز ہو اُس رقم کو تم اپنے مہر میں محسوب کرتی رہو تاکہ آٹھ دس برس میں تمہارے مہر سے مجھ کو سبکدوشی حاصل ہو، اور اس معاملہ پر زید نے اپنے اور اپنی اہلیہ کے اقربا کو گواہ بھی کر لیا ہے اور زید کی زوجہ کو بھی اس معاہدہ اور معاملہ سے انکار نہیں ہے بلکہ اس وقت تک اقرار ہے لیکن نان نفقہ کی مقدارِ رقم میں زید اور اُس کی زوجہ کا اختلاف ہے، زید تو یہ کہتا ہے کہ میرے پاس بجز اس ملازمت کی آمدنی کے اور کسی قسم کی آمدنی نہیں اور میں پانچ ہزار روپے کا قرضدار ہوں جو مہر کا ہے جس کے ادا کرنے کا میں نے ڈول ڈالا ہے، اس صورت میں نان ونفقہ کی مقدار رقم ماہواری معسر یعنی تنگدست کی شرعاً ہونی چاہئے، اور زید کی زوجہ راقعہ یہ کہتی ہے کہ تمہارا مشاہرہ بڑا مشاہرہ ہے نان نفقہ کی رقم ماہواری کی مقدار موسر یعنی مالدار کی حیثیت سے مقرر ہونی چاہئے، اب علمائے اسلام عالی مقام سے یہ سوال ہے کہ شرعاً زید کا کہنا مقبول ہے یا زید کی زوجہ راقعہ کا قول شرعاً مقبول ہے؟ اور معسر شخص کو کتنے روپے ماہوار آٹھ سال سابق سے دینے چاہئیں؟ اور اس زمانہ میں جو گرانی ہے کے روپیہ نان ونفقہ کے لگائے جائیں؟ اور یہ بھی عرض کر دینا ضرور ہے کہ باہر کے کام مثلاً غلہ یا دال یا پان وغیرہ منگانے کا زید اپنی وجاہت سے کسی نہ کسی سے کرا دیتا ہے اور گھر کے کھانا پکانے کا کام جب سے نکاح ہوا زید کی زوجہ یا اس کی والدہ نے اپنے متعلق کر رکھا ہے جیسے کہ عموماً شرفاء کے گھروں میں عرفاً مروج ومعمول بہ ہو رہا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

یہاں متعدد امور ملحوظ ہوتے ہیں:

(۱) مقدار دخل۔

(۲) گرانی وارزانی۔

(۳) حال مقام، مثلاً زیادہ سرد ممالک میں جاڑے کا سامان زیادہ درکار ہوتا ہے معتدل میں کم، اور بلحاظ آب وہوا غذا میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔

(۴) زمانۂ موجودہ میں عادتِ بلد جہاں جیسی خوراک وپوشاک معتاد ومعہود ہو مثلاً اب عرب خصوصاً مدینہ طیبہ

میں عموماً خوش خوراکی وخوش پوشاکی معمول ہے حالانکہ یہی عرب ایک وقت کمال سادگی وتقلل سے موصوف تھا اعتبار عام عوائد کا ہوگا نہ خاص کسی بخیل یا مسرف کا بعض بلاد مثلاً شاہجہانپور میں عام طور پر تیل کھاتے ہیں، پلاؤ قورمہ پراٹھے تیل کے ہوتے ہیں، ہمارے بلاد میں یہ طبعاً مکروہ اور عرفاً معیوب، تو وہاں گھی کا مطالبہ نہ ہوگا یہاں ہوگا وقس علیہ۔ متعارف طور پر ان سب باتوں کے لحاظ کے بعد کہہ سکتے ہیں کہ اتنی آمدنی اتنے مصارف والا ایسے وقت ایسے مقام میں موسر مرفہ الحال یا معسر تنگدست یا متوسط۔ تنویر الابصار میں ہے:

یقدرھا بقدر الغلاء والرخص[1]۔

نفقہ مہنگائی اور ارزانی کے اعتبار سے ہوگا۔ (ت)

نیز اسی میں اور بحوالہ اختیار درمختار میں ہے:

یختلف ذٰلک یسارا واعسارا واحوالا وبلادا[2]۔

نفقہ خوشحالی، تنگدستی، علاقے اور صورت حال کے لحاظ سے مختلف ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوقال ووقتا لکان اولٰی[3]۔

اگر ماتن یہاں وقت کو بھی ذکر کرتے تو بہتر ہوتا (ت)

اسی میں ہے:

یراعی کل وقت او مکان بمایناسبہ[4]۔

وقت اور جگہ کا اعتبار کرتے ہوئے نفقہ مناسب مقرر ہوگا۔ (ت)

اسی میں ذخیرہ سے ہے:

ماذکرہ محمد علی عادتھم وذٰلک یختلف باختلاف الاماکن حرا وبردا والعادات فعلی القاضی اعتبار الکفایۃ بالمعروف فی کل وقت ومکان[5]۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے لوگوں کی عادت کے اعتبار کو ذکر کیا ہے، تو نفقہ جگہوں کے گرم سرد اور وہاں کی عادات کے اختلاف سے مختلف ہوگا، تو قاضی کو ہر مقام اور وقت کے لحاظ سے عرف میں کفایت کا اعتبار کرنا ہوگا۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار | باب النفقۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۸

[2] ایضاً

[3] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۶۵۲

[4] " | " | " " " | ۲/۶۵۱

[5] " | " | " " " | ۲/۶۵۲

بحر میں ہے :

فی الظھیریۃ قدر محمد الکسوۃ بدرعین وخمارین وملحفۃ فی کل سنۃ اراد بھما صیفیا وشتویا ولم یذکر السراویل فی الصیف اذ لابد منہ فی الشتاء وھذا فی عرفھم لما فی عرفنا فیجب السراویل وثیاب اخر کالجبۃ والفراش التی تنام علیہ واللحاف وماتدفع بہ اذی الحر والبرد وفی الشتاء درع خزوجبۃ قزوخمارا بریسم اھ وفی المجتبی ان ذلک یختلف باختلاف الاماکن والعادات فیجب علی القاضی اعتبار الکفایۃ بالمعروف فی کل وقت ومکان[1]

ظہیریہ میں ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے لباس میں سالانہ دو چادروں، ایک لحاف اور دو اوڑھنیوں کی مقدار ذکر کی ہے، اس سے مراد گرما اور سرما دونوں موسموں کے لئے، انھوں نے موسم گرما میں شلوار کا ذکر نہ فرمایا کیونکہ یہ سردی کے موسم میں ضروری ہے، یہ ان کے عرف میں ہے، لیکن ہمارے عرف میں شلوار اور دیگر کپڑے مثلاً جبّہ، گدا جس پر سوتے ہیں اور لحاف اور وُہ کپڑا جس سے سردی اور گرمی کی شدّت سے تحفظ کیا جاتا ہے اور سردیوں میں اُونی چادر اور گرم جبّہ اور ریشمی دوپٹہ اھ، مجتبٰی میں ہے کہ لباس علاقوں اور عادتوں کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے تو قاضی پر لازم ہے کہ وُہ ہر علاقے اور وقت کا اعتبار کرتے ہُوئے وہاں کے عرف کے مطابق کفایت والے کا فیصلہ کرے۔ (ت)

اسی طرح فتح القدیر میں اقضیہ اور ہندیہ میں محیط سے ہے۔ رہا شوہر کا مدیون ہونا **اقول** (میں کہتا ہُوں۔ت) ظاہراً اس کے سبب نفقہ زن میں تنگی نہیں کرسکتے کہ یہ بھی مطالبہ عبد ہے بلکہ فتاوٰی امام اجل قاضی خاں پھر ہندیہ میں ہے :

المحبوس بالدین اذا کان یسرف فی اتخاذ الطعام یمنع القاضی عن الاسراف ویقدر لہ الکفاف المعروف وکذلک فی الثیاب یقتصد فیھا ویأمرہ بالوسط ولا یضیق علیہ فی مأکولہ ومشروبہ وملبوسہ[2]

قرض میں مقید شخص اگر خوراک کی تیاری میں اسراف سے کام لیتا ہو تو قاضی اس کو اسراف سے منع کرے اور بقدرِ کفایت عرف کے مطابق خرچ کا پابند کرے اور ایسے ہی لباس کے معاملے میں میانہ روی سے کام لے اور اس کا پابند کرے تاہم کھانے پینے اور لباس میں اس پر تنگی نہ کرے۔ (ت)

---

[1] بحر الرائق | باب النفقہ | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۴/۱۷۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں | کتاب الحجر | نولکشور لکھنؤ | ۴/۹۱۸

جب مدیون پر خود اس کے نفقہ میں تنگی نہ کی گئی اوسط کا لحاظ رہا تو دوسرے کے نفقہ واجبہ میں بدرجۂ اولٰی فلیراجع ولیحرر (اس کی طرف رجوع کیا جائے اور چھان بین کی جائے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ اس کے ساتھ عورت کا خود اپنا حال بھی دیکھا جائے گا کہ غنیہ مفرطہ فی الغنا ہے یا فقیرہ یا متوسطۃ الحال۔ اگر زن وشو دونوں ایک طرح کے ہیں تو اُسی طرح کا نفقہ لازم آئے گا اور مختلف ہیں تو دونوں کے حال کا اوسط مثلاً ایک کے اعتبار سے عورت کا نفقہ دس۱۰ روپے ماہوار ہونا چاہئے اور دُوسرے کے لحاظ سے چار روپے تو سات روپے ماہوار واجب کریں گے پھر اگر شوہر فی الحال اُس کی ادا پر قادر ہے فبہا ورنہ جس قدر پر قادر ہے دے گا باقی وقت فراخی تک اُس پر دَین رہے گا۔

قال اللہ تعالٰی لینفق ذوسعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اٰتاہ اللہ لایکلف اللہ نفسا الاما اٰتٰہا سیجعل اللہ بعد عسر یسرا[۱]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر خرچہ مقدر کیا گیا ہو وہ اللہ تعالٰی کے دیئے سے خرچ کرے اللہ تعالٰی کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کی جو اس نے اسے عطا کیا ہے عنقریب اللہ تعالٰی تنگی کے بعد آسانی فرمائے گا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یستحق النفقۃ بقدر حالہما بہ یفتی ویخاطب بقدر وسعہ والباقی دین الی المیسرۃ[۲]۔

دونوں کے حال کے مطابق وہ نفقہ برداشت کرے گا، اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، اور جتنی توفیق ہو اسی کے مطابق ادائیگی کا حکم ہوگا اور باقی اس کے ذمہ ہوگا اس کو آسانی کے وقت ادا کرے گا۔ (ت)

ردالمحتار وبحرالرائق میں ہے:

اتفقوا علی وجوب نفقۃ الموسرین اذا کانا موسرین وعلی نفقۃ المعسرین اذاکانا معسرین وانما الاختلاف فیما اذاکان احدہما موسرا والاٰخر

فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں کشادہ حال ہوں تو اس کے مطابق اور اگر دونوں تنگدست ہوں تو اس کے مطابق نفقہ واجب ہوگا اور اختلاف صرف اس صورت میں ہے جب ایک فراخی والا ہو اور دُوسرا

---

[۱] القرآن ۶۵/۷

[۲] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۷

معسرا فعلی ظاہر الروایۃ الاعتبار لحال الرجل فان کان موسرا وھی معسرۃ فعلیہ نفقۃ الموسرین وفی عکسہ نفقۃ المعسرین واما علی المفتی بہ فتجب نفقۃ الوسط فی المسألتین وھو فوق نفقۃ المعسرۃ ودون نفقۃ الموسرۃ۔[۱]

تنگدست ہو تو ظاہر روایت کے مطابق اس صورت میں خاوند کی حالت کا اعتبار ہوگا اگر خاوند فراخ دست اور بیوی تنگدست ہو تو فراخی والا نفقہ اور اگر خاوند تنگدست ہو اور بیوی امیر ہو تو تنگی والا نفقہ واجب ہوگا جبکہ فتوٰی والا قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں صرف خاوند کے حال کی بجائے دونوں کے حال کے اعتبار سے درمیانہ نفقہ واجب ہوگا اور وہ تنگ حالی سے زائد اور فراخی سے کم ہوگا۔(ت)

اس کے سوا یسار و اعسار کی کوئی خاص تحدید یہاں علماء نے نہ فرمائی امر عرف پر دائر رکھا ہے بخلاف نفقہ اقارب کہ وہاں یسار مقدر بہ نصاب ہے،

ورأیت فتاوی الخیریۃ انہ ساق الی ھنا ماذکروہ ثم اذ سئل فی الزوجین اذا کانا غنیین ھل تجب علیہ نفقۃ الاغنیاء وما حد الغنی فی باب النفقۃ (اجاب) نعم تجب نفقۃ الاغنیاء، قال فی البحر اختلفوا فی حد الیسار علی اربعۃ اقوال احدھا انہ مقدر بنصاب الزکوٰۃ قال فی الخلاصۃ وبہ یفتی واختارہ الولوالجی معللا بان النفقۃ تجب علی الموسر ونھایۃ الیسار لاحد لھا وبدایتہ النصاب فیقدر بہ، والثانی انہ نصاب حرمان الصدقۃ وھو النصاب الذی لیس بنام قال فی الھدایۃ وعلیہ الفتوی وصححہ فی الذخیرۃ اھ

اور میں نے فتاوٰی خیریہ میں دیکھا تو انھوں نے وہی روش اختیار کی جو فقہاء نے اُوپر ذکر کی ہے، جب ان سے سوال ہُوا کہ جب دونوں غنی ہوں تو کیا غنی والا نفقہ واجب ہوگا اور نفقہ میں غنی کی حد کیا ہے تو انھوں نے جواب دیا ہاں غنی والا واجب ہوگا، بحر میں فرمایا کہ غنا کی حد میں فقہاء نے اختلاف کیا جو چار قول ہیں: ایک یہ کہ غنا کی حد نصابِ زکوٰۃ کا اندازہ ہے، خلاصہ میں کہا اسی پر فتوٰی ہے، ولوالجی نے اسی کو پسند کیا اور وجہ یہ بیان کی کہ نفقہ سہولت پر مبنی ہے اور سہولت کی کوئی آخری حد نہیں ہے جبکہ اس کی ابتدائی حد نصاب ہے لہذا اسی کو معیار قرار دیا جائے گا۔ اور دوسرا قول یہ کہ غناء کی حد وُہ ہے جس پر صدقہ لینا حرام ہوتا ہے یہ وُہ نصاب ہے جو نامی نہ ہو یعنی تجارتی یا نقدی والا نصاب نہ ہو، ہدایہ میں فرمایا اسی پر فتوٰی ہے، اور ذخیرہ میں اس کو صحیح

---

[۱] ردالمحتار باب النفقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۵

والذی یظھر للفقیہ البارع فی الفقہ ان الاول اولٰی بالقبول لان ما لیس بنامر سریع النفاد اذا تواردت علیہ النفقات کما ھو ظاھر واللہ تعالٰی اعلم[1] اھ مافی الخیریۃ **اقول** تعلیل الامام الولوالجی لایفید الا اشتراط النصاب دون النمو الا ان یضم الیہ ما افادہ العلامۃ الرملی وفیہ تامل فتامل **ثم اقول** فی سوقہ الٰی ھنا نظر فان المعتبر فی الاقارب القدرۃ حتی اوجب محمد علی من یکسب کل یوم درھما وتکفیہ اربعۃ دوانق ان ینفق الدانقین علی محارمہ قال فی الفتح وھذا یجب ان یعول علیہ فی الفتوٰی[2] اھ فالموسر ثمہ من یمکنہ دفع حاجۃ غیرہ بدون لحوق ضرربہ والمعسر بخلافہ ولذا لم تجب علیہ اصلا اما نفقۃ المرأۃ فتجب علی الزوج مطلقا وان لم یکن

قرار دیا ہے اھ اور فقہ میں مہارت رکھنے والے پر جو ظاہر ہو رہا ہے وُہ یہ کہ پہلا قول قبولیت میں اولٰی ہے کیونکہ جو نصاب نامی نہ ہو پے در پے اخراجات میں وُہ جلدی ختم ہوجاتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ خیریہ کی عبارت ختم ہُوئی۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) امام ولوالجی کی بیان کردہ علّت صرف نصاب کی متقاضی ہے نامی ہونے کو متقاضی نہیں ہے ہاں اگر علامہ رملی کی بیان کردہ وجہ کہ نفقہ کے باب میں غنا کا اعتبار ہوتا ہے، کو شامل کیا جائے تو نامی کی وجہ بن سکتی ہے جبکہ وہ قابلِ غور بات ہے، تو غور کرو۔ **ثم اقول** (میں پھر کہتا ہوں) خیریہ کا جو یہاں تک بیان ہے اس میں اعتراض ہے کیونکہ اقرباء کے نفقہ میں صرف قدرت والی وسعت معتبر ہے حتی کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے روزانہ ایک درہم کمانے والے پر اقرباء کے نفقہ کے متعلق یہ واجب کیا ہے کہ اگر درہم کمانے والے کا گزارہ چار دانق پر ہوتا ہے تو وُہ اپنے ذوالارحام پر دو دانق خرچ کرے۔ فتح میں فرمایا کہ یہی وُہ قول ہے جس پر فتوٰی دینے میں اعتماد کیا جاسکتا ہے اھ تو ذوالارحام کے نفقہ میں جو دوسرے کی حاجت کو پُورا کرسکے اور خود ضرر میں مبتلا نہ ہو وہ فراخ دست کہلائے گا، اور تنگدست وُہ ہوگا جو ایسا نہ کرسکے اور اس وجہ سے اس پر بالکل واجب نہ ہوگا، لیکن بیوی کا نفقہ تو خاوند پر ہر حال میں

---

[1] فتاوٰی خیریۃ باب النفقۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/۷۵

[2] فتح القدیر فصل وعلی الرجل ان ینفق علی ابویہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۲۲۷

لہ شیئ وانما الموسر والمعسر ھھنا بمعنی الموسع والمقتر وذٰلک لایتقید بالنصاب ولایلزمہ بل یختلف بما قدمنا فجعلھم مالک النصاب قادرا لایستلزم جعلہ موسعا وان یلزمہ علیہ لامرأتہ نفقۃ الاغنیاء وھی ربما تفنی النصاب فی اقل من نصف سنۃ بل فی ربعھا۔

واجب ہوتا ہے اگرچہ خاوند کے پاس کچھ بھی نہ ہو، تو بیوی کے نفقہ کے معاملہ میں غنی اور تنگدست بمعنی صاحبِ وسعت اور تنگی ہے اور یہ معنی نصاب سے مقید نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کو نصاب لازم ہے بلکہ دونوں جُدا ہوجاتے ہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، تو ان کا خاوند کو صاحبِ نصاب قرار دے کر نفقہ پر قادر ماننا اس چیز کو مستلزم نہیں کہ خاوند وسعت والا قرار پائے اور اس پر غنیوں والا نفقہ بیوی کے لئے واجب ہو جبکہ بیوی چھ ماہ میں نصاب کا خاتمہ کردیتی ہے بلکہ سال کے چوتھائی حصہ میں خاتمہ کردیتی ہے۔ (ت)

لاجرم ردالمحتار میں ہے:

صرحوا ببیان الیسار والاعسار فی نفقۃ الاقارب ولم ار من عرفھما فی نفقۃ الزوجۃ ولعلھم وکلوا ذٰلک الی العرف والنظر الی الحال من التوسع فی الانفاق وعدمہ ویؤیدہ قول البدائع لوکان الرجل مفرطا فی الیسار الخ، وسیاتی تمامہ۔

فقہاء نے اقرباء کے نفقہ میں خوشحالی اور تنگ حالی کو بیان کیا لیکن میں نے بیوی کے نفقہ میں کسی کو خوشحالی اور تنگ حالی کے معیار کو بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اور ہوسکتا ہے کہ انھوں نے یہ معیار عرف پر چھوڑ دیا ہو کہ عرف میں خوش حالی کا نفقہ اور غیر خوش حالی کا کیا ہے، اور اس کی تائید بدائع کا یہ قول کہ "اگر کوئی شخص خوش حالی میں انتہائی زیادہ ہو الخ" کر رہا ہے، بدائع کا مکمل قول آگے آرہا ہے۔ (ت)

ولہذا نفقہ اقارب میں دو ہی قسمیں رہیں کہ قادر اور عاجز میں حصر ہے اور یہاں تین قسمیں ہیں: غنی، فقیر، متوسط۔ اور اُن کے نفقات کے فرق میں عبارات مختلف آئیں، امام سراج الدین قاری الہدایہ نے فرمایا: غنی کے لئے دونوں وقت گیہوں کی روٹی اور گوشت ہے، متوسط کے لئے روٹی اور روغن، فقیر کے لئے روٹی اور پنیر و سرکہ۔ اقضیہ میں فرمایا: غنی کی نانخورش گوشت، متوسط کی دودھ، فقیر کی روغن یعنی زیتون، وقال تعالٰی وصبغ للاٰکلین[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور کھانے والوں کے لئے سالن ہے۔ ت) اور

---

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۵

[2] القرآن الکریم ۲۳/۲۰

ہمارے عرف سے قریب تر وُہ ہے جو امام ملک العلماء نے فرمایا کہ اعلیٰ درجہ مرغ کا گوشت اور سُوجی کے پھلکے، اور اوسط گیہوں کی روٹی اور بکری کا گوشت اور ادنیٰ جَو کی روٹی۔ عقود الدریہ میں ہے:

سئل قارئ الهداية اذا طلبت تقدير النفقة لها ولاولادها دراهم هل لها ذلك (اجاب) لايجب بل الواجب عليه طعام وادام على الغني خبز حنطة ولحم غدا وعشاء بقدر كفايتها وعلى المتوسط خبز ودهن وعلى الفقير خبز وجبن وخل[1]

قاری الہدایہ سے سوال کیا گیا کہ جب بیوی اپنے لئے اور اولاد کے لئے روزانہ چند درہم کا نفقہ مقرر کرنے کا مطالبہ کرے تو کیا اس کو یہ حق ہے، تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ عورت کا یہ مطالبہ پورا کرنا ضروری نہیں بلکہ خاوند پر اگر غنی ہو تو روٹی اور سالن میں صبح وشام گندم کی روٹی اور گوشت بقدر کفایت اور درمیانے حال والا ہو تو اس پر دونوں وقت روٹی اور روغن، اور اگر فقیر ہو تو روٹی، پنیر اور سرکہ واجب ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے:

وفي الاقضية يفرض الادام ايضا اعلاه اللحم وادناه الزيت واوسط اللبن[2]

فیصلوں کے بیان میں ہے کہ سالن بھی مقرر کیا جائے جس کا اعلیٰ درجہ گوشت، ادنیٰ درجہ زیتون اور درمیانہ درجہ دودھ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں بدائع سے ہے:

لوكان الرجل مفرطا في اليسار ياكل خبز الحوارى ولحم الدجاج والمرأة مفرطة في الفقر تأكل في بيت اهلها خبز الشعير يطعمها خبز الحنطة ولحم الشاة[3]

اگر خاوند اعلیٰ درجے کا امیر ہے جو سوجی کے پھلکے اور مرغ کا گوشت کھاتا ہے اور عورت انتہائی فقیر ہو جو اپنے گھر میں جَو کی روٹی کھاتی ہو، تو یہ خاوند اس کو گندم کی روٹی اور بکری کا گوشت دے۔ (ت)

عالمگیریہ میں کافی سے ہے:

ان كانت موسرة وهو معسر لها فوق مايفرض لوكانت معسرة فيقال

اگر خاوند فقیر ہو تو امیر بیوی کو وُہ خوراک دے جو غریب بیوی کے لئے مقررہ سے زیادہ ہو، اس

---

[1] عقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية باب النفقة حاجی عبدالغفار تاجران ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۶۴
[2] فتح القدير " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۲۰۰
[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۵

له اطعمها خبز البر و باجة او باجتين، و ان كان الزوج موسرا مفرط اليسار نحو ان ياكل الحلواء واللحم المشوی والباجات و هی فقيرة كانت تاكل فی بيتها خبز الشعير لايجب عليه ان يطعمها ما ياكل بنفسه ولاما كانت تاكل فی بيتها لكن يطعمها خبز البر وباجة او باجتين[1]

صورت میں خاوند کو پابند کیا جائے گا کہ وہ اس کو گندم کی روٹی باجہ یا دو باجے (بھیڑ بکری کے پائے) خوراک دے، اور اگر خاوند اعلیٰ درجے کا امیر ہو مثلاً وہ حلوا، گوشت بُھنا ہوا یا بھیڑ بکری کے پائے کھاتا ہے اور بیوی فقیر ہو جو اپنے گھر میں جَو کی روٹی کھاتی تھی تو خاوند پر یہ واجب نہیں کہ اس کو وہی خوراک دے جو خود کھاتا ہے اور نہ ہی وہ خوراک دے جو بیوی اپنے گھر میں کھاتی تھی بلکہ وہ اس کو گندم کی روٹی اور بھیڑ بکری کے پائے ایک یا دو خوراک میں دے۔ (ت)

ان اعصار و امصار میں پچھتر روپے ماہوار کی آمدنی والا نہ امیر کہلائے گا نہ فقیر بلکہ ایک متوسط الحال ہے، اگر عورت بھی ایسی ہی ہے اور متوسط زناں کا نفقہ لیا گیہوں کی روٹی اور بکری کا گوشت کبھی سادہ کبھی ترکاری کا، کبھی اور کھانا کہ قیمۃً اس کے قریب ہو، اور پہننے کو ململ خاصا چھینٹ (یہاں مسودہ میں بیاض ہے) تو حق بحقدار رسید، نہ یہ اس میں کمی کرسکتا ہے نہ وہ اس سے زائد کے مطالبے یا صرف کا اختیار رکھتی ہے، اور اگر وہ غنا میں طبقۂ اعلیٰ سے ہے تو ضرور زائد کی مستحق ہے جو اوسط و اعلیٰ کے اوسط سے زائد نہ ہو، اور اگر طبقۂ ادنیٰ سے ہے تو ضرور کم کی مستحق و مستوجب ہے جو اوسط و ادنیٰ کے اوسط سے کم نہ ہو، ان اصول پر صحیح محاسبہ کیا جائے، اگر اس نے اپنے استحقاق سے زیادت قلیلہ کی ہے تو قابلِ لحاظ نہیں اور زیادت فاحشہ کی ہے مثلاً اس کے خرچ میں حساب شرعی سے دس روپے ماہوار ہونا چاہئے تھا اور اس نے پندرہ روپے ماہوار خرچ کیا تو جبکہ اول سے شوہر نے اُسے مقدار شرعی پر خرچ کی اجازت دی تھی زیادت غصب ہوئی اور اس کا تاوان عورت پر آیا جو اس کے مہر میں محسوب ہوسکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علی الید ما اخذت حتی تؤدی[2]۔ ھذا ماظھر لی واللہ تعالٰی اعلم۔

ہاتھ نے جو لیا وہ اس پر بوجھ ہے جب تک وہ اسے ادا نہ کردے۔ یہ وہ بحث ہے جو مجھ پر ظاہر ہوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول فی نفقۃ الزوجۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۴۸

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۵۲

مسئلہ ۱۸۱ از جاورہ محلہ نظر باغ مرسلہ سید ذوالفقار احمد صاحب ۱۲ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ جو جوان العمر نیک چلن ہے عرصہ آٹھ نو سال سے ہندہ کے شوہر زید نے ہندہ کو چھوڑ دیا ہے اُس کا نان و نفقہ نہیں دیتا ہے، نہ کسی طرح کی خبرگیری اس کی کرتا ہے، بلکہ ہندہ کو ایذا و تکلیف پہنچانے کی غرض سے طلاق بھی نہیں دیتا ہے تاکہ ہندہ اس کے ظلم سے نجات پاکر کسی شخص سے نکاح کرکے اپنی گزراوقات کرے، ہندہ پردہ نشین ہے اُس کو کوئی کھانا کپڑا دینے والا نہیں ہے، نہ اُس کو کوئی قرض دیتا ہے نہ اس کے پاس اثاثہ ہے جس کو فروخت کرکے بسراوقات کرے، نہ ہندہ دستکار ہے کہ جس کی اُجرت سے ضروریاتِ خورد و نوش کو پُورا کرسکے، اگر ہندہ کا نکاح ثانی نہ ہوگا تو وُہ یقینی طور پر ضرور زناکاری میں مبتلا ہوگی کیونکہ اُس کا عالم شباب ہے اور بغیر نکاح ثانی کے دوسرا ذریعہ معاش نہیں ہوسکتا، اور ہندہ ایسے مقام پر ہے جہاں قاضی نہیں ہے پس صورتِ مرقومہ میں ہندہ کے واسطے خاوند ظالم سے کوئی صورت رہائی کی نکلتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی صورت ہندہ کی خلاصی کی نہیں نکلتی ہے تو کیا شرع ہندہ کو زنا کرکے گزراوقات کرنے کی اجازت دیتی ہے؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

شرع مطہر اللہ و رسول کا حکم ہے، اللہ و رسول سے زنا کی اجازت مانگنی کفر ہے، جب تک شوہر زندہ ہے اور طلاق نہیں دی دوسرا نکاح حرام حرام حرام، زنا زنا زنا ہے۔ وساوس اور اندیشے کا ہے کے ہیں زنا کے، موہوم زنا سے بچنے کے لئے موجود زنا کرا دینا کون سا دین ہے، چارہ کار نالش ہے کہ روٹی کپڑا دے یا طلاق، اور یہ بھی نہ ہوسکے تو سوائے صبر کے کچھ علاج نہیں، اور جو اللہ کے لئے صبر کرتا ہے اللہ اُس کی مشکل کھول دیتا ہے، رزق اللہ پر ہے شوہر رزاق نہیں، محنت مزدوری کرے اور غلبۂ خواہش کے لئے روزے رکھے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء[1]

اور جو شادی کے خرچے کی استطاعت نہیں رکھتا اس پر لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کے لئے شہوت کا توڑ ہے۔ (ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا

جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اُس کے لئے راہ نکال دے گا

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ ابن عباس دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۲۴ و ۴۳۲

ویرزقه من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ[1] — اور اُسے وہاں سے رزق پہنچائے گا جہاں سے اُسے گمان بھی نہ ہوگا، جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اُسے کافی ہے۔

اور فرماتا ہے:

ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا[2] — جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کا کام آسان کردے گا۔

اللہ سچا اور اُس کے وعدے سچے، اور شیطان جھوٹا اور اُس کے ڈراوے جھوٹے، اللہ سے ڈرے اور اس پر بھروسہ کرے، یقیناً اللہ اُس کے لئے آسانی کردے گا اور اُس کے لئے راہ نکال دے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۲ ازاودے پور میواڑ راجپوتانہ محلہ چھاوت واڑی مرسلہ قادر بخش چابک سوار ۱۲ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیا کوئی ایسی تحریر دستاویز پر کہ جس کو زید نے مسماۃ ہندہ کو دوسری شادی کے وقت بابت انتظام نان نفقہ لکھ دی ہو کیا بعد طلاق ہندہ کا اُس تحریر سے کسی قسم کا کوئی حق رہتا ہے؟

الجواب

مہر و نفقہ ایام عدت کے سوا اور کوئی حق واجب شرعاً نہیں اور اگر زید نے لکھ دیا ہو کہ عمر بھر تیرا نان و نفقہ میرے ذمہ ہے تو یہ ایک وعدہ ہے اُسے وفا کرنا چاہئے مگر اس کی بنا پر جبراً مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ اشباہ میں ہے، لاجبر علی الوفاء بالوعد[3] (وعدہ پورا کرنے پر جبر نہیں۔ ت) اس کے سوا اس تحریر کا حاصل اگر کچھ اور ہو تو بعد ملاحظہ تحریر معلوم ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۲ و ۳

[2] 〃 〃 ۶۵/ ۴

[3] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۰ و ۱۱۱

ف: وفائے وعدہ سے متعلق اشباہ سے جو عبارت مجھے ملی اس کے الفاظ یوں ہیں: وعدہ ان یأتیہ فلم یأتہ لایأثم ولایلزم الوعد الا اذا کان معلقاً ——— اسی معنٰی کی عبارت فتاوٰی ہندیۃ الباب السابع فی اجارۃ المستاجر جلد ۴ ص ۴۲۷ پر ملاحظہ ہو۔ نذیر احمد سعیدی

مسئلہ ۱۸۳: از چتوڑ گڑھ محلہ چھیپیاں مسئولہ جمیع مسلمانان گنگرار ۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا شوہر عرصہ آٹھ سال سے ہندوستان چھوڑ کر غیر ملک میں چلا گیا زندہ ہے خیریت کا حال لکھتا رہتا ہے مگر اُس کے لئے نہ تو یہاں اُس کی کوئی جائداد ہے اور نہ اس نے آج تک خرچ کے لئے زوجہ کے پاس روپیہ پیسہ روانہ کیا نہ اس عرصہ میں وُہ کبھی آیا اور نہ آئندہ آنے کا قصد رکھتا ہے، زوجہ نے نان نفقہ کے انتظام کے لئے کئی مرتبہ اُسے لکھا مجبور ہو کر طلاق چاہی مگر نہ تو نان نفقہ دیتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے اب سُنا جاتا ہے کہ عورت پریشان ہو کر نصرانیت اختیار کرنے والی ہے ایسی صورت میں عورت مذکورہ سے معاملہ مندرجہ سوال میں کسی عالم بامعتبر سے فسخ نکاح کی درخواست کرا کے بعد انقضائے عدت فسخ نکاح نکاح جدید کسی دوسرے شخص سے کرا دینا جائز ہے یا ناجائز، آیا اُس کیلئے کوئی صورت ہے شرعی کہ اُسے مرتدہ ہونے سے بچائے۔

الجواب

جس نے مرتدہ ہونے کا قصد کیا وُہ اس وقت مرتدہ ہوگئی، بچائی کاہے سے جائے، اور شوہر کی زندگی میں بلا طلاق دُوسرے سے نکاح کی کوئی صورت نہیں، قال تعالٰی والمحصنٰت من النساء[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا، نکاح والی عورتیں (حرام ہیں)۔ ت) یہاں نہ کوئی حنبلی مذہب کا قاضی ہے نہ کسی حنفی معتقد کو اس مذہب کے خلاف قضا کا اختیار ہے اور اگر کرے گا نافذ نہ ہوگی ایسی توسیعیں لازم مذہب کرتی ہیں، والتفصیل فی البحر الرائق ورد المحتار وغیرہما من الاسفار (اور اس کی تفصیل بحر الرائق اور رد المحتار وغیرہما کتب میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۴: از اکوربا ڈاک خانہ گنگیری ضلع علی گڑھ مسئولہ امداد علی خاں صاحب مدرس اول ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میری زوجہ وقتِ نکاح بدمزاج معلوم ہوتی تھی بعد میں وہی بدمزاجی بڑھتے بڑھتے فتورِ عقل ثابت ہُوئی، فاتر العقل کی حالت میں اُس سے تین بچے بھی مختلف اوقات میں پیدا ہوئے اور مرے، اُس کے مرض کا علاج مدّتِ مدید تک حکیموں، دائیوں، ڈاکٹروں، عاملوں کے ذریعہ کرایا گیا اور اپنی حیثیت سے زیادہ صرف کیا مگر کوئی صورت افاقہ کی نہ ہُوئی اور مریضہ کے عملوں سے بہت کچھ نقصانات مالی ظہور میں آئے، اُس کی حالت فاتر العقل کے باعث ایسی ہوگئی ہے کہ وُہ

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

احکام شرعیہ اور خاوند کے جائز حکموں کی تعمیل نہیں کر سکتی نہ وہ اپنی خواہشات کو محسوس کر سکتی ہے نہ پاکی و ناپاکی میں تمیز رکھتی ہے نہ امورات خانہ داری و علائق زندگی کو سمجھ سکتی ہے غرض کہ مجھے اُس سے تمام مصلحتیں فوت نظر آتی ہیں اُس کے علاج سے ہر طرح مایوس ہو کر اعزا و اقربا کے اصرار و اپنی آسائش و قیام نسلی کی اُمید پر میں نے بحالت مجبوری بعد انتظار بسیار کے دوسری شادی کر لی ہے اس سے بفضلہ ایک بچہ بھی پیدا ہُوا ہے، اب میرے متعلقین میں میری ایک والدہ ضعیفہ اور زوجگان و ایک بچہ و ایک میں خود یہ پانچ کس ہیں اور کچھ بارِ قرضہ بھی ہے جو بوجہ ضروریات شرعی ہُوا ہے اب زوجہ سابقہ یعنی فاتر العقل کی والدہ کو (میرے خیال میں تجاہلِ عارفانہ سے) شُبہہ ہے کہ میری لڑکی کو ان لوگوں سے تکالیف پہنچتی ہیں، اور نہ وہ ان لوگوں میں آسائش سے رہ سکتی ہے، اس لئے اُن کی خواہش ہے کہ اپنی بیٹی کو اپنے پاس رکھ کر میری نصف آمدنی کو بٹا لیں اور اسی اُمید پر وہ عنقریب کچہری مجاز میں نالش کرنے والی ہیں میں اُن سے کہہ رہا ہُوں کہ میری جانب سے کوئی تکلیف کبھی نہیں ہُوئی نہ آئندہ ہوگی بلکہ آپ خود رہ کر میرے کاموں میں مدد دیجئے اور اپنی بیٹی کو حسب منشا آرام پہنچایئے اور بوجہ ناپاک رہنے اور ہوش و حواس درست نہ ہونے کے اپنی بیٹی کے ساتھ کھانے پینے اور اُس کے برتنوں سے احتیاط رکھئے یا زرِ دین مہر سے دست بردار ہو کر مجھ سے اپنی بیٹی زوجہ میرے کے واسطے چار روپیہ ماہوار علاوہ پارچہ پوشیدنی کے تاحینِ حیات لیتی رہے کیونکہ اس وقت پانچ آدمیوں کی پرورش، قرضہ کی ادائگی، تربیتِ اولاد، اتفاقی ضروریات کا پُورا کرنا میرے ذمہ ہے اور اُس کو اپنے مکان پر رکھئے وُہ ان باتوں میں سے کسی کو منظور نہیں کرتیں پس ایسی صورت میں میرے لئے شرع شریف کا کیا حکم ہے جس سے کہ میں خدا و رسول کے نزدیک مواخذہ وار نہ ہوں اس میں دوسرا سوال یہ ہے کہ ایسی عورت کا دین مہر و نان نفقہ کس خدمت کے عوض مجھ پر واجب ہے۔

الجواب

مہر کسی خدمت کا معاوضہ نہیں وہ نکاح میں بُضع کا عوض ہے اور بہر حال واجب ہے اور جب فاتر العقل ہے تو اُس کے مہر سے دستبرداری نہ وہ کر سکتی ہے نہ اس کی ماں نہ کوئی اولیٰوں ہی جب تک وُہ شوہر کے گھر ہے یا اُس کے گھر آنے سے انکار نہ کرے، اُس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے جو زن و شو دونوں کو حال کی رعایت سے بقدر متوسط دلایا جائے گا مادرِ زن کا نصف آمدنی مانگنا ظلم صریح ہے جب کہ یہ مقدار نفقہ زن سے زائد ہو، درمختار میں ہے:

النفقۃ تجب للزوجۃ علی زوجھا بقدر حالھما بہ یفتی ویخاطب

خاوند پر بیوی کا نفقہ ان دونوں کے حال کے مطابق ہے، اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، اور خاوند کو اس کی

بقدر وسعہ والباقی دین الی المیسرۃ[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔

وسعت کے مطابق ادائگی کا حکم ہوگا اور باقی ہو تو اس کے ذمہ واجب الادا رہے گا جب وہ آسانی والا ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۵: از جامع مسجد بریلی مسئولہ نواب چھوٹے میاں صاحب ۷ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی کا عقد بکر کے لڑکے کے ساتھ کیا عقد کے بعد ایک ماہ تک زید کی لڑکی اپنے شوہر کے مکان پر رہی اُس وقت سے زمانہ تخمیناً نو ماہ کا ہُوا کہ لڑکی زید کے مکان پر موجود ہے نان نفقہ کی شوہر یا شوہر کے باپ نے خبر نہیں لی، اب اس امر کا تقاضا ہے کہ زید اپنی لڑکی کی رخصت کردے، زید کو رخصت کرنے سے کچھ انکار نہیں ہے، علمائے دین کی خدمت میں صرف یہ گزارش ہے کہ ان ایام کا نان نفقہ کس پر فرض ہے اور لڑکی رخصت ہونے کے بعد زید کے اور شرعی خاندان کے تعلق والوں کے کس کس کے یہاں جاسکتی ہے، بیّنوا توجروا۔

الجواب

اُس نو مہینے کا نان نفقہ کسی پر نہیں، جو دن گزر گئے گزر گئے، ہاں اگر نان ونفقہ کچھ مقرر ومعین قرار پاچکا کہ اتنا ماہوار دیں گے، اور زید نے لڑکی کو بٹھا نہ رکھا، نہ لڑکی نے شوہر کے یہاں جانے سے انکار کیا بلکہ باپ کے یہاں آئی تھی، پھر شوہر کے بُلانے کی منتظر رہی اور اُس نے اتنے مہینوں نہ بلایا تو اس صورت میں وُہ مقررشدہ نفقہ ان مہینوں کا دے گا اور اگر یہ بُلانا چاہتا تھا اور لڑکی نہ گئی تو ان مہینوں کا نفقہ کسی پر نہیں اگرچہ مقرر شدہ ہو، عورت آٹھویں دن اپنے ماں باپ کے یہاں صبح سے شام تک کے لئے بلا اجازتِ شوہر جاسکتی ہے اور اپنے محارم مثلاً حقیقی یا سوتیلے بہن بھائی، بھتیجے بھتیجی بھانجے بھانجی چچا ماموں پھپھی خالہ نانا دادا کے یہاں ہر سال بھر بعد دن بھر کے لئے، رات کو بہرحال شوہر کے یہاں آنا ہوگا، یہ بلا اجازت ہے اور شوہر کی اجازت سے انھیں لوگوں کے یہاں مہینہ بھر اور زائد جتنے دنوں کی وہ اجازت دے رہ سکتی ہے لیکن غیر محارم مثلاً چچا ماموں خالہ پھپھی کے بیٹوں بیٹیوں یا جیٹھ دیور بہنوئی وغیرہم یا اجنبی کے یہاں شوہر کی اجازت سے بھی نہیں جاسکتی اگر شوہر اجازت دے گا تو وُہ بھی گنہگار ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۶: از شہر بریلی محلہ ملوکپور مسئولہ احمد یار خاں صاحب ۱۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کے چند اولادیں ہوئیں اُن میں سے ایک

---

[1] درمختار باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

لڑکی بعمر چھ سال موجود ہے، اس عورت کے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو بہت سخت تکلیف ہوتی ہے اور قریب المرگ ہوجاتی ہے، لہذا اب یہ عورت اور اس کی ماں و بھائی وغیرہ کہتے ہیں کہ ہم کو جان بچانا فرض ہے، اور یہ عورت اپنے خاوند سے جماع کرنا نہیں چاہتی اور کہتی ہے کہ مجھ کو اپنی جان کا اندیشہ ہے؛ اس حالت میں اُس کے خاوند پر نان نفقہ دینا لازم ہے یا نہیں؛ اور یہ عورت اور اُس کی ماں و بھائی کہتے ہیں کہ تم اپنی دوسری شادی کرلو، اس شخص خاوند میں اتنی قوت نہیں کہ دو عورتوں کا خرچ برداشت کرسکے کیونکہ یہ بیحد غریب آدمی ہے، لہذا شرع شریف کا جو حکم ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب

عورت اگر مکانِ شوہر میں نہ رہے نفقہ نہ پائے گی، اور اگر یہاں رہے اور جماع پر راضی نہ ہو مگر شوہر چاہے تو جماع کرسکے پھر اگرچہ نہ کرے نفقہ پائے گی، مرد اگر دو کا خرچ برداشت نہ کرسکنے کے سبب اُسے نکال دے گا اور عورت اُس کے یہاں رہنا چاہے گی اور یہ اُس سے زبردستی جماع پر قادر ہوگا تو نفقہ آئے گا۔ درمختار میں ہے:

لها النفقة لو مرضت وفی منزلها بقیت ولنفسها ما منعت لا نفقة لخارجة من بیته بغیر حق وهی الناشزة حتی تعود قید بالخروج لانها لو مانعته من الوطی لم تکن ناشزة[1] اھ۔

بیوی کے لئے نفقہ کا حق ہوگا اگر وہ بیمار ہو، اور اپنے گھر میں ہو اور اپنے آپ کو سپرد کرنے سے مانع نہ ہو اور خاوند کے گھر سے بلاوجہ باہر رہنے والی کے لئے نفقہ نہیں وہ نافرمان ہوگی تاوقتیکہ واپس آئے، اور ماتن نے خاوند کے گھر سے باہر کی قید ذکر کی اس لئے کہ اگر خاوند کے گھر میں رہتے ہوئے جماع سے رکاوٹ کرے تو نافرمان نہ ہوگی اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله لو مانعته قیده فی السراج بمنزل الزوج وبقدرته علی وطئها کرها[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم

درمختار نے جو کہا کہ جماع سے منع کرے، تو اس کو سراج الوہاج میں، خاوند کے گھر، اور خاوند کو جبراً اس سے جماع کی قدرت ہو، کے ساتھ مقید کیا ہے (کہ ایسی صورت ہو تو وہ نافرمان نہ کہلائے گی) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۷

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۷

مسئلہ ۱۸۷: از کانپور طلاق محل مکان حکیم نورالدین مسئولہ عبیداللہ ۴ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید آوارہ اور بدچلن ہونے کے علاوہ نان ونفقہ کا کفیل بھی نہیں ہوسکتا اور اُس کا باپ یعنی خالد اگرچہ نان ونفقہ کا کفیل ہوسکتا ہے اگر وُہ چاہے مگر وُہ اور اُس کی اہلیہ وغیرہ بھی ہندہ کو سخت تکالیف کھانے پینے پہننے کی دیتے ہیں اور سخت خدمت مثل ایک لونڈی کے لیتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں ہندہ کو اپنے نفس کے روکنے کا اختیار ہے کیونکہ ان کی معاشرت نہایت خراب ہے بلکہ جان کا خطرہ ہے، اور کیا قاضی کو حق ہے کہ وُہ دونوں میں تفریق یعنی خلع کرادے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نفقہ نہ دینے پر حاکم اسے مجبور کرے گا کہ نفقہ دے یا طلاق لقولہ تعالٰی فامساك بمعروف اوتسریح باحسان[۱] (کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: بھلائی کے ساتھ پاس رکھو یا نیکی کرتے ہوئے چھوڑ دو۔) لیکن قاضی بطور خود اس وجہ سے تفریق نہیں کرسکتا۔ درمختار میں ہے:

لایفرق بینهما بعجزه عنها بانواعها الثلثة (وهی ماکول وملبوس ومسکن اھ ش) ولا بعدم ایفائه حقها ولو موسرا۔[۲] واللہ تعالٰی اعلم۔

تینوں قسم کے حقوق سے عجز پر خاوند اور بیوی میں تفریق نہ ہوگی، وہ حقوق، خوراک، لباس اور مسکن ہیں بحر، (شرح کی عبارت ختم) اور نہ ہی امیر ہونے کے باوجود بیوی کے یہ حقوق مکمل نہ کرنے پر تفریق ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۸: از اودے پور میواڑ مدرسہ شرقیہ مرسلہ سید عبدالرحیم صاحب ۲۰ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قادر بخش کی عورت مسماۃ محرم ہے ۲۰ سال شادی کو ہوئے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے نام بردہ نے عقد ثانی کیا اور محرم کو اس مضمون کی تحریر لکھ دی کہ جو میرا گاؤں جاگیر کا ہے اس میں ۳۰۰ روپے سالانے ادا کرتا رہوں گا بلا عذر، اور حال میں نیا مکان جو بنایا ہے وہ تیرے رہنے کو دے دیا اگر تیرے لڑکا ہوگا تو میری تمام جائداد کا مالک ہوگا اور اگر اس دوسری عورت سے ہوگا تو وہ اس تحریر کی پابندی کرے گا، کچھ عرصہ بعد دوسری کے لڑکا پیدا ہوا، مسماۃ محرم قادر بخش کی تابعداری کرتی رہی لیکن دوسری عورت کی اور اس کی باہمی تکرار اس بنا پر ہوتی رہی کہ جو تحریر قادر بخش نے زوجۂ اولٰی کو لکھ دی ہے وہ واپس دے دے کیونکہ میرے لڑکا تولد ہوگیا ہے، محرم نے باوجود تکرار فساد

---

[۱] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۹

[۲] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۹
ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۶

تحریر نہیں دی، قادر بخش نے زوجہ ثانیہ کے بہکانے سے پہلی کو نکال دیا جبکہ محرم نے کچہری میں نان و نفقہ و پابندی تحریر کا دعوٰی کیا اُس پر شوہر نے اپنا بیان قلمبند کرایا کہ محرم کو میں نے طلاق دے دی لیکن اصلیت یہ ہے کہ اُس نے اُسے طلاق نہ دی نہ کوئی طلاق نامہ تحریر کیا نہ کوئی گواہ طلاق دینے کا ہے صرف دوسری عورت کے ورغلانے پر اُس نے ایسا کہہ دیا ہے اور مشہور کیا ہے محرم نے شوہر کی کوئی خطا نہیں کی ہے۔ کیا قادر بخش کے ایسا کہہ دینے اور شہرت دے دینے سے محرم کو عندالشرع طلاق ہوگئی اگر ہوگئی تو محرم کو عندالشرع یہ حق حاصل ہے کہ وہ تحریر جو قادر بخش نے محرم کو دی ہے اس کی پابندی کرانے کی وہ کس حد تک مستحق ہے؟

الجواب

طلاق شوہر کی زبان پر ہے جب وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دے دی طلاق ہوگئی نہ دی تھی تو اب ہوگئی اور رہنے کو مکان دینا مالک کردینا نہیں جب تک ولایت تملیک ثابت نہ ہو اور اُس کے ساتھ اپنے اسباب وغیرہا سے خالی کرکے قبضہ دلادینا ضرور ہے تین سو روپے سالانہ دینا اگر علاوہ نان و نفقہ تھا تو محض ایک وعدہ تھا وعدہ کی بنا پر دعوٰی نہیں ہوسکتا، اشباہ وغیرہ میں ہے:

لاجبر علی الوفاء بالوعد[1] (وعدہ پورا کرنے پر جبر نہیں۔ت)

اور اگر یہ نفقہ مقرر کیا گیا تھا تو طلاق سے ساقط ہوگیا اس کا دعوٰی نہیں کرسکتی، مگر ماہِ رواں کا جس میں اس نے کہا کہ میں نے اُسے طلاق دے دی۔ تنویر میں ہے:

بموت احدھما وطلاقھا یسقط المفروض[2]

خاوند بیوی میں سے ایک کے فوت ہوجانے یا طلاق سے مقررہ نفقہ ساقط ہوجاتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الخیر الرملی وقید السقوط بالطلاق شیخنا الشیخ محمد بن سراج الدین الحانوتی بما اذا مضی شھر فازید وھو قید لابد منه تامل[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

خیرالدین رملی نے فرمایا کہ طلاق کی وجہ سے نفقہ ساقط ہونے کو، ہمارے شیخ محمد بن سراج الدین حانوتی نے ایک ماہ یا زائد گزر جانے سے مقید کیا ہے اور یہ قید ضروری ہے، غور کرو، اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۰، ۱۱۱

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۰

[3] ردالمحتار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۹

مسئلہ ۱۸۹ تا ۱۹۳: از مہاندی ہیڈ ورکس ڈویژن ضلع رائے پور سی پی مرسلہ سردار خاں کلرک ۲۶ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ ہندہ اُس سے سخت بدزبانی اور درشت کلامی سے پیش آتی ہے اور مندرجہ ذیل امور اس نے بغیر اپنے خاوند زید کی رضامندی کے کئے:

(۱) بغیر اجازت زید کے وُہ اپنے مکان سے باہر کئی مرتبہ گئی اور اپنے عزیزوں رشتہ داروں کی شادی میں اُس نے زید کی کئی چیزیں بغیر اجازت ورضامندیٔ زید کے بطور جہیز دے دیں۔

(۲) بلااجازت ومرضیٔ زید اُس نے اپنے چھوٹے بھائی کی لڑکی کو اپنا متبنی کیا اور زیورات، آب و خورش اور ملبوسات سے اُس کی کفالت کرتی رہی، یہ زیورات وغیرہ بھی اُس نے بلااجازت زید کے اُس لڑکی کیلئے زید کی آمدنی سے بنوائے۔

(۳) چونکہ زید کی ملازمت ایسی ہے کہ اُسے گاہے گاہے حکام کے ساتھ دورہ پر ونیز کارِ گورنمنٹ کی بجاآوری کے لئے دوسری جگہ جانا پڑا اس لئے اُس نے ہندہ کو ساتھ چلنے کے لئے کہا مگر اُس نے تعمیل احکامِ زید نہ کی یا اگر کبھی تو کسی بہانہ سے چند روز کے بعد بلا اُس کی رضامندی کے واپس آگئی اس لئے اپنے انتظامات کے خیال سے زید کو دوسری ملازمہ رکھنی پڑی اور مزید خرچ کا بار اٹھانا پڑا۔

(۴) زید نے ان امور کو ضبط اور تحمل سے اس وجہ سے برداشت کیا کہ وہ شریف ہے اور ہندہ بدزبان بدکلام نیز ہندہ کے رشتہ دار اس کے معاون مبادا زیادہ فساد برپا ہو غرض جو کچھ فضول خرچیاں اور دیگر امور بلارضامندی زید کے ہوتے رہے اُنھیں دیکھ کر زید نے خاموشی اختیار کی مگر جب زید نے دیکھا ہندہ کسی طرح راہِ راست پر نہیں آتی تو اس نے اُسے بہت کچھ سمجھایا اور تاکید کی کہ ایسا نہ کرے مگر ہندہ نے بالعوض راستی اختیار کرنے کے زید کو دھمکایا اور اس نے نہایت فحش الفاظ میں بُرا کہا کہ اگر تم اپنے باپ کی اولاد ہو تو ہمیں طلاق دے دو اور ہرگز ہم سے بات نہ کرو،

پس صورت مسئولہ میں تحقیق طلب یہ امور ہیں، بلااجازت زید کے جب ہندہ نے باہر قدم رکھا تو آیا وہ نان ونفقہ کی مستحق ہے یا نہیں؛ ہندہ نے بلااجازت زید کے ایک لڑکی کو اپنی فرزندی میں لیا ونیز خلاف مرضیٔ زید کے اُس کو زیورات ولباس وخورش کی کفیل ہوتی رہی ونیز دورہ ودیگر مقامات میں زید کے ہمراہ نہ رہ کر اس پر مزید خرچہ کا بار ڈالا پس ایسی حالت میں کیا وہ اپنے پُورے مہر کی مستحق ہوسکتی ہے اگرچہ مہر اس کا واجب ہے تو ہندہ جو زید کے ساتھ نہ گئی اور نہ رہی جس کی وجہ سے زید کو مزید خرچہ کا بار پڑا اس کا دین دار کون ہوگا، اور لڑکی متبنی کو زید کی بلااجازت اپنی فرزندی میں لی اور خلاف مرضیٔ زید کے اُس کو زیورات اور لباس وخورش کی کفیل جو ہوتی رہی اُس کا دیندار کون ہوگا، یہ امر ذہن نشین رہے کہ زید نے شرافت کو مدِنظر رکھ کر

آئندہ کے فساد کی مدافعت کے خیال سے جیسا کہ فقرہ ۵ میں مذکور ہے ہندہ کے معاملات میں دخل نہیں دیا۔

(۵) چونکہ ہندہ نے زید کو قسم دی کہ اُسے طلاق دے دے پس ایسی حالت میں خلع کی صورت ہوسکتی ہے کیا۔

الجواب

ہندہ سخت گنہگار ہے مگر صرف اتنی بات کہ اُس نے اپنے مُنہ سے طلاق مانگی خلع نہیں ہوسکتی، نوکر وغیرہ کا مزید بار جو زید پر اپنے آرام کے لئے پڑا ہندہ سے اُس کا مطالبہ نہیں کرسکتا اگرچہ ہندہ کا اس کے پاس نہ رہنا ہی اُس کا باعث ہوا ہو، ہاں جتنے دنوں بے اجازتِ زید زید کے یہاں سے جاکر دوسری جگہ رہی اُتنے دنوں نفقہ نہ پائیگی جو مالِ زید اُس نے اس متبنّی یا اپنے اعزا کی شادیوں یا متبنّی کے خورد ونوش میں بے اجازتِ زید صرف کیا اس کا تاوان ہندہ پر لازم ہے اور ناگواری کے ساتھ زید کا خاموش رہنا اجازت نہ سمجھا جائے گا لا ینسب الی ساکت قول (خاموش کی طرف قول منسوب نہ کیا جائے۔ت) اس سب کا مجموعہ جتنی قیمت کا ہو زید اُس کے مہر میں سے کم کرسکتا ہے لصحۃ جریان المقاصۃ بینھما (کیونکہ خاوند بیوی میں لین دین کا حساب صحیح ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۴، ۱۹۵: از سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ مرسلہ امداد علی خاں ۱۵ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میری زوجہ خاترالعقل ہونے کے باعث اپنی ضروریاتِ زندگی و نفسانی خواہش کو محسوس نہیں کرسکتی یا ظاہر نہیں کرتی۔ نہ میری آبرو اور جان و مال کی حفاظت کرتی ہے بلکہ اشیاء کو خراب و برباد کرتی ہے اور تربیتِ اولاد و پاکیزگی جسم و صوم و صلوٰۃ امورِ شرعیہ و معاملاتِ خانہ داری سے بالکل غافل ہے ہدایت پر عمل نہیں کرتی، جب بیماری شروع تھی تو اس سے تین لڑکے پیدا ہوئے، بے حفاظتی کے باعث بقضائے الٰہی فوت ہوئے، وقت شادی سے جس کو عرصہ تقریباً دس سال کا گزرا ان نقصانات کو برداشت کرتے ہوئے حتی الامکان میں نے اور میری ضعیفہ ماں نے مریضہ کی دلجوئی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہ کی مرض کا یقین ہونے پر حکیموں ڈاکٹروں دائیوں اور عاملوں سے علاج کرانے پر بھی کامیابی نہ ہوئی، مرض مستقل ہوگیا صحت سے مایوسی ہوگئی، تقریباً پانچ سال سے خاموشی طاری ہے اور وہ میری خدمت سے قاصر ہے، اب میری ماں کی رائے اور میری خواہش ہے کہ دوسری عورت سے عقد کیا جائے مگر مریضہ کی ماں نے اس امر سے مطلع ہوکر مجھ سے اور میری ماں سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے اور اسی بنا پر تجاہل عارفانہ سے کام لے کر تمام برادری میں مشہور کرتی ہیں کہ میری بیٹی پاگل نہیں ہے بلکہ اس کے سسرالیوں کے ظلم سے اس کی بدمزاجی بڑھ گئی ہے، اور اپنے اس قول کی تائید کے لئے اپنی بیٹی کو بلا رضامندی اپنے پاس تقریباً چھ ماہ سے رکھ چھوڑا ہے اور چاہتی ہیں کہ میرے پاس ہی اس کے لئے پانچ روپیہ ماہوار خورد ونوش کو مقرر کردو یا ساڑھے پانچ سو روپیہ زر مہر معینہ ادا کرکے اس کو

طلاق دے دو، میں نے مرلضیہ کی ماں سے درخواست کی مہر سے لادعوٰی ہوکر مجھ سے تین روپیہ ماہوار کا اقرارنامہ عمر بھر کے واسطے لکھا لو یہ اس کے خورد و نوش کو کافی ہے مجھے اتنی ہی توفیق ہے اور کل زرِ مہر ادا کرنے کی استطاعت اس وقت مجھے نہیں ہے، وُہ اس درخواست کو منظور نہیں کرتیں، اس صورت میں از رُوئے شرع مجھے کیا عمل کرنا چاہئے؟

دوم یہ کہ مندرجہ بالا صُورت میں دوسرا عقد ہونے پر اگر عورت خاوند کی خدمت و اطاعت کم کرے یا بالکل نہ کرے اور دوسری عورت اُس سے زیادہ خدمت و اطاعت کرے تو حقوق زوجگان میں مساوات رکھنی شوہر کے ذمہ لازمی ہوگی یا کوئی تفریق رہ سکتی ہے اور کیا؟

الجواب

جب تک وُہ آپ کی اجازت کے بغیر اپنی ماں کے یہاں یا کسی دوسری جگہ رہے نفقہ کی مستحق نہیں، اور جب تک طلاق یا موت نہ ہو غیر میعادی مہر واجب الادا نہیں ہوتا۔ دوسری شادی اگر کی جائے اور زوجۂ اولیٰ بھی شوہر کے پاس رہے تو دینے لینے اور شب کو پاس رہنے میں مساوات ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۶ از شہر بریلی محلہ کانکر ٹولہ مسئولہ تلن ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا حالت نابالغی میں نکاح کردیا تھا وُہ اپنے شوہر کے گھر بالغ ہُوئی اور اس کے اولادیں پیدا ہُوئیں حتی کہ اب اُس کے اولاد جوان موجود ہے مگر اسی عرصہ میں وُہ آوارہ اور زانیہ ہوگئی اس سبب سے اُس کے شوہر نے نکال کر اس کے حقیقی بھائی کے گھر پہنچا دیا، بھائی نے پھر اس کو شوہر کے یہاں پہنچا دیا، ایسا قصہ تین چار مرتبہ ہُوا، اور ایک مرتبہ ایسا ہُوا کہ ہندہ کو اُس کے شوہر کے چچا نے اپنی لڑکیوں کی شادی میں بُلوایا اور چودھری نے اس کے شوہر کے یہاں حلقۂ شادی میں پہنچا دیا، مگر صبح کو پھر اس کے شوہر نے اُس کو اُس کے بھائی کے یہاں پہنچا دیا اور ایک مرتبہ ہندہ مذکور کو بھائی نے نہیں رکھا تو وُہ اپنے ماموں کے گھر آئی تو ماموں نے چند روز رکھ کے کہا کہ میں کنبہ والا ہُوں مجھ میں اب طاقت رکھنے کی نہیں ہے اپنے چچا تایاؤں اور دوسرے عزیزوں کے یہاں رہو، برادر لوگ بھائی اور ہندہ کے ماموں کا حقہ پانی بند کرتے ہیں، از رُوئے شرع کے اُن کا حقہ پانی بند ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور ہندہ کا رکھنا کس پر واجب ہوگا؟ چچا یا شوہر یا ماموں اور بھائی وغیرہ کس پر اُس کا روٹی کپڑا مقرر ہوگا یا کوئی بھی رکھنے کا ذمہ دار نہ ہوگا؟ ہندہ کو نکال دیا جائے یا کیا کیا جائے؟ مکرر یہ کہ شوہر نے ہندہ کو ابھی طلاق نہیں دی ہے اور برابر اس کو روٹی کپڑا دیتا ہے سال بھر سے ماقبل کے اپنے بھائی اور ماموں کے سر ہے شوہر کو بوجہ نہ دینے طلاق کے نان و نفقہ ہندہ کو دینا چاہئے یا نہیں؟ اور شوہر کو تحقیق ہو جانے زنا پر فوراً طلاق دینا چاہئے یا روٹی کپڑا بند کرنا چاہئے؟

الجواب

اگر زنا متحقق بھی ہو جائے جب بھی طلاق دینا واجب نہیں جب تک طلاق نہ دے اور ہندہ اُس کے یہاں سے خود نہ نکلے تو روٹی کپڑا شوہر کے ذمہ ہے اُس پر واجب ہے کہ روٹی کپڑا دے یا طلاق دے گا تو ختم عدت تک کا روٹی کپڑا اور مہر اُسے ادا کرنا ہوگا بعد عدت ہندہ مہر وغیرہ اپنے مال سے کھائے گی اگر مال رکھتی ہو یا دوسرے شوہر کے پاس سے اگر دوسرا نکاح کرے اور مال نہ رکھتی ہو نہ کما سکتی ہو نہ دوسرا نکاح ہو تو اس کا روٹی کپڑا اُس کے جوان بیٹے پر واجب ہے بھائی یا چچا یا ماموں وغیرہ پر کچھ نہیں ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۹۷ از کلکتہ دھرم تلا لین مکان حاجی سلیمان یوسف مہ پارہ ۴۵ مرسلہ مولوی سید ابراہیم صاحب مدنی
۱۸ شوال ۱۳۱۹ھ

ماقولکم دام فضلکم معشر علماء الاسلام رحمکم الله تعالٰی فی الدارین فی رجل یشرب الخمر دائما ویهتك ویمزق الاوراق الکریمة التی فیها نقش المسجد الحرام والروضة المطهرة النبویة علیه الف الف صلٰوة وتحیة ویعلق بدلها علی الجدران تصاویر الهة الکفار الفجار، وقد رمی اوراق المتبرکة فی القاذرات ویضرب الزوجة علی اداء الصلٰوة ویمنعها ویضربها اذ لا تشرب الخمر واذا قیل له تعال نذهب الی المسجد فیقول انا اذهب الی المسکرات لاشربها ومالی حاجة الیه ولاینفق علیها النفقة واذا اجبر علی الطلاق لایطلقها ویأبی الطلاق حتی عجزت ورفعت شکواها الی الحاکم فاقر عنده فی الشهر بعشرة مضروبة مسکوکة والان

علماء اسلام کی جماعت ، اللہ تعالیٰ تم پر دونوں جہان میں رحمت فرمائے اور تمہاری فضیلت کو دائم رکھے ، آپ کا کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو ہمیشہ شراب پیتا ہے اور مسجد حرام اور روضہ مطہرہ نبی پاک ان پر ہزار ہزار صلٰوۃ وسلام ہوں کے نقش والے مبارک اوراق کی ہتک کرتے ہوئے ان کو پھاڑتا ہے اور دیوار پر ان کی جگہ کافروں کے بتوں کی تصاویر کو آویزاں کرتا ہے اور اس نے مبارک اوراق کو گندگی میں پھینکا ہے اور بیوی کو نماز سے روکتا اور مارتا ہے اور اسے شراب نہ پینے پر مارتا ہے ، اور جب اسے مسجد میں جانے کے لئے کہا جاتا ہے تو کہتا ہے میں تو شراب خانوں میں جاکر شراب نوشی کروں گا اور مجھے مسجد میں جانے کی ضرورت نہیں ہے ، اور بیوی کو نفقہ نہیں دیتا اور جب اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے تو وہ انکار کرتے ہوئے بیوی کو طلاق نہیں دیتا حتی کہ بیوی نفقہ سے عاجز ہو کر حاکم سے شکایت کرتی ہے تو وہ حاکم کے پاس بیوی کو ماہانہ دس روپے دینے کا اقرار کرتا ہے جبکہ اب تک

صارت ثلث سنین ما اعطاھا شیأ من ذٰلك فما حکمه فی الصور المرقومة ھل بقیت زوجته فی النکاح ام لا وھل یحکم بکفرہ ام لا فاذا بطل نکاحه بالامور المذکورة ھل یجوز لھا ان تنکح رجلا اٰخر للضرورة والظاھر انھا لا تجد من یقرضھا وھل استحسن الاحناف ان ینصب القاضی الحنفی نائبا شافعی المذھب یفرق بینھما اذا کان الزوج حاضرا وابی عن الطلاق لان دفع الحاجة الدائمة لایتیسر بالاستدانة فالتفریق امر ضروری بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

تین سال ہوچکے ہیں اس نے بیوی کو کچھ نہیں دیا، تو ان تمام مذکورہ صورتوں میں اس شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں باقی ہے، اور کیا اس کے کافر ہوجانے کا حکم ہوگا یا نہیں، تو کیا مذکور امور کی وجہ سے جب اس کا نکاح باطل ہے تو بیوی دوسرے شخص سے ضرورت کی بنا پر نکاح کرسکتی ہے جبکہ ظاہر یہ ہے کہ نفقہ کے لئے اس کو قرض دینے والا کوئی نہیں ملتا اور کیا احناف نے حنفی قاضی کے لئے کسی شافعی مذہب والے کو اپنا نائب بنانا پسند کیا ہے تاکہ وہ شافعی مذہب کے مطابق خاوند کی موجودگی میں اس سے طلاق کا مطالبہ کرے اور انکار پر وہ دونوں میں تفریق کا فیصلہ دے، کیونکہ بیوی کی دائمی نفقہ کی حاجت قرض سے پوری ہونا آسان نہیں ہے اس بنا پر دونوں میں ضرورت کی وجہ سے تفریق کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ کتاب کے حوالے سے بیان کرو اور قیامت کے روز اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب

اللھم لك الحمد رب انی اعوذبك من ھمزات الشیطین واعوذبك رب ان یحضرون کل ما وصف فی السوال فما للرجل من سیئ الافعال واسوء الاقوال فکبائر متناھیة فی الاثم والوبال وکله کفر علی الاحتمال فان شرب الخمر کبیرة والادمان اکبر وصحبه استحلال لھا او استخفاف بحرمتھا فقد کفر وتمزیق الاوراق الکریمة المذکورات

یا اللہ! تیرے لئے ہی حمد ہے، اے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور اے رب! میں شیطانوں کی موجودگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ سوال میں شخص مذکور کے بُرے افعال اور بدترین اقوال جو ذکر کئے گئے ہیں وہ گناہ اور وبال میں انتہائی کبیرہ ہیں، اور تمام کفر کا احتمال رکھتے ہیں کیونکہ شراب پینا کبیرہ گناہ ہے اور اس پر دوام اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور اگر اس کے ساتھ وہ حلال جان کر اور شراب کی حرمت میں تخفیف جان کر پیتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اور مبارک اوراق کو پھاڑنا اور

والقاء وهافي موضع القاذورات ان كان
مبنيا على اصول الوهابية النجدية
خذلهم الله تعالیٰ من ان ذلك بدعة و
البدعة تزال فجهل وضلال واستحقاق
لعذاب ونكال وان قصد اهانة
تلك البقاع فكفر بواح وارتداد صراح و
تعليق تلك التصاوير النجسة على الجدران
ان كان على مايتعاداد المجان يزعمون فيه
تزيين المكان غير متعمدين الى الكفر من
الكفران فكبيرة خبيثة تدعوا الى النيران
وتبعد الملئكة وتقرب الشيطان وان وقع على
جهة استحسان صنيع الكفار وتعظيم الٰهة اصحاب
النار فكفر صريح جلى الاكفار وضرب المرأة
على اداء الصلوٰة ومنعها منه وضربها
على ترك شرب الخمر واباءها عنه كل
ذٰلك تناهٍ في التشيطن والبغي والتفرعن و
ان كان مع ذٰلك ينكر فرضية الصلوٰة او
حرمة الخمر او يستخف بالشرع والنهي والامر
فكفر واضح وارتداد فاضح واعراضه
عن المسجد خير الاماكن ومكابرة
الداعي الى الله بذلك القول الخبيث
المنتن فهو به للكفر اقرب منه للايمان
وبالله العياذ من مجون
المجان فان كان قاله
على نهج الملاعبة فيالها

ان کو گندگی میں پھینکنا اگر بدنامِ زمانہ نجدی وہابیوں کی
روش پر مبنی ہے کہ یہ بدعت ہیں اور بدعت کو ختم کرنا چاہیے
تو یہ جہالت، گمراہی اور عذاب وسزا کا مستحق بنتا ہے اور
اگر اس عمل سے اس کا مقصد اوراق پر تصویروں والے
مقامات کی اہانت وتحقیر مقصود ہے تو یہ کھلا کفر اور
واضح طور پر ارتداد ہے۔ اور بتوں کی ناپاک تصویروں
کو دیواروں پر آویزاں کرنا اگر ویسے عادت کے طور پر کہ
اس کو پاگل لوگ مکانات کی زینت سمجھتے ہیں اور کسی کو کفر
کی طرف تجاوز نہ کیا ہو تو یہ خبیث ترین کبیرہ گناہ ہے جو جہنم
میں لے جانے والا فرشتوں کو دُور اور شیطانوں کو قریب
کرنے والا ہے، اور اگر یہ کام کفار کی رسم کو پسند کرتے
ہُوئے اور دوزخیوں کے معبودوں کی تعظیم کے طور پر
کیا ہو تو صریح کفر جو اس کی تکفیر کا باعث ہے، بیوی
کو نماز کی ادائیگی پر مارنا اور اس سے منع کرنا اور شراب
نہ پینے پر اور شراب نوشی سے انکار پر اس کو مارنا تو
یہ تمام انتہائی شیطنت، فرعونیت اور بغاوت ہے
اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نماز کی فرضیت اور شراب کی
حرمت کا منکر ہے اور شریعت اور اس کے اوامر اور
نواہی کی تحقیر کرتا ہے تو یہ کھلا کفر ہے اور رُسوا کُن ارتداد
ہے۔ اس کا بہترین مکان جو مسجد ہے سے اعراض کرنا
اور اللہ تعالیٰ کی دعوت سنانے والے کو مکابرہ کے طور
پر خبیث اور بدبُو والی بات کہنا (کہ میں شراب خانے
جاؤں گا مجھے مسجد کی ضرورت نہیں ہے) تو اس سے
وُہ کفر سے قریب اور ایمان سے دُور ہوگیا (پاگلوں
کے پاگل پن سے اللہ تعالےٰ کی پناہ)، تو یہ بات

من كبيرة كثيرة الشناعة والا فالكفر ظاهر فيه لا شك يعتريه بيد ان الكفر امر شديد لا يحكم به مع احتمال الاسلام ولو من بعيد والمرأة لا تبين الا بتفريق مبين اوكفر متبين نعم يؤمر بالتوبة عن تلك القبائح ثم بعد ذلك بتجديد النكاح، فی جامع الفصولین اواخر الفصل ۳۸ قیل له یا یک درم بده تا بعمارت مسجد صرف کنم یا به مسجد بیا بنماز فقال من نه بمسجد آیم و نه درہم دہم مرا بمسجد چه کار وھو مصر علی ذلك لا یکفر ولکن یعزر[1] واما التفریق لعدم الانفاق و الزوج حاضر موسر قادر فلم یقل به حنفی ولا شافعی بل نص علی خلافه الامام الشافعی فلا سبیل للمرام الا الاشتکاء الی الحکام لیجبروه علی الانفاق وان لم یرضه فعلی الطلاق لقوله تعالٰی فامسکوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف[2]،

اگر کھیل میں رغبت کے طور پر کی ہے تو یہ کتنی بڑی جرأت کبیرہ ہے اور بہت زیادہ قابلِ نفرت ہے، ورنہ یہ کُھلا کفر ہے جس میں کوئی شک نہیں، تاہم کُفر شدید معاملہ ہے، تو جب تک اسلام کا پہلو نکل سکتا ہے کفر کا حکم نہ لگایا جائے، اگرچہ اسلام کا احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو، جبکہ بیوی صرف قاضی کی تفریق یا واضح کفر کی بناء پر ہی نکاح سے خارج ہوگی، ہاں ایسے شخص کو اس کی مذکورہ قباحتوں پر توبہ کرنے اور پھر بعد میں تجدیدِ نکاح کا حکم کیا جائے، جامع الفصولین کی فصل نمبر ۳۸ کے آخر میں ہے کسی شخص کو کہا کہ مسجد کی عمارت کے لئے ایک درھم چندہ دے یا اس کو کہا گیا مسجد میں آکر نماز پڑھ، تو اس نے جواب میں یُوں کہا کہ میں نہ مسجد میں آتا ہُوں اور نہ درہم دیتا ہُوں مجھے مسجد سے کیا کام، اور اس نے اصرار کیا ہو تو اُسے کافر نہ کہا جائے گا لیکن تعزیر لگائی جائیگی، لیکن خرچ نہ دینے پر جب خاوند حاضر ہو اور امیر ہو نفقہ دینے پر قادر ہو تو اس صورت میں کسی حنفی نہ کسی شافعی نے تفریق کا قول کیا ہے بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے اس کے خلاف تصریح کی ہے لہذا خاوند جب قادر ہو اور امیر ہو تو پھر مقصد بر آری کی یہی صورت ہے کہ حکام سے بیوی شکایت کرے تاکہ وہ خاوند کو نفقہ دینے پر مجبور کریں اگر نفقہ دینے پر راضی نہ ہو تو پھر اس کو طلاق دینے پر مجبور کریں کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۱

فی ردالمحتار عن غرر الاذکار ثم اعلم ان مشائخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی نائبا ممن مذهبه التفریق بینهما اذا کان الزوج حاضرا وابی عن الطلاق لان دفع الحاجة الدائمة لایتیسر بالاستدانة اذالظاهر انها لاتجد من یقرضها وغنی الزوج مآلا امر متوهم فالتفریق ضروری اذا طلبته وان کان غائبا لایفرق لان عجزه غیر معلوم حال غیبته وان قضی بالتفریق لاینفذ قضاؤه لانه لیس فی مجتهد فیه لان العجز لم یثبت اھ[1] فانظر الی قوله وغنی الزوج مآلا امر متوهم وقوله فی الغائب لان عجزه غیر معلوم یرشدانك ان الکلام انما هو فی العاجز المعسر دون القادر المستکبر وانظر اٰخر الکلام یفیدك ان القضاء بالتفریق حیث لم یثبت عجزه باطل سحیق وقد قال فی ردالمحتار ایضا قبله

بیویوں کو اچھی طرح رکھو یا اُن سے بھلائی کے ساتھ جدائی کرلو۔ ردالمحتار میں غرر الاذکار سے منقول ہے کہ ہمارے مشائخ نے یہ پسند کیا ہے کہ حنفی قاضی کسی شافعی یا اس شخص کو جس کا مذہب یہ ہو کہ نفقہ نہ دینے پر حاضر خاوند کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے اگر طلاق نہ دے تو قاضی تفریق کرے، اپنا نائب بنا کر اس سے تفریق کرائے کیونکہ نفقہ کی حاجت دائمی ہے جو کہ بیوی کے قرض اٹھانے پر پوری نہیں ہوسکتی کیونکہ ظاہر میں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جو اس کو قرض دیتا رہے جبکہ خاوند کا بالآخر غنی ہو کر نفقہ ادا کرنا موہوم بات ہے تو بیوی کے مطالبہ پر اس صورت میں تفریق ضروری ہے، اور مذکورہ صورت میں اگر خاوند غائب ہو تو تفریق نہ کی جائے کیونکہ غائب ہونے کی صورت میں خاوند کا نفقہ سے عجز معلوم نہ ہوسکے گا اس صورت میں اگر تفریق کردی تو وہ نافذ نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں تفریق مجتہدین کے ہاں زیر بحث مسئلہ نہیں ہے کیونکہ خاوند کا عجز معلوم نہیں ہے، اھ۔ اس عبارت میں "بالآخر خاوند کا غنی ہونا موہوم ہے" اور غائب ہونے والے کے بارے میں "یہ کہ اس کا عجز معلوم نہیں" پر غور کریں تو یہ رہنمائی ملتی ہے کہ تفریق کی بات صرف خاوند کے تنگدست اور عاجز ہونے کی صورت میں ہے، نہ کہ قادر اور ہٹ دھرم خاوند کی صورت میں، اور پھر مذکورہ کلام کا آخری حصہ تو واضح طور پر بتا رہا ہے کہ جب خاوند کا عجز ثابت نہ ہو تو وہاں تفریق کا فیصلہ

---

[1] ردالمحتار باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۶

مانصه والحاصل ان عند الشافعی اذا اعسر الزوج بالنفقة فلها الفسخ و کذا اذا غاب وتعذر تحصیلها منه علی ما اختاره کثیرون منهم لکن الاصح المعتمد عندهم ان لا فسخ مادام موسرا وان انقطع خبره وتعذر استیفاء النفقة من ماله کما صرح به فی الأم قال فی التحفة (یعنی سیدنا الامام الشافعی رضی الله تعالٰی عنه) قال (یعنی العلامة ابن حجر المکی الشافعی رحمه الله تعالٰی بعد نقله ذلك فجزم شیخنا (یعنی العلامة شیخ الاسلام زکریا الانصاری) فی شرح منهجه، ان القول بالفسخ فی منقطع خبر لامال له حاضر مخالف للمنقول کما علمت[1] الخ وفی کتاب الانوار للامام یوسف اردبیلی الشافعی رحمه الله تعالٰی لو امتنع مع القدرة او غاب مع الیسار اوقدرت علی ماله فلا خیار[2]، وفیه ولو جهل حال الغائب من الیسار والاعسار او شك فی یساره فلا خیار لان

بالکل باطل ہے جبکہ ردالمحتار میں مذکور کلام سے قبل بھی فرمایا، عبارت یُوں ہے، الحاصل امام شافعی کے ہاں جب خاوند تنگدست قرار پائے تو بیوی کو فسخ کے مطالبے کا حق ہوتا ہے اور یُونہی اگر خاوند غائب ہو اور اس کے ملنے کی امید نہ ہو تو بھی نفقہ کی ناامیدی پر اکثر شوافع حضرات کے ہاں فسخ مختار ہے لیکن ان کے مذہب میں معتمد علیہ اور اصح یہ ہے کہ اس وقت تک فسخ کا اختیار نہیں جب تک اس کی تنگدستی ثابت نہ ہو جائے اگرچہ غائب ہو کر اس کی کوئی خبر نہ ہو اور اس کے مال سے بیوی کے لئے نفقہ کی کوئی صورت نہ بن پاتی ہو، جیسا کہ امام شافعی کی کتاب "الاُم" میں تصریح ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے تحفہ میں فرمایا، علامہ ابن حجر مکی شافعی نے یہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ہمارے شیخ یعنی شیخ الاسلام زکریا انصاری نے اپنی منہج کی شرح میں یہ جزم فرمایا ہے کہ ایسے غائب شخص جس کی کوئی خبر نہ ہو اور اس کا مال بھی موجود نہ ہو، تو فسخ کا فیصلہ منقول کے خلاف ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا ہے۔ امام یوسف اردبیلی شافعی کی کتاب "الانوار" میں ہے کہ خاوند قادر ہونے کے باوجود نہ دے، یا امیر ہونے پر وُہ غائب ہو، یا بیوی اس کے مال سے نفقہ حاصل کرنے پر قادر ہو تو پھر فسخ کا اختیار نہیں ہے، اور اسی میں ہے کہ اگر غائب ہو اور اس کی تنگدستی یا تونگری معلوم ہو یا اس کے حال میں شک ہو تو فسخ کا اختیار نہیں ہوگا، کیونکہ فسخ کا

---

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۶
[2] الانوار

السبب لو یتحقق ویفھم من ھذا انه لو غاب معسرا او مضت مدة فلا خیار لها لاحتمال الیسار[1]، وفی شرح الکمثری قال فی التحفة والمنهاج والاصح ان لا فسخ بمنع موسر او متوسط حضر او غاب لتمکنها منه ولو غائبا کماله بالحاکم والمعتمد ما فی المتن و من ثم صرح فی الام بانه لا فسخ مادام موسرا وان انقطع خبره و تعذر استیفاء النفقة من ماله و المذهب نقل کما قاله الاذرعی فجزم شیخنا فی شرح منهجه بالفسخ فی منقطع خبر لا مال له حاضرا مخالف للمنقول کما علمت ولا فسخ بغیبته من جهل حاله یسارا او اعسارا بل لو شهدت بینة انه غاب معسرا فلا فسخ ما لم یشهد باعساره الان اھ کلام التحفة[2] اھ باختصار، وفی تعلیقاته للفاضل ابراھیم الشافعی جزم فی شرح منهجه بالفسخ فی منقطع خبر

سبب موجود نہیں ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر خاوند تنگدست غائب ہوا اور کچھ مدت گزر جائے تو بھی اختیارِ فسخ نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اب وہ امیر بن چکا ہو۔ کمثری کی شرح میں ہے کہ تحفہ اور منہاج میں فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ امیر خاوند غائب ہو یا متوسط حال والا حاضر ہو یا غائب تو فسخ نہیں ہوگا کیونکہ بیوی کو نفقہ کا حصول ممکن ہے جیسا کہ غائب ہونے کی صورت میں اس کا مال موجود ہو تو قاضی کے ذریعہ حاصل کرسکتی ہے اور قابلِ اعتماد وہ ہے جو متن میں ہے، اسی لئے الام میں تصریح ہے کہ امیر خاوند غائب ہو اگرچہ اس کی کوئی خبر نہ ہو اور اس کے مال سے نفقہ حاصل کرنا مشکل ہو، یہی مذہب منقول ہے، جیسا کہ اذرعی نے فرمایا کہ ہمارے شیخ نے اپنی منہج کی شرح میں فرمایا کہ ایسا غائب جس کی کوئی خبر نہ ہو اور حاضر مال بھی نہ ہو تو اس صورت میں فسخ کا قول منقول مذہب کے خلاف ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا ہے، اور فسخ جب بھی نہیں کہ غائب شخص کے تنگدست یا امیر ہونے کا علم نہ ہو بلکہ گواہوں نے شہادت بھی دی ہو کہ غائب ہونے والا تنگدست ہے تب بھی فسخ نہیں کہ یہ شہادت موجودہ حال کی نہیں ہے" تحفہ کا کلام ختم ہوا، اھ، اختصاراً۔ الفاضل ابراہیم شافعی نے اپنی تعلیقات میں فرمایا کہ شیخ نے اپنی منہج کی شرح میں اس پر جزم کیا ہے کہ وہ غائب جس کی خبر

---

[1] الانوار

[2]

لا مال له قال ابن حجر وھو خلاف المنقول فانه صرح فی الام بانه لا فسخ مادام موسر او ان انقطع خبرہ وتعذر استیفاء النفقۃ من مالہ[1] اھ وفی قرۃ العین بمھمات الدین وشرحھا فتح المعین کلاھما للعلامۃ زین الدین الشافعی تلمیذ الامام ابن حجر المکی رحمھما اللہ تعالٰی (فسخ نکاح من اعسر فلا فسخ) علی المعتمد (بامتناع غیرہ) موسرا او متوسطا من الانفاق حضر او غاب (و) لا فسخ (قبل ثبوت اعسارہ) باقرارہ او بینۃ تذکر اعسارہ الاٰن ولا تکفی بینۃ ذکرت انہ غاب معسرا[2] اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم۔

معلوم نہ ہو اور اس کا مال نہ ہو تو فسخ ہوگا جبکہ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ منقول مذہب کے خلاف ہے کیونکہ امام شافعی نے الام میں تصریح کی ہے کہ غائب شخص جس کی خبر معلوم نہ ہو وہ جب تک امیر ہے اور اس کے مال سے نفقہ پورا کرنا مشکل ہو تو بھی فسخ نہ ہوگا۔ علامہ زین الدین شافعی تلمیذ امام ابن حجر مکی رحمہما اللہ تعالٰی کی دونوں کتب، قرۃ العین بمہمات الدین، اور اس کی شرح فتح المعین، میں ہے کہ تنگدست کا نکاح فسخ ہوگا اور معتمد قول کے مطابق کسی ایسے شخص کا جو امیر ہو یا متوسط ہو اور وہ نفقہ نہ دے خواہ حاضر ہو یا غائب کا نکاح فسخ نہ ہوگا تنگدستی کا ثبوت اس کے اقرار سے ہوگا یا شہادت سے ہوگا جس میں یہ ذکر ہو کہ اب تنگدست ہے اس میں یہ ذکر کافی نہیں کہ غائب ہوا وقت وہ تنگدست تھا اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۸: از ہوڑہ رام کشٹو پور محلہ بانس تلا گھاٹ روڈ مرسلہ محمد حسن رضا خاں صاحب
۱۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت پردہ نشین اپنے شوہر کی مطلقہ ہے، بعد عدت عقد ثانی کیا، بعد گزرنے ایک برس میکے آئی اور ذاتی یا زوجی تکلیف کی وجہ کر شوہر ثانی کے یہاں جانا پسند نہیں کرتی ہے اور اُس سے خلع چاہتی ہے اور شوہر اولی کی موافقت کو پسند کرتی ہے، شوہر ثانی باعث جہالت اور بہکانے دوسروں کے طلاق نہیں دیتا اور نہ کافی طور پر بی بی کا حق ادا کرسکتا ہے اور صورت اوقات بسری عورت کی ذاتی حیثیت کچھ بھی نہیں اور نہ میکے میں فراغت، پردہ بھی فرض ہے اور کھانا کپڑا بھی واجب، پھر ایسے موقعہ میں کیوں اقتدار مسائل حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ چاروں امام جب کہ برحق ہیں اور اگر اقتدا امام شافعی کی کی جائے تو حقیقت اس مسئلہ کی کیا ہے، ایسی حالت میں پیروی دوسرے

---

[1] تعلیقات
[2] فتح المعین شرح قرۃ العین عامر الاسلام پور پرس ترونگاری کبیر ص ۴۲۴ تا ۴۲۷

امام کی نہ کرنے سے خوف غلبہ شیطان کا ہے نہ معلوم کس گناہ کبیرہ میں مرتکب ہو اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ضرورۃً اور مصلحۃً اقتداء لازم ہے۔

الجواب

قرآن عظیم نے شوہردار عورتوں کو حرام قطعی فرمایا سائل کے گول لفظ شرط مذہب شافعی کو پورا نہیں کرتے، عورتوں کو ہوائے نفس کا اتباع کرنا اور اُسے کسی امام دین کے سر رکھنا کوئی دین نہیں نہ حنفی اس پر فتوے کا مجاز بلکہ اگر حنفی حاکم شرعی اس پر حکم دے گا قضا نافذ نہ ہوگی، درمختار میں ہے:

لایفرق بینھما بعجزہ عنھا ولا بعدم ایفائہ حقھا ولو قضی بہ حنفی لم ینفذ۔[1]

حنفی مذہب میں نفقہ سے عاجز ہونے یا بیوی کا حق پورا نہ کرنے پر تفریق نہ ہوگا اگر کسی حنفی نے یہ تفریق کی تو نافذ نہ ہوگی۔(ت)

چارہ کار حکومت کی طرف رجوع ہے کہ وہ اُسے دو باتوں میں سے ایک پر مجبور کرے یا ادائے نفقہ یا طلاق، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۹

کتاب الایمان

مسئلہ ۱۹۹ ۵ جمادی الآخرہ ۱۳۰۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ الحمد للہ رب العٰلمین ○ والعاقبۃ للمتقین ○ والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ○

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مقدمہ میں کہ زید نے قسم مغلظ کھائی ساتھ اس معاہدہ کے کہ اگر میں بکر سے کسی وقت میں ہمکلام ہوں تو زوجہ میری کو طلاق ہے چنانچہ بعد اس عہد کے بکر نے وفات پائی اور زید قبر پر گیا اور احکام شرعیہ کو کام میں لایا یعنی سلام علیکم کہہ کر فاتحہ قبر پر زید نے پڑھی تو اس صورت میں زوجہ زید پر طلاق عائد ہوئی یا نہیں؟ فقط

الجواب

الحمد الکثیر للحی القدیر، والصلوٰۃ والسلام علی السمیع البصیر وآلہ وصحبہ الی یوم المصیر۔

کثیر ترین حمدیں زندہ قدرت والے کے لئے ہیں، صلوٰۃ وسلام کامل سمع وبصر والے پر اور اُن کی آل واصحاب پر تا یوم القیامۃ۔ (ت)

صورتِ مستفسرہ میں زنِ زید پر طلاق نہ ہُوئی، جامع صغیر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی میں ہے:

محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم رجل قال

امام محمد نے امام ابو یوسف سے اور انھوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا کہ ایک شخص نے دوسرے

لاخر ان ضربتك فعبدی حرفمات فضربه قال فهو علی الحیٰوۃ وکذٰلك الکسوۃ والکلام والدخول[1] انتہی۔

کو کہا اگر میں تجھے ماروں تو میرا غلام آزاد ہے، دوسرے کے فوت ہونے کے بعد اس نے اسے مارا (تو قسم نہ ٹوٹے گی) یُوں ہی لباس، کلام یا دخولِ دار کی قسم کھائی ہو تو وُہ بھی فوت ہونے کے بعد کارروائی پر نہ ٹوٹے گی کہ ان قسموں کا تعلق زندہ سے ہوتا ہے اھ (ت)

وجہ اس کی یہ ہے کہ بنائے یمین عرف پر ہے اور عرف میں اس سے کلام بعد الموت مقصود و مفہوم نہیں ہوتا نہ بعد موت کلام وسلام کو یہ کہتے ہیں کہ زائر میت سے باتیں کر رہا ہے اگرچہ حقیقۃً وشرعاً کلام وسلام ہے جیسے قسم کھانے والا کہ گوشت نہ کھائے گا مچھلی کھانے سے حانث نہ ہوگا اگرچہ حقیقۃً وشرعاً گوشت اس پر بھی صادق،

قال اللہ تعالٰی لتاکلوا منہ لحما طریا[2]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم دریا سے تازہ گوشت کھاؤ۔ (ت)

ولہذا اگر قسم کھائی کہ کلام نہ کرے گا اور قرآن پڑھا تسبیح وتہلیل کی، حانث نہ ہوگا، حالانکہ حقیقۃً وشرعاً یہ بھی کلام ہے

قال اللہ تعالٰی الیہ یصعد الکلم الطیب[3] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمٰن سبحان اللہ وبحمدہ سبحٰن اللہ العظیم[4]۔ رواہ البخاری۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اسی کی طرف طیب کلمات اُٹھتے ہیں۔ اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: دو کلمے زبان پر خفیف، ترازو میں بھاری، اللہ تعالٰی کے ہاں محبوب ہیں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم، اس کو بخاری نے روایت کیا (ت)

یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں اگر قسم کھائی زید سے کلام نہ کروں گا اور زید نماز جماعت میں اس کے برابر کھڑا تھا سلام پھیرتے وقت اس کی طرف منہ کرکے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا حانث نہ ہُوا اگرچہ اس سلام میں نیتِ حاضرین کا قطعاً حکم ہے اسی طرح اگر جس کی نسبت قسم کھائی تھی وہ امام ہُوا اور نماز میں بھولا اس نے بتایا یا قرات میں لقمہ دیا حانث نہ ہوگا حالانکہ یہ قطعاً اُس سے خطاب ہے اور خاص بقصد خطاب صادر،

فی الھندیۃ لوحلف لایتکلم ولا نیۃ

ہندیہ میں ہے کسی نے قسم کھائی کہ کلام نہ کروں گا اور

---

[1] جامع الصغیر باب الیمین فی القتل والضرب مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۴۷

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۳

[3] القرآن الکریم ۳۵/ ۱۰

[4] صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۲۹

له فصلی وقرأ فیها اوسبح او هلل لم یحنث وقال الفقیه ابو اللیث ان عقد یمینه بالفارسیة لایحنث بالقراءة والتسبیح خارج الصلوٰة ایضا للعرف فانه یسمی قارئا ومسبحا لامتکلما وعلیه الفتوی کذا فی الکافی[1] اھ ملخصاً۔

خاص نیت نہ کی، تو نماز پڑھنے میں قراءت کرنے، تسبیح وتہلیل کرنے پر قسم نہ ٹوٹے گی۔ اور ابواللیث فقیہ نے فرمایا اگر کسی نے فارسی زبان میں قسم کھائی کہ بات نہ کروں گا، تو خارج از نماز قراءت کرنے اور تسبیح پڑھنے پر بھی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ اس عمل والے کو عرف میں قاری اور تسبیح پڑھنے والا کہا جاتا ہے کلام کرنے والا نہیں کہا جاتا، اور اسی پر فتوٰی ہے جیسا کہ کافی میں ہے اھ ملخصاً (ت)

اسی میں ہے:

اذا حلف لایکلم فلانا فاقتدی الحالف بالمحلوف علیه فسها المحلوف علیه فسبح له الحالف لم یحنث کذا فی المحیط[2]۔

اگر قسم کھائی کہ وُہ فلاں سے بات نہ کرے گا، تو اس کی اقتدار میں نماز پڑھتے ہُوئے وُہ بھول جائے تو قسم کھانے والے نے اسے سبحان اللہ کہہ کر لقمہ دیا تو حانث نہ ہوگا، یعنی قسم نہ ٹوٹے گی جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

کذا اذا سلم عن الصلوٰة وفلان عن جنبه کذا فی العتابیة[3]۔

یونہی جب نماز سے سلام پھیرے اور وُہ فلاں اس کے پہلو میں ہو، جیسے کہ عتابیہ میں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لوکان المحلوف علیه اماما والحالف مقتدیا به ففتح علی الامام لایحنث[4] الخ۔

جس کے متعلق قسم کھائی اگر وُہ امام ہو اور قسم کھانے والا مقتدی ہو تو امام کو لقمہ دینے پر وُہ حانث نہ ہوگا، الخ (ت)

اسی طرح صدہا مسائل میں جن کا ماخذ وہی عرف پر احکام ایمان کی بنا ہے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۱۷ شعبان ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے قسمیہ کہا کہ یہ کام کر، اور اس نے

---

[1] و [2] و [3] و [4] الفتاوی الہندیۃ الباب السادس فی الیمین علی الکلام نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۹۷

نہ کیا تو بہ سبب انکار اُس کام کے عمرو پر قسم عائد ہوتی ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

کسی کے قسم دلانے سے نہ اُس پر قسم عائد ہو نہ اُس کام کا کرنا واجب ، حدیث میں ہے حضور اقدس صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : لا تقسم[1] قسم نہ دو ۔ معلوم ہوا کہ قسم دلانے سے ماننا واجب نہیں ہوتا ، ہاں اگر حرج نہ ہو تو مان لینا مستحب ہے کما نص علیہ الفقہاء الکرام (جیسا کہ اس پر فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ۔ ت) و اللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۱ : قرآن مجید کی قسم کھانے سے قسم ہوجاتی ہے یا نہیں ؟ اور اس کا کفارہ کیا ہے ؟ اور اگر کسی گناہ کرنے پر قسم کھائی ہو تو اُسے توڑے یا کیا کرے ؟ اور جو شخص دوسرے کو دھوکا دینے کے لئے قسم کھائے اُس کے پُورے کرنے کا دل میں ارادہ نہ ہو اُس کا کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

قرآن مجید کی قسم شرعاً قسم ہے ،

فی الدرالمختار قال الکمال لایخفی ان الحلف بالقراٰن الاٰن متعارف فیکون یمینا[2] انتہی۔

درمختار میں ہے کہ کمال نے فرمایا کہ مخفی نہ رہے کہ آجکل قرآن پاک کی قسم متعارف ہو چکی ہے لہذا یہ قسم قرار پائیگی اھ (ت)

اسی میں ہے ،

الایمان مبنیة علی العرف فما تعورف الحلف بہ فیمین ومالا فلا[3] انتہی۔

قسموں کی بناء عرف پر ہے ، تو عرف میں جس چیز کی قسم متعارف ہوجائے وہ قسم قرار پائے گی ، اور جو متعارف نہ ہو قسم نہ ہوگی اھ (ت)

اور قسم اگر امر مستقبل پر ہے جس کا کرنا اس کے قبضۂ اقتدار میں ہے تو اُس کے جھوٹا کرنے میں گناہ ہے اور کفارہ اُس کا رافع بشرطیکہ وہ کسی معصیت پر نہ ہو مثلاً شراب پیے گا یا نماز نہ پڑھے گا کہ اُس کا تو جھوٹا کرنا پھر کفارہ دینا واجب ہے

فی الدرالمختار و منعقدة وھی حلفہ علی مستقبل اٰت یمکنہ وفیہ الکفارة

درمختار میں ہے : یمین منعقدہ اور وہ ہوتی ہے کہ آئندہ ممکنہ چیز کے متعلق حلف دیا جائے ، اس میں حانث

---

[1] مسند احمد بن حنبل | مروی از عبداللہ ابن عباس | دارالفکر بیروت | ۱/۲۱۹

[2] الدرالمختار | کتاب الایمان | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۹۱

[3] ایضاً

ان حنث وھی ای الکفارۃ ترفع الاثم وان لم توجد منہ التوبۃ معہا ای مع الکفارۃ[1] سراجیۃ اھ ملخصا، وفیہ ایضا من حلف علی معصیۃ کعدم الکلام مع ابویہ او قتل فلان وجب الحنث والتکفیر لانہ اھون الامرین[2]۔

ہونے پر کفارہ ہوتا ہے، اور وہ کفارہ قسم کے گناہ کو ختم کردیتا ہے اگرچہ اس کے ساتھ توبہ نہ بھی کرے، سراجیہ اھ ملخصا۔ اس میں یہ بھی ہے اگر کسی نے گناہ پر قسم کھائی مثلاً کہا میں والدین سے بات نہ کروں گا یا فلاں کو قتل کروں گا، تو اس پر لازم ہے کہ وہ حنث کرے (یعنی قسم توڑ دے) اور کفارہ دے دے کیونکہ یہ کفارہ اس گناہ کے مقابلہ میں کم تر ہے (ت)

اور کفارہ ایک غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو متوسط کھانا یا کپڑا دینا جو تین مہینہ سے زیادہ چلے اور سب بدن ڈھک لے، اور جو کچھ نہ ہوسکے تو متواتر تین روزے رکھنا ہے،

فی الدر المختار وکفارتہ تحریر رقبۃ او اطعام عشرۃ مساکین کما فی الظہار او کسوتہم بما یصلح للاوساط وینتفع بہ فوق ثلثۃ اشہر ویستر عامۃ البدن فان عجز عنہا کلہا وقت الاداء صام ثلثۃ ایام ولاء[3] اھ ملخصا۔

درمختار میں ہے کہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ گردن آزاد کرے، یا دس مسکینوں کو کھانا دے جیسا کہ ظہار میں ہوتا ہے، یا دس مسکینوں کو درمیانہ لباس دے جو عام بدن کو ڈھانپ لے اور کم از کم تین ماہ تک وہ لباس کام دے۔ اور اگر ان امور کی ادائیگی سے عاجز ہو تو مسلسل تین دن روزے رکھے اھ ملخصاً (ت)

اور اپنی بریت کو مغالطہ مسلمین کے لئے قصداً جھوٹی قسم کھانا کہ زبان سے قسم کھانا اور دل میں اس کے خلاف پر عزم رکھتا ہو ہرگز جائز نہیں، اور احترام نام پاک الٰہی سے بالکل خلاف ہے، حق سبحٰنہ وتعالٰی نے قرآن عظیم میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو قسموں کو اپنی سپر بناتے ہیں، کفارہ اس لئے مقرر ہوا ہے کہ اگر احیاناً حنث واقع ہو یہ اس کا مصلح ہوسکے نہ کہ یہ کفارہ پر تکیہ کرکے قصداً جھوٹی قسم کھائے اُسے اپنی بریت کی ڈھال بنائے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۰۲ ۲۷ رمضان ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید نے قسم کھائی کہ میں آج ظہر جماعت کے ساتھ ادا کروں گا

---

[1] الدرالمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۹۰
[2] " " " ۱/۲۹۲
[3] " " " ۱/۹۳-۲۹۲

اور مسجد کو گیا مگر امام دو رکعت پڑھ چکا تھا دو رکعت سے امام کے ساتھ اس صورت میں زید کی قسم پوری ہوئی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زید کی قسم پوری نہ ہوئی کہ دو رکعت بلکہ تین رکعت پانے والا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والا نہیں، درمختار میں ہے:

وکذا مدرك الثلث لایکون مصلیا بجماعة علی الاظھر، وقال السرخسی للاکثر حکم الکل وضعفه فی البحر[1]

جماعت میں تین رکعتیں پانے والا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والا نہ قرار پائے گا، اظہر قول کے مطابق۔ اور امام سرخسی نے فرمایا: اکثر کا حکم کل والا ہوتا ہے، لیکن اس کو بحر میں ضعیف قرار دیا ہے۔ (ت)

ہاں ثواب جماعت کا قعدہ میں شامل ہونے پر بھی پائے گا وہ جدا بات ہے بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ جو گھر سے بارادۂ جماعت چلے اور جماعت ہوچکی اُس نے ثواب پالیا فقد وقع اجرہ علی اللہ (ہاں اجر و ثواب اللہ تعالٰی سے پائے گا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۳: مسئولہ شیخ عاشق علی خادم مسجد بی بی جی صاحبہ شہر بریلی ۴ جمادی الاول ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی نے غصہ میں قسم کھالی کہ میں بریلی ہی میں نہ رہوں گا، پھر غصہ دُور ہوجانے کے بعد وہ پچھتایا، تو کوئی تدبیر ایسی ہے کہ بریلی میں رہے اور حانث نہ ہو یا سوا کفارہ ادا کرنے کے کوئی صورت نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بریلی سے ترکِ سکونت کرکے نکل جانے کے لئے جس سامان و تدبیر ضروری کی اُسے حاجتِ واقعیہ تھی اگر اس کلمہ کے زبان سے نکلتے ہی اُس نے شروع نہ کردی یا اس میں معمولی واقعی کوشش نہ کی یا سامان مہیا ہوجانے پر پھر نکلنے میں ڈھیل کی تو حانث ہوگیا اور کفارہ لازم، اب چاہے نکلے یا نہ نکلے کفارہ دینا ہوگا اور نکلنا کچھ ضرور نہ رہا، اور اگر اُسی وقت سے سچے طور پر تدبیر ضروری میں مشغول ہے اور اس میں ایسی سستی نہ کی جسے عُرف میں ایسے کام میں سستی گنیں تو جب تک سامان مہیا کرنے میں رہے گا حانث نہ ہوگا اگرچہ کچھ دن گزر جائیں، ہاں سامان درست ہوتے ہی نکل جانا ہوگا، ایسی کوئی صورت نہیں کہ باختیارِ خود بریلی میں رہے

---

[1] الدرالمختار باب ادراک الفریضہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۰

اور کفارہ دینا نہ پڑے، البتہ اگر تہیہ میں مشغول تھا کہ کسی نے قید کرلیا اور نکلنے نہ دیا تو جب تک یہ مجبوری رہے گی حانث نہ ہوگا اگرچہ عمر گزر جائے، یُوں ہی اگر بریلی کے سوا کہیں اس کے رہنے کا ٹھکانا نہیں نہ اپنے ذاتی مال یا حرفت یا تجارت کے ذریعہ سے دُوسری جگہ بسر ممکن ہے تو بھی مجبور سمجھا جائے گا جب تک حالت ایسی باقی رہے،

فی تنویر الابصار والدر المختار دوام الرکوب واللبس والسکنی کالانشاء فیحنث بمکثہ ساعۃ[1] فی رد المحتار یعنی لوحلف لایرکب ھذہ الدابۃ وھو راکبھا اولایلبس ھذا الثوب وھو لابسہ اولایسکن ھذہ الدار وھو ساکنھا فمکث ساعۃ حنث فلو نزل او نزع الثوب او اخذ فی النقلۃ من ساعتہ لایحنث[2]۔

تنویر الابصار اور درمختار میں ہے کہ لباس اور سواری اور سکنٰی پر مداومت کرنا یعنی قسم کے بعد اس کو جاری رکھنا ابتدار عمل کی طرح ہے، لہٰذا قسم کے بعد ایک گھڑی بھی باقی رکھنے پر قسم ٹوٹ جائے گی، رد المحتار میں ہے، یعنی اگر قسم کھائی کہ میں اس جانور پر سواری نہ کروں گا جبکہ اس پر سوار تھا یا یہ کپڑا نہ پہنوں گا جبکہ وُہ پہنے ہُوئے تھا، یا اس گھر میں رہائش نہ کروں گا جبکہ اس میں رہائش پذیر تھا، تو قسم کے بعد ایک گھڑی بھی اس حال پر باقی رہا تو قسم ٹوٹ جائے گی، اور اگر فوراً سواری سے اُتر گیا یا کپڑا اتار دیا، یا مکان سے منتقل ہونا شروع ہوگیا تو حانث نہ ہوگا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال فی الفتح ثم انما یحنث بتاخیر ساعۃ اذا امکنہ النقل فیھا والا بان کان لعذر خوف اللص اومنع ذی سلطان اوعدم موضع ینتقل الیہ او اغلق علیہ الباب فلم یستطع فتحہ لایحنث ویلحق ذٰلک الوقت بالعدم للعذر ولوقدر علی الخروج بھدم بعض الحائط ولم یھدم لم یحنث لان المعتبر القدرۃ علی الخروج

فتح میں فرمایا کہ پھر اگر کچھ دیر کردی جبکہ اُس کو فوراً منتقل ہونا ممکن تھا تو حانث ہوجائے گا ورنہ اگر فوراً ممکن نہ تھا کہ وہاں چوری کا ڈر تھا، یا اختیار والے حاکم کی طرف سے رکاوٹ تھی، یا منتقل ہونے کو دوسرا مکان نہ تھا، یا دوسرے مکان کو تالا پڑا ہوا تھا جس کو کھولنے پر قادر نہ ہُوا تو حانث نہ ہوگا، کیونکہ فوراً منتقل ہونے میں یہ وقت بھی شمار ہوگا، اور عذر کی وجہ سے اس وقفہ کو کالعدم قرار دیا جائے گا اھ، اور اگر وہاں

---

[1] الدر المختار شرح تنویر ابصار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۹۷

[2] رد المحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۷۶

من الوجه المعهود عند الناس کذا فی الظھیریة بحر[1] اھ ملتقطا۔

سے دیوار توڑ کر فوراً نکلنے پر قدرت ہو تو بھی قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ نکلنے کے لئے معروف طریقے پر نکلنا معتبر ہے، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے، بحر، اھ ملتقطاً (ت)

اُسی میں زیرِ قولِ درمختار لو یمکنہ الخروج او اشتغل بطلب دار اخری او دابة وان بقی ایاما لم یحنث (اگر نکلنا ممکن ہو یا وہ دوسرا مکان تلاش کرنے یا منتقل ہونے کے لئے سواری کی تلاش میں مصروف ہوگیا اور کئی روز اس تلاش میں گزر گئے تو بھی حانث نہ ہوگا۔ ت) فرمایا:

ھو الصحیح لان طلب المنزل من عمل النقلة فصار مدة الطلب مستثنٰی اذا لم یفرط فی الطلب فتح[2] اھ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

یہی صحیح ہے، کیونکہ دوسرا مکان تلاش کرنا یہ منتقل ہونے کا عمل ہے لہذا تلاش کی مدت شمار نہ ہوگی بشرطیکہ تلاش کرنے میں کوتاہی نہ کرے، فتح، اھ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۴: از سیتاپور تامسن گنج دولتکدہ حضرت سید صادق میاں صاحب مرسلہ سید ارتضا حسین صاحب ۲۳ جمادی الاول ۱۳۱۶ھ

زید نے قسم کھائی کہ میں مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ آدھی میں شریک ہوں گا، اور وہ وضو کر رہا تھا، اب وہ تیسری رکعت میں شریک ہوا، آیا وہ حانث ہوگا یا نہیں؟ اور آیا اس کو آدھی نماز ملی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

حانث ہوگا، ظاہر ہے کہ ایک رکعت تین کی تہائی ہے نہ کہ آدھی۔ قسم پوری اس وقت ہوتی کہ دو رکوع پاتا کہ دو تہائی اگرچہ نصف سے زائد ہے مگر زیادت مانع بر نہیں،

وبھذا الوجہ کان البر متصورا فانعقدت الیمین وان لم یکن للصلوة الثلاثیة نصف معتبر فی الشرع نعم ان حلف لیدرکن نصفھا لا اقل ولا ازید فالظاھر

تو اس طرح قسم کو پورا کرنا متصور ہوسکتا ہے لہذا قسم قرار پائے گی اگرچہ شرعاً تین رکعت والی نماز کا نصف نہیں ہوتا، ہاں اگر قسم میں یوں کہا ہو میں اس نماز کا نصف پاؤں گا نہ اس سے کم نہ زیادہ، تو پھر ظاہر یہ ہے کہ بالکل

---

[1] ردالمحتار کتاب الایمان دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۸-۷۷

[2] ردالمحتار کتاب الایمان دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۸

انہ لایحنث اصلا لعدم تصور البر فیما یظھر وھو شرط الانعقاد کما قد صرحوا بہ فی مسئلۃ الکوز وغیرہ ھذا ما ظھرلی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

حانث نہ ہوگا، کیونکہ اس صورت میں قسم کا پورا ہونا ممکن نہیں، یہی ظاہر ہو رہا ہے کیونکہ قسم منعقد ہونے کے لئے اس کا پورا ہونا متصور ہونا شرط ہے، جیسا کہ فقہائے نے کوزے کے مسئلہ میں تصریح فرمائی ہے۔ یہ ہے جو مجھے ظاہر معلوم ہوا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۵: از بنگالہ زین العابدین سراج گنج

کسے شخص را بر امر شرعی سوگند خدا و رسول داد است کہ اگر چنیں کار خواہی کرد بر تو سوگند خدا و رسول است آنکس سوگند خدا و رسول در حساب نیاوردہ ہر کارے از و منع کردہ بود از راہ سرکشی آں کار کرد شرعاً برآنکس چہ حکم صادر آید و تعزیرش در پیش آید۔ بیّنوا توجروا۔

اگر کوئی شخص دوسرے کو خدا و رسول کی قسم دیتے ہوئے یوں کہے اگر تُو نے یہ کام کیا تو تجھے اللہ و رسول کی قسم ہے، تو وُہ دوسرا شخص اس قسم کی پروا نہ کرتے ہوئے جس کام سے منع کیا تھا اس کو کرنے پر بضد رہے تو اس شخص پر شرعاً کیا حکم ہوگا اور اس پر کیا تعزیر ہوگی۔ بیّنوا توجروا۔ (ت)

الجواب

سوگند بدادن کسے بر دیگرے لازم نمی شود بے آنکہ دیگر سوگند بر خود گیرد و پذیرد پس در قبول نکردنش بر آں الزامے نیست ففی الحدیث ان الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ عبر رؤیا فاخبرہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ اصاب بعضا واخطأ بعضا تالیفا للصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ان نجھرہ واقسم علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتقسم۔[1]

دوسرے کو قسم دینے سے دوسرے کو اس وقت تک قسم لازم نہ ہوگی جب تک وُہ خود قسم نہ اُٹھائے، لہذا مذکورہ صورت میں دوسرے شخص پر قسم لازم نہ ہوئی اس لئے اگر وہ قبول نہ کرے تو اس پر الزام نہ ہوگا، اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک خواب کی تعبیر بیان کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بتایا کہ یہ تعبیر کچھ درست ہے اور کچھ غلط ہے یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو تالیفِ قلبی کے طور پر فرمائی کہ خطا کو ظاہر نہ فرمایا۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قسم دی کہ

[1] مسند احمد بن حنبل مرویات ابن عباس دار الفکر بیروت ۱/ ۲۳۶

ففیہ دلیل واضح علی ماقلنا وقد نص علی المسألۃ العلماء۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

آپ بتائیں (کیا خطا اور کیا درست) تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: قسم نہ دو، تو اس حدیث میں واضح دلیل ہے ہمارے بیان پر، اور علمائے کرام نے بھی یونہی مسئلہ ذکر کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۶: از کریلی ضلع بریلی مرسلہ مولوی انعام الحق صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چار شریکوں نے باغ کی فصل خرید کی اور حصے بخرے پر جھگڑا پیدا ہُوا، ایک شخص نے منجملہ اُن شریکوں کے قسم کھائی اگر اس باغ میں رہوں تو اپنی ماں اور بیٹی سے زنا کروں' اور اپنے مکان کو چلا گیا، آخر کار دو آدمی اُس کو جبراً اُسی باغ میں لائے اور رات کو بھی رکھا اور قسم کے خلاف عمل میں آیا لیکن جبراً عمل میں آیا ہے' اور صبح کو اپنا فیصلہ کرکے مکان چلا گیا اور شخصوں نے اس کو اپنی برادری سے خارج کیا ہے تو اب اس پر جو قسم خوردہ ہے کیا تعزیر ہونا چاہئے؟ یا نہیں ہونا چاہئے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

وُہ ناپاک وبیہودہ قسم محض مہمل ہے، لوگ بعد قسم اُسے باغ میں لائے اور شب کو رکھا اس سے اُس قسم کھانے والے پر کوئی تعزیر نہ آئی نہ وہ اس بناء پر برادری سے خارج کئے جانے کے قابل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۷ تا ۲۰۹: ۴ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گروہ نے آپس میں فرداً فرداً حلف اٹھایا ہے نماز کی پابندی پر اور اُن قواعد کی پابندی پر جو ہمرشتہ تحریر ہذا پیش ہیں، اب وُہ گروہ والے یہ چاہتے ہیں کہ اُن قواعد میں جو قاعدہ جرمانے کا ہے وُہ منسوخ ہوجائے اور حلف دروغی کے بھی مرتکب نہ ہوں اور قواعد نماز کی ترمیم بھی ہوسکے تو وُہ صورت کون سی ہوسکتی ہے جس سے حلف دروغی عائد نہ ہو اور جرمانہ نماز بند ہوجائے اور قواعد نماز ترمیم ہوجائیں۔

سوال ۲: نماز کی قضا یا اُس کی قضا ادا کرنے پر بطور تنبیہ اگر کوئی جرمانہ مقرر کردیا جائے تو وہ خلافِ شرع تو نہیں ہے؟

سوال ۳: اگر جرمانہ نماز خلاف شرع شریف ہو اور اُس پر حلف سہواً اُٹھالیا گیا تو وُہ حلف جائز طور سے ہوا یا ناجائز، اور اس کے توڑنے سے گنہگار رہوں گے یا نہیں؟

قواعد متعلق پابندیٔ نماز

(۱) اگر کوئی ممبر کسی وقت کی نماز کی قضا بھی ادا نہ کرے گا اس کو یکم نومبر ۱۹۰۴ء سے ایسے فی وقت کے

عوض ایک پائی بطور جرمانہ کے انجمن کے اُس عہدہ دار یا ممبر کے پاس داخل کرنا ہوگا جس کے سپرد انجمن اس خدمت کو کرے گی۔

(۲) ہر ممبر اور عہدہ دار پر لازم ہوگا کہ ایسی نماز کی اطلاع کہ جس کی قضا بھی اُس سے ادا نہ ہُوئی ہو بلا دریافت کے ہفتہ وار انجمن کو کردے۔

(۳) آمدنیِ جرمانہ کا رجسٹر جدا ہوگا۔

(۴) یہ آمدنی کسی کارِ خیر میں صرف ہوگی۔

(۵) جرمانہ قضا نماز کی ادائگی بحالتِ موجودگی بریلی ہفتہ وار ہُوا کرے گی۔

(۶) اگر ممبر یا عہدہ دار ایسا جرمانہ قصداً وقتِ معینّہ پر ادا نہ کرے گا اور انجمن کی رائے میں اُس کا یہ ارادہ مفسدانہ پایا جائے گا تو اس ممبر کا نام با جازت کورم جلسۂ معمولی انجمن سے خارج کیا جائے گا (تعداد ممبران کی ایک حد کا نام کورم ہے)

(۷) اگر کوئی ممبر قصداً حلف دروغی کا مرتکب ہوگا وُہ انجمن سے خارج کیا جائے گا۔

(۸) کوئی مسلمان ممبر بلا حلف اُٹھائے اس انجمن کا ممبر نہ بنایا جائے گا۔

عبارتِ حلف

(۱) میں حلف کرتا ہُوں کہ پنج وقت کی نماز کی ادائگی میں کوشش کروں گا۔

(۲) اور اگر سہواً یا اتفاقاً یا عمداً قضا ہوجائے گی تو اس کو دُوسرے وقت ادا کروں گا۔

(۳) اگر قضا بھی ادا نہ کرسکوں گا تو یکم نومبر ۱۹۰۴ء سے جو قواعد متعلق پابندی نماز انجمن ہذا سے طیار ہُوئے ہیں اُن کی پابندی بدل وجان کروں گا۔ واضح رہے کہ حلف اُٹھانے سے قبل اور بعد بھی یہ بات سمجھادی گئی تھی کہ حلف بالا کی سطر اوّل اور دوم کا اثر تم لوگوں پر تمام عمر رہے گا اور سطر سوم وچہارم کا اثر فقط اُسی زمانے تک رہے گا جب تک کہ تم اس انجمن کے ممبر ہو۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جرمانہ کے ساتھ تعزیر کہ مجرم کا کچھ مال خطا کے عوض لے لیا جائے منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل جائز نہیں کما حققہ الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی والمسألۃ فی الدرالمختار وغیرہ وقد بیناھا علی ھامش ردالمحتار (جیسا کہ اس کی تحقیق امام طحاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمائی، اور یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں ہے ________ اور ہم نے اس کو ردالمحتار کے حاشیہ میں بیان کیا ہے۔ت) اور ناجائز بات پر عمل کرنا جس حلف سے لازم آتا ہو اُس کا توڑنا واجب ہے کما ارشد الیہ الحدیث

وفصلہ فی الھندیۃ (جیسا کہ اس کے لئے حدیث میں ارشاد ہے اور اس کی تفصیل ہندیہ میں ہے۔ ت)

مگر صورت مذکورہ میں وہ جرمانہ انجمن والوں نے اپنے لئے لینا نہ قرار دیا بلکہ کسی کارِ خیر میں اُس کا مصرف کرنا بتایا ہے اور اُس کے لینے میں انجمن کی طرف سے کوئی جبر و اکراہ نہیں، صرف اتنا قاعدہ قرار دیا ہے کہ جو جرمانہ نہ دے انجمن سے خارج کیا جائے تو انجمن میں داخل رہنے کے لئے جو شخص یہ رقم ادا کرے گا بجبر و تعدی نہ ہوگا بلکہ اُس کی اپنی رضا سے ہوگا کہ انجمن سے خارج ہونے میں اُس کا کوئی ضرر نہ تھا اُس نے باختیارِ خود یہ پسند کیا کہ یہ رقم اُس سے لے کر کارِ خیر میں صرف ہو، لہٰذا یہ قانون جرمانہ ناجائزہ کی حد تک نہیں پہنچتا۔ رہا حلف وُہ اگر عبارتِ حلف بے کم و کاست اسی قدر ہے اور اس سے قبل یا بعد زبانی کوئی لفظ ایسا نہ کہلوایا گیا کہ حلف کو ان چاروں سطروں سے شرعاً متعلق کر دے تو حلف صرف دو سطرِ سابق سے متعلق ہوکہ بعد کی سطریں حرفِ عطف سے خالی ہیں،

والجملۃ المستقلۃ لا تتعلق بالسابقۃ الا بعاطف فبقیت خارجۃ عن الحلف لما علم ان فصل الاجنبی یبطل عمل الحلف حتی لوقال واللہ والرسول لافعلن کذا لم یکن یمینا لان قولہ والرسول لیس یمینا فکان فاصلا کما فی العلمگیریۃ وغیرھا فکان کقول القائل واللہ لاشربن لاقومن لم یدخل تحت الحلف الا الشرب دون القیام بخلاف قولہ ولا قومن، ھذا ما ظھرلی وارجوان یکون صوابا۔

اور یہ جملہ مستقلہ ہے اس کا پہلے سے عطف کے بغیر تعلق نہیں ہوسکتا، لہٰذا یہ قسم سے خارج ہے کیونکہ اجنبی جملہ کے فاصلہ سے قسم کا عمل ختم ہوجاتا ہے، حتی کہ اگر کوئی شخص یوں کہے اللہ اور رسول کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا، تو قسم نہ ہوگی کیونکہ اللہ کی قسم ہوتی ہے، تو درمیان میں رسول کا لفظ فاصل بن گیا، کیونکہ رسول کی قسم نہیں ہوتی، جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں بیان ہے، تو یہ یوں ہوا جیسے کوئی کہے خدا کی قسم میں ضرور نوش کروں گا ضرور کھڑا ہوں گا، تو یہ نوش کرنے کی قسم ہوگی کھڑے ہونے کی قسم نہ ہوگی، اس کے برخلاف اگر حرفِ عطف کے بعد 'میں ضرور کھڑا ہوں گا' کہے، تو کھڑے ہونے کی بھی قسم ہوگی۔ یہ مجھے ظاہر ہُوا اور مجھے امید ہے کہ یہ درست ہوگا۔ (ت)

اس تقدیر پر پابندی جرمانہ و دیگر قواعد انجمن زیرِ حلف داخل ہی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۹۰ از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ بشیر محمد خاں صاحب ۱۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

اگر چند بار کسی شخص نے حلف شرعی کسی امر کے واسطے کیا ہو اور پھر اس کے خلاف کرے اور اُس امر کا فیصلہ کہ جس کے بابت اُس نے حلفِ شرعی کئی مرتبہ کیا ہے تو وُہ اس کا فیصلہ قابل مان لینے کے

ہوگا یا نہیں؟

الجواب

اگر خلاف کرنے میں شرعًا خیر دیکھے تو خلاف کرے اور کفارہ دے ورنہ بلاوجہ شرعی قسم توڑنا حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی واحفظوا ایمانکم[1] اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اپنی قسموں کو پورا کرو۔ (ت)

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرا منھا فلیأت الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینہ[2]۔ رواہ احمد ومسلم والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ جس نے کسی چیز کا حلف دیا اور اس کا خلاف اس سے بہتر محسوس کرے تو بہتر کو بجا لائے اور قسم کا کفارہ دے۔ اس کو احمد، مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

یہی حال فیصلہ کا ہے اگر حلف کیا تھا کہ یُوں فیصلہ کرے گا پھر حکم شرع اس کے خلاف پایا تو اس پر فرض ہے کہ خلاف ہی کرے اور کفارہ دے، اور اگر حکم شرع وہی تھا جس پر حلف کیا پھر اس کا خلاف کیا تو قسم توڑنے کا بھی گناہ ہُوا اور ظلم و ناحق فیصلہ کا گناہ سخت تر ہُوا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۱: از سرونج مسئولہ عبدالرشید خاں صاحب ۱۹ جمادی الاول ۱۳۳۱ھ

ایک امیر نے اپنے ملازم کو خدمت کے صلہ میں زمین دی پھر کسی بات پر ملازم سے خفا ہوکر حالتِ غصہ میں قسم کھائی کہ میں تیری زمین ضبط کروں گا اور یہ بھی حلف لیا کہ میں تیرے گھر کا کھانا بھی نہ کھاؤں گا، اب وہ امیر اگر حلف شکنی کرے تو کیا کفارہ لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب

قسم کا کفارہ لازم ہوگا کہ دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا دس مسکینوں کو جوڑے دے یا دس مسکینوں کو فی مسکین ایک صاع جَو یا نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت دے، صاع سو روپیہ کے سیر سے ایک روپیہ بھر اُوپر ساڑھے تین سیر ہے، اور جس سے یہ نہ ہوسکے وُہ تین روزے رکھے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۲: از رائپور گول بازار ممالک متوسطہ مرسلہ مولوی محمد سلیم خاں کتب فروش ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دوسری والدہ کے رُوبرو

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸۹

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۸

ہوش وحواس میں قسم کھائی کہ مجھ کو خدا کا دیدار اور حضرت (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی شفاعت نصیب نہ ہو جو میں اپنے والد کی کمائی کا روپیہ یا جائداد موجودگی یا عدم موجودگی یا بعد وفات والد ماجد کے لُوں جائداد میں یا اُن کی کمائی میں، اب وُہ شخص کسی طرح سے اپنے باپ کی جائداد یا کمائی کا روپیہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ اُمید کہ جواب امورِ مذکورہ بالا از رُوئے کُتبِ حنفیہ عنایت فرمائیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

وُہ جو اس نے کہا شرعًا قسم نہیں بلکہ اپنے حق میں بددُعا ہے، اس کے سبب مالِ پدر سے لینا ناجائز نہ ہوگیا لے سکتا ہے اور ایسے بُرے لفظ سے توبہ کرے۔ ردالمحتار میں ہے:

علیہ غضبہ لایکون یمینا ایضًا لانہ دعاء علی نفسہ ولایستلزم وقوع المدعو بل ذٰلك متعلق باستجابۃ دعائہ لانہ غیر متعارف، فتح[1] واللہ تعالٰی اعلم

اگر کسی نے یُوں کہا مجھ پر اللہ تعالٰی کا غضب ہو تو یہ بھی قسم نہ ہوگی، کیونکہ یہ اپنے لئے بددُعا ہے اور اس کا وقوع لازم نہیں ہے اس لئے کہ یہ وقوع اس کی دُعا کے قبول ہونے پر موقوف ہے کیونکہ یہ غیر متعارف ہے، فتح۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۳ ۹ رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے متعلقوں سے ناراض ہوکر قسم کھائی اگر میں حج کو نہ چلا جاؤں تو خدا کرے میں کافر ہوجاؤں، اس پر لوگوں نے سمجھایا کہ ایسی قسم مت کھا، مگر زید نے مکرر سہ کر قسم کھا کر کہا اگر میں حج کو نہ چلا جاؤں کافر ہوجاؤں، لہٰذا بستی والوں نے مبلغ ۵۰؎ روپیہ چندہ کرکے دے دئے، چنانچہ زید وُہ روپیہ لے کر اُس بستی سے حج کے ارادہ سے ظاہرًا روانہ ہوگیا مگر دس روز کے بعد پھر اپنی بستی میں واپس آگیا اور کہا میں بمبئی سے لوٹ آیا ہُوں حج کو نہیں جاؤں گا، ایک روز زید مسجد میں نماز پڑھنے کو گیا وہاں بکر نے دُعا مانگی، یا اللہ پاک! تُو ہر مسلمان کو حج نصیب کر۔ اس دُعا کو سُن کر زید نے بکر کو گالیاں دیں مجھ کو تو طعنہ دیتا ہے، درانحالیکہ زید اس وقت اندازًا مبلغ ڈھائی سو روپے ۲۵۰ کی چیزوں کا بذاتِ خود مالک ہے یعنی بیل بھینس اور ہل نیشکر کا مالک ہے تو ایسی حالت میں اس چندہ کا کیا حکم ہے جو کہ وہ ہضم کرچکا ہے اور اس کو شرع کون سے لفظ سے نامزد کرتی ہے اور مسلمان لوگ کیا برتاؤ کریں، اگر زید اس فعل مذکور سے احاطۂ اسلام سے خارج ہوگیا تو دائرۂ اسلام میں کس ترکیب سے داخل ہوسکتا ہے اور کس طرح گناہ سے بری ہوسکتا ہے اور کوئی مسلمان اس حالتِ موجودہ میں اُس سے ارتباط ومیل جول رکھے تو ایسے مسلمان کے واسطے کیا حکم ہے اور منکوحہ اُس کی

---

[1] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۵۷

اور اولاد اُس کی کا کیا ہے کہ یہ سب زید کے ساتھ کیا سلوک کریں ورنہ اولاد اور منکوحہ اس کی کے ساتھ مسلمان کیا تعلق رکھیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زید نے جو الفاظ کہے قسم نہ تھی اس کے بعد حج کو نہ جانے کا سبب احاطۂ اسلام سے خارج نہ ہوا روپیہ کہ چندہ والوں نے دیا وہ ہبہ تھا کہ زید بعد قبضہ اُس کا ٹکٹ لے کر گیا اگر واقعی زید کا اُس وقت ارادہ حج کو جانے کا تھا اور بمبئی تک گیا اور کوئی عذر پیش آیا کہ نہ جاسکا مثلاً زید بہت ضعیف ہو اور محتاج معین ہو اور اسے کوئی ایسا نہ ملا کہ اس سفر میں اس کی اعانت کرے مجبوری پلٹ آیا تو اس پر کچھ الزام نہیں چندہ کا روپیہ بہتر یہ ہے کہ واپس کردے ورنہ شرعاً اُس پر واپسی لازم نہیں، ہاں اگر وہ دھوکا دے کر جھوٹ ارادہ ظاہر کرتا اور اس ذریعہ سے لوگوں سے روپیہ لے کر چلتا ہو ضرور سخت مجرم تھا مگر صورتِ سوال سے اس کا[1] ہرگز یہ ارادہ نہیں نہ کسی مسلمان پر بدگمانی جائز جو بلا وجہ قطعی اور بلا ثبوت شرعی دھوکا دینے اور جھوٹ ارادہ روپیہ ہضم کرلینے[2] کرلیں گے وہ سخت مجرم ہوں گے اس پر توبہ فرض ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] و [2] مسودہ میں بیاض ہے۔

رسالہ

الجوھر الثمین فی علل نازلۃ الیمین ۱۳۳۰ھ

(قسم کی مصیبت سے متعلق قیمتی جوھر)

مسئلہ ۲۱۴: از شمس آباد ضلع اٹک مرسلہ جناب مولنا مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب ۱۱ محرم شریف ۱۳۳۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ زید از پسر خود بوجہ امرے خلاف مرضی ناراض شدہ زن خود را گفت کہ اگر ایں پسرم را در خانہ گزاشتی تو بر من سہ طلاق طلاق ہستی باز بعد از چند مدت بوجہ عذر خواہی پسرش زید خود از آں پسر راضی شد و در خانہ گذاشت و زن او چیزے از لا و نعم نگفت آیا آں زن بر زید طلاق شد یا نہ؟ بیّنوا توجروا۔

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید کسی ناپسندیدہ معاملہ پر اپنے بیٹے سے ناراض ہُوا تو زید نے اپنی بیوی کو کہا اگر تُو نے میرے اس بیٹے کو گھر میں چھوڑا تو مجھ پر تُو تین طلاق ہے، پھر کچھ مدت کے بعد بیٹے کی معذرت خواہی پر زید اپنے اس بیٹے سے راضی ہوگیا اور گھر میں آنے دیا، بیٹے کے گھر آنے پر زید کی بیوی نے بیٹے کو کچھ نہ کہا، نہ ہاں اور نہ ہی نہ کہا، تو کیا اس صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اللھم ھدایۃ الحق والصواب ۔ الحمد للہ رب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یا اللہ! تجھ سے ہی حق وصواب میں رہنمائی ہے ۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو

العٰلمین، وافضل الصلٰوۃ والسلام علی السید الامین، الذی قال لہ ربہ فسلٰم لك من اصحٰب الیمین، اجلہ اجلالا و عززہ تعزیزا وجعل تعلیقات مواعید فضلہ فی حق امتہ تنجیزا صلی اللہ تعالٰی وسلم علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ المیامین، عدد کل بر و فاجر وبر وحنث وعہد و یمین، اٰمین!

سب جہانوں کو پالنے والا ہے، بہترین صلوٰۃ وسلام اس آقا امین پر جس کو اللہ تعالٰی نے فرمایا، اے حبیب! آپ کے لئے دائیں جانب[1] والے اصحاب کی طرف سے سلام ہے، اور اس کو انتہائی بزرگیوں سے نوازا اور اس کو اعلٰی اعزاز عطا فرمایا اور اس نے اپنے فضل کے مشروط وعدوں کو آپ کی امت کے حق میں غیر مشروط فرمایا، اللہ تعالٰی کی رحمتیں اور سلام آپ پر اور آل واصحاب پر جو دائیں جانب والے ہیں، ہر نیک وبد اور پورا کرنے والے اور توڑنے والے اور عہد وقسم کی تعداد کے برابر ہو، آمین!

فقیر غفرلہ المولی القدیر دریں مسئلہ نگاہ تنقیح را جولاں دادم و بقدر قدرت و فرصت دور فرستادم عدم طلاق را وجہے کہ ثلج صدر دہد نیافتم بجائے گزاشتن ترک و تخلیہ است واو بدو وجہ متحقق شود منع بالفعل یا نہی بالقول وایں جا بتصریح سوال ہر دو نا فی منتفی پس نفی منتفی پس تخلیہ کہ شرط حنث بود رُوئے نمود وسہ طلاق لازم شد در فتاوٰی امام اجل قاضی خاں کتاب الایمان مسائل الیمین علی الترک است رجل اٰجر دارہ سنۃ ثم قال للمستاجر واللہ لا اترکك فی داری ثم قال لہ اخرج من داری یصیر بارا[1]، ہمچناں در عقود الدریہ از

اس فقیر (اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے) نے اس مسئلہ میں چھان بین کے لئے نظر دوڑائی اور اپنی ہمت اور فرصت کے مطابق دُور گہرائی تک پہنچا، تو طلاق نہ ہونے کی کوئی اطمینان بخش وجہ نہ پائی۔ گھر میں چھوڑنا، جس کا مطلب ترک کر دینا اور علیحدہ ہونا ہے، اور یہ ترک وعلیحدہ ہونا دو طریقوں عملاً منع کرنے یا زبانی بات کے ذریعے روکنے سے متحقق ہوسکتا ہے اور یہاں پر سوال سے واضح ہورہا ہے کہ بیوی نے بیٹے کو دونوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے بھی منع نہیں کیا، تو جب منع کرنا منتفی ہے تو تخلیہ وترک متحقق ہوگیا جو حنث کے لئے شرط قرار دی تھی، تو اس تخلیہ کے پائے جانے سے بیوی کو تین طلاقیں لازم ہوگئی ہیں،

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں　مسائل الیمین علی الترک　نولکشور لکھنؤ　۲/ ۲۹۶

فتاوی صغری است باز در خانیہ فرمود رجل حلف ان لا یدع فلانا یدخل ھذہ الدار فان کانت الدار للحالف فمنعہ بالقول ولم یمنعہ بالفعل حتی دخل حنث فی یمینہ فیکون شرط برہ المنع بالقول والفعل بقدر ما یطیق وان لم تکن الدار للحالف فمنعہ بالقول دون الفعل حتی لو دخل لایکون حانثا[1] باز فرمود رجل حلف بطلاق امرأتہ ان لا یدع فلانا یمر علی ھذہ القنطرۃ فمنعہ بالقول یکون بارا لانہ لا یملک المنع بالفعل[2] باز فرمود رجل قال لابنہ ان ترکتك تعمل مع فلان فامرأتہ کذا فان کان الابن بالغا لا یقدر علی منعہ بالفعل فمنعہ بالقول یکون بارا وان کان الابن صغیرا کان شرط برہ المنع بالقول والفعل جمیعا[3] و در بزازیہ جنانست قال لابنہ الکبیر ان ترکتك تعمل مع فلان فھو علی المنع بالقول ولو صغیرا فعلی

امام اجل قاضی خاں کے فتاوی کے کتاب الایمان میں ترک پر قسم کے مسائل میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا گھر ایک سال کے لئے کرایہ پر دیا تو پھر اس نے کرایہ دار کو کہا خدا کی قسم میں تجھے اپنے گھر میں نہ چھوڑونگا' یہ کہہ کر پھر اس نے کرایہ دار کو زبانی کہا تو میرے گھر سے نکل جا، تو اس کہنے پر وہ مالک قسم میں سچا ہوگیا اور اس نے اپنی قسم پوری کرلی۔ اسی طرح عقود الدریہ میں فتاوی صغری سے منقول ہے اور پھر خانیہ میں فرمایا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ" میں فلاں کو اس گھر میں داخل نہ ہونے دوں گا" تو اگر یہ گھر قسم کھانیوالے کی ملکیت ہو تو اس نے اس کو زبانی منع کیا اور عملاً منع نہ کیا، پس وہ شخص اس گھر میں داخل ہوگیا تو قسم کھانے والے کی قسم ٹوٹ گئی کیونکہ گھر کا مالک ہونے کی وجہ سے اس کی قسم پوری ہونے کے لئے ضروری تھا کہ وہ زبانی اور عملی دونوں طریقوں سے حسب طاقت منع کرتا اور اگر وہ گھر قسم کھانے والے کی ملکیت نہ ہو تو اس کو زبانی منع کیا اور عملاً منع نہ کیا حتی کہ اگر وہ شخص اس مکان میں داخل ہوگیا تو حانث نہ ہوگا، خانیہ میں پھر فرمایا کہ ایک شخص نے بیوی کی طلاق کی قسم کھائی کہ وہ فلاں شخص کو اس پل سے نہ گزرنے دے گا، پھر اس نے زبانی اس کو گزرنے سے روکا، تو اس کی قسم پوری ہوگئی کیونکہ وہ اس کو عملاً منع کرنے پر قادر نہ تھا۔ پھر فرمایا ایک شخص نے اپنے بیٹے کو کہا اگر میں تجھے فلاں کے ساتھ کام کرنے کے لئے چھوڑوں

[1] و [2] و [3] فتاوی قاضی خاں مسائل الیمین علی الترک نولکشور لکھنؤ ۲/۲۹۶

القول والفعل[1] بازدرخانیہ فرمود ولو قال ان ترکت فلانا یدخل بیتی فامرأته کذا فدخل فلان ولم یعلم به الحالف لایحنث وان علم ولم یمنعه حنث[2] درفتح القدیر آخر ایمان ست حلف لا اترك فلانا یفعل کذا کلا یمس اولایذهب اولا یدخل یبر بقوله له لا تفعل لاتخرج لا تمس اطاعه او عصاه[3] درعقود الدریہ است حلف بالطلاق علی اخته البالغة لا اخلیك تسکنین مع حماتك فی الدار فحیث لاتکن الدار للحالف فمنعها بالقول دون الفعل لایحنث[4] کذا فی الخانیة والبزازیة ورسائل العلامة الشرنبلالیة دراں ازقنیہ است حلف لیخرجن ساکن دارہ الیوم والساکن ظالم غالب یتکلف فی اخراجه فان لم یمکنه فالیمین علی التلفظ باللسان[5] درعالمگیریہ است

تو میری بیوی کو طلاق، تو اگر بیٹا بالغ ہو جس کو عملاً نہ روک سکتا ہو تو اس کو صرف زبانی منع کرنے پر قسم پُوری ہو جائیگی، اور اگر بیٹا نابالغ ہو تو پھر قسم پورا ہونے کے لئے زبانی اور عملی دونوں طرح منع کرنا شرط ہوگا۔ اور بزازیہ میں یوں ہے کہ اگر بیٹا بالغ ہو تو پھر صرف زبانی منع کرنا قسم پورا ہونے کیلئے شرط ہے اور اگر بیٹا نابالغ ہو تو پھر زبانی اور عملی دونوں طریقوں سے منع کرنا شرط ہوگا۔ پھر خانیہ میں فرمایا کہ اگر کسی نے یوں کہا اگر میں فلاں کو اپنے گھر داخل ہوتا چھوڑوں تو میری بیوی کو طلاق، پس وہ شخص اس کی لاعلمی میں داخل ہوگیا تو حانث نہ ہوگا، اور اگر اس کے داخلے پر علم ہوا اور منع نہ کیا تو حانث ہوگا۔ فتح القدیر میں قسموں کے بیان کے آخر میں ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں کو اس کام پر نہ چھوڑوں گا، مثلاً گزرنے نہ دُوں گا، جانے نہ دُوں گا، داخل نہ ہونے دوں گا، تو صرف زبانی 'نہ کر، نہ داخل ہو، نہ گزر' کہہ دینا قسم کو پورا کرنے کیلئے کافی ہے وہ مانے یا نہ مانے۔ عقود الدریہ میں ہے ایک شخص نے طلاق کی قسم کھاتے ہوئے اپنی بالغ بہن کو کہا میں تجھے گھر میں تیرے دیوروں کے ساتھ تجھے رہتا نہ چھوڑوں گا، تو جب وُہ گھر قسم کھانے والے کا نہ ہو تو پھر زبانی روکنا مراد ہوگا عملاً روکنا مراد نہیں ہوگا تو زبانی روک دیا تو قسم پوری ہو جائیگی۔

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیۃ فتاوٰی ہندیہ کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۵۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں مسائل الیمین علی الترک نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۹۷

[3] فتح القدیر کتاب الایمان مسائل متفرقہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۷۴

[4] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الطلاق قندھار، افغانستان ۱/ ۳۸

[5] " " " " " " " " ۱/ ۵۰

اذ قال ان ترکت فلانا یدخل هذه الدار فامرأتی طالق فان کان الحالف یملك هذه الدار فشرط برہ ان یمنعه عن الدخول بالقول والفعل هکذا ذکرہ الصدر الشهید رحمه الله تعالٰی فی واقعاته وفی النوازل شرط برہ ملك المنع ولم یعترض لملك الدار فقال ان کان الحالف یملك منعه عن الدخول فهو علی النهی والمنع جمیعا و ان کان لایملك منعه فهو علی النهی دون المنع وکان شیخ الامام ظهیر الدین یعتبر ملك المنع وعلیه الفتوی[1]

یُوں خانیہ، بزازیہ اور علامہ شرنبلالی کے رسائل میں ہے اور اس میں قنیہ کے حوالے سے ہے کہ ایک نے قسم کھائی کہ میں آج فلاں رہائشی کو ضرور نکال باہر کروں گا، تو وہ رہائشی ظالم اور غالب ہو جس کو نکالنا مشکل ہو تو پھر نکالنے سے مراد زبانی کہنا ہوگا، لہٰذا زبانی کہہ دینا کہ نکل جا' قسم کے پورا ہونے کے لئے کافی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے کسی نے کہا اگر میں فلاں کو اس گھر میں داخل ہوتا چھوڑدوں تو میری بیوی کو طلاق، تو اگر گھر اس کی ملکیت ہو تو پھر قسم پورا ہونے کے لئے زبانی اور عملی دونوں طرح منع کرنا ضروری ہے، اس کو صدر الشہید رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب واقعات میں یونہی ذکر فرمایا ہے، اور نوازل میں ہے قسم پوراکرنے کے لئے منع کی قدرت شرط ہے انھوں نے گھر کی ملکیت کا ذکر نہیں فرمایا اور یوں کہا کہ اگر قسم کھانے والا اس کو دخول سے منع کرسکتا ہے تو پھر زبانی اور عملی دونوں طرح منع مراد ہوگا، اور اگر وہ دخول سے روکنے پر قادر نہ ہو تو پھر صرف زبانی منع مراد ہوگا، اور امام شیخ ظہیر الدین منع کی قدرت کا اعتبار کرتے ہیں اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

اقول اینجا تنبہ باید برامور **اولا** عبارات علما چنانکہ دیدی در مسئلہ عدم ترک فلاں مثلاً نگزارم کہ بخانہ آید بررنگہائے مختلف آمدہ امام صدر شہید اعتبار ملک دار فرمود کہ اگر خانہ خانہ اوست منع بقول وفعل کند اگر تنہا نہی زبانی عمل نماید حانث شود ہمیں است نص دوم امام قاضی خاں آرے اگر خانہ ملک او نیست منع زبانی بس است، وامام فقیہ ابواللیث ملک منع رامعتبر داشت کہ اگر بزور باز داشتن تواند مجرد نہی کفایت نکند گو خانہ خانہ اش مباش ورنہ کافی است گو خانہ خود از آں او باشد امام ظہیر الدین ہمبریں فتوی داد ونص اول امام قاضی خاں و

اقول (میں کہتا ہوں) یہاں چند امور پر تنبیہ ضروری ہے **اوّل** جیسا کہ آپ نے دیکھا عدم ترک فلاں، یعنی فلاں کو نہ چھوڑوں گا کہ وہ گھر میں آئے، کے مسئلہ میں علماء کرام کی عبارات مختلف ہیں، امام صدر شہید گھر کے مالک ہونے کا اعتبار کرتے ہیں کہ اگر گھر اس کا اپنا ہے تو پھر زبانی اور عملی دونوں طرح سے روکے، اور اگر صرف زبانی روکا تو حانث ہوجائے گا، اور امام قاضی خاں کی دوسری نص بھی یہی ہے، ہاں اگر گھر اس کا اپنا نہ ہو تو پھر زبانی روکنا کافی ہے، اور امام فقیہ ابواللیث نے روکنے کی قدرت واختیار کو معتبر رکھا ہے کہ اس

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۳۶

امام حسام الدین در فتاوی صغری مسئلہ خود در دار مملوکہ حالف وضع فرمود و علی الاطلاق بر نہی زبانی اقتصار نمود وہمیں ست قضا و نص مذکور فتح القدیر، و در بزازیہ جائے دار پسر فرق بصغیر و کبیر فرمود کہ صغیر را بازداشتن بقول و فعل جمیعا لازم است و کبیر را تنہا بقول و از نص چہارم خانیہ تقیید مستفاد ست کہ اگر بر کبیر قدرت منع بالفعل نہ باشد منع بالقول ست و در نص سومش در حق اجنبی مطلقاً منع قولی گرفت کہ منع فعلی نمی تواند فقیر گویم بحقیقت اینجا ہیچ اختلاف نیست اصل سخن آن ست کہ در خانیہ باں اشارہ رفت کہ قدر ما یطیق پیدا ست کہ ہر کہ گفت فلاں را بخانہ نگزارم و قادر بود بر اخراج او گرچہ خانہ خانۂ دیگرے باشد و آنکس باجارہ یا اعارہ وغیرہا آنجا می ماند و اگرچہ آنکس پسر بالغ یا اجنبی بود چوں طاقت خود را بکار برد و تنہا بریکبار گفتن کہ میا، یا بیروں شو قناعت ورزید قطعاً او را بخانہ گزاشت و حانث شود و ہر کہ نتواند گو خانہ خانۂ اش باشد و آنکس پسر صغیر، مثلاً حالف مقعد یا زمن یا مفلوج ست و پسر سیزدہ چہاردہ سالہ شریر کہ سر بفرمان ننہد لاجرم اینجا ہمیں نہی بقول کافی بود در خانۂ خودش غالب اختیار کلی باشد و احکام فقہیہ نظر بغالب دارد ازینجست امام صدر شہید آں تفرقہ فرمود کہ تعبیر اصل بمظنۂ نیست درزمن متاخر

صورت میں اگر طاقت سے روک سکتا ہے تو پھر زبانی روکنا کافی نہیں ہے اگرچہ وُہ گھر اپنا نہ بھی ہو ورنہ صرف زبانی روکنا کافی ہے اگرچہ گھر اپنا ہی ہو، امام ظہیر الدین نے اسی پر فتوٰی دیا ہے ۔ امام قاضی خاں کی پہلی نص اور امام حسام الدین نے فتاوٰی صغرٰی میں اپنا یہ مسئلہ، قسم اٹھانے والے کے اپنے گھر کے متعلق بیان کیا اور وہاں اُنھوں نے مطلقاً زبانی روکنے پر اقتصار فرمایا اور یہی فتح القدیر کا فیصلہ اور نص ہے، اور بزازیہ میں بیٹے کے معاملہ میں صغیر و کبیر کا فرق کیا ہے کہ اگر بیٹا صغیر ہو تو زبانی اور عملی دونوں طرح گھر سے روکنا ضروری ہے اور اگر کبیر ہو تو پھر صرف زبانی روکنا کافی قرار دیا ہے، اور خانیہ (قاضی خاں) کی چوتھی نص میں یہ تقیید عیاں فرمائی کہ اگر کبیر بیٹے پر عملاً روکنے کی قدرت نہ ہو تو تب زبانی روکنا کافی ہوگا، اور ان کی تیسری نص اجنبی شخص کے متعلق ہے کہ اس کو مطلقاً زبانی روکنا ہی کافی ہو گا کیونکہ عملی طور پر اجنبی کو روکنا ممکن نہیں ہے ۔ میں فقیر کہتا ہوں کہ حقیقتاً یہ اختلاف نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت وُہ ہے جس کی طرف خانیہ میں اشارہ گزرا کہ قدرت کے مطابق روکنا مراد ہے، ظاہر ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ میں فلاں کو گھر میں نہ چھوڑوں گا تو اگر وہ اس کو نکالنے پر قادر ہو گھر اس کا اپنا ہو یا نہ ہو بلکہ کرایہ دار ہو یا عاریۃً ہو جو بھی صورت رہنے کی ہو تو جس کے متعلق یہ کہا وُہ بیٹا بالغ ہو یا کوئی اجنبی ہو اس کو روکنے کی

---

[1] مسودہ میں بیاض ہے ۔

اختیار تمام جز بر اطفال صغار نماند لہذا
تفریق صغیر وکبیر کردند کہ نیز از ہماں وادی است
دیگراں نظر بفساد زمان گفتند کہ غالبا منع
بتدافع وتدافع بتضارب انجامد وآتش فتنہ
سربالا کشود والفتنۃ اشد من
القتل لہذا از سر اقتصار بر سخن
کردند و مراد جملہ یکے و باللہ التوفیق
بالجملہ بریں قدر اتفاق ست کہ نگزاشتن
را کم از کم بزبان بازداشتن ناگزیر ست
ہر کہ ایں را گزاشت بالاتفاق گزاشت
اینجا اگر زن آں پسر را برآوردن توانست
آخر کم نہ ازاں کہ یکبار گفتی میا یا بیروں
رو و محلش نہ بود مگر اول وہلہ چوں آں گاہ
خموشی گزید گزاشتن حاصل شد وطلاق
نازل باز منع بے سود ولاطائل و اگر آں
وقت یکبار منع کردی سوگند منتہی شدے
کہ مصدر بکلمہ کلما نبود پس ازاں ترک
اگرچہ مستمر ماندے زیاں نہ رساندے
وکل ذٰلک واضح مما قدمنا
من نصوص العلماء اقول
والسر فیہ ان التخلیۃ
عدمیۃ لانہا عدم النہی
والتعرض وقد اثبتت
فی الشرط فیکون منفیۃ
ونفی النفی اثبات و

طاقت رکھتا ہے تو پھر زبانی روکنا کافی نہ ہوگا کہ ایک
بار زبانی منع کردے اور کہے کہ یہاں نہ آ یا باہر ہو جا'
بلکہ عملی اور زبانی ہر طرح روکنا ہوگا ورنہ اندر چھوڑا تو
قطعاً حانث ہو جائے گا، اور جو روکنے پر قدرت
نہیں رکھتا گو وہ گھر اس کا اپنا ہو اور بیٹا بھی صغیر ہو
تو زبانی روکنا ہی کافی ہے، مثلاً قسم کھانے والا اپاہج
ہو یا معذور ہو یا مفلوج ہو اور بیٹا تیرہ چودہ سال کا
شریر ہو کہ فرمانبرداری نہیں کرتا، تو ایسی صورت میں
مجبوراً زبانی روکنا ہی کافی قرار پائے گا، چونکہ اپنے ذاتی
گھر میں کلی اختیار رہنا اغلب ہے اور فقہی احکام کا
مدار بھی غالب امور پر ہوتا ہے اس لئے امام صدر شہید
نے اپنے اور غیر گھر کا فرق ذکر کیا ہے ورنہ یہ قاعدہ کا
بیان نہیں ہے، اور چونکہ آخر زمانہ میں باپ کو صرف

صغیر بیٹے پر ہی کُل اختیار رہتا ہے اس لئے فقہاء کا
صغیر وکبیر بیٹے کا فرق بیان کرنا بھی اسی وجہ سے ہے،
دُوسرے فقہاء نے زمانہ کے فساد کو ملحوظ رکھتے ہوئے
صرف زبانی روکنے کو ذکر کیا کیونکہ اغلب طور پر روکنے
کے لئے عملی رکاوٹ ضروری ہوتی ہے اور عملی رکاوٹ
مار پیٹ سے ہوتی ہے جبکہ اس سے فتنہ کی آگ بھڑک
اُٹھتی ہے اور فتنہ، قتل سے بھی بُرا ہے۔ اس لئے تمام
عبارات کا ماحاصل ایک ہی ہے، یہ توفیق بیان اللہ
تعالٰی کی طرف سے ہے۔ تاہم خلاصہ یہ ہے کہ نہ چھوڑنے
کے لئے کم از کم زبانی روکنا ضروری ہے، تو جب کسی نے
زبانی روکنے کا عمل بھی نہ کیا تو گویا اس نے چھوڑا۔ تو
زیر بحث مسئلہ میں بیوی اگر بیٹے کو عملاً باہر نہیں نکال سکی تھی

الاثبات تکفی فیہ مرۃ کان قال ان لم تمنعی تطلقی ای ان منعت فلا فاذا نھت نحت والیمین قد انتھت۔

تو ایک بار زبانی یہ کہہ دینے سے تو عاجز نہ تھی کہ گھر میں مت آ، یا باہر جا، روکنے کا مقام ابتدائی مرحلہ میں ہوتا ہے جب ابتدار میں وہ خاموش رہی تو بیٹے کو گھر میں چھوڑنا متحقق ہوگیا اور طلاق کی وجہ پائی گئی اور طلاق ہوگئی، بعد میں منع کرنا اور روکنا بے سُود ہے اگر وہ ابتدار میں ایک بار بھی زبان سے روک دیتی تو قسم ختم ہوجاتی کیونکہ قسم میں ہمیشگی کے لئے "کلّما" کا لفظ نہ تھا، ایک دفعہ روکنے کے بعد اگر نہ روکنا باقی رہتا تو کوئی حرج نہ تھا، یہ تمام گفتگو علمار کرام کے مذکورہ نصوص سے واضح ہے۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) اس میں نقطہ یہ ہے کہ تخلیہ یعنی لا تعلقی عدمی چیز ہے کیونکہ یہ، نہ روکنے اور نہ چھیڑنے کا نام ہے تو شرط میں اس تخلیہ کا اثبات کیا گیا جس سے یہ منفی بن گیا اور جب اس منفی کا ترک ہوا تو نفی پر نفی ہوجانے سے اثبات ہوگیا (یعنی نہ روکنے کا عدم ہوجانے سے روکنا متحقق ہوگیا) تو قسم کے پُورا ہونے کے لئے ایک دفعہ اثبات یعنی روکنا کافی ہے جس کا ماحصل یُوں ہوا، گویا اس نے بیوی کو کہا اگر تُو نے منع نہ کیا تو تجھے طلاق ہے یعنی اگر تُو منع کر دے تو طلاق نہ ہوگی تو جب وُہ منع کر دے تو طلاق سے بچ گئی اور قسم ختم ہوگئی۔ (ت)

ثانیًا اقول من قدر علی المنع بالفعل فاکتفی بہ کفی اذ لا یصح ان یقال انہ ترك وخلی بل اتی بما ھو نھایۃ المعنی ومقصدہ الاعلی فلیس علیہ ان یجمع معہ القول جمعا فما یتوھم من ظاھر لفظ الواقعات والنوازل وثانی عبارات الخانیۃ ورابعھا والوجیز لیس مرادا قطعا۔

ثانیًا اقول (دوسری بار کہتا ہوں کہ) جو عملًا روکنے پر قادر ہو تو عملًا روکنے پر اکتفار کردینا کافی ہے کیونکہ اس عملی رکاوٹ پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس نے گھر میں اُسے چھوڑا اور اس سے لا تعلق رہا، بلکہ اُس نے شرط کا مقصد پُورا کر دیا اب اس پر زبانی منع کرنا لازم نہ رہا، تو واقعات اور نوازل اور خانیہ کی دُوسری اور چوتھی عبارت اور وجیز کی ظاہر عبارات سے جو وہم ہوتا ہے وہ قطعًا مراد نہیں ہے (ت)

ثالثًا اقول عند الفقیہ شرط برہ المنع فلفظ الملك وقع زائدا فی عبارۃ النوازل اما الملك ای القدرۃ فشرط

ثالثًا اقول (تیسری بار کہتا ہوں کہ) فقیہ ابواللیث کے نزدیک قسم پُورا کرنے کی شرط صرف روکنا ہے، لہٰذا نوازل کی عبارت "ملك المنع" میں "ملك" کا لفظ زائد ہے، لیکن اگر مِلک سے

انعقاد الیمین مطلقا وبقاء الموقتة خصوصا اذبه تصور البر ولیس الکلام فیه بل فیما اذا اتی به بر الا ان یقال انه من وزان حصول الصورة ای المنع المملوك ای قدر ما قدر۔

مراد قدرت ہو تو یہ مطلقاً قسم بننے کے لئے ضروری ہے اور وقت سے مقید قسم کی بقاء کے لئے خصوصاً ضروری ہے کیونکہ اسی قدرت سے ہی قسم کو پُورا کرنا متصور ہوتا ہے۔ لیکن ملک بمعنی قدرت میں یہاں بحث نہیں ہے بلکہ یہاں تو قسم کو پورا کرنیوالی چیز میں بحث ہے۔ ہاں اگر یُوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حصولِ مراد کا بیان ہے کہ جس قدر ممکن طور پر روکنے پر قدرت رکھتا ہو۔ (ت)

رابعًا اقول المنع یعم الفعلی والقولی کما تقدم عن عدة نصوص وقد یخص بالفعلی بقرینة المقابلة بالقولی وھو المراد فی کلام النوازل من قوله یملك منعه الی قوله دون المنع والاول المراد فی قوله او فی ملك المنع وکذا قول الھندیة اخرا فتثبت ولا تزل۔

رابعًا اقول (چوتھی بار کہتا ہوں کہ) روکنا عملی اور قولی دونوں طریقوں کو شامل ہے جیسا کہ متعدد نصوص میں پہلے مذکور ہوا ہے اور جبکہ اس کو قولی کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہو تو اس قرینہ کی بناء پر صرف عملی روکنے کو خاص ہوگا اور نوازل کے کلام میں جہاں انھوں نے "یملك منعه" کہہ کر اس کے بعد "دون المنع" تک عبارت ذکر کی، تو جہاں انھوں نے "منع کا مالک ہو" کہا وہاں پہلا معنی یعنی دونوں کو شامل مراد ہے اور جہاں انھوں نے "منع کا مالک نہ ہو" کہا وہاں دوسرا معنی یعنی صرف عملی منع مراد ہے، اسی طرح ہندیہ کا دوسرا قول ہے، تو ثابت قدم رہو اور تردد مت کرو۔ (ت)

این نصوص کہ آوردم عین جزئیہ مسئلہ دائرہ بود کہ بحث ہمیں از یمین برگذاشتن است و آنکہ شرط بروحنث در چیست، و تفاوت بآنکہ من نگزارم، اگر تو بگزاری چیزے نیست کہ تغیر جزئیہ کند، حالا ہر کہ خواھد کہ صورت دائرہ را از ان حکم برآرد محتاج بیّنہ واضحہ باشد ورنہ حکم ہمان ست کہ از نصوص عیان ست تبیین مرام و تسکین اوہام را نظر کردم و چند شبہہ بخاطر رسید بخیال آنکہ مباد بذہن

جو نصوص میں نے پیش کی ہیں یہ زیر بحث مسئلہ کا بعینہٖ جزئیہ ہے کیونکہ ان میں "چھوڑنے" کے متعلق بحث ہے اور اس میں قسم کے پُورا ہونے اور اس کے ٹوٹنے کے متعلق یہی بحث ہے اور "میں نہ چھوڑوں گا" اور "تو نے اگر چھوڑا" کے فرق سے جزئیہ تبدیل نہیں ہوتا اور اس کے باوجود اگر کوئی زیرِ بحث صورت کو ان نصوص سے الگ کرے تو اس کو واضح دلیل پیش کرنی ہوگی ورنہ اس کا حکم وہی ہے جو ان نصوص سے عیاں ہُوا، مقصد کو واضح اور اوہام کو دُور کرنے میں، میں نے غور سے کام لیا، تو چند

کسے[1] آید و جائے جواب بہتر ببیند آنہمہ را پیش نہم و بتوفیقہ تعالٰی اما[2] وہم **شبہہ اولٰی** پسر را مرد بخانہ گزاشت نہ زن **اقول** ایں درا یواگنجائش داشت کہ فعل حقیقۃً از فاعل ست و بہ ساکت اگر منسوب شود بمعنی رضا و مجاز باشد اما گزاشتن کہ تخلیہ و ترک تعرضات شک نیست کہ از زن حقیقۃً متحقق ست مرد زن[3] را منع نکرد و او داشت ایں گزاشت پس در ترک زن چہ جائے ظن۔

شبہات دل پر وارد ہوئے اس خیال سے کہ شاید کسی کے ذہن میں آئیں تو ان کو وہ جواب کے لئے بہتر خیال کرے اس لئے میں ان سب کو پیش نظر رکھتے ہوئے بحث کرتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔ لیکن **پہلے شبہہ** کا وہم، وہ یہ کہ مسئولہ صورت میں گھر میں بیٹے کو مرد نے چھوڑا، بیوی نے نہیں چھوڑا۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) اس شبہہ کی گنجائش یہاں اس بنیاد پر ہے کہ فعل حقیقۃً فاعل کا ہوتا ہے اور اس فعل پر خاموش رہنے والے کی طرف وہ فعل رضا کے طور پر مجازاً منسوب ہوسکتا ہے، لیکن یہاں "چھوڑنا" جو کہ تخلیہ اور تعرض نہ کرنا ہے، یہ بیشک بیوی سے حقیقۃً متحقق ہوچکا ہے، مرد نے اس پر بیوی کو منع نہ کیا اور اس نے اس چھوڑنے کو قائم رکھا، تو اس سے بیوی کے فعل کے نہ ہونے کا گمان کہاں ہوسکتا ہے۔ (ت)

شبہہ ثانیہ زن تابع است و لاحکم للتبع مع الاصل **اقول**[4] لا مرد للحقائق در صدور ترک تعرض از زن جائے سخن نیست سائل خود گوید کہ زن چیزے از لا و نعم نہ گفت و ہمیں قدر شرط حنث بود بیش ازیں در کار نیست آیا نہ بینی کہ در مکان غیر شرط بر نہی بالقول داشتہ اند گو بخانہ آرندۂ محلوف علیہ خود صاحب خانہ باشد یا دیگرے آورد یا خود آمد و صاحب خانہ ہم معترض نہ شد لاطلاق حکم الکل فی جمیع الکتب بلکہ تصریح فرمودہ اند کہ امر عدمی بحالت اکراہ نیز موجب حنث شود چہ جائے رضا و لو تبعا، امام قاضی خاں فرمایند الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل فرق و

دوسرا شبہہ یہ کہ، بیوی مرد کے تابع ہے تو اصل کی موجودگی میں تابع پر حکم نہیں ہوتا۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) حقائق کو رد نہیں کیا جاسکتا کہ بیٹے سے تعرض نہ کرنا، بیوی سے اس کے صادر ہونے میں شبہہ نہیں ہوسکتا کیونکہ سائل نے خود کہا ہے کہ بیوی نے اس موقعہ پر ہاں یا نہ، کچھ نہ کہا، تو حانث ہونے کے لئے بس یہی کافی ہے اس سے زیادہ کوئی ضرورت نہیں، کیا دیکھتے نہیں کہ غیر کے مکان میں حنث سے بچنے کیلئے صرف زبانی روکنا ہی کافی قرار دیا گیا ہے، جس کے بارے میں قسم کھائی ہے اس کو گھر لانے والا خود صاحب مکان ہو یا کوئی غیر ہو یا وہ خود آجائے اور گھر والا، آنے پر اعتراض نہ کرے، ہر صورت میں حانث ہوتا ہے کیونکہ

علـ۱ و علـ۲ و علـ۳ مسودہ میں بیاض ہے۔

قال فی قولہ ان لم اخرج اذا منعہ مانع حنث وفی قولہ لا اسکن اذا منعہ مانع عن الخروج لا یحنث والفتوی علی قولہ لان فی قولہ لا اسکن شرط الحنث السکنی والفعل لا یتحقق بدون الاختیار وفی قولہ ان لم اخرج شرط الحنث عدم الخروج والعدم یتحقق بدون الاختیار[1]

تمام کتب میں ان جملہ صورتوں کا حکم مطلق رکھا گیا ہے بلکہ فقہائے تصریح کی ہے کہ عدمی امور میں جبر و اکراہ کی صورت میں بھی حانث ہوجاتا ہے چہ جائیکہ رضامندی سے ہو اگرچہ تبعاً ہی ہو۔ امام قاضی خاں فرماتے ہیں کہ شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل نے فرق کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی یوں قسم اٹھائے کہ "اگر میں نہ نکلوں تو" اس قسم میں اگر کسی نے اس کو نکلنے سے منع کیا تب بھی حانث ہوگا، اور اگر یوں قسم کھائی کہ "میں یہاں رہائش نہ رکھوں تو" اس قسم میں اگر کسی نے اس کو وہاں سے جانے اور نکلنے سے منع کیا تو قسم نہ ٹوٹے گی اور اس فرق والے قول پر فتوٰی ہے، کیونکہ میں یہاں رہائش نہ رکھوں گا، میں حانث ہونے کی شرط وہاں رہائش پذیر ہونا ہے اور یہ فعل ہے جبکہ کوئی فعل اختیار کے بغیر متحقق نہیں ہوتا، اور "اگر نہ نکلوں تو" کی صورت میں حانث ہونے کی شرط "نہ نکلنا" ہے جو کہ عدمی چیز ہے اور عدمی چیز اختیار کے بغیر بھی متحقق ہوجاتی ہے (ت)

شبہہ ثالثہ ایں جا داعی یمین صفت عقوق و ہذا در پسر بود ویمین بزوال صفات داعیہ زائل شود کما فی لا یاکل ھذا البسر فصار رطبا او الرطب فصار تمرا[2] کما فی الھدایۃ وسائر الکتب در عقود دریہ است ھذہ صفات داعیۃ الی الیمین فتتقید بہ[3]، در فتح القدیر فرمود الاصل ان المحلوف علیہ اذا کان بصفۃ داعیۃ الی الیمین تقید بہ فی المعرف والمنکر فاذا زالت زال الیمین

تیسرا شبہہ یہ کہ، یہاں قسم کا سبب نافرمانی ہے اور نافرمانی بیٹے کی صفت تھی لہٰذا قسم کا سبب نافرمانی ختم ہوجانے پر قسم بھی ختم ہوجائے گی جیسا کہ کسی نے قسم کھائی کہ میں یہ بُسر کھجور نہ کھاؤں گا تو اب وہ رُطب ہوگئی یا قسم کھائی کہ یہ رُطب کھاؤں گا تو اب وہ تمر بن گئی، ایسی صورت میں قسم ختم ہوجاتی ہے جیسا کہ ہدایہ اور دیگر کتب میں ہے، عقود الدریہ میں ہے کہ کھجور کی یہ صفات قسم کا سبب تھیں تو قسم بھی ان صفات سے مقید قرار پائے گی لہٰذا یہ صفات تبدیل ہوگئیں تو قسم بھی باقی نہ رہے گی، فتح القدیر میں فرمایا کہ قاعدہ یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی وہ چیز اگر صفت رکھتی ہے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الایمان فصل فی التزویج نولکشور لکھنؤ ۲/۲۹۶

[2] الہدایۃ باب الیمین فی الاکل والشرب المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۴۶۷

[3] عقود الدریۃ کتاب الطلاق ومطالبہ حاجی عبدالغفار قندھار افغانستان ۱/۴۹

عنه ومالاتصلح داعية اعتبر فی المنکر
دون المعرف[1]۔ اقول محلش آنجاست کہ در
حلف آں صفت داعیہ را ذکر کردہ باشد اگرچہ
در معرف اگرچہ بالاشارہ باآنکہ وصف در حاضر لغو است
ولہذا لوحلف لایکلم ھذا الصبی فکلمہ
شابا حنث اما داعی بودنش داعی اعتبارش میشود
چنانکہ در ھذا البسر وھذا الرطب
وھذا اللبن الٰی غیر ذٰلک ورنہ وصف ملحوظ
را مدار بقائے یمین نتواں کرد کہ بنائے ایمان
بر الفاظ ست نہ بر اغراض، در فتح القدیر
فرمود من صور تخصیص الحال ان
یقول لا اکلم ھذا الرجل وھو قائم
ونوی فی حال قیامہ فنیتہ لغو
بخلاف مالوقال لا اکلم ھذا الرجل
القائم فان نیتہ تعمل فیما بینہ وبین
اللہ تعالٰی[2] پیداست کہ در دیانت صفت داعیہ
وغیر داعیہ یکساں ست نیت خصوص باید اما بے ذکر
در لفظ نیت مجردہ دیانۃ[3] نیز بکار نیامد تا بقضا
چہ رسد، ہمدراں ست ان خرجت فعبدی
حر ونوی السفر مثلا یصدق دیانۃ
فلا یحنث بالخروج الی غیرہ تخصیصا
لنفس الخروج بخلاف مالونوی الخروج

جو قسم کا سبب بن سکتی ہے تو وہ قسم اس صفت سے مقید
ہوگی خواہ وہ چیز معرفہ کے طور پر مذکور ہو یا نکرہ مذکور ہو
تو جب وہ صفت ختم ہو جائے تو قسم بھی ختم ہو جائے گی
اور اگر اس چیز کی صفت قسم کا سبب بننے والی نہ ہو
تو پھر اس کو نکرہ ذکر کرنے پر قسم میں اس کی صفت کا
اعتبار ہوگا معرفہ میں اعتبار نہ ہوگا۔ اقول (میں
کہتا ہوں) اس قاعدہ کا محل وہ ہے جہاں قسم کا سبب
بننے والی صفت کو قسم میں ذکر کیا گیا ہو اگرچہ وہ
معرفہ کے طور پر مذکور ہو خواہ معرفہ اشارہ سے بنایا گیا ہو
کیونکہ اشارہ حاضر چیز کی طرف ہوتا ہے باوجودیکہ حاضر میں
صفت کا ذکر لغو قرار پاتا ہے، اسی لئے اگر قسم کھائی
کہ میں اس بچے سے بات نہ کروں گا تو اگر اس سے
جوانی میں بات کی تو تب بھی حانث ہوگا، تاہم وصف
اگر قسم کا داعی ہوگا تو اس کے اعتبار کا بھی داعی ہوگا'
جیسا کہ یہ بُسر اور یہ رُطب وغیرہ میں، اور یہ دودھ'
وغیرہ میں یہ صفات قسم کا داعی ہونے کے ساتھ قسم
میں بھی معتبر ہیں، اگر ایسا نہ ہو تو پھر وصف داعی
بھی ہو تو غیر معتبر ہونے کی صورت میں اس کی بقاء
قسم کی بقاء کے لئے مدار نہیں بن سکتی کیونکہ قسمیں
الفاظ پر مبنی ہوتی ہیں اغراض پر مبنی نہیں ہوتیں فتح القدیر
میں فرمایا حال کی تخصیص کرنے کی صورت یوں ہے کہ
ایک شخص کھڑا ہو تو کوئی اس کے بارے میں قسم کھائے کہ

---

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب المکتبۃ العربیۃ کراچی ۴/۳۹۶
[2] " " " " نوریہ رضویہ سکھر ۴/۴۱۰

الیٰ مکان خاص کبغداد حیث لایصح لان المکان غیر مذکور[1]

میں اس سے بات نہ کروں گا اور قسم میں اس کے کھڑے ہونے کی نیت کرے تو یہ نیت لغو ہوگی بخلاف جب یوں کہے کہ میں اس کھڑے شخص سے بات نہ کروں گا تو اس صورت میں قسم میں کھڑے ہونے کی نیت کا اعتبار عنداللہ ہوسکتا ہے اس سے واضح ہوا کہ دیانۃً یعنی عنداللہ، میں وصف داعی اور غیر داعی دونوں یکساں ہیں اس لئے نیت تخصیص ضروری ہے لیکن وصف کو ذکر کئے بغیر محض نیت کرنا دیانت میں بھی کارآمد نہیں ہے تو قضاءً کیسے کارآمد ہوسکتی ہے، اسی میں ہے اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ اگر میں باہر جاؤں تو میرا غلام آزاد ہے، اور باہر جانے سے سفر کی نیت کی تو اس کی تصدیق دیانۃً کی جاسکتی ہے کیونکہ باہر نکلنے کو سفر کے ساتھ خاص کیا ہے تو یہ خروج مذکور کی تخصیص ہے لہذا کسی اور مقصد کے لئے باہر نکلے تو حانث نہ ہوگا، اس کے برخلاف اگر اس سے وہ کسی خاص جگہ مثلاً بغداد کے لئے نکلنا مراد لے تو یہ نیت صحیح نہ ہوگی کیونکہ قسم میں جگہ کا ذکر نہیں اس لئے جگہ کی تخصیص بھی معتبر نہیں ہے۔ (ت)

شبہہ رابعہ در یمین زوال سبب زوال یمین ست گو در لفظ مذکور مباشد و لہذا اگر دائن مدیون یا کفیل را یا کفیل بالنفس مکفول عنہ یا کفیل بالامر اصیل را سوگند دہد بے اذن من بیرون شہر نروی و دین ادا شد یا کفالت نماند یمین منتہی شود کہ باعث بر و نبود مگر دین و کفالت پس بزوالش زائل شود در ہندیہ از محیط ست حلف صاحب الدین مدیونہ ان لایخرج من البلدۃ الا باذنہ فالیمین مقیدۃ بحال قیام الدین[2] درخانیہ فرماید الکفیل بالنفس اذا حلف الاصیل ان لایخرج من البلدۃ الاباذنہ فقضی الاصیل دین الطالب ثم خرج الحالف بعد ذلک

چوتھا شبہہ یہ کہ، قسم کے سبب کے ختم ہوجانے پر قسم بھی ختم ہوجاتی اگرچہ وہ سببِ قسم میں مذکور نہ ہو، لہذا اگر قرض خواہ اپنے مقروض کو یا اس کے کفیل کو یا نفس کا کفیل اپنے مکفول عنہ کو یا کفیل بالامر اپنے اصیل یعنی اصل ذمہ دار کو قسم دے کہ تو میری اجازت کے بغیر شہر سے باہر مت جائے گا، تو اس قسم کا سبب قرضہ یا کفالت ختم ہوجائے تو یہ قسم بھی ختم ہوجائے گی۔ ہندیہ میں محیط سے منقول ہے کہ قرض خواہ نے مقروض کو قسم دی کہ تو میری اجازت کے بغیر شہر سے باہر نہ جائے گا تو یہ قسم قرض کی بقاء سے مقید ہوگی کہ جب تک قرض ہے قسم باقی رہے گی ورنہ قرض ختم ہوجانے پر یہ قسم بھی ختم ہوجائے گی۔ خانیہ میں ہے جب کفیل بالنفس یعنی کسی شخص کو حاضر کرنے کا ضامن، اپنے اصل ذمہ دار کو قسم دے کہ تو میری

---

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۰۹

[2] فتاویٰ ہندیہ

لایحنث[1] درتنویر فرمود حلف رب الدین غریمہ
او الکفیل بامر المکفول عنہ ان
لا یخرج من البلد الا باذنہ تقید
بالخروج حال قیام الدین بالکفالۃ[2]
و پیدا است کہ ایں جا سبب یمین ہمیں خشم و ناراضی
ست چوں برضا بدل شد سبب نماند و
مسبب رفت، **اقول** چناں نیست نہ
ہیچ کس باو قائل ورنہ عامہ ایمان عامہ کہ مبتنی
بر خشم و ناچاقی و غضب و نا اتفاقی باشد
بفلاں سخن نکند، وروئیش نہ بیند بخانہ اش نہ رود و
بخانہ اش راہ نہ دہد، او را صد چوب زند
چنیں کند، چناں کند، ورنہ زن طلاقہ شود
وغیر ذلک ہزاراں ہزار سوگند ہمہ
بمجرد زوال خشم برباد رفتے و بے حنث و کفارہ و
لزوم ہیچ جزا باطل شدے و اصلاً احتیاج
احتیال براثر بر نماندے آیا ہیچکس بجہاں قائل
ایں قول شنیدہ، ائمہ کرام در ایمان مذکور بصورتہائے
گوناگوں و تفریعات بوقلموں بہ تقریر و تطبیق سخن فرمودہ
و بہر پہلوئے آنہا موج موج تحقیقات رفیعہ
و فوج فوج تنقیحات بدیعہ نمودہ فاما ہیچگاہ ہیچ
جا بہ ہیچ کتاب نگفتہ اند کہ ایں ہمہ برود مات
تا بقائے خشم ست چوں رضا آمد سوگند سپری

اجازت کے بغیر شہر سے باہر نہ جائے گا، تو جب اصیل
نے قرض والے کا قرضہ ادا کردیا تو پھر وہ اس کی
اجازت کے بغیر شہر سے باہر گیا تو قسم نہ ٹوٹے گی۔
تنویر میں فرمایا کہ اگر قرض خواہ نے مقروض کو یا کسی معاملے
کے ضامن نے اپنے مکفول کو قسم دی کہ تُو میری اجازت
کے بغیر باہر نہ جائے گا تو نکلنے کے متعلق یہ قسم قرض کی بقاء
اور کفالت کی بقاء سے مقید ہوگی کہ قرض و کفالت ختم ہوجائے
تو یہ قسم بھی ختم ہوجائے گی، تو مذکورہ بیان سے واضح ہوگیا
کہ زیر بحث مسئلہ میں قسم کا سبب بیٹے پر باپ کی ناراضگی
اور غصہ ہے تو جب یہ غصہ و ناراضگی رضا میں بدل گئی تو یہ
سبب ختم ہوگیا تو مسبب یعنی بیوی کے متعلق طلاق کی قسم
بھی ختم ہوگئی، **اقول** (میں کہتا ہوں) ایسا ہرگز نہیں
ہے اور نہ ہی کوئی اس کا قائل ہے ورنہ عام قسمیں جو
غصہ اور ناراضگی، نا اتفاقی پر مبنی ہوتی ہیں، مثلاً فلاں
سے بات نہ کروں گا، فلاں کی شکل نہ دیکھوں گا، فلاں کے
گھر نہ جاؤں گا، فلاں کو گھر کی راہ نہ دوں گا، فلاں کو ایک سو چھڑی ماروں گا'
اگر ایسا کروں تو یہ ہوجائے یا وہ ہوجائے یا بیوی کو طلاق
ہوجائے وغیرہ، تو لازم آئے گا کہ ہزار ہا قسمیں غصہ
ختم ہوجانے پر برباد ہوجائیں اور بغیر کفارہ اور بغیر حانث
ہوئے ختم ہو کر رہ جائیں، اور ان قسموں پر کوئی جزا
لاگو نہ ہو اور ان قسموں سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے
اصلاً کسی حیلہ کی ضرورت پیش نہ آئے، اور ایسی قسموں

---

[1] فتاویٰ قاضی خاں کتاب الایمان فصل فی الخروج نولکشور لکھنؤ ۲/۳۱۵
[2] الدر المختار باب الیمین فی الضرب الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۱۳

شد و جملہ احکام نظری تا آنکہ اگر کسے
سوگند خورد کہ اگر با زید سخن کند زن سہ طلاقہ
ست باز می خواہد کہ با او سخن گوید چہ باید ش
کرد کہ طلاق معلق واقع نشود او را فرمودہ
اند کہ زن را یک طلاق بائن دہد و بگزارد تا از
عدت برآید باز با زید سخن راند جزا فرود آید و
محل نیابد و بے اثر رود باز با زن نکاح کند و
با زید ہمکلام ماند دگر طلاق نیفتد کہ یمین بیکبار
منحل شد ۔ در سراجیہ باز ہندیہ فرمود
اذا حلف بثلث تطلیقات ان لا یکلم
فلانا فالسبیل ان یطلقھا
واحدۃ بائنۃ و یدعھا
حتی تنقضی عدتھا ثم
یتکلم فلانا ثم یتزوجھا[1]
اینہمہ تکلفات چراست چرا نگفتند کہ چوں آں
خشم رفت و باہم مصالحت شد سوگند خود باطل گشت
و این ست نبی اللہ سیدنا ایوب علی نبینا و علیہ
الصلوٰۃ والسلام در ایام بلا زوجۂ مقدسہ اش
رحمہ بنت آفرائیم یا میشا بن یوسف بن یعقوب
بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بمزدوری
و محنت نان پیدا کردے و برائے نبی اللہ
آوردے روزے نان بسیار سے آورد نبی اللہ
گمان برد مبادا مال کسے بخیانت گرفت خشم کرد

کا کوئی اثر نہ رہے، کیا آپ نے دُنیا میں کبھی کسی سے یہ
بات سُنی ہے، حالانکہ ائمہ کرام نے ان مذکورہ قسموں کی
بابت گوناگوں بحثیں کی ہیں اور طرح طرح کی تفریعات
بیان کی ہیں، اور ان کے متعلق ہر پہلو سے بلند تحقیقات
اور عجیب تنقیحات کے دریا بہا دئے ہیں لیکن اس کے
باوجود انھوں نے کبھی کسی جگہ کسی کتاب میں یہ بات
نہ فرمائی کہ یہ تمام قسمیں غصّہ تک ہیں جب غصّہ ختم ہو جائے
اور رضامندی ہو جائے تو قسمیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں،
اور ان کے تمام غور و خوض پر مبنی احکام محض تکلف
بن کر رہ جائیں، مثلاً اگر کسی نے قسم کھائی کہ اگر زید
سے بات کروں تو بیوی کو تین طلاقیں ہیں، پھر یہ قسم
کھانے والا زید سے بات کرنا چاہتا ہے تو کیا کیا جائے
کیونکہ بات کرنے پر بیوی کو تین طلاقیں پڑتی ہیں اور کیا
صورت ہو کہ بات کرلے اور تین طلاقیں نہ پڑیں ، تو
ایسے شخص کو ان فقہاء کرام نے فرمایا کہ یہ شخص اپنی بیوی
کو ایک بائنہ طلاق دے دے تو اس کی عدت
پوری ہونے کے بعد زید سے بات کرے تو اب اس
پر جزا یعنی طلاق وارد ہوگی لیکن اس وقت بیوی
بائنہ ہو جانے کی وجہ سے طلاق کا محل نہ رہے گی ،
کیونکہ ایک دفعہ قسم ٹوٹ چکی ہے اور ختم ہو چکی ہے ۔
سراجیہ پھر ہندیہ میں فرمایا کہ جب کسی نے تین طلاقوں کی قسم
کھا کر کہا میں فلاں سے بات نہ کروں گا، تو اس کیلئے
تین طلاقوں سے بچنے کی سبیل یہ ہے کہ بیوی کو پہلے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحیل الفصل السابع فی الطلاق نورانی کتب خانہ پشاور ۳۹۷/۶

سوگند خورد صد چوب زند باو خشم رفت و
باعلام الٰہی براتِ خاتون ظاہر گشت فاما
یمین برجا ماند تا آنکہ حضرت عزت جل جلالہ
راہ خلاص ازاں تعلیم فرمود کہ خذ بیدك
ضغثا فاضرب ولا تحنث[1] دستہ بدست
گیرد زن را زن و سوگند مشکن پیدا شد
کہ بزوال حامل و انتفائے سبب یمین
باطل نشود اخرج ابن المنذر
عن سعید بن المسیب
رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ
بلغہ ان ایوب علیہ الصلوٰۃ
والسلام حلف لیضربن
امرأتہ مائۃ فی ان
جاءتہ فی زیادۃ علی ماکانت
تأتی بہ من الخبز الذی
کانت تعمل علیہ وخشی ان
تکون قارفت من الخیانۃ
فلما رحمہ اللہ وکشف عنہ
الضر علم براءۃ امرأتہ
مما اتہمہا بہ فقال اللہ عزو
جل "وخذ بیدك ضغثا فاضرب
بہ ولا تحنث" فاخذ ضغثا
من ثمام وھو مائۃ عود

ایک بائنہ طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جائے
تو پھر اس فلاں سے بات کرے اور اس کے بعد
دوبارہ بیوی سے نکاح کرلے، تو ان فقہاء نے اس
قسم کے تکلفات کیوں فرمائے اور یہ کیوں نہ فرمادیا کہ
یہ غصہ اور ناراضگی کی قسم تھی تو غصہ و ناراضگی ختم ہوگئی
اور مصالحت ہوگئی تو قسم خود بخود ختم ہوگئی، دیکھئے حضرت
سیدنا ایوب علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ
کے پیارے نبی ہیں کہ آزمائش و ابتلاء کے دور میں
آپ کی پاکیزہ بیوی جن کا نام رحمہ بنت افرائیم، یا میشا
بنت یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم الصلوٰۃ
والسلام تھا، وہ آپ کے لئے محنت و مزدوری کرکے
خوراک مہیا فرماتی تھیں، ایک دن انھوں نے حضرت
ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں زیادہ کھانا
پیش کیا تو حضرت ایوب علیہ السلام کو گمان ہوا کہ
شاید وہ کسی کا مال خیانت کے ذریعہ حاصل کرلائی ہیں
اس پر آپ کو غصہ آیا تو آپ نے قسم کھائی کہ اس کو ایک سو
چھڑی ماروں گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے
بیوی کی برأت معلوم ہوئی تو آپ کا غصہ ختم ہوا مگر قسم
باقی تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قسم سے
خلاصی کی تعلیم دی کہ سو چھڑیوں کا مٹھا ہاتھ میں لے کر
ایک دفعہ ماردیں اور قسم نہ توڑیں، تو اس واقعہ سے
معلوم ہوا کہ قسم کا سبب اور داعی ختم ہوجانے کے باوجود
قسم باقی رہتی ہے اور اس کے خاتمہ سے قسم ختم نہیں

[1] القرآن الکریم ۳۸/۴۴

فضرب به کما امرہ اللہ تعالٰی اھ[1] ہوتی (قرآن پاک میں اس واقعہ کو اشارۃً بیان فرمایا گیا)
جس کی تفصیل کو ابن منذر نے سعید بن مسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بیوی کو سو چھڑی مارنے کی قسم کھائی کہ بیوی محنت سے جو روٹی مہیا کرتی تھیں ایک روز اس سے زائد روٹی آپ کی خدمت میں پیش کی جس پر آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ زائد خوراک کسی کے مال میں خیانت کرکے لائی ہیں، تو جب اللہ تعالٰی کی طرف سے آپ پر خاص رحمت کے ذریعہ تکلیف کی شدت ختم ہوئی اور بیوی کے بارے میں جو آپ کو شبہہ تھا اس کی برأت معلوم ہوئی تو اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ آپ ایک مُٹھا لے کر اپنے ہاتھ سے اس کو ماریں اور قسم نہ توڑیں، تو آپ نے شاخوں کا ایک مُٹھا جو سو چھڑیوں کا مجموعہ تھا لے کر اللہ تعالٰی کے حکم کے مطابق بیوی کو مارا اھ۔ (ت)

اقول وھذا احسن ما سمعناہ فی الباب وعلیہ التعویل ولا اصغاء الی ما نادا الناس من تھویل وقال وقیل من دون اصل اصیل واللہ الھادی الی سواء السبیل ودر مسائل مذکورہ وجہ نہ آنست بلکہ آنجا تقیید و نص بیان ست زیرا کہ باذن مقید کردہ اند پس مخصوص باشد بزمانہ ولایت آنہا مراذن ومنع را د آں نیست مگر زمان قیام دین وکفالت ولہذا اگر سلطان اسیرے را حلف دہند کہ بے اذن ملک ایشاں بیرون نرود متقید ماند بزمان بقائے سلطنتش تا آنکہ اگر او را معزول کنند باز نشانند واسیر بے اذن او بیروں رود حانث نشود

اقول (میں کہتا ہوں کہ) یہ واقعہ اس بحث میں بہترین دلیل ہے جو ہم پر واضح ہوئی اور اسی پر اعتماد ہونا چاہئے اور اس پر لوگوں کی زائد باتوں اور بے اصل قیل وقال پر توجہ نہ دی جائے اور اللہ تعالٰی ہی سیدھے راستے کی رہنمائی فرماتا ہے اور اس شبہہ میں ذکر کردہ مسائل کی وجہ وہ نہیں جو شبہہ کرنے والوں نے ظاہر کی، بلکہ وہاں قسم کی تقیید اور اس کا بیان ہے کیونکہ انھوں نے وہاں اذن (اجازت) کے ساتھ مقید کرکے اس قسم کو اذن ومنع کی ولایت کی مدت کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور ولایت کی یہ مدت صرف قرض وکفالت کے زمانہ تک ہے اسی لئے اگر کوئی سلطان کسی قیدی کو قسم دے کہ تو میری اجازت کے بغیر میرے ملک سے باہر نہ جائے گا تو یہ قسم اس سلطان کی حکومت کی بقا

[1] درمنثور بحوالہ ابن منذر تحت آیۃ مذکورہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۵/۳۱۷

کہ یمین بزوال ملک منتہی شد و باز بعودش نکنند ہمچناں
اگر شوہر زن یا مولیٰ غلام یا شاہ یکے از رعایا را حلف
دہد یا خود سوگند خورد کہ بے اذن من بیروں نروی
متقید ماند بزمان بقائے زوجیت و ملک ملک تا آنکہ اگر
زن را جدا کرد باز بزنے آورد یا غلام را فروخت باز
خرید یا معزول باز منصوب شد و دریں ملک و
ملک حادث زن و غلام و رعیت بے اذن بیروں
روند حنث روئے نماید کہ ولایت اذن ہمیں تا بقائے
نکاح و ملک و ملک بود و درحدوث تازہ یمین تازہ نکرد
ولہذا اگر بے تقیید باذن مطلقاً زن و بندہ را
از بروں شدن باز دارد و براں حلف کند یا گیرد
یمین ابدی شود و بزوال نکاح و ملک منتہی نشود کہ
لفظے کہ مفید تقیید بود نہ کور ست و لہذا اگر
زن را گوید اگر بے اذن تو زنے را بزنے می گیرم مطلقہ
باشد یمین مطلقہ غیر مقیدہ باشد تا آنکہ
اگر زن را نکاح بروں کرد باز زنے بے اذن اولے
بنکاح آورد مطلقہ شود زیرا کہ زن بزنے مالک
اذن و منع نمی شود پس دلیل تقیید منتفی شد
و اذن بر اذن لغوی محمول گشت نہ اذن شرعی و
اذن لغوی مقتصر بر بقائے زوجیت نیست آرے
آں روز کہ آں زن میرد یمین منتہی شود کہ حالا او را
صلاحیت اذن نماند، در درمختار بعد عبارت
مذکورہ فرمود لو قال لہا ان خرجت
من ھذہ الدار الا باذنی فانت
طالق ثلٰث فطلقھا بائنا فخرجت

کے ساتھ مقید ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر اس سلطان کو معزول
کردیں تو اب اگر قیدی اس کی اجازت کے بغیر ملک سے باہر چلا جائے
تو قیدی کی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ وہ قسم سلطان کے معزول ہونے
پر ختم ہوگئی اور دوبارہ سلطان کے بحال ہونے سے قسم بحال
نہ ہوگی، اسی طرح اگر خاوند بیوی کو یا آقا اپنے غلام کو یا بادشاہ
اپنی رعیت میں سے کسی کو قسم دے یا وہ خود قسم کھائے کہ میری
اجازت کے بغیر باہر نہ جائے، تو یہ قسم بھی بقاءِ زوجیت،
بقاءِ ملک، بقاءِ مُلک کے ساتھ مقید ہوگی، حتیٰ کہ اگر بیوی کو
نکاح سے خارج کردیا اور اس کے بعد دوبارہ نکاح کیا
یا مالک نے غلام کو فروخت کردیا اور دوبارہ خریدا یا معزول
شدہ کو دوبارہ بحال کردیا تو اس دوسری نئی زوجیت، ملک،
مُلک میں بیوی، غلام، رعیت اجازت کے باہر چلے جائیں
تو حانث نہ ہوگا کیونکہ ان لوگوں کو اذن و اجازت کی ولایت
اس وقت کی موجودہ ولایت تک تھی اور بعد میں دوبارہ نئی
ولایت حاصل ہونے پر دوبارہ قسم بحال نہ ہوگی، لہذا اگر
بیوی کو باہر جانے سے روکنے کے لئے بیوی کو قسم دی
یا خود قسم کھائی جس میں اجازت کی قید کا ذکر نہیں ہے،
اس لئے اگر بیوی کو کہا کہ میں تیری اجازت کے بغیر دوسری
عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہوگی تو یہ قسم
مطلق اور بغیر قید ہوگی، حتیٰ کہ اگر پہلی بیوی کو نکاح سے
خارج بھی کردے تب بھی اس کی اجازت کے بغیر
دوسری عورت سے نکاح کرنے پر دوسری کو طلاق ہوجائیگی
کیونکہ بیوی دوسری عورت سے نکاح کو روکنے اور
اجازت دینے کی مالک نہیں بن سکتی، اس لئے اس
صورت میں اجازت کا ذکر ہونے کے باوجود وہ قید نہ ہوگی

بغیر اذنہ لایحنث لان یمینہ تقیدت بحال تمام ولایۃ المنع عن الخروج وولایۃ المنع تزول بالطلاق البائن وھو کالسلطان اذا حلف رجلا ان لا یخرج من البلدۃ الا باذنہ فعزل السلطان ثم خرج الحالف لا یحنث (ومعہ[عہ] مسئلۃ الکفیل المذکورۃ ثم قال) ولو ان الحالف تزوج المرأۃ بعد ما ابانہا فخرجت بغیر اذنہ لا تطلق لان الیمین بطلت بالابانۃ فلا تعود بعد ذلک وذکر فی اسیر اھل الحرب اذا احلفوا لاسیر ان لایخرج الا باذن ملکھم فعزل الملک ثم عاد ملک فخرج الاسیر بغیر اذنہ لایحنث وکذا لو قال الرجل لعبدہ ان خرجت بغیر اذنی فانت حر فباعہ ثم اشتراہ فخرج بغیر اذنہ لا یعتق،

اور یہ بیوی کی اجازت لغوی معنیٰ میں ہوگی شرعی معنیٰ میں اجازت مراد نہ ہوگی، اور لغوی اجازت بقائے نکاح پر موقوف نہ ہوگی اور نکاح ختم ہونے کے بعد بھی پہلی بیوی کی اجازت ضروری ہوگی، ہاں جس روز وہ فوت ہوجائے گی تو قسم ختم ہوجائے گی کیونکہ اب اجازت دینے کی صلاحیت نہ رہی تو اب قسم پوری ہونے کا احتمال ختم ہوجانے پر اجازت سے مشروط قسم بھی ختم ہوجائیگی۔

درمختار میں مذکورہ عبارت کے بعد فرمایا کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا کہ اگر تُو میری اجازت کے بغیر باہر نکلی تو تجھے تین طلاق ہوں گی، اس کے بعد خاوند نے اس کو طلاق بائنہ دے دی اور وُہ خاوند کی اجازت کے بغیر باہر نکل گئی تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ بائنہ طلاق کی وجہ سے اب خاوند کا اجازت کا اختیار ختم ہوگیا جبکہ یہ قسم بیوی کو باہر نکلنے سے منع کرنے کی ولایت اور اختیار سے مقید تھی اور یہ اختیار نکاح کے باقی رہنے تک تھا جو نکاح ختم ہوجانے پر ختم ہوگیا ـــــ

ـــــ جیسا کہ کسی حکمران نے کسی کو قسم دی کہ تُو میری اجازت کے بغیر شہر سے باہر نہ جائے گا، اب اگر وہ شخص حکمران کے معزول ہوجانے پر شہر سے باہر اس کی اجازت

عہ مسودہ میں بیاض ہے۔

در تبیین الحقائق و فتح القدیر ست وھذا لفظ الفتح یتقید بحال قیام الدین والکفالۃ لان الاذن انما یصح ممن لہ ولایۃ المنع وکذا لا تخرج امرأتہ الا باذنہ بقیام الزوجیۃ بخلاف مالو حلف لا تخرج امرأتہ من الدار فانہ لا یتقید بہ، اذ لم یذکر الاذن فلا موجب لتقییدہ بزمان الولایۃ فی الاذن و کذا الحال فی حلفہ علی العبد مطلقا و مقیدا و علی ھذا لو قال لامرأتہ کل امرأۃ اتزوجھا بغیر اذنک طالق فطلق امرأتہ طلاقا بائنا او ثلثا ثم تزوج بغیر اذنھا طلقت لانہ لم تتقید ببقاء النکاح لانھا انما تقید بہ لو کانت المرأۃ تستفید ولایۃ الاذن والمنع بعقد النکاح[1]، در ہدایہ و فتح فرمایند لو قال ان کلمت فلانا الا ان یقدم فلان او یاذن فلان و مات فلان سقط الیمین لان الممنوع منہ کلام ینتھی المنع منہ بالاذن والقدوم

کے بغیر نکل جائے تو قسم نہ ٹوٹے گی (اس کے ساتھ انھوں نے کفالت مذکورہ کا مسئلہ بھی بیان کیا اور پھر فرمایا) اگر مذکورہ قسم اٹھانے والے خاوند نے مذکورہ بائنہ بیوی سے دوبارہ نکاح کیا تو اب اگر بیوی اس کی اجازت کے بغیر باہر جائے تو اب طلاق نہ ہوگی کیونکہ وہ حلف بیوی بائنہ ہو جانے پر باطل ہوگیا اور دوبارہ نکاح سے وُہ حلف بحال نہ ہوگا، درمختار نے اہلِ حرب کے قیدی کے متعلق ذکر کیا کہ اس کو قید کرتے ہُوئے انھوں نے یہ قسم دی کہ تو حاکم کی اجازت کے بغیر باہر نہ جائے گا تو اس حاکم کے معزول ہونے کے بعد دوبارہ بحال ہونے پر وُہ قیدی اس حاکم کی اجازت کے بغیر باہر نکلا تو حانث نہ ہوگا یعنی قسم نہ ٹوٹے گی، اور یونہی اگر مالک نے اپنے غلام کو کہا اگر تُو میری اجازت کے بغیر باہر نکلے تو تُو آزاد ہے، اب مالک نے اس غلام کو فروخت کردیا اور پھر دوبارہ خرید لیا تو اب غلام مالک کی اجازت کے بغیر باہر نکلا تو آزاد نہ ہوگا۔ تبیین الحقائق اور فتح القدیر میں ہے، یہ عبارت فتح القدیر کی ہے کہ قسم قرض اور کفالت کی بقاء سے مقید ہو گی کیونکہ اجازت تب متصور ہو سکتی جبکہ اس کو روکنے کی ولایت حاصل ہو اور یہ ولایت قرض اور کفالت تک ہوتی ہے اور یونہی خاوند نے بیوی سے کہا کہ تُو میری اجازت کے بغیر نہ نکلے گی تو یہ قسم اس زوجیت کے وجود سے مقید ہوگی، اس کے برخلاف اگر خاوند یوں کہے کہ میری بیوی گھر سے باہر نہ نکلے گی،

---

[1] فتح القدیر کتاب الایمان مسائل متفرقہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۴۶۸

ولم یبق الاذن والقدوم بعد الموت متصور الوجود وبقاء تصوره شرط بقاء الموقتة عند ابی حنیفة ومحمد وهذہ الیمین موقتة بوقت الاذن والقدوم اذ بهما یتمکن من البر اذ یتمکن من الکلام بلا حنث فیسقط بسقوط تصور البر[1] اھ ملخصا مخلوطا قال فی الفتح فان قیل لا نسلم عدم تصور البر بموته لانه سبحنه وتعالٰی قادر علی اعادة فلان فیمکن ان یقدم ویأذن فالجواب ان الحیاة المعادة غیر الحیاة المحلوف علی اذنه فیها وقدومه وهی الحیاة القائمة حالة الحلف لان تلك عرض تلاشی لایمکن اعادتها بعینها وان اعیدت الروح فان الحیاة غیر الروح لانه امر لازم للروح فیما له روح[2] اھ۔

تو اس قسم میں اجازت کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے یہ قسم زوجیت کی بقاء سے مقید نہ ہوگی کیونکہ زوجیت کی ضرورت اجازت کی ولایت کے لئے تھی، اور یوں ہی غلام کے بارے میں اجازت سے مقید قسم اور غیر مقید قسم کا حال ہے، اسی قاعدہ کی بناء پر، اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ میں جس عورت سے تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو اس عورت کو طلاق ہوگی' اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کو بائنہ یا مغلظ طلاق دے دی پھر کسی عورت سے پہلی مطلقہ بیوی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس عورت کو طلاق ہو جائے گی اور یہ قسم بقائے زوجیت پر موقوف نہ ہوگی کیونکہ بیوی کو نکاح سے روکنے یا اجازت دینے کی ولایت نہیں تھی (لہذا قسم میں مذکور اجازت کے لئے ولایتِ اجازت ضروری نہ تھی، لہذا نکاح ختم ہونے سے اجازت کی شرط ختم ہوگی) ہدایہ اور فتح القدیر میں فرماتے ہیں، اگر کسی نے کہا اگر فلاں سے اس کی اجازت یا اس کی آمد کے بغیر بات کروں تو یہ ہوجائے، اس کے بعد وُہ فلاں فوت ہوجائے تو قسم ختم ہو جائے گی کیونکہ اس سے کلام کی ممانعت کا اختتام اس کی اجازت یا آمد پر موقوف تھا جبکہ اس کی موت سے اجازت اور آمد کا تصور ختم ہوگیا، کیونکہ جب قسم کسی چیز سے مشروط ہو تو اس شرط کا متصور ہونا اس قسم کی بقاء کے لئے امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک ضروری ہے چونکہ یہ قسم اس فلاں کی اجازت یا آمد سے مشروط ہے تو اس شرط کے وجود سے قسم پوری ہوسکے گی تو جب شرط کے وجود کے بغیر کلام کرنے پر حانث ہونے کا احتمال ختم ہوگیا تو قسم پُورا ہونے کا احتمال بھی ختم ہوگیا لہذا یہ قسم باطل ہوجائے گی اھ ملخصاً، فتح القدیر میں مزید فرمایا کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس فلاں کی موت سے شرط کے وجود کا احتمال ختم ہوجانا قابلِ تسلیم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالٰی قادر ہے کہ اس کو دوبارہ زندہ کردے اور وہ زندہ

---

[1] فتح القدیر کتاب الایمان باب الیمین فی الکلام نوریہ رضویہ سکھر ۴/۲۴-۴۲۲

[2] " " " " " " ۴/۴۲۳

ہوکر اجازت دے یا آجائے، تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ دوبارہ زندہ ہونے کی حیات اس حیات کا غیر ہے جس حیات سے اجازت یا آمد کی قسم کھائی تھی اور قسم والی یہ حیات وُہ ہے جو قسم کے وقت تھی، کیونکہ حیات ایک ایسا عارضہ ہے جس کو بعینہ واپس لانا ممکن نہیں اگرچہ رُوح واپس ہوجائے کہ رُوح اور حیات آپس میں ایک دوسرے کے مغایر ہیں کیونکہ حیات، روح والی چیز کی رُوح کا لازم ہے نہ کہ وہ روح ہے اھ (ت)

و رأیتنی کتبت علیہ ما نصہ **اقول** فیہ ان الحیاۃ عرض لاتبقی زمانین فالحیاۃ التی بعد الحلف غیر التی کانت عند الحلف والجواب ان مبنی الایمان علی العرف واھل العرف یعدونھا واحدۃ مستمرۃ والمعادۃ غیرھا۔ **اقول** لکن لقائل ان یقول لا نظر فی الحلف الی تلك الحیاۃ خصوصھا بل الی تسلیم زمانہ فی ھذا الامر الی ذٰلك الشخص ان لایفعل الا باذنہ مثلا والشخص لایتبدل بتبدل الحیاۃ بدلیل الحشر و العقد فی تلك الحیٰوۃ غیر العقد علی تلك الحیاۃ والاذن وان لم یکن الا من حی فلا یستلزم ذٰلك عقد الحلف علی تلك الحیاۃ بعینھا الا تری ان الاذن لایمکن ایضا الا من عاقل ولوجُنّ فلان لا یسقط

اور مجھے یاد ہے کہ میں نے اس پر یہ حاشیہ لکھا جس کی عبارت یُوں ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) اس کلام میں بحث ہے کہ حیات جب عرض ہے تو وُہ دو زمانوں میں باقی نہیں رہ سکتی تو اس سے لازم آئیگا کہ حلف کے بعد والی حیات بھی حلف کے وقت والی حیات کا غیر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے تو عرف والے لوگ مختلف اوقات کی حیات کو ایک ہی جاریہ حیات قرار دیتے ہیں لیکن موت کے بعد والی حیات کو پہلی حیات کے مغایر قرار دیتے ہیں۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) لیکن یہاں اعتراض ہوسکتا ہے کہ قسم میں خاص اس زندگی کو پیشِ نظر نہیں رکھا جاتا بلکہ یہاں یہ بات پیشِ نظر ہوتی ہے کہ قسم کھانے والے کو زمانہ اگر یہ موقعہ دے کہ مثلاً وہ فلاں سے بات کرسکے تو وہ اسکی اجازت کے بغیر نہ کرے گا، جبکہ حیات کی تبدیلی سے شخص تبدیل نہیں ہوتا کیونکہ مرنے کے بعد حشر میں وہی شخص ہوتا ہوگا تو اِس زندگی میں قسم کھانے کا یہ مطلب نہیں کہ اسی زندگی پر حلف کا دارومدار ہے، اجازت کا تعلق اگرچہ زندہ سے ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حلف کا تعلق خاص اِسی زندگی سے ہو، دیکھئے اجازت صرف عقل والے سے ہی متصور ہوسکتی ہے

اليمين لاحتمال ان يعود عقله والمسألة منصوص عليها واكبر ظني انها في الخانية بل هو فيها اذ قال في فصل في الخروج ثلثة حلفوا رجلا ان لا يخرج من بخارا الا باذنهم فجن احدهم وخرج الحالف باذن الأخرين حنث وان مات احدهم فخرج لا يحنث لان اليمين تقيدت باذنهم وقد فات اذنهم بموت احدهم فلا يبقى اليمين وفي الوجه الاول لم يقع الياس عن اذنهم[1] اهـ **ثم اقول** يختلج ببالي ان لو قيل ان الموقتة اذا كانت على امر يمكن عادة فشرط بقاءها تصور البر عادة لا مجرد احتمال عقلي لحصل الجواب عن هذا ويومئ اليه قول الخانية لم يقع الياس فانه يفيد ان لو وقع الياس سقط اليمين ولا شك ان

لیکن فلاں عاقل اگر عقل کھو بیٹھے اور اس پر جنون طاری ہوجائے تو اس کے باوجود قسم ساقط نہیں ہوتی کیونکہ عقل کے بحال ہونے کا احتمال ابھی باقی ہے۔ یہ عقل والا مسئلہ کتب میں مذکور ہے جبکہ میرا غالب گمان ہے، کہ یہ مسئلہ خانیہ میں ہے بلکہ یقیناً اس میں ہے، جہاں انھوں نے فصل فی الخروج میں یہ ذکر کیا کہ تین حضرات نے ایک شخص کو یہ قسم دی کہ وہ ان تینوں کی اجازت کے بغیر بخارا سے باہر نہ جائے گا اس کے بعد ان تینوں میں سے ایک مجنون ہوگیا اور باقی دو کی اجازت سے وہ بخارا سے باہر چلاگیا تو قسم ٹوٹ جائے گی لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک فوت ہوجائے تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ قسم تینوں کی مشترکہ اجازت سے مشروط تھی تو ایک کے فوت ہوجانے سے وُہ شرط ختم ہوجائے گی اور قسم باقی نہ رہے گی، اور پہلی جنون والی صورت میں عقل بحال ہونے کے امکان کی وجہ سے مشترکہ اجازت سے مایوسی نہیں پائی جاتی اھ۔

ثم اقول (میں پھر کہتا ہوں کہ) اس اشکال کا جواب جو کہ میرے دل پر وارد ہوا ہے یوں ممکن ہے کہ قسم جب ایسی شرط سے مشروط ہو جس کا وقوع عادتاً ممکن تو اس کی بقاء کے لئے اس شرط کے عادتاً پائے جانے کا امکان ضروری ہے تاکہ قسم کا پُورا ہونا متصور ہوسکے ورنہ محض عقلی احتمال کافی نہیں ہوگا، جبکہ خانیہ کا قول کہ "ابھی مایوسی نہیں ہوئی" اس جواب کی صحت کی طرف اشارہ کررہا ہے کیونکہ ان کا یہ قول

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الایمان فصل فی الخروج نولکشور لکھنؤ ۲/۳۱۶

المستحیل عادۃ مایوس عنه و
قد قال فی الفتح فی مسئلة من حلف
لیصعدن السماء اولیقلبن ھذا الحجر
ذھبا ان العجز ثابت عادۃ
فلا بر فی نحوہ[1] اھ وھذا ھو
معنی الیاس وقد استشھد
لھا فی الھدایة بما اذا مات
الحالف فانه یحنث مع
احتمال اعادۃ الحیاۃ[2]، قال فی الفتح
فیثبت معه احتمال ان یفعل
المحلوف علیه ولکن لم یعتبر
ذلك الاحتمال بخلاف العادۃ
فحکم بالحنث اجماعا[3] الخ
فتبین انه لیس الوجه مغائرۃ
الحیاۃ المعادۃ للحیاۃ المعقود
علیھا الحلف والا لم یتم الاستشھاد
لکون العجز اذن عقلا کما
قررہ المحقق الاعادۃ بخلاف
صعود السماء او قلب الحجر
ذھبا فاذن لیس النظر
الا الی الیاس العادی و

بتارہا ہے کہ اگر مایوسی ہوجائے تو قسم ساقط ہوجائیگی
جبکہ مایوسی اسی چیز سے ہوتی جب وہ عادتاً محال ہو، اور
فتح میں آسمان پر چڑھنے اور اس پتھر کو سونے میں بدلنے
کے متعلق قسم کے بیان میں فرمایا کہ اگرچہ آسمان پر
چڑھنا اور پتھر کا سونے میں بدل جانا عقلاً ممکن ہے لیکن
عادتاً اس سے عجز ثابت ہے لہذا قسم ٹوٹ جائیگی
کیونکہ ایسا کرنا عادتاً ممکن نہیں ہے اھ، مایوسی کا
یہی معنٰی ہے۔ اس پر ہدایہ میں یُوں تائید ذکر کی کہ اس
صورت میں قسم کھانے والے کے فوت ہوجانے پر قسم
باطل نہ ہوگی کیونکہ دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے۔ فتح القدیر
میں اس کی وضاحت کرتے ہُوئے یُوں فرمایا کہ اس
امکان سے حلف والے کام کو کرنے کا احتمال ثابت
ہورہا ہے مگر اس کے باوجود یہ احتمال معتبر نہیں کیونکہ یہ
خلافِ عادت ہے اس لئے فوت ہوجانے پر بالاجماع
قسم کے ٹوٹ جانے کا حکم ہوگا الخ، تو اس بیان سے
واضح ہوگیا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے میں قسم
کے بحال نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ دوبارہ زندگی پہلی زندگی
کے مغایر ہے ورنہ ہدایہ اور فتح القدیر کا استشہاد تام
نہ ہوگا کیونکہ ان کا استشہاد عادی عجز پر تھا جبکہ
دونوں زندگیوں کے مغایر ہوجانے پر عجز عقلی ہوجاتا
ہے حالانکہ محقق صاحب فتح القدیر نے دوبارہ زندگی

---

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۶-۱۵
[2] ہدایہ " " " مکتبہ عربیہ کراچی ۱/ ۴۷۳
[3] فتح القدیر " " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۶

هو المقصود اقول ویظهر لی توجیهه ان من حلف علی محال عادی فقد عقد علی امکانه العقلی فلم یکن شرط الانعقاد الاهذا اما من عقد الموقتة علی ممکن عادی ثم استحال فلا یبعد ان تبقی الیمین لان هذا الامکان غیر المعقود علیه فلیتامل ولیحرر، واﷲ تعالٰی اعلم اھ ماکتبت علیہ۔

کے احتمال کو ثابت رکھا ہے، اس کے برخلاف آسمان پر چڑھنے اور پتھر کے سونے میں تبدیل ہونے میں عقلی عجز نہیں ہے بلکہ یہاں صرف عادی مایوسی ہے جو قسم کے ٹوٹ جانے میں مقصود ہے، **اقول** (میں کہتا ہوں) اس کی توجیہ مجھے یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس نے کسی عادی محال چیز جو کہ عقلی طور پر ممکن ہو، پر قسم کھائی تو اس کی قسم کے لئے یہی عقلی امکان شرط ہوگا، لیکن جس نے کسی عادۃً ممکن چیز پر قسم کھائی اور وہ چیز قسم کے بعد عادتاً محال ہوجائے تو اس صورت میں قسم باقی نہ رہے گی کیونکہ اب صرف عقلی امکان باقی ہے جبکہ قسم اس امکان پر مبنی نہ تھی بلکہ وہ عادی امکان پر مبنی تھی جو باقی نہ رہا، غور کرنا اور معاملہ کو صاف کرنا چاہئے۔ واﷲ تعالٰی اعلم، میرا حاشیہ ختم ہُوا۔ (ت)

شبہہ خامسہ یمین بدلالت حال متقید شود اگرچہ در قال مقید نبود وازیں باب ست تقید بغرض تا آنکہ غرض را بنائے ایمان برونیت تخصیص دانستہ وتصریح فرمودہ اند کہ غرض در یمین نفزاید فاما تخصیص را شاید در ردالمحتار ست فی تلخیص الجامع الکبیر وبالعرف یخص ولایزاد حتی خص الراس بما یکبس ولم یرد الملك فی تعلیق طلاق الاجنبیۃ بالدخول اھ ومعناہ ان اللفظ اذا کان عاما یجوز تخصیصہ بالعرف کما لو حلف لا یأکل رأسا فانہ فی العرف اسم لما یکبس فی التنور ویباع

پانچواں شُبہہ کہ قسم حال کی دلالت سے مقید بن جاتی ہے، اگرچہ لفظوں میں وہ مطلق ہو اور اُس کے ساتھ قید کا ذکر نہ ہو، اسی باب سے کلام کا غرض سے مقید ہونا ہے، اگرچہ قسموں کی بنیاد اغراض پر نہیں ہے تاہم اغراض ان میں تخصیص پیدا کردیتی ہیں، چنانچہ فقہاء کرام نے یہ تصریح کی ہے کہ غرض قسم میں زیادتی پیدا نہیں کرتی لیکن تخصیص پیدا کرسکتی ہے، ردالمحتار میں ہے کہ جامع کبیر کی تلخیص میں مذکور ہے کہ عرف سے تخصیص ہوسکتی ہے لیکن زیادتی نہیں ہوسکتی حتی کہ کسی نے سِری کے متعلق قسم کھائی تو اس سے وُہ سِری مراد ہوگی جس کو عرف میں آگ سے بھُون کر کھایا جائے، اور اجنبی عورت کے متعلق کہا "اگر وُہ گھر میں داخل ہُوئی تو اسے طلاق ہے" تو اس عورت کی ملکیتِ نکاح مراد نہیں ہوسکتی اھ،

ع مسودہ میں بیاض ہے۔

فی الاسواق وھو راس الغنم دون راس العصفور ونحوہ فالغرض العرفی یخصص عمومہ فاذا اطلق ینصرف الی المتعارف بخلاف الزیادۃ الخارجۃ عن اللفظ کما لو قال لاجنبیۃ ان دخلت الدار فانت طالق فانہ یلغو ولا تصح ارادۃ الملک ای ان دخلت وانت فی نکاحی وان کان ھو المتعارف لان ذلک غیر مذکور ودلالۃ العرف لا تاثیر لھا فی جعل غیر الملفوظ ملفوظا[1]، ہمدران ست الغرض یصلح مخصصا لا مزیدا[2] واگر تقییدات کہ بدلالت حال باغراض حالفین کردہ اند فروع آنہا را برخوانیم دفترے باید بردو سہ مثال منصوص فی المذہب اختیار کنیم،

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر لفظ عام ہو تو عرف کے ذریعہ اس کی تخصیص کی جاسکتی ہے جیسا کہ جب کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ سری نہ کھاؤں گا، تو قسم میں اگرچہ سری عام اور مطلق مذکور ہے لیکن عرف میں وہی سری مراد ہوتی ہے جس کو بھونا جاسکے اور بازار میں فروخت کیا جائے اس لئے عرف میں سری سے مراد چڑیا وغیرہ کی سری مراد نہ ہوگی، تو یہاں عرف نے سری میں تخصیص کردی تو جب مطلق سری ذکر کی جائے گی تو عرفاً خاص ہی مراد ہوگی اس کے برخلاف ایسی زیادتی جو لفظوں میں مذکور نہ ہو عرف کی وجہ سے وہ زیادتی پیدا نہیں ہوسکتی جیسے کوئی شخص اجنبی عورت کو کہے کہ "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے"، تو یہاں اگر وہ یہ مراد لے کر گھر میں داخل ہوتے وقت میری منکوحہ ہو تو طلاق ہے، تو منکوحہ ہونا قسم کے الفاظ سے زائد چیز ہے، جس کو مراد نہیں لیا جاسکتا، اگرچہ عرف میں طلاق کے لئے منکوحہ ہونا ضروری ہوتا ہے، مگر عرف کلام میں غیر مذکور لفظ کو زائد نہیں کرسکتا اس لئے اجنبی عورت کے لئے یہ قسم لغو قرار پائے گی، اسی رد المحتار میں ہے کہ عرف مخصص بننے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن زیادتی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ حال کی دلالت سے قسموں کا اغراض سے مقید ہونا، اگر میں اس کی جزئیات کو ذکر کروں تو اس کے لئے دفتر چاہئے، تاہم مذہب میں منصوص دو تین مثالیں ذکر کررہا ہوں:

---

[1] رد المحتار باب الیمین فی الدخول والخروج دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۲

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۳/ ۷۳

(۱) والیٔ زید را سوگند داد کہ ہر مفسدے کہ بشہر بود مرا آگاہ بانی متقید باشد بزمان قیام ولایتش حالانکہ اینجا لفظے مثل اذن وغیرہ مفید تقیید اصلاً نیست مگر حال دال ست کہ غرض تدارک اوست و این نباشد مگر بولایت لاجرم باو مقید شد، در ہدایہ ست اذا استحلف الوالی رجلا لیعلمنہ بکل داعر دخل البلد فھذا علی حال ولایتہ خاصۃ لان المقصود منہ دفع شرہ او شر غیرہ بزجرہ فلا یفید فائدتہ بعد زوال سلطنتہ[1]۔ در فتح القدیر است ھذا التخصیص فی الزمان یثبت بدلالۃ الحال وھو العلم بان المقصود من ھذا الاستحلاف زجرہ بما یدفع شرہ او شر غیرہ بزجرہ وھذا لایتحقق الا فی حال ولایتہ لانھا حال قدرتہ علی ذٰلک[2]۔

(۱) والیٔ شہر نے زید کو قسم دی کہ شہر میں جو بھی شر پسند ہو مجھے تُو اس کی اطلاع دے گا، تو اطلاع دینے کی یہ قسم اس والی کی ولایت کی مدت کے ساتھ مقید ہوگی حالانکہ لفظوں میں اس قید پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ مثلاً اجازت وغیرہ موجود نہیں ہے مگر حال کی یہاں دلالت موجود ہے کہ قسم دینے کا عرف میں مقصد یہ ہوتا ہے کہ حاکم اس اطلاع پر شر کا تدارک کرے اور یہ تدارک صرف ولایت سے ہوسکتا ہے تو لازماً یہ قسم ولایت کے زمانہ سے مقید ہوگی۔ ہدایہ میں ہے کہ جب والی نے ایک شخص کو قسم دی کہ تُو مجھے شہر میں کسی فسادی کے داخل ہونے پر اطلاع دے گا، تو یہ قسم اس والی کی ولایت کے زمانہ سے مختص ہوگی کیونکہ والی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس اطلاع پر شریر کو سزا دے کر شر کا خاتمہ کرے، لہذا ولایت کے خاتمہ کے بعد اس قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہے، فتح القدیر میں ہے کہ قسم کا زمانہ ولایت سے مختص ہونا دلالتِ حال کی وجہ سے ہے اور وہ یہ کہ اس قسم دینے کا مقصد شریر کو سزا دے کر اس کے یا غیر کے شر کو ختم کرنا ہے جبکہ یہ مقصد اس والی کی ولایت سے حاصل ہوسکتا ہے کیونکہ ولایت کی وجہ سے وہ اس مقصد پر قادر ہوتا ہے (ت)

(۲) ہر مدیون خود کہ از دین منکر بود و دائن گواہان نداشت سوگند خوردترا بدر قاضی کشم و حلف گیرم مدیون اعتراف کرد یا دائن

(۲) مقروض جب قرض سے انکار کرے اور قرض خواہ کے پاس گواہ نہ ہوں تو قرض خواہ قسم اٹھائے کہ میں تجھے قاضی کے دربار میں پیش کروں گا

---

[1] ہدایہ — کتاب الایمان — مسائل متفرقہ — مکتبۃ العربیہ کراچی — ۲/ ۴۸۶

[2] فتح القدیر — 〃 — نوریہ رضویہ سکھر — ۴/ ۴۶۸

راگواہان بدست آمد یمین ساقط شود کہ
بدلالت حال متقید بحال انکار و عدم وجدان
شہود بود۔ در درمختار ست حلف ان
یجرہ الی باب القاضی و یحلفہ
فاعترف الخصم او ظہر شہود سقط
الیمین لتقیدہ من جہۃ
المعنی بحال انکارہ[1] اھ قال
الشامی لکن ھذا التعلیل
لایظہر بالنسبۃ الی قولہ
او ظہر شہود فانہ بظہور
الشہود لم یزل الانکار
بل العلۃ فیہ انہ بعد
ظہور الشہود لا یمکن التحلیف
تأمل[2] اھ **اقول** لہ ان
لایستشہدھم و یطلب
حلفہ فکیف لا یمکن کما
یوھمہ قول العلامۃ
لایمکن التحلیف فالاولی
ان یقال لتقیدہ بانکارہ
وعدم وجدان الشہود
اذ لاحلف علی مقر ولا مع
بینۃ شہدت، فی الدر

اور وہاں تجھ سے قسم لوں گا تو اس کی قسم کے بعد
مدیون و مقروض شخص نے قرضے کا اعتراف کرلیا یا
قرض خواہ کو گواہ مل گئے، تو قرض خواہ کی قسم ساقط
ہوجائے گی، کیونکہ حال کی دلالت سے وہ قسم انکارِ
گواہوں کے نہ ہونے کی حالت میں مخصوص قرار
پائے گی۔ درمختار میں ہے کہ قرض خواہ نے قسم کھائی
کہ میں تجھے قاضی کے دربار میں پیش کرکے تجھ سے
قسم دلاؤں گا تو اس دھمکی پر مقروض نے قرض کا اقرار
کرلیا یا اس کو گواہ مل گئے تو قسم ساقط ہوجائیگی
کیونکہ قسم کھانے والے کی یہ قسم مقروض کے انکار کے
ساتھ مقید قرار پائے گی اھ، اس پر علامہ شامی
نے فرمایا کہ اس وجہ اور علت کا تعلق صرف مقروض
کے انکار سے ہے، گواہوں کے دستیاب ہونے کی
بات سے نہ ہوگا کیونکہ گواہوں کی دستیابی کے باوجود
انکار باقی رہ سکتا ہے، تو گواہوں کی دستیابی پر قسم
ساقط ہونے کی علت یہ ہوگی کہ گواہوں کی موجودگی میں
قاضی کے ہاں قسم دلانا ممکن نہ رہے گا، اس میں غور
چاہئے اھ (میں نے اس پر یہ حاشیہ لکھا) **اقول**
(میں کہتا ہوں) علامہ شامی کا فرمانا کہ گواہوں کی
موجودگی میں قسم دلانا ناممکن ہے کیسے صحیح ہوسکتا ہے
جبکہ مدعی کو اختیار ہے کہ وہ گواہ پیش کرنے کی بجائے
مقروض منکر کو قسم دلائے، لہذا قسم کو ناممکن کہنا درست

---

[1] درمختار باب الیمین فی الاکل والشرب واللبس والکلام مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۰۴
[2] ردالمحتار " " " " " " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۱۰۶

عن البحر اليمين كالخلف عن البينة فاذا جاء الاصل انتهى حكم الخلف اھ[1] ولايرضى الطالب بحلف المنكر ما دام يقدر على الشهود مخافة ان يحلف فيذهب ماله فيتقيد بهما عرفا، **اقول** و ليس هذا السقوط لعدم تصور البر بقاء فان قلت اليس فى الدر قال المدعى لى بينة حاضرة فى المصر وطلب يمين خصمه لايحلف خلافا لهما ولو حاضرة فى مجلس الحكم لم يحلف اتفاقا ابن ملك[2] اھ، قلت اليس ان الاحضار والاخبار كليهما بيده فان الشهود لايحضرون مالم يحضروا ولايعلم القاضى ان له بينة فى المصر مالم يخبر فالامكان حاصل لاشك اما اولا فلان اليمين مطلقة فلايضرها انتفاء

نہیں بلکہ یُوں کہنا بہتر تھا کہ وہ قسم، انکار اور گواہوں کے دستیاب نہ ہونے سے مقید قرار پائے گی، کیونکہ اقرار کر لینے پر اور گواہوں کی شہادت پر قسم کی ضرورت نہیں رہتی۔ درمختار میں بحر سے منقول ہے کہ قسم، گواہی کا خلیفہ بنتی ہے تو جب اصل حاصل ہوجائے تو خلیفہ کی ضرورت نہیں رہتی اھ، اور نہ ہی حق والا گواہوں کی موجودگی میں قسم دلانے پر راضی ہوتا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مقروض جُھوٹی قسم اٹھا دے تو اس کا قرض ضائع ہوجائے، لہذا عرفی یہ قسم دونوں حالوں (انکار اور گواہ نہ ہونے) سے مقید قرار پائے گی۔ **اقول** (میں کہتا ہُوں کہ) گواہوں کی موجودگی میں قسم کا یہ سقوط اس لئے نہیں کہ بالآخر قسم کا پورا ہونا متصور نہیں ہوسکتا کہ قسم کا پورا ہونا ممکن ہوجانے پر ختم ہوجائے اس پر اگر تو یہ اعتراض کرے کہ کیا درمختار میں یہ موجود نہیں کہ جب قاضی کے ہاں مدعی یہ کہے کہ میرے گواہ ہیں لیکن وہ شہر میں موجود ہیں اور مدعی اس صورت میں اپنے مخالف سے قسم کا مطالبہ کرے، تو امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک قاضی مخالف کو قسم نہ دلائے گا۔ صاحبین کا مسلک اس کے خلاف ہے، اور اگر مدعی کے گواہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں تو بالاتفاق قسم نہ لی جائیگی، ابن ملک اھ (تو قسم دلانے کا احتمال ختم ہوجانے سے قسم ساقط ہوجائیگی) قلت (میں کہتا ہوں) کیا گواہوں کو حاضر کرنا اور قاضی کو گواہوں کی موجودگی

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۸

[2] " " " ۲/ ۱۱۹

تصور البر فيما بعد واما ثانيا فلانه متصور اما في الشهود فلما ذكرنا واما في الاقرار فلان من اقر عند الطالب لا يجب ان يقر عند القاضي فلعله اذا احضر اليه انكر فيحلفه فالتصور حاصل قطعا فلا سقوط الا للتقييد العرفي[1] اھ ماكتبت عليه ثم رأيت الامام ابا بكر محمد بن ابي المفاخر بن عبد الرشيد الكرماني ذكره في جواهر الفتاوى كتاب الايمان ، الباب الثاني فتاوى الامام جمال الدين البزدوي ، فرأيته افاد فوائد منها التعليل بدلالة الحال الملحقة بمسألة تحليف الوالي ليعلمنه بكل داعر ومنها ان التقييد بالانكار في صورة الاقرار ومنها ان في سقوط اليمين بظهور الشهود خلافا وان

کی خبر دینا مدعی کے اختیار میں نہیں ہے، بضرور اس کے اختیار میں ہے کیونکہ جب تک وُہ گواہوں کو حاضر نہ کرے وُہ پیش نہ ہوں گے اور یُوں ہی جب تک وُہ قاضی کو گواہوں کی موجودگی کی خبر نہ دے قاضی کو معلوم ہو سکے گا کہ اس کے پاس گواہ ہیں، تو بہرصورت گواہوں کی موجودگی کے باوجود مدعی علیہ سے قسم لینے کا امکان قاضی کے ہاں باقی ہے، اوّلاً تو اس لئے کہ مذکورہ قسم مطلق ہے تو تا حال قسم پُورا ہونا متصور نہ ہو تو اس کے لئے کچھ مضر نہیں ہے، اور ثانیاً اس لئے کہ قسم کا پورا ہونا ابھی ممکن ہے گواہوں کی موجودگی کی صُورت میں تو ہم نے وجہ ذکر کر دی، اور مدعی علیہ کے اقرار کی صورت میں اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ مدعی علیہ، مدعی کے پاس تو اقرار کرتا ہو تو پھر ضروری نہیں کہ وہ قاضی کی مجلس میں بھی اقرار کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مدعی علیہ کو جب قاضی کے ہاں پیش کیا جائے تو وُہ انکار کر دے تو اس صورت میں قاضی کا اس سے قسم لینا متصور ہے تو معلوم ہُوا کہ بہرصُورت ابھی قسم کا تصور باقی ہے لہٰذا یہاں قسم کا سقوط صرف عرفی قید کی وجہ سے ہوگا نہ کہ حلف کا امکان ختم ہو جانے سے قسم کا سقوط ہوگا، اس پر میرا حاشیہ ختم ہوا۔

اس کے بعد میں نے امام ابوبکر محمد بن ابی المفاخر بن عبدالرشید کرمانی کو جواہر الفتاوٰی کی کتاب الایمان کے دُوسرے باب امام جمال الدین بزدوی کے فتاوٰی میں ذکر کرتے ہُوئے پایا جس میں ان کو بہت سے

[1] جدالممتار علیٰ ردالمحتار

الفتوی علی السقوط وھذا نصہ رحمہ اللہ تعالٰی رجل ادعی علی اٰخر کذا منا حنطۃ فانکر المدعی علیہ فحلف المدعی بطلاق امرأتہ ان یجرہ الی باب القاضی ویحلفہ علی ذٰلک ثم ان المدعی علیہ اقر بما ادعی استغنی عن الیمین ویکون بارا فی یمینہ لان الحلف علی ان یحلفہ مادام منکرا فاذا اقر فات الانکار ولیس ھذا کما لو قال لاشربن الماء الذی فی ھذا الکوز فاریق الماء انہ یحنث لان الیمین ھناك علی الشراب ولم یشربہ وھھنا الیمین علی الانکار فلم تبق الیمین وصار کانہ حلف مع السلطان ان یعلمنہ بکل داعر دخل المدینۃ ثم عزل السلطان سقط یمینہ لانہ حلف علی ان یعلمہ مادام

فائدے ذکر کرتے ہُوئے دیکھا، جن میں ایک فائدہ یہ کہ ، والیٔ شہر کا کسی کو قسم دینا کہ وہ آکر ہر فسادی کی اطلاع دے گا' والے مسئلہ میں، قسم کا والی کی ولایت باقی رہنے کی علت، دلالت حال کو بنایا۔ دوسرا فائدہ' مدعی کی قسم کا انکار سے مقید ہونا صرف مدعی علیہ کے اقرار کی صورت میں ہے گواہوں کی صورت میں نہیں (جیسا کہ اوپر بحث گزری)۔ تیسرا فائدہ گواہوں کی صورت میں قسم کا ساقط ہونا مختلف فیہ ہے جبکہ فتوٰی یہ ہے کہ ساقط ہوجائے گی۔ امام جمال الدین کی عبارت یُوں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر دعوٰی کیا کہ اس کے ذمے ہماری اتنی گندم ہے تو مدعا علیہ نے انکار کردیا تو اس پر مدعی نے اپنی بیوی کی طلاق کی قسم کھائی کہ میں اس کو قاضی کے دربار میں پیش کرکے اس کو قسم دلاؤں گا' تو اس دھمکی کے بعد مدعا علیہ نے اس کے دعوٰی کا اقرار کرلیا تو اب قاضی کے پاس لے جاکر قسم دلانے کی ضرورت نہ ہوگی اور قسم کھانے والا مدعی اپنی قسم سے بری ہوجائے گا کیونکہ اس کی قسم دلانے کی قسم اس مدعا علیہ کے انکار پر تھی، تو جب اس نے اقرار کرلیا تو انکار ختم ہوگیا۔ اور یہ معاملہ ایسا نہیں کہ کوئی قسم کھائے کہ میں اس کُوزے کے پانی کو ضرور نوش کروں گا، تو قسم کے بعد کُوزے کا پانی گرادیا گیا ہو، تو قسم ٹوٹ جائے گی، کیونکہ یہ قسم کُوزے کے پانی کو پینے سے متعلق تھی تو وُہ اسے پی نہ سکا لیکن یہاں قسم انکار پر مبنی تھی جو ختم ہوگیا، تو قسم بھی ختم ہوگئی، جیسا کہ حاکم شہر کسی کو قسم دے کہ تُو مجھے شہر میں داخل ہونے والے

هو الوالی فی البلد فکذٰلك هنا بدلیل انه لوحمله الی القاضی لایحلفه فاذا لافائدة فی حمله الی القاضی هکذا[عـه] ذکر، وهذا الجواب یوافق قول القاضی ابی الهیثم ویخالف قول القاضی الامام الصاعدی فانه ذکر فی فتاواه هذا المسألة الا انه وضع المسألة هکذا ذکر مکان اعتراف المدعی علیه انه ظهر له شهود وقال القاضی الامام ابوالهیثم سقط یمینه وقال الصاعدی لایسقط بل یقع طلاقه فاذا جواب شیخنا جمال الدین وافق جواب القاضی ابی الهیثم وهو الصحیح وعلیه الفتوٰی[۱] اھ۔

ہر فسادی کی اطلاع دے گا، اس کے بعد وُہ حاکم معزول ہوجائے تو اس کی دی ہُوئی قسم بھی ختم ہوجائیگی کیونکہ یہاں بھی قسم کا مطلب یہ تھا کہ میری ولایت جب تک ہے اس وقت تک اطلاع دینی ہوگی تو یہاں بھی یہی صورت ہے کیونکہ مدعی اگر مدعٰی علیہ کو اب قاضی کے ہاں پیش کرے تو قاضی اس سے قسم نہ لے گا اس لئے اب قاضی کے ہاں لے جانے کا فائدہ نہ رہا، اس کو امام جمال الدین بزدوی نے یونہی ذکر فرمایا ہے، یہ امام جمال الدین بزدوی کا جواب قاضی ابوہیثم کے قول کے موافق ہے اور قاضی امام صاعدی کے قول کے مخالف ہے، کیونکہ امام صاعدی نے اس مسئلہ کو اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا اور مدعٰی علیہ کے اعتراف کی بجائے انھوں نے گواہوں کے موجود ہونے کو ذکر کیا، جبکہ قاضی امام ابوہیثم نے کہا کہ قسم ساقط ہوجائے گی اور امام صاعدی نے کہا کہ قسم ساقط نہ ہوگی بلکہ گواہوں کے موجود پانے پر مدعی کی قسم کے مطابق اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی تو جب ہمارے شیخ جمال الدین بزدوی کا جواب قاضی ابوہیثم کے جواب کے موافق ہے تو یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، اھ۔ (ت)

(۳) مدیون را سوگند داد فلاں روز حق من دہی و دستم بگیری و بے دستوری من بیروں

(۳) کسی نے اپنے مقروض کو قسم دی کہ تو مجھے فلاں روز میرا قرض دے گا اور میرا ہاتھ پکڑے گا

عـه قوله هکذا ذکر ای الامام جمال الدین البزدوی ومن ھٰھنا الی اٰخرما نقلنا کلام الامام الکرمانی جامع تلك الفتاوٰی ۱۲ منه۔

اس کا قول یونہی ذکر کیا ہے یعنی امام جمال الدین بزدوی نے ذکر کیا ہے اور یہاں سے آخر تک جو عبارت ہم نے نقل کی ہے وہ امام کرمانی کا کلام ہے جو اس فتاوٰی کے جامع ہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[۱] جواہر الفتاوٰی کتاب الایمان

نہ روی باز مدیون ہمیں روز دینش داد و دستش نگرفت و بے دستوری او بیروں رفت حانث نشود کہ ایں یمین عرفاً مقید ست بحال دین۔" ردالمحتار ست فی البزازیۃ حلفہ لیوفین حقہ یوم کذا ولیأخذن بیدہ ولا ینصرف بلا اذنہ فاوفاہ الیوم ولم یأخذ بیدہ وانصرف بلا اذنہ لایحنث لان المقصود وھو الایفاء اھ، قلت وقد تقدم ان الایمان مبنیۃ علی الالفاظ لا علی الاغراض وھذا المقصود غیر ملفوظ لکن قدمنا ان العرف یصلح مخصصا وھنا کذلک فان العرف یخصص ذلک بحال قیام الدین قبل الایفاء ویوضحہ ایضا ما یأتی قریبا عن التبیین[1] اھ ما فی الشامی۔

اور میری رضا کے بغیر باہر نہ جائے گا، پھر مقروض نے اسی دن قرض ادا کر دیا اور اس کا ہاتھ پکڑے بغیر باہر چلا گیا تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ یہ قسم عُرف میں قرض ذمہ ہونے کی وجہ سے تھی، تو قرض ختم ہونے پر قسم ساقط ہوجائے گی۔ ردالمحتار میں ہے کہ بزازیہ میں ہے کہ قرض خواہ نے مقروض کو قسم دی کہ تُو مجھے فلاں دن میرا حق دے گا اور میرا ہاتھ پکڑے گا اور میری مرضی کے بغیر باہر نہ جائیگا، تو مقروض نے اس کو قرض اسی روز دے دیا اور ہاتھ پکڑے اور اس کی مرضی کے بغیر باہر واپس چلا گیا تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ اس قسم کا مقصد قرض وصول کرنا تھا اھ۔ قلت میں کہتا ہوں کہ یہ گزر چکا ہے کہ قسموں کی بنیاد الفاظ ہوتے ہیں، اغراض بنیاد نہیں ہوتے، اور مذکورہ قسم کا مقصد الفاظ میں مذکور نہیں ہے، لیکن جیسا کہ پہلے ہم نے ذکر کردیا ہے کہ عرف تخصیص پیدا کر دیتا ہے تو یہ بھی ایسے ہی ہے کیونکہ یہاں بھی عُرف نے اس قسم کو قرض کی موجودگی کے ساتھ مختص کر دیا ہے کہ اس کی ادائیگی سے قبل تک ہوگی، اس کی وضاحت عنقریب تبیین الحقائق سے بیان کی جائے گی، علامہ شامی کا ردالمحتار میں بیان ختم ہُوا۔

اقول والذی یظھر للعبد الضعیف ان ھنا ثلث ایمان فالاخیرۃ متقیدۃ بنفس

اقول (میں کہتا ہوں کہ) مجھ ضعیف بندے پر جو ظاہر ہو رہا ہے وہ یہ کہ یہاں ردالمحتار کے بیان کردہ مسئلہ میں تین قسمیں ہیں جن میں سے

---

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الاکل والشرب داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۰۶

لفظ الاذن کما تقدم والاولی کانت موقتۃ والممتنع الایفاء فی ذٰلک الوقت لحصولہ قبلہ فسقطت لعدم تصور البر ثم رأیتھم بہ عللوہ، وللہ الحمد، اما الثانیۃ فمجاز عن الایفاء ای لیعینہ لوفاء دینہ اذمن المعلوم قطعا ان لیس المراد خصوص اخذ العضو وھی مطلقۃ وقد بر فیھا اذاوفی وان فرضت لوقتہ بالتوقیت المذکور فقد سقطت ایضا وھذا معنی قول الوجیز لان المقصود ھو الایفاء فلیس ھنا مدخل اصلا للتخصیص بدلالۃ الحال واللہ تعالٰی اعلم بحقیقۃ الحال ولیس فیما اتی بہ بعد عن التبیین الا ان الیمین تتقید بمقصود الحالف ولھذا تتقید بالصفۃ الحاملۃ علی الیمین وان کانت فی الحاضر علی ما بینا من قبل[1]۔

آخری یعنی "میری اجازت کے بغیر واپس نہ جائے گا" یہ قسم لفظِ اجازت سے مقید ہے جیسا کہ گزرا ہے، اور ان میں سے پہلی قسم یعنی "تو میرا حق فلاں روز ادا کرے گا" یہ وقت سے مقید ہے یعنی موقت ہے، جبکہ مقررہ اس دن میں حق کی ادائیگی نہیں ہوسکی کیونکہ ادائیگی مقررہ دن سے پہلے ہوچکی ہے اس لئے قسم ختم ہوجائے گی کیونکہ مقررہ دن میں پُورا کرنا ممکن نہ رہا، پھر اس بیان کے بعد میں نے دیکھا تو فقہائے نے قسم کے خاتمہ کی یہی علت بیان فرمائی وللہ الحمد، لیکن دوسری قسم یعنی "تو میرا ہاتھ پکڑلے" یہ حق پُورا کرنے' سے مجاز ہے، یعنی تاکہ یہ بات حق کی ادائیگی میں مددگار بنے، کیونکہ خاص عضو یعنی ہاتھ پکڑنا مقصود نہیں ہے، لہذا یہ قسم مطلق قرار پائی، اور یہ حق کی ادائیگی ہوجانے پر پُوری ہوچکی ہے، اور اگر اس دوسری قسم کو مطلق کی بجائے وقت یعنی مقررہ دن سے مقید اور موقت قرار دیا جائے تو تب بھی یہ ساقط قرار پائیگی، جبکہ وجیز کے اس کہنے کا کہ یہاں مقصود صرف حق کو پُورا کرنا ہے اور یہاں حال کی دلالت سے تخصیص کا کوئی دخل نہیں ہے، کا یہی مطلب ہے جبکہ اللہ تعالٰی ہی حقیقتِ حال کا بہتر عالم ہے، اور بعد میں تبیین الحقائق کے حوالہ سے جو ذکر کیا وہ صرف یہی ہے کہ یہ قسم حالف کے مقصد سے مقید ہوگی لہذا قسم کی وجہ بننے والی صفت سے یہ مقید قرار پائے گی اگرچہ وہ صفت حاضر چیز میں پائی جائے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا

---

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الاکل والشرب داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۱۰۷

35

ولا کلام فیہ انما الکلام فی حصول التخصیص ھنا ثم کلام التبیین فی صفۃ ملفوظۃ کلا یکلم عبد فلان وتریدون ھٰھنا اثبات غیر الملفوظ فلا یوضحہ مافی التبیین وغایۃ ما یقال ان المعنی لیوفین یوم کذا ان لم یوف قبلہ فھذا التقیید بدلالۃ الحال وھو المقصود الغیر الملفوظ فیکون الاولی مبرورۃ ساقطۃ واللہ تعالٰی اعلم ، وچوں دریں مثال در دلالت حال مجال مقال وسیع آمد مثالے دگر جایش بنشانیم دائن حلف گرفت کہ رُوئے ازمن نپوشی ومعنی ایں پیمان آنست کہ ھر گاہ ترا طلبم وتو بر طلب من مطلع شوی ظاھر گردی ورنہ فرد روپوشی مدیون در غیر آں طلب دائن بے اطلاع بر طلب دائن موجب حنث نیست گو از ترس دائن باشد چنانکہ بخوف او رخ پوشاں بباز از رفتن زیراکہ ایں روئے پوشیدن بخیال ست نہ ازو سوگند بریں بود نہ براں ایں یمین بدلالت حال مقید ست بزمان بقائے دین تا آنکہ اگر دو دائن بودند

(تبیین الحقائق کے آخر کلام تک) جبکہ یہاں یہ بحث نہیں کہ مقصد سے مقید ہوگی یا نہیں، بلکہ یہاں تو دلالتِ حال سے تخصیص میں بحث ہے اور پھر تبیین الحقائق کی بات کا تعلق لفظوں میں مذکور صفت سے ہے، مثلاً میں فلاں کے غلام سے بات نہ کرونگا جبکہ آپ تو یہاں غیر ملفوظ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، لہذا تبیین الحقائق کا کلام اس بحث کی وضاحت نہیں بن سکتا، انتہائی بات جو کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ قسم میں "فلاں دن حق پُورا کرے گا" کا معنٰی یہ ہوگا کہ اگر اس دن سے قبل حق پُورا نہ کرے تو اس دن ادا کرے گا، تو قبل ازیں پُورا نہ کرنے سے قسم مقیّد ہوگی اور یہ مقصد لفظوں میں غیر مذکور سے جو صرف دلالتِ حال سے قید کے طور پر معلوم ہو رہا ہے، تو پہلی قسم پُوری ہو کر ختم ہو گئی، واللہ تعالٰی اعلم۔ چونکہ مذکورہ مثال میں دلالتِ حال کے متعلق بحث کی وسیع گنجائش پیدا ہو گئی، اس لئے ایک اور مثال یہاں پیش کرتا ہُوں کہ ایک قرض خواہ نے مقروض کو قسم دی کہ تُو مجھ سے مُنہ نہ چھپائے گا، تو اس عہدو پیمان کا معنٰی یہ ہے کہ جب میں تجھے طلب کروں اور تُو میری طلب پر مطلع ہو جائے تو فوراً سامنے آنا ہوگا، اس لئے اگر وُہ اس کی طلب کے بغیر یا طلب پر اطلاع نہ پانے پر رُوپوشی کرے تو قسم کی خلاف ورزی نہ ہوگی اگرچہ یہ رُوپوشی اس قرض خواہ کے ڈر سے ہی ہو مثلاً قرض خواہ کے سامنے آجانے پر مقروض منہ پھیر کر رُک جائے، کیونکہ یہ رُوپوشی دُوسرے خیال

و دین یکے ادا شد یمین در حق او منتہی گشت در وجیز کردری فصل ۱۸ ف قضاء الدین فرمود حلف الدائن المدیون کہ از من رونپوشی و لم یوقت فکل وقت طلبہ و علم بہ و لم یظہر لہ حنث وان دخل السوق متواریا لایحنث وان طلبہ و لم یعلم بہ و لم یظہر الوجہ لایحنث و لو کان حین حلف بہذا الوجہ رب الدین اثنین فقضی لاحدھما انتہی الیمین فی حقہ[1]، در مسئلہ دائرہ نیز حال دال ست کہ غرض یمین ہمیں ہجران پسر و تباعد از ذریت و مساکنت او و سزا دادنش بدوری از خانہ و خوان خود ست پس متقید باشد بزمان بقائے ایں مقاصد چوں پدر خودش ترک مہاجرت گفت و او سر انتقام در گزشت یمین منتہی گشت چنانکہ در فروع مذکورہ چوں بعزل سلطان و اقرار مدیون و ظہور گواہان و ادائے دیون آں اغراض نماند سوگند نماند۔

سے ہے نہ کہ اس کی طلب سے رُوپوشی ہے، لہذا کسی اور وجہ سے رُوپوشی پر قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ قسم کا تعلق کسی اور وجہ سے نہیں ہے، تو یہ قسم دلالتِ حال کی وجہ سے قرض باقی رہنے کے حال سے مقید ہوگی، حتی کہ اگر قرض خواہ دو شخص ہوں دونوں نے یہ قسم دی ہو تو دونوں میں سے جس کا قرض ادا کر دے گا اس کے حق میں قسم ختم ہو جائے گی۔ وجیز کردری کی فصل ۱۸ قرض کی ادائیگی میں فرماتے ہیں کہ قرض خواہ نے مقروض کو قسم دی کہ تو مجھ سے رُوپوشی نہ کرے گا اور قسم میں کسی وقت کا ذکر نہ کیا تو اس قسم کا معنیٰ یہ ہوگا کہ جب بھی وہ اس مقروض کو طلب کرے اور مقروض کو اس طلب کا علم ہو جائے تو اس وقت رُوپوشی نہ کرے، لہذا اگر قرض خواہ کی طلب پر مقروض اطلاع پانے کے باوجود حاضر نہ ہو اور سامنا نہ کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی، اور اگر بغیر طلب یا طلب پر اطلاع نہ پائی ہو اور بازار میں ویسے ہی قرض خواہ کے ڈر سے رُوپوشی کر کے نکلے تو قسم نہ ٹوٹے گی اگر اس صورت میں دو قرض خواہ ہوں جنہوں نے اس کو یہ قسم دی ہو تو ایک کا قرض ادا کر دیا تو اس کے حق میں قسم ختم ہو جائیگی۔ زیر بحث مسئولہ مسئلہ میں بھی اس قسم کا مقصد بیٹے سے بائیکاٹ، اس کو گھر اور رہائش سے دُور رکھنا اور اپنے گھر اور دسترخوان سے باز رکھنے کی سزا ہے، لہذا یہ قسم بھی دلالتِ حال کی وجہ سے ان مقاصد سے مقید ہوگی اور جب باپ نے خود یہ تمام باتیں ختم کر دیں اور سزا ترک کر دی تو قسم ختم ہو جائے گی جیسا کہ مذکورہ بالا مسائل میں، حاکم کی معزولی، مقروض کے اقرار، گواہوں کی حاضری اور قرض کی ادائیگی جیسے قسم کے اغراض ختم ہو جانے سے قسم ختم ہو جاتی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ الثامن عشر فی قضاء الدین نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۳۰

اقول اولاً فرق ست میان انتفائے مقصود وانعدام قصد در فروع مستشہدہ افعال محلوف علیہا خود از ثمرات مخصوصہ تہی شدہ است چوں والی معزول شد اطلاع او بر آمدن مفسد در شہر چہ سود دہد و مقصود از بردن منکر پیش قاضی و حلف از و خواستن آں بود کہ قاضی او را بر حلف مجبور کند و بر معتر حلف نتواں نہاد پس تحلیف صورت نہ بندد و طلب حلف مسموع نشود و چوں بر دعوٰی مدعی گواہان عادل شرعی باشند نیز از منکر حلف نگیرند و ہمچو گواہاں داشتن و باز کار بر زبان صاحب انکار گزاشتن حق خود را در خطر افگندن ست کہ خلاف مقصود ست پس بہر وجہ ثمرہ مطلوبہ مفقود ست و بعد ادائے دین با روئے مدیون چہ کار ماندہ است کہ پوشیدن و نمودن ثمرہ دہد و مقصود زن حصول انس بمصالحت شوہر و منع وحشت بوحدت ست و ایں بعد زوال زوجیت میسر نیست زن مرد اجنبی را نگوید کہ با من باش و جدا مشو بخلاف صورت دائرہ کہ بجانہ نگزاشتن ہمچناں مثمر دوری و ہجران و سزائے ناشکری و کفران ست مگر حالف ازیں قصد برگشتہ است پس ایں نیست کہ آنکار ثمرہ نیارد بلکہ خود او خواہش آں ثمرہ ندارد بالجملہ از نماندن مقصود تا قصد نمادن مقصود فرق عظیم ست ایں دوم زنہار مبطل یمین نتواں شد ورنہ

اقول (میں کہتا ہوں) **اولاً** جواب یہ ہے کہ مقصود کا منتفی ہونا، اور اس کا قصد نہ کرنا یہ دو مختلف چیزیں ہیں جبکہ شُبہہ میں مذکور مسائل میں جن کاموں کے متعلق قسم ہے وُہ کام اپنے مخصوص مقاصد سے خالی ہوتے ہیں کہ جب والیٔ شہر معزول ہوجائے تو شہر میں مفسد شخص کے داخل ہونے کی اطلاع اس کو دینے میں کیا فائدہ ہوگا۔ اور منکر کو تو قاضی پر پیش کرکے اس سے قسم لی جاسکتی ہے تاکہ قاضی اس کو قسم پر مجبور کرے لیکن جب قرض کا اقرار کرلیا تو اب اس سے قسم نہیں لی جاسکتی اور اس سے قسم کا مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ اور جب مدعی کے دعوٰی پر شرعی عادل گواہ موجود ہوں تو منکر سے قسم نہیں لی جاتی اور اسی طرح گواہوں کی موجودگی میں اپنے حق کو منکر کی زبانی حلف کے سپرد کرنا اپنے حق کو خطرہ میں ڈالنا بھی مقصود کے خلاف ہے تو یہ تمام صُورتیں قسم کے مقصد کے خلاف ہیں، اور قرض ادا کردینے کے بعد مقروض کے چہرہ کو دیکھنے سے کیا کام ہے اب رُوپوشی کرنا نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے، اور بیوی نکاح کی موجودگی میں تو علیحدہ رہنے میں تنہائی کی وحشت کو ختم کرنے اور اپنے خاوند سے صلح کرکے مانوس ہونے کی کوشش کرے گی جبکہ نکاح ختم ہوجانے پر اس کا یہ مقصد بھی ختم ہوجاتا ہے کیونکہ اب اجنبی ہوجانے پر اس کو اپنے پاس رہنے کی بات نہ کرے گی اور نہ جُدائی کو ختم کرنے کی کوشش کرے گی جبکہ زیر بحث مسئولہ معاملہ میں گھر میں نہ چھوڑنے کی قسم کا مقصد بیٹے کی ناشکری اور کفرانِ نعمت پر اس کو بائیکاٹ اور

ہماں مفاسد لازم آید کہ در جواب شبہہ چہارم یاد کردیم حلفہائے مبتنی بر خشم و غضب بعد فروشدن خشم خود بخود برباد رود وہیچ جزا یا کفارہ لازم نشود کہ بعد زوال غضب آں ثمرات را خواہش نمی ماند بلکہ بسا اوقات نادم می شود و دلیل قاطع بر بطلان آں احادیث کثیرہ عدیدہ صحیحہ سدیدہ بسرحد استفاضہ کشیدہ ست کہ فرمودہ اند صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرھا خیرا منھا فات الذی ھو خیر وکفر عن یمینک[1] چوں سوگندے خوری باز بینی کہ غیر او ازاں بہتر ست پس آں بہتر را بجا آر و سوگند را کفارہ گزار، رواہ البخاری ومسلم عن سمرۃ بن جندب واحمد ومسلم والترمذی عن ابی ھریرۃ والنسائی وابن ماجۃ عن عوف ابن مالک عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنھم وعبدالرزاق عن ابن سیرین مرسلا وابوبکر بن شیبۃ والبیھقی عن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ و فرمودند

گھر سے دُور رکھنے کی سزا دینا ہے لیکن قسم والے نے اب اپنے مقصد کو چھوڑ دیا تو اس سے قسم الا معاملہ بے سُود اور بیکار نہ ہوگا کیونکہ یہاں مقصد فوت نہیں ہُوا بلکہ خود اس مقصد کو ترک کر رہا ہے الحاصل، مقصود کا باقی نہ رہنا اور اس کو مقصود نہ بنانا دو مختلف چیزیں ہیں اور دونوں میں بڑا فرق ہے جبکہ دوسرا یعنی مقصد کو مقصود نہ بنانا اور اس سے رُوگردانی کرنا قسم کو قطعًا باطل اور کالعدم نہیں کرسکتا، ورنہ اس سے وہ تمام مفاسد لازم آئیں گے جو شبہہ چہارم کے جواب میں ہم نے ذکر کئے ہیں کہ غصہ اور ناراضگی پر مبنی تمام قسمیں، غصہ ختم ہوجانے پر خود بخود ختم ہوجائینگی اور ان پر کوئی جزا یا کفارہ لازم نہ آئیگا کیونکہ غصہ اور ناراضگی کے دوران قسم کے جو مقاصد تھے وہ غصہ ختم ہوجانے پر باقی نہ رہے بلکہ بسا اوقات غصہ کی حالت میں قسموں پر ندامت ہوتی ہے تو لازم آئے گا کہ غصہ ہونے پر کوئی کفارہ یا جزا مرتب نہ ہو حالانکہ اس کے بطلان پر کثیر تعداد میں صحیح احادیث وارد ہیں جو غصہ ختم ہونے کے بعد بھی ان قسموں پر حنث لازم آنے میں درجہ شہرت تک پہنچی ہیں؛ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جب تُو قسم کھائے تو دیکھ کہ اس قسم کا غیر یعنی خلاف بہتر ہو تو بہتر کو بجالا اور قسم کا کفارہ دے۔ اس کو بخاری ومسلم نے سمرہ بن جندب اور احمد اور مسلم اور ترمذی نے ابوہریرہ اور نسائی اور ابن ماجہ نے عوف بن مالک کے والد سے روایت کیا ہے اور عبدالرزاق نے، ابن سیرین سے مرسلًا اور ابوبکر بن شیبہ اور بیہقی نے موقوفًا امیر المؤمنین

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انی واللہ ان شاء اللہ لا احلف علی یمین فاری غیرھا خیرا منھا الا کفرت عن یمینی و اتیت الذی ھو خیر[1] بخدا اگر خدا خواہد ہر سوگندے کہ خورم باز غیراو بہتر ازو بینم ہمان بہتر را پیش نہم و سوگند را کفارہ دہم رواہ احمد و عبد الرزاق والبخاری و مسلم و ابو داؤد والنسائی و ابن ماجۃ عن ابی موسٰی الاشعری والطبرانی فی الکبیر و الحاکم والبیہقی عن ابی الدرداء والحاکم عن ام المومنین الصدیقۃ والطبرانی عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہم وعبد الرزاق عن ام المومنین عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما من قولہ و عبد الرزاق و ابن ابی شیبۃ و ابناء حمید و جریر والمنذر وابو الشیخ والبیہقی عن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بمعناہ وفی الباب غیرھم رضی اللہ تعالٰی عنہم وفرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واللہ لان یلج احدکم بیمینہ فی اھلہ آثم لہ عند اللہ من ان یعطی کفارتہ التی افترض اللہ علیہ[2] یعنی اگر کسے دربارۂ اہل خود برایذا و اضرار ایشاں

حضرت عمر فاروق (رضی اللہ تعالٰی عنہم) سے روایت کیا ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: بخدا! اگر اللہ تعالٰی چاہے تو جو قسم بھی میں کھاؤں پھر اس کے بعد اس کے غیر کو بہتر پاؤں تو بہتر کو اختیار کروں گا اور قسم کا کفارہ دوں گا۔ اس کو احمد، عبد الرزاق، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے ابوموسٰی اشعری سے اور طبرانی نے کبیر میں، حاکم اور بیہقی نے ابو درداء سے، اور حاکم نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے، اور طبرانی نے عمران بن حصین سے (رضی اللہ تعالٰی عنہم) روایت کیا ہے۔ اور عبد الرزاق نے حضرت ام المومنین سے انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کا قول، اور عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ، ابن حمید، ابن جریر، ابن منذر، ابوالشیخ اور بیہقی نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بالمعنی روایت کیا ہے جبکہ اس باب میں دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالٰی عنہم سے بھی روایات ہیں، اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، اگر کوئی شخص اپنے اہل کے متعلق اس کو اذیت اور ضرر پہنچانے کے لئے قسم کھائے پس بخدا اس کو ضرر دینا اور قسم کو پورا کرنا عند اللہ زیادہ گناہ ہے اس سے کہ وہ اس قسم کے بدلے کفارہ دے جو اللہ تعالٰی نے اس پر مقرر فرمایا ہے، اس کو بخاری اور مسلم (شیخین) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۸۰

[2] " " " " " " " " "

سوگند خورد پس بجا آکہ باضرار او بر ار او باضرار شاں گناہگار تر باشد نزد خدا از شکستن سوگند و کفارہ آنش کہ خدائے مقرر فرمودہ ست ادا کند رواہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ پیداست کہ یمین فعل اختیاری ست و فعل اختیاری را از قصد غایتے چارہ نے و چوں غیر او را خیر یا بد رائے برگردد واں قصد نماند پس یمین ببطلان قصد باطل شدے کفارہ چرا۔

ثانیًا بانتفائے مقصود نیز مطلقًا بطلان یمین البطلان ست اگر یمین مطلقہ آرد کہ فلاں را زند یا کشد یا پیش حاکم برد یا چناں خوراند یا پوشاند یا خلعت پوشاند یا خبرے خوش یا بد رساند الٰی غیر ذٰلک مما یختص بالحیاۃ عرفا و نکرد تا آنکہ فلاں مُرد یقینًا حانث شود و کفارہ دہد اگر یمین بطلاق و عتاق بود فرود آید با آنکہ آں جملہ مقاصد بمرگش مرد و درہم خورد و کل ذٰلک واضح جلی و علیہ فروع جمۃ فی کتب المذہب و در خانیہ و کبری و محیط و تجنیس و خلاصہ و بزازیہ و ہندیہ وغیرہا ست رجل شاجر مع اخیہ و اختہ، فقال لھما بالفارسیۃ اگر من شمارا بکون خر اندر نکنم تکلموا فی ذٰلک والصحیح انہ یراد بھذا القھر والغلبۃ فلا یحنث حتی یموتا او یموت

سے روایت کیا ہے۔ ان روایات سے معلوم ہُوا کہ قسم اختیاری فعل ہے اور کوئی اختیاری فعل ارادہ اور قصد کے بغیر ممکن نہیں، تو اس کے باوجود جب اس کے خلاف کو بہتر جانے تو اس بہتر کو کرے اور اپنی رائے اور ارادہ کو تبدیل کردے اور اس کا قصد نہ کرے، تو اگر قسم والے فعل کا قصد ختم ہوجانے سے قسم ختم ہوجاتی ہے تو پھر ان احادیث میں کفارہ کا ذکر کس چیز پر ہے۔

ثانیًا جواب یہ ہے، مقصود کے انتفاء سے بھی علی الاطلاق اور علی العموم قسم کا باطل ہونا غلط ہے، مثلًا کوئی شخص غیر مقید طور پر قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں کو ماروں گا، یا فلاں کی کھینچا تانی کروں گا، یا حاکم کے سامنے کروں گا یا فلاں چیز کھلاؤنگا یا پہناؤں گا، یا جوڑا پہناؤں گا یا فلاں کو خوشخبری دُوں گا، وغیر ذالک، تو یہ قسمیں عرفًا پُوری زندگی بھر کے لئے ہوں گی اگر یہ کام نہ کئے حتی کہ وہ فلاں فوت ہوجائے تو یقینًا حانث ہوگا، اور کفارہ دینا ہوگا، اور یہ قسمیں طلاق یا عتاق سے متعلق تھیں ——————— تو طلاق یا عتاق واقع ہوجائے گی کیونکہ فلاں کے فوت ہوجانے سے قسم کے تمام مقاصد ختم ہوجاتے ہیں یہ تمام امور واضح ہیں اور مذہب کی کتب میں ان پر کثیر مسائل متفرع کئے گئے ہیں۔ خانیہ، کبرٰی، محیط، تجنیس، خلاصہ، بزازیہ اور ہندیہ وغیرہا میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے بھائی اور بہن سے جھگڑے میں ان کو کہا اگر میں تم دونوں کو گدھے کی دُبر میں داخل نہ کردوں تو فلاں چیز لازم آئے، تو اس قسم کی صورت میں

الحالف[1] اھ ھذا لفظ الخانیۃ فی الایمان و ولفظھا فی الطلاق قال بعضھم لا یحنث ماداموا فی الاحیاء وقال بعضھم یحنث للحال لانہ عاجز عن ذٰلک ظاھرا الا ان ینوی بذٰلک القھر والتضییق علیھما فلا یحنث ماداموا فی الاحیاء فان مات الحالف او احد الاخوین قبل ان یفعل ذٰلک حنث وعلیہ الاعتماد[2] اھ وقال فی الکبرٰی وغیرھا وعلیہ الفتوی و چوں دلالت حال را بایں شبہہ کارے نماند از تنقیح مسئلہ اش آئندہ سخن رانیم ان شاء اللہ تعالٰی۔

فقہائے کرام نے بحث کی ہے اور صحیح یہ قرار دیا کہ یہ غصہ اور ناراضگی کی قسم ہے اور عمر بھر کے لئے قسم ہوگی اور اگر عمر بھر ان دونوں سے یہ کارروائی نہ کرے تو ان دونوں یا قسم کھانے والے کے فوت ہوجانے پر قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ لازم آئے گا اھ یہ مذکور الفاظ خانیہ کی قسموں میں مذکور ہیں، اور خانیہ نے طلاق کی بحث میں یُوں فرمایا کہ بعض نے کہا ہے کہ جب تک اس قسم سے متعلق حضرات زندہ ہیں قسم نہ ٹُوٹے گی بلکہ ان میں سے کسی ایک کے فوت ہونے پر ٹُوٹے گی، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ قسم فی الحال ہی ٹوٹ جائے گی کیونکہ ظاہر حال میں وُہ ایسا کرنے سے عاجز ہے، ہاں اگر ان الفاظ سے اس نے غلبہ اور تنگی پیدا کرنے کی نیت کی ہو تو ان کی زندگی میں نہ ٹوٹے گی بلکہ مقصد کو پورا کرنے سے پہلے تینوں میں سے کسی کے فوت ہونے پر ٹوٹے گی، اور اسی پر اعتماد ہے اھ اور کبرٰی وغیرہ میں فرمایا کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ اور جب دلالتِ حال کا اس شبہہ میں دخل نہیں تو اس مسئلہ کی تنقیح کو ہم آئندہ پر چھوڑتے ہیں ان شاء اللہ تعالٰی۔ (ت)

شبہہ سادسہ مبنائے یمین بر استحقاق پسر مر انتقام راست پس بدلالت حال متقید شود بزمان بقائے آں استحقاق چنانکہ از علمائے متاخرین علامہ سائحانی دریک مسئلہ استظہار کردہ ست در ردالمحتار ست (تنبیہ) رأیت بخط شیخ مشائخنا السائحانی عند قول الشارح لوحلف ان یجرہ الخ

چھٹا شُبہہ اس قسم کی بنیاد بیٹے کا باپ کی ناراضگی کی وجہ سے قابلِ سزا ہونا ہے، تو حال کی دلالت کا تقاضا ہے کہ یہ قسم بیٹے کے قابلِ سزا ہونے تک کے زمانہ سے مقید ہوگی جیسا کہ متاخرین علماء میں سے علامہ سائحانی نے ایک مسئلہ میں اس کا اظہار کیا ہے، اور ردالمحتار میں ہے تنبیہ میں نے اپنے شیخ سائحانی کا قول دیکھا کہ انھوں نے شارح کے اس قول پر "کہ کوئی قسم کھائے کہ میں فلاں کو

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الایمان فصل فی الیمین علی الشتم والقذف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۲۵

[2] " " کتاب الطلاق باب التعلیق " " ۲/ ۳۲-۲۳۱

هذا يفيد ان من حلف ان يشتكي فلانا ثم تصالحا و زال قصد الاضرار واختشي عليه من الشكاية يسقط اليمين لانه مقيد في المعنى ببقاء حالة استحقاق الانتقام كما ظهر لي اھ فتأمله۔[1]

اقول ایں علامہ متاخر نیز ایں حکم در ہیچ کتاب سلف تا خلف اصلا نیافت محض رائے اوست کہ فرمود کما ظھر لی چنانکہ مرا ظاہر شدہ ست و علامہ شامی نیز برو اعتماد نکرد کہ مے فرماید فتأملہ ایں را تأمل کن و ایں خود سخنے تازہ نیست صدر کلامش بزوال قصد تمسک کرد و حالش در جواب شبہہ پنجم و چہارم شنیدی و استنباط از فروع در مسائل دلالت حال خواست و فرق انعدام قصد و انتفائے مقصود بما لامزید علیہ دیدی و آخر سخنش بہ حالت استحقاق انتقام حوالت نمود و ایں ہماں صفت داعیہ است کہ حالش بجواب شبہہ سوم شنیدی باز قصہ سیدنا ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام زوال قصد و استحقاق انتقام ہر دو را جواب شافی ووافی ست چنانکہ در رد شبہہ چہارم دیدی بالجملہ از جواب شبہہ ثالثہ تا ایں جا ہرچہ گفتہ ایم

قاضی کی عدالت میں پیش کروں گا الخ" تو انھوں نے اس پر فرمایا کہ شارح کے اس قول سے یہ فائدہ ہو رہا ہے کہ جو شخص قسم کھائے کہ میں فلاں کی شکایت کروں گا، پھر قسم کے بعد صلح ہوجائے اور فلاں کو ضرر دینے کا ارادہ ختم ہوجائے اور شکایت کرنے سے گھبرائے تو قسم ساقط ہوجائیگی کیونکہ یہ قسم معنوی طور پر انتقام کے ارادہ کی بقاء سے مقید ہے، یہ وُہ ہے جو مجھے معلوم ہوسکا ہے، اھ، تو غور کرو۔

اقول (اس کے جواب میں میں کہتا ہوں) کہ متاخرین میں سے اس علامہ مذکور نے یہ مسئلہ کسی کتاب سلف یا خلف میں نہ پایا بلکہ انھوں نے یہ بات اپنی رائے سے کہی ہے اسی لئے انھوں نے فرمایا: جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے" اور پھر علامہ شامی نے بھی اس پر اعتماد نہیں کیا اسی لئے انھوں نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ غور کرو، نیز انھوں نے اس کلام سے ابتدار نہیں کی بلکہ اس سے قبل انھوں نے قسم کی وجہ کو ترک کرنے کے قصد کو دلیل بنایا ہے جبکہ اس کا حال پانچویں اور چوتھے شبہہ کے جواب میں آپ نے سُن لیا ہے۔ اور دلالتِ حال والے مسائل کی تفریعات سے استنباط کرنا چاہا، حالانکہ آپ نے قصد نہ کرنے اور مقصد کے خود فوت ہوجانے' کا فرق خوب سمجھ لیا ہے، آخر میں وُہ انتقام کے استحقاق کے حوالہ سے بات کر رہے ہیں اور یہ تمام امور قسم کے لئے داعی واسباب بن رہے ہیں، جبکہ ان کا حال تیسرے

[1] رد المحتار باب الیمین فی الاکل والشرب الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۰۶

ہمیں بریں سخن متوجہ است اگر نبودے کہ ایں سخن بخط عالمے بر ہامش کتابے نوشتہ یافتند حاجت بہ افراز او نبود و بقطعِ نظر از جملہ کلام سابق جوابے تازہ گویم کہ تقیید باستحقاق انتقام را مساغی نگزارد۔

شُبہہ کے جواب میں آپ معلوم کرچکے ہیں، اور پھر یہ کہ حضرت سیدنا ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں وجہِ قسم کو ترک کرنے کا قصد اور انتقام کے استحقاق کے خاتمہ، دونوں چیزوں کا کافی اور شافی جواب موجود ہے جیسا کہ آپ نے چوتھے شُبہہ کے رَد میں دیکھ لیا ہے، غرضیکہ تیسرے شُبہہ کے جواب سے لے کر یہاں تک جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ تمام اس بات سے ہی متعلق ہے، اگر کسی کتاب کے حاشیہ پر کسی عالم کی یہ بات لکھی ہُوئی نہ ہوتی تو اس کو واضح کرنے کی ضرورت نہ تھی، تاہم سابقہ تمام گفتگو سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم اس بات کا کہ اس قسم کا استحقاقِ انتقام سے تعلق نہیں ہے اور یہ اس سے مقید نہیں ہے، نئے انداز سے اثبات کرتے ہیں۔ (ت)

فاقول وباللہ التوفیق **اوّلاً** زید کہ سوگند مے خورد کہ شکایت عمرو پیش حاکم برد باز مصالحت میکنند آیا عمرو بواقع جرمے وستمے بحق زید کردہ بود یا زید حسبِ عادت بسیارے از مردماں مردم آزار خودش ظالم بود و خود شکایتش می خواست بر تقدیر دوم استحقاق انتقام از سر نبود تقیید یمین بزمان انتقامش چہ معنی و بر تقدیر اول انچہ بمصالحت زائل میشود قصد انتقام نہ استحقاق او کہ بصلح جرم وستم کردہ ناکردہ نشود پس یمین چرا منتہی گردد اگر برجوع مجرم استحقاق انتقام برطرف شدے بایستے کہ عفو و تجاوز از تائب نہ عفو بودے نہ تجاوز بلکہ از ظلم او را باز داشتن وھو باطل قطعاً ولہذا نزد اہلسنت قبول توبہ واجب اصلی نیست تا آنکہ نزد ائمہ ماتریدیہ با آنکہ تعذیب مطیع را محال عقلی دانند در شرح مقاصد فرماید اما قبول التوبۃ فلا یجب عندنا اذلا وجوب علی اللہ تعالٰی بازدلیل معتزلہ

فاقول (پس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں) **اوّلاً** یہ کہ زید نے جو قسم کھائی کہ میں عمرو کو حاکم کے ہاں پیش کروں گا، اور پھر قسم کے بعد عمرو سے صلح کرلیتا ہے تو اب دیکھنا ہے کہ عمرو واقعی مجرم تھا اور اس نے زید کے حق میں ظلم کیا تھا یا زید بلاوجہ اپنی مردم آزاری کی عادت پوری کرنا چاہتا تھا تو دوسری صورت میں قسم کی وجہ استحقاق انتقام ہرگز نہ ہُوئی کیونکہ عمرو کا کوئی جُرم ہی نہیں ہے تو اس صورت میں قسم کو استحقاقِ انتقام سے مقید کرنے کا کوئی مطلب نہیں، اور پہلی تقدیر پر کہ عمرو نے واقعی زید کے حق میں ظلم کیا تھا، تو پھر صلح کرلینے پر عمرو سے انتقام لینے کا قصد ختم ہوا نہ کہ اس سے انتقام کا استحقاق ختم ہوا کیونکہ زید کی صلح سے عمرو کا جُرم تو ختم نہ ہُوا اور کردہ گناہ ناکردہ نہ بن سکا تو جب جُرم باقی ہے تو استحقاقِ انتقام ابھی باقی ہے

۱؎ شرح المقاصد المبحث الرابع عشر فی التوبۃ دارالمعارف النعمانیۃ، پاکستان ۲/ ۲۴۲

آوردہ فرمود اکثر المقدمات مزخرف بل ربما یدعی القطع بان من اساء الی غیرہ و انتہک حرماتہ ثم جاء معتذرا الایجب فی حکم العقل قبول اعتذارہ بل الخیرۃ الی ذلک الغیران شاء صفح وان شاء جازاہ[1] علی قاری درشرح فقہ اکبر گوید قبول التوبۃ وھو اسقاط عقوبۃ الذنب عن التائب غیر واجب علی اللہ تعالٰی بل کان ذلک منہ فضلا خلاف للمعتزلۃ[2] پس بصالحت سقوط یمین را وجہے نیست۔

تو قسم ختم نہ ہوگی، اگر مجرم کے رجوع کرلینے سے استحقاق انتقام ختم ہوجاتا ہو تو پھر مجرم کی توبہ اور رجوع پر معافی دینا اور درگزر کرنا کیا معنی رکھتا ہے بلکہ اس کی ضرورت ہی نہ رہے، بلکہ اب مجرم کو باز رکھنا بھی بے معنی ہوجائے کیونکہ جُرم تو خود بخود ختم ہوگیا حالانکہ یہ بات قطعاً باطل ہے، اسی بنا پر اہلسنت کے نزدیک توبہ کو قبول کرنا واجب اصلی نہیں ہے حتی کہ اہلسنت ماتریدیہ کے ہاں بھی یہی بات ہے حالانکہ وہ مطیع شخص کو سزا دینا محال عقلی جانتے ہیں۔ شرح مقاصد میں فرماتے ہیں کہ توبہ کو قبول کرنا ہمارے نزدیک واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالٰی پر کوئی وجوب عائد نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد معتزلہ حضرات جو کہ اللہ تعالٰی پر توبہ کو قبول کرنا واجب جانتے ہیں کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی دلیل کے مقدمات سب شعبدہ ہیں بلکہ ان کا دعوٰی بھی ایسا ہی ہے، کیونکہ یہ قطعی بات ہے کہ جو شخص کسی غیر سے بُرائی کرے اور اس کے حرمات میں دخل اندازی کرے، پھر وہ بُرائی کرنے والا معذرت خواہی کرے تو اس حق والے غیر پر بحکم عقل واجب نہیں کہ وہ اس مجرم کی معذرت کو قبول کرے بلکہ اس غیر کو یہ اختیار رہتا ہے کہ وہ معاف و درگزر کردے یا اس کو سزا دے، ملّا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں فرمایا ہے کہ توبہ کو قبول کرنا بایں معنٰی کہ توبہ کرنے والے سے اس کے گناہ کی سزا کو ساقط کردینا، یہ اللہ تعالٰی پر عقلاً واجب نہیں ہے بلکہ توبہ کو قبول کرنا محض اللہ تعالٰی کا فضل ہے، اس میں معتزلہ مخالف ہیں تو اس سے معلوم ہُوا کہ صلح سے قسم کے ساتھ ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ (ت)

ثانیًا علماء مسئلہ شکایت را یک جزئیہ نوشتہ اند زن را گفت اگر ہر بدی شناعت کہ در دنیا است از تو پیش برادرت نگویم بر تو طلاق اینجا تصریح فرمودہ اند کہ تا انواع بدی ملکے کہ

ثانیًا کہتا ہوں کہ علماء کرام نے شکایت کے متعلق ایک مسئلہ ذکر فرمایا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا "اگر دُنیا کی ہر بدی کو تیری طرف منسوب کرکے تیرے بھائی سے شکایت نہ کروں تو تجھ پر طلاق ہے"

---

[1] شرح المقاصد المبحث الرابع عشر فی التوبۃ دارالمعارف النعمانیہ پاکستان ۲/۲۲۲

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر التوبۃ الشرائطہا مصطفی البابی مصر ص ۱۵۵

درکمینگاں و دزداں و مکاراں و خونریزاں می باشد
از زن برادرش نگوید از سوگند برنیاید و اقل انہا
سہ نوع بدی ست و ہرگز نگفتند کہ چوں قصد
انتقام یا استحقاق آورد و باہم آشتی کنند
یمین منتہی شود با آنکہ تصریح نمودہ اند کہ بابرار ایں
سوگند بزہ کار شود و ازیں گناہ توبہ را فرمودہ اند
کہ بعد شکایت برادر گوید ایں ہمہ از جہت سوگند
پیش میگفتم ورنہ زن ازینہا مبراست اگر پیش از
شکایت اورا خبر دہد کہ حفظ سوگند را چیز ہائے بے اصل
بتو خواہم گفت سود ندہد کہ بعد ازیں سخن بر بدی کہ گوید
بر بدی نسبت کردہ زن نبود در خانیہ و خلاصہ و
بزازیہ وغیرہا ست رجل قال لامرأتہ
ان لم اقل عنك مع اخيك
بكل قبيح في الدنيا فانت
طالق، قالوا ان قال مع اخيها
عنها بما هو من اخلاق
اللئام و اللصوص و الخادعين
والقاتلين يصير بارا في يمينه
و ياثم بذلك و يمينه هذه
تقع على الكثير من ذلك و
اقله ثلثة انواع من
القبح ، و قال الفقيه ابو الليث
رحمه الله تعالى ينبغي للحالف
ان يقول عند الاخ بعد ماقال
من القبائح انما قلت ذلك

یہاں علمائے نے یہ تصریح کی ہے کہ اس قسم کے بعد خاوند کمینے
لوگوں، چوروں، مکاروں اور خونریزی کرنے والوں میں
پائی جانے والی بدیوں کو بیوی سے منسوب کرکے اس کے
بھائی سے جب تک شکایت نہ کرے گا وہ قسم سے بری
نہ ہوگا اور کم از کم ان بدیوں میں سے تین ضروری ہوں گی، یہاں
علمائے کرام نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ خاوند اپنی بیوی سے
انتقام کا قصد کئے ہوئے تھا یا وہ بیوی کو انتقام کا
مستحق قرار دئے ہوئے تھا تو اب اگر آپس میں صلح کرلیں
تو قسم ختم ہوجائے گی کیونکہ قصد انتقام یا استحقاق انتقام
ختم ہوگیا ہے، بلکہ انھوں نے اس شکایت کو گناہ
قرار دینے کے باوجود فرمایا کہ وہ اپنی قسم کو پورا کرنے کیلئے
یہ گناہ کرے اور پھر شکایت کے بعد اس گناہ سے توبہ
کرے۔ اور بھائی سے شکایت کرنے کے بعد اس کو
کہہ دے کہ میں نے یہ باتیں قسم کو پورا کرنے کے لئے کی
ہیں ورنہ بیوی ان بدیوں سے بری ہے، اور شکایت
کرنے سے قبل بھائی کو یہ عذر نہ بتائے، اگر اس نے
شکایت سے قبل بھائی کو اطلاع دے دی کہ میں
قسم کو پورا کرنے کے لئے تجھ سے بیوی کے متعلق بے اصل
باتیں کروں گا، تو قسم سے بری نہ ہوگا، کیونکہ شکایت
سے قبل یہ بات بتادینے میں بیوی سے متعلق بدی
کی شکایت نہ رہے گی۔ خانیہ، خلاصہ، بزازیہ
وغیرہا میں ہے کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا "اگر میں
تیرے بھائی کو یہ شکایت نہ کروں کہ تیری بہن میں دنیا
کی تمام قبیح باتیں ہیں تو تجھے طلاق ہے" تو فقہاء کرام نے
اس پر فرمایا کہ "اگر اس شخص نے بیوی کے متعلق اس کے

لاجل الیمین وھی بریئة عن ذٰلك فیکون ھذا الکلام توبة منه عما قال فیھا ویکون بارًّا[1]، درنوازل وتاتارخانیہ وہندیہ ست ولو قال له قبل ذٰلك لایجوز لانه لایکون بعد ذٰلك قول قبیح[2] نظر کنید ایں جا یک پہلو گناہ بود و دگر سو طلاق و ایں مبغوض ست وآں مغضوب وآشتی محبوب و شرعًا مطلوب اگر کار با و کشودے بمار آیتھو بہول بودے واجب بودے کہ زن و شوے بہم آمیزند و از سر جنگ و پرخاش برخیزند تا از مبغوض و مغضوب ہر دو پرہیزند اما نگفتند وایں راہ آسان نرفتند پس روشن وعیاں شد کہ آشتی رافع یمین نتواں شد و خود علامہ راایں جا اطمینان نفس نبود کہ می گوید واخفته علیه من الشکایة اگر یمین بدلالت حال متقید ببقائے سزاواری سزا شدے ولبعد صلح آں سزاواری نماندے زوال یمین واجب بودے گو از شکایت ترس آزارے مباش مگر علامہ خواست کہ سقوط یمین را عذرے پدید آرد و پیداست کہ سوگند پروائے سود و زیاں کسے ندارد اگر زید سوگند خورد کہ زدا عمرو را تو اہد گشت بے گناہے عمرو شفیع سقوط حلف نگردد بلکہ بر زید فرض بود کہ سوگند شکند و کفارہ ادا کند وباللہ التوفیق۔

بھائی کو کمینے، چوروں، مکاروں اور قاتلوں میں پائی جانے والی بدیاں بتائیں تو وہ قسم سے بری ہوجائیگا اور ایسا کہنے پر وہ گنہ گار ہوگا، اس کی قسم کثیر بدیوں کے متعلق ہے جن میں سے کم از کم تین بدیاں بھائی کو بتانا ضروری ہوگا، اور فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی نے یہاں فرمایا کہ قسم کھانے والے شخص کو چاہئے کہ وہ بھائی کو بدیوں کی شکایت کرنے کے بعد کہے کہ میں نے آپ سے باتیں قسم کو پُورا کرنے کے لئے کی ہیں ورنہ تمھاری بہن (بیوی) ان بدیوں سے بری ہے، تو شکایت کے بعد یہ حقیقت بیان کرنا اس کی طرف سے توبہ قرار پائیگی، اور قسم اور گناہ سے بری ہوجائے گا۔ نوازل، تاتارخانیہ اور ہندیہ میں مذکور ہے کہ اگر شکایت سے قبل بھائی کو حقیقت سے آگاہ کردیا تو قسم سے بری نہ ہوگا کیونکہ حقیقت سے آگاہ کرنے کے بعد بیوی سے منسوب بدیوں کی شکایت نہ بنے گی، آپ غور کریں کہ یہاں ایک پہلو گناہ کا ہے اور دوسری تکلیف دہ چیز طلاق ہے، طلاق مبغوض چیز ہے اور گناہ مغضوب چیز ہے جبکہ صلح و آشتی محبوب اور شرعًا مطلوب چیز ہے، اگر معاملہ وہی ہوتا جو آپ سمجھ رہے ہیں تو یہاں پر خاوند اور بیوی کی آپس میں صلح کرنا اور لڑائی اور ناراضگی کو ختم کرنا واجب ہوتا جس کی بناء پر مبغوض اور مغضوب دونوں سے پرہیز ہوسکتا تھا لیکن فقہاء نے ان سے بچنے کے لئے یہ آسان راستہ نہ بتایا، تو واضح طور پہ

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۲/۲۲۶

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۴۵

معلوم ہُوا کہ صلح قسم کو ختم نہیں کرسکتی اور خود علامہ سائحانی رحمہ اللہ اس بات میں مطمئن نظر نہیں آتے اسی لئے انھوں نے صلح اور زوال قصدِ ضرر کے ساتھ، شکایت کرنے سے خطرہ، کی بات کی ہے، کیونکہ اگر قسم دلالتِ حال کی وجہ سے استحقاق سزا کی بقاء کے ساتھ مقید ہوتی اور صلح کے بعد وہ استحقاق انتقام ختم ہوجاتا ہو تو پھر قسم کا ساقط ہوجانا لازم ہوتا اگرچہ شکایت کرنے سے خطرہ نہ بھی ہوتا مگر علامہ مذکور نے شکایت سے خطرہ کو قسم کے سقوط کے لئے بنانا چاہا، حالانکہ ظاہر ہے کہ قسم میں کسی کے نفع ونقصان کی پروا نہیں ہوتی، مثلاً زید نے قسم کھائی کہ وہ عمرو کو مارے گا، تو عمرو بے گناہ ثابت ہوجائے تو اس کی قسم ساقط نہ ہوگی بلکہ زید کو اپنی قسم کی وجہ سے لازم ہوگا کہ وہ قسم کو توڑ دے اور کفارہ دے، وباللہ التوفیق۔ (ت)

شبہہ سابعہ بخانہ گذاشتن دوگونہ است موافقہ کہ برضائے پدر باشد ومخالفۃ کہ بے رضائے او وشک نیست کہ حال برارادہ قسم دوم دال ست یعنی خلاف مرضی من بخانہ نگزاری وایں جا واقع قسم اول ست پس شرط حنث متحقق نشد۔

ساتواں شبہہ کہ بیٹے کو گھر میں چھوڑنا دوطرح ہوسکتا ہے ایک موافقت کے طور پر کہ باپ کی مرضی سے ہو، اور دوسرا مخالفت کے طور پر کہ والد کی مرضی کے بغیر ہو، جبکہ قسم کے ارادے کا موجب دوسرا احتمال ہے یعنی والد کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ اس کو میری مرضی کے بغیر گھر میں نہ چھوڑنا، اور یہاں واقعہ کا تعلق پہلی صورت سے ہے کہ باپ کی رضامندی سے بیوی نے بیٹے کو گھر میں چھوڑا ہے لہذا قسم کے ٹوٹنے کی شرط نہ پائی گئی۔ (ت)

اقول اولاً زید برفتن زن بخانہ عمرو راضی نباشد زن را باز دارد او سرننہد گوید ان دخلت الدار فانت طالق ثلثا آیا ہیچ شنیدہ کہ حنث دریں یمین موقوف بر عدم رضائے زید ماند تا آنکہ اگر زید گاہے خودش راضی شدہ زن را دستوری دہد باز بدخول طلاق نیفتد حاشا بلکہ تا حیات زن وشو ایں تعلیق ہیچ گاہ زوال پذیر نیست تا بحصول شرط نزول جزا نشود تا آنکہ اگر زید زن را یک طلاق دہد و بگزارد

اقول (جواب میں کہتا ہوں کہ) **اولاً** زید اگر اپنی بیوی کو عمرو کے گھر سے روکنے کی کوشش کرے اور بیوی باز نہ آئے تو زید قسم کھائے کہ اگر تُو عمرو کے گھر میں داخل ہُوئی تو تجھے تین طلاقیں، تو کیا آپ نے کبھی یہ سُنا ہے کہ یہ قسم زید کی ناراضگی میں عمرو کے گھر داخل ہونے سے ٹوٹے گی، حتی کہ اگر زید خود راضی ہوجائے اور بیوی سے معاملہ بحال کرلے تو کیا اس کے بعد بیوی وہاں داخل ہو تو طلاق نہ ہوگی، ہرگز ایسا نہیں بلکہ یہ قسم خاوند اور بیوی کی زندگی بھر کے لئے ہے اور قسم میں مذکور طلاق کی

کہ عدت بگزارد، باز زن دراں خانہ پائے نہد جزا ازفرود آید ومحل ندیدہ رائگاں رود کہ زید بلا تحلیل او را بزنے تواں گرفت پس ازاں زن بر قدر خواہد برضائے زید یا بے رضائے او باآں خانہ رود طلاق نشود کہ یمین یکبار منحل شد کما تقدم عن السراجیۃ و الھندیۃ۔

شرط ختم نہ ہوگی جب تک شرط پائے جانے پر جزا لازم نہ ہوجائے جس کا حیلہ یہ ہے کہ خاوند بیوی کو ایک طلاق دے کر چھوڑ دے اور عدت پوری ہوجائے تو اس کے بعد بیوی عمرو کے گھر داخل ہو تو اس وقت جزا یعنی طلاق پڑے گی لیکن اس وقت بیوی طلاق کا محل نہ ہونے کی وجہ سے وہ طلاق لغو ہوجائے گی، اور اب زید یعنی خاوند کو اختیار ہوگا کہ وہ بغیر حلالہ بیوی سے دوبارہ نکاح کرلے تو اس دوبارہ نکاح کے بعد بیوی چاہے تو عمرو کے گھر داخل ہوسکے گی زید کی رضا سے یا بغیر رضا کے داخل ہو اب طلاق نہ ہوگی کیونکہ ایک دفعہ شرط پائے جانے پر قسم ختم ہوچکی ہے جیسا کہ سراجیہ اور ہندیہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ (ت)

ثانیاً اگر سوگند ہا کہ بر امور نامرضیہ حالف باشد متقید بعدم رضا شود ان خرجت فانت طالق بعینہ ہمچو ان خرجت الا باذنی او برضائی فانت طالق بود وایں خلاف اجماع و تصریحات جملہ کتب ست۔

ثانیاً یہ کہ لازم آئے گا کہ ناپسندیدہ امور پر قسم کھائی جائے تو وہ قسمیں ناپسندیدگی سے مقید ہوجائیں کہ رضامندی پائی جائے تو قسمیں ختم ہوجائیں مثلاً خاوند ناراضگی میں بیوی کو کہے کہ اگر تو باہر جائے تو تجھے طلاق ہے، یا اسی طرح یوں کہے اگر تو میری اجازت یا میری رضا کے بغیر باہر جائے تو تجھے طلاق ہے، تو لازم آئے گا کہ ان دونوں باتوں میں فرق نہ ہو حالانکہ یہ اجماع اور تمام کتب کی تصریحات کے خلاف ہے (ت)

ثالثاً حل آں ست کہ دلالت حال بر آں ست کہ ایں کار خلاف مرضی حالف ست نہ بر آں کہ منع تا خلاف مرضی ماندن ست ودرہمچو مقام خشم تا بحد توسط باشد انسان را تصور عواقب باز ندارد خودش داند کہ گنجائش رضا و زوال غضب باقی ست آنگاہ امثال تعلیق شدید را مقید باذن میکند کہ بے دستوری من چناں نکنی وچوں خشم بمنتہی رسید رضا در وقتے آیندہ را خیال ہم پیرامون خاطرش نمی گردد وحکم

ثالثاً اس صورت میں دلالتِ حال یہ ہے کہ یہ کام مثلاً گھر میں چھوڑنا، قسم کھانے والے کی مرضی کے خلاف ہے اور یہ دلالت اس پر نہیں کہ اس کام سے منع یعنی گھر میں نہ چھوڑنا اس کی عدمِ رضا تک ہے۔ جہاں پر غصہ اور ناراضگی حدِ اعتدال میں ہو وہاں یہ غصہ انسان کو انجام سے بے خبر نہیں کرتا اور وہ جانتا ہے کہ غصہ اور ناراضگی ختم ہونے کی اور راضی ہوجانے کی گنجائش باقی ہے تو ایسے موقعہ پر شدید امور سے مشروط قسم کو اجازت سے مقید کیا جاتا ہے کہ میری

موید می کند پس تخصیص وتقیید مرا بودن درکنار غالباً جز تعمیم وتابید تصور سے ہم بذہن نمی باشد و لہذا متقید باذن وغیرہ نمیکند پس معنی سخن آن نباشد کہ بخانہ گزاشتن تا خلاف مرضی من ست نکنی بلکہ مفہوم آن ست کہ بخانہ گزاشتن خلاف مرضی من ست زنہار نکنی و بریں تقدیر گو آیندہ مطابق مرضیش شود حکم مرتفع نشود کہ خلاف مرضی آن وقت بود نہ مرضی موہوم آیندہ وہرگاہ کند قطعاً خلاف مرضی وقت دیگر را خلاف مفہوم مباشش پس شرط حنث متحقق ست۔

مرضی کے خلاف یہ کام نہ ہو اور جب غصہ انتہائی ہو جائے تو رضا کے حال کو دل میں نہیں لاتا اور قسم میں حکم کو ابدی کردیتا ہے، پس اس موقعہ پر تخصیص وتقیید کو مراد بنانا تو درکنار وہ غالب طور پر تعمیم اور ابدی حکم کے سوا کسی چیز کا تصور تک نہیں کرتا اس لئے وُہ یہاں اجازت وغیرہ سے قسم کو مقید نہیں کرتا۔ پس یہاں قسم کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ میری مرضی کے خلاف تک اس کو گھر میں چھوڑنے کا عمل نہ کرنا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس کو گھر میں چھوڑنا میری مرضی کے خلاف ہے لہذا یہ عمل نہ کرنا، تو اس تقدیر پر بعد میں رضامندی سے بھی چھوڑے گی تو قسم کا حکم ختم نہ ہوگا کیونکہ قسم کے وقت مرضی نہ ہونے کا اعتبار ہے نہ کہ آئندہ موہوم مرضی کا اعتبار ہے بلکہ جب بھی یہ عمل ہوگا تو وہ اس قسم کی خلاف مرضی ہی میں ہوگا دوسرے وقت کی مرضی جو قسم کے مفہوم کے خلاف ہے میں نہ ہوگا، تو اس صورت میں قسم کا ٹوٹنا متحقق ہوجائے گا۔ (ت)

رابعاً اگر ازیں تدقیق گذریم غایت آنکہ ہر دو معنی محتمل باشد و در تقیید بدلالت حال شک نیست اما آنجا کہ در تقیید بدلالت حال شک نیست امر محتمل صالح تقیید نتواں شد کہ اطلاق لفظ یقینی ست والیقین لایزول بالشک ولہذا اگر زن شوئے را گفت تو برمن زنے گرفتہ شوئے گفت ہر زن کہ مراہست مطلقہ است ایں زن نیز طلاق شود اگرچہ بظاہر مقصود مرد ارضائے ایں زن مے نماید کہ اگر زنے جز تو گرفتہ ام اورا طلاق ست فاما محتمل کہ مقصود سزائے زن بود کہ چرا در حلال برمن خوردہ گرفتی و دلالت محتملہ بسندہ نیست آرے اگر نیت غیرش کردہ ست دیانۃً صحیح باشد در ہدایہ ارشاد می رود و اذا قالت المرأۃ لزوجہا تزوجت علیّ

رابعاً اگر تدقیق مذکورہ سے قطع نظر بھی کرلیں تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں اطلاق اور تقیید دونوں کے احتمال ہیں اور دلالتِ حال سے مقید ہونے کے احتمال میں شک نہیں ہے لیکن محض اس احتمال کی بنا پر قسم دلالتِ حال سے مقید نہ ہوگی کیونکہ قسم کے الفاظ میں اطلاق اور عموم ہے جو کہ یقینی ہے تو یہ یقین محض احتمال اور شک سے ختم نہیں ہوسکتا کیونکہ شک یقین کو زائل نہیں کرسکتا، اسی لئے مثلاً اگر بیوی خاوند کو کہے کہ تُو نے مجھ پر کوئی عورت دوسری بیوی بنا رکھی ہے تو خاوند جواب میں یُوں کہے کہ جو بھی عورت میری بیوی ہو اس کو طلاق ہے تو اس بیوی کو بھی طلاق ہوجائے گی۔ تو یہاں بظاہر خاوند کی قسم کا مقصد

فقال کل امرأة لی طالق ثلثا طلقت ھذہ
التی حلفتہ فی القضاء ووجہ الظاھر
عموم الکلام وقد یکون غرضہ ایحاشھا
حین اعترضت علیہ فیما احلہ الشرع
ومع التردد لایصلح مقیدا وان
نوی غیرھا یصدق دیانة لاقضاء لانہ
تخصیص العام اھ باختصار این قدر
بسندہ بود فاما توضیح مرام و زیارت و افادت
را مثالے چند ازیں پہلو نیز برخوانیم کہ دلالتِ حال
بحال احتمال معتبر نہ داشتہ اند (۱) ہمیں مثال
ہدایہ (۲) آنکہ گزشت کہ اگر بر خروج زن یا بندہ
مطلقاً سوگند خورد بے تقیید باذن متقید بزمان
بقائے ملک نباشد **اقول** زیرا کہ ممکن کہ نزد
بندہ یا زن اورا رازے بود کہ بہ بروں شدن
بروں افتد وحفاظی وکوچہ گردی زن اہل غیرت
را بعد بینونت نیز موجب عار شود و مرداں گویند
ایں زن فلاں ست اگرچہ اطلاق بلحاظ ماکان
ست بلکہ نخواہند کہ بخوابہ خود لبعد فراق
نیز بکنار دیگرے رود پس از جدائی ہم او را
نگاہ دارند و تکفل نفقہ اش کنند باز تصدیق
ایں معنی در حدیث یافتم عبدالرزاق در مصنفہ
گوید انبأنا معمر عن الزھری
قال سأل رجل صلی اللہ

اپنی اس بیوی کو راضی کرنا ہے کہ تیرے علاوہ کوئی اور
بیوی ہو تو اس کو طلاق ہے، لیکن الفاظ کے
پیشِ نظر یہ بھی احتمال ہے کہ وُہ اس بیوی کو
اعتراض کرنے پر سزا دینا چاہتا ہو کہ اس نے میرے لئے
حلال معاملہ میں کیوں مداخلت کی ہے تو ظاہر حال کی دلالت
کا احتمال سند نہ بن سکے گا کیونکہ الفاظ میں عموم اور اطلاق
ہے جو کہ یقینی ہے، ہاں اس احتمال کی بناء پر موجودہ بیوی
کے علاوہ کسی دوسری بیوی کی نیت کا اظہار کرے تو دیانۃً
اگرچہ معتبر ہوگی لیکن قضاءً معتبر نہ ہوگی، ہدایہ میں فرمایا
ہے کہ جب بیوی خاوند کو کہے کہ تُو نے مجھ پر دوسری بیوی کر رکھی
ہے تو خاوند اس کو جواب میں یوں کہے کہ جو بھی میری بیوی
ہے اس کو تین طلاقیں، تو اس قسم دلانے والی بیوی کو
بھی طلاق ہو جائیگی، قضاءً یہی حکم ہوگا کیونکہ اس کی وجہ
ظاہر ہے کہ قسم کے الفاظ کا عموم ہے جبکہ ایسے موقعہ
پر خاوند کی غرض بھی یہ ہو سکتی ہے کہ وہ بیوی کو اس کے
اعتراض پر سزا دینا چاہتا ہے کہ اس نے شرعاً حلال کام
پر اعتراض کیوں کیا ہے تو کلام کے عموم اور سزا دینے کی
غرض کے احتمال کے باوجود کسی اور بیوی کی نیت کے
احتمال کی وجہ سے یہ قسم دلالتِ حال سے مقید نہ بن سکے گی
ہاں اگر دُوسری بیوی کی نیت کرے تو اگرچہ وہ دیانۃً
معتبر قرار دی جائیگی لیکن قضاءً معتبر نہیں ہوگی کیونکہ
یہ عموم میں تخصیص ہے جبکہ دلالتِ حال تخصیص نہیں کرسکتی
اھ اختصاراً۔ اس مقصد کے لئے یہ مثال کافی ہے تاہم

لہ الہدایۃ کتاب الایمان باب الیمین فی البیع والشراء الخ المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۴۸۱

تعالٰی علیہ وسلم فقال الرجل یجد مع امرأتہ رجلا فیقتلہ فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا تسمعون الٰی ما یقول سیدکم قالوا لا تلمہ یا رسول اللہ فانہ رجل غیور واللہ ما تزوج امرأۃ قط الا بکرا ولا طلق امرأۃ قط فاستطاع احد منا ان یتزوجہا فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یابی اللہ الا بالبینۃ[1] اھ قلت والسائل ھو سیدنا سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ولہذا سہ طلاق دفعۃً کہ گناہ بود وتفریق از مبغوض شرعی بے حاجت شرعی اکثار برو تازیانۂ تحلیل مقرر فرمودہ اند و بر مجرد نکاح کفایت نمودہ تا باہم شہد ہمدگر بچشند حکمتش ہماں ست کہ غیرت منداں از تثلیث طلاق باز مانند تا بہ تیس مستعار طوق عار نشود والعیاذ باللہ تعالٰی بخلاف آنکہ بے اذن من

وضاحت اور فائدہ کو زائد بنانے کے لئے اس پر مزید چند مثالیں پیش کرتا ہوں کہ محض احتمال کی صورت میں دلالتِ حال معتبر نہیں ہوتا، ہدایہ کی مثال کے بعد دوسری مثال یہ ہے کہ، جو پہلے گزرا کہ بیوی یا غلام باہر جانے کو تیار ہو تو اس موقعہ پر بیوی کو طلاق یا غلام کو آزادی کی علی الاطلاق قسم کھانا جو اجازت سے مشروط نہ ہو تو یہ قسم عام اور مطلق ہوگی اور ملک یا نکاح کی موجودگی سے مشروط نہ ہوگی، کیونکہ یہاں پر اگرچہ دلالتِ حال کی وجہ سے اس قسم کے مقید ہونے کا احتمال ہے لیکن یہ احتمال معتبر نہ ہوگا کیونکہ الفاظ میں عموم ہے **اقول** اس کے ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ قسم کھانے والے کا مقصد ہمیشہ کے لئے بیوی یا غلام کو باہر جانے سے روکنا ہو، کیونکہ ان کے پاس اس کا ایک ایسا راز ہو جو ان کے باہر جانے سے افشاء ہوجائے گا اور خفت اٹھانا پڑے گی یا بیوی کو ہمیشہ کے لئے باہر نکلنے سے روکنا مقصود ہو اگرچہ وہ نکاح سے باہر اور جُدا بھی ہوجائے کیونکہ غیرت مند لوگ اپنی مطلقہ کی عورت کی کوچہ گردی پر بھی غیرت اور عار محسوس کرتے ہیں کہ لوگ کہیں گے کہ یہ فلاں کی بیوی ہے اگرچہ اس کی بیوی سابقہ زمانے کے لحاظ سے کہتے ہوں بلکہ غیرت مند اپنی مباشرت شدہ عورت کو فراق اور طلاق کے بعد بھی دوسرے کی مباشرت میں دیکھنا پسند نہیں کرتے، اس لئے طلاق مغلظہ کے بعد بھی وہ اس کو اپنی نگرانی میں رکھتے ہوئے اس کے تمام اخراجات

---

[1] مصنف عبدالرزاق حدیث ۱۷۹۱۷ حبیب الرحمٰن الاعظمی بیروت ۹/۴۳۴

36
36

بیرون نرود کہ ولایت اذن بانتہائے ملک منتہی شود (۳) آنکہ گزشت کہ بے اذن زن زنے نکنم مقیدہ ببقائے زوجیت نباشد **اقول** ازاں رو کہ مقصود غم نرسانیدن ست بزن و بارہا باشد کہ بعد فراق نیز زناں بتزوج شوہر بزنے دیگر غمگین شوند ایام خود یاد مے آید و بجائے خود نشستن دیگرے رنج می رساند بخلاف آنکہ بے اذن زن بیروں نرود ایں متقید شود چنانکہ وجہش بالا گفتیم (۴) زن را با مردے بیگانہ چانہ زن دید سوگند خورد کہ اگر با ز مرد بیگانہ چانہ زنی رسن زنی از گلو فگنی وجنانہ نوچہ نوکرست کہ باذن مرد آمد و رفت دارد و زن او را کارہائے خانگی می فرماید نیز پسر آں عم وعمہ و خالہ زن یا برادران مرد برضائے مرد مے آیند یا خود درہمیں خانہ مے مانند و با زن سخن می شوند مرد بایں ہمہ راضی ست باایں ہمہ اینہا بدلالت حال مستثنیٰ نشوند و زن بعد سوگند اگر باآں نوکر یا ایں قسم یاں سخن گوید طالقہ شود در جواہر الفتاوٰی باب چہارم فتاوٰی امام مفتی الجن والانس نجم الدین عمر نسفی قدس سرہ الصفی ست رجل رأی امرأتہ تتکلم اجنبیا فقال اگر پیش تو با مرد بیگانہ سخن گوئی فانت طالق فکلمت تلمیذ زوجہا لیس من محارمہا او کلمت رجلا ف

کی کفالت کرتے ہیں پھر اس مضمون کی تصدیق میں نے حدیث میں پائی ہے، مصنف عبدالرزاق میں فرماتے ہیں ہمیں معمر نے زہری سے خبر دی ہے انھوں نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے سوال کیا اور عرض کی ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو پائے تو قتل کردے، تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا تم اپنے آقا کی بات کو نہیں سنتے کہ وہ کیا فرما رہا ہے تو اس پر دیگر اصحاب نے عرض کی یارسول اللہ (صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اس شخص کو ملامت نہ فرمائیں کیونکہ یہ غیور شخص ہے خدا کی قسم یہ صرف باکرہ عورت سے نکاح کرتا ہے اور اس کی طلاق دی ہوئی عورت کو دوسرا کوئی بھی ہم میں سے نکاح نہیں کرسکتا۔ تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی قتل کی اجازت نہیں دیتا ماسوائے (قاضی کے ہاں اس کے خلاف) گواہ پیش کرنے کے، اھ،

قلت (میں کہتا ہوں) وہ سائل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ تھے، اور اسی غیرت کی وجہ سے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دینا گناہ قرار دیا گیا ہے کہ شرعًا مبغوض چیز کو شرعی حاجت سے زائد استعمال کرنے پر حلالہ کی شرط کو سزا کے طور پر مقرر کیا گیا ہے اور اسی وجہ سے حلالہ میں دوسرے شخص سے صرف نکاح کو کافی نہ قرار دیا گیا بلکہ جب تک ایک دوسرے کے مزے کو نہ چکھ لیں حلالہ مکمل نہیں ہوسکتا، یہ اس لئے تاکہ غیرتمند لوگ تین طلاقیں دینے سے باز رہیں اور خواہ مخواہ دوسرے شخص کی مجامعت کو اپنے گلے میں

هذہ الدار بینهما معرفة ولکن لا محرمیة بینهما او کلمها[ع] رجل من ذوی الارحام و لیس من محارمها فانه یقع الطلاق[1]

اقول زیرا کہ محتمل ست کہ مرد باعتماد زن پیش ازیں روا دارا نیہا بود چوں دید کہ با اجنبی محض ہم سخن می شود رسنش تنگ تر کشید و با نا محرم سخن گفتن مطلقاً منع کرد پس اطلاق لفظ را تقیید تحقیق متعین نشد، وباللہ التوفیق۔

نہ ڈالیں، والعیاذ باللہ۔ اس کے برخلاف اگر قسم کو اجازت سے مشروط کیا ہو تو پھر اجازت کی ولایت ختم ہوجانے یعنی نکاح ختم ہوجانے پر قسم ساقط ہوجائیگی (۳) وہ جو گزرا کہ خاوند نے بیوی سے کہا کہ تیری اجازت کے بغیر دوسری عورت کو بیوی نہ بناؤں گا، تو یہ قسم موجودہ بیوی سے نکاح کی حالت سے مختص نہ ہوگی (بلکہ اس بیوی سے نکاح ختم ہونے کے بعد بھی اس کی اجازت ضروری ہوگی) **اقول** (میں کہتا ہوں کہ) اس قسم کا مقصد بیوی کو پریشانی سے بچانا ہے ——— کیونکہ بیوی کی پریشانی صرف نکاح کی حالت سے مختص نہیں کیونکہ بار ہا ایسا ہوتا ہے کہ فرقت کے وقت بھی عورتیں سابقہ خاوند کی دوسری شادی سے غمگین ہوتی ہیں، اپنا وقت یاد کرکے اپنے بجائے دوسری کو رہتی دیکھ کر رنج پاتی ہیں، ——— (غرضیکہ چونکہ بیوی کی پریشانی دوسری عورت کی وجہ سے صرف حالتِ نکاح سے مختص نہیں بلکہ جدائی کے بعد بھی اس چیز پر وہ پریشان ہوتی ہے لہذا اس پریشانی سے بچانا حالتِ نکاح کے بعد بھی ہوسکتا ہے لہذا یہ قسم بیوی سے فراق کے بعد قائم رہے گی) اس کے برخلاف اگر خاوند قسم کھائے کہ تُو میری اجازت کے بغیر باہر نہ جائے گی تو یہ قسم حالتِ نکاح سے مقید ہوگی جیسا کہ اس کی وجہ پہلے ہم بیان کرچکے ہیں۔ (۴) بیوی کو غیر شخص سے بے تکلف باتیں کرتے ہوئے پائے تو اس وقت قسم کھائے کہ اس کے بعد اگر تُو نے بیگانے مرد سے بات کی تو نکاح کی رسّی تیرے گلے سے نکل جائے گی یعنی تجھے طلاق ہوگی، جبکہ گھر میں نوکر چاکر ہیں جو خاوند کی اجازت سے گھر میں آتے جاتے ہیں جن کو بیوی گھر کے کاموں کے متعلق ہدایات دیتی ہے

ع **اقول** والاولی کلمت رجلا لان الحنث بکلامها لا بکلام غیرها اذا لم تجب ۱۲ منه۔

اقول (میں کہتا ہوں) یہاں بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے" عورت نے اس مرد سے بات کی۔ کیونکہ عورت کے بات کرنے سے قسم ٹوٹے گی کسی دوسرے کے کلام کرنے سے نہ ٹوٹے گی بشرطیکہ عورت غیر کو جواب نہ دے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] جواھر الفتاوٰی کتاب الایمان

یُوں ہی بیوی کے چچا یا پھُوپھی زاد یا خالہ زاد یا خاوند کے بھائی خاوند کی اجازت سے گھر آتے ہیں یا اسی گھر میں رہتے ہیں اور بیوی اپنے خاوند کی رضامندی سے ان تمام حضرات سے بات کرتی رہتی ہے، اس دلالتِ حال کے باوجود یہ لوگ اس قسم سے مستثنٰی نہیں ہوں گے بلکہ بیوی قسم کے بعد گھر کے نوکر یا ان مذکورہ قریبیوں سے بات کرے گی تو اس کو طلاق ہوجائے گی۔ جواہر الفتاوٰی کے باب چہارم میں امام مفتی جن والانس نجم الدین عمر نسفی قدس سرّہ کے فتوے ذکر کئے گئے ہیں جن میں یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کسی اجنبی کے ساتھ باتیں کرتی ہُوئی پالیا تو اس نے قسم کھائی کہ اگر اس کے بعد تُو نے بیگانے شخص سے بات کی تو تجھے طلاق ہے، تو اس کے بعد بیوی نے خاوند کے غیر محرم شاگرد سے بات کی یا اس گھر میں آنے جانے والے واقف کار غیر محرم سے بات کی یا بیوی کے غیر محرم رشتہ دار شخص نے بیوی سے خود بات کرلی تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

اقول (میں کہتا ہوں) یہ اس لئے کہ قبل ازیں خاوند بیوی پر اعتماد کرتے ہُوئے ان مذکور لوگوں کے بارے میں رواداری سے کام لیتا رہا، تو جب اس نے بیوی کو خالص اجنبی شخص سے باتیں کرتے ہُوئے دیکھ لیا تو اس نے بیوی کی رسّی کو تنگ کرتے ہُوئے مطلقاً ہر غیر محرم سے بات کرنا ممنوع قرار دیا تو اس احتمال کے ہوتے ہُوئے یہ قسم دلالتِ حال کی وجہ سے مقیّد نہ ہوگی بلکہ یہ قَسم اپنے الفاظ کے عموم پر باقی رہے گی اور ہر غیر محرم کو شامل ہوگی، اور توفیق صرف اللہ تعالٰی سے حاصل ہے۔ (ت)

شُبہہ ثامنہ ازیں ہم درگزشتیم آخر کم نہ ازاں کہ موافقہ و مخالفہ دو نوع تخلیہ ست و ارادۂ یک نوع تخصیص عام ست کما حققہ فی الفتح و نیت تخصیص عام دیانۃً مقبول ست کما مرّ اٰنفا عن الھدایۃ گو قضاءً پذیر مباش و زن نیز بر و اعتبار نتواں کرد لان المرأۃ کالقاضی کما فی التبیین والفتح والشامی پس اگر نیت ایں خصوص کردہ باشد باید کہ عند اللہ حانث نشود و در فتوٰی التفات بایں قید می بایست لان المفتی بالدیانۃ یفتی کما فی التنویر وغیرہ۔

آٹھواں شُبہہ یہ کہ تمام مذکورہ احتمالات کو نظر انداز کردیں تب بھی کم از کم یہ گنجائش ضرور ہے کہ خاوند کی قسم میں موافق اور مخالف لاتعلقی کی دو قسمیں ہیں اور دونوں میں سے ایک احتمال کا ارادہ کرنا بھی ایک قسم کی تخصیص ہے جس سے عام کو خاص کیا جاسکتا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں اس کی تحقیق موجود ہے، اور عام میں تخصیص کی نیت کرنا دیانۃً مقبول ہے جیسا کہ ابھی ہدایہ کے حوالے سے گزرا ہے، اگرچہ یہ تخصیص کی نیت قضاءً قابلِ قبول نہیں اور بیوی بھی ایسے معاملات میں قاضی کا حکم رکھتی ہے اس لئے بیوی بھی اس کو معتبر قرار نہیں دے سکتی جیسا کہ تبیین، فتح اور شامی میں ہے، پس اگر خاوند نے اپنی قَسم میں اس تخصیص کی نیت کرلی ہو تو عند اللہ قَسم نہ ٹوٹے گی،

جبکہ فتوٰی دیتے وقت اس قید وتخصیص کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے، جیسا کہ تنویر وغیرہ میں ہے کہ مفتی کو چاہئے کہ وُہ دیانت پر فتوٰی دے۔ (ت)

اقول خیرست دیانۃً نیز ایں نیت کار نہ دہد موافقۃ ومخالفۃ دو نوع تخلیہ نیست بلکہ دو وصف است ونیت وصفی خاص غیر مذکور معتبر نشود چنانکہ نسبت مردے استادہ سوگند خورد کہ بایں مرد سخن نگویم و آرزو کند کہ بایں مرد استادہ ایں نیت لغو باشد آرے اگر گوید بایں مرد استادہ سخن نزنم ونیت تخصیص بوقت قیامش کند دیانۃً معتبرست نہ قضاءً کہ وصف در حاضر لغوست وصفت قیام داعی ترک کلام نیست ہمچناں اگر سوگند خورد کہ زن نکند و مراد زن ہاشمیہ یا ترکیہ یا عربیہ یا نسب دارے دیانۃً معتبرست کہ ایں یک نوع زن ست واگر زن مکیہ یا ہندیہ یا عربیہ بالمسکن نیت کرد معتبر نیست کہ ایں صفت زن ست وصفت بے ذکر بمسکن عام نظیر آن ست در فتح القدیر فرمود حلف لایسکن دار فلان وقال عنیت باجر لایصح حتی لو سکنھا بغیر اجر حنث بخلاف ما لو حلف لایسکن دارا اشتراھا فلان وعنی اشتراھا لنفسہ فانہ یصدق لانہ احد نوعی الشراء لانہ متنوع الی ما یوجب الملك للمشتری و ما یوجبہ لغیرہ فتصح نیۃ احد

اقول (جواب میں کہتا ہوں کہ) کوئی بات نہیں، کیونکہ دیانۃً بھی یہ نیت کارآمد نہیں ہے، قسم میں موافق اور مخالف یہ دونوں لاتعلق کی قسمیں نہیں ہیں بلکہ یہ لاتعلق کے دو وصف ہیں جبکہ دو وصفوں میں سے کسی غیر مذکور وصف کی نیت معتبر نہیں ہوتی جیسا کہ ایک شخص کھڑا ہو اس کے متعلق کوئی دوسرا یہ قسم کھائے کہ میں اس شخص سے بات نہ کروں گا، اور اب بعد میں کھڑے ہونے کے وصف کی بابت قسم کو بتائے تو یہ نیت لغو اور بیکار ہوگی، ہاں اگر قسم میں کھڑے ہونے کا ذکر کرتا اور قسم اس نیت پر کھاتا تو دیانۃً معتبر ہوسکتی تھی اگرچہ قضاءً یہ نیت معتبر نہیں ہے کیونکہ یہ قسم حاضر شخص کے متعلق ہے جبکہ حاضر میں وصف کا ذکر کارآمد نہیں اور پھر کھڑا ہونا ایسا وصف بھی نہیں ہے جو قسم کا داعی بن سکے اور بات نہ کرنے کی وجہ بن سکے، یُوں ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں بیوی نہ بناؤں گا، تو اس سے اگر وُہ ہاشمی یا ترکی یا عربی یا کوئی خاص نسب والی عورت مراد لے تو یہ نیت دیانۃً معتبر ہوگی کیونکہ یہ عورت کے اقسام میں سے ایک قسم کی تخصیص ہے، اور اگر رہائش کے لحاظ سے کسی عربی یا ہندی یا مکی عورت کے بارے میں یہ نیت کرے تو معتبر نہ ہوگی کیونکہ یہ ایک خاص جگہ والی عورت کے متعلق ہے جو اس کی صفت ہے اور کوئی صفت ذکر کئے بغیر معتبر نہیں ہوسکتی، چونکہ قسم صرف عورت کے ذکر پر مشتمل ہے اس میں

النوعين بخلاف السكنى لانها لاتتنوع لانها ليست الا الكينونة فى الدار على وجه القرار وانما تختلف بالصفة ولا يصح تخصيص الصفة لانها لوتذكر بخلاف الجنس، وكذا لوحلف لايتزوج امرأة و نوى كوفية اوبصرية لايصح لانه تخصيص الصفة ولو نوى جشية اوعربية صحت فيما بينه و بين الله تعالٰى لانه تخصيص فى الجنس كأن الاختلاف بالنسبة الى الاباء اختلاف بالجنس و بالنسبة الى البلاد اختلاف بالصفة اھ[1] مختصرا۔

مسکنت (رہائش) کا ذکر نہیں ہے لہذا اس ذکر کے بغیر یہ قسم خیمہ والی عورت کو بھی عام ہے۔ فتح القدیر میں ہے، قسم کھائی کہ فلاں کے گھر سکونت نہ کروں گا، اور کہا کہ میری مراد فلاں کے گھر کرایہ پر نہ رہوں گا، تو یہ نیت صحیح نہیں ہے حتی کہ اگر اس کے گھر میں کرایہ کے بغیر بھی رہائش پذیر ہُوا تو قسم ٹوٹ جائے گی، اس کے برخلاف اگر یُوں قسم کھائے کہ "میں فلاں کے اس گھر میں سکونت نہ کروں گا جو اس نے خریدا ہے" اور کہتا ہے کہ خرید سے میری مراد وہ ہے جو اس نے اپنی ذات کے لئے خریدا ہو، تو اس نیت کو مان لیا جائیگا کیونکہ خریدنے کی یہ ایک قسم ہے خریدنے کی دو قسمیں ہیں، ایک وُہ جو اپنے لئے خریدا اور ایک وہ جو اس نے کسی دوسرے کے لئے خریدا ہو، تو قسم میں ان دو قسموں میں سے ایک قسم کی نیت درست ہے اس کے برخلاف رہائش (سکنٰی) کے اقسام نہیں ہیں، کیونکہ سکنٰی (رہائش) کا معنٰی یہ ہے کہ گھر میں بطور استقرار ہونا جبکہ اس رہائش کی صفات مختلف ہوسکتی ہیں اور صفات کی تخصیص صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں مذکور نہیں ہیں بخلاف جنس کے کہ اس کے تحت اقسام ہوتے ہیں (غرضیکہ اقسام کی تخصیص بغیر ذکر ہوسکتی ہے لیکن صفات کی تخصیص ذکر کے بغیر نہیں ہوسکتی) اسی لئے اگر کسی نے قسم کھائی کہ کسی عورت سے نکاح نہ کروں گا یعنی بیوی نہ بناؤں گا، تو اس قسم میں عورت کوفی یا بصرہ والی مراد لے تو صحیح نہ ہوگی کیونکہ یہ صفت کی تخصیص ہے۔ اور اگر اس قسم میں عورت سے مراد حبشی یا عربی عورت مراد لے تو صحیح ہے اور عنداللہ بھی یہ نیت صحیح ہوگی کیونکہ یہ جنس میں اقسام کی تخصیص ہے یہ اس لئے کہ جداعلٰی کے اختلاف کے لحاظ سے نیت کرنا جنس کا اختلاف ہے اور شہروں کے اختلاف کی نیت یہ صفات کا اختلاف ہے اھ مختصراً (ت)

شبہہ تاسعہ ترک گا ہے بمعنی ابقا آید قال اللہ تعالٰی وترکنا علیہ فی الاٰخرین سلام علٰی نوح

نواں شُبہہ کہ چھوڑنا کبھی باقی رکھنے کے معنٰی میں آتا ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا: وترکنا علیہ فی الاٰخرین سلام علٰی نوح

---

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۰۹

فی العلمین[1] ای ابقینا له ثناء جمیلا[2] کما فی مجمع البحار وغیرہ والقا وجودی ست کہ بقاء وجودی ست۔

اقول ابقا کہ حی قیوم عزجلالہ میکند عند المحققین وجودی باشد امابناء علی مذهب امام اهلسنت القاضی ابی بکر الباقلانی والامامین امام الحرمین والرازی ان البقاء عین الوجود لاامر زائد علیه فالابقاء هوالایجاد وامابناء علی مذهب ائمة الکشف والشهود من تجدد الامثال فی کل شیئ حتی الجواهر فیکون الابقاء ایجاد الامثال کل حین ولہذا چنانکہ اطلاق باری وخالق برغیر او سبحنہ نیست اطلاق قیوم نیز نتواں شد بلکہ علماء بر وتکفیر کردہ اند در مجمع الانہر فرمود اذاوصف الله بما لایلیق به اونسبه الی الجهل او العجز اوالنقص او اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصة بالخالق نحو القدوس والقیوم والرحمن وغیرها یکفر[3] (ملتقطاً)

فی العلمین۔ بعد والوں میں ہم نے ان کی اچھی ثناء باقی رکھی، جیساکہ مجمع البحار وغیرہ میں ہے، چھوڑنا ، باقی رکھنے کے معنیٰ میں وجودی چیز ہے کیونکہ بقاء وجودی ہے (ت)

اقول (میں جواب میں کہتا ہوں) ابقا (باقی رکھنا) حی وقیوم (جل جلالہ) کا فعل ہو تو محققین کے نزدیک وجودی ہے، اس لئے کہ امام اہلسنت قاضی ابوبکر باقلانی اور امام الحرمین اور امام رازی کے مذہب پر بقاء، عینِ وجود کا نام ہے اور وجود سے زائد کسی صفت کا نام نہیں ہے، لہذا 'باقی رکھنا' یہ ایجاد ہوگا جو کہ وجودی ہے، لیکن ائمہ کشف وشہود کے مذہب پر، بقاء، ہر چیز کی امثال کے تجدد کا نام ہے، لہذا 'ابقا' اس معنیٰ میں ہر چیز حتی کہ جواہر کی امثال کو ہر لمحہ 'ایجاد' کرنے کا نام ہے، اس لئے جس طرح باری اور خالق جیسی صفات کا اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کے لئے اطلاق جائز نہیں اسی طرح قیّوم کا اطلاق بھی غیر کے لئے جائز نہیں، بلکہ اس کا غیر اللہ پر اطلاق علمائے کرام کے ہاں کفر ہے۔ مجمع الانہر میں فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان نہ ہو یا جہالت، عجز اور نقص کی نسبت اس کی طرف کرنا، یا وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں ان کا مخلوق پر اطلاق کرنا، جیسے قدوس، قیوم، رحمٰن وغیرہا صفات ہیں، تو یہ کفر ہے۔ لہذا یہاں بڑی

---

[1] القرآن الکریم ٣٧/ ٧٨ و ٧٩
[2] مجمع البحار تحت لفظ ترک نولکشور لکھنؤ ١/ ١٤٠
[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد ثم ان الفاظ الکفر داراحیاء التراث العربی بیروت ١/ ٦٩٠

اینجا احتیاط عظیم باید کہ بعض مردم بایں مبتلا شدہ اند والعیاذ باللہ تعالٰی بالجملہ اینست بقائے الٰہی عزّ جلالہ فاما آنچہ از بشر ست جز ترک ازالہ نیست ولہذا اگر زرے درکیسہ نہاد و زن را گفت اگر چیزے از و تا صبح باقی مانی طلاق باشی، زن ہیچ خرچ نکرد یا برخے بصرف آورد و برخے باقی داشت طلاقہ شود و آں نیست مگر بہ ابقاء و از زن نیاید مگر عدم انفاق پس ابقاء نبود مگر ہمیں عدم واگر فعلے بودے و زن خود دراں زر کارے نکردہ است تا آنکہ درکیسہ نہادن ہم بدست شوہر بود حانث نشدے، ہمچناں اگر زید بدست عمرو چیزے ببیع فاسد فروخت قاضی مطلع شدہ برافروخت و گفت اگر امروز ایں بیع شمارا باقی مانم فکذا آفتاب فرورفت و قاضی حکم فسخ نکرد حانث شود پس ابقاء نبود مگر عدم فسخ واگر فعلے بودے و قاضی خود متعلق آں بیع کارے نکردہ است حانث نبودے، پس ظاہر شد کہ ابقائے بشری جز ترک ازالہ نیست اگر گوئی ابقا بفعل ہم تواں شد مثلاً زید را بخانہ آورد و بزنجیر بست ایں بستن کہ فعل ست ابقا شد۔

احتیاط کی ضرورت ہے، بعض لوگ اس بے احتیاطی میں مبتلا ہیں والعیاذ باللہ تعالٰی، خلاصہ یہ کہ اللہ تعالٰی کے باقی کرنے کا یہ حکم ہے، لیکن کسی انسان کا باقی رکھنا اور چھوڑنا، ازالہ کے ترک کا نام ہے، اس کے بغیر کچھ نہیں، اسی لئے اگر خاوند نے جیب یا تھیلی میں رقم رکھی ہو اور بیوی کو کہا "اگر تُو نے صبح تک اس میں سے کچھ باقی رکھا تو تجھے طلاق ہوگی" اب اگر اس نے اس میں سے کچھ خرچ نہ کیا یا کچھ کیا اور کچھ نہ کیا تو اس باقی رکھنے پر طلاق ہوجائے گی، تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ بیوی کا رقم کو باقی رکھنا صرف اور صرف یہ ہے کہ اس نے رقم کو خرچ نہ کیا، تو معلوم ہُوا کہ باقی رکھنا (خرچ نہ کرنا) عدم ہے، اگر ابقاء کوئی فعل ہوتا، اور بیوی نے اس رقم میں تصرف نہ کیا بلکہ صرف خاوند نے وہ رقم تھیلی میں رکھی ہو، تو پھر اس صورت میں قسم نہ ٹوٹتی۔ یُوں ہی زید نے عمرو کے ہاتھ کوئی چیز فاسد بیع کے طور فروخت کی تو یہ معلوم ہونے پر قاضی کو غصہ آیا حکم جاری فرمایا کہ اگر آج تمہاری اس فاسد بیع کو باقی رکھوں تو یہ ہوگا، اب سورج غروب ہونے تک قاضی نے اس بیع کو فسخ نہ کیا تو حانث ہوجائے گا، تو یہاں بھی باقی رکھنا صرف 'فسخ نہ کرنے' کا نام ہے، اگر ابقاء (باقی رکھنا) کوئی فعل ہوتا تو حانث نہ ہوتا کیونکہ قاضی نے اس بیع کے متعلق کوئی فعل اور عمل تو نہیں کیا، تو معلوم ہوا انسان کا باقی رکھنا صرف کسی ازالہ کو ترک کرنے کا نام ہے۔ اگر تیرا یہ اعتراض ہو کہ کبھی ابقاء (باقی رکھنا) فعل سے بھی حاصل ہوتا ہے، مثلاً زید کو گھر میں لاکر زنجیر سے باندھ دیا، تو یہ باندھنا زید کو گھر میں باقی رکھنا ہے، جبکہ باندھنا فعل ہے۔ (ت)

اقول ایں فعل خود ابقاء نیست بلکہ

اقول (جواب میں کہتا ہوں کہ) باندھنے کا فعل

مستلزم اوست کہ منع زوال ترکِ ازالہ است مع شے زائد اگر گوئی در انتفائے ترک بر منع بالقول اکتفاء کردہ اند کما تقدم پس اگر زید را بست و بزبان میگوید بیروں شو باید کہ ترک متحقق نشود کہ نافیش موجود ست و ابقا یقیناً حاصل پس غیر ترک باشد۔

خود بخود ابقاء نہیں بنتا بلکہ ابقاء کو مستلزم ہوتا ہے کیونکہ اس فعل سے ازالہ کا ترک ملتفی ہوتا ہے تو باندھنے میں ترکِ ازالہ کے ساتھ ایک زائد چیز یعنی رکاوٹ' پائی گئی، جس میں ترکِ ازالہ پایا جاتا ہے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ، ترکِ ازالہ کا خاتمہ، قولاً منع کرنے سے کافی ہوسکتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا ہے' تو اب زید کو گھر میں باندھ کر پھر اس کو کہا جائے تو گھر سے باہر ہو جا، تو چاہئے کہ اس صورت میں ازالہ کا ترک متحقق نہ ہو، کیونکہ زبانی ترک کے باوجود، باندھنا اس ترک کی نفی ہے تو یقیناً ابقاء یعنی گھر میں باقی رکھنا' حاصل ہوگیا، تو یوں یہ ترک، عدم کی بجائے ایک فعل کے وجود سے حاصل ہُوا، لہٰذا انتفائی ابقاء، وجودی ہوگیا۔ (ت)

اقول بالا دانستی کہ اصل منع بقدر قدرت ست و مجرد نہی ہنگام تعسرش بسندہ کنند پس آنکہ اخراج تو آنست و بیروں شو اکتفا کرد تارک باشد چہ جائے آنکہ ترک خروج بفعل کرد از مجرد بیروں شو کہ صراحۃً ہزل و استہزاء است بلکہ گویا لفظ بے معنی است چہ کار آید پس ابقاء بحصول ترک حاصل ست و بستن امر زائد۔

اقول (جواب میں کہتا ہوں) اُوپر گزر چکا ہے، روکنا حسبِ قدرت مراد ہے، صرف قولاً اور زبانی روکنا وہاں مراد ہوتا ہے جہاں عملاً روکنا ممکن نہ ہو، لیکن جب عملاً روکا جا سکتا ہو تو وہاں محض زبانی روکنا اور یہ کہنا کہ باہر ہو جا، یہ روکنے کا ترک ہے اس پر مزید یہ کہ باندھنے کے فعل سے اس کو نکلنے سے روکنا اور پھر کہنا کہ باہر ہو جا' تو یہ صراحۃً مذاق ہے بلکہ اس موقعہ پر یہ کہنا بے معنی اور بیکار ہے، لہٰذا اس صورت میں ابقاء (باقی رکھنا) ترک سے حاصل ہوا اور باندھنے کا فعل اس سے زائد چیز ہے (تو ثابت ہُوا کہ بشری ابقاء محض ترک کا نام ہے کسی وجودی چیز کا نام نہیں)۔ (ت)

شبہہ عاشرہ سلمنا کہ ترک را عدم امر بخروج بس ست فاما امر بعدم خروج نیز از وجوہ اوست پس ترک دو نوع شد و زیادت معنی در نوع خود قضیہ نوعیت ست پس حالف اگر بواقع ارادہ نوع اقوی کردہ باشد

دسواں شُبہہ یہ کہ ہمیں تسلیم ہے کہ' ترک یعنی چھوڑنے کے لئے نکل جانے کا حکم نہ دینا کافی ہے لیکن نہ نکلنے کے حکم سے بھی ترک پایا جاتا ہے پس ترک کی دو قسمیں ہوگئیں، ایک نکلنے کا حکم نہ دینا، اور دوسری قسم، نہ نکلنے کا حکم دینا، اور ایک

باید کہ دیانۃً معتبر شود گو پیش زن و سائر ناس مقبول مباش۔

قسم میں معنی کی زیادتی (حکم دینا) خود قسم کو پیدا کرتا ہے یعنی قسم ہونے کے منافی نہیں ہے، لہذا قسم کھانے والا اگر اقویٰ قسم یعنی زیادتی والی قسم کی نیت کرے کہ اس معنیٰ کا ترک ہو تو طلاق ہوگی، تو دیانۃً یہ نیت قبول ہونی چاہیے، اگرچہ بیوی اور دوسرے لوگوں کے ہاں وُہ مقبول نہ ہو۔ (ت)

اقول عدم امر بخروج و امر بعدم خروج متقابل نیست کہ اول در ثانی موجود ست و قسم نتواں شد آرے سکوت مطلق و تکلم باجنبی و تکلم بنافی ہر سہ از وجوہ تحقق اوست اما انواعش نتواں شد کہ تکلم وجودی ست نوعے از عدم چساں باشد پس مصداقش نیست مگر ہماں عدم امر بخروج و در سکوت محض چیزے با او نیست و در تکلمات مقارن بکلام ست و شے بمقارنات متنوع نشود و قاطع شغب آنست کہ در جملہ مسائل ترک کہ بالا گزشت علماء ازیں احتمال کہ مراد از و تکلم بنافی مراد باشد اصلا خبر ندادہ اند پس روشن شد کہ او را مساغ نیست ھٰکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق الحمدللہ سخن بمنتہی رسید و دریں مسئلہ نازلہ ابانت علل و سد خلل و رد زلل بذروہ اقصے و در ضمن او مسائل او کثیرہ و فوائد عزیزہ بوضوح پیوست پس بلحاظ تاریخ الجوھر الثمین فی علل نازلۃ الیمین نامش کردن مناسب ست، واللہ تعالٰی اعلم۔

اقول (میں جواب میں کہتا ہوں کہ) نکلنے کا حکم نہ دینا اور نہ نکلنے کا حکم دینا، یہ دونوں چیزیں آپس میں منافی نہیں ہیں کیونکہ پہلا معنیٰ دوسرے معنیٰ میں بھی موجود ہے (حالانکہ اقسام کا آپس میں ایک دُوسرے کے مبائن ہونا ضروری ہے) لہذا یہ دو قسمیں علیحدہ علیحدہ نہ ہوئیں۔ ہاں مطلق خاموشی، اجنبی گفتگو، اور منافی گفتگو، ان تینوں صورتوں میں ترک متحقق ہوجاتا ہے مگر یہ ترک کی قسمیں نہیں ہیں کیونکہ ترک عدم کا نام ہے اور گفتگو یعنی تکلم وجودی چیز ہے تو وجودی چیز عدمی چیز کی قسم کیسے بن سکتی ہے، تو معلوم ہوا کہ ترک کا مصداق صرف نکلنے کا حکم نہ دینا ہے، اور وہ سکوت جس کے ساتھ کوئی اور چیز نہ ہو اور مقام کلام میں وُہ کلام سے مقارن قرار پاتا ہے اور کوئی چیز اپنے مقارن کے ساتھ قسم نہیں بنتی۔ اس قیل و قال کا خاتمہ یُوں ہوجاتا ہے کہ ترک سے متعلق جتنے مسائل گزرے ہیں ان میں علماء کرام نے منافی گفتگو کے احتمال کو ذکر نہیں کیا، اور انھوں نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ "نہ نکلنے کا حکم" بھی ترک ہے تو واضح ہوگیا کہ اس احتمال کا یہاں کوئی دخل نہیں ہے۔ تحقیق یوں مناسب ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے، الحمدللہ یہ بحث اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے قسم کے پڑنے میں یہ ایسی بحث ہے جس میں علتوں کی وضاحت، خلل کا سدِ باب اور غلطیوں کا ازالہ اعلیٰ پیمانے پر ہُوا ہے اور اس بحث کے ضمن میں کثیر مسائل اور نادر فوائد بھی پائے گئے ہیں، پس تاریخی لحاظ سے اس کا نام الجوھر الثمین فی علل نازلۃ الیمین

رکھنا مناسب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

نوٹ: خادم آستانہ علیہ دار الافتا فقیر عبید النبی
نواب مرزا قادری برکاتی رضوی غفرلہ ربہ القوی عرضہ
دارد کہ اعلیحضرت شیخنا مجدد الملۃ دام ظلہ العالی
پیش ازیں بتاریخ یازدہم محرم شریف ایں سوال را
جوابے مختصر نوشتہ ارسال فرمودہ بودند کہ در کتاب
الطلاق مرسوم گشت وبوجہ عروض تپ تفصیل را
حوالت بر آئندہ فرمودند کہ بتوفیقہ تعالٰی ایں فتوی کتاب
الایمان ست از مولٰینا و بالفضل اولٰینا جناب
مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب شمس آبادی دام بالایادی
بتاریخ ہفدہم ماہ مبارک محرم محترم نامہ دگر بزبان عربی
آمد و درطے او فتوی دیوبندیاں تفصیل را لب
براستدعا کشادند اینجا بعونہ تعالٰی فتوائے مفصل
پیش ورود ایں نامہ تکمیل یافتہ بود فتوائے دیوبند
اگر چیزے بدلیل علیل گرایندے جوابش خود اینجا
دیدے فاما بتقلید کورانہ جناب گنگوہی صاحب عبارتے
نگاشتہ نہ بدلیلے چنگ زدہ ہمیں مجتہدانہ بانگ بے آہنگ
زدکہ اصلاً توجہ را نشاید آرے لطف جواب
سفارشی مے شود کہ او را ذکر کنیم تا بینند کہ مفتیان
دیوبند چساں دربند دیو جہالت اند کہ سوال ہم
نفہمند وجواب مجتہدانہ دہند۔

نوٹ: آستانہ عالیہ دار الافتاء کا خادم نبی پاک کا
ادنٰی غلام فقیر نواب مرزا قادری برکاتی رضوی اللہ تعالٰی
اس کا رب قوی اس کی مغفرت فرمائے، عرض کرتا
ہے کہ ہمارے شیخ مجدد ملت اعلیحضرت دام ظلہ
العالی نے قبل ازیں گیارہ محرم شریف کو اس سوال کا
مختصر جواب لکھا اور ارسال کردیا جو کہ کتاب الطلاق
میں شامل ہے اور بخار کے عارضہ کی بناء پر اس کا
مفصل جواب آئندہ پر چھوڑ دیا جبکہ استفتاء کا تعلق
کتاب الایمان سے ہے جس کو مولانا بالفضل اولٰنا
جناب مولوی غلام گیلانی صاحب شمس آبادی (زمانہ
بھر زندہ رہیں) نے ارسال فرمایا، مولانا مذکور نے
یہی سوال عربی زبان میں دوبارہ سترہ محرم الحرام کو
بصورتِ خط بھیجا اور اس کے اندر دیوبندیوں کا
تفصیل سے خالی فتوٰی بھی موجود تھا، اللہ تعالٰی کی
توفیق اور مدد سے یہ تفصیلی مضبوط "کتاب الایمان سے
متعلق فتوٰی" مولانا مذکور کے دوسرے خط سے قبل
پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا، دیوبند کے فتوے میں اگر کوئی
کمزور دلیل ہوتی تو بھی اس مفصل فتوے میں اس کا
جواب نظر آجاتا، لیکن دیوبند کا فتوٰی تو محض گنگوہی
صاحب کی اندھی تقلید ہے اس میں نہ کوئی حوالہ ہے
نہ کسی دلیل کا سہارا ہے بلکہ وہی بے ڈھنگی مجتہدانہ بولی ہے جو ہرگز قابلِ التفات نہ تھی۔ ہاں تحقیقی جواب کی
خوبی سفارش کرتی ہے کہ اس کو ذکر کردیں تاکہ دیکھنے والے معلوم کرسکیں کہ دیوبندی حضرات کس طرح
دیوِ جہالت کی قید میں ہیں کہ وہ سوال کو سمجھے بغیر ہی اپنا اجتہادی جواب دے رہے ہیں۔ (ت)

(نامہ نامی جناب مولنٰا انیست)

الی الجناب المستغنی عن الالقاب بل الالقاب
مطروحۃ دون سدۃ الباب مجدد
الملۃ والاسلام والدین ناصر المسلمین
باعلاء اعلام الدین مزعج اصول
الکفرۃ والمبتدعۃ والفسقۃ والمضلین
بسط اللہ تعالیٰ ظلال فیوضھم علیٰ رؤس
المسترشدین الیٰ یوم الدین۔

امابعد، فقد ورد الجواب المستطاب
مع المطلوبات من الرسالۃ والکتاب و
انکشف الستر والحجاب جزاکم اللہ تعالیٰ
خیر الجزاء بتعداد المخلوقات ماھو فی
جو السماء وعلی الارض من الدواب
لکن کتب من مدرسۃ دیوبند علی خلاف
ذلک فحج لابد من الجواب المفصل المزیل
للارتیاب لیفتت توائب المخطی ویدسہ فی
التراب ویرتفع الخلاف من البین باجلاب
المزین والتحاب وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ والآل
والاصحاب الی یوم التناد لذوی الخیاب و
یوم الریان والشباب لذوی الحجۃ
واصحاب الاقتراب۔

العبد المذنب للاواہ الخامل الجانی
الآضی غلام گیلانی الشمس آبادی حفظہ
اللہ تعالیٰ عن ایادی الاعادی۔

(مولانا مذکور کا خط یہ ہے)

القاب سے مستغنی بلکہ القاب جن کی چوکھٹ کے سامنے
پھینکے پڑے ہیں، مجدد الملت والاسلام والدین،
دین کے جھنڈے بلند، اور کفار، بدعتی حضرات، فساق
اور گمراہ لوگوں کے اصول وقواعد کو مٹانے میں مسلمانوں
کے مددگار کی خدمت میں، اللہ تعالےٰ قیامت
تک ان کے فیوض کے سائے کو رہنمائی حاصل کرنے
والوں کے سروں پر پھیلائے رکھے۔

امابعد، آپ کا جواب مستطاب مطلوبہ قرآن
احادیث وکتب کے حوالوں پر مشتمل موصول ہوا، حجاب
اور پردے اٹھ گئے، اللہ تعالےٰ آسمان اور زمین کی
مخلوقات کی تعداد کے برابر آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔
لیکن مدرسہ دیوبند سے اس کا خلاف لکھا گیا، لہذا
ضروری ہے کہ اس کا رد مفصل طور پر کیا جائے جو
شکوک کو ختم کردے تاکہ خطا کار کے دل کے خیالات
پراگندہ ہوجائیں اور اس کو مٹی میں دفن کردے اور
اس خلاف کو یہاں سے مقبول اور پسندیدہ امور کے
سبب ختم کردے۔ رسوا لوگوں کی ذلت، اور محبوب اور
اصحاب حجت لوگوں کی رونق وشباب کے دن (قیامت)
تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالےٰ کی
رحمتیں ہوں۔

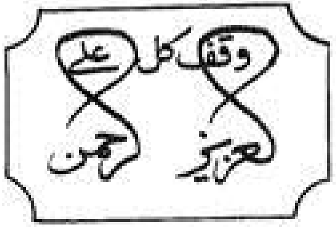
منجانب گنہگار، پناہ کا خواستگار، پسماندہ
اور جنایت کا مرتکب بندہ غلام گیلانی شمس آبادی،
اللہ تعالیٰ اسے دشمنوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھے۔

سوال فتوائے عین سوال مذکورست وسوال پارسی را بزبان ہندی جواب عجاب چناں :

دیوبند کے فتوٰی میں بعینہٖ اسی فتوے والا سوال مذکور ہے اور اس فارسی سوال کا عجیب جواب انھوں نے اردو (ہندی) میں دیا ہے، جو یہ ہے :

الجواب : زید جبکہ اپنے پسر سے راضی ہوگیا اور خود اُس کو گھر رکھا تو اس کی عورت پر اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی البتہ اگر زید اُس کو نکالتا اور اس کی زوجہ اُس کو رکھتی تو مطلقہ ہوتی فقط واللہ تعالٰی اعلم۔

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند



جواب پر اعلٰحضرت کا تبصرہ

در سوال بود اگر بخانہ گزاشتی و در جواب میگوید "اُس کو رکھتی" مساکین بےفہم کہ اینجا در گزاشتن و داشتن تمیز ندارند آنہا را گزاشتن بکہ داشتن باز حاصل ایں شبہہ ہماں شبہہ اولٰی ست کہ مرد خود گزاشت نہ زن و ایں دون ترین شبہہ پیش پا افتادہ نیز ایجاد دماغ دیوبند نیست بلکہ بیچارہ مفتی محظی از سائل آموخت کہ در عبارت سوال زید راضی شدہ در خانہ گزاشت ایمائے باو بود بلے چوں دید کہ گزاشتن و منع نہ کردن بالیقین از زن نیز مستحق ست براہ گریزی گزاشتن را بداشتن بدل کرد تا ایواد جا دادن را بجائے ترک و تخلیہ نشاند و حرام خدا را حلال کردہ داد دیوبندیت از دیوبندیاں ستاند ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر

سوال میں تھا کہ "اگر تُو گھر میں چھوڑے"۔ جواب میں دیوبندی کہتا ہے "اُس کو رکھتی"۔ اس مسکین بےفہم مفتی کو یہاں چھوڑنے اور رکھنے کا فرق معلوم نہ ہوسکا، ایسے مفتیوں کو چھوڑنا بہتر یا رکھنا بہتر؟ پھر یہ شُبہہ وہی ہے جس کو ہم نے شبہہ اولٰی کے طور پر ذکر کیا ہے کہ خاوند نے خود بیٹے کو گھر چھوڑا، بیوی نے نہیں چھوڑا، اور کمزور ترین اور حقیر سا یہ شبہہ دیوبندی دماغ کی ایجاد نہیں، بلکہ اس بیچارے نے یہ شبہہ سائل سے سیکھا جس نے اپنے سوال میں "زید نے راضی ہوکر بیٹے کو گھر میں چھوڑا" لکھ کر اشارہ دیا ہے، پھر جب اس مفتی نے دیکھا کہ چھوڑنا اور منع نہ کرنا بیوی سے یقیناً سرزد ہُوا ہے، تو پھر گریز کرتے ہوئے اس نے "چھوڑنے" کو "رکھنے" میں بدل دیا تاکہ آنے کے موقعہ دینے کو ترک اور تخلیہ کی جگہ منطبق کرسکے،

خلقه محمد و اٰله و اصحابه اجمعین و اٰخرد عوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

یُوں اس نے اللہ تعالٰی کے حرام کردہ کو حلال بنا دیا، دیوبندیوں کی دیوبندیت بن گئی، ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم، وصلّی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد وآلہٖ واصحابہ اجمعین۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔ (ت) (رسالہ ختم)

مسئلہ ۲۱۵ ازمحلہ بہاری پور بریلی ۲۹ رجب ۱۳۳۸ھ مرسلہ ریاض الدین احمد

کسی سچی بات کے لئے قرآن پاک کی قسم کھانا یا اُس کا اُٹھا لینا گناہ ہے یا نہیں ؟ آپ کو تکلیف دینے کی اس وجہ سے ضرورت ہُوئی کہ ایک شخص سے کہا گیا کہ اگر تُو سچا ہے تو قرآن شریف کو اُٹھالے۔ اس کا اس نے جواب دیا کہ میں سچائی پر ہُوں لیکن میں قرآن شریف نہیں اٹھا سکتا ہُوں کیونکہ قرآن شریف اُٹھانا ہر حالت میں گناہ ہے، دوسرا فریق کہتا ہے کہ سچا قرآن شریف اُٹھانا گناہ نہیں ہے البتہ جُھوٹا قرآن شریف اُٹھانا گناہ ہے، مہربانی فرماکر مطلع فرمایئے کہ دونوں باتوں میں کون سی بات سچی ہے ؟

الجواب

جُھوٹی بات پر قرآن مجید کی قسم کھانا یا اُٹھانا سخت عظیم گناہ کبیرہ ہے اور سچی بات پر قرآن عظیم کی قسم کھانے میں حرج نہیں اور ضرورت ہو تو اُٹھا بھی سکتا ہے مگر یہ قسم کو بہت سخت کرتا ہے، بلاضرورتِ خاصہ نہ چاہیے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۶ ازبرٹس گا سنا برا اتریس وینج الیسٹ بنک مسئولہ عبدالغفور ۲۴ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اگر لوگوں نے کلام اللہ کو ہاتھ میں لے کر حلف کیا اپنے پیش امام کی تابعداری کا، وہ حلف یمین ہُوا یا کہ نہیں ؟ اور یا کہ شرک ہُوا اللہ تعالٰی کے ساتھ ؟ یا گناہ ہوا ؟ اور یا کہ ایسا حلف قسم کلام اللہ کا ہوا ؟ اور قسم کلام اللہ کا کھانا درست ہے یا کہ نہیں ؟ اور جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے اور لوگوں نے حلف کیا ساتھ کلام اللہ کے، تو وہ غیر اللہ کا قسم کہا جائے گا یا کیا کہا جائیگا ؟ فقط۔

الجواب

کلام اللہ، اللہ عزوجل کی صفت قدیمہ ہے۔ صفاتِ الٰہیہ عین ذات ہیں نہ کہ غیر ذات۔ کلام اللہ کی قسم ضرور حلف شرعی ہے،

لانه من صفاته وقد تعورف الحلف به فكان كالحلف بعزته وعظمته وجلاله

کیونکہ یہ اللہ تعالٰی کی ایسی صفات میں سے ہے جس کے ساتھ قسم کھانا متعارف ہے لہذا قرآن کے ساتھ حلف ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کی عزت،

لاکالحلف برحمته وجوده وکرمه لعدم التعارف وهذا هو مناط الحلف الشرعی کما فی الدرالمختار وغیرہ۔

عظمت اور جلال کی قسم ہے۔ اور اللہ تعالٰی کی رحمت، جود اور کرم کی قسم کی طرح نہیں جن سے قسم متعارف نہیں ہے اور یہی متعارف ہونا نہ ہونا ہی شرعی قسم کا معیار ہے، جیساکہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

ہاں مصحف شریف ہاتھ میں لے کر یا اُس پر ہاتھ رکھ کر کوئی بات کہنی اگر لفظاً حلف وقسم کے ساتھ نہ ہو حلف شرعی نہ ہوگا مثلاً کہے کہ میں قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں کہ ایسا کروں گا اور پھر نہ کیا تو کفارہ نہ آئے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۷: از شمس آباد کیمل پور مسئولہ غلام گیلانی سہ شنبہ ۱۰ شعبان ۱۳۳۴ھ

زید حلف خورد کہ من بخانہ برادر خود ہرگز نان نخواہم خورد ورنہ کذا وکذا باشد بعدہ در تقریب شادی مردمان آں زید را برخوردن نان مجبور کردند او گفت کہ من بگفتہ شما ایں نان را در تصور خوردم (یعنی حقیقۃً نمی خورم لیکن در تصور خود میخورم) وچہ نخوردہ ام اما خوردہ گیر باید ایں واقعہ پیش علمائے دیار رفت مگر حکم بحنث داد واستناد او بایں عبارت حاشیہ اصول شاشی در بحث مقتضٰی بایں الفاظ ست عبارت اصول شاشی ولا تخصیص عن الفرد المطلق لان التخصیص یعتمد العموم ولاعموم للمقتضٰی[1] وعبارت فصول ایں ست فان قیل فلیراد الطعام الموصوف بصفۃ کذا قلنا ھذا اثبات وصف زائد علی المطلق وھو زیادۃ علی قدر الحاجۃ فلایثبت

زید نے قسم کھائی کہ میں اپنے بھائی کے گھر ہرگز کھانا نہ کھاؤں گا اگر کھاؤں تو فلاں چیز لازم آئے، اس کے بعد شادی کی تقریب میں لوگوں نے اس کو کھانے پر مجبور کیا تو اس نے کہا میں تمھارے کہنے پر کھانے کا تصور کرلیتا ہوں، یعنی حقیقۃً نہ کھاؤں گا صرف اپنے تصور میں کھاؤں گا کیونکہ میں نے کھایا نہیں لیکن کھانے والا سمجھا جاؤں گا۔ یہ واقعہ علاقہ کے علماء کے سامنے پیش ہُوا تو اُنھوں نے اس بات پر قسم کے ٹوٹنے کا حکم دیا اور اس کی دلیل اصول شاشی کے حاشیہ کی اس عبارت کو بنایا ہے جو اصول شاشی میں مقتضٰی کی بحث میں ہے۔ اصول شاشی کی عبارت یہ ہے کہ فرد مطلق میں تخصیص جاری نہیں ہوتی کیونکہ تخصیص کی بنیاد عموم پر ہے جبکہ مقتضٰی میں عموم نہیں ہوتا۔ اس پر حاشیہ فصول کی عبارت یہ ہے: اگر اعتراض کیا جائے کہ کھانے کے

---

[1] اصول الشاشی و فصول الحواشی قبیل فصل فی الامر المطبع المحمدی پشاور ص ۲۰۰

بطریق الاقتضاء کصفۃ التعمیم وفیہ ایضا کلام قولہ لعل المراد (الی ان قال) قیل انہ لیس من باب العموم بل لحصول المحلوف علیہ فانہ لو تصور الاکل الخ[1] را بایں حکم حنث درسوال تعلق ست یا نہ، اگر حضور پُرنور مطلب ایں عبارت مع شواہد و توابع ونظائر درعبارت فارسی مفصل ارقام فرمایند ہر آئنہ رفع حجاب و فتح باب خواہد شد، فقط۔

قول کے بعد مطلق طعام کی بجائے خاص وصف والا طعام بطور مقتضٰی مراد لیا جائے تو کیسا ہے، قلنا (ہم جواب دیں گے کہ) ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ مطلق پر ایک زائد وصف کا اضافہ ہے جو قدرِ حاجت سے زائد ہے اور مقتضٰی قدرِ حاجت سے زائد ثابت نہیں ہوسکتا جیسا کہ مقتضٰی میں تعمیم کی صفت ثابت نہیں ہوسکتی، جبکہ اس جواب میں بھی کلام ہے، کیونکہ لعل المراد سے آگے، قیل کے تحت، کہ، یہ عموم کے باب سے نہیں بلکہ جس چیز کے متعلق قسم کھائی ہے (محلوف علیہ) اس کا حصول ہے، کیونکہ اگر وُہ کھانے کے لئے متصور ہو الخ، تو کیا اس عبارت کا سوال مذکور کے حانث ہونے سے تعلق ہے یا نہیں، اگر حضور پُرنور اس عبارت کا مطلب مع شواہد، موافق اور نظائر فارسی میں مفصل طور پر بیان فرمادیں تو ہر طرح سے حجاب ختم ہو جائے گا اور اس بحث کی وضاحت ہو جائے گی، فقط۔ (ت)

الجواب الملفوظ

روزے پیش امیر المومنین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم یکے گفت کہ فلاں در خواب با مادر آنکس زنا کردہ است۔ امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم فرمود او را در آفتاب قائم کردہ سایہ اش را درہ زن' از مدعیان علم ہمچو سخن خیلے بعید است پیداست کہ ایں نزول جزا را از حصول شرط ناگزیرست و شرط اکل بود نہ تصور او و بمجرد تصور تحقق اکل بداہۃً مخالف عقل است ہیچ صبی عاقل گمان نتواں برد کہ ہر کہ تصور

ایک دن حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم کے سامنے ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص نے خواب میں دوسرے شخص کی ماں سے زنا کیا ہے، تو حضرت امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے فرمایا، کہ، اس شخص کو دھوپ میں کھڑا کرکے اس کے سایہ پر کوڑے مارو۔ غرضیکہ ایسی باتیں علم کے مدعی لوگوں سے بعید ہیں کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جزا کے پائے جانے کے لئے شرط کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے، جبکہ سوال میں کھانے کی شرط کو ذکر کیا گیا ہے تو کھانا

---

[1] اصول الشاشی و فصول الحواشی قبیل فصل فی الامر المطبع المحمدی پشاور ص ۲۰۰

خوردن کرد حقیقۃً خوردو اگرچناں بودے فقر و فاقہ ازجہاں برخاستے وحکمتِ الٰہیہ کہ باختلاف لزوم در رزق ست کہ لو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشاء[1] معاذ اللہ ازھم پاشیدے وآنکہ ازحاشیہ اصول شاشی منقول شد معنیش آنست کہ در اکلت اقتضائے طعام ازجہت تحصیل محلوف علیہ ست زیرا کہ اکل فعل متعدی ست و فعل متعدی بے مفعول بہ صورت نہ بندد و اینجا مفعول بہ طعام ست تا آنکہ اگر اکل بے طعام صورت بستے حنث بے او حاصل شدے واذلیس فلیس اینجا بر معنی باطل حمل کردن در چہ مرتبہ از جنون ست نسأل اللہ العفو و العافیۃ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ، واللہ تعالٰی اعلم۔

شرط ہوگا نہ کہ تصور شرط ہوگا ، کھانے کے محض تصور کرلینے سے کھانا متحقق نہیں ہوتا ، یہ بات ہر عقلمند بچّہ بھی جانتا ہے اور ایسا ہونا بداہۃً عقل کے خلاف ہے کہ کوئی کھانے کا تصور کرے تو حقیقی کھانا ہوجائے گا ۔ اگر ایسا ہی ہو تو پھر دنیا سے فقر و فاقہ ختم ہوجائے ، اور رزق میں تفاوت کی یہ حکمت معاذ اللہ ختم ہوجائے جس کو اللہ تعالٰی نے یُوں بیان فرمایا ، اگر اللہ تعالٰی سب کے لئے رزق کو کشادہ کردے تو لوگ زمین میں بغاوت کردیں لیکن وہ بقدرِ مشیت رزق اُتارتا ہے ۔ اور اصول شاشی کے حاشیہ سے جو نقل کیا گیا اس کا معنٰی یہ ہے اکلت (میں کھاؤں) کا فعل طعام کا مقتضی ہے تاکہ اس قسم والے کی قسم متعلق چیز معلوم ہوسکے کیونکہ اکل (کھانا) متعدی فعل ہے اور کوئی متعدی فعل ، مفعول کے بغیر نہیں پایا جاسکتا جبکہ یہاں کھانے کا مفعول طعام ہے حتی کہ اگر کھانا بغیر طعام متصور ہوسکے تو پھر کھانے کے بغیر قسم ٹوٹ جائے ، تو جب کھانا بغیر طعام متصور نہیں ہوسکتا تو طعام کے بغیر قسم بھی نہ ٹوٹے گی ۔ یہاں پر شخص مذکور نے جو معنٰی مراد لیا ہے وہ غلط اور باطل ہے اور اس کو مراد لینا جنون سے کم نہیں ہے ، ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں ، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۸: از مدر اسمٰعیل صاحب از مقام پکاسن ملک میواڑ محلہ مومناں ۱۶ صفر ۱۳۳۵ھ

چند شخص نے مسجد کے اندر کہا کہ جو شخص بیٹی پر روپیہ لے یا قرضدار کے یہاں کھانا کھائے تو کلمہ شریف اور قرآن شریف سے پھرے تو اس کا کاغذ بھی لکھا مگر وہ کاغذ بھی پھاڑ ڈالا اور وہی کام کرنے لگ گئے اُن کے واسطے کیا حکم ہے ؟ بیّنوا توجروا ۔

---

[1] القرآن الکریم ۴۲ / ۲۷

37
37

الجواب

بیٹی پر روپیہ لینا ناجائز ہے اور قرضدار کے یہاں کھانا کھانا اگر قرض کے دباؤ سے ہے تو وہ بھی ناجائز ہے، اور جنہوں نے یہ اقرار کیا تھا کہ جو ایسا کرے وہ کلمہ شریف اور قرآن شریف سے پھرے پھر اس اقرار سے پھر گئے اور وہ کاغذ پھاڑ ڈالا ان میں سے جس کے خیال میں یہ ہو کہ واقعی ایسا کرنے سے قرآن مجید اور کلمہ طیبہ سے پھر جائے گا اور یہ سمجھ کر ایسا کیا وہ کافر ہوگیا اُس کی عورت نکاح سے نکل گئی، نئے سرے سے اسلام لائے اُس کے بعد عورت اگر راضی ہو تو اُس سے دوبارہ نکاح کرے ورنہ مسلمان اُسے قطعاً چھوڑ دیں اُس سے سلام وکلام اُس کی موت وحیات میں شرکت سب حرام، اور جو جانتا تھا کہ ایسا کرنے سے قرآن مجید یا کلمہ طیبہ سے پھرنا نہ ہوگا وہ گنہگار ہوا اُس پر قسم کا کفارہ واجب ہے کقولہ ھو بریئ من اللہ و رسولہ ان فعل کذا (جیسا کہ وہ یوں کہے اگر ایسا کروں تو اللہ تعالٰی اور رسول اللہ سے بری ہوجاؤں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۹ تا ۲۲۱ از مولوی ضیاء الاسلام صاحب پیش امام جامع مسجد آگرہ ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

فرازندہ رایت شریعت و مروج احکام فطرت دام عظمتہ، بعد سلام سنت الاسلام کے واضح رائے عالی ہو کہ براہ کرم جواب بہت جلد روانہ فرمایئے کا ازحد ضرورت ہے:

(۱) ایک جماعت نے متفق ہوکر اور قرآن شریف ہاتھوں پر رکھ کر قسم کھائی کہ ہم سب آدمی اپنی مستورات کو قبریں وتعزیہ وشادی وغیرہ کے خلاف شرع رسوم میں نہ جانے دیں گے اور اگر کوئی اس کے خلاف کرے گا اس کے ساتھ کھانے پینے کا تعلق اور حقہ وغیرہ کا لین دین نہ کریں گے اور نہ اُس کے جنازہ میں شریک ہوں گے، یہ قسم قرآن شریف ہاتھوں میں لے کر کھائی، بعد دو روز کے ایک شادی ہوئی تو کچھ لوگوں نے متفق ہوکر اپنی عورتوں کو خود بھیج دیا اور کچھ لوگوں نے قسم کی پابندی کی، اب جن لوگوں نے اُس عہد کو توڑ دیا وہ لوگ از روئے شرع کس جرم کے مستحق ہیں۔

(۲) یہ جو قسم کھا کر وعدہ خلافی کر گئے ہیں وہ کسی معاملہ میں حکم (پنچ) از روئے شرع ہوسکتے ہیں یا نہیں، اور گواہی ان کی درست ہے یا نہیں؟

(۳) جو لوگ اپنی قسم پر قائم ہیں اُن کی یہ حقارت کرتے ہیں اور طعنہ زن ہوتے ہیں اس کے وہ مواخذہ دار ہوں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) وہ شادی جس میں ان لوگوں نے اپنی عورتوں کو بعد قسم کے بھیجا اگر رسوم خلاف شرع پر مشتمل تھی تو

اُن پر دوہرا گناہ ہُوا، ایک ایسی جگہ اپنی عورتوں کو بھیجنے کا، دُوسرا قسم توڑنے کا۔
واحفظوا ایمانکم[1]، وقال اللہ تعالٰی اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اور اللہ تعالٰی نے
قوا انفسکم واھلیکم نارا[2] فرمایا ہے، اپنی جانوں اور اہل کو آگ سے بچاؤ(ت)
اُن پر فرض ہے کہ توبہ کریں اور آئندہ ایسی حرکت سے باز رہیں اور قسم کا کفارہ دیں۔

(۲) اگر وُہ لوگ توبہ نہ کریں تو ایسوں کو نہ حَکم بنایا جائے نہ اُن کی گواہی سُنی جائے۔

(۳) ضرور مواخذہ دار رہیں اور شدید بلکہ معاملہ شرعی و دینی ہے اس میں عہد الٰہی کو قائم رکھنے والوں کو بُرا جاننا اور قائم رہنے پر طعنہ کرنا معاذ اللہ اسلام میں فرق آنے کا باعث ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۲

ایک شخص نے کسی سے غصہ میں آکر کہا کہ تیرے مکان کا کھانا پینا مجھ پر حرام ہے، یا کہا کہ تیرے مٹکے کا پانی حرام ہے تو شرع شریف میں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب

یہ قسم ہے اگر اس کے گھر کھائے پئے گا یا دُوسری صورت میں اُس کے مٹکے کا پانی پئے گا قسم کا کفارہ دینا آئے گا پھر اگر اُس سے ترک علاقہ خیر ہو تو چاہئے کہ قسم توڑے اور کفارہ ادا کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۳ از ڈاکخانہ رامو چکما کول ضلع چٹا گانگ ۹ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

کوئی شخص کہے کہ اگر میں تم سے بولوں یا تمھارے مکان جاؤں یا یہ چیز کھاؤں تو میرے حق میں حرام ہے یا صرف یہ کہنا حرام ہے، کیا یہ کہنے سے حرام ہو جائے گا، اگر حرام ہو تو اس سے بری الذمہ ہونے کی کیا صورت ہے؟

الجواب

ہاں استحساناً یہ صورت حلف کی ہے اور یمین تحریم حلال ہی ہے اس کہنے کے بعد اگر اُس سے بولا یا

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸۹
[2] ″ ″ ۶۶/ ۶

گھر گیا، یا وُہ چیز کھائی تو قسم ٹوٹ جائے گی، کفارہ دینا ہوگا،

هذا هو الاستحسان کما فی ش عن النهر والفتح عن المنتقی وما فی الخلاصة فالبحر فالدر قیاس والتقدیم للاستحسان، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

یہ استحسان ہے جیسا کہ فتاوٰی شامی میں نہر اور فتح کے واسطہ سے منتقی سے منقول ہے اور جو خلاصہ میں پھر بحر اور پھر دُرمختار میں ہے وہ قیاس ہے جبکہ استحسان کو تقدم حاصل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

بابُ النّذر

(نذر کا بیان)

مسئلہ ۲۲۴: سیّد پرورش علی صاحب از متولی ٹولہ سہسوان ضلع بدایوں ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی گائے جنی تو اُنھوں نے کہا کہ یہ بچھیا پال کر نبھی کو دینگے، اب وُہ سال بھر کی ہُوئی، بہت خوب و مرغوب، دیکھ کر بے ساختہ کہا کہ اللہ کی نذر کریں گے، نبھی کو دینا یاد نہ رہا، نذر ہوئی یا نہیں؟ خریدار پہلے ساٹھ روپے قیمت تجویز کرتے ہیں کہ یہ گائے دس بارہ سیر دُودھ کی ہوگی، اس کا بدل قربانی کیجیو، اگر نذر ہوگئی تو بدل جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا کتنا ہوگا؟

الجواب

حضرت مولٰنا سیّد صاحب دامت افضالکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اس لفظ سے کہ "اللہ کی نذر کریں گے" نذر نہ ہُوئی محض وعدہ ہُوا، اور وہ کہنا کہ "پال کر نبھی کو دیں گے" اس سے بھی ہبہ ہُوا یہ بھی ایک ارادہ کا اظہار تھا، مگر اللہ عزّوجل سے جو وعدہ کیا اُس سے پھرنا بھی ہرگز نہ چاہئے، قرآن عظیم میں اس پر سخت وعید فرمائی ہے، افضل یہ ہے کہ کسی فقیر کو ہبہ کرکے دو ایک روپے میں اس سے خرید کر نبھی کو دے دی جائے کہ دونوں وعدے پُورے ہوجائیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ لفظ نذر جس طرح مذکور ہُوا قربانی کے لئے خاص نہیں، ہاں اگر یہ نذر کرے کہ اللہ عزّوجل کے نام پر قربانی کردے گا تو قربانی ہی واجب ہے بدل ناممکن ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۵ مسئولہ عبدالکریم ہاشم لاکہ کوٹھی مقام بد امپور ڈاک خانہ رانگ دیٹہ ضلع مان پور روز پنجشنبہ تاریخ ۷ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

افضل الفضلا عالم یگانہ روزگار جناب مولٰنا صاحب مدظلہ العالی، بعد ادائے آداب و تسلیمات بصد تعظیم و تکریم و ہدیۂ سلام مسنون الاسلام معروض خدمت سراپا برکت ہے کہ فدوی نے اپنے کارخانہ لاکہ کوٹھی میں یوم ابتدا کاروبار سے مسلم ارادہ کرلیا تھا کہ کارخانہ مذکور میں جو کچھ نفع ہوگا اُس کے سولہ حصّہ میں ایک حصّہ خاص جناب سیدنا و مولٰنا پیر دستگیر غوث الثقلین جناب محی الدین عبدالقادر جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علی مرقدہ وقدس اللہ سرہ کا بطور تبرک نیاز کیا تھا اور ہے اور یوم ابتدا کاروبار سے بھی کہ جمع خرچ میں بھی ایک کنہ وہ جدا بنام نامی اسم گرامی محب صمدان جناب سید محی الدین عبدالقادر صاحب جیلانی قدس اللہ سرہٗ کے نام پاک سے موسوم کیا گیا ہے اور اب زمانہ اس کا چند سال کا ہوتا ہے کہ روپیہ نفع کا بھی جمع ہوگیا ہے، قصدیعہ وہ خدمت کہ وہ روپیہ کن کن مصارف دینی میں خرچ ہوسکتا ہے۔ یوم ابتدا کاروبار سے آج تک کوئی خاص ارادہ نہیں کیا گیا ہے اور نہ تھا کہ وہ نفع روپیہ فلاں کار خیر میں خرچ کیا جائے گا، اب خلاصہ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہاں کی مسجد بے مرمت اور ویران پڑی ہے اور مسلمان یہاں کے بہت غریب ہیں جس سے مرمت کا ہونا دشوار ہے تو ایسی حالت میں جو روپیہ نفع کا ہے اُس کو مصارف مسجد میں کیا جاسکتا ہے کہ نہیں، ایسی حالت میں علمائے دین کا کیا اتفاق ہے اور علاوہ اس کے کن کن مصارف میں وہ خرچ کیا جاسکتا ہے بوالپسی ڈاک جواب سے سرفراز فرمادیں، فقط۔

الجواب

نیت کرنے والوں کو مولٰی تعالٰی جزائے خیر دے بہت محمود نیت ہے اور ہر دینی مصرف میں اُسے صرف کرسکتے ہیں مسجد ویران کی آبادی نہایت اہم کام ہے اس میں صرف کرنا مقدم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۶ مرسلہ محمد ساجد علی شاذلی سلہٹی ضلع تیرپورہ ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

ما قولکم دام فیضکم اس مسئلہ میں بشوق حصول مطلوب غائب حاضر ہوتے یا لا ولد واسطے فرزند کے یا مریض واسطے شفا کے و حاجات دینی و دنیوی کے واسطے یا فتح مہمات کے واسطے اللہ تعالٰی میرے مقصود حاصل کرے، پس واسطے اللہ تعالٰی اتنا روپیہ یا قندیل یا بتی سراج کی یا شطرنجی یا مصلی یا طعام یا قربانی نذر للہ فی سبیل اللہ ماننا معین کرکے واسطے مسجد مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے، اور علما و فقرا اور مساکین کے واسطے اہل مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درست ہے یا نہیں، اگر مقصود حاصل ہوئے پس ایسی نذر کے اسباب ارسال کرنا امانت دار کی معرفت سے ضرور ہے یا نہیں، اگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ارسال نہ کرکے بغیر ملک مکہ مدینہ منورہ کے علما فقرا کو دلوے کھلاوے درست ہے یا نہیں، اور ناذر کے ذمہ سے ساقط

ہوگا یا نہیں، اگر کوئی اس حیلہ بہانہ سے منع کرے راہ میں ڈاکے چوری ہوتا ہے ارسال نذر کرنا لازم ہے اور بعض امانتدار خیانت کرتا ہے ایسے احتمالی گمان سے روکنا مال نذر کا درست ہے یا نہیں، اگر کوئی شخص مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی تشبیہ بھوت خانہ کالی گھر کے مثل کہے اس کا کیا حکم ہے؟ بدتعظیم بے ادب کلام ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

وہ نذر بلاشبہہ جائز ہے اور نذر کا پورا کرنا واجب، قال اللہ تعالٰی ولیوفوا نذورھم[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنی نذروں کو پورا کرو۔ت) اور جب نذر میں تخصیص مساجد طیبہ حرمین شریفین کی کی ہے تو وہیں بھیجنا انسب ہے اگر آسان ہو اور اگر یہیں کی مساجد میں صرف کرے جب بھی حرج نہیں کہ تعیین مکان نذر میں نامعتبر ہے دونوں شہر کریم کی نسبت وہ کلمہ کہنا ضرور گستاخی و توہین و کلمۂ کفر ہے اور نذر پوری کرنے سے جو شخص رد کرے وہ مناع للخیر (بھلائی سے روکنے والا۔ت) ہے، اور ایسے ناذر کو جو خاطی کے خود خاطی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۷: نور محمد ریاست بہاولپور اسٹیشن صادق آباد ڈاکخانہ اختر پور ضلع خان پور
۳ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

اگر بدرگاہ خداوند کریم سوال کیا جائے کہ مجھ کو فرزند عطا ہو یا بیماری دفع ہو یا قرض ادا ہو تو اس قدر خیرات فی سبیل اللہ بارواح رسول کریم یا حضرت پیر دستگیر یا ولی اللہ کر دوں گا یہ نذر جائز ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب

بلاشبہہ جائز ہے، اور اس کا پورا کرنا واجب، قال اللہ تعالٰی ولیوفوا نذورھم[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنی نذریں پوری کرو۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۸: مرسلہ غلام محی الدین ملازم مطبع کرچی ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کی نانی نے نیاز مانی کہ اگر میرے نواسی پیدا ہوگی تو میں چہل تنوں کی گائے ذبح کروں گی، چنانچہ ایک مدت کے بعد لڑکی پیدا ہوئی، اس کے پیدا ہونے کے بیس روز بعد نانی کا انتقال ہوگیا، اب لوگ لڑکی کے والدین سے کہتے ہیں

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۹

کر نیاز تم دلواؤ اور یہ نیاز ان شرائط سے دلواؤ کہ ایک گائے خرید و اُس کے سہرا باندھو اور فقیروں کا گروہ خاص اس نیاز کے واسطے مخصوص ہے اُن کو بُلوا کر اُن کے سرگروہ کو جوڑا پہناؤ، پھر گائے چہل تنوں کی ذبح کی جائے اور اُس کو پکا کر مع روٹی کے فقیروں کو دے دیا جائے وُہ جو کچھ اس میں سے تم کو واپس دے دیں لے کر اپنے صرف میں لاؤ، بعد اُس کے کوئلے بہت سے دہکا کر زمین پر بچھائے جائیں اُن انگاروں پر وُہ فقیر لڑکی کو گود میں لے کر لوٹیں گے اور پاؤں سے کھوندیں گے آگ کا کچھ بھی اثر اُن کے بدن پر نہ ہوگا، لہذا نوشتہ بالا معنوں سے شرعاً کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

چہل تن چالیس شہداء ہیں، اگر منت سے یہ مراد تھی کہ گائے مولیٰ عزوجل کے لئے ذبح کرکے اُس کا ثواب اُن شہیدوں کو پہنچایا جائے تو وُہ نذر واجب ہوگئی عورت کے ترکہ سے ادا کی جائے تو بہتر ہے یعنی گائے مولیٰ عزوجل کے نام پر ذبح کرکے اس کا گوشت مساکین مسلمین کو تقسیم کردیا جائے اور وُہ لہو و لعب کہ سوال میں مذکور ہے باطل و مردود ہے، اگر منت ماننے والے کے ذہن میں یہی صورت بازیچہ تھی جو ملنگوں کا معمول ہے وُہ منت ہی سرے سے باطل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۹ و ۲۳۰: از باگ ضلع امجھرہ ریاست گوالیار مکان منشی اوصاف علی صاحب سب انسپکٹر مرسلہ شیخ اشرف علی صاحب پنشنر ریاست کوٹہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ

(۱) زید نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام اللہ کر دے گا تو میں مولود شریف یا گیارھویں شریف وغیرہ کروں گا، تو کیا اُس کھانے یا مٹھائی کو اغنیاء بھی کھا سکتے ہیں؟

(۲) زید نے یہ نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوجائے گا تو میں اپنے احباب کو کھانا کھلاؤں گا، تو کیا اس طرح کی منت ماننا اور اس کا ادا کرنا زید پر واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) مجلس میلاد مبارک و گیارھویں شریف میں عرف و معمول یہی ہے کہ اغنیاء و فقراء سب کو دیتے ہیں جو لوگ ان کی نذر مانتے ہیں اسی طریقۂ رائجہ کا التزام کرتے ہیں نہ یہ کہ بالخصوص فقراء پر تصدق، تو اس کا لینا سب کو جائز ہے، یہ نذور فقہیہ سے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) یہ کوئی نذر شرعی نہیں، وجوب نہ ہوگا اور بجالانا بہتر، ہاں اگر احباب سے مراد خاص معین بعض فقراء و مساکین ہوں تو وجوب ہوجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۳۱: از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی کہے یعنی منت مانے کہ جان کا بدلہ صدقہ مسجد میں لے جائیں گے، اور اسی کو بعض یوں کہتے ہیں کہ جان بچ جائے یا کام بن جائے تو نذر اللہ مصلی کو کھلائیں گے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مساجد میں شیرینی لے جائیں گے یا نمازیوں کو کھلائیں گے، یہ کوئی نذر شرعی نہیں، جب تک خاص فقراء کے لئے نہ کہے اسے امیر فقیر جس کو دے سب لے سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۲: از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

اگر کسے نذر کرد کہ فلاں حاجت من بر آید بار واح فلاں مشائخ برائے اللہ فلاں نرگاؤ یا گوسفند خواہم کشت یا بدہم چوں حاجت او بر آمد اکنوں گوید کہ آں نرگاؤ کہ نذر کردم بدیگر گوسفنداں بدل کردہ خیرات کنم آیا منذورہ نرگاؤ بعوض دیگر گوسفند بدل کردن جائز ست یا خود آں نرگاؤ را خیرات بکند۔

اگر کوئی یہ نذر مانے کہ میری فلاں حاجت پوری ہوجائے تو فلاں مشائخ کی رُوح کی برکت سے اللہ تعالٰی کے لئے فلاں بیل یا فلاں بکرے کو ذبح کروں گا' اور جب حاجت پوری ہوجائے تو وہ کہے کہ فلاں بیل کے بدلے میں چند بکرے خیرات کردوں تو کیا بیل کے بدلے چند بکرے دینا جائز ہے یا وہی بیل جس کی نذر مانی تھی دینا ہوگا؟ (ت)

الجواب

نذر کہ بر جانور معین واقع شد تبدیلش روا نیست قال تعالٰی ولیوفوا نذورھم[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نذر میں جو جانور معین کیا جائے اس کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی نذریں پوری کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۳: از سکندر پور ضلع بلیا پانی گلی مسئولہ محمد حسین وعطا حسین ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شہید صاحب مزار بزرگ کی قبر شریف خام ہے اور زید نے نیت کی کہ میری مراد پوری ہو تو مزار شریف پختہ اینٹ سے بنوادوں گا، اللہ تعالٰی نے برکت

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۹

شہید صاحب مراد پُوری کردی اور اینٹ نئی موجود نہیں بلکہ زید کے باغ کے اندر ایک دیوار ہے اُس دیوار سے اینٹ لے کر مزار شریف بنوا سکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مزار پختہ بنانے کی منّت شرعی منت نہیں، اس کا پُورا کرنا شرعاً واجب نہیں، وُہ دیوار جو اس کے باغ میں ہے اگر اس کی ملک ہے تو اُس کی اینٹوں سے مزار بنوا سکتا ہے جبکہ وُہ دیوار کسی ناپاک جگہ استعمال میں نہ آئی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۴ از مانگل لکھڑی ضلع گرگاواں ڈاکخانہ دھینار ریاست دوجانہ مرسلہ حافظ غلام کبریا صاحب پیش امام ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، بزرگوں کی منت ماننا کیسا ہے؟ بعض کہتے ہیں یہ تعظیم اللہ کے واسطے ہے غیر کو نہ چاہئے۔

الجواب

بزرگوں کی منت حقیقۃً مولٰی عزّوجل ہی کے لئے منّت ہوتی ہے اور بزرگوں کو ایصالِ ثواب کرکے اُن سے تقرّب بغرضِ توسّل، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں،

کما افادہ العلامۃ عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی فی الحدیقۃ الندیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے اسے حدیقہ ندیہ میں بیان فرمایا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۵ ۹ صفر ۱۳۱۲ھ

اگر کوئی شخص منت مانے کہ میرا فلاں کام ہوجائے گا تو میں پانچ روپے کا غلّہ محتاجوں کو تقسیم کروں گا، اب تقسیم کے وقت کسی غریب کو کپڑے کی حاجت ہے تو کپڑا بنا دینا اور حاجت رفع کرنا ادائے نذر کے لئے کافی ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

پانچ روپے یا پانچ روپے کا غلّہ، کپڑا، کوئی چیز محتاج کو پہنچ جائے۔ کپڑا اگر سلوا کر دیا تو جو سلائی میں جائے گا مجرا نہ ہوگا۔

فی الدرالمختار نذران یتصدق بعشرۃ دراھم من الخبز فتصدق بغیرہ

درمختار میں ہے کہ اگر کوئی نذر مانے کہ میں دس درہم کی روٹی صدقہ کروں گا تو اگر اس نے روٹی کے بجائے

جاز ان ساوی العشرۃ کتصدقہ بثمنہ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

دس درہم کے برابر کوئی اور چیز صدقہ کردی تو جائز ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ روٹی کے بجائے دس درہم دے دے تو جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۶ ۲۷ شوال ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں[1] کا لڑکا بیمار ہوا اس کے والدین نے منت مانی کہ یا اللہ! اگر میرے لڑکے کو آرام ہوجائے تو رکھیں[2] گے تیری نذر میں تین محتاج کھلائیں گے اور پچاس رکعت نماز پڑھیں گے۔ یہ کلمہ مولوی نے دامتی مقرر کیا ہے اور اس منت کو حضرت نے بھی منع کیا ہے۔

الجواب

اُس مولوی نے غلط کہا اللہ عزوجل نے پُورا کرنے کا قرآن مجید میں حکم دیا ہے ولیوفوا نذورھم[2] یعنی مسلمانوں پر لازم کہ اپنی نذریں پُوری کریں، نذریں پُوری کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے یوفون بالنذر[3] نذر پوری کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس کی وفا کا حکم دیا ہے۔ بخاری شریف میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ ومن نذر ان یعصیہ فلا یعصہ[4] یعنی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی طاعت الٰہی مثل نماز و روزہ وصدقہ وغیرہا کی منت مانے وہ بجالائے اور جو کسی گناہ کی منت مانے وہ باز رہے۔ ہاں یہ سمجھنا کہ نذر ماننے سے تقدیر الٰہی بدل جائے گی جو نعمت نصیب میں نہیں وہ مل جائے گی جو بلا مقدر میں ہے وہ ٹل جائے گی، یہ اعتقاد فاسد ہے، ایسی ہی نذر سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ حدیث شیخین:

لا تنذروا، فان النذر لا یغنی من القدر شیئا وانما یستخرج بہ من البخیل[5]

نذر نہ مانا کرو، کیونکہ نذر تقدیر سے مستغنی نہیں کرتی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ نذر کے سبب بخیل سے مال خرچ کرایا جاتا ہے۔ (ت)

---

[1] و [2] مسودہ میں بیاض ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۵
[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۹
[3] القرآن الکریم ۷۶/ ۷
[4] صحیح البخاری کتاب الایمان باب النذر فی الطاعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۱
[5] صحیح مسلم کتاب النذر " " " " " " " " " ۲/ ۴۴

کے نیچے مرقاۃ شریف میں ہے:

قال الخطابی معنی نهیه عن النذر انما هو التاکید لأمره وتحذیر التهاون به بعد ایجابه، ولو کان معناه الزجر عنه لکان فی ذلك اسقاط لزوم الوفاء به اذ صار معصیة، وانما وجه الحدیث لا تنذروا علی انکم تدرکون بالنذر شیئا لم یقدره الله تعالٰی لکم، او تصرفون شیئا جری القضاء به علیکم واذا فعلتم ذلك فاخرجوه عنه بالوفاء فان الذی نذرتموه لازم لکم۔[1]

خطابی نے فرمایا کہ نذر سے منع کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ نذر کے متعلق اہتمام کا اظہار ہے اور نذر کو اپنے ذمہ لازم کرنے کے بعد اس میں لاپروائی پر ڈرانا مقصود ہے، اور اگر نذر سے یہ منع برائے سزا ہوتا تو اس سے لازم آئے گا کہ نذر کو پورا کرنے کا حکم ختم ہوجائے کیونکہ یوں نذر گناہ قرار پائے گی لہذا بلاشبہہ حدیث کی وجہ یہ ہے کہ نذر اس اعتقاد سے نہ مانو کہ نذر کی وجہ سے تقدیر بدل جائے گی کہ جس چیز کو اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے مقدر نہیں فرمایا نذر کی وجہ سے تم اس کو حاصل کرلوگے اور تقدیر میں جو چیز تم پر وارد ہونے والی ہے تم اس کو نذر کے ذریعہ لوٹا دو، اور جب نذر مانو تو اس سے بری الذمہ ہونے کے لئے اسے پورا کرو، کیونکہ جو نذر مانی ہے وہ تم پر لازم ہوچکی ہے۔ (ت)

قال الطیبی تحریره انه علل النهی بقوله: فان النذر لا یغنی من القدر، ونبه به علی ان المنهی عنه هو النذر الذی یعتقد انه یغنی من القدر بنفسه، اما اذا نذروا واعتقد ان الله تعالٰی هو الذی یسهل الامور، وهو الضار والنافع والنذر کالوسائل، فیکون الوفاء طاعة، ولا یکون منهیا عنه، کیف وقد مدح الله تعالٰی جل شانه الخیرة من عباده بقوله "یوفون بالنذر" "وانی نذرت لك ما فی بطنی محررا" قلت

طیبی نے فرمایا اس حدیث کی وضاحت یہ ہے کہ اس میں نہی کا تعلق اور اس کی علت، تقدیر سے نذر مستغنی نہیں کرتی، والا جملہ ہے۔ اور اس میں تنبیہ ہے کہ اس عقیدہ سے نذر ماننا کہ یہ تقدیر کو تبدیل کردے گی اور اس سے مستغنی کردے گی، یہ منع ہے۔ لیکن نذر مان کر یہ عقیدہ رکھنا اللہ تعالٰی ہی معاملات کو آسان فرماتا ہے اور وہی ذاتی طور پر نافع اور ضار ہے اور نذر محض ایک وسیلہ ہے، تو اس عقیدہ سے نذر اور اس کو پورا کرنا عبادت ہے، اور یہ صورت ممنوع نہیں ہے یہ کیسے ممنوع ہوسکتی ہے جبکہ اللہ تعالٰی جل شانہ نے اپنے

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح باب النذور الفصل الاول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۵۹۹

وکذا قولہ "انی نذرت للرحمٰن صوما" فالمنھی عنه ھو الاعتقاد علی ان النذر یغنی عن القدر[1] الخ اھ مختصرا، واللہ تعالٰی اعلم۔

نیک بندوں کی مدح میں خود فرمایا کہ وہ نذروں کو پورا کرتے ہیں۔ اور فرمایا، جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اس کو میں وقف کرتی ہوں۔ اور میں کہتا ہوں یونہی اللہ تعالٰی کا فرمان ہے، میں نے اللہ تعالٰی رحمٰن کے لئے روزہ کی نذر مانی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حدیث میں نہی کا تعلق اس نذر سے ہے جس میں یہ عقیدہ شامل ہو کہ یہ نذر تقدیر سے مستغنی کردے گی الخ اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۷ تا ۲۳۹: از دلیل گنج ضلع پیلی بھیت مرسلہ مولوی کریم بخش صاحب ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کسی شخص نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو میں گائے کے سر کی نیاز کروں گا، اگر وہ شخص بجائے سر کے اور جگہ کے گوشت کی نیاز کرے اور مساکین کو کھلائے تو اس سے واجب ادا ہو گا یا نہیں؟

(۲) کسی نے بکری یا مرغی موجودہ کی نسبت مخصوص کر کے کہا کہ میں اس بکری یا مرغی کی نیاز کروں گا، پھر کسی وجہ سے وہ مفقود ہو گئیں تو بجائے اس کے دوسری بکری مرغی یا گائے وغیرہ کی اُسی قدر گوشت سے نیاز ہو گی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

(۳) کسی نے مسجد کا طاق بھرنا گلگلوں یا مانڈوں سے مانا، اگر وہ مسجد کا طاق نہ بھرے اور گھر پر تقسیم کردے تو نذر پوری ہو گی یا نہیں؟

الجواب

(۱) سر کی تعیین کچھ ضروری نہیں اُس قدر قیمت کا گوشت بھی کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) اگر یہ نیاز نہ کسی شرط پر معلق تھی مثلاً میرا یہ کام ہو جائے تو اس جانور کی نذر کروں گا نہ کوئی ایجاب تھا مثلاً اللہ کے لئے مجھ پر یہ نیاز کرنی لازم ہے جب تو یہ نذر شرعی ہو نہیں سکتی، اور اگر لفظ ایسے تھے جن سے شرعاً وجوب ہو گیا تو جبکہ ایجاب خاص جانور معین سے متعلق تھا اس کے گمنے یا مرنے کے بعد دوسرا اُس کی جگہ قائم کرنا کچھ ضرور نہیں، نہ اُس نذر کا اس پر مطالبہ رہا، اگر دوسرا جانور کردے گا تو تبرع ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

المنذورۃ بعینھا لو ھلکت او ضاعت — نذر مانی ہوئی چیز بعینہ اگر ہلاک ہو جائے یا ضائع ہو جائے

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب النذور الفصل الاول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۵۹۹

سقط النذر[1] انتہی ملتقطا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

تو وُہ نذر ختم ہوجائے گی، اھ ملتقطا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

(۳) مسجد کے طاق بھرنے کی منت سے اگر مقصود مساکین پر تصدق ہو تو نذر صحیح ہے اُس طاق بھرنے کی تعیین لغو، جہاں چاہے مساکین کو دے دے نذر ادا ہوجائے گی اور اگر اُس منت سے مقصود مسجد کا طاق ہی بھرنا ہے پھر غنی مسکین جو چاہے لے لے، جیسا کہ بعض جہال خصوصاً عورتوں کے تعامل سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ منت ہی کرنی لغو ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۰: از جائس ضلع رائے بریلی محلہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم صاحب مرسلہ ولی اللہ صاحب ۲ ربیع الاول شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولود شریف کی نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

مجلس میلاد شریف کہ طریقہ رائجہ حرمین شریفین پر ہو اعلٰی مستحبات سے ہے، خواہ نذر مان کر کریں یا بلانذر۔ ہاں محل نظر یہ امر ہے کہ نذر ماننے سے واجب ہوجائے گی جیسے نماز یا صدقہ۔ یا واجب نہ ہوگی بدستور مستحب رہے گی جیسے تلاوت قرآن مجید کہ ایک قول منت ماننے سے بھی واجب نہیں ہوتی۔ کما فی الخانیۃ وغیرھا (جیسا کہ خانیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) اس کا جزئیہ اس وقت نظر میں نہیں، لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا[2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

ہوسکتا ہے اللہ تعالٰی بعد میں کوئی صورت پیدا فرمائے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۱: از دھرکی ۱۳ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے یہ نیت کی کہ اگر میری نوکری ہوجائے گی تو پہلی تنخواہ زیارت پیران کلیر شریف کے نذر کروں گا، وُہ شخص تیرہ تاریخ سے نوکر ہُوا اور تنخواہ اس کی ایک مہینہ سترہ دن کے بعد ملی، اب یہ ایک ماہ کی تنخواہ صرف کرے یا سترہ دن کی؟ اور اس تنخواہ کا صرف کس طرح پر کرے یعنی زیارت شریف کی سفیدی و تعمیر وغیرہ میں لگائے یا حضرت صابر پیا صاحب قدس سرہ کی روح پاک کو فاتحہ ثواب بخشے یا دونوں طرح صرف کرسکتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] رد المحتار کتاب الاضحیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۰۷

[2] القرآن الکریم ۶۵/۱

الجواب

صرف نیت سے تو کچھ لازم نہیں ہوتا جب تک زبان سے الفاظِ نذر وایجاب نہ کہے، اور اگر زبان سے الفاظ مذکورہ کہے اور اُن سے معنی صحیح مراد لئے یعنی پہلی تنخواہ اللہ عزوجل کے نام پر تصدق کروں گا اور اس کا ثواب حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ العزیز کے نذر کروں گا، یا پہلی تنخواہ اللہ عزوجل کے لئے فقرائے آستانہ پاک حضرت مخدوم رضی اللہ تعالٰی عنہ دوں گا، یہ نذر صحیح شرعی ہے، اور استحساناً وجوب ہوگیا، پہلی تنخواہ اُسے فقراء پر تصدق کرنی لازم ہوگئی۔ مگر یہ اختیار ہے کہ فقرائے آستانہ پاک کو دے، اور جہاں کے فقیروں محتاجوں کو چاہے۔ اور اگر یہ معنی صحیح مراد نہ تھے بلکہ بعض سخت بے عقل جاہلوں کی طرح بے ارادہ تصدق وغیرہ قرباتِ شرعیہ صرف یہی مقصود تھا کہ پہلی تنخواہ خود حضرت مخدوم کو دوں گا، تو یہ نذر باطل محض وگناہِ عظیم ہوگی، مگر مسلمان پر ایسے معنی مراد لینے کی بدگمانی جائز نہیں جب تک وُہ اپنی نیت سے صراحۃً اطلاع نہ دے۔ اسی طرح اگر نذر وزیارت کرنے سے اس کی یہ مراد تھی کہ اللہ کے واسطے عمارتِ زیارت شریف کی سپیدی کرادوں گا یا احاطۂ مزار پُر انوار میں روشنی کروں گا، جب بھی یہ نذر غیر لازم ونامعتبر ہے کہ ان افعال کی جنس سے کوئی واجب شرعی نہیں۔ رہا یہ کہ جس حالت میں نذر صحیح ہوجائے، پہلی تنخواہ سے کیا مراد ہوگی، یہ ظاہر ہے کہ عرف میں مطلق تنخواہ خصوصاً پہلی تنخواہ ایک مہینہ کی اجرت کو کہتے ہیں اگرچہ اس کا ایک جُزء بھی تنخواہ ہے اور عمر بھر کا واجب بھی تنخواہ ہے، تو پہلی تنخواہ کہنے سے اول تنخواہ ایک ماہ ہی عرفاً لازم آئے گی۔

فان کلام کل عاقد وحالف وناذر وواقف انما یحمل علی ماھو المتعارف[1] کما نصوا علیہ۔

کیونکہ کسی عقد والے، قسم والے، نذر والے اور وقف کرنے والے کے کلام کو متعارف معنٰی پر محمول کیا جائیگا جیسا کہ اس پر نص کی گئی ہے۔ (ت)

رد المحتار میں ہے:

فی الخانیۃ ان برئت من مرضی ھذا ذبحت شاۃ فبرء لایلزمہ شیئ الا ان یقول فللّٰہ علی ان اذبح شاۃ اھ وھی عبارۃ متن الدرر وعللھا فی شرحہ بقولہ لان

خانیہ میں مذکور ہے کہ جب کسی نے کہا کہ اگر میں اس مرض سے تندرست ہوجاؤں تو بکری ذبح کروں گا، تو تندرست ہونے پر اس پر ذبح کرنا لازم نہیں ہوگا مگر جب یوں کہے کہ اللہ تعالٰی کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں بکری ذبح کروں گا (تو پھر نذر ہوگی اور پورا کرنا

---

[1] رد المحتار باب التعلیق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۹ و ۵۳۳

اللزوم لایکون الا بالنذر والدال علیه الشافی لا الاول اھ ویؤیدہ مافی البزازیۃ ولو قال ان سلم ولدی اصوم ماعشت فھذا وعد لکن فی البزازیۃ ایضا ان عوفیت صمت کذا لم یجب مالم یقل للہ علی، وفی الاستحسان یجب ولو قال ان فعلت کذا فانا احج ففعل یجب علیہ الحج[1] اھ باختصار۔

لازم ہوگا) یہ درمختار کے متن کی عبارت ہے اور اس کی شرح میں اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس لئے کہ پُورا کرنا نذر کی وجہ سے لازم ہوتا ہے، اس پر دوسری عبارت دلالت کرتی ہے، پہلی عبارت اس پر دال نہیں ہے اھ، اور اس کی تائید بزازیہ میں ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اگر میرا بیٹا سالم بچے تو میں تازندگی روزہ رکھوں گا تو وعدہ ہوگا، لیکن اس کے ساتھ بزازیہ میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی کہے " اگر مجھے صحت ہوئی تو اتنے روزے رکھوں گا" تو پُورا کرنا واجب نہ ہوگا جب تک اس میں "اللہ تعالٰی کے لئے مجھ پر روزہ لازم ہے" نہ کہے۔ لیکن استحسان یہ ہے کہ اس پر روزہ لازم ہوجائے گا، اور اگر کوئی کہے " اگر میں ایسا کروں تو میں حج کروں گا" اس کے بعد اس نے وُہ کام کیا تو حج لازم ہوگا اھ اختصاراً (ت)

درمختار میں ہے:

اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام ومایؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الٰی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل و حرام مالم یقصد وا صرفھا لفقراء الانام[2]۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر عوام مُردوں کے لئے جو نذر مان کر اولیائے کرام کی قبروں پر دراہم، شمع اور تیل وغیرہ اولیاء کے تقرب کے لئے دیتے ہیں، تو ان چیزوں کو وصول کرنا بالاجماع باطل اور حرام ہے جب تک عوام ان چیزوں کو فقراء پر صرف کرنے کی نیت نہ کرلیں۔ (ت)

امام ناصح حکیم علامہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

ومن ھذا القبیل زیارۃ القبور والتبرک بضرائح الاولیاء والصالحین والنذر لھم بتعلیق ذٰلک علی حصول

اور اسی قبیل سے ہے قبروں کی زیارت کرنا، اور شفایابی یا کسی مسافر کے واپس آنے سے مشروط اولیاء کے لئے نذریں ماننا (یہ سب جائز ہیں) کیونکہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۰

[2] درمختار قبیل باب الاعتکاف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۵

شفاء اوقدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمین لقبورهم کما قال الفقهاء فیمن دفع الزکاة لفقیر وسماها قرضا صح، لان العبرة بالمعنی لا باللفظ وکذلك الصدقة على الغنی ھبة والھبة على الفقیر صدقة الی اخرما افاد واجاد ذکرہ فی بحث القنیة ونقل جوازہ ایضا عن الامام ابن حجر المکی قلت وھو مفاد قولہ حرام مالم یقصد واصرفھا لفقراء الانام۔

یہ نذریں وہاں مزارات کے خادموں کے لئے صدقہ مجازًا مراد ہوتی ہیں، جیساکہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی زکوٰۃ کسی کو قرض کا نام لے کر دے تو صحیح ہوگا، کیونکہ معنی کا اعتبار ہوتا ہے لفظوں کا اعتبار نہیں ہوتا، اور یونہی نفلی صدقہ کسی غنی کو ھبہ کے نام سے یا فقیر کو صدقہ ھبہ کے نام سے دینا (یا ہبہ کو صدقہ کے نام سے) دینا جائز ہے۔ علامہ نابلسی کے بیان کے آخر تک، جہاں انھوں نے قنیہ کی بحث کو ذکر کرکے یہ بہترین فائدہ بیان فرمایا، اور انھوں نے امام ابن حجر مکی سے بھی اس جواز کو نقل فرمایا، قلت (میں کہتا ہوں کہ) درمختار کے قول کہ جب تک فقراء پر صرف کرنے کی نیت نہ کریں تو حرام ہے کا یہی مفاد ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایخفی ان له الصرف الی غیرھم (ای غیرفقراء الباب الذی عینه فی النظر کما مرسابقا، ولابد ان یکون المنذور مما یصح به النذر کالصدقة بالدراھم ونحوھا اما لو نذر زیتا لایقاد قندیل فوق ضریح الشیخ اوفی المنارة فباطل[2] اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مخفی نہ رہے کہ اس کو دوسرے فقراء (یعنی نذر میں معین کردہ فقراء کے غیر) پر خرچ کرنے کا اختیار ہوگا جیساکہ پہلے گزرا، اور ضروری ہے کہ منذور وہ چیز ہو جس سے نذر صحیح ہوجائے جیساکہ دراہم وغیرہ کا صدقہ کرنا، ہاں اگر تیل کے چراغ قبر کے اوپر جلانے کی نذر مانی ہو یا وہاں مزار کے منارہ پر جلانے کی نذر ہو تو یہ باطل ہوگی، اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۲: از شہر کہنہ مرسلہ مولوی عبدالواحد متھراوی ۲۰ ذی القعدہ ۱۳۳۷ھ

زید نے عہد کیا تھا کہ اگر میں ملازم ہوجاؤں تو ایک ماہ کی تنخواہ راہِ خدا میں صرف کروں گا، اب وہ ملازم

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الثامن والاربعون الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۱۵۱

[2] ردالمحتار قبیل باب الاعتکاف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۱۲۸

ہوگیا، اگر زید اپنی اُس ماہ کی تنخواہ کو اپنے کسی نہایت غریب بیکس ومفلس رشتہ دار کو اُس نیت سے دے تو اُس کے ذمّہ سے وُہ عہد ساقط ہوجائے گا یا نہیں، درصورت عدم ساقط ہونے کے وہ اور کس کام میں خرچ کرے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ضرور نذر ادا ہوجائیگی جبکہ وہ عزیز نہ اس کی اولاد میں ہو نہ یہ اس کی زوج و زوجہ، نہ سید وغیرہ جنھیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں، بلکہ عزیز کو دینے میں دُونا ثواب ہے، صدقہ اور صلہ رحم، کما ثبت عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۳: مرسلہ منشی عبدالصبور صاحب سوداگر ۶ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے وقت شروع کرنے روزگار کے، یہ خیال کرلیا کہ مجھ کو جو نفع ہوگا اُس میں سولھواں حصّہ واسطے اللہ کے نکالوں گا، اب اس کو لاگت سے زائد ایک روپیہ نفع ہوا لیکن متفرق خرچ یعنی تنخواہ ملازمان وغیرہ میں دو آنے اُس نفع ایک روپے میں صرف ہوگئے باقی چودہ آنے رہے، اب وہ اصلی لاگت سے جو نفع ہوا ہے اس میں سے سولھواں حصّہ نکالے یا بعد مجرا کرنے خرچ متفرق کے ماہوار میں سے نکالے۔

الجواب

صرف خیال کرلینے سے وجوب تو نہیں ہوتا جب تک زبان سے نذر نہ کرے، ہاں جو نیت اللہ عزوجل کے لئے کی اُس کا پُورا کرنا ہی چاہئے، جو خرچ کہ تجارت کے متعلق ہو اور حساب تجار میں اُسی پر ڈالا جاتا ہے وہ مجرا دے کر جو بچے اُسے نفع کہتے ہیں، پھر اس نفع میں جو کچھ اپنا خرچ خانگی وغیرہ دیگر مصارف علاوہ خرچ تجارت میں صرف ہوجائے وُہ مجرانہ دیا جائے گا کہ یُوں تو جو نفع بچتا ہے وہ خرچ ہی ہونے کے لئے ہوتا ہے، پس وُہ نوکر اگر تجارت کا نوکر ہے اور اُس کی تنخواہ حسبِ دستور تجار خرچ تجارت میں محسوب کی جاتی ہے، اس کے بعد جو بچتا ہے وہ نفع سمجھا جاتا ہے، جب تو چودہ آنے کا سولھواں حصہ تصدق کرے اور اگر خرچ تجارت مجرا دے کر کامل روپیہ بچا تھا یہ تنخواہ اُس کے متعلق نہیں تو پُورے روپیہ کا سولھواں حصّہ دے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۴ تا ۲۴۷: مرسلہ محمد عبدالصبور صاحب سوداگر ابن منشی محمد ظہور صاحب جوہری ۲۰ ربیع الآخر شریف

اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین، ایک شخص نے اپنی تجارت کے منافع میں خداوندکریم کا

سولھواں حصہ مقرر کیا ہے۔

(۱) اس سولھویں حصہ میں محفل میلاد شریف و نیاز گیارھویں شریف کرنا چاہیے یا نہیں؟

(۲) اس سولھویں حصہ میں اپنے والدین و پھوپھی و خالہ و سید صاحب و مولوی صاحب کو دینا چاہیے یا نہیں؟

(۳) اس سولھویں حصے میں سامع رمضان المبارک کو دینا و نیز افطاری رمضان المبارک کرنا چاہیے یا نہیں؟

(۴) دربارہ زکوٰۃ مذکورہ کے روپے کو طالبعلموں کی خورد و نوش ولباس میں صرف کرنا چاہیے یا نہیں، اور زکوٰۃ کا روپیہ مؤذن کو دینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب

اگر نہ یہ منت ہے نہ زکوٰۃ ہے بلکہ یونہی دل میں نیت کرلی یا بے الفاظِ نذر زبان سے کہہ لیا ہے کہ اپنے منافع تجارت سے سولھواں حصہ نیک کاموں میں اللہ تعالٰی کے لئے صَرف کیا کروں گا، جب تو اس سے محفل میلاد شریف اور گیارھویں شریف اور افطاری رمضان شریف اور اپنے والدین و سادات و علماء کی خدمت سب کچھ کرسکتا ہے کہ یہ سب نیک کام اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہیں جب کہ نیت خالص اللہ عزوجل کے واسطے ہو، رمضان مبارک کا سامع اگر حاجتمند ہو اور اس سے اُجرت نہ ٹھہری ہو اور نہ رواج کی رُو سے اُجرت مقرر ہو تو اُسے بھی دے سکتا ہے کہ اب اُسے بھی دینا نیک کام ہے اور اگر اُجرت کی شرط ہولی یا از رُوئے رواج اس کی اُجرت کا قرار دیا ہے تو اُسے دینا کچھ نیک کام نہیں بلکہ گناہ ہے،

لانہ اجارۃ علی الطاعۃ والاجارۃ علیھا باطلۃ الا ما استثناہ المتاخرون من امامۃ و اذان وتعلیم قراٰن ولیس ھذا منھا والتحقیق فی رد المحتار و شفاء العلیل۔

کیونکہ یہ عبادت پر اُجرت ہے اور عبادت پر اجرت لینا دینا باطل ہے مگر امامت پر یا اذان اور تعلیم قرآن پر اُجرت جس کو متاخرین نے اس سے مستثنٰی قرار دیا ہے وُہ اور چیز ہے یہ اس قبیل سے نہیں ہے، اس کی مکمل تحقیق ردالمحتار اور شفاء العلیل میں ہے (ت)

اور اگر صورتِ مذکورہ میں ہر نیک کام کی نیت نہ تھی بلکہ بالخصوص مساکین کو خدا کے نام پر دینا تو وہ سب امور اب بھی اس روپے سے جائز ہوں گے مگر یہ چاہیے کہ مجلس مبارک کا حصہ خاص محتاجین کو دے، گیارھویں شریف کی نیاز، رمضان المبارک کی افطاری صرف مساکین کو بانٹے، سادات وعلماء میں اُنھیں کی نذر کرے جو حاجتمند ہوں، ماں باپ کو بھی بحالتِ حاجتمندی دے سکتا ہے،

لانھا لیست صدقۃ واجبۃ وانما نوی التصدق علی المساکین فاذا کان

کیونکہ یہ صدقہ واجبہ نہیں ہے اور اس نے مساکین پر تصدق کی نیت کی ہے تو جب ماں باپ بھی مساکین ہوں تو بطورِ صلہ ان پر صدقہ

منهم جاز صلتهما بها وقد سمی النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فی الاحادیث الصحیحۃ ما اطعمت اھلک صدقۃ وما اطعمت ولدک صدقۃ وما اطعمت عیالک صدقۃ۔[1]

کرنا جائز ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صلہ رحمی کو صدقہ قرار دیتے ہوئے صحیح احادیث میں فرمایا کہ جو کچھ تُو نے اپنی بیوی کو کھلایا وُہ صدقہ ہے اور جو تُو نے اپنی اولاد کو کھلایا وُہ صدقہ ہے اور جو تُو نے اپنی عیال کو کھلایا وہ صدقہ ہے۔ (ت)

اور اگر خاص منّت کے لفظ زبان سے ادا کرلئے ہیں مثلاً کہا "مجھ پر اللہ تعالٰی کے لئے واجب ہے کہ اپنے منافع کا سولھواں حصّہ اللہ تعالٰی کے نام پر تصدق کروں" تو نہ والدین کو دے سکتا ہے نہ سادات کو اگرچہ محتاج ہوں نہ کسی غنی کو اگرچہ عالم ہو، ہاں صرف محتاجوں کو دینا لازم ہے اگرچہ اُس کی پھوپھی، خالہ، بہن، بھائی، چچا، ماموں ہوں، اگرچہ مجلس شریف یا گیارھویں شریف کرکے یا افطاری میں مالک کردے۔

فانھا طریق الاداء والاجتماع لذکر النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم او ایصال الثواب الٰی ولی اللّٰہ الکریم رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ لاینافی النذر ولا ینفی التصدق مال زکوۃ ھو۔

کیونکہ یہ صرف ادائیگی کا ایک طریقہ ہے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ذکر پاک کے لئے اجتماع، یا کسی ولی اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ایصال ثواب کا ہونا نذر کے منافی نہیں ہے، اور یہ طریقے زکوٰۃ کے مال کو صدقہ کرنے کے منافی نہیں ہیں۔ (ت)

جب بھی یہی حکم ہے جو خاص منّت کا حکم تھا مال زکوٰۃ و نذر طالبعلموں کو بھی دے سکتے ہیں خواہ کپڑے بنا دے خواہ اناج یا کھانا اُنھیں دے کر مالک کردے، ہاں گھر بٹھا کر کھلانے سے زکوٰۃ و نذر ادا نہ ہوگی لانہ اباحۃ والتصدق تملیک کما نصوا علیہ (کیونکہ یہ اباحت ہے جبکہ صدقہ کرنا بطور تملیک ہوتا ہے جیسا کہ فقہائے اس پر نص کی ہے۔ ت) مؤذن کی تنخواہ ٹھہری ہے تو اُس میں زکوٰۃ یا نذر کو محسوب نہیں کرسکتا لان واجبھا لایدخل فی واجب اٰخر لیس من جنسہ (کیونکہ ایک واجب دُوسرے خلافِ جنس واجب میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ت) ہاں بلاتنخواہ اذان دیتا ہو اور محتاج مصرف زکوٰۃ ہو تو دے سکتا ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۹۳۲۱ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۴۱۵
المعجم الاوسط حدیث ۶۸۹۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۷/ ۴۵۵

مسئلہ ۲۴۸ از صدر ۸ شعبان ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے منّت مانی کہ اگر فلاں تکلیف میری رفع ہوجائے تو میں بکری وغیرہ ذبح کرکے مسکینوں کو تقسیم کروں گا، اگر زید کامیاب ہُوا اور بکرا ذبح کیا تو آیا زید بھی اُس گوشت میں سے کھاسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زید خود کھاسکتا ہے نہ اپنے ماں باپ وغیرہما اصول خواہ بیٹا بیٹی وغیرہما فروع خواہ کسی ہاشمی یا غنی کو کھلاسکتا ہے بلکہ وہ خاص مساکین مصرف زکوٰۃ کا حق ہے،

فی ردالمحتار مصرف الزکوٰۃ ھو ایضا مصرف النذر[1] اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں ہے کہ زکوٰۃ کا مصرف نذر کا مصرف بھی ہوتا ہے، اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۹ (یہ مسئلہ دراصل فتاوٰی افریقہ کا مسئلہ نمبر ۶۰ ہے، مناسبت کے پیشِ نظر اسے یہاں شامل کیا گیا ہے)

زید کہتا ہے غیرِ خدا جلّ وعلا کیلئے نذر چڑھانا حرام ہے چاہے نبی علیہ السلام ہوں چاہے اولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ مجموعہ خطب حرمین شریفین تالیف مولوی عبدالحی صاحب کے صفحہ ۴۷ پر ہے ؎

صندل بھی تربتوں پہ چڑھانا حرام ہے

اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۲ پر ہے: ؎

نذر بھی غیرِ خدا کی ہے یقین شرک سُنو
غیر کی نذر کا کھانا بھی حرام اے اکرم

کیا یہ اشعار اہلسنّت کے خلاف ہیں یا نہیں؟ اور حضور کے رسالہ برکات الامداد میں ص ۳۱ پر ہے: خود امام الطائفہ میاں اسمٰعیل دہلوی کے بھاری پتھر کا کیا علاج، وہ صراط مستقیم میں اپنے پیر جی کا حال لکھتے ہیں:

روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین وجناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ[2]

حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند (رحمہما اللہ تعالٰی) کی روحیں حضرت کے حال پر متوجہ ہُوئیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

---

[1] ردالمحتار باب المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۸

[2] صراط مستقیم باب چہارم دربیان سلوک راہ نبوت الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۶

شخصیکہ در طریقہ قادریہ قصد بیعت میکند البتہ اورا در جناب حضرت غوث الاعظم اعتقادے عظیم بہم میرسد (الیٰ قولہ) کہ خود را از زمرۂ غلامان آنجناب میشمارد[1] اھ ملخصاً۔

ایک شخص نے طریقۂ قادریہ میں بیعت کا ارادہ کیا یقیناً اس کو جناب حضرت غوث الثقلین میں بہت پختہ اعتقاد تھا (الیٰ قولہ) کہ خود کو آنجناب کے غلاموں میں شمار کیا اھ ملخصاً (ت)

اسی میں ہے :

اولیائے عظام مثل حضرت غوث الاعظم و حضرت خواجہ بزرگ الخ[2]

اولیائے عظام جیسے غوث اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت خواجہ بزرگ الخ (ت)

یہی امام الطائفہ اپنی تقریر ذبیحہ مندرج مجموعہ زبدۃ النصائح میں لکھتے ہیں :

اگر شخصے بزے را خانہ پرورکند تا گوشت او خوب شود او را ذبح کردہ و پختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست[3]

اگر کسی شخص نے کوئی بکرا گھر میں پالا تاکہ اس کا گوشت اچھا ہوجائے اور اس کو ذبح کرکے پکا کر غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فاتحہ دلائے اور لوگوں کو کھلائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ت)

ایمان سے کہیو غوث الاعظم کے یہی معنی ہوئے کہ سب سے بڑے فریاد رس یا کچھ اور، خدا جل وعلا کو ایک جان کر کہنا غوث الثقلین کا یہی ترجمہ ہوا کہ جن و بشر کے فریاد رس یا کچھ اور، اور پھر یہ کیسا کھلا شرک تمہارا امام اور اس کا سارا خاندان بول رہا ہے، قول کے سچے ہو تو ان سب کو بھی ذرا جی کڑا کر کے مشرک بے ایمان کہہ دو ورنہ شریعت دبا بیہ کیا آپ کی خانگی ساخت ہے کہ فقط باہر والوں کے لئے خاص ہے گھر والے سب اس سے مستثنیٰ ہیں۔

الجواب

غیر خدا کیلئے نذر فقہی کی ممانعت ہے، اولیائے کرام کے لئے ان کی حیات ظاہری خواہ باطنی میں جو نذریں کہی جاتی ہیں یہ نذر فقہی نہیں، عام محاورہ ہے کہ اکابر کے حضور جو ہدیہ پیش کریں اُسے نذر کہتے ہیں، بادشاہ نے دربار کیا اسے نذریں گزریں، شاہ رفیع الدین صاحب برادر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رسالہ نذور میں لکھتے ہیں :

---

[1] صراط مستقیم باب چہارم در بیان طرق سلوک راہ نبوت مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۱۴۷

[2] صراط مستقیم تکملہ در بیان سلوک ثانی راہ ولایت " " " ص ۱۳۲

[3] زبدۃ النصائح امام الطائفہ میاں اسمٰعیل

نذر یکہ اینجا مستعمل میشود نہ بر معنی شرعی ست چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگاں می برند نذر و نیاز می گویند[1]	یہاں نذر کا لفظ شرعی نذر کے معنی میں استعمال نہیں کیونکہ عرف میں بزرگوں کو جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس کو نذر و نیاز کہتے ہیں۔ (ت)

امام اجل سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں :

ومن هذا القبيل زيارة القبور والتبرك بضرائح الاولياء والصالحين والنذر لهم بتعليق ذلك على حصول شفاء اوقدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمين بقبورهم كما قال الفقهاء فيمن دفع الزكاة لفقير وسماها قرضا صح لان العبرة بالمعنى لا باللفظ[2] یعنی اسی قبیل سے ہے زیارتِ قبور اور مزاراتِ اولیاء وصلحاء سے برکت لینا اور بیمار کی شفا یا مسافر کے آنے پر اولیائے کرام کیلئے منّت ماننا کہ وُہ اُن کے خادمانِ قبور پر تصدق سے مجاز ہے جیسے فقہائے نے فرمایا ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ دے اور قرض کا نام لے تو صحیح ہوجائے گی کہ اعتبار معنٰی کا ہے نہ کہ لفظ کا۔

ظاہر ہے کہ یہ نذر فقہی ہوتی تو احیا کے لئے بھی نہ ہوسکتی حالانکہ دونوں حالتوں میں یہ عرف وعمل قدیم سے اکابر دین میں معمول ومقبول ہے۔ امام اجل سیدی ابوالحسن نور الملّۃ والدین علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی قدس سرہ العزیز جن کو امام فنِ رجال شمس الدین ذہبی نے طبقات القرار اور امام جلیل جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ میں الامام الاوحد کہا یعنی بے نظیر امام، اپنی کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں محدثانہ اسانید صحیحہ معتبرہ سے روایت فرماتے ہیں :

(۱) اخبرنا ابو العفاف موسٰی بن عثمان البقاعی بالقاھرۃ سنۃ ٦٦٣ قال اخبرنا ابی بدمشق سنۃ ٦١٤ قال اخبرنا الشیخان الشیخ ابو عمر وعثمان الصریفینی والشیخ ابو محمد عبد الحق الحریمی ببغداد سنۃ ٥٥٩ قالا کنا بین یدی الشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ بمدرسۃ یوم الاحد ثالث صفر سنۃ ٥٥٥ ہم سے ابوالعفاف موسٰی بن عثمان بقاعی نے ٦٦٣ھ میں شہر قاہرہ میں حدیث بیان کی کہ ہمیں میرے والد ماجد عارف باللہ ابوالمعانی عثمان نے ٦١٤ھ میں شہر دمشق میں خبر دی کہ ہمیں دو ولی کامل حضرت ابو عمرو عثمان صریفینی و حضرت ابو محمد عبدالحق حریمی نے ٥٥٩ھ میں بغداد مقدس میں خبر دی کہ ہم ۳ صفر روز یک شنبہ ٥٥٥ھ میں

---

[1] مجموعہ رسائل تسعہ رسالہ نذور شاہ رفیع الدین مطبع احمدی دہلی ص ۲۱

[2] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الثامن والاربعون الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۵۱

حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں حاضر تھے حضور نے وضو کر کے کھڑاویں پہنیں اور دو رکعتیں پڑھیں، بعد سلام ایک عظیم نعرہ فرمایا اور ایک کھڑاوں ہوا میں پھینکی، پھر دوسرا نعرہ مارا اور دوسری کھڑاوں پھینکی، وہ دونوں ہماری نگاہوں سے غائب ہوگئیں، پھر تشریف رکھی، ہیبت کے سبب کسی کو پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی، ۲۳ دن کے بعد عجم سے ایک قافلہ حاضر بارگاہ ہوا اور کہا ان معنا للشیخ نذرا ہمارے پاس حضور کی ایک نذر ہے فاستاذناہ فقال خذوہ منہم ہم نے حضور سے اس نذر کے لینے میں اذن طلب کیا حضور نے فرمایا لے لو، انھوں نے ایک من ریشم اور خز کے تھان اور سونا اور حضور کی وہ کھڑاویں جو اس روز ہوا میں پھینکی تھیں پیش کیں، ہم نے اُن سے کہا یہ کھڑاویں تمھارے پاس کہاں سے آئیں؟ کہا ۳ صفر روز یک شنبہ ہم سفر میں تھے کہ کچھ راہزن جن کے دو سردار تھے ہم پر آپڑے ہمارے مال لوٹے اور کچھ آدمی قتل کئے اور ایک نالے میں تقسیم کو اُترے، نالے کے کنارے ہم تھے فقلنا لو ذکرنا الشیخ عبد القادر فی ھذا الوقت و نذرنا لہ شیئاً من اموالنا ان سلمنا ہم نے کہا بہتر ہو کہ اس وقت ہم حضور غوثِ اعظم کو یاد کریں اور نجات پانے پر حضور کے لئے کچھ مال نذر مانیں، ہم نے حضور کو یاد کیا ہی تھا کہ دو عظیم نعرے سُنے جن سے جنگل گونج اُٹھا اور ہم نے راہزنوں کو دیکھا کہ اُن پر خوف چھا گیا ہم سمجھے ان پر کوئی اور ڈاکو آپڑے یہ آکر ہم سے بولے آؤ اپنا مال لے لو اور دیکھو ہم پر کیا مصیبت پڑی ہمیں اپنے دونوں سرداروں کے پاس لے گئے ہم نے دیکھا وہ مرے پڑے ہیں اور ہر ایک کے پاس ایک کھڑاوں پانی سے بھیگی رکھی ہے، ڈاکوؤں نے ہمارے سب مال پھیر دئے اور کہا اس واقعہ کی کوئی عظیم الشان خبر ہے۔[1]

(۲۰) نیز فرماتے ہیں قدس سرہٗ:

حدثنا ابو الفتوح نصر اللہ بن یوسف الازجی قال اخبرنا الشیخ ابو العباس احمد بن اسمٰعیل قال اخبرنا الشیخ ابو محمد عبد اللہ بن حسین بن ابی الفضل قال کان شیخنا الشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقبل النذور و یاکل منہا[2] (ملخصاً) ہم سے حدیث بیان کی ابو الفتوح نصر اللہ بن یوسف ازجی نے، کہا ہمیں شیخ ابو العباس احمد بن اسمٰعیل نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابو محمد عبد اللہ بن حسین بن ابی الفضل نے خبر دی کہ ہمارے شیخ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نذریں قبول فرماتے اور ان میں سے بذات اقدس بھی تناول فرماتے، اگر یہ نذر فقہی ہوتی تو حضور کا کہ اجلہ سادات عظام سے ہیں اس سے

---

[1] بہجۃ الاسرار فصول من کلامہ مرصعا بشیئ من عجائب احوالہ مصطفی البابی مصر ص ۶۷

[2] ؍؍ ؍؍ ذکر شیئ من شرائف اخلاقہ رضی اللہ عنہ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ص ۱۰۴-۱۰۳

[3]

تناول فرمانا کیونکر ممکن تھا۔

(۳) نیز فرماتے ہیں:

حدثنا الشریف ابو عبد اللہ محمد بن الخضر الحسینی قال اخبرنا ابی قال کنت مع سیدی الشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ ورأی فقیرا مکسور القلب فقال لہ ماشانک قال مررت الیوم بالشط وسألت ملاحا ان یحملنی الی الجانب الاٰخر فابی وانکسر قلبی لفقری فلم یتم کلام الفقیر حتی دخل رجل معہ صرۃ فیہا ثلٰثون دینارا نذرا للشیخ فقال الشیخ لذٰلک الفقیر خذ ھذہ الصرۃ واذھب بہا الی الملاح واعطہا لہ وقل لہ لاترد فقیرا ابدا وخلع الشیخ قمیصہ واعطاہ للفقیر فاشتری منہ بعشرین دینارا[1]۔ ہمیں شریف ابو عبد اللہ محمد بن الخضر الحسینی نے حدیث بیان کی، کہا ہم سے والد ماجد نے فرمایا میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ تھا حضور نے ایک فقیر شکستہ دل دیکھا، فرمایا تیرا کیا حال ہے؟ عرض کی آج میں کنارہ دجلہ پر گیا ملاح سے کہا مجھے اس پار لے جا، اس نے نہ مانا، محتاجی کے سبب میرا دل ٹوٹ گیا۔ فقیر کی بات ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ ایک صاحب ایک تھیلی میں تیس اشرفیاں حضور کی نذر لائے حضور نے فقیر سے فرمایا یہ لو اور جا کر ملاح کو دو اور اس سے کہنا کبھی کسی فقیر کو نہ پھیرے، اور حضور نے اپنا قمیص مبارک اتار کر اس فقیر کو عطا فرمایا کہ وہ اس سے بیس اشرفیوں کو خریدا گیا۔

(۴) نیز فرماتے ہیں:

الشیخ بقا بن بطو کان الشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ یثنی علیہ کثیرا وتجلہ المشائخ والعلماء وقصد بالزیارات والنذور من کل مصر[2]۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت شیخ بقا بن بطو رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بہت تعریف فرمایا کرتے اور اولیاء وعلماء سب ان کی تعظیم کرتے، ہر شہر سے لوگ ان کی زیارت کو آتے اور ان کی نذر لاتے۔

(۵) نیز فرماتے ہیں:

الشیخ منصور البطائحی رضی اللہ تعالٰی عنہ من اکابر مشائخ العراق اجمع المشائخ والعلماء علی تبجیلہ وقصد بالزیارات والنذور من کل جہۃ[3]۔ حضرت منصور بطائحی رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر شیئ من شرائف اخلاقہ رضی اللہ عنہ مصطفٰی البابی مصر ص۱۰۲

[2] " شیخ بقا بن بطو " " " ص۱۵۹

[3] " شیخ منصور البطائحی " " " ص۱۴۰

اکابر اولیائے عراق سے ہیں، اولیاء علماء نے ان کی تعظیم پر اجماع کیا، اور ہر طرف سے مسلمان ان کی زیارت کو آتے اور اُن کی نذر لاتے۔

(۶) نیز فرماتے ہیں،

لم یکن لاحد من مشائخ العراق فی عصر الشیخ علی بن الھیتی فتوح اکثر من فتوحہ کان ینذر لہ من کل بلد[1] حضرت علی بن ہیتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اولیائے عراق سے کسی کی فتوح ان کے مثل نہ تھی ہر شہر سے ان کی نذر آتی۔

(۷) نیز فرماتے ہیں،

الشیخ ابوسعید القیلوی احد اعیان المشائخ بالعراق حضر مجلسہ المشائخ والعلماء و قصد بالزیارات والنذور[2] حضرت ابوسعید قیلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر اولیائے عراق سے ہیں مسلمان اُن کی زیارت کو آتے اور ان کی نذر کی جاتی۔

(۸) نیز فرماتے ہیں،

اخبرنا ابوالحسن علی بن الحسن السامری قال اخبرنا ابی قال سمعت والدی رحمہ اللہ تعالیٰ یقول کانت نفقۃ شیخنا الشیخ جاگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ من الغیب وکان نافذ التصریف خارق الفعل متواتر الکشف ینذر لہ کثیرا وکنت عندہ یوما فمرت بہ بقرات مع راعیھا فاشار الی احدٰھن وقال ھذہ حامل بعجل احمر اغر صفتہ کذا وکذا ویولد وقت کذا یوم کذا وھو نذر لی وتذبحہ الفقراء یوم کذا ویاکلہ فلان وفلان ثم اشار الی اخری وقال ھذہ حامل بانثی ومن وصفھا کذا وکذا تولد وقت کذا وھی نذر لی یذبحھا فلان رجل من الفقراء یوم کذا ویاکلھا فلان وفلان وللکلب احمر فیھا نصیب قال فواللہ لقد جرت الحال علی ما وصف الشیخ[3] ہمیں خبر دی ابوالحسن بن حسن سامری نے کہ ہمیں ہمارے والد نے خبر دی، کہا میں نے اپنے والد سے سُنا، فرماتے تھے ہمارے شیخ حضرت جاگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خرچ غیب سے چلتا تھا اور اُن کا تصرف نافذ تھا ان کے کام کرامات تھے علی الاتصال انھیں کشف ہوتا تھا مسلمان کثرت سے ان کی

---

[1] بہجۃ الاسرار شیخ علی بن ہیتی مصطفٰے البابی مصر ص ۱۵۳

[2] " " شیخ ابوسعید القیلوی " " " ص ۱۶۱

[3] " " شیخ جاگیر رضی اللہ عنہ " " " ص ۱۶۹

نذر کرتے، ایک دن میں اُن کے پاس حاضر تھا کچھ گائیں اپنے گوالے کے ساتھ گزریں، حضرت نے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس گائے کے پیٹ میں سُرخ بچھڑا ہے جس کے ماتھے پر سپیدی ہے۔ اور اس کا سب حلیہ بیان فرمایا، فلاں دن فلاں وقت پیدا ہوگا اور وہ ہماری نذر ہوگا فقراء اُسے فلاں دن ذبح کرینگے اور فلاں فلاں اُسے کھائیں گے۔ پھر دوسری گائے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: اس کے پیٹ میں بچھیا ہے۔ اور اُس کا حلیہ بیان فرمایا فلاں وقت پیدا ہوگی اور وہ میری نذر ہوگی، فلاں فقیر اسے فلاں دن ذبح کرے گا اور فلاں فلاں اسے کھائیں گے اور ایک سرخ کُتّے کا بھی اس کے گوشت میں حصہ ہے۔ ہمارے والد نے فرمایا خدا کی قسم جیسا شیخ نے ارشاد کیا تھا سب اسی طرح واقع ہُوا۔

(۹) نیز فرماتے ہیں:

اخبرنا الفقیہ الصالح محمد الحسن بن موسی الخالدی قال سمعت الشیخ الامام شہاب الدین السہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول ما لاحظ عمی شیخنا الشیخ ضیاء الدین عبد القاهر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مریدا بعین الرعایۃ الا انتج وبرع وکنت عندہ مرۃ فاتاہ سوادی بعجل وقال لہ یا سیدی ھذا نذرناہ لک وانصرف الرجل فجاء العجل حتی وقف بین یدی الشیخ فقال الشیخ لنا ان ھذا العجل یقول لی انی لست العجل الذی نذر لک بل نذرت للشیخ علی بن الھیتی وانما نذر لک اخی فلم یلبث ان جاء السوادی و بیدہ عجل یشبہ الاول فقال السوادی یا سیدی انی نذرت لک ھذا العجل ونذرت الشیخ علی بن الھیتی العجل الذی اتیتک بہ اولا وکانا اشتبھا علی واخذ الاول وانصرف[1] ہمیں خبر دی فقیہ صالح ابو محمد حسن بن موسیٰ خالدی نے کہ میں نے شیخ امام شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو فرماتے سُنا کہ ہمارے شیخ حضرت عبد القاہر ضیاء الدین سہروردی رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب کسی مرید پر نظرِ عنایت فرماتے وہ پھولتا پھلتا اور بلند رتبہ کو پہنچتا، اور ایک دن میں حضور میں حاضر تھا کہ ایک دہقانی ایک بچھڑا لایا اور عرض کی یہ ہماری طرف سے حضرت کی نذر ہے، اور چلا گیا، بچھڑا آ کر حضرت کے سامنے کھڑا ہُوا حضرت نے فرمایا یہ بچھڑا مجھ سے کہتا ہے میں آپ کی نذر نہیں ہوں میں حضرت شیخ علی بن ہیتی کی نذر ہوں آپ کی نذر میرا بھائی ہے۔ کچھ دیر نہ ہُوئی تھی کہ وہ دہقانی ایک اور بچھڑا لایا جو صورت میں اس کے مشابہ تھا اور عرض کی: اے میرے سردار! میں نے حضور کی نذر یہ بچھڑا مانا تھا اور وہ بچھڑا جو پہلے میں حاضر لایا وہ میں نے حضرت شیخ علی بن ہیتی کی نذر مانا ہے مجھے دھوکا ہوگیا تھا۔ یہ کہہ کر

---

[1] بہجۃ الاسرار شیخ عبد القاہر السہروردی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۴ و ۲۳۵

پہلے بچھڑے کو لے لیا اور واپس چلا گیا۔

(۱۰) نیز فرماتے ہیں:

اخبرنا ابو زید عبد الرحمٰن بن سالم بن احمد القرشی قال سمعت الشیخ العارف ابا الفتح بن ابی الغنائم بالاسکندریۃ[1] ہمیں ابو زید عبد الرحمٰن بن سالم بن احمد قرشی نے خبر دی کہ میں نے حضرت عارف باللہ ابو الفتح بن ابی الغنائم سے اسکندریہ میں سُنا کہ اہل بطائح سے ایک شخص ایک دُبلا بیل کھینچتا ہُوا ہمارے شیخ حضرت سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور لایا اور عرض کی: اے میرے آقا! میرا اور میرے بال بچوں کا قُوت اسی بیل کے ذریعے سے ہے اب یہ ضعیف ہوگیا اس کے لئے قوت و برکت کی دُعا فرمائیے۔ حضرت نے فرمایا: شیخ عثمان بن مرزوق (بطائحی رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کے پاس جا اور اُنھیں میرا سلام کہہ اور ان سے میرے لئے دعا چاہ۔ وُہ بیل کو لے کر یہاں حاضر ہُوا دیکھا کہ حضرت سیدی عثمان تشریف فرما ہیں اور ان کے گرد شیر حلقہ باندھے ہیں، یہ پاس حاضر ہوتے ڈرا، فرمایا، آگے آ۔ قریب گیا، قبل اس کے کہ یہ حضرت رفاعی کا پیام پہنچائے سیدی عثمان نے خود فرمایا کہ میرے بھائی شیخ احمد پر سلام، اللہ میرا اور ان کا خاتمہ بالخیر فرمائے، پھر ایک شیر کو اشارہ فرمایا کہ اُٹھ اس بیل کو پھاڑ۔ شیر اُٹھا اور بیل کو مار کر اس میں سے کھایا، حضرت نے فرمایا: اب اُٹھ آ۔ وُہ اُٹھ آیا، پھر دوسرے شیر سے فرمایا اُٹھ اس میں سے کھا۔ وُہ اُٹھا اور کھایا۔ پھر اُسے بلا لیا۔ تیسرا شیر بھیجا' یُونہی ایک ایک شیر بھیجتے رہے یہاں تک کہ اُنھوں نے سارا بیل کھا لیا، اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ بطیحہ کی طرف سے ایک بہت فربہ بیل آیا اور حضرت کے سامنے کھڑا ہُوا، حضرت نے اس شخص سے فرمایا: اپنے بیل کے بدلے یہ بیل لے لو۔ اُس نے اُسے پکڑ تو لیا مگر دل میں کہتا تھا میرا بیل تو مارا گیا اور مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی اس بیل کو میرے پاس پہچان کر مجھے ستائے، ناگاہ ایک شخص دوڑتا ہُوا آیا اور حضرت کے دست مبارک کو بوسہ دے کر عرض کی: یاسیدی نذرت لك ثورا واتیت به الی البطیحة فاستلب منی ولا ادری این ذھب[2] اے میرے مولیٰ! میں نے ایک بیل حضور کی نذر کا رکھا تھا اُسے بطیحہ تک لایا وہاں سے میرے ہاتھ سے چھُوٹ گیا معلوم نہیں کہاں گیا، فرمایا: قد وصل الینا ھا ھو تراہ[3] وُہ ہمیں پہنچ گیا یہ دیکھو یہ تمھارے سامنے ہے۔ وہ شخص قدموں پر گر پڑا اور حضرت کے پائے مبارک چُوم کر کہا: اے میرے مولا! خدا کی قسم اللہ نے حضرت کو ہر چیز کی معرفت بخشی اور ہر چیز یہاں تک کہ جانوروں کو حضرت کی پہچان کرا دی، حضرت نے فرمایا: ھذا ان

---

[1] بہجۃ الاسرار   شیخ ابوعمرو عثمان بن مرزوق البطائحی   مصطفےٰ البابی مصر   ص ۱۵۹

[2] ایضاً

[3] ایضاً

الحبیب لا یخفی عن حبیبه شیئا ومن عرف اللہ عزوجل عرفه کل شیء[1] اے شخص! بیشک محبوب اپنے محبوبوں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھتا جسے اللہ کی معرفت ملتی ہے اللہ اسے ہر چیز کا علم عطا کرتا ہے۔ پھر بیل والے سے فرمایا: تو اپنے دل میں میرا شاکی تھا اور کہہ رہا تھا کہ میرا بیل تو مارا گیا اور خدا جانے یہ بیل کہاں کا ہے مبادا کوئی ہے میرے پاس پہچان کر مجھے ایذا دے۔ یہ سن کر بیل والا رونے لگا۔ فرمایا: کیا تو نے نہ جانا کہ میں تیرے دل کی جانتا ہوں جا اللہ اس بیل کو تجھ پر مبارک کرے۔ وہ بیل کو لے کر چند قدم چلا اب اسے یہ خطرہ گزرا کہ مبادا مجھے یا میرے بیل کو کوئی شیر آڑے آئے۔ فرمایا: شیر کا خوف ہے؟ عرض کی: ہاں۔ حضرت نے جو شیر سامنے حاضر تھے ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ اسے اور اس کے بیل کو بحفاظت پہنچا دے۔ شیر اٹھا اور ساتھ ہو لیا اس کے پاس سے شیر وغیرہ کو دور کرتا کبھی اس کے داہنے کبھی بائیں کبھی پیچھے چلتا یہاں تک کہ وہ امن کی جگہ پہنچ گیا اور اپنا قصہ حضرت احمد رفاعی سے عرض کیا، حضرت روئے اور فرمایا: ابن مرزوق کے بعد ان جیسا پیدا ہونا دشوار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس بیل میں برکت رکھی کہ وہ شخص بڑا مالدار ہو گیا۔[1]

(۱۱) امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب مستطاب طبقات کبریٰ احوال حضرت سیدی ابو المواہب محمد شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فرماتے ہیں:

وکان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول رایت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقال اذا کان لک حاجة واردت قضاءها فانذر لنفیسة الطاهرة ولو فلسا فان حاجتک تقضی[2] یعنی حضرت ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے ہیں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا حضور نے فرمایا جب تمہیں کوئی حاجت ہو اور اس کا پورا ہونا چاہو تو سیدہ طاہرہ حضرت نفیسہ کے لئے کچھ نذر مان لیا کرو اگرچہ ایک ہی پیسہ ہو تمہاری حاجت پوری ہوگی۔

یہ ہیں اولیاء کی نذریں، اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ نذر اولیاء کو ما اہل به لغیر اللہ میں داخل کرنا باطل ہے، ایسا ہوتا تو ائمہ دین کیونکر اسے قبول فرماتے اور کھاتے کھلاتے بلکہ ما اہل به لغیر اللہ وہ جانور ہے جو ذبح کے وقت تکبیر میں غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔ اب امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی صاحب کے باپوں کے بھی اقوال لیجئے:

(۱) جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی مولوی اسمٰعیل کے دادا اور دادا استاد اور پردادا پیر انفاس العارفین

---

[1] بہجۃ الاسرار — شیخ ابو عمرو عثمان بن مرزوق البطائحی — مصطفی البابی مصر — ص ۱۹۵

[2] طبقات کبریٰ — امام عبدالوہاب الشعرانی

میں اپنے والد ماجد کے حال میں لکھتے ہیں ؛

حضرت ایشاں در قصبۂ ڈاسنہ بزیارت مخدوم الہ دیا رفتہ بودند شب ہنگام بود دراں محل فرمودند مخدوم ضیافت ما می کنند و می گویند چیزے خوردہ روید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد و ملال بر یاراں غالب آمد آنگاہ زنے بیامد طبق برنج و شیرینی برسر و گفت نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت ایں طعام پختہ نشینندگان درگاہ مخدوم الہ دیا رسانم دریں وقت آمد ایفائے نذر کردم[1]

حضرت ایشاں قصبہ ڈاسنہ میں حضرت مخدوم الہ دیا کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے ، رات کا وقت تھا اس وقت فرمایا کہ حضرت مخدوم نے ہماری دعوت کی ہے اور فرمایا ہے کہ کھانا کھاکر جائیں ۔ آپ نے دعوت کا انتظار فرمایا یہاں تک کہ رات گزر جانے کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت بھی ختم ہوگئی ، احباب ملول ہوئے ، اچانک ایک عورت میٹھے طعام کا تھال لئے نمودار ہوئی اس نے کہا میں نے نذر مانی تھی کہ میرا خاوند جس وقت گھر واپس آئے گا میں اسی وقت طعام پکاکر مخدوم الہ دیا کی درگاہ میں قیام پذیر فقراء میں تقسیم کروں گی ، میری خواہش تھی کہ خدا کرے اس وقت رات گئے درگاہ میں کوئی موجود ہو تاکہ طعام تناول کرے اور میری نذر پوری ہو ۔ (ت)

(۲) اسی میں ہے ؛

حضرت ایشاں میفرمودند کہ فرہاد بیگ را مشکلے پیش افتاد نذر کرد کہ بار خدایا کہ اگر ایں مشکل بسر آید ایں قدر مبلغ بحضرت ایشاں ہدیہ دہم آں مشکل مندفع شد آں نذر از خاطر او برفت بعد چندے اسپ او بیمار شد و نزدیک ہلاک رسید بر سبب ایں امر مشرف شدم بدست یکے از خادماں گفتہ فرستادم کہ ایں بیماری اسپ عدم وفائے نذر ست اگر اسپ خود را میخواہی نذرے را کہ در فلاں محل التزام نمودہ بفرست وے نادم شد و آں نذر فرستاد ہماں ساعت اسپ او شفا یافت[2]

حضرت ایشاں نے فرمایا کہ فرہاد بیگ کو ایک مشکل درپیش ہے ، اس نے نذر مانی ہے کہ اے باری تعالیٰ اگر یہ مشکل سر ہوجائے تو میں مبلغ اتنے حضرت ایشاں کی خدمت میں ہدیہ دوں گا ، وہ مشکل ختم ہوگئی اور اس کے ذہن سے وہ نذر نکل گئی ، اس کے بعد اس کے چند گھوڑے بیمار ہوکر قریب المرگ ہوگئے ، مجھے جب معلوم ہوا تو میں نے اس کو ایک خادم کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ اگر گھوڑوں کی خیر چاہتے ہو تو فوراً نذر پوری کرو جو تم نے فلاں جگہ فلاں وقت مانی تھی نذر پوری نہ کرنے کی وجہ سے گھوڑے بیمار ہوئے ہیں ، تو وہ بہت نادم ہوا ، اور نذر خدمت میں ارسال کردی تو گھوڑے فوراً تندرست ہوگئے ۔ (ت)

---

[1] انفاس العارفین (مترجم اردو) حضرت مخدوم الہ دیہ المعارف گنج بخش روڈ لاہور ص ۱۱۲

[2] " " " منکر سے بزور نذر وصول کی " " " " ص ۱۲۷ و ۱۲۸

(۳) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں :

حضرت امیر و ذریۂ طاہرہ اور اتمام امت برمثال پیران و مرشداں می پرستند و امور تکوینیہ را بایشاں وابستہ می دانند و فاتحہ و درود و صدقات و نذر بنام ایشاں رائج و معمول گردیدہ چنانچہ با جمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است فاتحہ و درود و نذر و عرس و مجلس [1]

حضرت امیر (علی کرم اللہ وجہہ) اور ان کی اولاد پاک کو تمام امت پیروں اور مرشدوں کی طرح سمجھتی ہے اور تکوینی امور کو ان سے وابستہ سمجھتی ہے اور فاتحہ، درود، صدقات اور نذر و نیاز ان کے نام سے رائج ہیں اور معمول بنا ہوا ہے، چنانچہ تمام اولیاء کرام سے یہی معاملہ ہے کہ ان کے نام پر نذر و نیاز، فاتحہ، درود، عرس اور مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔ (ت)

فوائد عظیمہ جلیلہ

مسلمان دیکھیں دونوں شاہ صاحبوں کی ان تینوں عبارتوں سے کتنے جلیل و جمیل وہابیت کُش فائدے حاصل ہوئے وللہ الحمد :

(۱) اولیاء کا اپنے حاضرین مزارات پر مطلع ہونا (۲) ان سے کلام فرمانا کہ جب حضرت مخدوم الٰہدیا قدس سرہ کے مزار شریف پر شاہ ولی اللہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب حاضر ہوئے حضرت نے مزار شریف سے ان کی دعوت کی اور فرمایا کچھ کھا کر جانا (۳) اولیائے کرام کا بعد وفات پر غیبوں پر اطلاع پانا کہ حضرت مخدوم قدس سرہ کو معلوم ہوا کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کے آنے پر ہماری نذر مانی ہے اور یہ آج اس کا شوہر آئیگا اور یہ کہ عورت اسی وقت ہماری نذر کے چاول اور شیرینی حاضر کرے گی (۴) اولیاء کی نذر (۵) مصیبت کے وقت اس کے دفع کو اولیاء کی نذر ماننی (۶) ان کی نذر مان کر پوری نہ کرنے سے بلا آنا اگرچہ وہ پورا نہ کرنا بھول جانے سے ہو (۷) اس نذر کے پورا کرتے ہی فوراً بلا کا دفع ہونا کہ فرہاد بیگ نے کسی مشکل کے وقت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد کی نذر مانی پھر یاد نہ رہی گھوڑا مرنے کے قریب پہنچ گیا، شاہ صاحب کو معلوم ہوا کہ اس پر یہ مصیبت ہماری نذر پوری نہ کرنے سے ہے، اس سے فرما بھیجا کہ گھوڑا بچانا چاہتے ہو تو ہماری منت پوری کرو، اس نے وہ نذر پوری کی گھوڑا فوراً اچھا ہوگیا (۸) فاتحہ مروجہ (۹) عرس اولیاء (۱۰) ان سب سے بڑھ کر یہ پانچ بھاری غضب کہ پیر پرستی۔ (۱۱) مولٰی علی و ائمہ اطہار کی بندگی (۱۲) اس پرستاری و بندگی پر تمام اُمت مرحومہ کا اجماع (۱۳) فتح، شکست، تندرستی، مرض، دولتمندی، تنگدستی، اولاد ہونا نہ ہونا، مراد ملنا نہ ملنا، اور ان کے مثل احکام تکوینیہ کا مولٰی علی و

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب ہفتم در امامت سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۴

ائمۂ اطہار و اولیائے کرام سے وابستہ ہونا (۱۴) اس وابستہ جاننے پر امت مرحومہ کا اجماع ہونا۔ وہ سات بڑے شاہ صاحب کے کلام میں تھے یہ بھاری پتھر چھوٹے شاہ صاحب کے کلام میں ہیں۔ اب اسمٰعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان وایضاح الحق اور گنگوہی صاحب کی براہین قاطعہ وغیرہا خرافاتِ وہابیہ سے ان ۱۴ کو ملا کر دیکھئے دونوں شاہ صاحب معاذ اللہ کتنے بڑے کٹے پکے مشرک، مشرک گر ٹھہرتے ہیں مگر ان کا مشرک ہونا آسان نہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ (۱۵) بھاری فائدہ حاصل ہوگا کہ اسمٰعیل دہلوی و گنگوہی و تھانوی اور سارے کے سارے وہابی سب مشرک کافر ہیں کہ اسمٰعیل دہلوی ان دو مشرکوں کا غلام، ان کا شاگرد، ان کا مرید، ان کا مداح، ان کو امام وولی و چنیں و چناں جاننے والا۔ اور گنگوہی و تھانوی اور سارے کے سارے وہابی ان دو تقویت الایمانی دھرم پر مشرکوں اور اس تیسرے قرآنی دھرم پر بد دین گمراہ کو ایسا ہی جاننے والے اور جو ایسوں کو ویسا جانے وہ خود مشرک کافر بے دین والحمد للہ رب العالمین ہے۔ کسی وہابی گنگوہی تھانوی دہلوی امرتسری بنگالی بھوپالی وغیرہم کے پاس اس کا جواب یا آج ہی سے وقفوھم انھم مسئولون ○ مالکم لاتناصرون ○ بل ھم الیوم مستسلمون ○[1] (انہیں روکو ان سے پوچھنا ہے تمہیں کیا ہوا اب ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ اب وہ گردن ڈالے ہیں[ت]) کا ظہور بے حجاب کذٰلک العذاب ولعذاب الاٰخرۃ اکبر لوکانوا یعلمون ○ (عذاب ایسا ہوتا ہے اور بیشک آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے کاش وہ جانتے[ت]) یہاں سے ظاہر ہوگیا کہ اس مجموعہ خطب کے اشعار موافق اہلسنت نہیں، اور برکات الامداد کی وہ عبارت متعلق بہ استمداد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۲۴ تا ۲۶

[2] " "

[3] " " ۳۹/ ۲۶

باب الکفارۃ

(کفارے کا بیان)

مسئلہ ۲۵۰: ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

چہ می فرمایند حامیانِ دین ومفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ کہ زید از شراب خوری توبہ کرد ومواجہہ چارکس کلام اللہ شریف را برداشتہ قسم خورد کہ شراب را نوش نکنم وبار دگر شخصاں دریافت کرد زید از توبہ وازقسم اقرار کرد بعدہ از زید فعل شنیع سرزد شد یعنی شراب بخورد وچساں زید ازیں گناہ بری خواہد شد چہ کفارہ باید داد؟

دین کے حامی اور شرع کے مفتی کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید نے شراب نوشی سے توبہ کی اور چار حضرات کے سامنے اس نے قرآن پاک اٹھا کر قسم کھائی کہ میں شراب نوشی نہیں کروں گا۔ لوگوں نے اس سے استفسار کیا تو اس نے اپنی توبہ اور قسم کا اقرار کیا، اس کے بعد زید سے یہ بُرا فعل سرزد ہوا یعنی اس نے دوبارہ شراب نوشی کی، اب سوال ہے کہ زید اس گناہ سے کس طرح بری ہوسکتا ہے اور اس کو کیا کفارہ دینا چاہئے؟ (ت)

الجواب

در شرع مطہر کفارہ مر گناہے را باشد کہ در شناعت از حد نگزرد وہرچہ قبحش از حد گزشت تطہیر بکفارہ نپذیرد وبے توبہ صادقہ حکم بمحوتش

شرع مطہر میں کفارہ اس گناہ کا ہوتا ہے کہ وہ برائی میں حد سے بڑھ کر نہ ہو، اور جو شخص اپنے گناہ میں حد سے تجاوز کرجائے تو وہ کفارہ سے پاک نہیں ہوسکتا

صورت نگیرد آں چنانکہ اگر کسے زنِ خود را بمادر و
خواہر خویش تشبیہ دہد او را کفارہ است کہ بعد
ادایش قربت زن برو مباح گردد فاما آنکہ مادر و
خواہر خود را زنِ خود سازد ایں جرم را ہیچ کفارہ
نیست جز آنکہ بتوبہ صادقہ گراید اینجا اگر مصحفِ کریم
برداشتہ سوگند بنام او یا بنام حضرت عزت جل وعلیٰ
نیز بر زبان آورد پس دو چیز باشد یکے نیز سوگند
چوں برو قائم نماند کفارہ اش یک غلام آزاد کردن
یا دہ مسکین را دو وقت طعام خوراندن یا دہ مسکین
را جامہ پوشاندن و ہر کہ بر ہیچ ازینہا قادر نباشد
سہ روزہ پے در پے دارد ۔ دوم تاکیدش برداشتن
مصحف کریم، وایں امرے عظیم بود و بعدہ او باز برآں
عمل ناپاک اقدام نمودن منجر بتوہین مصحف شریف و
استخفاف بحق عظیم اوست وایں سخت تر کارے
است و او را اصلاً کفارہ نیست جز آنکہ زود
بتوبہ صادقہ گردید و ازاں فعل شنیع بعزم صحیح
باز آید ورنہ منتظر باید بود عذابے الیم و نار جحیم
والعیاذ باللہ تعالےٰ ، و اگر سوگند بر زبان نراندہ است
سائل ہمیں مصحف برداشتن را سوگند خواندہ است
حکمش ہمیں ست کہ کفارہ نیست و عذاب الیم را انتظار
کرد اگر توبہ نکند نیز آنکہ شراب نگزارد او را باید بہر جام
ناپاک شراب جامے از زیم و زرد آب نیز خوردہ
باشد تا خوگر شود زیرا کہ شراب خور را ناگزیر است
در جہنم از زیم فرج زناں زانیہ خوردن چوں آتش
در زناں زانیہ درگیرد و از بدترین جاہائے آناناں

اور جب تک وہ صدق دل سے توبہ نہ کرے تو اس گناہ
سے پاک نہیں ہوسکتا، جیسا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو
ماں یا بہن سے تشبیہ دے تو اس کا کفارہ ہے اور کفارہ
کے بعد بیوی اس کے لئے حلال ہوجاتی ہے لیکن اگر
کوئی شخص اپنی ماں یا بہن کو اپنی بیوی بنالے تو اس
جرم کا کوئی کفارہ نہیں ہے بلکہ اس پر صدق دل سے
توبہ لازم ہے اگر یہاں زید نے قرآن اٹھاکر قرآن کے
نام سے قسم کھائی یا اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ کے نام سے قسم
کھائی اور زبان سے ادا بھی کی ہو تو اس پر دو چیزیں
لازم ہیں، ایک یہ کہ وہ قسم پر قائم نہ رہا بلکہ قسم توڑ دی ہے
اس لئے اس پر کفارہ لازم ہے اور وہ ایک غلام
آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا دینا یا
دس مسکینوں کو لباس پہنانا ہے اور اگر کوئی ان مذکورہ
امور پر قادر نہ ہو تو پھر تین روزے مسلسل رکھنے ہوں گے۔
دُوسری چیز کہ اس نے قرآن مجید اٹھاکر قسم کھائی ہے
اور بہت سخت معاملہ ہے کہ قرآن اٹھاکر اس نے
اس کی خلاف ورزی کرتے ہُوئے پھر سے شراب نوشی
کی ہے جس سے قرآن پاک کی توہین تک معاملہ پہنچا
اور قرآن کے عظیم حق کی پامالی کی ہے تو اس سخت
کارروائی پر کفارہ نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اس پر
لازم ہے کہ فوراً توبہ کرے اور اس بُرے فعل کو آئندہ
نہ کرنے کا پختہ قصد کرے ورنہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف
سے دردناک عذاب اور جہنم کی آگ کا انتظار کرے،
والعیاذ باللہ تعالیٰ ۔ اور اگر زبان سے قسم ادا نہیں
کی بلکہ اسی قرآن اٹھانے کو قسم قرار دیا تو اس قسم کا

39
39

یم برآرد آدمی ہر قدر کہ شراب خوردہ باشد ہماں قدر ازاں یم وزرد آب فروج زانیات بآں شراب خور خورانند زینہار از و مفر نیابد چونکہ در احادیث کثیرہ ارشاد فرمودہ اند، والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

وہی حکم ہے کہ اس پر کفارہ نہیں بلکہ عذاب الیم کا انتظار کرے توبہ نہ کرنے پر اور شراب نہ چھوڑنے پر اس کو چاہیے کہ اسی ناپاک جام کو گندی پیپ سے بھر کر پیے تاکہ اس گندگی کا عادی ہوجائے، کیونکہ شراب نوشی کرنے والے کے لئے زانی عورتوں کی شرمگاہ سے نکلی ہوئی پیپ اور غلیظ گندے پانی کو جہنم میں پینا لازمی سزا ہوگی کہ جہنم کی آگ سے زانیہ عورتیں جل کر ان کے بدن کی بدترین جگہ شرمگاہ سے جو پیپ نکلے گی شراب نوشی کرنے والا اپنی شراب کی عادت کے مطابق اس پیپ کو پیے گا، اس سزا سے وہ بچ نہ سکے گا، جیسا کہ کثیر احادیث میں بیان ہوا ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۱: از فرخ آباد مسئولہ شمس الدین احمد شنبہ ۱۸ شوال ۱۳۳۴ھ

جھوٹی قسم خدا کی کھانا کیا کفارہ دینا چاہیے، اگر ایک ہی وقت میں کئی مرتبہ جھوٹی قسم خدا کی کھائے تو ایک کفارہ دے یا ہر ایک قسم کا علیحدہ علیحدہ؟ فقط۔

الجواب

جھوٹی قسم گزشتہ بات پر دانستہ، اُس کا کوئی کفارہ نہیں، اس کی سزا یہ ہے کہ جہنم کے کھولتے دریا میں غوطے دیا جائے گا، اور آئندہ کسی بات پر قسم کھائی اور وُہ نہ ہوسکی تو اس کا کفارہ ہے ایک قسم کھائی ہو تو ایک اور دس تو دس۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتاب الحدود والتعزیر

(حدود اور تعزیر کا بیان)

مسئلہ ۲۵۲ ۱۰ محرم ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا یہ بیان ہے کہ زید نے مجھ سے زنا بالجبر کیا، گواہ معاینہ کا کوئی نہیں، اور یہ بیان اس عورت کا ہے کہ جس مکان میں واقعہ مذکور گزرا ہے اُس میں سوائے میرے اور زید کے اور کوئی موجود نہ تھا، زید کا انکار ہے کہ میں نے زنا نہیں کیا البتہ تہدید کے لئے عورت مذکور کو سخت اور سُست کہا تھا، اور وُہ تہدید یہ تھی یعنی صبح کو جس وقت زید پانی بھرنے کو اپنے ٹھکانوں میں جانے لگا تو زید نے اس عورت کو خواب سے بیدار کیا کہ ہوشیار ہوجا ایسا نہ ہو کہ کوئی آوارہ آدمی کوئی چیز اُٹھالے جائے، جب زید پانی بھر کر لوٹ آیا تو عورت مذکور کو سوتا پایا تو اس نے ایک لات چارپائی اس عورت میں ماری کہ ابھی تک غافل سورہی ہے کوئی مال اُٹھالے جاتا تو کیا ہوتا، اور زید نے سخت اور سُست بھی کہا، اس پر اس نے شور مچایا اور زید کو متہم بالزنا بالجبر کیا، آیا اس بارے میں بلحاظِ واقعاتِ صدر قولِ عورت قابلِ اعتبار ہے یا نہیں؟ اور دو شخص جن میں ایک مسلمان اور دوسرا ہندو یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے یہ سُنا کہ مکان میں سے آواز آتی ہے کہ یہ شخص میری آبرو اُتارے لیتا ہے، بیّنوا توجروا۔

الجواب

اُس عورت کا قول ہرگز قابلِ اعتبار نہیں، بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اُسے جُھوٹ اور بُہتان سمجھے اور مسلمان کے ساتھ نیک گمان کرے، جو لوگ اس بارے میں زنِ مذکورہ کو سچا جانیں گے وُہ بھی سخت گنا ہگار اور اُس مرد کے حق میں گرفتار ہوں گے، شریعت کا حکم یہ ہے یا تو وُہ چار گواہ مسلمان ثقہ پرہیزگار قابلِ شہادت زنا سے ثابت کرائے کہ وُہ اُس وقتِ خاص میں اُس مکان معیّن میں اُس مرد کا اس عورت کے ساتھ زنا کرنا اور اپنا بچشمِ خود اُس کے بدن کو اُس کے بدن میں سُرمہ دانی میں سلائی کی طرح دیکھنا بیان کریں جب تو عورت اُس الزام سے بری ہوگی اور مرد پر زنا کی حد آئے گی، ورنہ عورت کو اسّی کوڑے لگائے جائیں گے، اور جو لوگ اُس کا بیان سچا مان کر مرد پر یہ تہمت کریں گے وُہ بھی اسّی اسّی کوڑے کھائیں گے۔ یہ سب حکم خود قرآن مجید میں مذکور۔ اس ملک میں کہ حدِ شرع جاری نہیں اتنا فرض ہے کہ مسلمان اُس عورت کو جھوٹا کذاب اور ناحق افترا باندھنے والی سمجھیں، پس مسلمان اُس سے توبہ کرائیں اور وُہ مجمع میں اپنے آپ کو جھٹلائے، اگر نہ مانے تو اُسے چھوڑ دیں کہ وُہ سخت گناہ کی مرتکب ہُوئی، اور اُن دو گواہوں کی گواہی عورت کو کچھ بھی مفید نہیں کہ اوّل فقط ایک گواہ ہے۔ کافر کی گواہی کچھ مقبول نہیں، دُوسرے وُہ اپنی آنکھوں کا دیکھا کچھ نہیں کہتے، تیسرے سُننے میں بھی فقط اُس عورت کی آواز بیان کرتے ہیں یہ خود مدعیہ ہے، مدعی کا قول مسموع نہیں، چوتھے آبرو اتارنا کچھ خاص زنا کرنے ہی کو نہیں کہتے مارنے پیٹنے یا مار پیٹ کا قصد کرنے پر بھی ایسا کلمہ کہا جاتا ہے، غرض گواہی محض مہمل ہے اور عورت کا قول سراسر باطل، اور مرد الزام سے بالکل بری، اور عورت پر جھوٹی تہمت کا الزام قائم اور اُس پر اس سخت گناہ سے توبہ فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۵۳

۶ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی بے دیکھے کسی مسلمان پر تہمت لگائے کہ اُس نے اپنی بیٹی کے ساتھ زنا کیا اور اُس شخص پر نہ کوئی ثبوت ہے نہ گواہی، تو ایسی تہمت لگا کر بدنام کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سخت حرام قطعی گناہِ کبیرہ ہے، ایسی تہمت رکھنے والا اللہ تعالٰی کے بڑے عذاب کا مستحق ہوتا ہے، اللہ عزوجل نے حکم فرمایا کہ ایسے شخصوں کو اسّی کوڑے مارو اور اُن کی گواہی کبھی نہ سُنو اور وُہ فاسق ہیں، یہاں کوڑے تو نہیں لگا سکتے لہٰذا اسی قدر کریں کہ جب تک وُہ تہمت رکھنے والا مجمع میں توبہ نہ کرے اور

صاف صاف اس اپنی ناپاک گفتگو سے باز نہ آئے اُس وقت تک مسلمان اس سے ملنا جلنا اُس کے پاس اُٹھنا بیٹھنا اُس کی شادی بیاہت میں شریک ہونا، اپنی شادی بیاہت میں اُسے شریک کرنا یک قلم چھوڑیں کہ وہ اس تہمت کے اٹھانے سے ظالم ہے، اور ظالم کے پاس بیٹھنے کو قرآن مجید میں منع فرمایا، اور ایسی تہمت کا ثبوت کسی گواہی سے ہرگز نہیں ہوسکتا جب تک چار مرد نمازی پرہیزگار ثقہ متقی جو نہ کوئی گناہِ کبیرہ کرتے ہوں نہ کسی گناہِ صغیرہ پر اصرار رکھتے ہوں نہ کوئی بات خلافِ مروت چھچھورے پن (جیسے سربازار کھانا کھانا یا شارع عام پرسب کے سامنے پیشاب کرنا) کی کرتے ہوں ایسے اعلیٰ درجہ کے متقی مہذب بالاتفاق ایک وقت ایک مکان میں اپنی آنکھ سے دیکھنا بیان کریں کہ ہم نے اس کا بدن اس کے بدن کے اندر خاص اس طرح دیکھا جیسے سُرمہ دانی میں سلائی۔ اگر ان امور سے ایک بات بھی کم ہوگی مثلاً گواہ چار سے کم ہوں یا چوتھا شخص اُس اعلیٰ درجہ کا نہ ہو یا ہوں تو سب اعلیٰ درجہ کے اور چار پانچ نہیں بلکہ دس بیس مگر اُن میں مرد تین ہی ہوں باقی عورتیں یا کچھ گواہ آج کا واقعہ بیان کریں کچھ کل کا، یا کچھ کہیں ہم نے اس مکان میں دیکھا کچھ کہیں دوسرے میں، یا یہ سب باتیں جمع ہوں اور تین گواہ صاف صاف یہ بھی گواہی دے چکے ہوں کہ ہم نے اس کا ذکر اس کی فرج داخل میں اسی طرح دیکھا جیسے سُرمہ دانی میں سلائی، مگر چوتھا اتنا کہے کہ میں نے اس کا برہنہ ذکر اس کی برہنہ فرج کے مُنہ پر رکھا دیکھا مثلاً نصف حشفہ تک اندر کیا ہوا دیکھا، تو ان سب صورتوں میں یہ گواہیاں مردود اور وہ تہمت باطل اگرچہ اس قسم کی سَو دو سَو گواہیاں گزریں اصلاً ثبوت نہ ہوگا بلکہ تہمت کرنیوالے زنا کی گواہی دینے والے خود ہی سزا پائیں گے یہ سب احکام قرآن مجید و حدیث شریف و کتبِ فقہ میں صاف مذکور ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۵۴ از بڑودہ گجرات کلاں محلہ بھوتنے کا جھانپہ نظام پورہ مرسلہ امراؤ بائی بنت غلام حسین حالہ

۱۶ رجب ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو ایک آدمی اور ایک عورت کے ہمراہ کسی کام ضروری کے لئے کہیں بھیجا، بعد واپس آنے کے نان و نفقہ موقوف کر دیا کچہری کی کوٹھی میں مقدمہ ہے، کچہری کہتی ہے نان و نفقہ کیوں نہیں دیتا، خاوند کہتا ہے بغیر حکم میرے کیوں گئی، عورت نے گواہ شاہد قولی پیش کئے کہ اس نے عورت کو جانے کے لئے حکم دیا عورت کہتی ہے کہ مجھے میرے خاوند نے بہتان لگایا میری آبرو لی جو شخص اپنی عورت کی آبرو لے شریعت میں اس کی کیا سزا ہے؟ فریبی دغاباز و جعلساز کے لئے کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بہتان اُٹھانا ناجائز طور پر آبرو لینا، جعل دغا فریب یہ سب باتیں گناہ ہیں خواہ اپنی عورت کے ساتھ

ہوں خواہ کسی کے ساتھ اور ان گناہوں کے لئے شرع نے کوئی حد مقرر نہ فرمائی تو ان میں سزائے تعزیر ہے جس کا اختیار حاکمِ شرع کو ہے، جو سزا مناسب جانے دے، مگر مارے تو انتالیس ۳۹ کوڑوں سے زیادہ نہ مارے، اور امام ابویوسف کے نزدیک پچھتر، اور اسی پر فتوی ہے۔ اشباہ میں ہے:

ضابطة التعزیر کل معصیة لیس فیها حد مقدر ففیه التعزیر[1]۔

ضابطہ تعزیر یہ ہے کہ جس گناہ کے لئے کوئی حد مقرر نہ ہو اس پر تعزیر ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

من اٰذی غیرہ بقول اوفعل یعزر کذا فی التاتارخانیة[2]۔

جس نے کسی دوسرے کو اپنے عمل یا قول سے اذیت دی تو اس پر تعزیر ہے، جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

التعزیر لیس فیه تقدیر بل هو مفوض الی رأی القاضی[3]۔

تعزیر میں سزا مقرر نہیں ہے بلکہ وہ قاضی کی رائے پر موقوف ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اکثرہ تسعة وثلثون سوطا واقله ثلث[4]۔

تعزیر زیادہ سے زیادہ انتالیس ۳۹ کوڑے ہیں، یہ سزا مارنے کی ہے۔ (ت)

پھر یہ حکم بہتان زنا کے سوا اور بہتانوں میں ہے اور اگر مرد اپنی عورت کو صاف زنا کی تہمت لگائے خواہ بالقصد تہمت لگانا ہی منظور ہو یا جس طرح بیباک عوام میں کچھ لفظ دشنام کے رائج ہیں کہ غصہ میں زبان سے نکالتے ہیں اور ان کے معنی میں صراحۃً زنا کا .... (جواب ناقص ملا)

مسئلہ ۲۵۵ تا ۲۶۴: از نیپال گنج بازار ڈاکخانہ روپی ڈیہہ ضلع بہرائچ مسئولہ مولوی حبیب اللہ و محبوب علی شاہ دوشنبہ ۲۱ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک محصن مرد اور محصنہ عورت بعلت زنا مشتہر ہو کر دونوں نے بجلسۂ عام اقرارِ زنا کیا گو موقعہ کے

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الحدود والتعزیر ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۸۵

[2] " " " " " " ۱/۲۸۴

[3] و [4] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

عینی شاہد نہیں ملے مگر تحقیقات سے رموزِ زنا اور زانی و زانیہ کے پیام و سلام قول و قرار تک کے ثبوت بھی ملے۔

(۲) اب یہ عقود فسخ ہوئے یا قائم رہے؟

(۳) اور عورت زانیہ کے شوہر کو اُسے طلاق دینا لازم ہے یا نہیں؟

(۴) اگر لفظ طلقتك نہیں کہا اور طلاقنامہ لکھ کر دے دیا جس کی نقل منسلکہ استفتاء ہذا ہے جس روز سے یہ تحریر دی ہے اس روز سے مواجہہ نہیں ہوا ایک روز قبل نمازِ جمعہ میں زانیہ کے شوہر نے طلاق بائنہ کا اقرار کیا لہذا یہ طلاق بائنہ ہوئی یا نہیں؟

(۵) اگر عورت مطلقہ نے خود طلاق مانگی تھی اور عدت بھی توڑ دی ہے اس صورت میں اب زانیہ کے شوہر کو مہر و مصارفِ عدت ادا کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۶) اور ایسے زانی و زانیہ کی اگرچہ شرعی سزا دینا یہاں پر اس وقت غیر ممکن ہے تو حاکم وقت مقامی سے حسبِ قانونِ حکومت سزائے زنا دلانے کا عذر وار ہونا لازم ہے یا نہیں؟

(۷) مردِ محصن زانی کا بھی عقد فسخ ہوا یا نہیں؟

(۸) ایک گروہِ کثیر نے مردِ محصن زانی کے ساتھ میل جول و حُقّہ پانی ترک کردیا ہے لیکن چند اشخاص نے جن میں سے صرف دو شخص خواندہ عقائدِ وہابیہ دیوبندیہ اور ایک شخص خواندہ اہلسنت وجماعت جو کہ اشخاص عقائدِ وہابیہ مذکرہ کا صرف ہم مشرب ہے بقیہ اشخاص ناخواندہ ہیں انھوں نے زانی و زانیہ کو توبہ کرا کے میل جول حقہ پانی دے کر ہم پیالہ وہم نوالہ ہوگئے ہیں بدیں باعث بڑے گروہ نے اُن سب کا بھی میل جول حقہ پانی ترک کردیا ہے یہ ترک کرنا جائز ہے یا نہیں، اور یہی چند اشخاص اس زنا کے محرک معلوم ہوتے ہیں۔

(۹) شوہرِ زانیہ کا پیش امام جامع مسجد و مدرس مدرسہ اسلامیہ ہے اس واسطے تنبیہًا ان زانی اور زانیہ کی موافق رسم و رواج حال کے کیا سزا ہونی چاہئے؟

(۱۰) اور زانی و زانیہ کے شریک داران مذکرہ بھی کسی قسم کی سزا کے مستوجب ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا مع الکتاب۔

نقل طلاق نامہ: منکہ محمد جواد ولد حسین علی متوطن لکھنؤ ساکن نیپال گنج، جو کہ مسماۃ منیر النسا مسلم میرے عقدِ نکاح میں نو سال سے تھی اب مسماۃ مذکورہ کی بدچلنی ثابت ہونے سے اور زبانی خود سے تعلق بے جا کے اقرار سے میں طلاق اس کے طلب برضا و رغبت طلاق دیتا ہوں اور یہ چند کلمہ بطریق طلاق نامہ کے لکھ دیے کہ سند رہے اور وقت پر کام آئے۔ العبد محمد جواد بقلم خود۔ گواہ شد نور محمد بقلم خود۔ مورخہ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ مطابق ۷ اگنے کنوار سنہ ۱۹۷۵ بمواجہہ فقیر بخش و بدلو و منّے لنّد وغیرہم کے یہ تحریر لکھی گئی۔

الجواب

(۱ و ۲) ایسی بازاری باتوں سے زنا کا ثبوت نہیں ہوسکتا جب تک کافی شہادت شرعیہ یا کافی اقرار زانی یا زانیہ نہ ہو، اور اگر زنا ثابت بھی ہو تو اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا مگر ایسا زنا جس سے مصاہرت ثابت ہو جیسے شوہر کے باپ یا بیٹے سے کہ اس صورت میں البتہ نکاح فاسد ہوجاتا ہے۔

(۳) زانیہ کو طلاق دینا شوہر پر لازم نہیں۔ درمختار میں ہے:

لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ۔[1] فاجرہ عورت کو طلاق دینا خاوند پر واجب نہیں ہے۔(ت)

(۴) طلاق جس طرح زبان سے ہوتی ہے اُسی طرح قلم سے، جبکہ بلامجبوری شرعی لکھا ہو۔ اشباہ میں ہے الکتاب کالخطاب[2] (تحریر بھی خطاب کی طرح ہوتی ہے۔ت)، طلاقنامہ سے طلاق رجعی ثابت ہوتی ہے، لیکن شوہر نے اگر طلاق بائن کا اقرار کیا تو بائن ہوگئی۔

(۵) مہر بہرحال دینا ہوگا اور عورت پر فرض ہے کہ عدت اُسی مکان میں پُوری کرے۔

قال اللہ تعالٰی لا تخرجوھن من بیوتھن ولایخرجن الا ان یأتین بفاحشۃ مبینۃ۔[3]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم بیویوں کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ وُہ خود نکلیں اِلّا یہ کہ وُہ کھلے بندوں فحش کاری کریں۔(ت)

اس حالت میں تاختم عدت شوہر پر لازم ہوگا کہ اُسے نفقہ دے۔

(۶) ہرگز نہیں، سزا وہی ہے جو مطابق شرع ہے اور اس کے خلاف کی خواستگاری ناجائز۔

قال اللہ تعالٰی ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظّٰلمون۔[4]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو اللہ تعالٰی کے نازل کئے ہوئے پر حکم نہ کریں تو وہ لوگ ظالم ہیں۔(ت)

وقال اللہ تعالٰی وقد امروا ان یکفروا بہ۔[5]

اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو حکم دیا گیا کہ اس سے انکار کریں۔(ت)

(۷) زانی کے نکاح پر زنا سے کوئی اثر نہیں پڑسکتا مگر یہ کہ اُس سے مصاہرت ثابت ہو جیسے اپنی

---

[1] درمختار کتاب النکاح ۱/۱۹۰ و کتاب الحظروالاباحت ۲/۲۵۴ مجتبائی دہلی

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۹۶ و ۱۹۷

[3] القرآن الکریم ۶۵/۱

[4] القرآن الکریم ۵/۴۵

[5] 〃 〃 ۴/۶۰

زوجہ کی ماں یا بیٹی سے۔

(۸) اگر ان لوگوں نے زانی وزانیہ کی توبہ کے بعد ان سے میل جول کیا ہے تو اُن پر اس سے کچھ الزام نہیں اور اس بنا پر اُن کا حقہ پانی بند کرنا ناجائز ہے، اور اگر بغیر توبہ کے میل جول کر لیا تو بیجا کیا اس حالت میں بطور تنبیہ اُن کا حقہ پانی بند کرنے میں حرج نہیں، توبہ کے لئے اولیاء کا مواجہہ ضرور نہیں، ہاں بنظر حق العبد اُن کی معافی کی ضرورت ہے مگر بغیر اس کے جتنی توبہ کی ہے وہ بھی نامعقول سمجھی جائے، یہ محض باطل ہے۔ دیوبندی عقیدے والے خود مرتد ہیں اور اُن سے میل جول مطلق حرام۔ اس واقعہ پر اس کو بنا کرنا اور یہ نہ ہوتا تو اُن سے میل جول رکھنا جہل وضلالت ہے یونہی وُہ جو دیوبندیہ سے میل جول رکھتا ہو اگرچہ اپنے آپ کو سُنّی کہتا ہو سخت فاسق ہے اور مسلمانوں کو اس سے قطع تعلق لازم۔

قال اللہ تعالٰی ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم ظالم لوگوں کی طرف میلان نہ کرو ورنہ تمہیں آگ چھُوئے گی۔ (ت)

(۹) یہاں ترکِ تعلق کے سوا کوئی سزا جاری نہیں ہو سکتی اور زنائے زن سے شوہر پر کچھ الزام نہیں جبکہ وہ اس پر راضی نہ ہو۔

قال اللہ تعالٰی ولا تزر وازرۃ وزر اخرٰی[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی جان دوسرے کا بوجھ (گناہ) نہ اٹھائے گی (ت)

(۱۰) اگر وُہ زنا میں ساعی تھے یا بعد زنا بلا توبہ ان کے حامی ہوئے تو وہ بھی مستحقِ سزائے شرعی ہیں ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۵
۲۰ صفر ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں معنی کہ مثلاً زید کہ باخالد دوستی دارد و با زنِ او مرتکب فعل زنا شد و خالد ازیں امر کہ مکروہ تر و ناپسندیدہ تر نزد او بود رواداد تفضیح ورسوائے زید نشدہ و بدیں سبب کہ دوست او بود او را نزد قاضی برائے مواخذہ واجرائے حد شرع نہ برد بلکہ چشم پوشی کرد	علماء دین ومفتیانِ شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید خالد کا دوست تھا اور اس کی بیوی سے زید نے زنا کیا تو خالد اس بدترین فعل کے باوجود زید سے رواداری کرتے ہوئے اس کی ذلت ورسوائی کے درپے نہ ہُوا اور دوستی کی وجہ سے قاضی کے ہاں مواخذہ اور شرعی حد کے لئے اس کو پیش نہ کیا بلکہ چشم پوشی

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳
[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴ و ۳۵/ ۱۸

بکراہت تمام و بہمیں اکتفا کرد کہ الان او را از دوستی خود خارج کرد و زن خود را طلاق داد یا درصورتیکہ ایں زن توبہ کرد او را از زوجیت خود خارج نکرد پس ایں چشم پوشی خالد کہ نسبت زید واقع شد چگونہ است آیا داخل احسان و مروت است یا نے؟ بیّنوا توجروا۔

سے کام لیا اور انتہائی ناراضگی کے باوجود صرف اتنا کیا کہ اب زید سے دوستی ختم کردی اور اپنی بیوی کو طلاق دے دی، یا بیوی کی توبہ پر اس کو زوجیت سے خارج نہ کیا، زید کے بارے میں خالد کی یہ چشم پوشی کیا حیثیت رکھتی ہے؟ کیا اسے احسان و مروت قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔ (ت)

الجواب

برنسبت زید احسان بودنش خود پیدا است و اگر با وصف غیرت محمودہ شرعیہ محض بہ نیت پردہ پوشی مسلمانان صبر وستر پیش گرفت خود داخل فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ[1] ست۔ و اللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

زید پر احسان ہونے میں کیا شک ہے اور اگر شرعی طور پر پسندیدہ غیرت رکھتے ہوئے مسلمان کی پردہ پوشی کی نیت سے صبر کرتے ہوئے درگزر کیا تو اللہ تعالٰی کے اس ارشاد میں داخل ہے "جس نے معاف کیا اور اصلاح کی کوشش کی تو اس کا اجر اللہ تعالٰی کے کرم پر ہے۔" واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۶: از سیتا کلاں پرگنہ نواب گنج ضلع بریلی مرسلہ سید زائر حسین ٹھیکیدار ۲۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

السلام علیکم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت قبل شوہر کسی غیر مرد سے اپنے خاوند کے نزدیک مشکوک ہوئی اور مرد کہتا ہے کہ میں نے فعل حرام کیا اور عورت کہتی ہے کہ نہیں، لہذا ہر دو شخص مسلمان میں، فاعل از روئے حلف کہتا ہے کہ میں فعل شنیعہ کا مرتکب ہُوا اور مفعول کہتا ہے کہ نہیں بلکہ اس کا ایسا ارادہ تھا چونکہ مطلب برآری نہیں ہُوئی بدیں وجہ ناحق الزام لگاتا ہے، اب ایسی صورت میں جب فاعل مفعول دونوں محلف بکلام الٰہی ہیں تو کس کا اعتبار کیا جائے، میرے نزدیک دونوں شخص مکر کے پھرتے ہیں اور دونوں حلف اُٹھاتے ہیں ایسی صورت میں فاعل سچا یا مفعول سچا یا کیا؟

الجواب

وعلیکم السلام، وُہ مرد عورت دونوں اپنے اپنے حق میں سچّے مانے جائیں گے اور دوسرے کے

---

[1] القرآن الکریم ۴۲/۴۰

حق میں جھوٹے، عورت جو انکار کرتی ہے سچ کہتی ہے اُسے جو فقط بربنائے قولِ مرد زنا کی تہمت لگائے گا سخت گنہگار اور اسّی کوڑوں کا سزاوار ہوگا۔ مرد جو اپنے زنا کا اقرار کرتا ہے اسے زانی مانا جائے گا، اسلامی سلطنت ہوتی تو سزا پاتا، اب اسی قدر ہو سکتا ہے کہ اسے برادری سے خارج کیا جائے، مسلمان اس سے میل جول چھوڑ دیں جب تک علانیہ توبہ نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۶۷ ذوالفقار گنج شہر بریلی مسئولہ بابو مورخہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دربارۂ زید مقدمہ زنا میں بروقت اطلاع یابی مقدمہ اہل برادری نے چند پنچوں اہل برادری کو برائے تفتیش مقدمہ خاص موقع متنازعہ پر بھیجا موقع پر پہنچ کر تمام سکنائے اہل محلہ سے دریافت کیا تو معلوم ہُوا کہ درحقیقت یہ امر صحیح ہے، بدیں وجہ ہمارے یہاں سے خورد ونوش نشست و برخاست بند ہے لہٰذا بیان ملزمان وشہادت باظہار حلفی گواہان مندرجہ ذیل بخدمت شرع شریف پیش ہے کیا حکم ہے؟ اور ہم لوگوں کو کیا عمل کرنا چاہئے؟ بیّنوا توجروا۔

(۱) بیان زید کے لڑکے کی زوجہ کا میرے بارہ میں سب لوگ غلط بیان کرتے ہیں میں نے کسی سے کچھ نہ کہا۔

(۲) ازطرف گواہان عزیز واقربا: واضح ہو کہ زید کے لڑکے کی زوجہ باقرارِ زنا اس وجہ سے انحراف کرتی ہے کہ اہل برادری نے ملزمان کو تاکیداً منع کر دیا تھا کہ ہرگز اس خسرے کوئی تعلق نہ رکھنا مگر باوجود منع کرنے کے ملزمہ پھر اپنی خوشدامن وخسر کے عدم موجودگی اپنے شوہر کے چلی آئی، معلوم ہوتا ہے کہ بخوبی سکھلا پڑھا دی گئی بدیں وجہ یہ انحراف ہے۔

(۳) شہادت باظہار حلفی حافظ عبدالرحمٰن صاحب: زید کی زوجہ کی زبانی معلوم ہُوا کہ میرا شوہر زید لڑکے کی بیوی کی چھاتی پکڑتا تھا میں نے منع کیا چھاتی کیوں پکڑتا ہے تجھ کو شرم نہیں معلوم ہوتی؟ جواب دیا میرا مال ہے، میں نے بافسوس کہا کہ میرا لڑکا اس بہو نے تو لیا مگر میرا شوہر بھی چھین لیا، یہ ایسی بہو تھی جبکہ یہ واقعہ زید کے لڑکے کے سامنے بیان کیا تو اُس نے خاموشی اختیار کی۔

(۴) باظہار حلفی منشی نبی بخش صاحب پابند صوم وصلوٰۃ: میں نے اپنے کانوں سے سُنا کہ زید کی زوجہ اپنے گھر میں زید سے بغصّہ کہتی تھی کہ تم لڑکے کی زوجہ کی چھاتی کیوں پکڑتے ہو تم کو کیا حاصل ہے تم کو شرم نہیں آتی؟ زید نے جواب دیا ہمارا مال ہے ہم کو اختیار ہے۔ بعدہٗ زید کی زوجہ میرے مکان پر میری زوجہ کے پاس آئی تو اس وقت اس سے دریافت کیا کہ روزانہ تمہارے گھر کیا جھگڑا فساد رہتا ہے؟ جواب دیا کہ اس میرے لڑکے کی بیوی نے لڑکے کو تو لیا مگر میرے خاوند کو بھی چھین لیا ضرور ایک دن خُونریزی ہوگی۔

(۵) بیان محمد بخش صاحب: بموجب منشی نبی بخش صاحب کہ فی الواقع صحیح ہے بلکہ ایک دن ایسا اتفاق

ہُوا کہ زید نے اپنی نواسی کو جو کہ زید کے پاس بیٹھی تھی اُٹھا دیا صرف موقع خالی ہونے کی وجہ سے لڑکی نے اپنی نانی سے شکایت کی کہ مجھ کو نانا نے اپنے پاس سے اُٹھا دیا، بعدہٗ زید کے لڑکے کی بیوی کی چھاتی وغیرہ پکڑی، زید کی زوجہ نے کہا کہ اب ہم کو بخوبی معلوم ہوگیا کہ لڑکے کی بی بی تمھاری بی بی ہے تب سے تو یہ دونے مٹھائی وغیرہ خوب اُڑائی جاتی ہے کیوں؟ بہو تو دونے مٹھائی وغیرہ اُڑاتی ہے نا!

(۶) بیان شیخ جی صاحب تصدق حسین، میری زوجہ نے لعل محمد کے گھر میں کی چھت پر سے اپنے لڑکے کی زوجہ سے بچشم خود زنا کرتے دیکھا۔

(۷) بیان خیالی رام: میں نے اپنے کانوں سے سُنا کہ زید اپنے لڑکے کی زوجہ کو اپنی طرف بلاتا ہے اور زید کی زوجہ غصہ ہو کر کہتی ہے کہ میں تمھاری بی بی ہُوں وُہ بھی تمھاری بی بی ہے؟ زید جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ہمارا مال ہے ہم کو اختیار ہے۔

(۸) بیان حلفی گردھاری لال: میں نے بچشم دیکھا کہ زید اپنے لڑکے کی زوجہ کو زبردستی ہاتھ پکڑ کر اندر مکان کے لے گیا وہ ہر چند منع کرتی رہی کہ چپ کیا کرتے ہو، مگر ہرگز نہ مانا۔

(۹) بیان حلفی رحمت حسین چچا کریم بخش دختر کے دادا: بزبانی لڑکی ہم کو یہ معلوم ہُوا کہ میری توشدامن کی عدم موجودگی میں میرے خسر نے بوقت بارہ بجے دن کے جبکہ میں روٹی پکاتی تھی مجھ کو اپنے پاس بُلا کر زبردستی کی اور گالی وغیرہ دی، قریب ایک گھنٹہ مجھ کو اپنے پاس کھڑا کیا اور میرے ہاتھ میں کاٹا، بعدہٗ مجھ سے بوس کنار کیا، میں نے بجواب صرف اتنا کہا مگر دیگر رشتہ داروں سے صاف صاف کما حقہٗ بیان کیا کہ میرے خسر نے مجھ سے زنا کیا۔ ہم کو کافی یقین ہوگیا کہ درحقیقت صحیح ہے بدیں وجہ ہم کو سخت رنج و ملال ہوا رشتہ دار گواہ موجود ہیں۔

(۱۰) بیان حلفی مسماۃ غفورن: میرے گھر سب کے سامنے بیان کیا کہ میرے خسر نے مجھ کو دو گھنٹہ ڈانٹ ڈپٹ کی اور مجھ کو اپنے سامنے کھڑا کیا بعدہٗ میرے ساتھ زنا کیا۔

(۱۱) بیان حلفی گلشن بھوپا صاحب، جبکہ ہم نے دریافت کیا اور کہا کہ سچ کہو یہ کیا قصہ پھیلا ہوا ہے تو اُس نے کہا کہ واقعی میرے خسر نے میرے ساتھ زنا کیا۔

اب صورتِ مذکورہ بالا میں زنا ثابت ہُوا یا نہیں؟ اور یہ عورت زید کے لڑکے پر حلال رہی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ایسے بیہودہ بے معنی و بے اصل گواہوں سے زنا تو قیامت تک ثابت نہیں ہوسکتا جب تک

چار مرد عاقل بالغ مسلمان پرہیزگار دیندار جو کسی کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہوں نہ کسی صغیرہ پر اصرار رکھتے ہوں نہ خفیف الحرکات ہوں حلف شرعی کے ساتھ شہادت دیں، اُنھوں نے ایک وقت معیّن میں زید کو ہندہ کے ساتھ زنا کرتے ہُوئے اپنی آنکھ سے یُوں مشاہدہ کیا جیسے سُرمہ دانی میں سلائی، اس وقت تک زنا شہادت سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ ان شرطوں میں ایک بات بھی کم ہوگی تو خود گواہی دینے والے شرعاً اسّی اسّی کوڑوں کے مستحق ہوں گے مثلاً تین مسلمان پرہیزگار دیندار نے ویسی گواہی کہ سُرمہ دانی میں سلائی کی طرح ہم نے اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا اور چوتھے نے یہ گواہی دی کہ میں نے دونوں کو سراپا برہنہ ایک پلنگ پر بیٹھے ہوئے اور باہم لپٹے ہوئے دیکھا زنا ثابت نہ ہوگا اور پہلے تین کو اسّی اسّی کوڑوں کا حکم ہوگا یا چاروں مرد مسلمان عاقل بالغ پرہیزگار دیندار نے گواہی دی کہ ہم نے اپنی آنکھ سے سُرمہ دانی میں سلائی کی طرح دیکھا مگر دو نے کہا کل دیکھا، دو نے کہا آج، یا تین نے کہا صبح دیکھا اور ایک نے کہا تیسرے پہر سب کی گواہیاں مردود، اور زنا ثابت نہیں۔ اور سب پر اسّی اسّی کوڑوں کا حکم ہوگا۔ ایسی سخت شہادت کا معاملہ وُہ ان ناپاک وبیہودہ گواہوں سے ثابت ہوسکتا ہے جن میں خیالی رام وگردھاری لال تک موجود ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور عورتوں کی گواہیاں زنا کے بارے میں مطلق مردود ہیں اگرچہ تین مردوں کے ساتھ نو عورتیں گواہ ہوں، باقی دو ایک میں وہ سُنی سنائی گواہی دو کوڑی کے مال میں بھی مقبول نہیں نہ کہ زنا میں، جتنے گواہان مذکور ہیں سب پر توبہ فرض ہے اور کوڑے تو اسلامی سلطنت میں ہوتے، غرض زنا تو بالائے طاق رہا، اب اتنی بات کہ زید کا اپنی بہو سے بارادہ فاسد مثلاً بوس وکنار کرنا جس سے وُہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہوجائے، ان گواہوں سے اصلاً اس کا بھی کہیں ثبوت نہیں سب سُنی سنائی کہتے ہیں کوئی زوجہ زید کی زبانی کوئی اس کی بہو کی زبانی، صرف ایک نبی بخش کی گواہی اتنی ہے کہ اُس نے اپنے کان سے زید کو جواب دینے میں سُنا کہ میرا مال ہے اور ممکن ہے کہ محمد بخش نے بھی ایسا ہی کہا ہو کہ اُس کی گواہی کو مثل نبی بخش کہا ہے، یہ دو شخص پرہیزگار قابل قبول شرع ہوں بھی تو سائل نے بیان کیا کہ ان دونوں سے پردہ ہے اُنھوں نے سُنا تو باہر سے سُنا، اور باہر سے سُنی ہُوئی گواہی مردود ہے لان النغمۃ تشبہ النغمۃ کما فی العٰلمگیریۃ[1] وغیرہا (آواز، دوسری آواز کے مشابہ ہوسکتی ہے جیسا کہ عالمگیری وغیرہ میں ہے۔ ت) تو اتنی بات بھی اصلاً ثابت نہیں اور وُہ عورت اپنے شوہر پر حلال ہے ہاں اگر شوہر خود تصدیق کرے کہ اُس کے باپ نے اُس کی عورت کے ساتھ بدنیتی سے کچھ افعال مثل بوس وکنار کئے تو البتہ عورت اس پر حرام مانی جائے گی کہ اُس نے اُس کا حرام ہونا تسلیم کیا اُس پر لازم ہوگا کہ عورت کو فوراً چھوڑ دے اور پھر کبھی اس سے نکاح نہ کرسکے گا، اور اگر شوہر تصدیق نہ کرے تو کچھ نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴۵۲/۲

مسئلہ ۲۶۸ محمد اختر حسین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام محلہ سوداگران ۱۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کافرہ عورت کے ساتھ اگر کوئی شخص زنا کرے مع اس کی رضا کے، اور خوف شر کا بھی نہ ہو، ایسی حالت میں کیا حکم ہے اور جو شخص اس امر کے جواز کا قائل ہو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زنا حرام ہے اور کافرہ ذمیہ کے ساتھ زنا کے جواز کا قائل ہو تو کفر ہے ورنہ باطل و مردود بہرحال ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۹ شہر بریلی محلہ ذخیرہ مسئولہ حبیب اللہ صاحب حجام ۵ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بی بی اپنے بہنوئی کے تنہا ہونے کی وجہ سے اپنی بہن کے فوت ہوجانے کے بعد اس کو روٹی وغیرہ تیار کرکے اس کو ہر طرح کا عیش آرام دیتی رہی، چند روز کے بعد بہنوئی کی دلی محبت پیدا ہوگئی۔ ایک روز زید نے اپنی بی بی کو بہنوئی سے ہم بستر دیکھ کر اپنے مکان پر آنے سے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا تب زید نے اپنے محلہ والے اور برادری والوں کو جمع کرکے حلف اٹھوایا اور لعنتی طور پر سمجھایا، اس کے بہنوئی نے قسم کھائی کہ اگر میں نے آج تک اس کے ساتھ برا کام کیا ہو تو اپنی ماں بہن اور لڑکی کے ساتھ برا کام کیا ہو چند روز کے بعد رات کے بارہ یا ایک بجے پر خود چشم دید خوب اچھی طور پر دیکھتا رہا مگر بسبب مجبوری کے اس سے کچھ نہ کہہ سکا، زید نے مجبور ہوکر دوبارہ محلہ والوں کو اور برادری والوں کو جمع کرکے طلاق دے دی، اس کے دو تین روز کے بعد اپنے بہنوئی کے یہاں چلی گئی، ابھی تک کسی کو دونوں کا نکاح ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے برادروں نے اس کے کنبہ والے اور عورت کو اور اس کے بہنوئی کو برادری سے علیحدہ کردیا، اگر اس کے کنبے والا یا اس کا برادری والا اس کے شریک ہوں تو شرع شریف ان کے بارے میں کیا کہتی ہے؟

الجواب

عورت اور اس کے بہنوئی پر توبہ فرض ہے اور عدت کے اندر اس کا چلے جانا یہ دوسرا حرام تھا اس پر فرض ہے کہ عدت اپنے شوہر کے یہاں پوری کرے اگر نہ مانے تو برادری سے جو سزا اسے دی گئی ہے ضرور قائم رکھی جائے کہ اس ملک میں یہی سزا باقی ہے نیز اس کا بہنوئی اگر توبہ نہ کرے تو اس پر بھی یہی حکم ہے بعض لوگ کہ اس سزا کو توڑیں وہ مصلحت شرعیہ کے مخالف ہوں گے اور ان کے فعل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک یہ سزا جو یہاں ہاتھ میں رہ گئی ہے یہ بھی اٹھ جائے اور پنچایتی قوموں کے لوگ بھی اوروں کی طرح ہر گناہ میں آزاد ہوجائیں یہ خود جرم ہے اور مجرموں کی حمایت، لہذا اگر باز نہ آئیں تو یہ بھی برادری سے خارج

کرنے کے قابل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷۰: شہر شاہجہان پور تارین گلی بر مکان حضرت قاری صاحب مرحوم مولوی حکیم سید محمد آزاد یزدانی حضرت شاہجہان پوری ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محرماتِ ابدی یعنی ماں بہن وغیرہ سے جان بوجھ کر نکاح اور صحبت کرے تو اس پر حدِ شرعی نہیں آتی۔ یہ مسئلہ ہدایہ جلد ۱ ص ۴۹۶، کنز اردو ص ۱۷۵، ہدایہ مترجم فارسی جلد ۲ ص ۴۴ میں ہے۔ آیا یہ مسئلہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب

گناہ تین قسم ہیں:

ایک ہلکے کہ حد کی حد تک نہ پہنچے جیسے اجنبیہ سے بوس وکنار، ان پر حد مقرر نہیں ہوگی کہ ان کی مقدار سے زیادہ ہے، اور مولیٰ عزوجل اس سے پاک ہے کہ کسی مجرم کو اس کی حدِ جرم سے زیادہ سزا دے۔ ایسے گناہوں پر تعزیر رکھی جاتی ہے۔

دوسرے وہ اخبث درجے کے گناہ کہ حد کی حد سے گزرے ہوئے ہیں جیسے صورۃ مذکورۂ سوال۔ ان پر بھی حد نہیں رکھی جاتی کہ حد اس گناہ سے پاک کرنے کی ہوتی ہے اور ایسا خبیث گناہ اس حد سے پاک نہیں ہوتا۔

تیسرے متوسط درجہ، ان پر حدود ہیں۔ اس کی نظیر پیشاب اور شراب، پیشاب شراب سے خبیث تر ہے کہ کبھی شریعت میں اس کی ایک بوند حلال یا طاہر نہ ٹھہر سکی بایں ہمہ شراب پینے پر حد ہے اور پیشاب پینے پر حد نہیں، یونہی اجنبیہ سے زنا پر حد ہے اور محارم سے نکاح پر نہیں کہ وہ خبیث کام ہے جسے حد سنبھال نہیں سکتی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷۱: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ ضلع ایٹہ مسئولہ سید غلام شبر ۲۰ رمضان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بیوہ زنِ پارسا مکان سے تفریحاً شب ماہ میں بین المغرب والعشاء دروازہ کے سامنے مشرق ومغرب پچاس قدم کے فاصلہ سے اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ ٹہلتی تھی اور ہندہ کا چچازاد بھائی زید بھی ساتھ تھا ہندہ نے جبکہ آگے شارع عام کی طرف بڑھنے کا قصد کیا تو زید مانع ہوا اور کہا مردانہ مکان ہے یہ مقام شارع عام ہے بس آگے نہ جائیے اندر زنانے میں چلئے، یہ کہہ کر زید نے ہندہ کے پس پشت سے ہندہ کے بازو پکڑ کر دروازے کی طرف پھیر دیا، ہندہ نے زید کے کلام کی تردید کی اور چند قدم مردانے مکان کی طرف جاکر پھر از خود زنانے مکان میں چلی گئی، چند روز بعد جبکہ ہندہ سے کئی نامشروع حرکات سرزد ہوچکیں اور زید پھر مانع ہوا اس وقت ہندہ نے اس کا اظہار کیا کہ زید نے بھی فلاں روز میرے جسم کو بدنیتی سے

ہاتھ لگایا تھا یعنی مذکورِ بالا واقعہ کا اظہار کیا، زید نے جواب دیا کہ میری روک ٹوک یا جسم کو ہاتھ لگانا واللہ باللہ کسی بدنیتی سے نہ تھا اگر آپ کے نزدیک وہ بدنیتی تھی یا اب ہے تو میں ضرور مستحقِ سزا ہوں آپ یا تو مجھے معاف فرمائیں یا از روئے کتاب وسنّت سزا دیں مجھے ہرگز عذر نہیں کہ میرا ہر امر آپ کے متعلق کتاب وسنّت کے خلاف نہ تھا اور نہ ہے اور نہ ہوگا ان شاء اللہ تعالٰی۔ اب ہندہ کو پُورا گمانِ بد زید کی جانب ہے لہٰذا جواب عطا ہو کہ زید کا یہ فعل و نیت ظاہری اور ہندہ کی یہ حرکت و تردید کتاب وسنّت میں کیسی ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مذکورہ میں ہندہ کا گناہگار و بیحیا ہونا ظاہر ہے، رہا زید بیان مذکور سے اس کا اصل مقصود ہندہ کو بُری بات سے منع کرنا اور بیحیائی سے روکنا معلوم ہوتا ہے اس پر وہ مستحقِ اجر ہے نہ کہ سزاوار سزا وزجر۔ پھر اس کا پس پشت سے ہندہ کے بازو پکڑ کے شارعِ عام سے مکان کی طرف پھیر دینا اگر اس طرح ہو کہ اس کے ہاتھوں اور ہندہ کے جسم میں موٹا کپڑا حائل تھا کہ جسمِ ہندہ کی گرمی اس کے ہاتھوں کو پہنچنے سے مانع ہوا جب تو اس پر کچھ الزام نہیں اور اگر ایسا نہ تھا بلکہ ہندہ کے کسی حصّہ جسم کو اس کا ہاتھ بلا حائل پہنچا یا حائل باریک تھا کہ گرمی محسوس ہونے سے مانع نہ ہوا تو بیشک زید پر الزام ہے اور اس پر توبہ فرض، اُسے چاہئے تھا کہ زبانی ممانعت پر قناعت کرتا یا موٹا کپڑا حائل رکھ کر پھیرتا یا اگر وہ بغیر اس کے نہ مانتی پھر بھی وہ بدنیتی جس کا ہندہ اتہام رکھتی ہے ثابت نہیں، یہ بھی اس کے افعالِ شنیعہ سے ایک فعل ہے کہ مسلمان پر تہمت رکھتی ہے، اُس کے اقارب پر اس کا بندوبست لازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۲: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ ضلع ایٹہ مسئولہ سید غلام شبّر ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید زنِ شوہردار سے کہ اُس کی بھاوج ہے مزاح کرتا ہے اور فحش مزاح اور ہاتھا پائی کو بھی جائز رکھتا ہے بلا وسواس موقع بے موقع اس کے جسم کو ہاتھ لگانا مَس کرنا روا جانتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا یہ فعل مزاحًا ہے کہ میں اس کے شوہر کے رُوبرو بھی ایسا ہی مذاق کرتا ہوں اور مذاق میں زید زنِ مذکور کی ٹانگیں پکڑ کر ایک پلنگ سے دوسرے پلنگ پر اور دوسرے سے تیسرے پلنگ پر گھسیٹتا ہے اور اقربائے فریقین بھی اس کو دیکھ کر کچھ بھی تعرض نہیں کرتے تو کیا شرعًا یہ حرکت اور اقربا کا سکوت جائز ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ حرکات حرام ہیں اور ایسا مزاح ابلیسی مزاح ہے اور اگر شوہر واقعی دیکھتا اور اس پر راضی ہوتا ہے یا بقدرِ قدرت منع نہیں کرتا تو دیّوث ہے اور دیّوث پر جنّت حرام ہے، نیز اقارب فریقین منع نہیں کرتے

شریکِ گناہ و مستحقِ عذاب ہیں،

قال اللہ تعالٰی کانوا لایتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ماکانوا یفعلون[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: وُہ ان بدکرداروں کو بُرائی سے منع نہ کرتے تھے البتہ جو وُہ کرتے تھے بہت بُرا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۳ ازموضع علی پور ضلع پٹیرا مسئولہ منصب علی صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نابالغ یا بالغ نے بکری یا گائے یا بھینس کے ساتھ مجامعت کی اس شخص کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ اور نیز اس جانور کا گوشت کھانا یا پالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

نابالغ کو تنبیہ کریں بالغ پر تعزیر ہے جس کا اختیار حاکم کو ہے، وُہ جانور ذبح کرکے فنا کردیا جائے، گوشت کھال جلائیں، پالا نہ جائے۔ درمختار میں ہے:

لایحد بوطئ بھیمۃ بل یعزر وتذبح ثم تحرق ویکرہ الانتفاع بھا حیۃ ومیتۃ مجتبٰی[2]۔

حیوان سے بدفعلی پر حد نہیں ہے بلکہ اس پر تعزیر لگائی جائے اور جانور کو ذبح کرکے جلا دیا جائے کیونکہ اس جانور مُردہ یا زندہ سے انتفاع حاصل کرنا مکروہ ہے، مجتبٰی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذا اذا کانت مما لایؤکل فان کانت تؤکل جاز اکلھا عندہ وقالا تحرق ایضا زیلعی ونھر[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ حکم اس جانور کے متعلق ہے جس کو کھایا نہیں جاتا، اور اگر اس کو کھایا جاتا ہو تو کھانا جائز ہے امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا اسکو جلا بھی دیا جائے، زیلعی و نہر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۴ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ ایسے شخص سے ملنا اور

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۷۹

[2] درمختار باب الوطئ الذی یوجب والذی لایوجبہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۰

[3] ردالمحتار 〃 〃 〃 〃 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۵۵

راہ ورغبت کرنا کیسا ہے جو باوجود تنبیہ لوگوں کے اپنی بہن بھانجی زانیہ کو اپنے گھر سے نہیں نکالتا ہے اور نہ اُس سے ملنا ترک کرتا ہے اور ایک بار حلف بھی اُٹھا چکا ہے کہ نہیں ملوں گا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس شخص پر اتنا واجب ہے کہ اُس عورت کو سمجھائے فہمائش کرے، اگر کسی سختی جائز پر قدرت رکھتا ہو اُسے بجالائے، جو بندوبست اس کے ہاتھ میں ہو اُس میں کوتاہی نہ کرے، اگر یہ شخص سب باتیں کرتا ہے اور وہ باز نہیں آتی تو اُس کا وبال اُسی پر ہے اس پر کچھ نہیں کہ اللہ تعالٰی ایک کے گناہ میں دوسرے کو نہیں پکڑتا۔

قال تعالٰی ولا تزر وازرۃ وزر اخرٰی[1]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی جان دوسرے کا بوجھ (گناہ) نہیں اٹھائے گی۔ (ت)

اور اگر یہ شخص اُس کی اس حرکت پر ناراض ہے مگر فہمائش وغیرہ میں کمی کرتا ہے تو گنہگار ہوگا کہ نیک بات کا حکم دینا اور بُری بات سے روکنا جہاں تک اپنی قدرت میں ہو مسلمان پر ضرور ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من رأی منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذٰلک اضعف الایمان[2]۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم میں سے کسی بُرائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹائے اور اگر ہاتھ سے طاقت نہ ہو تو زبان سے اگر اس سے بھی طاقت نہ رکھے تو پھر دل سے بُرا جانے، اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔ (ت)

مسلمان اسے فہمائش کریں اور اگر یہ شخص ان حرکات پر راضی ہو تو معاذ اللہ دیوث ہے مسلمان اُسے سمجھائیں، اگر باز نہ آئے تو اس سے میل جول چھوڑ دیں،

فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظّٰلمین[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (اللہ تعالٰی نے فرمایا) نصیحت یاد آنے کے بعد پھر ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴ و ۳۵/ ۱۸
[2] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱
[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسئلہ ۲۷۵: از ڈیرہ غازی خاں بلاک ۱۲ مرسلہ مولوی احمد بخش صاحب ۲۱ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

حضرت ملک العلماء والفضلاء ثقتی و رجائی ادام اللہ تعالٰی ظلہ علٰی رؤس المستفیضین، نیاز بے انداز و شوق زیارت کے بعد جن کا کوئی حد انداز نہیں۔ گزارش اس پہاڑی علاقہ میں بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ زانی و مزنیہ کو زنا کی حالت میں قتل کر ڈالتے ہیں، اور بعض واقعات یہ ہیں کہ جب اُن کے نزدیک عورت کا کسی بیگانہ کے ساتھ بیٹھا ہوا یا آتا جاتا ہوا دیکھتے ہیں تو پہلے چند مرتبہ اُسے منع کرتے ہیں اور اس کے باز نہ رہنے کے بعد اس عورت کو قتل کردیتے ہیں اور اگر کرسکتے ہیں تو اُس شخص بیگانہ کو بھی نہیں چھوڑتے، بموجب شرع شریف ان دونوں صورتوں میں قاتل گنہگار رہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جناب مولٰنا المکرم ذی الفضل الاتم والمجد الاکرم دامت مکارمہم، اس سلسلہ میں اضطراب کثیر ہے اور وہ جو فقیر کو کتب معتمدہ و دلائل شرعیہ سے تحقیق ہوا یہ ہے کہ صورت ثانیہ میں ان مرد و زن کا قتل محض حرام ہے، فقط آنے جانے اُٹھنے بیٹھنے کی سزا شریعت نے بھی قتل نہ رکھی، نہ اس قدر خلوت کو مستلزم، اور حق یہ کہ مجرد خلوت بلکہ دواعی پر بھی شرع مطہر نے قتل نہ رکھا اور سیاست کا اختیار غیر سلطان کو نہیں بلکہ سلطان کو بھی علی الاطلاق نہیں کل ذٰلک معلوم من الشرع بلاخفاء (یہ سب کچھ شرع سے بلاخفاء معلوم ہے۔ت)

لاجرم یہ ناحق قتلِ مسلم ہوا اور وہ سخت کبیرہ شدیدہ ہے اور قاتل پر قصاص عائد۔ صورتِ اولٰی میں بھی حکم مطلق نہیں بلکہ واجب کہ پہلے زجر و ضرب و قہر کریں اگر جُدا ہوجائیں تو اب عامہ کو اس کا قتل حرام ہے، ہاں شہاداتِ اربع گزریں یا مروجہ شرعی چار مجلسوں میں چار اقرار ہوں تو اُن میں جو محصن ہو سلطان اُسے رجم فرمائے گا، نہایہ امام سغناقی پھر عالمگیریہ میں ہے:

سئل الھندوانی رحمہ اللہ تعالٰی عن رجل وجد مع امرأتہ رجلا ایحل لہ قتلہ قال ان کان یعلم انہ ینزجر عن الزناء بالصیاح والضرب بمادون السلاح لایحل وان علم انہ لاینزجر الا بالقتل

امام ہندوانی سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر کو بدفعلی کرتے ہوئے موقعہ پر پائے تو اس کو جائز ہوگا کہ اس غیر مرد کو موقعہ پر قتل کردے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا اگر خاوند کو یقین ہو کہ یہ زانی شور مچانے یا پٹائی کرنے سے باز آجائے گا تو قتل کرنا حلال نہ ہوگا اور اگر خاوند کو یقین ہو کہ ڈانٹ ڈپٹ سے باز نہ آئے گا بلکہ قتل

حل له القتل وان طاوعته المرأۃ حل له قتلها ایضاً[1] کذا فی النہایۃ۔

ضروری ہے تو قتل کرنا حلال ہوگا، اور اگر بیوی کی مرضی اس میں شامل ہے تو اس کو بھی قتل کرنا ہوگا جیسا کہ نہایہ میں ہے۔ (ت)

اور اگر نہ مانیں تو اس صورت میں اگرچہ زانی کو مطلقاً اور عورت کو بھی اگر مکرہ نہ ہو صرف عین حالتِ اشتغال میں نہ بعد اس سے فراغ کے قتل ازالۂ منکر ہے اور اس کے لئے سلطان ہونا شرط نہیں۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ[2] الحدیث۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جو تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے۔ الی آخر الحدیث۔ (ت)

پھر ہندیہ میں ہے:

قالوا لکل مسلم اقامۃ التعزیر حال مباشرۃ المعصیۃ اما بعد المباشرۃ فلیس ذٰلک لغیر الحاکم قال فی القنیۃ رای غیرہ علی فاحشۃ موجبۃ للتعزیر فعزرہ بغیر اذن المحتسب فللمحتسب ان یعزر المعزر ان عزرہ بعد الفراغ منہا[3]۔

فقہاء نے فرمایا: گناہ میں مصروف کو روکنے کے لئے ہر مسلمان کو تعزیر کا حق ہے، لیکن گناہ سے فراغت کے بعد کسی پر تعزیر لگانا صرف حاکم کا حق ہے۔ قنیہ میں فرمایا: کسی غیر کو ایسے گناہ میں مصروف پایا جس پر تعزیر واجب ہوسکتی ہے تو محتسب کی اجازت کے بغیر تعزیر لگائی تو جائز ہے اور اس گناہ سے فراغت کے بعد تعزیر لگانے والے کو محتسب چاہے تو تعزیر لگا سکتا ہے۔ (ت)

مگر یہ امر فیما بینہ وبین اللہ ہے حاکم نہ مانے گا اور جب تک بینۂ عادلہ سے ثبوت نہ دے اُسے قتل کریگا یا اگر مقتول معروف ومشہور بخباثت وشرور وعادت زنا وفجور ہے قاتل سے اس کا خوں بہا لے گا۔ درمختار میں ہے:

الاصل ان کل شخص رای مسلما یزنی ان یحل له قتله وانما یمتنع خوفا من ان لایصدق انه زنی[4]۔

قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کو زنا میں مصروف پائے تو ہر شخص کو اُسے قتل کرنا حلال ہے اور اس خوف سے کہ قتل کے بعد قاضی کے ہاں اس کا زنا ثابت نہ کر سکے گا قتل سے باز رہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ | فصل فی التعزیر | نورانی کتب خانہ پشاور | ۲/ ۱۶۷

[2] صحیح مسلم | کتاب الایمان | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/ ۵۱

[3] فتاوٰی ہندیہ | فصل فی التعزیر | نورانی کتب خانہ پشاور | ۲/ ۱۶۷

[4] درمختار | باب التعزیر | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۳۲۶

ردالمحتار میں ہے:

عزاہ بعضھم الی جامع الفتاوٰی و حدود البزازیۃ وحاصلہ انہ یحل دیانۃ لاقضاء فلایصدقہ القاضی الا ببینۃ والظاھر انہ یأتی ھنا التفصیل المذکور فی السرقۃ وھو ما فی البزازیۃ وغیرھا ان لم یکن لصاحب الدار بینۃ فان لم یکن المقتول معروفا بالشر والسرقۃ قتل صاحب الدار قصاصًا وان کان متھما بہ فکذلک قیاسا وفی الاستحسان تجب الدیۃ فی مالہ لورثۃ المقتول لان دلالۃ الحال اورثت شبہۃ فی القصاص لا فی المال۔[1]

اس بات کو بعض نے جامع الفتاوٰی اور بزازیہ کے باب الحدود کی طرف بھی منسوب کیا ہے، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ بات دیانۃً جائز ہے قضاءً نہیں، لہذا قاضی زنا کو بغیر گواہی کے تسلیم نہ کرے گا، اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں وہ تفصیل مراد ہوگی جو سرقہ کے باب میں بیان ہوئی ہے اور وہ بزازیہ وغیرہ میں یوں ہے (گھر والے نے چور کو موقعہ پر قتل کر دیا) تو گھر والے کے پاس چوری پر گواہ نہ ہوں اور وہ مقتول جرائم اور چوری میں مشہور بھی نہ ہو تو قاضی قاتل کو قصاص کے طور پر قتل کرے گا، اور مقتول چور اگر چوری میں مشہور ہے تو قیاس پھر بھی یہی حکم کرتا ہے جبکہ استحسان یہ ہے کہ اس صورت میں گھر والے قاتل کو قتل کی بجائے دیت لازم ہوگی جو مقتول کے ورثاء کو دینی ہوگی کیونکہ موقعہ نے قصاص کے متعلق شبہہ پیدا کیا جس کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے گا لیکن مالی سزا یعنی دیت میں شبہہ پیدا نہ کیا۔(ت)

یہ ہے وہ جو فقیر کے نزدیک منقح ہوا،

وھا انا اذکر لکم فی الدر المختار و ما عارضہ بہ فی ردالمحتار و ما تکلمت علیہ فی جد الممتار لیتجلی الامر جلاء النھار و ما توفیقی الا بالعزیز الغفار قال فی تنویر الابصار والدر المختار (ویکون) التعزیر (بالقتل

اور اب میں آپ کو درمختار اور اس پر ردالمحتار نے جو معارضہ پیش کیا اور پھر میں نے جدالممتار میں جو اس پر کلام پیش کیا ہے، پیش کرتا ہوں تاکہ روزِ روشن کی طرح معاملہ واضح ہوجائے جبکہ مجھے صرف اللہ تعالٰی سے توفیق حاصل ہوئی، تنویر الابصار اور درمختار میں فرمایا: (تعزیر کے طور پر قتل کی صورت یہ ہے) مثلاً

---

[1] ردالمحتار باب التعزیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۰

كمن وجد رجلا مع امرأة لا تحل له
ولو اكرهها فلها قتله ودمه هدر
وكذا الغلام وهبانية (ان كان
يعلم انه لا ينزجر بصياح و
ضرب بما دون السلاح والا)
بان علم انه ينزجر بما
ذكر (لا) يكون بالقتل (وان
كانت المرأة مطاوعة قتلهما)
كذا عزاه الزيلعي للهندواني
ثم قال (و) في منية المفتي
(لو كان مع امرأته و
هو يزني بها او مع محرمه
وهما مطاوعان قتلهما
جميعا) اھ واقره في الدرر
قال في البحر ومفاده الفرق
بين الاجنبية والزوجة والمحرم
فمع الاجنبية لا يحل القتل
الا بالشرط المذكور من
عدم الانزجار المزبور
وفي غيرها يحل (مطلقا) اھ
ورده في النهر بما في
البزازية وغيرها من التسوية
بين الاجنبية وغيرها
ويدل عليه تنكير
الهندواني للمرأة، نعم

ایک شخص نے کسی مرد کو غیر محرم عورت کے ساتھ پایا تو اگر عورت
سے جبراً زنا کر رہا ہو تو اس عورت نے زانی کو موقعہ پر
قتل کر دیا یا لڑکے سے جبراً بد فعلی کرتے ہوئے لڑکے نے
اس کو قتل کر دیا ہو تو یہ قتل مباح ہوا اور اس کا خون معاف
ہے، وہبانیہ۔ بشرطیکہ قتل کرنے والے کو یقین ہو کہ یہ
شور مچانے یا ہتھیار سے کم کی ضرب سے باز نہ آئے گا،
(ورنہ) اگر معلوم ہو کہ مذکورہ کوشش سے باز آ جائیگا
تو پھر (روا نہیں) یعنی باز کرنے کے لئے قتل مباح نہیں ہے
اور اگر (مرد کے ساتھ عورت بھی مرضی سے مبتلائے زنا ہو
تو موقعہ دیکھنے والا دونوں کو قتل کر دے) اس کو
زیلعی نے ہندوانی کی طرف ایسے ہی منسوب کیا ہے،
پھر کہا (اور) منیۃ المفتی میں ہے (اگر اس کی بیوی کے
ساتھ کوئی زنا میں مصروف ہے یا اس کی محرمہ عورت کے
ساتھ مصروفِ زنا ہے اور دونوں کی مرضی شامل ہے تو
دونوں کو قتل کر دے) اھ، اور اس بات کو دُرر میں
ثابت رکھا ہے، اور بحر میں فرمایا کہ اس بحث کا مفاد
یہ ہے کہ اجنبی عورت اور اپنی بیوی یا محرم عورت میں
فرق ہے کہ اجنبی عورت کے ساتھ مصروف زنا پائے تو
مذکورہ شرط کہ شور یا ہتھیار کے بغیر باز نہ کے بغیر
قتل حلال نہ ہوگا، اور اجنبی عورت کے غیر یعنی بیوی یا محرمہ
عورت کی صورت میں قتل حلال ہے (مطلقاً) اھ، اور
اس کو نہر میں بزازیہ وغیرہ کے بیان پر کہ تمام عورتوں
یعنی اجنبی اور غیر اجنبی کا معاملہ مساوی ہے، رد کیا
ہے۔ اور اس پر ہندوانی کے بیان میں عورت کو
نکرہ ذکر کرنا بھی دلالت کرتا ہے کہ کوئی عورت ہو،

ما فی المنیة مطلق فیحمل علی المقید
لیتفق کلامهم، ولذا جزم فی
الوهبانیة بالشرط المذکور مطلقا
وهو الحق بلا شرط احصان
لانه لیس من الحد بل من
الامر بالمعروف وفی المجتبی الاصل
ان کل شخص رأی مسلما یزنی
انه یحل له قتله وانما یمتنع
خوفا من ان لا یصدق انه
زنی[1] وکتبت علیه فی جد الممتار قوله
وفی غیرها یحل **اقول** المقصود ازالة
المنکر ومهما حصل بغیر القتل
تعین ذلك الغیر ولیست السیاسة
لغیر الامام والقتل فی الزوجة
والمحرم دون الاجنبیة لا یکون
الا انتصار النفسه وازالة المنکر
للّٰه عزوجل ولا فرق فیه بین الاجنبیة
وغیرها فالکل اماء اللّٰه تعالٰی علی السواء
وفیه حدیث سعد بن عبادة رضی
اللّٰه تعالٰی عنه ونهی النبی صلی اللّٰه
تعالٰی علیه وسلم ایاه عن القتل
فالحق عندی التسویة بین النساء و
التقیید لعدم الانزجار بغیر القتل مطلقا

اگرچہ غنیۃ المفتی میں اطلاق ہے، تو اس مطلق کو مقید
پر محمول کیا جائے گا تاکہ سب کا کلام متفق قرار پائے،
اسی لئے وہبانیہ نے مذکورہ شرط کا مطلقاً جزم کیا ہے
اور یہی حق ہے اس قتل میں کسی کا شادی شدہ ہونا شرط
نہیں کیونکہ یہ موقعہ کا قتل حد نہیں بلکہ امر بالمعروف کی
صورت ہے، اور مجتبٰی میں ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ
جو شخص کسی مسلمان کو زنا میں مصروف پائے تو اس کو
قتل کرنا حلال ہے لیکن بعد میں زنا ثابت نہ کرسکنے کے خوف
سے قتل نہ کرے۔ میں نے تنویر اور در کی اس عبارت پر
جد الممتار میں یہ لکھا ہے **قولہ** کہ غیر اجنبی عورت میں
حلال ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) مقصود تو برائی
کا ازالہ کرنا ہے تو جب تک قتل کے بغیر ازالہ ممکن ہو
تو یہ غیر قتل کی صورت متعین قرار پائے گی، جبکہ سیاسۃً
قتل کرنا امام وقت کے غیر کے لئے جائز نہیں ہے، اور
بیوی اور محرمہ کے معاملہ میں قتل کرنا تو اپنے مفاد کے لئے
ہے جبکہ برائی کا ازالہ اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے ہوتا ہے،
اس معاملہ میں اپنی اور اجنبی عورت برابر ہیں، تمام
عورتیں اللہ تعالٰی کی باندیاں ہونے میں برابر ہیں، اس
حکم میں مساوات کے بارے میں سعد بن عبادہ رضی اللہ
عنہ کی حدیث ہے کہ ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے قتل سے منع فرمایا، تو میرے نزدیک اجنبی اور
غیر اجنبی عورت کا معاملہ مساوی ہے لہذا قتل کے جواز
کے لئے قتل کے بغیر باز نہ آنے والی شرط عام ہے

---

[1] در مختار شرح تنویر الابصار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

کما مشی علیہ الشارح المدقق متابعا للعلامۃ مدقق عمر بن نجیم رحمہم اللہ تعالٰی۔

قولہ و یدل علیہ تنکیر الھندوانی للمرأۃ **اقول** بل ھو نص جوابہ فانہ انما سئل عمن وجد مع امرأتہ رجلا کما فی الھندیۃ عن النہایۃ فشمل الحکم المحارم بدلالۃ المساواۃ والاجنبیۃ بدلالۃ الاولویۃ فالتنکیر من الناقلین عنہ ما معنی[1] اھ ما کتبت علیہ۔

جیسا کہ اس کو شارح نے علامہ مدقق عمرو بن نجیم کی پیروی میں سب میں جاری مانا ہے رحمہم اللہ تعالٰی۔

قولہ اس پر ہندوانی کا عورت کو نکرہ ذکر کرنا دلالت کرتا ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) بلکہ انھوں نے اپنے جواب میں اسکو نصًا ذکر کیا ہے کیونکہ ان سے سوال یہ ہُوا تھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو مصروفِ زنا پائے، جیسا کہ ہندیہ میں نہایہ سے منقول ہے تو ان کے جواب کا حکم محرمہ عورت کو بیوی کی مساوات سے اور اجنبی عورت کو اولویت کی وجہ سے سب کو شامل ہُوا تو ہندوانی کے جواب کو نقل کرنے والوں کی تنکیر کا کوئی معنی نہیں ہے۔ میرا حاشیہ ختم ہُوا۔ (ت)

وقال فی ردالمحتار قولہ (مع امرأتہ) ظاھرہ ان المراد الخلوۃ بھا وان لم یرمنہ فعلا قبیحا کما یدل علیہ ما یأتی عن منیۃ المفتی کما تعرفہ فافھم (قولہ فلھا قتلہ) ای ان لم یمکنھا التخلص منہ بصیاح او ضرب والا لم تکن مکرھۃ فالشرط الأتی معتبر ھنا ایضا کما ھو ظاھر ثم رأیتہ فی فی کراھۃ شرح الوھبانیۃ ونصہ لو استکرہ رجل امرأۃ لھا قتلہ وکذا

وقال فی ردالمحتار (اور ردالمحتار میں فرمایا) **قولہ** "اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو پایا" اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ خلوت میں ہو اگرچہ بدفعلی میں مصروف نہ دیکھے، جیسا کہ آئندہ منیۃ المفتی کی عبارت اس پر دلالت کر رہی ہے آپ کو معلوم ہوجائیگا تو غور کرو، **قولہ** فلھا قتلہ یعنی اگر عورت اس سے شور مچانے یا ہتھیار کے بغیر کسی ضرب سے چھٹکارا نہ پائے تو قتل کرے، ورنہ اگر چھٹکارا ممکن ہو تو پھر عورت مجبور نہ ہوگی (جبکہ قتل کا جواز صرف مجبور عورت کے لئے ہے) تو یہاں بھی آئندہ ذکر ہونیوالی شرط معتبر ہے، جیسا کہ ظاہر ہے پھر میں نے اسکو وہبانیہ کی شرح کی کراہت کے باب میں دیکھا، جس کی عبارت

---

[1] جد الممتار علی ردالمحتار

الغلام فان قتله فدمه هدر
اذا لم يستطع منعه الا بالقتل اهـ
فافهم **قوله** (ان كان يعلم)
شرط للقتل الذى تضمنه
قوله كمن وجد رجلا **قوله** (و
مفاده الخ) توفيق بين العبارتين
حيث اشترط فى الاولى العلم
بانه لا ينزجر بغير القتل
ولم يشترط فى الثانية
فوفق بحمل الاولى على
الاجنبية والثانية على
غيرها وهذا بناء على
ان المراد بقوله فى الاولى
مع امرأة اى يزنى بها
وما يأتى الكلام عليه **قوله**
(مطلقا) زاد المصنف على عبارة
المنية متابعة لشيخه صاحب
البحر **قوله** بما فى البزازية
وغيرها) اى كالخانية ففيها
لو رأى رجلا يزنى بامرأته
او امرأة اخر وهو محصن
فصاح به فلم يهرب ولم يمتنع
عن الزنا حل له قتله ولا
قصاص عليه اهـ **قوله**
(فيحمل على المقيد) اى

یہ ہے: اگر کسی شخص نے عورت کو زنا پر مجبور کیا تو عورت
کے لئے اس کو قتل کرنا جائز ہے، اور یُوں ہی لڑکے
کو بدفعلی پر مجبور کرنے پر لڑکے کا اس کو قتل کرنا جائز ہے
اس صورت میں خون معاف ہوگا بشرطیکہ قتل کے
بغیر روکنے کا کوئی چارہ نہ ہو اھ، تو غور کرو۔
قولہ (ان کان یعلم) یہ عبارت اس قتل
کے لئے شرط کا بیان جو اس کے قول "جیسے کوئی
کسی مرد کو پائے" کے ضمن میں مذکور ہے، **قولہ**
(ومفادہ) یہ عبارت دونوں مذکور عبارتوں میں
موافقت ہے جبکہ پہلی عبارت میں قتل کے بغیر
باز نہ آنے کے یقین کی شرط ہے اور دُوسری عبارت
میں یہ شرط مذکور نہیں ہے تو اُنہوں نے پہلی عبارت
کو اجنبی عورت کے واقعہ پر محمول کیا، تو یہ اس
صُورت میں ہے جب پہلی عبارت میں "عورت
کے ساتھ ہونے" کا مطلب "زنا میں مصروف ہونا"
ہو، اور اس پر اعتراض آرہا ہے، **قولہ**
(مطلقا) یہ منیۃ المفتی کی عبارت پر مصنف نے
اپنے شیخ صاحب بحر کی اتباع میں زائد ذکر کیا،
قولہ (بما فی البزازیۃ وغیرھا)
یعنی جیسے خانیہ میں کہ اس میں ہے کہ کوئی کسی کو
اپنی بیوی یا دُوسری عورت سے زنا میں مصروف
پائے اور وُہ زانی شادی شدہ ہو تو اس نے اس پر
شور مچایا اس کے باوجود وُہ زنا کو چھوڑ کر نہ بھاگا
تو دیکھنے والے کو جائز ہے کہ اُسے قتل کردے
اور اس پر قصاص نہ ہوگا، **قولہ** (فیحمل علی

یحمل قول المنیۃ قتلہما جمیعا علی ما اذا علم عدم الانزجار بصیاح او ضرب قلت وقد ظہر لی فی التوفیق وجہ اٰخر وھو ان الشرط المذکور انما ھو فیما اذا وجد رجلا مع امرأۃ لاتحل لہ قبل ان یزنی بہا فھذا لایحل قتلہ اذا علم انہ ینزجر بغیر القتل سواء کانت اجنبیۃ عن الواجد او زوجۃ لہ او محرما منہ اما اذا وجدہ یزنی بہا فلہ قتلہ مطلقا ولذا قید فی المنیۃ بقولہ وھو یزنی واطلق قولہ قتلہما جمیعا وعلیہ فقول الخانیۃ الذی قدمناہ انفا فصاح بہ غیر قید، و یدل علیہ ایضا عبارۃ المجتبی الاٰتیۃ، ثم رأیت فی جنایات الحاوی الزاہدی ما یؤیدہ ایضا حیث قال رجل رأی رجلا مع امرأتہ یزنی بہا او یقبلہا او یضمہا الی نفسہ وھی مطاوعۃ فقتلہ او قتلہما لاضمان علیہ ولا یحرم من میراثہا ان اثبتہ بالبینۃ او بالاقرار، ولو

المقید) یعنی منیہ کے قول دونوں کو قتل کرنے کو اس پر محمول کیا جائے کہ جب معلوم ہو کہ شور یا کسی ضرب سے وہ باز نہ آئیگا (تو دونوں کو قتل کردے) مجھے یہاں دونوں عبارتوں میں موافقت کی ایک اور وجہ ظاہر ہوئی ہے، وہ یہ کہ مذکورہ شرط وہاں ہوگی جہاں وہ عورت کے ساتھ کسی کو پائے تو زنا میں مصروف ہونے سے قبل قتل حلال نہ ہوگا، پھر جب اسے یقین ہو کہ شور یا کسی اور ضرب سے باز آجائیگا تو قتل حلال نہ ہوگا خواہ وہ عورت اجنبیہ ہو یا دیکھنے والے کی بیوی یا محرمہ ہو، لیکن جب وہ اس کو زنا میں مصروف پائے تو مطلقاً قتل جائز ہے اس لئے منیہ میں زنا میں مصروف ہونے کی قید کو ذکر کیا، اور دونوں کی قتل والی صورت میں اس قید کو ذکر نہیں کیا، اس پر لازم آتا ہے کہ خانیہ کی سابق مذکورہ عبارت تو اس نے اس پر شور مچایا، یہ قید نہ ہوگی، جبکہ اس پر مجتبٰی کی آنے والی عبارت بھی دلالت کررہی ہے، پھر میں نے حاوی زاہدی کے جنایات کے باب میں دیکھا کہ اس کی عبارت بھی اس کی تائید کررہی ہے، جہاں انھوں نے فرمایا کہ ایک شخص نے کسی کو اپنی بیوی سے زنا میں مصروف یا بوس وکنار یا معانقہ کی حالت میں دیکھا جبکہ بیوی کی مرضی بھی شامل تھی تو اس نے مرد یا دونوں کو قتل کردیا تو اس پر کوئی ضمان نہ ہوگا، اور بیوی کی میراث سے بھی محروم نہ ہوگا بشرطیکہ بعد میں وہ اس جرم کو گواہی یا اقرار سے ثابت کرسکے اور

رأی رجلا مع امرأته فی مفازة خالیة او رآه مع محارمه هكذا ولم یر منه الزنا ودواعیه قال بعض المشائخ حل قتلهما وقال بعضهم لا یحل حتی یری منه العمل ای الزنا ودواعیه ومثله فی خزانة الفتاوی اھ وفی سرقة البزازیة لو رأی فی منزله رجلا مع اهله او جاره یفجر وخاف ان اخذه ان یقهره فهو فی سعة من قتله ولو كانت مطاوعة له قتلهما فهذا صریح فی ان الفرق من حیث رؤیة الزنا وعدمها تأمل، قوله (مطلقا) ای بلا فرق بین اجنبیة وغیرها قوله (وهو الحق) مفهومه ان مقابله باطل، ولم یظهر من كلامه ما یقتضی بطلانه، بل ما نقله بعده عن المجتبٰی یفید صحته وقد علمت مما قررناه ما یتفق به كلامهم واما كون ذلك من الامر بالمعروف لا من الحد فلا یقتضی اشتراط العلم بعدم الانزجار تأمل۔ قوله (بلا شرط احصان) رد علی ما فی الخانیة من قوله وهو محصن كما قدمناه، وجزم به الطرسوسی قال فی النهر

اگر اس نے اپنی بیوی یا اپنی محرم عورت کے ساتھ بیابان خالی جگہ میں کسی کو دیکھا لیکن زنا یا دواعی میں مصروف نہ پایا تو بعض مشائخ نے فرمایا اسکو دونوں کا قتل کرنا حلال ہے اور بعض نے فرمایا جب تک بدفعلی میں مصروف نہ پائے قتل کرنا حلال نہیں ہے، اور اسی طرح خزانۃ الفتاوی میں بھی مذکور ہے اھ اور بزازیہ کے سرقہ کے باب میں ہے کہ، اگر وُہ اپنے گھر میں اپنی بیوی سے کسی شخص یا پڑوسی کو بدفعلی کرتے ہوئے دیکھ لے اور پکڑنے پر خطرہ محسوس کرے کہ زانی غالب رہے گا تو اس صورت میں اس کو قتل کرنے کا جواز ہے اور بیوی کو بھی جرم میں راضی و شریک پایا تو دونوں کو قتل کرنے کا جواز ہے، تو اس سے صراحۃً معلوم ہُوا کہ فرق بدفعلی میں مصروف پانے اور نہ پانے کا ہے، غور کرو۔ قولہ (مطلقا) یعنی اجنبیہ اور غیر اجنبیہ کے فرق کے بغیر۔ قولہ (ھو الحق) یعنی اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا مقابل باطل ہے اس کے کلام سے یہ ظاہر نہیں ہوا کہ اس کا مقابل باطل ہے بلکہ اس کے بعد انہوں نے مجتبٰی کا جو کلام نقل کیا ہے اس سے اس کی صحت معلوم ہو رہی ہے، ہماری تقریر سے ان کے کلام کا متفق ہونا آپ کو معلوم ہوگیا، لیکن محض امر بالمعروف ہونا اور حد نہ ہونا، باز نہ آنے کے علم کی شرط کو نہیں چاہتا، غور کرو۔ قولہ (بلا شرط احصان) یہ خانیہ کے قول کہ "وہ شادی شدہ ہو" کا رد ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ طرطوسی نے اسی پر جزم کیا ہے۔ نہر میں فرمایا کہ اس کو

وردہ ابن وھبان بانہ لیس من الحد بل من الامر بالمعروف والنھی عن المنکر وھو حسن فان ھذا المنکر حیث تعین القتل طریقا فی ازالتہ فلا معنی لاشتراط الاحصان فیہ ولذا اطلقہ البزازی اھ قلت ویدل علیہ ان الحد لایلیہ الا الامام اھ[1]، وکتبت علیہ فی جد الممتار قولہ کما یدل علیہ ما یأتی عن منیۃ المفتی ای فانہ لما اطلق فیھا الحکم بالقتل عن قید عدم الانزجار قید معیۃ المرأۃ بالزنا وھٰھنا الحکم مقید بعدم الانزجار فتکون المعیۃ مقیدا بعدم الزنا کیلا یتعارضا **اقول** ولا یخفی علیک ما فی ھذہ الدلالۃ من البعد والنظر الی الخارج وابداء جمع بینہ وبین کلام اٰخر لیس منہ دلالۃ ھذا الکلام فی شیئ لاسیما وذلک الجمع غیر متبین ولا متعین لانتفاء التعارض بما افاد الشارح من حمل المطلق

ابن وہبان نے رَد کر دیا ہے کہ یہ حد نہیں بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، یہ اچھی بات ہے کیونکہ یہ ایسی بُرائی ہے کہ اس کے ازالہ کے لئے قتل ایک طریقہ ہے لہذا اس قتل کے لئے شادی شدہ ہونے کی شرط بے معنٰی ہے اسی لئے بزازی نے اس کو مطلق رکھا اھ قلت (میں کہتا ہُوں کہ) اس پر دلالت یہ بھی ہے کہ حد کو صرف امام ہی نافذ کرسکتا ہے کسی دوسرے کو اس کی ولایت نہیں ہے۔ ردالمحتار کا کلام ختم ہُوا۔ میں نے اس پر جدالممتار میں لکھا ہے **قولہ** کما یدل علیہ ما یأتی عن منیۃ المفتی جس طرح کہ اس پر منیۃ المفتی کا آئندہ کلام دلالت کر رہا ہے، کیونکہ جب انھوں نے قتل کے حکم کو باز نہ آنے کی شرط سے عام رکھا جبکہ عورت کے ساتھ ہونے کو زنا سے مقید کیا اور یہاں حکم کو باز نہ آنے کے علم سے مقید کیا تو عورت کے ساتھ معیت عدم زنا سے مقید ہوگی تاکہ دونوں باتیں متعارض نہ ہوں **اقول** (میں کہتا ہوں) اس دلالت کا بعید ہونا آپ پر مخفی نہیں ہے اور اس سے خارج امور اور اس کلام اور دوسرے کلام کے درمیان جمع کی صورت واضح ہوجانے کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کلام کی دلالت اس معاملہ میں بالکل نہیں ہے خصوصاً جبکہ یہ جمع وموافقت غیر واضح اور غیر معین ہوجائے اس سبب سے کہ شارح علیہ الرحمۃ نے اس تعارض ختم کرنے کے لئے مطلق

---

[1] ردالمحتار باب التعزیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۰-۱۷۹

على المقيد ثم انما مبناه على ما سبق الى خاطرہ رحمه الله من التوفيق الاٰتی له وسيأتيك الكلام عليه وليس الامر كما ظن بل اصل المسئلة للامام الفقيه الهندوانی سئل عن رجل وجد مع امرأته رجلا ايحل له قتله قال ان كان يعلم انه ينزجر عن الزنا بالصياح والضرب بما دون السلاح لا يحل وان علم انه لا ينزجر الا بالقتل حل له القتل وان طاعته المرأة حل له قتلها ايضا اھ هندية عن النهاية وعنه اخذ فی منية المفتی فعبر عنه بما ترى وسنحقق انه لا يحل القتل فی الدواعی كاللمس والتقبيل والعناق فكيف بمجرد الخلوة ولا اعلم له رحمه الله تعالٰی سلفا فيه وكيف يحل الاجتراء على قتل مسلم باستظهار بعيد تفرد به عالم فی هذا الزمان من دون سلف ولا برهان بل على خلاف اصول الشرع المهدان وقضية نصوص ائمة الشان حتی نفس

کو مقید پر محمول کرنے کی وجہ کو بطور افادہ بیان کردیا ہے، پھر اُن کے خیال میں اس تطبیق کا مبنٰی وہ توفیق و تطبیق ہے جو اُنھوں نے آئندہ ذکر فرمائی ہے، حالانکہ اس پر اعتراض آرہا ہے، لہٰذا معاملہ وہ نہیں ہے جو انھوں نے خیال فرمایا، بلکہ اصل مسئلہ امام ہندوانی کا پیش کردہ ہے، جب ان سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہُوا جس نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو بدفعلی کرتے پایا کہ کیا اسے اس مرد کو قتل کرنا حلال ہے؟ تو جواب میں انھوں نے فرمایا کہ اگر خاوند کو یقین ہو کہ زانی شور مچانے یا پٹائی کرنے پر، زنا سے باز آجائے گا تو قتل کرنا حلال نہ ہوگا اور اگر یقین ہو کہ قتل کے بغیر باز نہ آئے گا تو قتل حلال ہوگا، اور اگر بیوی اس مرد کے ساتھ راضی ہو تو اس کو بھی قتل کرنا حلال ہے اھ، یہ ہندیہ میں نہایہ سے منقول' اور نہایہ سے ہی منیۃ المفتی میں نقل کیا لیکن جس طرح انھوں نے تعبیر کی وہ آپ کے سامنے ہے، اور ہم عنقریب ثابت کریں گے کہ ایسی صورت میں محض زنا کی دواعی مثلاً چھونے، بوسہ لینے یا معانقہ کرنے کی وجہ سے قتل کرنا حلال نہیں ہے چہ جائیکہ محض خلوت نشینی کی وجہ سے قتل حلال ہو، اور مجھے ان سے پہلے اس بارے میں کسی کا قول معلوم نہیں ہُوا' تو اس زمانے کے ایک عالم کے متفرد قول کی بنا پر کسی مسلمان کے قتل پر کیسے جُرأت کی جاسکتی ہے جبکہ اس قول کی وجہ بھی بعید ہو اور پہلے بھی کسی نے یہ بات نہ کی ہو اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہو بلکہ اصول شرع اور عظیم الشان ائمہ کرام کی نصوص کے خلاف ہو حتی کہ خود

هذا الرفيع المكان كما ستعرف بعون المستعان قوله[۲] اذا لم يستطع منعه الا بالقتل اقول هذا ايضا نص في امتناع القتل اذا امكن المنع بغيره خلافا لما آثرتم وقولكم والا لم تكن مكرهة لا اثر له لان غاية المطاوعة ان تكون مرتكبة لعين المنكر وهذا القتل من ازالة المنكر ومرتكب منكر لا ينهى عن نهيه غيره منه لانه مامور بشيئين الامتناع والمنع فان فوت احدهما لا يسقط عنه الأخر وارتكاب احد معصية لا تبيح له معصية اخرى بل هذا القتل في حق المرأة نهى وانتهاء معا فكانت اولى باباحته وظهران التصوير بالاكراه صدر وفاقا، قوله[۳] ويأتي الكلام عليه اقول ويأتي الكلام عليه قوله[۴] فله قتله مطلقا اقول وانما القصد ازالة المنكر فاذا حصل بالادفى تعين كما افاده الامام

ان کے اپنے موقف کے خلاف ہو، جیسا کہ آپ کو عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ **قولہ اذا لم یستطع منعہ الا بالقتل** جب قتل کے بغیر منع کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو **اقول** (میں کہتا ہوں) یہ خود اس بات میں نص ہے کہ اگر کسی اور طریقہ سے روکنا ممکن ہو تو قتل ممنوع ہے، اور یہ آپ کی پہلی گفتگو کے خلاف ہے اور پھر آپ کا یہ کہنا کہ ورنہ مکرہہ (مجبور) نہ قرار پائی گئی، بے فائدہ ہوگا، کیونکہ مجبور نہ ہونے کا مطلب موافق رہنا اور موافقت اور رضامندی کا نتیجہ یہ ہے کہ اس گناہ میں خود شریک ہوگی، جبکہ عورت کا مرد کو یہ قتل کرنا گناہ اور بُرائی کے ازالہ کے طور پر ہے حالانکہ جو خود بُرائی کا مرتکب اور اس میں مبتلا ہو اس کے منع کرنے سے دوسرا اس بُرائی سے نہیں رُکتا، کیونکہ بُرائی سے روکنے کے لئے دو چیزوں کا مامور بننا ہوتا ہے ایک یہ کہ خود بُرائی سے باز رہے اور دُوسرا یہ کہ اس بُرائی سے دوسرے کو منع کرے، ان دونوں چیزوں میں سے ایک کے فوت ہو جانے پر دوسرے کا ساقط ہونا لازم نہیں ہے اور ایک گناہ کے ارتکاب سے دوسرے گناہ کا ارتکاب مباح نہیں بنتا، بلکہ یہاں عورت کا اس مرد کو قتل کرنا گناہ سے روکنا اور خود کو باز رکھنا دونوں چیزیں ہیں، تو یہ قتل بدرجہ اولیٰ مباح ہوگا، تو ظاہر ہوا کہ جبر واکراہ کی صورت کا بیان محض اتفاق ہے، **قولہ یاتی الکلام علیہ** اس پر اعتراض ذکر ہوگا، **اقول** (میں کہتا ہوں) آپ کے اعتراض پر اعتراض ذکر ہوگا، **قولہ فلہ قتلہ مطلقا** تو اس کو قتل کرنا

الفقیه ابوجعفر و اعتمده
المعتمدون و تقدم عن
شرح الوهبانیة و سینقله
المحشی عن ابن وهبان
و سیمشی علیه بنفسه
قوله و یدل علیه عبارة
المجتبٰی الاٰتیة ، ای شرحا
حیث اطلق فی الزنا
ان له القتل و لم یقید
بشیئ **اقول** و فیه ما ذکر
الشارح ان المطلق یحمل
علی المقید وکیف یرد
اطلاق المجتبٰی علی تقیید
المعتمدات وحمل المطلق
علی المقید جادة واضحة
بخلاف الغاء القید ،
قوله فی الحاوی الزاهدی مایؤیده ایضا
اقول بل یخالفه فانه
جعل له القتل مطلقا فی
الدواعی وانتم تخصصونه
بالزنا ، **قوله** او یقبلها الخ
اقول لم یشرع اللہ تعالٰی
فی الدواعی القتل و
لیست السیاسة لغیر الامام
بل لیست الدواعی الا الصغائر

مطلقاً جائز ہوگا، **اقول** (میں کہتا ہوں) مقصد تو
بُرائی کا ازالہ ہے، تو جب یہ ازالہ قتل کے بغیر کسی
ادنیٰ طریقہ پر ممکن ہو تو وُہ ادنیٰ طریقہ اس کے لئے متعین
قرار پائے گا جیسا کہ امام فقیہ ابوجعفر نے یہ فائدہ بیان
فرمایا اور اسی پر اعتماد کرنے والوں نے اعتماد کیا ہے
اور شرح وہبانیہ سے منقول ہو چکا ہے اور محشی بھی
اس کو عنقریب ابن وہبان سے نقل کریں گے اور
وہ خود اس کو اپنائیں گے، **قوله** یدل علیه عبارة
المجتبٰی یعنی مجتبٰی کی آئندہ عبارت بطور شرح آئیگی
جہاں وہ زنا کے متعلق قتل کو مطلق بیان کریں گے اور
قتل کو کسی شرط سے مقید نہ کریں گے **اقول** (میں کہتا
ہوں) اس میں اعتراض ہے کہ شارح نے یوں بیان
فرمایا کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، اور معتمد علیه
کتب کی بیان کردہ قید کے باوجود مجتبٰی کا اطلاق کیسے
وارد ہو گیا حالانکہ واضح طریقہ ہے کہ مطلق کو مقید پر
محمول کیا جاتا ہے جبکہ قید کو لغو بنانا اس کے خلاف ہے،
قوله فی الحاوی الزاهدی مایؤیده ایضا
حاوی زاہدی کا بیان بھی اس کی تائید کرتا ہے،
اقول (میں کہتا ہوں) بلکہ وہ تو اس کے خلاف ہے
کیونکہ انہوں نے دواعی زنا میں بھی قتل کو مطلق جائز رکھا ہے
جبکہ تم اس کو زنا سے ہی مخصوص کرتے ہو، **قوله**
او یقبلها الخ یا وُہ عورت کا بوسہ لے رہا ہو **اقول**
(میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی نے زنا کے دواعی میں
قتل کو مشروع نہیں فرمایا، اور نہ ہی امام کے
غیر کو سیاسی قتل روا رکھا ہے بلکہ دواعی تو صرف صغیرہ

41
41

وليس القتل سياسة للامام ايضا الا
فى جناية عظمت وفحشت كما مر
قبيل باب وطئ يوجب الحد ان
اللوطى والسارق والخناق اذا
تكرر منهم ذلك حل قتلهم سياسة اه
فلم يكتف فى تلك العظا ثم ايضا
بمجرد صدورها بل قيد حل
القتل بتكررها وسيأتى ان
الشارح اطلق اباحة القتل فى
جميع الكبائر فقيده المحشى بما كان
منها متعدى الضرر وهو الحق
الواضح ان شاء الله تعالىٰ ولم ينقل
عن السلف قتل كل من اتى كبيرة
فضلا عن الصغيرة ولو اسيع القتل فى
الصغائر وجعل ذلك الى العامة لا تسع
الخرق وفشا القتل فى المسلمين والعياذ
بالله تعالىٰ فاى يوم لا ترى جهلا من الناس
على شئ من الصغائر فقتل كل من
تراه وهذا ليس من حكم الله فى شئ
فلا شك ان ما فى الحاوى مردود والله
الموفق كيف وهو من الزاهدى المعتزلى
المعروف بجمع كل غث وسمين الغير
الموثوق بنقله ايضا الغير المعتمد عليه
فى رواية ولا دراية كما صرح به ارباب
الدراية قوله فهذا اصريح

گناہوں میں سے ہے حالانکہ امام کو صرف کسی بڑی جنایت
اور فحش گناہ میں سیاسۃً قتل کرنا جائز ہوتا ہے جیسا کہ
ایسی وطی جس سے حد لازم ہوتی ہے، کے باب سے
تھوڑا پہلے گزرا ہے کہ لوطی، چور اور پھندا ڈالنے والا،
یہ لوگ جب بار بار کاروائیاں کریں تو ان کو سیاسۃً قتل
کرنا حلال ہے اھ۔ تو ان عظیم کاروائیوں پر بھی محض ان کے
صدور پر نہیں بلکہ ان کے تکرار پر قتل کو حلال کہا، اور عنقریب
آئے گا کہ شارح نے تمام کبیرہ گناہوں کے متعلق
سیاسۃً قتل کو مباح کہا تو خود محشی نے اس کو ایسے گناہ
سے مقید کیا جس کا ضرر متعدی ہو۔ اور یہی واضح حق
ہے ان شاء اللہ تعالیٰ، جبکہ اسلاف سے ہر کبیرہ
گناہ کے مرتکب کے متعلق قتل منقول نہیں ہے چہ جائیکہ
کسی صغیرہ گناہ پر قتل منقول ہو، اور اگر صغائر کے متعلق
بھی قتل کو جائز قرار دے دیا جائے اور عوام کو یہ اختیار
دیا جائے تو پھر امن تہ وبالا ہو جائے اور مسلمانوں
میں قتلِ عام شروع ہو جائے، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔
بتائیے لوگوں کی جہالت سے صغائر سے کوئی دن خالی
ہے تو کیا ہر ایک مرتکب صغیرہ قتل کیا جائے حالانکہ یہ کہیں
بھی اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہے تو بیشک حاوی زاہدی
کا بیان مردود ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی توفیقِ حق عطا
فرماتا ہے، یہ کیسے صحیح ہو جبکہ یہ زاہدی معتزلی جو کہ
ثقہ اور غیر ثقہ ہر قسم کی روایات کو نقل کرنے میں بھی
مشہور ہے اور روایت اور درایت کے لحاظ سے
غیر معتمد علیہ باتوں کو نقل کر دیتا ہے جیسا کہ اربابِ درایت
نے اس کی تصریح فرمائی ہے **قولہ فہذا اصریح**

اقول ای صراحۃ فیہ بل تقییدہ بالخوف المذکور بما یؤید التقیید السابق فان مثل التمرد لا ینزجر بالزجر **قولہ**[٩] یفید صحۃ **اقول** قدمنا ما فیہ **قولہ**[١٠] قد علمت مما قررناہ **اقول** قد علمت ما فیہ **قولہ**[١١] فلا یقتضی اشتراط العلم **اقول** بل یقتضیہ لان مراد الشارع ازالۃ المنکرات المظلمۃ لا اھلاک النفوس المسلمۃ فاذا حصلت بدونہ وجب قصر الید عنہ **قولہ**[١٢] حیث تعین القتل طریقا **اقول** ھذا ایضا نص فی اشتراط القید المذکور وقد عاد المحشی رحمہ اللہ تعالٰی بنفسہ الی الصواب اذ قال علی قول الشرح وعلی ھذا القیاس المکابر بالظلم وقطاع الطریق وصاحب المکس وجمیع الظلمۃ بادنی شیئ لہ قیمۃ وجمیع الکبائر والاعونۃ

اقول (میں کہتا ہوں) اس میں کون سی صراحت ہے بلکہ اس میں تو قید کی صراحت ہے کہ کسی طرح خوف دلانے سے باز نہ آئے، جیسا کہ سابقہ قید کا بیان اس کی تائید کر رہا ہے کہ سرکش آدمی باز رکھنے کی کوشش سے باز نہیں آتا، **قولہ** یفید صحۃ **اقول** (میں کہتا ہوں) اس میں اعتراض ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے، **قولہ** قد علمت مما قررناہ ہماری بیان کردہ تقریر سے آپ کو معلوم ہوگیا، **اقول** (میں کہتا ہوں) اس میں جو کمزوری ہے وہ آپ کو معلوم ہو چکی ہے **قولہ** فلا یقتضی اشتراط العلم تو وہ علم کی شرط کا مقتضی نہ ہوا، **اقول** (میں کہتا ہوں) بلکہ یہ علم کی شرط کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ شارع کی مراد ظالمانہ کاروائیوں سے دفاع ہے نہ کہ مسلمانوں کی جانوں کو ہلاک کرنا، تو جب قتل کے بغیر دفاع ممکن ہو تو قتل سے باز رہنا ضروری ہے، **قولہ** حیث تعین القتل طریقا جہاں ازالہ برائی کا طریقہ قتل متعین ہے، **اقول** (میں کہتا ہوں) یہ بھی مذکورہ قید کی شرط ہونے میں نص ہے اور محشی خود بخود درستی کی طرف لوٹ آئے ہیں، جب انہوں نے شرح کی اس عبارت (اسی قیاس پر ہے جو اعلانیہ چیز کو چھین لے، ڈاکو، ظالمانہ ٹیکس وصول کرنیوالا اور ہر ظالم جو کمتر قیمت والی چیز کو ظلم سے چھین لے اور جو ظالم مرتکب کبیرہ کے ہوں اور انکے اہلکار اور چغلخور ایسے تمام لوگوں کا قتل مباح ہے اور انکا قاتل ثواب کا مستحق

والسعاۃ یباح قتل الکل ویثاب قاتلھم اھ نصہ قولہ والاعونۃ والسعاۃ عطف تفسیر او عطف خاص علی عام فیشمل کل من کان من اھل الفساد کالساحر وقاطع الطریق واللص واللوطی والخناق و نحوھم ممن عم ضررہ ولا ینزجر بغیر القتل اھ فقد اذعن بالتقیید وھو الحق السدید ولیس الزنا بافحش من ھاتیک الافاعیل فما صرح بہ الائمۃ فعلیہ الاعتماد والتعویل[1] ھذا ما کتبت علیہ فانظرہ متأملا متدبرا والحمد للہ اولا واٰخرا ، واللہ تعالٰی اعلم۔

ہوگا، اھ) پر فرمایا کہ الاعونۃ، والسعاۃ، اہل کار اور عہدیدار، کا ذکر عطف تفسیری ہے یا عام پر خاص کا عطف ہے لہٰذا یہ قول تمام اہلِ فساد مثلاً جادوگر، ڈاکو، چور، لوطی اور گلا دبا کر ہلاک کرنے والا وغیرہ سب کو شامل ہے جن کا ضرر معاشرہ میں عام ہو اور وہ قتل کے بغیر باز نہ آئیں اھ، تو اس بیان میں انہوں نے مذکورہ قید پر جزم کیا ہے اور یہی درست اور حق ہے جبکہ زنا ان مذکور امور سے زیادہ فاحش ضرر نہیں ہے، تو ائمہ کرام نے جو تصریح فرمائی ہے وہی قابلِ اعتماد و تسلیم ہے۔ یہ میرا حاشیہ ہے اس کو غور اور تدبّر سے ملاحظہ کرو، اللہ تعالٰی کے لئے ہی اوّل وآخر حمد ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۶: ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کسی عالم کی نسبت یا کسی دوسرے کی لفظ مردود کہے یا یوں کہے کہ وہ بیوقوف ہے کچھ نہیں جانتا اور اُلّو ہے، تو اس شخص کی نسبت شرع شریف کیا حکم دے گی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا مسلمان کو ناحق ایذا دینا ہے اور مسلمان کی ناحق ایذا شرعاً حرام۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ[2] رواہ الطبرانی فی

جس نے بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ

---

[1] جد الممتار علی ردّ المحتار

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/۳۷۳

الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔

عزوجل کو ایذادی (اس کو طبرانی نے اوسط میں سند حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

پھر علمائے دین متین کی شان تو نہایت ارفع و اعلٰی ہے اُن کی جناب میں گستاخی کرنے والے کو حدیث میں منافق فرمایا۔

ثلثۃ لایستخف بحقھم الا منافق ذوالشیبۃ فی الاسلام و ذوالعلم و امام مقسط[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ وابوالشیخ فی التوبیخ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یعنی سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: تین شخص ہیں جن کا حق ہلکا نہ جانے گا مگر منافق، ایک اسلام میں بڑھاپے والا دُوسرا عالم تیسرا بادشاہ اسلام عادل۔ (اس کو طبرانی نے کبیر میں حضرت ابوامامہ سے اور ابوالشیخ نے توبیخ کے باب میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت فرمایا۔ ت)

ایسا شخص شرعًا لائق تعزیر ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۷۷ ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مومن کہنا تخصیص رکھتا ہے قوم نوربافت سے یا عام اُمتِ محمدی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے؟ دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص براہِ طعنہ قوم مذکور کی نسبت مومن کہے تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

الحمدللہ ہر مسلمان مومن ہے اور بعض بلادِ ہند کے عرف میں اس قوم کو مومن کہنا شاید اس بناء پر ہو کہ یہ لوگ اکثر سلیم القلب حلیم الطبع ہوتے ہیں جن سے اور مسلمانوں کو آزار کم پہنچتا ہے، اور حدیث میں فرمایا کہ المؤمنون من امن جارہ بوائقہ[2] مومن وہ ہے جس کے ہمسائے اس کی ایذاؤں سے امان میں ہوں۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۸۱۹، عن ابی امامہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/۲۳۸

[2] صحیح البخاری باب اثم من لایأمن جارہ بوائقہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۸۹

پھر یہ لفظ بطورِ طعن اُنھیں کہنا دوسری شناعت ہے ایک تو مسلمان کو اس کی نسبت یا پیشہ کے سبب حقیر جاننا دوسرے ایسے عظیم جلیل لفظ کو محلِ طعن میں استعمال کرنا، ایسے شخص کو چاہیے اللہ تعالٰی سے ڈرے اور اپنی زبان کی نگہداشت کرے۔

اللّٰھم اھد نی والمسلمین انك انت ارحم الراحمین۔ اٰمین۔ واللہ تعالٰی اعلم

اے اللہ! مجھے اور تمام مسلمانوں کو ہدایت عطا فرما بیشک تُو رحم کرنے والوں سے بڑا رحم فرمانے والا ہے۔ آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۸: از وڑنگر دایہ مہسانہ گجرات گاڑیکے دروازہ متصل مکان بنجارہ چاند مار سول مسئولہ مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب احمد آبادی ۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مسلمان کے مال کا نقصان کرنا اور اس کی ہتک حرمت میں کوشش کرنا کیسا ہے؟

الجواب

اگر بلاوجہ شرعی ہے حرام قطعی ہے اور وجہ شرعی سے ہے تو کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۹: از شہر صدر بازار بریلی مسئولہ بخش امام جامع مسجد ۱۸ محرم ۱۳۳۹ھ

ایک شخص نماز پڑھنے سے انکار و حیلہ بہت سے کرتا تھا ہر چند اُس کو برادرانہ طور پر بہت کچھ سمجھایا لیکن وُہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا اور ہم لوگ اس کو پکڑنے کے واسطے گئے اُس وقت وہ مسلمانوں کو لاٹھی لے کر مقابلہ کرنے کو آمادہ ہوا لہذا دو مسلمانوں نے اس کے ہاتھ پکڑلئے ایک شخص نے اُس کے دُرّے لگائے، لہذا اب وُہ نماز پڑھتا ہے، پکڑنے کے وقت اُس کے ہاتھ میں گھڑی بندھی تھی وہ ٹوٹ گئی وُہ مسلمانوں سے طلب کرتا ہے اس کی گھڑی دی جائے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

تفہیم چاہیے، تنبیہ چاہیے، مارپیٹ کا وقت نہیں، اور اس کی گھڑی کی قیمت دی جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۰: از بریلی محلہ بہاری پور مسئولہ اشفاق حسین طالب علم ۳ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو و بکر ایک مقام پر بیٹھے تھے، اتفاقًا ایک لڑکی اُس راہ سے گزری، زید نے عمرو سے کہا کہ یہ لڑکی تمھاری بہن ہے، عمرو نے زید کو جواب دیا کہ ہاں یہ لڑکی بہن ہے لیکن اے زید! یہ لڑکی تیری بہن ہے، اس پر زید نے عمرو سے کہا کہ میری بہن نہیں ہے بلکہ تیری

تیری بہن ہے، عمرو نے زید سے کہا کہ جب ہم تم سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں تو ہم تم سب بھائی بہن ہیں، بکر نے عمرو سے کہا کہ اس طرح تو کتے سور بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں تو کتے اور سور بھی تمھارے بھائی بہن ہوئے، عمرو نے کہا کہ نہیں ان جانوروں کو اہلِ اسلام کے لوگ بُرا سمجھتے ہیں، اس پر بکر بہت غصہ ہوا اور کہنے لگا کہ نہیں سور اور کتے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں، اور مکرر سہ کرر یہی الفاظ کہے یہاں تک کہ آپس میں جھگڑا ہونے لگا اور معاملہ طول ہوگیا۔ غرض یہ ہے کہ ان تینوں شخصوں کے واسطے کیا حکم ہے؟ واجباً عرض کیا ہے۔

الجواب

عمرو نے جو اُس کے بہن ہونے سے انکار کیا اُس پر کچھ الزام نہیں بلکہ وُہ اگر غیر مسلمان تھی تو بہت اچھا کہ انکار کردیا زید نے کہ اُسے عمرو کی بہن کہا اُس پر الزام نہیں، اگر وُہ لڑکی مسلمان تھی کہ مسلمان سب آپس میں بھائی ہیں ہاں اگر وہ مسلمان نہ تھی تو بُرا کیا کہ اُسے مسلمان کی بہن ٹھہرایا اور فقط اولادِ آدم علیہ السلام ہونا کافی نہیں کہ کافروں کا نسب خود حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقطع ہے،

قال اللہ تعالٰی انما المؤمنون اخوۃ[1] وقال تعالٰی انہ لیس من اھلك انہ عمل غیر صالح[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک تمام مومن بھائی ہیں، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے پیارے نوح (علیہ السلام)! یہ آپ کی اہل میں نہیں وہ تو اچھے عمل والا نہیں ہے۔ (ت)

رہا بکر، اُس نے سخت شدید شنیع بُری بات کہی، اُس کے قول سے نبی اللہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک عیب لگتا ہے اُس پر توبہ فرض ہے بلکہ کلمہ پڑھے تجدیدِ اسلام کرے۔ ہاں اگر وہ لڑکی کافرہ تھی اور اُس نے کتے سور سے مراد کافر لئے یعنی اُن کی اولاد میں تو کافر بھی ہیں جو کتوں سوروں کے مثل ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر ہیں وُہ ہمارے بھائی کیسے ہوسکتے ہیں، تو اُس پر الزام نہ رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۱ از دھاموں ڈاکخانہ دھاموں ضلع سیالکوٹ پنجاب روز دوشنبہ ۲ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اگر زید اپنے حقیقی بھائی بکر کو کسی سازش سے ایک مجلس میں بآوازِ بلند کلمہ طیبہ پڑھ کر کہے کہ تم میرے بھائی نہیں ہو ایسی صورت میں زید پر بموجب شرع شریف کچھ کفارہ لازم ہے اگر ہے تو کیا وکس

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۰

[2] ؍؍ ؍؍ ۱۱/ ۴۶

قدر؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر اُس کے بھائی نے اُس کے ساتھ کوئی معاملہ خلافِ اخوت کیا جو بھائی بھائی سے نہیں کرتا تو اس پر اس کہنے میں الزام نہیں کہ اس نفی سے نفیِ حقیقت مراد نہیں ہوتی بلکہ نفیِ ثمرہ، اور اگر ایسا نہیں بلکہ بلاوجہ شرعی یُوں کہا تو تین کبیروں کا مرتکب ہوا، کذبِ صریح و قطعِ رحم وایذائے مسلم، اس پر توبہ فرض ہے اور بھائی سے معافی مانگنی لازم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۲ تا ۲۸۴ معرفت مصطفٰے رضا خاں صاحب بروز پنجشنبہ ۲۹ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

(۱) بعض لوگوں کا قاعدہ ہے کہ مثلاً کسی نے کہا کہ فلاں کے گھر چوری ہوئی انھوں نے کہا کہ اچھا ہُوا چوری ہوئی، پھر بعض دفعہ تو جو ظاہر کلام ہے ظاہر مراد ہوتا ہے اور بعض دفعہ یہ مراد ہوتا ہے کہ چونکہ مثلاً مال رہتا مضر تھا یا اس کا اُنھیں غرور تھا لہذا اچھا ہُوا چوری ہوگئی کہ غرور جاتا رہا یا مضر دور ہوگیا دونوں تقدیروں پر یہ ممنوع چیز کو اچھا کہنا کیسا ہے؟

(۲) ایک شخص سے کوئی خلاف کلمہ نکلا بعد کو اُس نے صراحۃً انکار کیا اور اس کا قُبح تسلیم کرلیا یا اُس کو چھوڑ کر اُس کے مخالف حق کلمہ کا اقرار کیا آیا یہ توبہ ہوگئی یا ضرور ہے کہ لفظ توبہ کے۔

(۳) ہمارے اعزّہ میں سے ایک عورت نے اپنے شوہر سے ناراض ہوکر کہا نہ معلوم تمھیں فلاں کے مکان سے (نام لے کر) کیا عشق ہے شوہر نے کہا خدا جانے، اس پر عورت نے کہا کچھ بھی خدا جانتے نہیں ہے، اور اس کے بعد ایک اور جملہ کہا جو شاید یہ تھا کہ سب تمھارے حیلہ حوالے بیکار یہ ان بے پروائیاں ہیں، یہ جملہ کیسا؟ اس کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ سرقہ اچھی بات ہے جس سے حرام قطعی کا استخفاف بلکہ استحسان ہوکر معاذ اللہ نوبت بہ کفر پہنچے بلکہ اس مسروق منہ کے نقصان مال کا استحسان سمجھا جاتا ہے اور یہی مقصود ہوتا ہے یہ کبھی براہِ حسد ہوتا ہے اور حسد حرام ہے، اس صورت میں تو مطلقاً گناہ ہے، کبھی براہِ عداوت ہوتا ہے کہ دشمن کا نقصان دشمن کو پسند آتا ہے اس کا حکم اُس عداوت کا تابع رہے گا اگر عداوت مذمومہ ہے یہ بھی قبیح و مذموم ہے اور اگر عداوت محمودہ ہے جیسے اعداء اللہ سے دشمنی تو اس میں حرج نہیں جیسے ربنا اطمس علٰی اموالھم واشدد علٰی قلوبھم[1] (اے ہمارے رب! ان کے مال برباد کردے اور ان کے دل سخت کردے۔ ت) جب دُعا سے اُس کا نقصان چاہنا روا ہے تو بعد وقوع اُس پر خوش ہونا

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۸۸

کیا بیجا ہے، کبھی وُہ صورت ہوتی ہے جو سوال میں مذکور ہے وُہ اگر بہ نیتِ صحیحہ ہے تو غیر محظور کہ یہ اُس کے نقصان پر خوش ہونا نہیں بلکہ نفع پر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) لفظِ توبہ نہ ضرور نہ کافی، جو قول بیجا صادر ہُوا تھا اُس پر ندامت اور اس سے نفرتُ اظہارِ برأت درکار ہے، السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ (پوشیدہ سے پوشیدہ اور علانیہ سے علانیہ۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) قائلہ کا ہرگز یہ مقصود نہیں کہ باری عزّ وجل سے معاذ اللہ نفیِ علم کرے نہ زنہار اُس کے کلام سے سامع کا ذہن اس طرف جاسکتا ہے بلکہ شوہر نے کہا تھا خدا جانے یعنی کوئی چیز مخفی ہے جو مجھے معلوم نہیں یا جسے میں بتانا نہیں چاہتا اُس نے کہا کچھ بھی خدا جانتے نہیں اسے اُس ہولناک حکم سے کوئی تعلق نہیں نیز یہاں ایک اور دقیقہ ہے بفرضِ غلط نفیِ علم ہی مرادلیں تو معاذ اللہ نفیِ مطلق کی ہرگز بُو بھی نہیں بلکہ اس امرِ خاص سے یعنی اس کا کوئی سبب خفی اللہ نہیں جانتا اور علمِ الٰہی سے کسی شَے کی نفی اُس کے علم سے نفی ہے کہ واقع ہوتا تو ضرور علم میں ہوتا،

فکان من باب قولہ تعالیٰ وجعلوا اللہ شرکاء قل سموھم ام تنبئونہ بما لم یعلم فی الارض[1]۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے باب سے ہوگا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنائے فرمادیجئے ان کا نام بتاییے یا تم وُہ خبر اسے کو دیتے ہو جس کو اس رُوئے زمین پر نہ جانا۔ (ت)

ہاں ارسالِ لسان ہے جس سے احتیاط درکار، اور خود شوہر کے ساتھ بدزبانی بھی تکفرن العشیر[2] (عورتیں خاوند کی ناشکری کرتی ہیں۔ ت) میں داخل کرنے کو بس ہے توبہ چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۸۵ قول انوار الحق تحصیل چونیاں ضلع لاہور بروز چہار شنبہ ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۳ھ (مکتوب قول انوار الحق) میں عریضہ لکھ کر دوبارہ یا سیدنا ومولٰنا ومرشدنا عرض کرتا ہُوں کہ آپ ہم لوگوں میں مثل رسول ونبی کے ہیں آپ ضرور ہم خاکساروں کی عرض سُن کر جواب روانہ فرمائیں۔

الجواب

تنبیہ: مولانا! یہ لفظ بہت سخت ہے لا الٰہ الا اللہ یہ فقیر حقیر ذلیل سیاہ کار نابکار

---

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۳۳

[2] صحیح البخاری کتاب الحیض ۱/ ۴۴ و کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۱۹۷ قدیمی کتب خانہ کراچی

کیا چیز ہے، ہاں اکابر کے لئے یہ لفظ حدیث میں آیا ہے کہ الشیخ فی قومہ کالنبی فی اُمتہ[1] شیخ اپنی قوم میں مانند نبی کے ہیں اپنی اُمت میں۔ مگر مثل اور مانند میں بہت فرق ہے مثل معاذ اللہ مساوات کا ایہام کرتا ہے اور مانند صرف ایک مشابہت چاہتا ہے، اس لئے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ایمانی کایمان جبریل (میرا ایمان جبرائیل کے ایمان کی مانند ہے۔ ت) فرمایا نہ کہ مثل ایمان جبریل (مثل ایمان جبریل۔ ت) فقط۔

مسئلہ ۲۸۶ مسئولہ سید حمید الرحمٰن صاحب صابری فاروقی گولہ گھاٹ محلہ کچہری ہاٹ آسام ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مقدس اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے مرشد زادہ کو حقارت و بے ادبی سے کچھ باتیں کہیں وہ مرشد زادہ قوم کا سید حسینی ہے اور ہندوستان کے مدرسہ عربی کا تعلیم یافتہ مولوی ہے اور اہل طریقہ میں قادریہ عالیہ ہے، حقیقت میں اُس مرشد زادہ کا کچھ بھی خطا و قصور نہیں تھا جبراً اُس شخص نے بہت لوگوں کے سامنے اس مرشد زادے کو بے ادبی اور حقارت سے باتیں کیں۔ اب ازرُوئے شرع دین متین اُس شخص کو کیا حکم دیتے ہیں اب ایمان و نکاح میں کچھ خلل اُس کا ہوگا یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

بلاوجہ کسی مسلمان کو سخت وسُست کہنا حرام ہے نہ کہ سید نہ کہ عالم نہ کہ اپنا مرشد زادہ۔ صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ[2]۔

جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی، جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔

دُوسری حدیث میں ہے:

ثلثۃ لایستخف بحقھم الامنافق بین النفاق، ذوالشیبۃ فی الاسلام

تین شخصوں کے حق کو ہلکا نہ کرے گا مگر کھلا منافق ایک وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا دوسرا

---

[1] کنز العمال حدیث ۴۲۶۳۲ و ۴۲۶۳۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۵/ ۶۶۴

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۳۷۳

وذوالعلم وامام مقسط۔[1]

عالم تیسرا بادشاہ اسلام عادل۔

صورتِ واقعہ اگر یونہی ہے جیسے سوال میں مذکور ہُوئی تو وہ شخص ضرور مرتکب کبیرہ ہُوا، مگر اسلام و نکاح میں خلل نہیں کہہ سکتے جب تک کوئی خاص قول وفعل ان میں مخل صادر نہ ہُوا ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۷: از بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضا خاں صاحب ۴ رجب ۱۳۳۹ھ

زید ایک شخص ہے جس کا نکاح بکر کی لڑکی کے ساتھ ہُوا ہے، اب چند بچے پیدا ہونے کے بعد زید نے اپنی بیوی کی ہمشیرہ کے ساتھ یعنی حقیقی سالی کے ساتھ بھی عقد کرلیا ہے اور دونوں سے مراسم بیوی کی ادا کرتا ہے اور دونوں کی اولاد بھی ہے، اور زید قوم قصاب سے ہے، آیا ایسی حالت میں اس کو زانی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس کے ہاتھ کا گوشت خریدنا چاہئے یا نہیں؟ اور اس کی موت میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

وہ ضرور حرامکار ہے، اس سے گوشت خریدنا بلکہ سلام کلام کرنا ہی نہ چاہئے، موت اس کے عزیز و قریب کریں گے اوروں کو بلاضرورت شرکت کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۸: مرسلہ محمد تقی مقام نکیسر متصل اسٹیشن ریلوے بتوسط حاجی رحیم بخش صاحب ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو اوقاتِ مختلفہ میں ابلیس مردود کافر متعدد بار کہا، زید معمر ہے بکر نوعمر۔ بکر یوم جمعہ کو خطبہ جمعہ پڑھ رہا تھا، اثنائے خطبہ میں کسی آیہ کریمہ میں غلطی ہُوئی زید نے چلّا کر بتایا، بکر نے اپنی غلطی کی اصلاح کرلی مگر زید نے اُسی ساعت میں چلّا چلّا کر چند بار اپنی قرارت کرتا ہی رہا، پھر بعد فراغ نماز زید نے سب لوگوں کو ٹھہرایا اور کہنے لگا یہ مردود ابلیس ہمیشہ غلط پڑھتا ہے اور مجھے ذبح کردیا ہے، بکر نے سوائے سکوت کوئی جواب نہیں دیا، اور اگر زید موجود ہے تو بکر نماز پڑھانے کے لئے زید کو کہلائے مگر زید نہ پڑھائے، پھر بکر نے دو۲ جمعہ پڑھا کر جواب دیا کہ وہ شخص جمعہ پڑھائے جس سے کوئی غلطی نہ ہو۔ مقتدیوں نے کہا تم ضرور پڑھاؤ تو مخالفت کا باعث معلوم ہوتا ہے اور ثابت بھی ہوگیا، بہرحال دوسرے امام مقرر کئے گئے چند دنوں بعد امام صاحب نے انتقال فرمایا اُس کے بعد زید خود ہی نماز پڑھانے لگا، اس حالت میں زید کی امامت صحیح ہوگی یا نہیں؟ ان دونوں میں شرعًا کافر و ابلیس کون ہوگا؟

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/۲۳۸

کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ فی التوبیخ حدیث ۴۳۸۱۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/۳۲

الجواب

مسلمانوں کو بلا وجہ شرعی مردود یا ابلیس کہنا سخت حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنٰت بغیر مااکتسبوا فقد احتملوا بھتانا و اثما مبینا[1]۔

وہ لوگ جو مومن مردوں اور عورتوں کو بلا وجہ اذیت دیتے ہیں تو بیشک انھوں نے بہتان اور واضح گناہ کا ارتکاب کیا۔ (ت)

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ[2]۔

جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو ایذا دی۔

اور مسلمان کو کافر کہنا تو ایسا سخت ہے کہ احادیث کثیرہ صحیحہ میں فرمایا فقد باء بہ احدھما[3] یہ بلا دونوں میں سے ایک پر ضرور پڑے گی جسے کافر کہا اگر وہ واقع میں کافر ہے تو خیر ورنہ یہ کہنا اسی کہنے والے پر پلٹ آئے گا، و لہذا امام اعمش و ائمہ بلخ وغیرہم کثیر فقہائے کرام کا فتوٰی یہی ہے کہ جو مسلمان کو کافر کہے خود کافر ہوجاتا ہے والصحیح فیہ تفصیل اوردناھا فی فتاونا (اور صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے جس کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے) عین حالت خطبہ میں تصحیح بکر کے بعد بھی جو زید بار بار اپنی قراءت کرتا رہا یہ بھی حرام تھا،

قال اللہ تعالٰی اذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ و انصتوا لعلکم ترحمون[4]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (ت)

زید اگر بلا وجہ شرعی ان الفاظ کا مرتکب ہوا ہے تو اُس پر فرض ہے کہ توبہ کرے اور بکر سے معافی چاہے ورنہ وہ فاسق معلن ہے اُسے امام بنانا گناہ اور اُس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۸

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۳۷۳

[3] صحیح البخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱

[4] القرآن الکریم ۷/ ۲۰۴

مسئلہ ۲۸۹ تا ۲۹۰: از پوسٹ کانت فقیر ہاٹ مدرسہ اسلامیہ کالاپل چاٹگام مرسلہ وحید اللہ صاحب ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی هٰذہ المسألۃ ان رجلا من الجہلاء قال لمعلم العلوم العربیۃ اعنی المبادی والمقاصد ما انت الا بشر مثلنا فقال لہ اذا کان الامر کذٰلک فما اصنع فی المدرسۃ العالیۃ مثلا فاجاب لہ یا راعی البقر والخنزیر ترعیھما فیھا وایضا اعتقد ان اللہ یغفر ویدخل الجنۃ من یشرك بہ لمن یشاء فذکر العالم شیئا من اٰیۃ القراٰن والاحادیث الصحیحۃ فقال ھذا لیس بشیئ ففی الصورۃ المسئولۃ ھل یجب التوبۃ وتجدید النکاح علیہ ام لا۔

علماءِ کرام (اللہ آپ پر رحم کرے) آپ کا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ میں کہ ایک جاہل شخص، عربی علوم کی مبادی ومقاصد کے استاذ کو کہتا ہے کہ تُو ہمارے جیسا بشر ہے، تو عربی کے معلّم نے جواب میں کہا کہ اگر یہی معاملہ ہے تو پھر میں مدرسہ عالیہ میں کیا کر رہا ہُوں تو جاہل نے اسے جواب میں کہا اے گائے اور خنزیر کے چرواہے! تُو وہاں ان کو چراتا ہے اور نیز اس کا عقیدہ ہے اللہ تعالٰی جس مشرک کو چاہے بخش دیتا ہے اور اس کو جنت میں داخل فرماتا ہے، تو اس پر اس عالم نے اس کو کچھ قرآنی آیات اور صحیح احادیث سنائیں، تو جاہل نے کہا یہ کوئی چیز نہیں ہے، تو کیا مسئولہ صورت میں توبہ اور تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) من قال واعتقد تارك الصلٰوۃ کافر فالقائل ھل ھو خارج عن مذھب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی ام لا۔ بیّنوا توجروا۔

(۲) جو شخص یہ عقیدہ رکھے اور بیان کرے کہ نماز کا تارک کافر ہے، تو یہ کہنے والا، کیا وُہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب سے خارج ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب

اما ما خاطب بہ العالم فھو من جھلہ وسوء ادبہ یستحق بہ التعزیر الشدید اللائق بحالہ الزاجر لہ ولامثالہ ففی الحدیث عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایستخف بحقھم الا منافق

اس نے عالم کو جن الفاظ سے خطاب کیا ہے وہ اس کی جہالت اور انتہائی بے ادبی ہے اس کی وجہ سے وُہ اور ایسے دیگر لوگ اپنے جُرم کے مناسب شدید تعزیر کے مستحق ہیں، حدیث شریف میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ارشاد ہے تین حضرات کی توہین کھُلے منافق

بين النفاق ذوالشيبة فى الاسلام و ذوالعلم و امام مقسط اما قوله ان الله يغفر لمن يشرك به لمن يشاء فمخالف للقرأن العظيم قال الله عز وجل ان الله لايغفر ان يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء واما قوله لأيات القرأن العظيم والاحاديث هذا ليس بشئ فهذا ليس بشئ الاالكفر الجلى تجرى به عليه احكام المرتدين فعليه ان يسلم واذا اسلم فليجدد نكاحه برضأ المرأة وان لم ترضى فلها الخيار تعتد وتنكح من تشاء ، والله سبحنه وتعالٰى اعلم۔

(۲) الحكم بالكفر على تارك الصلٰوة وارد فى صحاح الاحاديث وعليه جمهور الصحابة والتابعين وليست المسألة فقهية بل كلامية وقد اختلف اهل السنة قديما فمن قال باحد القولين لايخرج به عن الحنفية۔ والله تعالٰى اعلم۔

کے بغیر دوسرا نہیں کرسکتا ایک عالم، دوسرا وُہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا، اور تیسرا مسلمان عادل بادشاہ۔ تاہم اس کا یہ کہنا کہ "اللہ تعالٰی جس مشرک کو چاہے بخش دیتا ہے، تو یہ قرآن عظیم کے مخالف ہے، کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰی شریک بنانے والے کو نہیں بخشتا، اس کے علاوہ جس کو چاہے بخشتا ہے۔ اور اس کا قرآن وحدیث کے متعلق یہ کہنا کہ، یہ کوئی چیز نہیں ہے، یہ تو خالص ایسا کفر ہے جس پر مرتدوں والے احکام جاری ہوتے ہیں، لہٰذا اس پر تجدیدِ اسلام ضروری ہے اور مسلمان ہوکر عورت کی رضامندی سے دوبارہ اس سے نکاح کرے، اگر اس سے نکاح پر راضی نہ ہو تو بیوی کو اختیار ہے کہ وہ عدت پوری کرکے کسی اور سے اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم۔

(۲) نماز کے تارک پر احادیث صحیحہ میں کفر کا اطلاق آیا ہے، اور جمہور صحابہ وتابعین کا یہی مسلک ہے جبکہ یہ مسئلہ فقہی نہیں بلکہ علمِ کلام سے متعلق ہے، اس میں اہلسنّت کا قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے، لہٰذا اگر کوئی دو قولوں میں سے ایک قول کو اختیار کرے تو وُہ حنفیت سے خارج نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[۱] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ فی التوبیخ حدیث ۴۳۸۱۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۲
المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۲۳۸

[۲] القرآن الکریم ۴/ ۴۸ و ۱۱۶

مسئلہ ۲۹۱ ، ۲۹۲ از بنگلور بازار مرسلہ قاضی عبدالغفار صاحب مورخہ ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ان مسائل میں کہ :

(۱) ایک شخص درود شریف پورا پڑھتا ہے اللھم صل وسلم علی محمد وسیدنا وھادینا ومرشدنا ومخدومنا (نام اپنے پیر کا لیتا ہے) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک پر نہ سیدنا وھادینا ہے اور اپنے پیر کے نام پر القاب تعظیمی لگاتا ہے، پس ایسا درود پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کوئی پیر اس کو روا رکھے تو کیسا ہے؟

(۲) بشیر و نذیر القاب مخصوصہ سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں یا اور کسی کو بھی کہہ سکتے ہیں؟ اگر کوئی شخص اپنے مریدوں سے کہلوائے اور اپنی نسبت روا رکھے تو اس پیر و مرشد کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) یہ بیجا ہے اور ایک نوع ظلم ہے، اُسے اس سے احتراز چاہیے، ادب تو یہ ہے کہ اکابر کے نام کے ساتھ اُن کے اصاغر کا نام لیا جائے، اگر وُہ اپنے اکابر ہوں تو اُن کے نام کے ساتھ اُن کے نام میں زیادہ الفاظ تعظیمی ضروری نہیں، نہ کہ معاذ اللہ عکس، عرب میں کنیت تعظیم ہے، امام ابو یوسف امام محمد کے استاد مگر امام اعظم کے شاگرد ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم، امام محمد نے جامع صغیر وغیرہ جتنی کتابیں بروایت امام ابی یوسف حضرت امام اعظم سے روایت کیں اُن میں امام ابو یوسف کو کنیت سے یاد نہ کیا بلکہ نام سے محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اس کا نکتہ علماء نے یہی لکھا ہے، اُس شخص پر اس سے احتراز لازم ہے اور پیر پر واجب ہے کہ اُسے ہدایت کرے، اور اگر یہ مطلب ہو کہ پیر کی عظمت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زائد ہے تو یہ صریح کفر ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام صفاتِ کریمہ باین معنی خصائصِ حضور ہیں کہ کوئی صفت میں حضور کا مماثل وشریک نہیں، امام ابو محمد بوصیری قدس سرہٗ فرماتے ہیں، ؎

منزہ عن شریک فی محاسنہ ۔۔۔ فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم[1]

(آپ اپنے محاسن میں کسی شریک سے پاک ہیں، تو آپ کے حُسن کا مادہ منقسم نہیں ہے)

---

[1] قصیدہ بُردہ الفصل الثالث تاج کمپنی لاہور ص ۱۰

مگر حضور نے اپنی بعض صفاتِ کریمہ کا اپنے مستفیضوں، اپنے خادموں اور اپنے غلاموں پر بھی پرتو ڈال دیا جیسے علیم، حلیم، کریم کہ اُن صفات کی تجلی جس میں متحقق ہو اُس پر اُن کے اطلاق میں حرج نہیں۔ بشیر و نذیر بھی اُنھیں صفات میں ہیں،

قال تعالٰی مبشرین و منذرین[1]، وقال تعالٰی وان من امة الاخلا فیھا نذیر[2]، وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشروا ولا تنفروا[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: بشارت دینے والے اور ڈر سُنانے والے۔ اور فرمایا: ہر امت میں ڈر سنانے والا گزرا ہے۔ اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: بشارت دو نفرت پیدا نہ کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۳ از اجمیر شریف کارخانہ گرنیچ علاقہ نمبر ۳۰ لوہار خانہ مرسلہ جمال محمد

۱۴ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

ہر کسی کو شیطان کہیں، یہ حلال یا حرام؟

الجواب

گمراہ بددین کو شیطان کہا جاسکتا ہے اور اُسے بھی جو لوگوں میں فتنہ پردازی کرے، اِدھر کی اُدھر لگا کر فساد ڈلوائے، جو کسی کو گناہ کی ترغیب دے کر لے جائے وہ اُس کا شیطان ہے، اور مومن صالح کو شیطان کہنا شیطان کا کام ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

نوٹ

جلد سیزدہم ختم ہوئی، اس کا آخری عنوان کتاب الحدود والتعزیر ہے، جبکہ آنے والی جلد چہاردہم کا پہلا عنوان کتاب السیر ہوگا۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/۱۶۵ و ۱۸/۵۶ و ۶/۴۸
[2] " " ۳۵/۲۴
[3] صحیح البخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

مآخذ و مراجع

نام کتاب	مصنف کتاب	سن وفات ہجری
ا		
۱۔ الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔ الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔ الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔ الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔ ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔ ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔ الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحرالعلوم	۱۲۲۵
۸۔ الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔ اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔ اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔ الاصلاح والایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال پاشا	۹۴۰
۱۲۔ آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔ انفع الوسائل الیٰ تحریر المسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔ امداد الفتاح شرح نورالایضاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔ الانوار لعمل الابرار	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹

42
42

۱۶- امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن بشران	۴۳۲
۱۷- الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۸- القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷
۱۹- الاصل (مبسوط)	ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰- اخبارِ مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱- الاُم	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲- اخبارِ مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳- امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴- اربعین للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵- احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶- اربعین نووی	محی الدین یحیٰی بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷- الاذکار المنتخبہ من کلام سید الابرار	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۸- اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علی بن محمد ابن اثیر الشیبانی	۶۳۰
۲۹- الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰- الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱- انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲- الاتقان	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۳۳- اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الہیتمی المکی	۹۷۴
۳۴- الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی القاری)	۱۰۱۴
۳۵- الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۶
۳۶- اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضیٰ الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷- انجاح الحاجہ حاشیہ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸- اعانۃ الطالبین	سید محمد شطا الدمیاطی	
۳۹- الاشارات ابن سینا	ابوعلی حسین بن عبداللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸

ب

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۴۰	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۴۱	الہدایہ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۲	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۴۳	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسیٰ الطرابلسی	۹۲۲
۴۴	بستان العارفین	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۴۵	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۴۶	البنایۃ شرح الہدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵
۴۷	بہجۃ الاسرار	یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳
۴۸	بلوغ المرام	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲
۴۹	بستان المحدثین	شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ	۱۲۳۹
۵۰	براہین قاطعہ	رشید احمد گنگوہی	۱۹۰۵ء

ت

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۵۱	تاج العروس	سید محمد مرتضیٰ الزبیدی	۱۲۰۵
۵۲	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۵۳	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۴	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۵۵	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن الہمام	۸۶۱
۵۶	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۵۷	تحقیق الحسامی	عبد العزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۵۸	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۵۹	التعریفات لسید شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۶۰	التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید	یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر الاندلسی	۴۶۳

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۶۱	تنبیہ الانام فی آداب الصیام		
۶۲	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین محلی وجلال الدین السیوطی	۸۶۴ - ۹۱۱
۶۳	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۶۴	تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن اخبار الشنیعۃ الموضوعۃ	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی	۹۲۳
۶۵	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن محمد الرازی (حافظ)	۳۲۷
۶۶	تہذیب الآثار	ابوجعفر محمد بن محمد بن جریر	۱۳۱۰
۶۷	تقریب التقریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النواوی	۹۱۱
۶۸	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۶۹	التیسیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۷۰	تبیین الحقائق	فخرالدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۷۱	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۷۲	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۷۳	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۷۴	تعظیم الصلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۷۵	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۷۶	التوشیح فی شرح الہدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳
۷۷	تاریخ الطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۷۸	تنبیہ الغافلین	نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی	۳۷۳
۷۹	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود بن حسن بغدادی ابن نجار	۶۴۳
۸۰	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۸۱	التوضیح شرح التنقیح فی اصول الفقہ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ	۷۴۷
۸۲	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۳	تذہیب تہذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۴	التلویح شرح توضیح	سعدالدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی	۷۹۲
۸۵	تدریب الراوی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

٨٦ - التعقبات علی الموضوعات — جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی — ٩١١

٨٧ - تاریخ الخمیس — شیخ حسین بن محمد ابن الحسن دیار بکری — ٩٦٦

٨٨ - تذکرہ اولی الالباب انطاکی — داؤد بن عمر انطاکی — ١٠٠٨

٨٩ - التبیان فی بیان ما فی لیلۃ النصف من شعبان — علی بن سلطان محمد القاری — ١٠١٤

٩٠ - تفسیرات احمدیہ — احمد بن ابوسعید المعروف مُلّا جیون — ١١٣٠

٩١ - التفسیر المظہری — قاضی ثناء اللہ پانی پتی — ١٢٢٥

٩٢ - تحفہ اثنا عشریہ — الشاہ عبدالعزیز دہلوی — ١٢٣٩

٩٣ - تنبیہ ذوی الافہام — محمد امین ابن عابدین — ١٢٥٢

٩٤ - التحریر المختار (تقریرات الرافعی) — عبدالقادر الرافعی الفاروقی — ١٣٢٣

٩٥ - تذکرۃ الموضوعات للفتنی — محمد بن طاہر الفتنی — ٩٨٦

٩٦ - تجنیس الملتقط

٩٧ - تحفۃ المومنین فی الطب — محمد مومن بن محمد زمان الحسینی

٩٨ - تحفۃ الصلوٰۃ (فارسی) — حسین بن علی الکاشفی الواعظ — ٩١٠

ث

٩٩ - الثمانون فی الحدیث — ابوبکر محمد بن الحسین الآجری — ٣٦٠

١٠٠ - ثبت — ابو محمد محمد بن امیر المکی المصری

ج

١٠١ - جامع الترمذی — ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی — ٢٧٩

١٠٢ - جامع الرموز — شمس الدین محمد الخراسانی — ٩٦٢

١٠٣ - الجامع الصحیح للبخاری — امام محمد بن اسمٰعیل البخاری — ٢٥٦

١٠٤ - الجامع الصغیر فی الفقہ — امام محمد بن حسن الشیبانی — ١٨٩

١٠٥ - الجامع الصحیح للمسلم — مسلم بن حجاج القشیری — ٢٦١

١٠٦ - جامع الفقہ (جوامع الفقہ) — ابونصر احمد بن محمد العتابی — ٥٨٦

نمبر و کتاب	مصنف	سن وفات
۱۰۷ - جامع الفصولین فی الفروع	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۱۰۸ - الجامع الکبیر فی فروع الحنفیۃ	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۱۰۹ - جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۔
۱۱۰ - الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۱۱۱ - جواہر الفتاوی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۱۱۲ - الجوہرۃ النیرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۱۱۳ - الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحییٰ بن معین البغدادی	۲۳۳
۱۱۴ - الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۵ - جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۱۶ - جزء حدیثی حسن بن عرفہ	ابوعلی حسن بن عرفہ	بعد از ۲۵۶
۱۱۷ - الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۱۱۸ - جامع احکام الصغار فی الفروع	محمد بن محمود الاسروشنی	۶۳۲
۱۱۹ - جامع الادویہ والاغذیہ	ضیاء الدین عبداللہ بن احمد المالقی	۶۴۶
۱۲۰ - جواہر العقدین فی فضل الشرفین	نورالدین علی بن احمد السمہودی المصری	۹۱۱
۱۲۱ - جواہر خمسہ	محمد غوث بن عبداللہ گوالیاری	۹۷۰
۱۲۲ - جمع الجوامع فی الحدیث	ابوبکر جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین سیوطی	۹۱۱
۱۲۳ - جوہر منظم فی زیارت قبر النبی الکرم صلی اللہ علیہ وسلم	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۲۴ - جذب القلوب الی دیار المحبوب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲
۱۲۵ - الجامع الکبیر فی الفتاوی	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۵۵۶

ح

نمبر و کتاب	مصنف	سن وفات
۱۲۶ - حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفےٰ ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۱۲۷ - حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۱۲۸ - حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۱۲۹ - حاشیۃ علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵

کتاب	مصنف	سن وفات
۱۳۰۔ حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علامہ سفطی	۰
۱۳۱۔ الحاشیۃ لسعدی آفندی علی العنایۃ	سعد اللہ بن عیسیٰ الآفندی	۹۴۵
۱۳۲۔ الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقۃ محمدیۃ	عبد الغنی النابلسی	۱۱۴۳
۱۳۳۔ الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۱۳۴۔ حصر المسائل فی الفروع	امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۱۳۵۔ حلیۃ الاولیاء فی الحدیث	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۱۳۶۔ حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹
۱۳۷۔ حرز الامانی و وجہ التہانی	ابو محمد قاسم بن فیرہ الشاطبی المالکی	۵۹۰
۱۳۸۔ حیوۃ الحیوان الکبریٰ للدمیری	زکریا بن محمد بن محمود القزوینی	۶۸۲
۱۳۹۔ الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۴۰۔ حاشیۃ التلویح ملا خسرو	محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۴۱۔ حاشیۃ التلویح حسین چلپی	حسن بن محمد شاہ الفناری چلپی	۸۸۶
۱۴۲۔ حرز ثمین شرح حصن حصین	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۴۳۔ حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۱۴۴۔ حاشیہ مکتوبات شاہ ولی اللہ	״ ״ ״ ״ ״	״
۱۴۵۔ حصر الشارد فی اسانید الشیخ	محمد عابد السندی	۱۲۵۷
۱۴۶۔ حاشیۃ الکمثری علی الانوار		
۱۴۷۔ حاشیہ کفایۃ الطالب الربانی		
۱۴۸۔ حاشیۃ الحفنی علی الجامع الصغیر	علامہ الحفنی	
۱۴۹۔ الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۰۔ حسن المقصد فی عمل المولد	״ ״ ״ ״	״

خ

کتاب	مصنف	سن وفات
۱۵۱۔ خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۱۵۲۔ خزانۃ الفتاویٰ	طاہر بن احمد عبد الرشید البخاری	۵۴۲

کتاب	مصنف	سن
۱۵۳- خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۱۵۴- خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۱۵۵- خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۱۵۶- الخیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۵۷- الخصائص الکبرٰی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۸- خلاصۃ الوفا	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
۱۵۹- خزائن الاسرار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸

د

کتاب	مصنف	سن
۱۶۰- الدرایۃ شرح الہدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۶۱- الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۶۲- الدر المختار فی شرح تنویر الابصار	محمد بن علی المعروف علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۶۳- الدر النثیر	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۶۴- الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور		″

ذ

کتاب	مصنف	سن
۱۶۵- ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۱۶۶- ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۱۶۷- ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

کتاب	مصنف	سن
۱۶۸- الرحمانیۃ		
۱۶۹- رد المحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۰- رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۱۷۱- رغائب القرآن	ابو مروان عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹

کتاب	مصنف		سن وفات
١٧٢- رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم		٩٧٠
١٧٣- رد علی الجہمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی		٢٨٠
١٧٤- رسالہ نذور	مولوی اسمٰعیل دہلوی	١٨٣١ء	١٢٤٦
١٧٥- رسالہ قشیریہ	عبدالکریم بن ہوازن القشیری		٤٦٥
١٧٦- رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی		٨٥٥
١٧٧- رفع الاشتباہ عن سبل المیاہ	قاسم بن قطلوبغا المصری		٨٧٩
١٧٨- رسالہ طلوع ثریا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی		٩١١
١٧٩- رسالہ اتحاف الغرفہ	"	"	"
١٨٠- رسائل ابن نجیم	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم		٩٧٠
١٨١- رسالہ اہتداء	علی بن سلطان محمد القاری		١٠١٤
١٨٢- رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ	احمد بن سید محمد مکی الحموی		١٠٩٨
١٨٣- رسالہ انصاف	شاہ ولی اللہ الدہلوی		١١٧٦
١٨٤- رسائل ابن عابدین	محمد امین آفندی ابن عابدین		١٢٥٢
١٨٥- رسالہ میلاد مبارک (الکوکب الانور علی عقد الجوہر)	جعفر بن اسمٰعیل البرزنجی		١٣١٧
١٨٦- الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ	ابو جعفر احمد بن احمد الشہیر بالمحب الطبری المکی		٦٩٤
١٨٧- رسالہ بدعت	میاں اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی الدہلوی	١٨٣١ء	١٢٤٦
١٨٨- رسالہ دعائیہ	مولوی خرم علی		
١٨٩- رسالہ غایۃ المقال	ابو الحسنات محمد عبدالحی		١٣٠٤

ز

کتاب	مصنف		سن وفات
١٩٠- زاد الفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی	المتوفی اواخر القرن السادس	
١٩١- زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام		٨٦١
١٩٢- زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی	تقریباً	١٠١٦
١٩٣- زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی		١٨٩
١٩٤- زہر النسرین فی حدیث المعمرین	محمد بن علی الشوکانی		١٢٥٠

کتاب	مصنف	سن وفات
۱۹۵ - زہر الربی علی المجتبیٰ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۹۶ - زہر الروض فی مسئلۃ الحوض	محمد بن عبداللہ ابن شحنہ	۹۲۱
۱۹۷ - الزواجر عن ا الکبائر	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۹۸ - زبدۃ الآثار فی اخبار قطب الاخبار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲
۱۹۹ - زبدۃ الاسرار فی مناقب غوث الابرار	〃 〃 〃	〃

س

کتاب	مصنف	سن وفات
۲۰۰ - السراج الوہاج (شرح قدوری)	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۲۰۱ - السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۲۰۲ - السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۲۰۳ - السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۲۰۴ - السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۲۰۵ - السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۰۶ - السنن للدارقطنی	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
۲۰۷ - السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵
۲۰۸ - سیرت ابن ہشام	ابومحمد عبدالملک بن ہشام	۲۱۳
۲۰۹ - سیرت عیون الاثر	محمد بن عبداللہ ابن سید الناس	۷۳۴
۲۱۰ - سراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی	ساتویں صدی ہجری
۲۱۱ - سیر اعلام النبلاء	شمس الدین محمد احمد الذہبی	۷۴۸
۲۱۲ - السعایہ فی کشف ما فی شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحی لکھنوی	۱۳۰۴
۲۱۳ - سیرت عمر بن محمد ملا	عمر بن محمد ملا	
۲۱۴ - سیرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن یسار	۱۵۱
۲۱۵ - سراج القاری		
۲۱۶ - السعدیہ		
۲۱۷ - السعی المشکور فی رد المذہب الماثور	محمد بن عبدالحی لکھنوی ہندی	۱۳۰۴

ش

۲۱۸ - الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۲۱۹ - شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۲۰ - شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیۃ المالکی	۱۱۰۶
۲۲۱ - شرح الاربعین للنووی	علامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۲۲۲ - شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۲۲۳ - شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۲۲۴ - شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۲۲۵ - شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۲۶ - شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۲۲۷ - شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۲۲۸ - شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۲۹ - شرح التقریبین		
۲۳۰ - شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۱ - شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۲۳۲ - شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۲۳۳ - شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۳۴ شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۲۳۵ - شرح مواہب اللدنیۃ	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۶ - شرح موطا امام مالک	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۷ - شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۸ - شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲
۲۳۹ - شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷
۲۴۰ - شرح الہدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰

۲۴۱۔ شرعۃ الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۲۴۲۔ شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۴۳۔ شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۴۴۔ شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	۵۳۶
۲۴۵۔ الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالفضل عیاض بن موسیٰ قاضی	۵۴۴
۲۴۶۔ شرح شافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاسترابادی	۶۸۶
۲۴۷۔ شرح کافیہ ابن حاجب	〃 〃 〃 〃	〃
۲۴۸۔ شرح طوالع الانوار	محمود بن عبدالرحمان الاصفہانی	۷۳۹
۲۴۹۔ شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی	۷۵۶
۲۵۰۔ شرح عقائد النسفی	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۱۔ شرح المقاصد	〃 〃 〃	〃
۲۵۲۔ شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۳۔ شرح السراجی	〃 〃 〃	〃
۲۵۴۔ شرح چغمینی	موسیٰ پاشا بن محمد الرومی	۸۴۱
۲۵۵۔ شرح حاشیۃ الکنز ملامسکین	معین الدین الہروی ملامسکین	۹۵۴
۲۵۶۔ شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۷۔ شرح عین العلم	〃 〃 〃 〃	〃
۲۵۸۔ شرح قصیدہ اطیب النغم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۵۹۔ شرح قصیدہ ہمزیہ	〃 〃 〃 〃	〃
۲۶۰۔ شرح رباعیات	〃 〃 〃 〃	〃
۲۶۱۔ شرح فواتح الرحموت	〃 〃 〃	〃
۲۶۲۔ شفاء العلیل	〃 〃 〃	〃
۲۶۳۔ شرح النقایہ لابی المکارم	ابوالمکارم بن عبداللہ بن محمد 〃	بعد از ۹۰۷
۲۶۴۔ شرف المصطفیٰ	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۵۔ شرح مقدمہ عشماویہ	احمد بن ترکی المالکی	

کتاب	مصنف	سنہ
٢٦٦- شرح جامع الاصول للضیعف	مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری	٦٠٦
٢٦٧- شرح الملتقی للبہنسی	محمد بن محمد المعروف بابن البہنسی	٩٨٧
٢٦٨- شرح درر البحار	عبدالوہاب ابن احمد الشہیر بابن وہبان	٧٦٨

ص

کتاب	مصنف	سنہ
٢٦٩- صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	٣٩٣
٢٧٠- صحیح ابن حبان (کتاب التقاسیم والانواع)	محمد بن حبان	٣٥٤
٢٧١- صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحاق ابن خزیمۃ	٣١١
٢٧٢- الصراح	ابوالفضل محمد بن عمر بن خالد القرشی	تقریباً ٦٩٠
٢٧٣- صغیری شرح منیہ	ابراہیم الحلبی	٩٥٦
٢٧٤- صراط مستقیم	سید احمد شہید بریلوی	١٢٤٦
٢٧٥- الصواعق المحرقۃ	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	٩٧٣

ط

کتاب	مصنف	سنہ
٢٧٦- الطحطاوی علی الدر	سید احمد الطحطاوی	١٣٠٢
٢٧٧- الطحطاوی علی المراقی	سید احمد الطحطاوی	١٣٠٢
٢٧٨- طبقات المقرئین	محمد بن احمد الذہبی	٧٤٨
٢٧٩- طبقات القراء	محمد بن محمد الجزری	٨٣٣
٢٨٠- الطریقۃ المحمدیۃ	محمد بن پیر علی المعروف ببرکلی	٩٨١
٢٨١- طلبۃ الطلبۃ	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	٥٣٧

ع

کتاب	مصنف	سنہ
٢٨٢- عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	٨٥٥
٢٨٣- العنایۃ شرح الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	٧٨٦
٢٨٤- عنایۃ القاضی حاشیۃ علی تفسیر البیضاوی	شہاب الدین الخفاجی	١٠٦٩

۲۸۵ - عیون المسائل	ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۲۸۶ - عقود الدریۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۸۷ - عدۃ	کمال الدین محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۲۸۸ - عمل الیوم واللیلۃ	ابوبکر احمد بن محمد ابن السنی	۳۶۴
۲۸۹ - عوارف المعارف	شہاب الدین سہروردی	۶۳۲
۲۹۰ - عقد الفرید	ابو عبداللہ محمد بن عبد القوی المقدسی	۶۹۹
۲۹۱ - عین العلم	محمد بن عثمان بن عمر الحنفی البلخی	۸۳۰
۲۹۲ - عقد الجید	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۹۳ - عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۲۹۴ - عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحی اللکھنوی	۱۳۰۴

غ

۲۹۵ - غایۃ البیان شرح الہدایۃ	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۲۹۶ - غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۲۹۷ - غریب الحدیث	ابو الحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۲۹۸ - غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکی	۱۰۹۸
۲۹۹ - غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۳۰۰ - غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۳۰۱ - غیث النفع فی القرار السبع	یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶

ف

۳۰۲ - فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۳۰۳ - فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بابن الہمام	۸۶۱
۳۰۴ - فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۳۰۵ - فتاوی بزازیہ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷

کتاب	مصنف	سن
٣٣١ - فتح المعین شرح اربعین	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	٩٧٤
٣٣٢ - فتح الالہ شرح المشکاۃ	″	″
٣٣٣ - فتاوی الفقہیہ ابن حجر مکی	″	″
٣٣٤ - فتاوی انقرویہ	محمد بن حسین الانقروی	١٠٩٨
٣٣٥ - فتاوی اسعدیہ	سید اسعد ابن ابی بکر المدنی الحسینی	١١١٦
٣٣٦ - فوائد مجموعہ شوکانی	محمد بن علی بن محمد الشوکانی	١٢٥٠
٣٣٧ - فتاوی جمال بن عمر المکی	جمال بن عمر المکی	١٢٨٤
٣٣٨ - فضل لباس العمائم	ابو عبد اللہ محمد بن وضاح	
٣٣٩ - فتاوی قاعدیہ	ابو عبد اللہ محمد بن علی القاعدی	
٣٤٠ - فتاوی غزی	محمد بن عبد اللہ التمرتاشی	١٠٠٤
٣٤١ - فتاوی شمس الدین الرملی		
٣٤٢ - فتح الملک المجید		
٣٤٣ - فتح العزیز (تفسیر عزیزی)	عبد العزیز بن ولی اللہ الدہلوی	١٢٣٩

ق

کتاب	مصنف	سن
٣٤٤ - القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	٨١٧
٣٤٥ - قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	٨٧٢
٣٤٦ - القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	٦٥٨
٣٤٧ - القرآن الکریم		
٣٤٨ - قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	ابو طالب محمد بن علی المکی	٣٨٦
٣٤٩ - القول المسدد	شہاب الدین احمد بن علی العسقلانی	٨٥٢
٣٥٠ - قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	١١٧٦
٣٥١ - القول الجمیل	″	″
٣٥٢ - قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار	محمد بن عبد الحی لکھنوی انصاری	١٣٠٤
٣٥٣ - القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب	ابراہیم بن عبد اللہ الیمنی	″

ک

کتاب	مصنف	سن وفات
٣٧٧ - کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	٢٨١
٣٧٨ - کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	١٨٠
٣٧٩ - الکشاف عن حقائق التنزیل	جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری	٥٣٨
٣٨٠ - کتاب الحجہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ	ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	١٨٩
٣٨١ - کتاب المشیخہ امام محمد	"	"
٣٨٢ - کتاب المراسیل	سلیمان بن اشعث السجستانی	٢٧٥
٣٨٣ - کتاب البعث والنشور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	٢٨١
٣٨٤ - کتاب الاخوان	ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	"
٣٨٥ - کتاب الضعفاء الکبیر	ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی	٣٢٢
٣٨٦ - کتاب الزہد الکبیر للبیہقی	احمد بن حسن البیہقی	٤٥٨
٣٨٧ - کتاب الرواۃ عن مالک ابن انس	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	٤٦٣
٣٨٨ - کتاب الحجہ علی تارک المحجہ	نصر بن ابراہیم المقدسی	٤٩٠
٣٨٩ - کیمیائے سعادت	امام محمد بن محمد الغزالی	٥٠٥
٣٩٠ - کفایۃ الطالب الربانی شرح لرسالہ ابن ابی زہر القہروانی	ابو الحسن علی بن ناصر الدین الشاذلی	٩٣٩
٣٩١ - کشف الظنون	مصطفیٰ بن عبداللہ حاجی خلیفہ	١٠٦٧
٣٩٢ - کشف الغمہ	شیخ عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	٩٧٣
٣٩٣ - کتاب الصفین	یحییٰ بن سلیمان الجعفی (استاد امام بخاری)	
٣٩٤ - کتاب المصاحف ابن الانباری		
٣٩٥ - کمالین حاشیہ جلالین	شیخ سلام اللہ بن محمد شیخ الاسلام محدث رامپوری	١٢٣٣
٣٩٦ - کتاب المغازی	محمد بن عمر بن واقد الواقدی	٢٠٧

ل

کتاب	مصنف	سن وفات
٣٩٧ - لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	١٠٥٢
٣٩٨ - لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	٩١١

۳۹۹ - لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱
۴۰۰ - الآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ۔	ابوبکر عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۰۱ - لواقح الانوار القدسیہ المنتخب من الفتوحات المکیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳

م

۴۰۲ - مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۴۰۳ - مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہرزادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۴۰۴ - مبسوط السرخسی	شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۴۰۵ - مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نور الدین علی الباقانی	۹۹۵
۴۰۶ - مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الفتنی	۹۸۱
۴۰۷ - مجموع النوازل	احمد بن موسیٰ بن عیسیٰ	۵۵۰
۴۰۸ - مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی شیخی زادہ	۱۰۷۸
۴۰۹ - المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۴۱۰ - المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۴۱۱ - مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۱۲ - مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۴۱۳ - المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۴۱۴ - المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۵ - مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۴۱۶ - مراقی الفلاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۴۱۷ - مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملا علی قاری	۱۰۱۴
۴۱۸ - مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۹ - مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۴۲۰ - المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۴۲۱ - المستصفیٰ شرح النفع	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰

کتاب	مصنف	سن وفات
۴۲۲ - مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۴۲۳ - مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۴۲۴ - مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۴۲۵ - مسند اسحٰق ابن راہویہ	حافظ اسحٰق ابن راہویہ	۲۳۸
۴۲۶ - مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۴۲۷ - المسند الکبیر فی الحدیث	حافظ ابوبکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار	۲۹۲
۴۲۸ - المسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۴۲۹ - مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۴۳۰ - مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۴۳۱ - المصفّٰی	حافظ الدین عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۳۲ - مصنف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبد اللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۴۳۳ - مصنف عبد الرزاق	ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۴۳۴ - مصباح الدجی	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰
۴۳۵ - معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۴۳۶ - المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۷ - المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۸ - المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۹ - معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۴۴۰ - مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۴۴۱ - المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۴۴۲ - المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبد السید المطرزی	۶۱۰
۴۴۳ - مختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۴۴۴ - مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۳۱
۴۴۵ - المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضل الاصفہانی	۵۰۲
۴۴۶ - المقدمۃ العشماویۃ فی الفقہ المالکیۃ	ابوالعباس عبد الباری العشماوی المالکی	

کتاب	مصنف	سن
۴۴۷ - الملتقط (فی فتاوی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۴۴۸ - مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۴۹ - مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۴۵۰ - المنتقیٰ (فی الحدیث)	عبد اللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۴۵۱ - المنتقیٰ فی فروع الحنفیہ	الحاکم الشہید محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۴۵۲ - منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۴۵۳ - منح الغفار	محمد بن عبد اللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۴۵۴ - ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۴۵۵ - منہاج النووی (شرح صحیح مسلم)	شیخ ابو زکریا یحییٰ بن شرف النواوی	۶۷۶
۴۵۶ - مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۴۵۷ - المبتغیٰ	شیخ عیسیٰ بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۴۵۸ - المبسوط	عبد العزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۴۵۹ - مسند فی الحدیث	الحافظ ابو الفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰
۴۶۰ - المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۴۶۱ - منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۴۶۲ - موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۴۶۳ - موارد الظمآن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۶۴ - مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۴۶۵ - مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۴۶۶ - میزان الشریعۃ الکبریٰ	عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۴۶۷ - میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۴۶۸ - المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسیٰ ابن مردویہ	۴۱۰
۴۶۹ - مکارم الاخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷
۴۷۰ - مسند الامام اعظم	ابو حنیفہ نعمان بن ثابت	۱۵۰
۴۷۱ - موطا الامام محمد	ابو عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹

۴۷۲ - المسند فی الحدیث	حسن بن سفیان النسوی	۳۰۳
۴۷۳ - معالم السنن لابی سلیمان الخطابی	احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی	۳۸۸
۴۷۴ - مقاماتِ حریری	قاسم بن علی الحریری	۵۱۶
۴۷۵ - معالم التنزیل تفسیر البغوی	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
۴۷۶ - الملل والنحل	ابو الفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی	۵۴۸
۴۷۷ - موضوعاتِ ابنِ جوزی	ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
۴۷۸ - مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث	ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن ابن الصلاح	۶۴۲
۴۷۹ - مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری	عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۴۸۰ - مدارک التنزیل تفسیر النسفی	ابو البرکات عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۸۱ - المواقف السلطانیہ فی علم الکلام	عضد الدین عبدالرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۴۸۲ - مقدمہ جزریہ	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۴۸۳ - مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۲
۴۸۴ - المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۴۸۵ - المنح الفکریہ شرح مقدمہ جزریہ	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۶ - المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط	〃 〃 〃 〃	〃
۴۸۷ - ماثبت بالسنۃ	شیخ عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی	۱۰۵۲
۴۸۸ - المیبذی	قاضی میر حسین بن معین الدین	۱۰۹۶
۴۸۹ - مسوی مصفی شرح موطا امام مالک	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۰ - مکتوبات شاہ ولی اللہ	〃 〃 〃 〃	〃
۴۹۱ - مکتوبات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۲ - ملفوظات	〃 〃 〃 〃	〃
۴۹۳ - معمولات	〃 〃 〃 〃	〃
۴۹۴ - مخزنِ ادویہ فی الطب	محمد حسین بن محمد الہادی بہادر خاں	
۴۹۵ - مجموعہ فتاوٰی	ابو الحسنات محمد عبدالحی	۱۲۴۳
۴۹۶ - معیار الحق	سید نذیر حسین الدہلوی	

۴۹۷ ۔ مظاہر حق — مولوی نذیر الحق میرٹھی

۴۹۸ ۔ مکتوبات امام ربانی — شیخ احمد سرہندی — ۱۰۳۴

۴۹۹ ۔ مناصحہ فی تحقیق مسئلۃ المصافحہ

۵۰۰ ۔ مفتاح الصلوٰۃ

۵۰۱ ۔ مجتبیٰ شرح قدوری

۵۰۲ ۔ مشیخہ ابن شاذان

۵۰۳ ۔ معرفۃ الصحابہ لابی نعیم — احمد بن عبداللہ اصبہانی — ۴۳۰

۵۰۴ ۔ مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) — امام فخر الدین رازی — ۶۰۶

ن

۵۰۵ ۔ النقایہ مختصر الوقایہ — عبداللہ بن مسعود — ۷۴۵

۵۰۶ ۔ نصب الرایہ — ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی — ۷۶۲

۵۰۷ ۔ نور الایضاح — حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی — ۱۰۶۹

۵۰۸ ۔ النہایہ — حسام الدین حسین بن علی السغناقی — ۷۱۱

۵۰۹ ۔ النہایہ لابن اثیر — مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر — ۶۰۶

۵۱۰ ۔ النہر الفائق — عمر بن نجیم المصری — ۱۰۰۵

۵۱۱ ۔ نوادر فی الفقہ — ہشام بن عبیداللہ المازنی الحنفی — ۲۰۱

۵۱۲ ۔ نور العین — محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ — ۱۰۳۱

۵۱۳ ۔ النوازل فی الفروع — ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی — ۳۷۶

۵۱۴ ۔ نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول — ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی — ۲۵۵

و

۵۱۵ ۔ الوافی فی الفروع — عبداللہ بن احمد النسفی — ۷۱۰

۵۱۶ ۔ الوجیز فی الفروع — ابو حامد محمد بن محمد الغزالی — ۵۰۵

۵۱۷ ۔ الوقایہ — محمود بن صدر الشریعۃ — ۶۷۳

ضمیمہ
مآخذ و مراجع

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنفِ کتاب	سن وفات ہجری
	ا		
۱ -	انوار التنزیل فی اسرار التاویل (تفسیر البیضاوی)	ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر البیضاوی ہدیۃ العارفین	۶۸۵/۶۹۲/۶۹۱ ۴۶۳/۱
۲ -	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابو عمر یوسف بن عبد اللہ النمری القرطبی	۴۶۲
۳ -	اوضح رمز علی شرح نظم الکنز	علی بن محمد ابن غانم المقدسی	۱۰۰۴
۴ -	الاستذکار	یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر الاندلسی	۴۶۳
۵ -	الافراد	علی بن عمر الدار قطنی	۳۸۵
۶ -	الایضاح فی شرح التجرید	امام ابو الفضل عبد الرحمٰن بن احمد الکرمانی	۵۴۳
۷ -	اسباب النزول	ابو الحسن علی بن احمد الواحدی	۴۶۸
۸ -	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبد الغنی دہلوی	۱۲۴۶
۹ -	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم	۱۱۷۶
۱۰ -	انسان العین	" " " " "	"
۱۱ -	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علی بن برہان الدین حلبی	۱۰۴۴
۱۲ -	ارشاد الطالبین	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۳ -	الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد الحنفی	۹۸۹

کتاب	مصنف	سن وفات
۱۴ - ارشاد الساری الی مناسک الملا علی القاری	حسین بن محمد سعید عبد الغنی المکی الحنفی	
۱۵ - الآداب الحمیدہ و الاخلاق	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۶ - الاربعین طائیہ	ابو الفتح محمد بن محمد الطائی الهمدانی	۵۵۵
۱۷ - انیس الغریب	جلال الدین عبد اللہ بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۸ - الارشاد فی الکلام	امام ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی الشہیر بامام الحرمین	۴۷۸
۱۹ - افضل القراء لقراء ام القراء	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۲۰ - الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاخبار	محمد بن موسیٰ الحازمی الشافعی	۵۸۴

ت

کتاب	مصنف	سن وفات
۲۱ - تلخیص الجامع الکبیر	کمال الدین محمد بن عباد الحنفی	۶۵۲
۲۲ - تحفۃ الحریص فی شرح التلخیص	علی بن بلبان الفارسی المصری الحنفی	۷۳۹
۲۳ - تقویۃ الایمان	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبد الغنی دہلوی	۱۲۴۶
۲۴ - تعلیم المتعلم	امام برہان الدین الزرنوجی	
۲۵ - الترغیب والترہیب	ابو القاسم اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی	۵۳۵
۲۶ - تذکرۃ الموتیٰ والقبور	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۲۷ - التثبیت عند التبییت	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۸ - تلخیص الادلہ لقواعد التوحید	ابو اسحٰق ابراہیم بن اسمٰعیل الصفار البخاری	۵۳۴
۲۹ - تفہیم المسائل		
۳۰ - تنبیہ الغافل والوسنان	ابن محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲

ث

کتاب	مصنف	سن وفات
۳۱ - ثقفیات	ابو عبد اللہ قاسم بن الفضل الثقفی الاصفہانی	۴۸۹
۳۲ - ثواب الاعمال لابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴

ج

کتاب	مصنف	سن وفات
۳۳ - الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)	ابو عبد اللہ محمد ابن احمد القرطبی	۶۷۱

۳۴ - جامع المضمرات والمشکلات (شرح قدوری)	یوسف بن عمر الصوفی	۸۳۲
۳۵ - جد الممتار علی رد المحتار	امام احمد رضا بن نقی علی خاں	۱۳۴۰

ح

۳۶ - الحسامی	محمد بن محمد بن عمر حسام الدین الحنفی	۶۴۴
۳۷ - حاشیہ درر غرر نابلسی	اسمٰعیل بن عبد الغنی نابلسی	۱۰۶۲
۳۸ - حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل	عبد القادر الفاکہی	۹۸۲
۳۹ - حواشی علی معالم التنزیل	امام احمد رضا خاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
۴۰ - حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین	" " " " " " " "	"

خ

۴۱ - خلاصۃ خلاصۃ الوفار	نور الدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱

د

۴۲ - دلائل النبوۃ	ابو بکر بن احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۳ - در ثمین فی مبشرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم	۱۱۷۶
۴۴ - در منظم فی مولد النبی المعظم " " "	ابو القاسم محمد بن عثمان اللؤلؤی الدمشقی	۸۶۷
۴۵ - کتاب الدعوات	احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۶ - الدرۃ المغیبۃ فی زیارۃ المصطفویۃ	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۷ - الدرۃ الثمینۃ فی اخبار المدینۃ	حافظ محب الدین محمد بن محمود بن نجار	۶۴۳
۴۸ - الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ	مفتی احمد بن السید زینی دحلان	۱۳۰۴

ذ

۴۹ - ذکر الموت	عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱

ر

کتاب	مصنف	سنہ وفات
۵۰ - رفع الانتقاض ودفع الاعتراض الخ	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

س

کتاب	مصنف	سنہ وفات
۵۱ - سلفیات من اجزاء الحدیث	حافظ ابوالطاہر احمد بن محمد السلفی	۵۸۶
۵۲ - السراج المنیر فی شرح جامع الصغیر	علی بن محمد بن ابراہیم المعری العزیزی	۱۰۷۰
۵۳ - سُنن الہدی	عبدالغنی بن احمد بن شاہ عبدالقدوس گنگوہی	
۵۴ - سُنن فی الحدیث	حافظ ابوعلی سعید بن عثمان ابن السکن البغدادی	۳۵۳

ش

کتاب	مصنف	سنہ وفات
۵۵ - شرح رسالہ فضالیہ	علامہ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۶
۵۶ - شرح الصغرٰی	علامہ محمد یوسف السنوسی	۸۹۵
۵۷ - الشامل فی فروع الحنفیہ	ابوالقاسم اسمٰعیل بن حسین البیہقی الحنفی	۴۰۲
۵۸ - شرح صحیح بخاری الکواکب الدراری	محمد بن یوسف الکرمانی	۷۹۶
۵۹ - شفاء العلیل شرح القول الجمیل	مولوی خرم علی بلہوری	غالبًا ۱۲۷۱
۶۰ - شرح صحیح بخاری	ناصرالدین علی بن محمد ابن منیر	
۶۱ - شرح زیج سلطانی	عبدالعلی بن محمد بن حسین	۹۳۳
۶۲ - شفاء العلیل وبل الغلیل	ابن عابدین محمد امین آفندی	۱۲۵۲

ص

کتاب	مصنف	سنہ وفات
۶۳ - الصحاح الماثورہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم		
۶۴ - صغری شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۶۵ - صراطِ مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

ط

نمبر	کتاب	مصنف	سن
۶۶	الطبقات الکبریٰ	محمد بن سعد الزہری	۲۳۰

غ

نمبر	کتاب	مصنف	سن
۶۷	غرائب القرآن ورغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری)	نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری	۷۲۸
۶۸	غریب الحدیث	قاسم بن سلام البغدادی	۲۲۴
۶۹	غریب الحدیث	ابراہیم بن اسحٰق الحربی	۲۸۵
۷۰	غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار	مولوی خرم علی بلہوری	غالباً ۱۲۷۱

ف

نمبر	کتاب	مصنف	سن
۷۱	الفتوحات الالٰہیۃ (تفسیر جمل)	سلیمان بن عمر الشافعی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۷۲	الفرج بعد الشدۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱
۷۳	فاتح شرح قدوری		
۷۴	فوائد حاکم وخلاص		
۷۵	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۷۶	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۷۷	فتاویٰ شاہ رفیع الدین	شاہ رفیع الدین	۱۲۳۳
۷۸	الفتح المبین شرح اربعین نووی	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۷۹	فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب		
۸۰	فتوح الغیب	سید شیخ عبدالقادر گیلانی	۵۶۱
۸۱	فتاویٰ عزیزی	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۰۰۴

ق

نمبر	کتاب	مصنف	سن
۸۲	قرۃ عیون الاخیار	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

ك

نمبر	کتاب	مصنف	سن
٨٣	كشف الغطاء عما لزم للموتى على الاحياء	محمد شیخ الاسلام بن محمد فخر الدین	
٨٤	كتاب اتباع الاموات	ابراہیم بن اسحاق الحربی	٢٨٥
٨٥	كتاب الدعوات	سلیمان بن احمد الطبرانی	٣٦٠
٨٦	كتاب الثواب فی الحدیث	ابو الشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر	٣٩٩
٨٧	كشف النور عن اصحاب القبور	عبدالغنی نابلسی	١١٤٣
٨٨	كتاب الزہد	امام احمد بن محمد بن حنبل	٢٤١
٨٩	كتاب القبور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	٢٨١
٩٠	كتاب الروضہ	ابو الحسن بن براء	
٩١	كتاب الزہد	حافظ ہناد بن السری التمیمی الدارمی	٢٤٣
٩٢	كتاب ذكر الموت		
٩٣	كتاب ادعیۃ الحج والعمرہ	قطب الدین الدہلوی	١٢٨٩
٩٤	كنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	عبدالرؤف بن تاج الدین بن علی المناوی	١٠٣١
٩٥	كتاب الخروج	قاضی امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی	١٨٢
٩٦	كف الرعاع عن المحرمات اللہو والسماع	ابو العباس احمد بن محمد ابن حجر مکی	٩٧٤

ل

نمبر	کتاب	مصنف	سن
٩٧	لباب المناسک	شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ السندی	٩٧٨

م

نمبر	کتاب	مصنف	سن
٩٨	منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر	علی بن سلطان محمد القاری	١٠١٤
-	مجموعہ خانی (فارسی)		
٩٩	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	١١٩٥
١٠٠	مشارق الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	٩٧٤

نمبر	کتاب	مصنف	سنہ وفات
۱۰۱	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبید بن حمید الکشی	۲۴۹
۱۰۲	المنتقٰی فی احادیث الاحکام عن خیر الانام	احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ	۷۲۸
۱۰۳	منظومۃ النسفی فی الخلاف	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷
۱۰۴	معراج الدرایۃ فی شرح الہدایۃ	امام قوام الدین بن محمد الکاکی	۷۴۹
۱۰۵	المسند الصحیح فی الحدیث	ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنی	۳۱۶
۱۰۶	مسند الشامیین		
۱۰۷	مدارج النبوۃ	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۸	مجمع البرکات	" " "	"
۱۰۹	مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء	جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۰	مختصر تاریخ ابن عساکر	امام محمد بن مکرم المعروف بابن منظور	۷۱۱
۱۱۱	مأۃ مسائل	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۲	مسائل اربعین	" " "	"
۱۱۳	مالابد منہ	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۱۴	مشکوٰۃ المصابیح	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب	۷۴۰
۱۱۵	منتقیٰ یا در منتقیٰ فی شرح الملتقیٰ	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۱۶	موضح القرآن ترجمۃ القرآن	شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۰
۱۱۷	مثنوی شریف فارسی منظوم	ملا جلال الدین محمد بن محمد الرومی البلخی القونوی	۶۷۲
۱۱۸	مصطلحات الحدیث	علی بن السید محمد بن علی الجرجانی سید شریف	۸۱۶
۱۱۹	المقاصد فی علم الکلام	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۱
۱۲۰	مغنی المستفتی عن سوال المفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۲۱	مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح	قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹
۱۲۲	منحۃ الجلیل	ابن عابدین محمد امین آفندی	۱۳۵۲
۱۲۳	مفتاح الغیب فی شرح فتوح الغیب	عبد الحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲

ن

نمبر	کتاب	مصنف	سنہ وفات
۱۲۴	نافع فی الفروع	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۴۰۲

١٢٥ - نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار	محمد بن علی الشوکانی	١٢٥٠
١٢٦ - نصیحۃ المسلمین	خرم علی بلہوری	١٢٧١
١٢٧ - نفحات الانس من حضرات القدس	عبدالرحمٰن بن احمد الجامی	٨٩٨
١٢٨ - نسیم الریاض فی شرح شفاء قاضی عیاض	قاضی عیاض احمد بن محمد الخفاجی	١٠٦٩
١٢٩ - النشر فی قراۃ العشر	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	٨٣٣
١٣٠ - نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر	احمد بن علی حجر العسقلانی	٨٥٢
١٣١ - نفع المفتی والمسائل	مولوی عبدالعلی مدراسی	١٣٠٦
١٣٢ - نوادر الاصول	ابو عبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذی	٢٥٥
١٣٣ - نصاب الاحتساب فی الفتاوٰی	عمر بن محمد بن عوف الشامی	
١٣٤ - نور الشمعہ فی ظفر الجمعہ	علی بن غانم المقدسی	
١٣٥ نظم الفرائد وجمع الفوائد فی الاصول	عبدالرحیم بن علی الرومی المعروف شیخ زادہ	٩٤٤
١٣٦ - نافع شرح قدوری		
١٣٧ - نامِ حق	شرف الدین بخاری	
١٣٨ - نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار	شمس الدین احمد بن قودر المعروف بقاضی زادہ	٩٨٨

و

١٣٩ - وفیات الاعیان	شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان	٦٨١
١٤٠ - واقعات المفتیین		٣٢٥
١٤١ - وفاء الوفاء	نور الدین علی بن احمد السمہودی	٩١١

ھ

١٤٢ - ہوامع	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	١١٧٩
١٤٣ - ہمعات	" " " " " " "	"